www.KitaboSunnat.com

العواصم من القواصم اور المنتقی سے اہم ترین حواشی اور تخریج حدیث کے ساتھ

# مختصر منهاج السنة

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

7-8

اختصار وترجمہ وتعلیقات وحواشی

پیرزادہ شفیق الرحمن شاہ الدراوی حفظہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

# محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

## تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com



# فہرست مضامین


❖ امامت علی رضی اللہ عنہ پر قرآنی دلائل ---- 13

❖ پہلی دلیل.﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور اس پر ردّ ---- 13

❖ اسماعیلیہ اور نصیریہ کی گمراہی کی وجہ ---- 16

❖ متنازعہ آیت کی صحیح تفسیر ---- 21

❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مخالفین......؟ ---- 23

❖ من گھڑت روایت کا پس پردہ محرک ---- 26

❖ اہل اسلام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض کا الزام ---- 27

❖ موالات (دوستی) کی حقیقت ---- 29

❖ ولی اور متولی میں فرق ---- 30

❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے اثبات میں دوسری دلیل ---- 33

❖ محدثین کرام اور ان کی خدمات جلیلہ ---- 34

❖ بے بنیاد روایات ---- 39

❖ امامت علی رضی اللہ عنہ کی تیسری دلیل ---- 47

❖ امامت علی کی چوتھی دلیل ---- 52

❖ روایت کی حقیقت ---- 55

❖ امامت علی رضی اللہ عنہ کی پانچویں دلیل ---- 59

❖ آیت تطہیر سے شیعہ کا استدلال ---- 60

❖ ارادہ الٰہی کی اقسام ---- 62

❖ آیت تطہیر اور شیعی دعویٰ کی حقیقت ---- 66


"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com




❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دعویٰ امامت؟ ---- 72
❖ امامت علی رضی اللہ عنہ کی چھٹی دلیل ---- 75
❖ مذکورہ بالا حدیث ضعیف ہے ---- 76
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ساتویں دلیل ---- 79
❖ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى سے استدلال ---- 85
❖ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم واجب الاحترام ہیں ---- 86
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آٹھویں دلیل ---- 92
❖ واقعہ ہجرت ---- 94
❖ امامت علی رضی اللہ عنہ کی نویں دلیل ---- 99
❖ آیت مباہلہ سے استدلال ---- 102
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دسویں دلیل ---- 104
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گیارھویں دلیل ---- 106
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارھویں دلیل ---- 109
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیرھویں دلیل ---- 112
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چودھویں دلیل ---- 115
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پندرھویں دلیل ---- 118
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سولہویں دلیل ---- 124
❖ امامت علی رضی اللہ عنہ کی سترہویں دلیل ---- 127
❖ امامت علی رضی اللہ عنہ کی اٹھارھویں دلیل ---- 130
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انیسویں دلیل ---- 136
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیسویں دلیل ---- 139
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اکیسویں دلیل ---- 141
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بائیسویں دلیل ---- 149


"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیئیسویں دلیل ---------- 154
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چوبیسویں دلیل ---------- 158
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پچیسویں دلیل ---------- 167
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چھبیسویں دلیل ---------- 174
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ستائیسویں دلیل ---------- 177
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اٹھائیسویں دلیل ---------- 179
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انتیسویں دلیل ---------- 185
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیسویں دلیل ---------- 189
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اکتیسویں دلیل ---------- 196
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بتیسویں دلیل ---------- 199
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تینتیسویں دلیل ---------- 201
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چونتیسویں دلیل ---------- 206
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پینتیسویں دلیل ---------- 207
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چھتیسویں دلیل ---------- 211
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سینتیسویں دلیل ---------- 213
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اڑتیسویں دلیل ---------- 215
❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انتالیسویں دلیل ---------- 222
❖ امامت علی رضی اللہ عنہ کی چالیسویں دلیل ---------- 225

باب سوم...... **تیسرا منہج** ......امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر احادیث نبویہ سے استدلال

فصل:......امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث ---------- 238
فصل:......امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیسری دلیل؛ حدیث ''أنت منی بمنزلة'' ---------- 247
❖ حدیث استخلاف کی توضیح ---------- 250
❖ امامت علی رضی اللہ عنہ کی چوتھی دلیل؛ حدیثنیابت مدینہ ---------- 259

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com




❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امارت مدینہ ---- 266

فصل:......امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پانچویں دلیل؛ حدیث وصیت ---- 268

❖ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چھٹی حدیث ''حدیث مؤاخاۃ'' ---- 271

❖ مباہلہ کا واقعہ ---- 273

فصل:......امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ساتویں دلیل حدیث الرایہ ---- 275

فصل:......امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آٹھویں دلیل حدیث طیر ---- 278

فصل:......امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نویں دلیل حدیث سلام امارت ---- 290

فصل:......امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دسویں دلیلحدیث غدیر خم اور حدیث سفینہ نوح ---- 296

فصل:......امامت علی رضی اللہ عنہ کی گیارھویں دلیلآپ کی محبت کا وجوب ---- 300

فصل:......امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارھویں دلیل دیگر احادیث ---- 303

❖ شیعہ مرویات ناقابل اعتماد ---- 304

❖ ائمہ سے متعلق شیعہ کے بلند بانگ دعوے ---- 309

❖ قبول احادیث کا وجوب ---- 310

فصل:......حدیث میں مہارت کی ضرورت ---- 316

❖ مرسل روایات پر بحث ---- 327

❖ فصل جھوٹ کی پہچان کے ذرائع ---- 328

فصل:......وہ احادیث جن کا رافضی نے ذکر نہیں کیا ---- 331

فصل:......جن کو اخبار کی معرفت نہ ہو؛ ان کے لیے ممکنہ طریقہ ---- 335

❖ ردِ حق میں روافض کا طریقہ ---- 345

**چوتھا منہج**:......احوال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے امامت پر استدلال ---- 356

فصل:......آپ بہت بڑے عابد و زاہد اور حد درجہ عالم و شجاع تھے ---- 356

❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صلہ رحمی ---- 360

❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زہد ---- 360


''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com




❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زہد وتقویٰ ---- 362

فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ عدیم المثال تھے ---- 365

فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کثرت عبادت ---- 366

فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ اَعْلَمُ النَّاس تھے ---- 370

❖ فضائل شیخین ---- 371

❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے بڑے قاضی؟ ---- 378

❖ حدیث ''اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ'' کی حیثیت ---- 380

❖ خلفاء اربعہ کے مسائل وفتاویٰ میں موازنہ ---- 384

❖ نیوش پر گوش علی رضی اللہ عنہ ---- 384

❖ فطانتِ علی رضی اللہ عنہ ---- 384

فصل:......بچپن کا علم ---- 387

فصل:......علوم علی رضی اللہ عنہ سے استفادہ ---- 387

فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علم نحو ---- 388

فصل:......فقہاء کی مراجعت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ---- 389

فصل:......امام مالک i اور علوم حضرت علی رضی اللہ عنہ ---- 389

فصل:......امام ابوحنیفہ i اور جعفر صادق i کی شاگردی ---- 390

فصل:......امام شافعی i اور محمد بن حسن شیبانی i کی شاگردی ---- 390

فصل:......حضرت امام مالک i اور کلامِ رافضی پر ردّ ---- 392

❖ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت علی کی شاگردی رضی اللہ عنہ ---- 393

فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علم کلام ---- 393

❖ واصل بن عطاء اور محمد بن حنفیہ کی شاگردی ---- 395

❖ معجون مرکب شیعہ مذہب ---- 396

فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علم تفسیر ---- 413


''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



فصل: ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علم تصوف ---- 414
❖ خرقہ پوشی کی ابتداء کی حقیقت ---- 417
فصل: ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فصاحت و بلاغت ---- 420
فصل: ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آسمانوں کے راستہ کا علم ---- 424
❖ صحابہ اور فتاویٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع ---- 426
فصل: ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری ---- 435
❖ وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کارنامے ---- 440
فصل: ...... حقیقت شجاعت ---- 443
❖ شیعہ کا قول کہ شمشیر علی رضی اللہ عنہ سے ارکان اسلام مضبوط ہوئے ---- 444
فصل: ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مقتولین بدر ---- 447
❖ غزوۂ احد اور شیعہ کی افتراء پردازی ---- 448
❖ غزوۂ احزاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت ---- 451
فصل: ...... غزوہ بنی نضیر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ---- 454
فصل: ...... غزوہ سلسلہ ---- 457
❖ غزوۂ بنی مصطلق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت ---- 460
فصل: ...... غزوہ خیبر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ---- 461
فصل: ...... غزوۂ حنین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بسالت ---- 463
فصل: ...... غیبی امور کی خبریں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ---- 465
❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے ---- 479
فصل: ...... جنگ حنین ---- 482
فصل: ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جنات سے جنگ ---- 484
فصل: ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے رجوع آفتاب اور اس پر ردّ ---- 485
❖ بعض انبیاء علیہم السلام کے لیے رجوع آفتاب ---- 488

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



❖ رجوع آفتاب کی حدیث کی سند پر بحث ---- 491
فصل: ......کوفہ کا سیلاب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ---- 508
فصل: ......سانپ کا واقعہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ---- 510
فصل: ......حضرت علی رضی اللہ عنہ جامع فضائل ---- 516
❖ افضلیت شیخین کے اثبات کے دو طریقے ---- 525
فصل: ......قرابت داری کی بنا پر فضیلت ---- 540

## فصل چہارم: ......ائمہ اثنا عشرہ کی امامت کا اثبات

فصل: ......خروج مہدی ---- 546
فصل: ......امام معصوم کا وجوب ---- 550
فصل: ......فضائل سے امامت پر استدلال ---- 553

## فصل پنجم: ......اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور روافض

❖ اصحاب ثلاثہ کے بارے میں شیعہ کی دروغ گوئی ---- 554
فصل: ......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول سے باطل استدلال ---- 555
فصل: ......بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اعتراض ---- 563
فصل: ......خلفاء ثلاثہ پر کم علمی کا بہتان ---- 564
فصل: ......اصحاب ثلاثہ کے واقعات ---- 566
فصل: ......شیعہ کا یہ اعتراض خلفائے ثلاثہ کا کفر ---- 567
فصل: ......قول ابوبکر رضی اللہ عنہ سے غلط استدلال ---- 570
فصل: ......خلافت میں انصار کا حصہ ---- 571
فصل: ......سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خانہ تلاشی کا واقعہ ---- 572
فصل: ......جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ---- 573
فصل: ......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ولایت منصب ---- 574
❖ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت حج کا واقعہ ---- 575

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



فصل:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا ---------- 577
❖ شیعہ کے نزدیک نماز تراویح بدعت ہے ---------- 579
فصل:......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات ---------- 584

## فصل ششم:......حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت کے دلائل

❖ بنوحنیفہ کا ارتداد اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ---------- 592
❖ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اہل ارتداد کا قتل ---------- 594
❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بیعتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ ---------- 599
❖ ایک یا دو اشخاص کی مخالفت انعقاد خلافت کے لیے مضر نہیں ---------- 600
فصل:......حجیت اجماع کی بحث ---------- 603
❖ اجماع پر شیعہ کے اعتراضات ---------- 614
فصل:......غلطی کا احتمال اور اجماع ---------- 615
فصل:......خلافِ علی رضی اللہ عنہ اجماع ---------- 616
❖ شیعہ اور اقتداء شیخین رضی اللہ عنہما ---------- 617
فصل:......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سلسلہ اعتراضات ---------- 620
❖ غار کی فضیلت ---------- 623
❖ معیت الٰہی کی اقسام ---------- 624
❖ عقیدہ حلول پر ردّ ---------- 626
❖ عقیدہ وحدۃ الوجود پر رد ---------- 629
❖ مدح صدیقی کی منتہاء ---------- 631
❖ صحابی کی تعریف ---------- 632
❖ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور امور دعوت ---------- 637
❖ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مشاورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ---------- 638
❖ رائے کی غلطی ---------- 650

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com




❖ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اطاعت گزاری ---------- 652

❖ فضیلت کا اعتبار ---------- 654

❖ احادیث نبویہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اثبات ---------- 658

❖ زیر تبصرہ آیت کی مزید توضیح ---------- 664

❖ مغل بادشاہ خدا بندہ کا عجیب قصہ ---------- 666

❖ صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عموم وخصوص ---------- 667

❖ نبوت وصداقت کی رفاقت اور رافضی حسد ---------- 668

❖ مقام صحبت وابوبکر رضی اللہ عنہ ---------- 669

❖ سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت ---------- 670

❖ سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت ---------- 671

❖ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بے صبری کی تہمت ---------- 677

❖ حزن ایمان کے منافی نہیں ---------- 683

❖ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بے صبری اور بے یقینی کی تہمت ---------- 687

فصل:......غم کا محال ہونا؟ ---------- 688

فصل:......روافض کی کج فہمی ---------- 692

❖ باطنیہ کا شیعہ مذہب کے ذریعہ پھیلاؤ ---------- 701

❖ باطنیہ کے عقیدہ پر ابن تیمیہ کا رد ---------- 706

❖ منقبت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ---------- 706

فصل:......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یقین وثبات ---------- 708

فصل:......آیت ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى﴾ اور شیعہ کا استدلال ---------- 713

فصل:......آیت ﴿قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ﴾ سے شیعہ کا استدلال ---------- 721

❖ زیر تبصرہ آیت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ---------- 732

❖ جہاد سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فرار؟ ---------- 742


"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



❖ غزوۂ بدر سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرار کا واقعہ؟ ---------- 742
فصل:......احوال ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق جھوٹا دعوی ---------- 746
❖ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پیشہء معلّمی؟ ---------- 748
❖ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پیشہ سلائی؟ ---------- 752
فصل:......ابوبکر رضی اللہ عنہ پر عدم انفاق کا الزام ---------- 755
فصل:......ابوبکر رضی اللہ عنہ کا افلاس؟ ---------- 756
فصل:......صدقاتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ ---------- 756
فصل:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام کا جواب ---------- 758
❖ امامت ابی بکر رضی اللہ عنہ اور بشارتِ نبوت ---------- 767
فصل:......خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ارشاد نبوت ---------- 770

❀❀❀❀

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



# امامت علی رضی اللہ عنہ پر قرآنی دلائل

## پہلی دلیل: ﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا﴾ اور اس پر ردّ:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف امامت علی رضی اللہ عنہ پر قرآنی دلائل پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''دوسرا منہج: قرآن سے مأخوذ دلائل اور براہین جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلالت کرتی ہیں' بہت کثرت کے ساتھ ہیں۔''

اوّل:......اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمْ رٰکِعُوْنَ﴾ [المائدۃ ۵۵]

''بیشک تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اسکا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور (خشوع وخضوع کیساتھ) رکوع کرنے والے ہیں۔''

علماء کا اجماع اس بات پر منعقد ہو چکا ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ثعلبی اپنی اسناد سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ان دو کانوں کے ساتھ سنا اور اگر نہ سنا ہو تو یہ بہرے ہو جائیں۔ اور میں نے اپنی ان دو آنکھوں سے دیکھا؛ اگر نہ دیکھا ہو تو میری دونوں آنکھیں اندھی ہو جائیں؛ فرماتے تھے:''علی رضی اللہ عنہ نیکوں کے قائد اور کفار کے قاتل ہیں، جو ان کی مدد کرے گا اس کی مدد کی جائے گی، اور جو ان کو بے یارومددگار چھوڑے گا تو اسے بے یارومددگار چھوڑ دیا جائے گا۔''

میں نے ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ اتنے میں ایک سائل نے آکر سوال کیا مگر کسی نے اسے کچھ بھی نہ دیا، اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا:''اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے تیرے نبی کی مسجد میں سوال کیا اور مجھے کچھ بھی نہیں دیا گیا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ رکوع کی حالت میں تھے آپ نے حالت رکوع میں اپنی چھوٹی انگلی کی جانب اشارہ کیا؛ آپ نے اس میں انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ سائل نے آگے بڑھ کر آپ کی انگوٹھی اتار لی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ ماجرا دیکھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو آسمان کی جانب سر اٹھا کر کہا: اے اللہ! موسیٰ علیہ السلام نے تجھ سے سوال کیا تھا:

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ o وَ یَسِّرْلِیْٓ اَمْرِیْ o وَ احْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ o یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ o وَ اجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَھْلِیْ o ھٰرُوْنَ اَخِی o اشْدُدْ بِہٖٓ اَزْرِیْ o وَ اَشْرِکْہُ فِیْٓ اَمْرِیْ﴾

[طه ۲۵۔ ۳۲]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''اس نے کہا اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے۔اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھ لیں۔اور میرے لیے میرے گھر والوں میں سے ایک بوجھ بٹانے والا بنا دے۔ہارون کو، جو میرا بھائی ہے۔اس کے ساتھ میری پشت مضبوط کر دے۔اور اسے میرے کام میں شریک کر دے۔''

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَآ﴾

[القصص ٣٥]

''فرمایا کہ ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے فرعونی تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے۔''

آپ نے دعا کی : اے اللہ! میں محمد ہوں تیرا نبی اور تیرا برگزیدہ؛ اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے۔اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھ لیں۔اور میرے لیے میرے گھر والوں میں سے ایک بوجھ اٹھانے والا بنا دے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو؛ اور اس کے ساتھ میری پشت مضبوط کر دے۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ اپنی گفتگو ختم نہ کر پائے تھے کہ جبرائیل مذکورہ بالا آیت لے کر حاضر ہوئے۔ [اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں]:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ [المائدة ٥٥]

''بیشک تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اسکا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور رکوع (خشوع و خضوع) کرنے والے ہیں۔''

فقیہ ابن المغازی الواسطی الشافعی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔اس آیت میں جو ولی کا لفظ مذکور ہے اس سے متصرف مراد ہے۔گویا اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے اور رسول علیہ السلام کے لیے ولایت فی الامہ کا اثبات کیا ہے، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی کیا۔'' (شیعہ کا بیان ختم ہوا)

**[جواب]**: اس کا جواب کئی طرح سے دیا جا سکتا ہے:

**پہلی بات**:...... اس کا جواب یہ ہے کہ شیعہ مصنف نے جو کچھ ذکر کیا ہے کہ وہ اس قابل نہیں ہے کہ عقلاً قبول کیا جائے۔ بلکہ اس کا ذکر کردہ واقعہ صاف جھوٹ پر مبنی ہے۔اور وہی فلاسفہ و حمقاء کے کلام کی جنس سے تعلق رکھتا ہے۔اور اگر اسے عقلی طور پر مان لیا جائے تو پھر اسے برہان کہنا انتہائی منکر اور بری بات ہے۔اس لیے کہ قرآن میں اور دوسرے مقامات پر برہان کا لفظ اس چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جس سے علم اور یقین کا فائدہ حاصل ہو۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



فرماتے ہیں:

﴿وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ [البقرہ ۱۱۱]

''یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاری کے سوا اور کوئی نہ جائے گا، یہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں، ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ [النمل ۶۴]

''کیا وہ جو مخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے؛ وہ پھر اسے لوٹائے گا اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دے رہا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔''

سچے کو اپنی سچائی پر دلیل و برہان چاہیے۔ اور دوٹوک سچائی وہی ہے جس کے متعلق معلوم ہو کہ یہ سچ ہے۔

اس رافضی مصنف نے جتنی بھی حجتیں پیش کی ہیں' ان میں جھوٹ ہے۔ اس کے بس میں نہیں کہ اپنے تمام مقدمات پر ایک بھی سچی حجت پیش کر سکے۔ کیونکہ سچے مقدمات کے لیے ممکن نہیں ہے کہ ان کی بنیاد جھوٹ اور باطل پر رکھی جائے۔ ہم ان شاء اللہ اس کی ایک ایک بات کا تار و پود کھول کر رکھ دیں گے جس سے اس کا جھوٹ بالکل واضح ہو جائے گا۔ ایسی حجتوں کو براہین کا نام دینا بذات خود بہت بڑا اور انتہائی برا جھوٹ ہے۔

یہ رافضی مصنف قرآن کی تفسیر میں بعض لوگوں سے نقل کیے گئے اقوال پر اعتماد کرتا ہے۔ حالانکہ بسا اوقات اس میں بھی راوی پر جھوٹ گھڑ لیا گیا ہوتا ہے۔ اور اگر سچ بھی ہو تو بہت سارے علمائے کرام رحمہم اللہ نے اس کی مخالفت کر کے اس نظریہ یا تفسیر کو رد کیا ہوتا ہے۔ اگر کہیں پر واحدی کا قول نقل کیا گیا ہے تو واحدی کی صداقت خود مجہول ہے؛ نیز بہت سارے علمائے کرام رحمہم اللہ نے دلائل و براہین کی روشنی میں اس کے خلاف حق کو بھی بیان کیا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ واحدی کے اقوال کے خلاف اسی جنس کے بہت سارے اقوال ہیں جو اس کے متناقض ہیں۔ جب براہین کا تعارض اقوال سے ہو جائے تو اقوال متناقض شمار ہوتے ہیں جب کے اقوال کے مقابلہ میں براہین متعارض نہیں ہو سکتیں۔

بلکہ ہم ان شاء اللہ اس رافضی کی نام نہاد براہین کے خلاف حقیقی براہین قائم کریں گے جن کا آپس میں کوئی تعارض بھی نہیں ہوگا۔ رافضی کے اکثر اقوال میں جھوٹ بالکل ظاہر ہوتا ہے۔ یہ جھوٹ صرف ان لوگوں پر مخفی رہ سکتا ہے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اندھا کر دیا ہو۔ [اور واضح کریں گے کہ ] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلالت کرنے والی براہین برحق ہیں اور بیشک قرآن بھی حق ہے۔ اور یہ کہ دین اسلام حق ہے۔ یہ ان تمام چیزوں سے متناقض ہیں جنہیں رافضی نے براہین کا نام دیا ہے۔ اگر عقلمند انسان کچھ دیر کے لیے غور کرے گا تو اس پر واضح ہو جائے گا کہ رافضی مصنف جن دلائل کو

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



براہین کا نام دیتا ہے اس کے لوازم سے ایمان وقرآن اور رسول اللہ ﷺ پر قدح وارد ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ رافضیت کی اصل بنیاد کچھ زندیق لوگوں کے ہاتھوں پر اٹھائی گئی ہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر؛ قرآن پر اور دین اسلام پر اعتراضات اور قدح کی جائے۔ اس غرض کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے انہوں نے ایسی روایات گھڑ لیں جن کو سچا ماننے سے دین اسلام پر طعن لازم آتا ہے۔ پھر انہوں نے اپنی وضع کردہ روایات کو لوگوں میں عام اور مشہور کر دیا۔ لوگوں میں جاہل بھی تھے اور ہویٰ پرست بھی۔ انہوں نے اپنی ہویٰ پرستی کی وجہ سے ان حکایات و روایات کو قبول کر لیا؛ مگر یہ نہ دیکھا کہ ان کی اصل حقیقت کیا ہے؟ ان میں سے بعض اہل نظر لوگ بھی تھے جنہوں نے ان میں غور وفکر کیا تو پتہ چلا کہ یہ روایات دین اسلام کی حقانیت پر قدح کرتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان روایات کے موجب عقیدہ اپنا لیا اور دین اسلام پر قدح کرنے لگے۔ اس کی وجہ شروع سے ہی ان کے دین واعتقاد کی خرابی تھی۔ یا پھر اس کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ روایات صحیح ہیں؛ اور جو کچھ وہ دین اسلام کا عقیدہ رکھتا تھا اس پر قدح وارد ہوتی تھی۔ [لہٰذا اس نے ان روایات کو قبول کر لیا]۔

## [اسماعیلیہ اور نصیریہ کی گمراہی کی وجہ]:

یہی وجہ ہے کہ اکثر زنادقہ اسلام میں شیعیت کے دروازہ سے داخل ہوئے، اور ان اکاذیب کے بل بوتے پر اسلام کو مطعون کرنا شروع کیا۔ وہ جہلاء ان مکذوبات کی بنا پر شبہات کا شکار ہو گئے جنہیں یہ علم نہ تھا کہ یہ روایات جھوٹی ہیں؛ بس انہیں صرف اتنا پتہ تھا کہ دین اسلام ایک سچا مذہب ہے۔

فرقہ ہائے اسماعیلیہ ونصیریہ بھی اسی وجہ سے گمراہ ہوئے۔ جھوٹی اور من گھڑت روایات قرآن کی تفسیر اور حدیث کی شرح میں پیش کرتے ہوئے شیعہ کی روایت کردہ اکاذیب پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ چنانچہ انھوں نے سب سے پہلے آل محمد پر اظہار رحم وکرم کا آغاز کیا، پھر صحابہ پر نقد وجرح اور گالی گلوچ کا بیڑا اٹھایا۔ بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدف ملامت بنایا، کیوں کہ آپ یہ سب باتیں سن کر خاموش رہے تھے، پھر رسول علیہ السلام کو تنقید کا نشانہ بنایا اور بعد ازاں اللہ کی تردید وتکذیب پر اتر آئے۔ جیسا کہ صاحب البلاغ الاکبر نے اس ترتیب پر روشنی ڈالی ہے۔ جیسا کہ عبیدی ائمہ کی بنیاد رافضیوں کے من گھڑت واقعات پر ہے؛ تاکہ اس طرح سے گمراہ شیعہ لوگوں کو اپنا شکار کر سکیں۔ پھر اس کے بعد صحابہ کرام میں طعن کرنا شروع کرتے ہیں؛ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں قدح کرتے ہیں' پھر رسول اللہ ﷺ کی شان میں اور پھر الٰہیات میں طعنہ زنی کرتے ہیں جیسا کہ "البلاغ الاکبر اور الناموس الاعظم" کے مصنف نے ان کے لیے درجات مقرر کیے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ رافضیت کفر والحاد کا رئیسی دروازہ اور دہلیز شمار ہوتی ہے۔

دوسری بات:......ہم کہتے ہیں: اس آیت کے جواب میں کئی امور ہیں:

اوّل:......ہم اس روایت کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ سب سے پہلے حدیث کو اس انداز میں پیش کیا جائے جس

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



سے حجت قائم ہوسکتی ہو۔ کیونکہ صرف تفسیر ثعلبی کی طرف منسوب کر لینا؛ یا ان لوگوں سے اجماع نقل کرنا جو منقولات کا علم ہی نہیں رکھتے؛ اگر چہ وہ نقل کرنے میں سچے بھی ہوں؛ اہل علم کے ہاں بالا جماع یہ حجت نہیں ہوسکتا۔ اگر اس کی اسناد کی معرفت ثابت نہ ہو۔

ایسے ہی جب ثعلبی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں کوئی روایت نقل کرے؛ تو صرف اس روایت کے موجود ہونے کی وجہ سے اس فضیلت کے ثابت ہونے کا اعتقاد رکھنا جائز نہیں۔ اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

اہل سنت والجماعت کسی چیز کے ثابت کرنے کے لیے یہ طریقہ نہیں اپناتے۔ نہ ہی کوئی فضیلت ثابت کرنے کے لیے اور نہ ہی حکم ثابت کرنے کے لیے۔ اور نہ ہی دیگر کسی مسئلہ میں۔ اور ایسے ہی شیعہ [کو بھی کرنا چاہیے]۔

جب تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ صرف روایت کا موجود ہونا حجت نہیں ہوسکتا [جب تک کہ اس کی صحت ثابت نہ ہو جائے] بلکہ اس سے استدلال کرنا باطل ہے۔ ایسے ہی ہر وہ قول جسے ابونعیم؛ ثعلبی؛ نقاش؛ اور ابن مغازلی جیسے لوگوں کی طرف منسوب کیا جائے۔ [وہ صرف روایت کے موجود ہونے کی وجہ سے حجت نہ ہوگا]۔

دوم :......شیعہ مصنف کا دعوی ہے کہ: ''اس آیت کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہونے پر اجماع ہے۔''

[جواب]:......ہم کہتے ہیں: یہ سب سے بڑا جھوٹا دعوی ہے۔ بلکہ اجماع اس بات پر منعقد ہوا ہے کہ یہ آیت خاص طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل نہیں ہوئی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز کی حالت میں اپنی انگوٹھی بطور صدقہ نہیں پیش کی۔ اور محدثین کرام کا اجماع ہے کہ شیعہ کی بیان کردہ روایت صاف جھوٹ ہے۔ [1]

جو کچھ اس نے ثعلبی کی تفسیر سے نقل کیا ہے؛ محدثین کرام کا اجماع ہے کہ ثعلبی ایک گروہ سے موضوعات اور من گھڑت روایات نقل کرتا ہے۔ جیسا کہ ہر سورت کے شروع میں اس نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے اس سورت کی فضیلت میں ایک روایت نقل کی ہے۔ ثعلبی اور اس کا تلمیذ واحدی دونوں اور ان کے امثال دوسرے مفسرین کا بھی یہی حال ہے؛ وہ ''حاطب لیل (رات کا لکڑ ہارا جو خشک و تر میں تمیز کیے بغیر ہر قسم کی لکڑیاں جمع کرتا ہے) تھے۔ ہر صحیح و ضعیف [بلکہ موضوع ] روایات تک نقل کرتے تھے۔ [علاوہ ازیں شیعہ مصنف کے ذکر کردہ دلائل سب باطل ہیں اور وہی شخص ان کو تسلیم کر سکتا ہے جو گونگا، بہرہ، صاحب ہویٰ و ضلالت ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو قبول حق سے اندھا کر دیا ہو]۔

---

[1] اس آیت کی تفسیر میں علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ آثار نقل کیے ہیں کہ اس آیت سے مقصود حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں؛ چنانچہ اثر نمبر 12210 میں امام سدی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے؛ اس سے مراد تمام اہل ایمان ہیں؛ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے پاس سے ایک سائل گزرا۔ آپ مسجد میں رکوع کی حالت میں تھے۔ تو آپ نے اسے انگوٹھی عطا کی۔''

اور اس کے بعد دوسرے اور تیسرے اثر میں ہے: بیشک یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اور بیشک آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو ایمان لائے ہیں۔ اس اثر نمبر 1223 پر استاذ احمد شاکر نے ان پر تبصرہ کرتے ہوئے انہیں ضعیف کہا ہے۔ اور تیسرے اثر میں بھی ایک غالب بن عبید اللہ العقیلی الجزری نامی راوی ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ لوگوں نے اس سے حدیث روایت کرنا ترک کر دیا تھا۔ [لسان المیزان؛ التاریخ الکبیر ٤/ ١٠١]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اس لیے کہ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے بڑے عالم تھے؛ ثعلبی اور واحدی سے بڑھ کر [حدیث کا] علم رکھتے تھے۔ آپ کی تفسیر ثعلبی کی تفسیر سے مختصر کی گئی ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں ان موضوع احادیث میں سے کوئی بھی روایت نقل نہیں کی جو کہ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہیں۔ اور نہ ہی اہل بدعت کی تفسیر نقل کی؛ جیسے کہ ثعلبی نے نقل کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ثعلبی میں خیر اور دین داری ہے؛ لیکن صحیح اور ضعیف احادیث کے بارے میں آپ کی معلومات بہت کمزور ہیں۔ اور بہت سارے اقوال میں سنت اور بدعت میں تمیز نہیں کر پاتا۔ جبکہ بڑے اور مشہور اہل علم مفسرین جیسے: محمد بن جریر الطبری؛ بقی بن مخلد؛ ابن ابی حاتم؛ ابن المنذر؛ عبد الرحمٰن بن ابراہیم دحیم اور ان کے امثال نے اپنی تفاسیر میں ان موضوع روایات میں سے کوئی بھی روایت نقل نہیں کی۔

جو ان سے بڑے علماء ہیں مثلاً تفسیر احمد بن حنبل؛ اسحاق بن راہویہ؛ اور دوسرے علماء؛ ان کی تو بات ہی چھوڑیے۔ بلکہ ایسی روایات تو عبد بن حمید اور عبد الرزاق کے ہاں بھی نہیں ملتیں۔ حالانکہ عبد الرزاق شیعیت کی طرف میلان رکھتا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بہت ساری روایات نقل کیا کرتا تھا اگرچہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن اس کا مقام و مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ اس جیسا کھلا ہوا جھوٹ روایت کرے۔

اہل علم محدثین کا اجماع ہے کہ کسی فرد واحد کے مجرد روایت کرنے سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اسی جنس سے ثعلبی؛ واحدی اور نقاش اور ان جیسے دوسرے لوگ بھی تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اپنی تفاسیر میں اکثر وہ احادیث روایت کرتے ہیں جو کہ ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع ہوتی ہیں۔ اگر ہمیں چند دوسری وجوہات کی بنا پر بھی ان لوگوں کا جھوٹا ہونا معلوم نہ ہوتا تو پھر بھی ان کی روایات پر اس لیے اعتماد کرنا جائز نہ ہوتا کہ انہیں ثعلبی اور اس کے امثال نے روایت کیا ہے۔ تو پھر جب ہمیں اس جھوٹ کا پتہ بھی ہے تو ان روایات پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

ہم ان شاء اللہ وہ دلائل ذکر کریں گے جن سے ان کا جھوٹ عقلاً و نقلاً کھل کر سامنے آجائے گا۔ یہاں پر صرف اس مصنف کی افترا پردازی اور کثرت جہالت کا بیان کرنا ہمارا مقصد ہے۔ کیونکہ اس کا دعوی ہے کہ: ''اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔'' صد افسوس کہ اس بیچارے کو یہ بھی علم ہوتا کہ اہل علم میں سے جو لوگ ایسے امور میں اجماع کے حقائق کا علم رکھتے ہیں' ان میں سے کس نے یہ اجماع نقل کیا ہے؟ اس لیے کہ ایسے امور میں غیر اہل علم کا نقل کردہ اجماع ہرگز قبول نہیں ہوتا۔ اور پھر اس میں اجماع بھی نہیں' بلکہ اختلاف ہے۔

اس لیے کہ متکلم؛ مفسر اور مؤرخ جب بلا سند کوئی روایت نقل کر کے کسی معاملے کا دعوی کریں تو ان کی بات پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ تو پھر جب وہ اجماع کا دعوی کرے تو کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے؟

تیسری بات:...... اس سے پوچھا جائے کہ: شیعہ مصنف نے اپنی تائید میں ثعلبی کا حوالہ دیا ہے، وہ مفسرین جن کی کتابوں سے یہ تفسیر نقل کی گئی ہے؛ وہ ثعلبی سے زیادہ جانتے ہیں۔ انہوں نے اس کے برعکس نقل کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ثعلبی نے حضرت ابن عباس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نیز ثعلبی نے عبدالملک سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابوجعفر باقر سے اس آیت کی تفسیر پوچھی۔ تو انھوں نے فرمایا:'' اس سے سب مومن مراد ہیں۔'' میں نے عرض کیا، بعض لوگ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد لیتے ہیں۔ یہ سن کر امام باقر رحمہ اللہ نے فرمایا:'' اہل ایمان میں علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔'' ضحاک اور سدی سے بھی یہی مروی ہے۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اپنے والد سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: ہم سے لیث کے کاتب ابوصالح نے بیان کیا؛ وہ کہتا ہے ہم سے معاویہ بن صالح نے بیان کیا؛ ان سے علی بن ابی طلحہ نے بیان کیا؛ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:'' اہل ایمان سب مومن و مسلم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ولی ہیں۔''

نیز کہتے ہیں: ہم سے ابوسعید الاشج نے بیان کیا؛ وہ محاربی سے وہ عبدالملک بن ابوسلیمان سے روایت کرتے ہیں: کہا: میں نے ابوجعفر سے اس آیت کے متعلق پوچھا؛ تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد تمام اہل ایمان ہیں۔'' میں نے کہا: یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:' اہل ایمان میں علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔'' امام سدی سے بھی ایسی روایت منقول ہے۔

چوتھی بات:...... ہم شیعہ کے دعوائے اجماع کو معاف کرتے ہیں اور ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنے دعویٰ کے اثبات میں ایک سند صحیح ہی پیش کریں۔ ثعلبی سے ذکر کردہ روایت ضعیف ہے اور اس کے راوی متہم بالکذب ہیں۔ باقی رہا فقیہ ابن المغازلی واسطی تو وہ ضعیف سے بھی ضعیف تر ہے؛ اس کی کتاب اکاذیب کا پلندہ ہے۔ اس حقیت سے ہر وہ شخص آشنا ہے جو علم حدیث سے معمولی سی واقفیت بھی رکھتا ہے۔ اور ہمارا صحیح سند کا مطالبہ ہر دو کتابوں کو شامل ہے۔

پانچویں بات:...... اگر آیت کا مطلب یہ قرار دیا جائے کہ حالت رکوع میں بھی زکوٰۃ ادا کی جائے؛ جیسا کہ ان کا کہنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حالت نماز میں اپنی انگوٹھی صدقہ کی تھی؛ تو اس سے وجوباً موالات کی شرط ٹھہرے گی؛ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی مسلمان ولی نہیں بن سکے گا۔ بنا بریں حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی موالات [دوستی] کے مستحق نہیں ہوں گے۔ اور نہ ہی باقی بنی ہاشم سے کوئی موالات و دوستی ہوگی۔ یہ بات سب مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے۔

چھٹی بات:...... اس آیت میں ﴿الذین﴾ جمع کا صیغہ ہے۔ لہٰذا فرد واحد حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کا مصداق نہیں ہو سکتے۔

ساتویں بات:...... علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعریف صرف کسی اچھے کام پر کی جاتی ہے۔ وہ اچھا کام یا تو واجب ہوگا یا پھر مستحب۔ صدقہ؛ غلام آزاد کرنا؛ ہبہ؛ ہدیہ؛ اجارہ؛ نکاح؛ طلاق وغیرہ عقود کے معاملات نماز میں نہ ہی واجب ہیں اور نہ ہی مستحب؛ اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہے۔ بلکہ اکثر علماء کا کہنا ہے کہ ایسا کرنے سے نماز باطل ہو جائے گی اگرچہ وہ زبان سے بات نہ بھی کرے۔ بلکہ ایسے اشارہ سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے جس کا مفہوم سمجھا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



جا سکتا ہو۔علماء کرام کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ: ایسا کرنے سے شرعی ایجاب نہ ہونے کی بنا پر ملکیت حاصل نہیں ہوگی۔

ظاہر ہے کہ نماز میں یہ کام کرنا فعل محمود نہیں ہے، اگر یہ اچھا[مستحب] کام ہوتا تو نبی کریم ﷺ بھی ایسا کرتے اور اس کی ترغیب دیتے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ بار بار یہ فعل سرانجام دیتے۔اصل میں یہ فعل نماز کے منافی ہے پھر یہ کہنا کس حد تک درست ہے کہ ولی وہی شخص ہوگا جو حالت رکوع میں صدقہ کرے۔

جب نماز میں کوئی ایسی بات مشروع نہیں ہے۔تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں صدقہ کرنا اعمال صالحہ میں سے نہیں ہے اور سائل کو دینے کا موقع ختم نہیں ہوسکتا؛ جب انسان نماز سے فارغ ہوجائے تب بھی وہ صدقہ کرسکتا ہے۔ظاہر ہے کہ نماز میں ایک طرح کا انہاک ہوتا ہے۔[اور اس میں حرکت یا فعل اس انہاک کے منافی ہے]۔

آٹھویں بات:......اگر یہ بات مان لی جائے کہ نماز میں صدقہ دینا مشروع ہے۔تو پھر بھی رکوع کو اس کام کے لیے خاص نہیں کیا جاسکتا۔بلکہ قیام یا قعود کی حالت میں ایسا کرنا زیادہ آسان تھا۔تو پھر کیسے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تمہارا ولی وہی ہوسکتا ہے جو صرف رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرے۔تو کیا اگر کوئی حالت قیام یا قعود میں صدقہ کرے تو وہ موالات اور دوستی کا مستحق نہیں ہوگا؟

❀ اگر[شیعہ]اس کے جواب میں یہ کہیں: اس سے مراد خصوصی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف بیان کرنا ہے۔

❀ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ:''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف جن کی وجہ سے آپ مشہور ہیں' وہ بہت زیادہ اور صاف ظاہر ہیں۔پھر معروف باتوں کو چھوڑ کر ایسی باتیں کیوں بیان کی جاتی ہیں جنہیں کوئی جانتا ہی نہ ہو؟

جمہور مسلمین نے یہ خبر نہیں سنی۔اور نہ ہی مسلمانوں کی کسی معتمد کتاب میں ایسی کوئی چیز پائی جاتی ہے۔نہ ہی صحاح ستہ میں ؛ نہ ہی سنن میں ؛ نہ ہی جوامع اور معجمات میں اور نہ ہی امہات الکتب میں سے کسی ایک کتاب میں ایسی کوئی چیز پائی جاتی ہے۔تو اب دو باتوں میں سے ایک بات لازم آتی ہے:

۱۔ اگر اس سے مقصود وصف کی مدح کرنا ہے تو یہ محال اور باطل ہے۔

۲۔ اور اگر اس سے مقصود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف بیان کرنا تو بھی باطل ہے۔

نویں بات:......اس سے کہا جائے گا کہ:﴿وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ﴾ تمہارے قول کے مطابق اس آیت کا تقاضا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والا رکوع کی حالت میں ہو۔عہد رسالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تنگ دست تھے اور زکوٰۃ ان پر فرض نہ تھی۔چاندی کی زکوٰۃ اس شخص پر فرض ہوتی ہے جو نصاب کا مالک ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ صاحب نصاب نہ تھے۔

دسویں بات:......مزید براں اکثر علماء کے نزدیک زکوٰۃ میں انگوٹھی کا دینا کافی نہیں ہے۔اس کی صرف یہ صورت ہوسکتی ہے جب زیور پر بھی زکوٰۃ کو فرض مان لیا جائے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زیور کی اسی جنس سے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔جن لوگوں نے اس کے بجائے قیمت ادا کرنے کو جائز کہا ہے تو ایسے چیزوں میں کوئی متعین قیمت مقرر کرنا مشکل ہوتا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ہے۔ اس لیے کہ احوال کے اختلاف کی وجہ سے ان کی قیمتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔

گیارھویں بات:...... حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مصنف کی ذکر کردہ آیت مندرجہ ذیل آیات کی مانند ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۱ ...... ﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ﴾ (البقرۃ: ۴۳)

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

یہاں پر رکوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲ ...... ﴿اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ﴾ (آل عمران: ۴۳)

''اپنے رب کی اطاعت کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ: یہ ذکر ان الفاظ میں اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ اس لیے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والا جب رکوع کو پالے تو اسے رکعت مل جاتی ہے؛ بخلاف اس کے جو صرف حالت سجدہ میں نماز کو پاتا ہے؛ اور رکوع اس سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس سے رکعت بھی رہ جاتی ہے۔ قیام میں ادراک شرط نہیں ہے۔

خلاصہ کلام! یہاں پر واؤ یا تو حالیہ ہے؛ یا پھر واؤ عطف کا ہے۔ اکثر علماء کرام اسے عطف کا مانتے ہیں۔ اور ایسے مواقع پر خطاب میں معروف یہی ہے۔ رافضی مصنف کا قول اس وقت صحیح ہوتا جب یہ واؤ حالیہ ہوتا۔ اگر اس کے تعین پر دلیل نہ ہو تو حجت باطل ہو جاتی ہے۔ تو اس وقت کیا عالم ہوگا جب دلائل اس کے خلاف ہوں۔

بارھویں وجہ:...... سلف وخلف تمام مفسرین کے ہاں یہ بات عام طور سے معروف ہے کہ زیر نظر آیت موالات کفار سے روکنے اور اہل اسلام کے ساتھ دوستانہ مراسم استوار کرنے کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاق کلام بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ نیز اس میں اہل ایمان کیساتھ دوستی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جبکہ بعض منافقین جیسے عبداللہ بن ابی ابن سلول یہود سے دوستی رکھتا تھا اور کہتا تھا: میں گردش ایام سے ڈرتا ہوں۔''

اہل ایمان میں سے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں اللہ اور اس کے رسول سے دوستی کرتا ہوں؛ میں ان کفار کے ساتھ اپنے اتحاد اور دوستی سے اللہ اور اس کے رسول کی جناب میں برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ بنو قینقاع والے دن عبداللہ بن ابی ابن سلول کی چالوں کی وجہ سے ان لوگوں پر وہ دن آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ جس میں عمومی طور پر اہل ایمان کی محبت کو واجب کیا گیا تھا۔ اور کفار کے ساتھ محبت اور دوستی سے منع کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے صحابہ اور تابعین رحمہم اللہ کا کلام گزر چکا ہے کہ یہ آیت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں۔

## [متنازعہ آیت کی صحیح تفسیر]:

تیرھویں وجہ:...... غور کرنے والے کے لیے یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ اس آیت کا سیاق ہمارے اس موقف پر

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



دلالت کرتا ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [المائدۃ ۵۱]

''اے ایمان والو!تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بیشک انہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا۔''

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔اس کے بعد فرمایا:

﴿فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ ○ وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ﴾ [المائدۃ ۵۲۔۵۳]

''جن لوگوں کے دلوں میں کھوٹ ہے آپ دیکھتے ہیں کہ وہ بھاگ بھاگ کر ان (یہود و نصاریٰ) کی طرف جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں (ان کے ساتھ دوستی نہ لگانے کی صورت میں) کسی مصیبت میں گرفتار ہوجانے کا اندیشہ ہے۔اللہ تعالیٰ عنقریب ہی کسی فتح یا کسی اور بات کی بشارت سنائے گا، جس سے وہ ان باتوں پر نادم ہوں گے، جو انھوں نے اپنے جی میں پوشیدہ رکھی تھیں۔اور ایماندار کہیں گے، کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہوگئے۔''

یہ ان لوگوں کا وصف بیان کیا جارہا ہے جن کے دلوں میں بیماری ہے [نفاق کا مرض ہے]۔جو کہ کفار اور منافقین سے دوستی رکھتے ہیں۔پھر اس کے بعد فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾ [المائدۃ ۵۴]

''اے مؤمنو!تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی وہ نرم دل ہونگے مسلمانوں پر سخت اور تیز ہونگے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے، اللہ تعالیٰ وسعت اور زبردست علم والا ہے۔''

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اس میں اللہ تعالیٰ نے مرتدین کا ذکر کیا؛ اور یہ بھی بیان فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں دے سکتے۔اور اللہ تعالیٰ ان کی جگہ ایک دوسری قوم کو لے آئے گا۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ٥ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ [المائدة ۵۵-۵۶]

’’بیشک (مسلمانو!) تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اسکا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور (خشوع وخضوع کیساتھ) رکوع کرنے والے ہیں۔اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے، وہ یقین مانے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔‘‘

یہ کلام ان لوگوں کے احوال کو متضمن ہے جو منافقین میں سے اسلام میں داخل ہوئے۔اور مرتدین کے حال کو بھی متضمن ہے۔اور ان لوگوں کے حال کو بھی شامل ہے جو ظاہری و باطنی طور پر اسلام وایمان پر ثابت قدم رہے۔

اس سیاق پر جو بھی انسان غور وفکر کرے گا؛ اسے علم الیقین حاصل ہو جائے گا یہ آیت ان تمام مؤمنین کے لیے عام ہے جو ان صفات سے موصوف ہیں۔کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں۔نہ ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور نہ ہی عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ ہی عثمان وعلی رضی اللہ عنہما یا کسی دوسرے کے ساتھ۔مگر یہ حضرات سابقین اوّلین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان میں بالاولی داخل ہیں۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مخالفین .......؟:

چودھویں وجہ:....... جو شخص بھی اس روایت کے مذکورہ الفاظ میں غور وفکر کرے گا اس پر شیعہ مصنف کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دروغ گوئی واضح ہو جائے گی کہ ’’علی رضی اللہ عنہ تمام نیکوں کے قائد نہیں؛ بلکہ تمام نیکوں کے قائد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ایسے ہی آپ تمام کفار کے قاتل بھی نہیں ہیں، بلکہ آپ نے کچھ کفار کو قتل کیا ہے؛ جیسا کہ آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی کچھ کفار کو قتل کیا ہے۔آپ بھی کفار کو قتل کرنے والے مجاہدین میں سے ایک تھے۔اور بعض کفار آپ نے ضرور قتل کیے ہیں۔

ایسے ہی شیعہ کا قول کہ:’’ جو ان کی مدد کرے گا اس کی مدد کی جائے گی۔اور جو ان کو بے یار ومددگار چھوڑے گا تو اسے بے یار ومددگار چھوڑ دیا جائے گا۔‘‘

یہ خلاف واقع ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حق بات کے علاوہ کچھ بھی نہیں فرماتے؛ خصوصاً شیعہ کے قول کے مطابق۔اس لیے کہ شیعہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ پوری امت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بے یار ومددگار چھوڑے رکھا۔[اور اگر شیعہ کی ذکر کردہ تفسیر صحیح ہوتی تو جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑا تھا اور ان کی مدد کا حق ادا نہیں کیا تھا وہ ذلیل وخوار ہو جاتے حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ وہ مظفر ومنصور ہوئے اور انھوں نے بلاد فارس وروم

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com



اور قبط کو فتح کیا۔] یہ تاریخ کی مسلمہ حقیقت ہے کہ امت مسلمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک ہر میدان میں کامیاب و کامران اور منصور رہی، ایسا غلبہ بعد میں کبھی حاصل نہیں ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاون تھا اور دوسرا مخالف۔ تیسرا گروہ بالکل غیر جانبدار تھا۔ انہوں نے کسی بھی فریق کا ساتھ نہیں دیا۔ اور جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا اور جنگیں لڑیں۔ وہ دوسرے لوگوں پر حتی کہ کفار پر بھی غالب نہ آسکے۔ بلکہ دوسرے لوگ ہی ان پر غالب رہے۔ اور اس معاملہ کی ڈوران کے ہاتھوں میں رہی۔ اس کے برعکس جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے تو مسلمانوں کو پھر سے کفار پر فتح نصیب ہوئی۔ انہوں نے علاقے فتح کرنا شروع کیے۔ ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح خوارج پر منصور و کامیاب رہے ہیں۔

اس کے برعکس وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جنہوں نے کفار اور مرتدین سے قتال کیا تھا؛ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت فرمائی اور بہت بڑی کامیابی سے نوازا۔ اور ایسے ہی نصرت نصیب ہوئی جیسے اللہ کا وعدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ﴾ [غافر ۵۱]

''یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد زندگانی دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔''

وہ قتال جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا؛ جو مؤمنین نے آپ کے ساتھ مل کر کفار و [منافقین] مرتدین اور خوارج سے کیا؛ اس میں یقین تقوی وصبر کی وجہ سے کامیاب رہے اور بہت بڑی نصرت و فتح نصیب ہوئی۔ اس لیے کہ تقوی اور صبر و بنیادی ایمانی عنصر ہیں جن کے ساتھ فتح و نصرت معلق رہتی ہے۔

ایسے ہی [شیعہ مصنف کی ذکر کردہ] وہ دعا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی صدقہ کرنے کے بعد کی اس کا جھوٹ ہونا صاف ظاہر ہے۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ضرورت کے وقت کہیں بہت زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جس کا بہت بڑا فائدہ بھی حاصل ہوا؛ یہ صدقہ یقیناً انگوٹھی کے صدقہ کرنے سے بہت زیادہ تھا۔

صحیحین میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے کسی کے مال نے اتنا فائدہ نہیں دیا؛ جتنا فائدہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا ہے۔''

''میں سب لوگوں سے زیادہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال اور رفاقت کا ممنون ہوں۔''

اگر میں اہل زمین سے کسی کو گہرا دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔ البتہ اسلامی اخوت ومودّت کسی شخص کے ساتھ مختص نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی شخص کی کھڑکی مسجد کی جانب کھلی نہ رہے۔'' [اس کی تخریج گزر چکی ہے]

---

1 صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1138۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور اس کی تروتازگی کو اختیار کرلے یا اللہ کے پاس جو نعمتیں ہیں انہیں اختیار کرلے تو اس بندہ نے اللہ کے پاس والی نعمتوں کو اختیار کرلیا۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ میں نے ⇦⇦⇦

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر اللہ کی راہ میں ایک ہزار اونٹ صدقہ میں دیئے ۔حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ جو بھی کرے گا' اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''[1]

شروع اسلام میں انفاق سبیل اللہ اور دین کی اقامت کے لیے خرچ کرنا ایک سائل پر خرچ کرنے سے بہت زیادہ باعث عظمت [واجر وثواب] تھا۔یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!، اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو ان کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔'' [تخریج گزر چکی ہے]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی﴾ [الحدید ۱۰]

''تم میں سے جنہوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں بلکہ ان کے بہت بڑے درجے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیا، ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے۔''

---

⇦⇦ اپنے دل میں کہا: یہ بڈھا کیوں رو رہا ہے؛ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک بندہ کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ نے اس کو دنیا کی تروتازگی اور اپنے پاس کے انعامات کے درمیان اختیار دیا ہے-؛ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اختیار دیا گیا تھا-اس اشارہ کو حضرت ابوبکر سمجھ گئے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے بڑے عالم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! رونا نہیں؛ اپنی رفاقت اور مال کے اعتبار سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل [دوست حقیقی] بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن اسلامی دوستی کافی ہے ۔دیکھو مسجد میں سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دریچہ کے اور کوئی دریچہ کھلا ہوا باقی نہ رہے۔''

[1] [الترمذي ٥/ ٢٨٩]؛ یہ پوری حدیث اس طرح ہے:''حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اس راویت میں ہے:.......'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو اپنی گود میں ہی الٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے:''آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی گناہ ضرر نہیں پہنچا سکے گا'' تین مرتبہ یہی فرمایا۔ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔یہ حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن خباب کی سند سے بھی مذکور ہے؛ جس میں ہے:''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ تبوک کے لیے تیاری کے متعلق ترغیب دیتے ہوئے دیکھا۔ چنانچہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! سو اونٹ، پالان اور کجاوے وغیرہ سمیت میرے ذمے ہیں؛ جو اللہ کی راہ کے لیے وقف ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ترغیب دی تو عثمان رضی اللہ عنہ دوبارہ کھڑے ہوئے میں دو سو اونٹ پالان اور کجاوے وغیرہ سمیت اپنے ذمے لیتا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ترغیب دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیسری مرتبہ کھڑے ہوئے اور تین سو اونٹ اپنے ذمے لیے۔'' راوی کہتے ہیں کہ:''میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے یہ کہتے ہوئے نیچے تشریف لے آئے کہ آج کے بعد عثمان کچھ بھی کرے اس کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے کسی عمل پر اس کی پکڑ نہیں ہوگی۔'' یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔محقق نے ان دونوں اسناد کو ضعیف کہا ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ایسے ہی اسلام کے شروع کے ایام میں اقامت دین کے لیے جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کیا گیا؛ اس کی کوئی مثال باقی نہیں رہی۔ جب کہ سائل کو ضرورت کے وقت کچھ دے دینا ایسی نیکی ہے جو قیامت تک کے لیے باقی ہے۔ جب اتنے عظیم الشان اور نفع بخش اور اہم ترین صدقات کے لیے بھی نبی کریم ﷺ نے کوئی ایسی دعا نہیں فرمائی تو پھر ایک سائل کو انگوٹھی دینے کی وجہ سے ایسی دعا کر سکتے ہیں؛ حالانکہ یہ احتمال بھی ہے کہ وہ سائل اپنے سوال میں جھوٹا ہو؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ روایت اور اس جیسی دوسری روایات ایک جاہل انسان کا من گھڑت جھوٹ ہے جس میں وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی برابری کرنا چاہتا ہے۔ [ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى o الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى o وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى o إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى o وَلَسَوْفَ يَرْضَى﴾ [اللیل ۱۷۔۲۱]

''اور عنقریب اس سے وہ بڑا متقی دور رکھا جائے گا۔ جو اپنا مال دیتا ہے کہ پاک ہو جائے حالانکہ اس کے ہاں کسی کا کوئی احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جائے۔ مگر اپنے اس رب کی رضا مندی طلب کرنے کے لیے (دیتا ہے) جو سب سے بلند ہے۔ اور یقیناً عنقریب وہ راضی ہو جائے گا۔''

## [من گھڑت روایت کا پس پردہ محرک]:

[رافضی مصنف چاہتا ہے کہ] اس طرح کے فضائل جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ثابت کیے جائیں۔ پس وہ ایسا نہیں کر سکا کہ شروع اسلام کے دنوں کے متعلق کوئی روایت گھڑ لیتا؛ تو اس کی جگہ یہ روایت گھڑ لی جسے صرف جاہل لوگوں میں پذیرائی حاصل ہو سکتی ہے۔ [جو حقائق جاننے والے لوگ ہیں وہ اس جھوٹ کو فوراً پکڑ لیتے ہیں]۔

نیز نبی کریم ﷺ کے لیے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے اور نصرت و مدد حاصل ہونے کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ یہ دعا فرمائیں کہ اے اللہ! میرے اہل خانہ میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو میرا وزیر بنا دے؛ اور اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت سے اور پھر مؤمنین کے ذریعہ آپ کی مدد فرمائی؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ﴾ [الأنفال ۶۲]

''[اللہ آپ کو کافی ہے] اسی نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے آپ کی تائید کی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ [التوبۃ ۴۰]

''اگر تم ان (نبی ﷺ) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جبکہ انہیں کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جس وقت کفار نے آپ کو نکالا ؛ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی اس وقت آپ دو تھے ایک رسول اللہ ﷺ اور دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۔ اور غزوہ بدر کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ کے لیے جھونپڑہ یا خیمہ لگایا گیا؛ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اس خیمہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ داخل ہونے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا رسول اللہ ﷺ کی نصرت میں مبارک حصہ اور قابل صد شکر کوششیں ہیں۔ [اللہ انہیں جزائے خیر سے نوازے ]۔

یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ جب احد کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لیکر آئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیتے ہوئے کہا: ''اسے دھوڈالو؛ اس میں مذمت کی کوئی بات نہیں' آج اس نے مجھے سچا کر دکھایا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے اس پر فرمایا: ''اگر تم نے یہ اچھائی اور نیکی کی ہے تو یقیناً فلاں اور فلاں اور فلاں نے بھی ایسی کارکردگی دیکھائی ہے۔'' [تاریخ ابن کثیر ٤/ ٤٧]

رسول اللہ ﷺ کی نصرت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امثال و ہمنوا صحابہ کو چھوڑ کر صرف آپ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے ۔ اور نہ ہی کسی ایسے موقع کا علم ہوسکا ہے جہاں پر نبی کریم ﷺ کو باقی صحابہ کو چھوڑ کر صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کی ضرورت پڑی ہو۔ نہ ہی زبانی کلامی مدد کی ضرورت پڑی اور نہ ہی جانی طور پر۔

## [اہل اسلام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض کا الزام]:

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ لوگوں کا نبی کریم ﷺ پر ایمان اور آپ کی اطاعت شعاری صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے نہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو دعوت دی ہو؛ اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی اور خاص سبب تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے مابین اسباب تھے۔ بخلاف ازیں بنی اسرائیل ہارون علیہ السلام کو بے حد چاہتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام سے خائف و ہراساں رہتے تھے۔ ہارون علیہ السلام ان سے الفت و محبت کا سلوک روا رکھتے تھے۔

روافض کا دعویٰ ہے کہ اہل اسلام حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی اور ان کے بارے میں جو نص تھی اس کو پوشیدہ رکھا۔ پھر یہ کہنا کیوں کر درست ہے کہ نبی ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسی طرح محتاج تھے جس طرح موسیٰ ہارون کے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لیجیے: ان کے دستِ حق پرست پر عشرہ مبشرہ میں سے چھ صحابہ نے اسلام قبول کیا تھا ؛ ان صحابہ کے نام یہ ہیں: عثمان ، طلحہ، زبیر؛ سعد، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہم اجمعین )۔

مگر ہمیں نہیں معلوم کہ سابقین اوّلین مہاجرین و انصار صحابہ میں سے کسی نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہو۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سابقین صحابہ میں شامل ہیں۔ عقبہ کی رات جب انصار نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں مدینہ طیبہ روانہ فرمایا۔ ان کے ہاتھ پر انصار کے سرداران جیسے حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ وہ انسان ہیں جن کی موت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



پر اللہ تعالیٰ کا عرش کانپ گیا تھا۔'' ❶

موسم حج میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلتے اور کفار کو اسلام کی دعوت دیتے ۔اور دعوت کے میدان میں آپ کی بہت بڑی مدد کرتے ۔بخلاف دوسرے لوگوں کے [انہیں شروع ایام اسلام میں یہ سعادت نصیب نہ ہوئی تھی ]۔یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

''اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو گہرا دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔'' [حوالہ گزر چکا ہے]۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا:

''اے لوگو! مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا گیا؛ میں نے کہا: میں اللہ کا رسول ہوں ؛تم نے کہا: جھوٹ بولتے ہو۔ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ سچ فرماتے ہیں۔کیا تم میرے دوست کو میری خاطر نہیں چھوڑو گے۔'' [البخاری ٥/ ٥]

پھر موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کفار کو اسلام کی دعوت پہنچانے سے پہلے کی تھی؛ تاکہ آپ کو مددگار میسر آجائے۔اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہونے کے وقت سے اکیلے ہی لوگوں تک دین کی دعوت پہنچانی شروع کردی تھی۔اور باتفاق اہل علم سب سے پہلے جو لوگ ایمان لائے وہ چار ہیں:''مردوں میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ؛عورتوں میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا؛ بچوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ؛ اور غلاموں میں سے حضرت زید رضی اللہ عنہ ۔

اس جماعت میں سے دعوت کے میدان میں سب سے نفع بخش ہستی بالاتفاق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔پھر ان کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا۔اس لیے کہ آزاد مردوں میں بالاتفاق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لانے والے پہلے شخص تھے۔اور اس کے ساتھ ہی آپ اپنی جان و مال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احسان کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔مگر اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ دعا نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کسی کے ذریعہ ان کی پشت کو مضبوط کردے؛ نہ ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا کی اور نہ ہی کسی دوسرے کے لیے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری کرتے ہوئے؛ اس پر توکل کرتے ہوئے صبر و استقامت کے ساتھ ویسے ہی اٹھ کھڑے ہوئے جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ [المدثر ٢۔٧]

''اٹھیے کھڑے ہوجائیں، پس ڈرائیے۔اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر۔اور اپنے کپڑے پس پاک رکھ۔

---

❶ البخاري 5/35؛كتاب مناقب الأنصار، باب مناقب سعد بن معاذ رضي الله عنه ، والحديث عن جابر وأنس بن مالك رضي الله عنهما في: مسلم 4/1915؛ كتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل سعد بن معاذ رضي الله عنه ؛ سنن الترمذي 5/353 كتاب المناقب، باب مناقب سعد بن معاذ، وقال الترمذي: وفي الباب عن أسيد بن حضير وأبي سعيد رمثة ، والحديث في سنن ابن ماجه ومسند أحمد .

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اور پلیدگی کو پس چھوڑ دیں۔اور (اس نیت سے) احسان نہ کر کہ زیادہ حاصل کرے۔اور اپنے رب ہی کے لیے پس صبر کر۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ [ھود ۱۲۳]

’’پس آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔‘‘

جو انسان یہ خیال کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ وہ لوگوں میں سے کسی شخص کے سبب سے آپ کی پشت مضبوط کردے؛ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ میرے بھائی ہارون علیہ السلام سے میری پشت کو مضبوط کردے؛ تو یقیناً اس انسان نے رسول اللہ ﷺ کے حق میں کوتاہی کی؛ اور آپ پر اپنی طرف سے ایک بہتان گھڑ لیا۔اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رافضیت شرک و نفاق اور الحاد سے نکلی ہوئی ہے۔کبھی ان سے اس الحاد کا اظہار ہو جاتا ہے اور کبھی مخفی و پوشیدہ رہتا ہے۔

## [موالات (دوستی) کی حقیقت]:

پندرھویں وجہ:......ان سے کہا جائے گا کہ: اہل ایمان پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دوستی رکھنا واجب ہے۔ پس وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی دوستی رکھتے ہیں ۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت و دوستی ہر ایمان والے انسان پر ایسے ہی واجب ہے جیسے دوسرے اہل ایمان کی محبت و دوستی اہل ایمان پر واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ موالات کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [التحریم ۴]

’’اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کروگی تو یقیناً اس کا کارساز اللہ ہے اور جبرائیل اور نیک ایماندار۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بھی صالح مومن ہو اللہ تعالیٰ، اور جبریل امین سب رسول اللہ ﷺ کے مولیٰ ہیں اور آپ ان کے مولیٰ ہے۔جب صالح مؤمنین آپ کے مولی ہیں؛ اللہ تعالیٰ بھی آپ کا مولی ہے؛ جبریل امین بھی آپ کے مولی ہیں؛ اس کا معنی یہ نہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کے متولی و متصرف ہونگے ۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ (التوبة: ۷۱)

مومن مرد اور عورتیں باہم ایک دوسرے کے مولیٰ ہیں۔‘‘

آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مومن و متقی اللہ کا ولی اور اس کا دوست ہے۔اس سے کہیں بھی یہ مراد نہیں نکلتی کہ یہ آپس میں ایک دوسرے پر امیر ہوں یا معصوم ہوں ؛ یا پھر اس مولی کے بغیر کوئی دوسرا متولی نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com



﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ o اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾

[یونس ۶۲۔۶۳]

’’آگاہ رہو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) پرہیز رکھتے ہیں۔‘‘

پس ہر ایمان والا مؤمن شخص اللہ کا دوست ہے اور اللہ اسے دوست رکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرۃ:۲۵۷)

’’اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا دوست ہے۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾ [محمد ۱۱]

’’اس لیے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس لیے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا .... وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ [الأنفال ۷۲۔۷۵]

’’جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو پناہ دی اور مدد کی ............اور رشتے ناطے والے ان میں سے بعض بعض سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کے حکم میں بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔‘‘

ان تمام نصوص میں اہل ایمان کے مابین موالات اور دوستی ثابت ہے۔ یہ اس کا دوست ہے؛ وہ اس کا ولی و دوست ہے؛ اور تمام اہل ایمان اللہ کے ولی اور آپس میں دوست ہیں' اور اللہ اور اس کا رسول اور فرشتے بھی اہل ایمان کے دوست ہیں۔

مذکورہ صدر آیات میں یہ کہیں بھی مذکور نہیں کہ جو کسی کا ولی ہوگا وہ اس کا متولی بھی ہوگا، اس کے علاوہ کوئی بھی اس کا متولی نہیں ہوگا۔ اور اس ولی کو اس پر متصرف بھی سمجھا جائے گا؛ باقی لوگوں کو نہیں۔

## [ولی اور متولی میں فرق]:

سولھویں وجہ:...... وِلایت [واؤ کے نیچے زیر کے ساتھ ]اور وَلایت [واؤ کے اوپر زبر کیساتھ ] کا فرق علماء میں عام طور پر معروف ہے۔ وَلایت عداوت کی ضد ہے؛ ان نصوص میں اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے وِلایت مراد نہیں جو کہ حکومت اور امارت کے معنی میں ہے۔ شیعہ کی جہالت کا یہ عالم ہے وہ ولی کو امیر سمجھتے ہیں۔ اور وَلایت اور وِلایت میں کوئی

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com



فرق نہیں کر پاتے ۔ چنانچہ امیر کو والی کہتے ہیں اور ولی نہیں کہتے۔ہاں اسے ولی الامر کہا جاتا ہے۔جیسے کہا جاتا ہے: (ولیت أمر کم ) یعنی تمہارے امور کی زمام کار مجھے سونپی گئی ہے۔

جب کہ والی کے ارادہ سے مولی کا لفظ بولنا بھی اہل عرب کے ہاں معروف نہیں ہے ۔[وہ اس لفظ کو ان معانی میں استعمال کرنا جانتے ہی نہیں]۔ بلکہ ولی کو مولی کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے والی کے معنی میں نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ جب والی اور ولی دونوں جنازہ میں موجود ہوں تو جنازہ کون پڑھائے ؟بعض نے کہا ہے کہ والی کو مقدم کیا جائے گا؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔اور بعض کہتے ہیں: ولی کو مقدم کیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ موالات معادات کی ضد ہے۔ یہ وَلایت تمام اہل ایمان کے مابین ثابت ہے۔ یہ وصف خلفاء اربعہ ؛ تمام اہل بدر اور اہل بیعت رضوان کے مابین بھی ثابت ہے۔ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ولی اور دوست ہے۔اس آیت میں کہیں بھی یہ دلیل نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر امیر ہے۔ بلکہ یہ نظریہ کئی وجوہات کی بنا پر باطل ہے۔

اگر شیعہ مصنف کی اس ولایت سے مراد امارت ہو؛ تو اسے یوں کہنا چاہیے تھا: بیشک تم پر اللہ اور اس کا رسول اور اہل ایمان متولی ہیں۔اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے متولی کا لفظ استعمال نہیں کیا ۔ کیونکہ عربی زبان میں دوست کے لیے ولی اور حاکم کے لیے متولی یا والی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ لفظ ولی اور ولایت میں اور والی میں بہت بڑا فرق ہے۔ یہ آیت تمام مؤمنین کے لیے عام ہے جب کہ امارت تمام لوگوں کے لیے عام نہیں ہوسکتی۔

سترھویں وجہ:...... اگر اس ولایت سے مراد امارت ہوتی تو یوں کہا جاتا: ’’ بیشک تم پر اللہ اور اس کا رسول اور اہل ایمان متولی ہیں۔اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے متولی کا لفظ استعمال نہیں کیا۔اس لیے کہ جس کو امیر بنایا جاتا ہے اس کے لیے والی کا لفظ استعمال کرتے ہیں کیونکہ عربی زبان میں دوست کے ولی اور حاکم کے لیے متولی یا والی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اٹھارھویں وجہ:...... اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنے بندوں پر متولی ہے۔یا وہ ان کا امیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا خالق و مالک اور رازق ہے؛ ان کا رب اور بادشاہ ہے۔تمام خلقت اسی کی ہے ؛ اور حکم اس کا چلتا ہے۔ ایسے نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین ہے؛ جیسا کہ متولی کو کہا جاتا ہے۔مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین ۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ لوگوں پر متولی ہیں۔یا آپ ان کے امیر ہیں۔اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام امیر المؤمنین نہیں کہتے تھے؛ بلکہ آپ خلیفہ ٔ رسول اللہ ﷺ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔سب سے پہلے جن کے لیے امیر المؤمنین کا لفظ استعمال کیا گیا وہ حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com



ایک روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ایک سریہ پر امیر تھے۔تو آپ کو امیر المؤمنین کہہ کر پکارا گیا۔ لیکن آپ کی یہ امارت اس سریہ کے ساتھ خاص تھی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے کسی کو بھی مسلمانوں کی امارت کی وجہ سے امیر المؤمنین کہہ کر نہیں پکارا گیا۔اور حقیقت میں آپ ہی اس نام کے سب سے زیادہ حق دار تھے۔

وَلایت عداوت کی ضد ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نیک اہل ایمان سے دوستی رکھتا ہے۔اہل ایمان اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ اہل ایمان سے محبت کرتا ہے۔ وہ ان سے راضی ہوتا ہے؛ یہ اس سے راضی ہوتے ہیں۔اور جو اللہ کے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ سے اعلان جنگ کرتا ہے۔یہ ولایت اس کی رحمت اور احسان ہے۔یہ مخلوق کی آپس میں ولایت اور دوستی کی طرح نہیں ہے جو کسی ضرورت پر مبنی ہوتی ہے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ [الإسراء ۱۱۱]

’’اور یہ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک ساجھی رکھتا ہے اور نہ وہ کمزور ہے کہ اسے کسی کی ضرورت ہو۔‘‘

پس ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کمزور ہے کہ اسے کسی کی ضرورت ہو؛ بلکہ اللہ تعالیٰ تو خود یہ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا﴾ [فاطر ۱۰]

’’جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی کی ساری عزت۔‘‘

بخلاف بادشاہوں کے؛ بادشاہ جن لوگوں سے دوستی کرتے ہیں' وہ اپنی ضرورت کے لیے ان سے دوستی کرتے ہیں۔ [اس لیے کہ وہ اس طرح سے اپنے مددگار پیدا کرتے ہیں] ورنہ ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

انیسویں وجہ:......جس پر بھی کوئی عادل امام حاکم بن جائے اس کے لیے لازمی نہیں ہے کہ اللہ کی جماعت میں سے ہو' اور ہمیشہ غالب ہی رہے۔بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عادل حکمران کفار اور منافقین پر بھی حکومت کرتے ہیں۔مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت منافق اور ذمی بھی رہتے تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکمرانی میں کفار بھی تھے اور منافقین بھی۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ [المائدة ٥٦]

’’اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے، وہ یقین مانے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔‘‘

اگر یہاں پر مراد امارت یا حکومت ہوتی تو پھر معنی یہ ہوتا کہ جو کوئی بھی اہل ایمان پر والی بن جائے؛ وہ اللہ کی غالب آنے والی جماعت میں سے ہوگا۔ایسا نہیں ہے۔اس لیے کہ کفار اور منافقین اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قضاء و قدر کے ماتحت ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ کفار سے دوستی نہیں کرتا؛ بلکہ ان سے نفرت کرتا ہے۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com



## حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے اثبات میں دوسری دلیل:

**اشکال**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت علی رضی اللہ عنہ (بلا فصل) کی دوسری دلیل یہ آیت قرآنی ہے:

﴿یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ [المائدۃ ٦٧]

''اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔''

بالاتفاق یہ آیت کریمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔- جمہور میں سے-ابونعیم اپنی سند سے ابن عطیہ سے روایت کرتے ہیں' آپ بیان کرتے ہیں کہ یہ''آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری۔''

تفسیر ثعلبی میں ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ:''آپ کے رب نے آپ پر جو کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بارے میں نازل کیا ہے؛ اس کی تبلیغ کیجیے۔ اس کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:''مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔''''جس کا میں مولی ہوں' علی بھی اس کا مولی ہے۔''

ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کے اجماعاً مولیٰ تھے، بنا بریں حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے بھی مولیٰ ہوں گے۔ لہٰذا وہی امام برحق ہوں گے۔

تفسیر ثعلبی میں ہے:''سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خُم کے روز صحابہ کو پکارا جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:'' مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔''

چنانچہ یہ بات جنگل کی آگ کی طرح مشہور ہوگئی، جب حارث بن نعمان فہری رضی اللہ عنہ نے آپ کا یہ ارشاد مبارک سنا تو اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر مدینہ پہنچا۔ اپنا اونٹ وادی میں بٹھایا اور اس کو باندھ دیا؛ پھر وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ چند صحابہ رضی اللہ عنہم سمیت تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا:

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ہمیں دو شہادتوں کا حکم دیا؛ ہم نے آپ کی بات مان لی۔ پھر آپ نہیں ہمیں پانچ نمازوں کا حکم دیا؛ ہم نے آپ کی بات مان لی، پھر آپ نے ہمیں اپنے اموال سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا؛ ہم نے آپ کی بات مان لی۔ اور آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ماہ رمضان کے روزے رکھیں؛ ہم نے آپ کی بات مان لی؛ آپ نے ہمیں بیت اللہ کا حج کرنے کا حکم دیا؛ ہم نے آپ کی بات مان لی۔ پھر آپ اس پر بھی راضی نہیں ہوئے۔ اب آپ نے اپنے چچا زاد بھائی علی کا سر اونچا کر دیا اور اس کو ہم پر فوقیت بخشی ہے، اور آپ نے فرمایا:'' مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔'' کیا آپ اپنی طرف سے یہ کہہ رہے ہیں یا اللہ کے حکم سے یہ بات کہہ رہے ہیں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: اللہ کی قسم! یہ اللہ کا حکم ہے۔'' چنانچہ حارث یہ کہتے ہوئے اپنی سواری کی طرف رخصت ہوگیا کہ:''اے اللہ! اگر یہ بات تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسا یا ہمیں

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



دردناک عذاب میں مبتلا کر۔''

ابھی وہ منزل مقصود پر نہیں پہنچا تھا کہ ایک پتھر اس کے سر پر گرا اور دُبر سے نکل گیا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔تب یہ آیت اتری:[اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں]:

﴿سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ o لِّلْكٰفِرِينَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ o مِّنَ اللّٰهِ﴾ [المعارج ۱-۳]

''ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کا سوال کیا جو واضح ہونے والا ہے۔کافروں پر، جسے کوئی ہٹانے والا نہیں۔اللہ کی طرف سے۔''

نقاش نے بھی اپنی تفسیر میں یہ روایت بیان کی ہے۔(شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا)

**جواب:** اس کے جواب میں کئی نکات ہیں:

پہلی وجہ: ہم کہتے ہیں کہ یہ دلیل پہلی دلیل سے بھی زیادہ جھوٹی ہے۔ہم آگے چل کر اس کی تفصیل بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ وتعالیٰ۔رافضی کا یہ قول کہ یہ آیت بالاتفاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔''

یہ بہت بڑا اور صریح کذب ہے جو کہ اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔ بلکہ یہ بات کسی بھی ایسے عالم نے نہیں کہی جو تفسیر کو اچھی طرح جانتا ہے۔

باقی رہیں ابو نعیم، ثعلبی اور نقاش اور واحدی کی تصانیف تو محدثین کرام کا اتفاق ہے کہ ان کتب میں لا تعداد جھوٹی روایات موجود ہیں۔اور ثعلبی کی اس روایت کے بارے میں بھی محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ موضوع اور جھوٹی روایت ہے۔ہم آگے چل کر دلائل کے ساتھ واضح کریں گے کہ یہ روایت جھوٹی ہے۔اور ثعلبی کا شمار محدثین میں نہیں ہوتا۔

لیکن ہمارا مقصد یہ ہے کہ یہاں پر ایک قاعدہ کی یاددلائی جائے۔منقولات میں بہت ساری جھوٹی روایات بھی ہیں اور بہت ساری سچی روایات بھی ہیں۔احادیث وروایات میں [صحیح اور موضوع میں فرق] کے بارے میں ان علماء پر اعتماد کیا جائے گا جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امین ہیں۔جس طرح نحوی مسائل میں علمائے نحو کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور قراءت، لغت کے مسائل میں اہل لغت کی طرف اور طب کے مسائل میں ان علماء کی طرف رخ کیا جاتا ہے جو ان علوم میں ماہرانہ بصیرت رکھتے ہیں اس لیے کہ ''لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ۔'' ہر فن کے لیے اس کے اہل لوگ ہوتے ہیں۔''

## [محدثین کرام اور ان کی خدمات جلیلہ]:

محدثین کرام بہت زیادہ قدر و منزلت رکھتے ہیں۔سب لوگوں کی نسبت حق وصداقت کے زیادہ طلبگار تھے۔ان کی منزلت باقی علماء سے بہت اونچی ہے؛ اور ان میں دین داری زیادہ پائی جاتی ہے۔یہ لوگ سچائی اور امانت داری میں باقی سب لوگوں پر فائق ہیں۔جرح وتعدیل کے بیان کرنے میں ان کا علم اور تجربہ بہت زیادہ ہے۔

[[ جیسا کہ علم حدیث سے واقفیت رکھنے والے حضرات کلیۃً اس سے آگاہ ہیں۔ چنانچہ جس روایت کو وہ بالاتفاق ضعیف یا لغو قرار دیں وہ ساقط عن الاحتجاج ہوگئی اور جس کی صحت پر متفق ہوں وہ صحیح ہوگی اور جس میں وہ مختلف الخیال

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ہوں اس میں عدل و انصاف کے تقاضا کے مطابق غور و فکر کیا جائے گا۔ محدثین کرام علم حدیث کا معیار و مدار ہیں۔ شہرۂ آفاق محدثین حضرات کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں ]]:

جیسے : امام مالک، شعبہ، اوزاعی، لیث، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، ذوالنون، حماد، ابن مبارک، یحییٰ قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، وکیع، ابن علیہ، شافعی، عبد الرزاق، فریابی، ابو نعیم، قعنبی، حمیدی، ابو عبید، ابن المدینی، احمد، اسحاق، ابن معین، ابوبکر بن ابی شیبہ، ذہلی، بخاری، ابو زرعہ، ابو حاتم، ابو داود، مسلم، موسیٰ بن ہارون، صالح جزرہ، نسائی، ابن خزیمہ، ابواحمد بن عدی۔ ابن حبان، دارقطنی اور دیگر محدثین و ماہرین علم الرجال و جرح وتعدیل (رحمہم اللہ)۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اس کا شمار کیا جانا ممکن نہیں۔ یہ لوگ رجال اور جرح وتعدیل کے ماہرین میں سے ہیں۔ ان میں سے بھی بعض ایک دوسرے سے بڑھ کر عالم ہوا کرتے تھے۔ اور بعض کلام میں دوسروں کی نسبت زیادہ عادل اور حق پسند ہوا کرتے تھے۔ جیسا کہ باقی تمام علوم میں لوگوں کی حالت ہوا کرتی ہے۔

معرفت رجال کے موضوع پر متعدد چھوٹی بڑی کتب تصنیف کی گئی ہیں۔ چند ایک کتب کے نام حسب ذیل ہیں۔

طبقات ابن سعد، تاریخ صغیر بخاری، تاریخ کبیر بخاری، کتب یحیی ابن معین، اور احمد بن حنبل بروایت تلامذہ، اور ان سے قبل کتاب یحییٰ بن سعید القطان، کتاب علی بن مدینی، تاریخ یعقوب بن سفیان الفسوی، ابن ابی خیثمہ، ابن ابی حاتم، عقیلی، ابن عدی، اور ابن حازم کی کتابیں۔

ایسے ہی بہت ساری کتابیں مسانید کے طرز پر لکھی گئی ہیں جن میں مصنف اپنی سند سے رسول اللہ ﷺ سے احادیث روایت کرتا ہے؛ جیسا کہ مسند أحمد بن حنبل؛ مسند طبرانی، مسند اسحاق، مسند ابو داود الطیالسی، مسند ابوبکر ابن ابی شیبہ، مسند محمد بن ابی عمر العدنی، مسند ابن منیع، مسند ابو یعلی الموصلی، مسند ابوبکر البزار البصری اور دوسرے لوگ۔

مندرجہ ذیل کتب حدیث فقہی ابواب کی ترتیب کے مطابق جمع کی گئی ہیں: صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابن ابی خزیمہ ابن حبان وغیرہ اور ایسے ہی وہ کتابیں جو کہ صحیحین پر تخریج میں لکھی گئی ہیں جیسا کہ اسماعیلی اور برقی اور ابو نعیم وغیرہ کی کتابیں۔ اور وہ کتابیں جن میں سنن کی تخریج کی ہے جیسے: سنن نسائی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ۔ اور بعض نے جامع احادیث ذکر کی ہیں جن میں فضائل اور دوسرے امور بھی آتے ہیں جیسے : جامع الترمذی۔ اور دیگر لا تعداد کتب حدیث جن کا ذکر طوالت کا موجب ہے۔ یہ عظیم الشان علم باقی تمام اسلامی علوم میں عظمت و منزلت رکھتا ہے۔

خلاصہ کلام! اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ رافضی اس علم میں بہت ہی کم معرفت رکھتے ہیں تمام بدعتی اور گمراہ فرقوں میں اس علم میں رافضیوں سے بڑھ کر کوئی دوسرا جاہل نہیں۔

باقی گمراہ فرقوں میں اس علم کے بارے میں کوتاہی پائی جاتی ہے؛ جیسے معتزلہ؛ مگر معتزلہ بھی خوارج سے زیادہ عالم ہوتے ہیں اور خوارج اپنی جہالت کے باوجود روافض سے زیادہ سچے؛ ان سے بڑے عالم؛ زیادہ دین دار؛ اور خوف الٰہی رکھنے والے ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ حقیقت ہے کہ خوارج جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتے۔ بلکہ وہ دیگر لوگوں کی نسبت زیادہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



سچے ہوتے ہیں۔

معتزلہ بھی باقی تمام فرقوں کی طرح ہیں۔ان میں سچے بھی ہیں اور جھوٹے بھی؛لیکن ان میں حدیث اور علوم حدیث کا وہ اہتمام نہیں پایا جاتا جو کہ اہل سنت والجماعت کے ہاں پایا جاتا ہے۔اس لیے کہ یہ لوگ حدیث کو دین کا حصہ سمجھتے ہیں[اس لیے انہیں معرفت حدیث کی ضرورت پڑتی ہے]۔تو ضرورت ہوتی ہے کہ سچائی کو پہچان سکیں۔جب کہ خوارج ایک دوسری راہ کے مسافر ہیں جسے انہوں نے خود ہی گھڑ لیا ہے' اور اسی پر ان کا اعتماد ہے[وہ نہ جھوٹی روایات سے احتجاج کرتے ہیں اور نہ ہی صحیح روایات سے۔انھوں نے از خود کچھ قواعد گھڑ رکھے ہیں اور وہ انہی کو پیش نظر رکھتے ہیں]۔جس میں ان کے ہاں حدیث کا ذکر تک نہیں پایا جاتا؛ بلکہ وہ اپنے اصول میں قرآن تک کو ذکر نہیں کرتے۔صرف اس سے تقویت حاصل کرنے کے لیے؛اعتماد کے لیے نہیں۔

روافض کا یہ عالم ہے کہ عقل و نقل دونوں سے تہی دامن ہیں۔نہ ہی وہ کسی روایت کی اسناد دیکھتے ہیں اور نہ ہی باقی ساری شرعی اور عقلی دلیلوں کا خیال کرتے ہیں کہ کیا یہ ان کے موافق ہیں یا مخالف۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں کوئی بھی صحیح اور متصل سند نہیں پائی جاتی۔بلکہ ان کے ہاں جو بھی سند متصل ہوگی؛اس میں کوئی نہ کوئی راوی ضرور ایسا ہوگا جس پر جھوٹ بولنے کی تہمت ہوگی یہ پھر وہ کثرت کے ساتھ غلطیاں کرنے والا ہوگا۔

رافضی اس باب میں یہودیوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ان کے ہاں بھی کوئی سند نہیں پائی جاتی۔جب کہ اسناد اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔اور پھر اہل اسلام میں احادیث و آثار اور اسانید کی پہچان اہل سنت والجماعت کا خاصہ بن کر رہ گیا ہے۔روافض کے نزدیک کسی حدیث کی صحت کی علامت یہ ہے کہ وہ اس کے افکار و معتقدات سے ہم آہنگ ہو،امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اہل علم موافق و مخالف سب احادیث لکھتے ہیں،مگر مبتدعین وہی روایات لکھتے ہیں جن سے انکے نظریات کی تائید ہوتی ہو۔''

پھر یہ کہ ان کے پہلے لوگ بہت زیادہ جھوٹ بولتے تھے۔ان کی روایات ان لوگوں تک منتقل ہوئیں جو صحیح اور سقیم کی معرفت سے عاری تھے۔پس ان کے بس میں صرف اتنا ہی تھا کہ یا تو تمام روایات کی تصدیق کریں اور یا پھر تمام روایات کی تکذیب کریں۔اور غیر مستند اور منفصل دلائل سے استدلال کرتے رہیں۔

ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ آیا تم نقاش و ثعلبی و ابونعیم کی مرویات ہر حال میں قبول کرتے ہو،مخالف یا موافق ہوں؟ یا مطلقاً ان کو ٹھکرا دیتے ہو؟ یا موافق روایات کو قبول کرتے اور مخالف کی تکذیب کرتے ہو؟

ابونعیم نے اپنی کتاب ''الحلیہ''میں فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم جمع کیے ہیں۔ان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مناقب پر ایک کتاب ہے۔ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب موجود ہیں۔ان میں صحیح روایات بھی ہیں' ضعیف بھی ہیں؛ بلکہ بعض منکر روایات بھی موجود ہیں۔ابونعیم اپنی منقولات کا خوب علم رکھنے والے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



انسان تھے۔ لیکن آپ اور آپ کے امثال ہر طرح کی روایات جمع کرتے ہیں تا کہ یہ پتہ چل جائے کہ اس باب میں یہ روایت بھی موجود ہے۔ اور لوگوں کو روایات کے موجود ہونے کا پتہ چل جائے۔ ان کی مثال اس مفسر کی ہے جو تفسیر میں لوگوں کے اقوال نقل کرتا ہے؛ اور فقیہ جو فقہ میں لوگوں کے اقوال ذکر کرتا ہے؛ اور مصنف جو لوگوں کے دلائل ذکر کرتا ہے۔ تا کہ لوگوں کو ان چیزوں کا پتہ چل جائے۔ اگرچہ وہ ان میں سے بہت ساری چیزوں کے صحیح ہونے کا اعتقاد نہیں بھی رکھتا؛ بلکہ انہیں ضعیف سمجھتا ہے۔ اس لیے کہ وہ خود کہتا ہے: میں نے وہی چیزیں ذکر کی ہیں جو میرے علاوہ دوسرے لوگوں نے نقل کی ہیں۔ اس کی ذمہ داری اس کے قائل پر ہوتی ہے نقل کرنے والے پر نہیں۔

بہت ساری ایسی کتابیں جو کہ عبادات کے فضائل اور فضائل اوقات یا اس طرح کے دیگر عنوانات پر لکھی گئی ہیں؛ ان میں بہت ساری ضعیف احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے' بلکہ موضوع روایات تک موجود ہیں۔ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ جیسا کہ رجب کے روزوں کے بارے میں جو احادیث بیان کی جاتی ہیں اہل علم کے ہاں وہ تمام ضعیف ہی نہیں بلکہ جھوٹی ہیں۔ ایسے ہی صلاۃ رغائب جو رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو پڑھی جاتی ہے اور نصف شعبان کا الفیہ اور فضائل عاشوراء محرم کے متعلق جو اہل وعیال کے اخراجات میں وسعت دینے کی روایت ہے؛ اور مصافحہ کے فضائل؛ اور مہندی اور خضاب کے فضائل؛ غسل وغیرہ کے فضائل؛ عاشوراء کے دن کی نماز۔ یہ تمام روایات رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ ہیں۔ عاشوراء کے روزہ کے علاوہ اس دن کی فضیلت کے بارے میں کوئی بھی صحیح روایت موجود نہیں۔ امام حرب الکرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''میں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس روایت کے متعلق پوچھا کہ: جو کوئی عاشوراء کے دن اپنے اہل خانہ کے کھانے میں وسعت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ سارے سال کے لیے اس کے رزق میں وسعت پیدا کر دیتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: اس روایت کی کوئی اصل [بنیاد] ہی نہیں ہے۔''

فضائل صحابہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے اصحاب کے بارے میں بہت سارے لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں؛ مثلاً: خیثمہ بن سلیمان طرابلسی وغیرہ۔ خیثمہ ابو نعیم سے پہلے گزرے ہیں۔ ابو نعیم ان سے ان کی اجازت سے نقل کرتے ہیں۔ ابو نعیم اور اس کے امثال کی عادت ہے کہ جو کچھ بھی اس باب میں موجود ہوتا ہے اور جو کچھ سنتے ہیں وہ تمام روایات نقل کر دیتے ہیں۔

لیکن تاریخ کی کتابوں میں انصاف سے کام لینے والے؛ جیسا کہ ابن عساکر کی تاریخ دمشق؛ اور دوسری کتابیں۔ ان میں سے کوئی ایک جب خلفائے اربعہ میں سے کسی ایک کے؛ یا کسی دوسرے کے حالات زندگی بیان کرتے ہیں؛ تو وہ تمام چیزیں بیان کر دیتے ہیں جو اس باب میں موجود ہوتی ہیں۔ پس وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں وارد ان احادیث کو بیان کر دیتے ہیں جنہیں اہل علم و فضل محدثین کرام جانتے ہیں کہ یہ سچ ہے اور یہ جھوٹ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل صحیحین اور دوسری کتب احادیث میں ثابت ہیں۔ جب کہ صحیح بخاری میں بطور خاص حضرت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوئی فضیلت بیان نہیں ہوئی۔لیکن آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ حنین؛ غزوہ طائف اور غزوہ تبوک میں شریک ہوئے تھے۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج وداع بھی کیا؛ اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی بھی تحریر فرمایا کرتے تھے۔آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت وحی پر امین بنایا تھا۔ جیسا کہ آپ نے اس امانت پر آپ کے علاوہ دوسرے صحابہ کی ذمہ داری بھی لگائی تھی۔

اگر شیعہ ہر حال میں ان کتابوں میں موجود تمام روایات قبول کرتے ہیں؛ تو ان کتابوں میں بہت ساری ایسی روایات بھی ہیں جو ان کے عقیدہ سے ٹکراؤ رکھتی ہیں۔اور اگر تمام روایات کو رد کرتے ہیں تو پھر روایت کو محض ان کی طرف منسوب کرنے سے ہی ان سے استدلال کرنا باطل ٹھہرا۔ور اگر موافق روایات کو قبول اور مخالف روایات کو رد کرتے ہیں تو ان کے مخالف کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کہے کہ اس طرح کا کلام باطل ہے[اور ان کی مقبول روایات کو مسترد کردے۔ اوران کی رد کردہ روایات سے استناد کرے۔لوگوں میں یہ بات عام طور سے رائج ہے کہ وہ مناقب ومثالب کے بارے میں ہر قسم کی روایات کو قبول کرلیتے ہیں]۔حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی روایات سے مذہب کی صحت پر استدلال کرنا ہرگز جائز نہیں۔اس لیے کہ اس سے کہا جاسکتا ہے کہ: اگر تم اپنے مذہب سے ہٹ کر اس حدیث کی صحت کو جانتے تھے؛ تو پھر اپنے مذہب کے صحیح ہونے پر دلیل لاؤ۔اور اگر تم اس بنا پر اس روایت کو صحیح سمجھتے ہو کہ یہ تمہارے مذہب کے موافق ہے؛ تو اپنے مذہب کی بنیاد پر روایت کو صحیح کہنا ممتنع ہے۔اس لیے کہ اس صورت میں مذہب کا صحیح ہونا اس حدیث پر موقوف ہوگا اور حدیث کا صحیح ہونا مذہب پر موقوف ہوگا۔اس سے دور لازم آئے گا۔ جب کہ دور کا لازم آنا ممتنع ہے۔

مزید برآں مذہب میں یہ ہے کہ اگر تم نے کسی اور سند سے اس روایت کی صحت معلوم کی تھی؛ تو اس سے اس سند کا بھی صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔اس لیے کہ کبھی کبھار انسان کسی دوسرے پر کچھ جھوٹ بھی بول لیتا ہے اگرچہ وہ بات حق ہی کیوں نہ ہو۔بہت سارے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے اقوال روایت کرتے ہیں؛ جو اقوال بذات خود حق ہیں؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہیں۔ پس کسی چیز کے سچا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہو۔اور اگر تمہیں اس کی صحت اسی طریق سے معلوم ہوئی ہے؛ تو یہ بھی ممنوع ہے۔کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ کسی چیز کے صحیح ہونے سے اس کی اصل صحت کو ثابت کیا جائے؛ اس سے دور لازم آئے گا۔

پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ اپنے مذہب کی موافقت ثابت کرنے کے لیے اس حدیث کی صحت ثابت نہیں ہوسکتی؛ خواہ مذہب کی صحت معلوم ہو یا نہ معلوم ہو۔

ہر وہ انسان جس کو منقولات سے ادنی سا بھی واسطہ ہے؛ وہ جانتا ہے کہ ان میں سچ اور جھوٹ ہر طرح کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔اور لوگوں نے عیب جوئی اور فضائل بیان کرنے کے لیے بہت سارے جھوٹ بھی گھڑ لیے ہیں۔جیسا کہ دوسرے کئی امور میں بھی جھوٹ بولا گیا ہے۔اوران روایات میں بھی جھوٹ ہے جو ان کے موافق یا مخالف ہیں۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل میں بہت سارا جھوٹ بھی شامل ہے جیسا کہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بھی بہت ساری روایات جھوٹی ہیں۔لیکن جتنے بھی بدعتی اور ہویٰ پرست گروہ ہیں؛ ان میں رافضیوں سے بڑھ کر جھوٹا کوئی نہیں ہے۔بخلاف دوسرے لوگوں کے؛ بلاشبہ خوارج بہت کم جھوٹ بولتے ہیں؛ بلکہ وہ اپنی بدعت اور گمراہی کے باوجود لوگوں میں سب سے سچے شمار ہوتے ہیں۔

اہل علم اور اہل دین لوگ کسی روایت کی تصدیق یا تکذیب صرف اس بنا پر نہیں کرتے کہ وہ ان کے عقیدہ کے موافق ہے۔ بلکہ کبھی کوئی انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس امت کے فضائل میں بہت ساری احادیث نقل کرتا ہے تو انہیں صرف اس وجہ سے رد کر دیتے ہیں کہ وہ ان کا جھوٹ ہونا جانتے ہیں۔اور بہت ساری احادیث کو ان کے صحیح ہونے کی وجہ سے قبول کر لیتے ہیں۔اگرچہ ان کا ظاہر ان کے عقیدہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔اس لیے کہ یا تو ان کے بارے میں وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ احادیث منسوخ ہیں؛ یا پھر ان کی کوئی ایسی تفسیر ہے جس کی مخالفت وہ نہیں کرتے۔

منقولات میں اصل یہ ہے کہ ائمہ نقل اور اس فن کے علماء کی طرف رجوع کیا جائے۔اور جو کوئی ان کیساتھ اس علم میں شریک ہوتا ہے؛ وہ بھی ان کے علوم سے آگاہ ہو جاتا ہے۔اور یہ ضروری ہے کہ کسی روایت کے صحیح یا ضعیف ہونے پر علیحدہ سے تفصیل ہونی چاہیے؛ وگرنہ صرف کسی کے اتنا کہہ دینے سے کہ ''فلاں نے اسے روایت کیا ہے'' قابل حجت نہیں ہوسکتا؛ نہ ہی اہل سنت کے ہاں اور نہ ہی اہل شیعہ کے ہاں۔اور مسلمانوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ہر مصنف کی ہر روایت سے استدلال کرنے لگ جائے؛ پس ہر وہ حدیث جسے بطور حجت پیش کیا جائے ہم سب سے پہلے اس کی صحت کا مطالبہ کریں گے۔

اہل علم کا اتفاق ہے کہ صرف کسی روایت کو ثعلبی کی طرف منسوب کر دینے سے اس کی صحت ثابت نہیں ہو جاتی۔یہی وجہ ہے کہ وہ علماء حدیث جو مرجع سمجھے جاتے ہیں انہوں نے اپنی کتابوں میں کوئی ایسی روایت نقل نہیں کی۔نہ ہی صحاح و سنن میں نہ ہی مسانید و معاجم میں؛ اور نہ ہی کسی دوسری معتبر کتاب میں۔اس لیے کہ ایسی روایات کا جھوٹ ہونا کسی ادنی علم رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔

**[بے بنیاد روایات]:**

ایسی روایات اہل علم کے ہاں گمان کے درجہ میں ہوتی ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت باتفاق محدثین جھوٹی ہے اور حدیث کی کسی قابل اعتماد کتاب میں مندرج نہیں۔اس حدیث کی صحت کا دعویٰ وہی شخص کرتا ہے جو اس حد تک جھوٹا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کا پیرو خیال کرتا ہے اور اس بات کا دعویٰ دار ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ یا جس طرح ترکوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بہت سی لڑائیاں لڑی تھیں اور وہ ان لڑائیوں کا ذکر بھی کرتے ہیں، حالانکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بدر میں شرکت کی تھی اور غزوہ احد میں شہادت سے مشرف ہوئے۔ یا جس طرح بہت سے عوام یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اویس قرنی دمشق میں مدفون ہیں۔اہل علم یہ بات اچھی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



طرح سے جانتے ہیں کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کوئی ایک بھی دمشق تشریف نہیں لے گئی۔لیکن شام میں حضرت اسماء بنت یزید بن السکن الانصاریہ رضی اللہ عنہا تھیں؛ اہل شام انہیں ام سلمہ کہا کرتے تھے۔اس سے جاہل لوگوں نے یہ گمان کرلیا کہ یہ ام سلمہ ام المؤمنین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا انتقال مدینہ طیبہ میں ہوا۔اویس قرنی تابعی شام گئے ہی نہیں۔[ یا عوام کا یہ نظریہ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جامع دمشق کے باب القبہ میں احادیث روایت کیا کرتی تھیں]۔اسی طرح یہ افواہ بھی بے بنیاد ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نجف میں مدفون ہیں، حالانکہ اہل علم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ومعاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو اپنے اپنے شہر میں قصر الامارت میں دفن کیا گیا تھا کیونکہ اس بات کا خطرہ دامن گیر تھا کہ خوارج ان کی قبریں نہ کھود ڈالیں۔ ❶

اس لیے کہ خوارج نے ان تینوں حضرات کو قتل کرنے کے لیے قسمیں اٹھالی تھیں۔پس اس کے نتیجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا گیا؛ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے۔جبکہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لیے خارجہ نامی ایک آدمی کو مقرر کیا تھا؛ جب قاتل نے حملہ کردیا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ حضرت عمرو بن العاص نہیں، بلکہ خارجہ ہے؛ تو اس نے کہا: ''میں تو عمرو کو قتل کرنا چاہتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ خارجہ کا تھا۔'' یہ بات لوگوں میں ضرب المثل بن گئی۔

اس طرح کی بہت ساری چیزیں ہیں جو جہلاء کے خیالات پر مبنی ہیں۔اور منقولات کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ

---

❶ کوفہ کا قصر الامارت جس میں سیدنا علی مدفون ہیں جامع کوفہ سے جانب قبلہ واقع ہے۔مشہور شیعہ مورخ لوط بن یحییٰ کہتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جامع کوفہ کے ایک کونہ اور قصر الامارت کے صحن میں ابواب کندہ کے قریب دفن کیے گئے تھے۔شیعہ نے تیسری صدی ہجری میں سیدنا علی اور سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایک مدت بعد یہ دعویٰ کیا کہ آپ نجف میں مدفون ہیں، حقیقت شناس لوگوں کا قول ہے کہ نجف میں جو قبر سیدنا علی کی جانب منسوب ہے دراصل وہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔دمشق کا قصر الامارت جہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مدفون ہیں اس کو الخضراء کہتے ہیں، یہ مسجد دمشق کی اس دیوار سے متصل ہے جو جانب قبلہ واقع ہے،اس کی مشرقی جانب جیرون نامی حوض ہے۔مغرب میں باب البرید اور جنوب میں قصر اسعد پاشا واقع ہے۔دمشق کے معمر لوگ اپنے آباؤ اجداد سے نقل کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس دیوار کے نیچے مدفون ہیں جو جامع دمشق اور الدار الخضراء کے درمیان واقع ہے دولت عباسیہ کے عہد اقبال میں متقدمین نے جامع دمشق کی قبلہ والی دیوار پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی قبر کے نزدیک ایک کتبہ لگا دیا تھا جس پر لکھا تھا: ''یہ اللہ کے نبی ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔''
اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ حاسد لوگ آپ کی قبر نہ کھود ڈالیں۔الدار الخضراء میں ایک اور قبر بھی تھی جو آج کل ''البزوریہ'' نامی بازار میں واقع ہے۔غالباً یہ معاویہ بن یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عید الفطر ۴۳ھ میں وفات پائی آپ کے بیٹے عبداللہ نے نماز جنازہ پڑھائی، مجھے تادم تحریر اس بات کی کوئی دلیل معلوم نہیں ہوسکی کہ آپ دارالامارۃ میں مدفون ہیں۔مشہور یہ ہے کہ آپ وادی المعظم میں گھاٹی کے دروازہ کے نزدیک مدفون ہیں،صحابہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ آدمی اعمال سے زندہ جاوید ہوتا ہے، پکی قبر سے نہیں، یہی وجہ ہے کہ فراعنہ وجبابرہ کی طرح وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ صلحاء اور نامور فاتحین صحابہ کی قبروں پر مقبرے بنائے جائیں اور ان پر عالی شان عمارتیں تعمیر کی جائیں۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ان روایات کی اصل میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

دوسری وجہ:......ہم کہتے ہیں کہ: بذات خود اس روایت میں ایسی باتیں موجود ہیں جو کئی لحاظ سے اس کے جھوٹا ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اس میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غدیر کے موقع پر موجود تھے؛ آپ نے لوگوں میں منادی کروائی؛ جب لوگ جمع ہوگئے تو آپ تفسیر ثعلبی میں ہے:''سرور کائنات ﷺ نے غدیر خُمّ کے روز صحابہ کو پکارا جب سب جمع ہوگئے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:''مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔''

چنانچہ یہ بات جنگل کی آگ کی طرح مشہور ہوگئی۔ جب حارث بن نعمان فہری رضی اللہ عنہ نے آپ کا یہ ارشاد مبارک سنا تو اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر مدینہ پہنچا۔ اپنا اونٹ وادی میں بٹھایا اور اس کو باندھ دیا؛ پھر وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ چند صحابہ رضی اللہ عنہم سمیت تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا:

''اے محمد ﷺ! آپ نے ہمیں دو شہادتوں کا حکم دیا؛ ہم نے آپ کی بات مان لی۔ پھر آپ نہیں ہمیں پانچ نمازوں کا حکم دیا؛ ہم نے آپ کی بات مان لی، پھر آپ نے ہمیں اپنے اموال سے زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا؛ ہم نے آپ کی بات مان لی؛ اور آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ماہ رمضان کے روزے رکھیں؛ ہم نے آپ کی بات مان لی؛ آپ نے ہمیں بیت اللہ کا حج کرنے کا حکم دیا؛ ہم نے آپ کی بات مان لی۔ پھر آپ اس پر بھی راضی نہیں ہوئے۔ اب آپ نے اپنے چچا زاد بھائی علی کا سر اونچا کر دیا اور اس کو ہم پر فوقیت بخشی ہے، اور آپ نے فرمایا:'' مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔'' کیا آپ اپنی طرف سے یہ کہہ رہے ہیں یا اللہ کے حکم سے یہ بات کہہ رہے ہیں؟

نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: اللہ کی قسم! یہ اللہ کا حکم ہے۔'' چنانچہ حارث یہ کہتے ہوئے اپنی سواری کی طرف رخصت ہوگیا کہ:''اے اللہ! اگر یہ بات تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسایا ہمیں دردناک عذاب میں مبتلا کر۔''

ابھی وہ منزل مقصود پر نہیں پہنچا تھا کہ ایک پتھر اس کے سر پر گرا اور دُبر سے نکل گیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ تب یہ آیت اتری: [اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں]:

﴿سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ o لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ o مِّنَ اللّٰهِ﴾ [المعارج ۱۔۳]

''ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کا سوال کیا جو واضح ہونے والا ہے۔ کافروں پر، جسے کوئی ہٹانے والا نہیں۔ اللہ کی طرف سے۔'' نقاش نے بھی اپنی تفسیر میں یہ روایت بیان کی ہے۔

**جواب**: ان کذابین سے کہا جائے گا کہ: اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ'' غدیر خُمّ'' پر نبی کریم ﷺ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے؛ وہ حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت کہے تھے۔ شیعہ اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی دلیل شیعہ کا یہ عمل ہے کہ وہ اٹھارہ ذی الحجہ کو عید مناتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع کے بعد پھر کبھی مکہ تشریف نہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



لائے۔ بلکہ آپ حجۃ الوداع سے مدینہ واپس تشریف لائے؛ ذوالحجہ کے باقی ایام؛ محرم اور صفر مدینہ طیبہ میں قیام کیا؛ اور ربیع الاول میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

اس حدیث [ کے اندر ایسے شواہد موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ من گھڑت حدیث ہے۔اس میں ] ہے کہ آپ نے جب غدیر خم کے مقام پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تو یہ بات جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ مثلاً یہ الفاظ کہ آپ مکہ میں بطحاء کے مقام پر تشریف فرما تھے کہ ''حارث آپ کے پاس آیا۔'' یہ ایسے جاہل انسان کا جھوٹ ہے جسے یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ یہ واقع کب پیش آیا۔

نیز یہ بات کہ پھر ﴿ سَأَلَ سَائِلٌ﴾ والی آیت نازل ہوئی۔ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ یہ سورت غدیر خم کے واقعہ سے دس سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ پہلے نازل ہو چکی تھی۔تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد نازل ہوئی۔

علاوہ ازیں یہ آیت ﴿وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ ﴾ یہ سورت الانفال کی آیت ہے۔ یہ سورت بالاتفاق غزوہ بدر کے بعد غدیر خم سے کئی سال پہلے نازل ہوئی تھی۔ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ مثلاً ابوجہل وغیرہ کے ان اقوال کی وجہ سے نازل ہوئی تھی جو انہوں نے ہجرت سے قبل رسول اللہ ﷺ سے کہے تھے۔اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ان لوگوں کی باتیں یاد دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے کہا تھا:

﴿وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾

''اور جب کہ ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کر دے۔''

یعنی ''اے پیغمبر! وہ وقت یاد کرو جب وہ لوگ آپ سے ایسی باتیں کہہ رہے تھے۔''

یہ بالکل ان آیات کی طرح ہے:

﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ ﴾ : اور وہ وقت یاد کرو جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا۔

اور فرمایا: ﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ ''اور یاد کرو جب صبح ہی صبح آپ اپنے گھر سے نکلے۔''

اس طرح کی دیگر بھی بہت ساری آیات ہیں۔ ان میں حکم دیا جاتا ہے کہ آپ گزرے ہوئے واقعات کو یاد کریں۔تو اس سے واضح ہو گیا کہ یہ واقعہ اس سورت کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

ایسے ہی جب ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے عذاب کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ تم پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں ہو گا جب تک تم میں محمد ﷺ موجود ہیں۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ﴾ [الأنفال ۳۲]

’’اور جب کہ ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کردے۔‘‘

پھر اس کے بعد [عذاب نہ آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے] فرمایا:

﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِیْهِمْ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ﴾

[الأنفال ۳۳]

’’اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے ہوں۔‘‘

علماء کرام کا اتفاق ہے کہ اس کے باوجود اہل مکہ پر پتھر نہیں برسائے گئے تھے۔ اگر یہ واقعہ درست ہوتا کہ پتھر حارث کے سر پر گرا اور دبر کے راستہ نکل گیا تو اصحاب الفیل کے واقعہ کی طرح یہ عظیم معجزہ تھا اور ہر کس و ناکس اس کو جانتا ہوتا' حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے واقعات نقل کرنے اسباب اور ہمتیں موجود تھیں۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔

جب علم نقل کرنے والے علماء کی ایک جماعت موجود تھی۔ اور کسی بھی اہل علم' مستند مصنف نے اس روایت کو اپنی تصنیف میں ذکر نہیں کیا؛ نہ ہی مسند میں نہ ہی صحاح میں؛ نہ ہی فضائل میں؛ نہ تفسیر میں نہ ہی سوانح میں؛ بلکہ اسے روایت کرنے والے وہی لوگ ہیں جو اس طرح کی منکر روایات جمع کرتے رہتے ہیں؛ تو اس سے معلوم ہوا یہ روایت باطل اور جھوٹ ہے۔

اس روایت میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ان الفاظ کے کہنے والے نے اسلام کے پانچ بنیادی ارکان کا تذکرہ بھی کیا تھا؛ اس بنیاد پر وہ مسلمان تھا؛ کیونکہ وہ کہہ بھی رہا تھا: ہم نے آپ کی بات مان لی۔ یہ بات ضرورت کے تحت سبھی جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔ اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں اس نام کا کوئی معروف آدمی تھا۔ بلکہ یہ نام بھی ان اسماء کی جنس سے ہے جسے طرقیہ ذکر کرتے ہیں اور یہ واقعہ بھی عنتر اور دلہمہ کے افسانوی قصوں کی طرح ہے۔

بہت سارے علمائے کرام رحمہم اللہ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام جمع کیے ہیں جن سے کوئی بھی روایت منقول ہے۔ حتی کہ ضعیف احادیث بھی ذکر کی ہیں۔ جیسے: ابن عبدالبر کی کتاب ’’الاستعیاب‘‘ ابن مندہ کی کتاب؛ ابونعیم اصفہانی کی کتاب؛ حافظ ابوموسیٰ کی کتاب؛ اور اس طرح کی دیگر کتابیں۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی اس آدمی کا ذکر تک نہیں کیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اس نام کے کسی آدمی سے کوئی روایت ذکر نہیں کی گئی۔ اس لیے کہ یہ لوگ صرف وہی روایات ذکر کرتے ہیں جو اہل علم کے ہاں متداول ہوں۔ اور اہل طریقت وغیرہ کی روایات نقل نہیں کرتے؛ جیسا کہ تنقلات الأنوار میں البکری کذاب نے کیا ہے۔

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com



تیسری وجہ:......ہم پوچھتے ہیں کہ تمہارا دعوی یہ تھا کہ تم امامت کو قرآنی نصوص سے ثابت کرو گے۔قرآن کے ظاہر میں اصل میں کوئی ایسی چیز موجود ہی نہیں ۔ جو آیت تم نے پیش کی تھی:

﴿ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ [المائدة ٦٧]

'' کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔''

یہ الفاظ تو عام ہیں ؛ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے' اس سب کو شامل ہیں۔کسی بھی متعین چیز کی اس میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔

مدعی کا یہ دعوی کہ امامت علی رضی اللہ عنہ بھی ان ہی امور میں سے ایک ہے جن کی تبلیغ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی ؛ یا آپ کو اس کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا تھا؛ محض قرآن سے ایسی کوئی چیز ثابت نہیں ہوسکی۔اس لیے کہ قرآن میں ایسی کسی متعین چیز کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اگر ایسی کوئی بات نقل سے ثابت ہوجائے تو حدیث یا خبر سے ثابت تصور ہوگی نہ کہ قرآن سے ۔ پس جو کوئی یہ دعوی کرتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت قرآن سے ثابت ہے ؛ اور آپ کو اس کی تبلیغ کا حکم بھی دیا گیا تھا ؛ یقیناً ایسا انسان قرآن پر بہتان تراشی کرتا ہے۔قرآن میں کوئی بھی عام یا خاص ایسی دلیل موجود نہیں ہے۔

چوتھی وجہ :......ان سے یہ کہا جائے گا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو احوال معلوم ہیں ؛ ان کی روشنی میں یہ آیت تمہارے دعوی کے الٹ پر دلالت کرتی ہے۔وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نہ ہی کوئی ایسا حکم نازل کیا ؛ اور نہ ہی اس کی تبلیغ کا حکم دیا۔اس لیے کہ اگر ایسی کوئی بھی چیز ہوتی جس کی تبلیغ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جاتا تو آپ ضرور ایسا کرتے ؛ اور لوگوں تک یہ بات پہنچاتے ۔اس لیے کہ آپ کسی طرح بھی اللہ کی نافرمانی کرنے والے نہ تھے۔

یہی وجہ ہے کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:'' جو کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی میں سے کوئی چیز چھپائی تھی تو اس نے جھوٹ بولا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ﴾

[المائدة ٦٧]

'' اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔''

لیکن اہل علم بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے بارے میں کوئی بات نہیں کہی ۔اس بات کو ثابت کرنے کے لیے ان کے پاس کئی ایک دلائل موجود ہیں۔

❀ علم نقل کرنے والوں کی ایک جماعت موجود تھی ؛ اور نقلِ علم کے دواعی و اسباب بھی پائے جاتے تھے۔اگر اس روایت کی کوئی اصل ہوتی تو جیسے اس طرح کی دوسری روایات نقل کی گئی ہیں ؛ ایسے ہی یہ روایت بھی ضرور نقل کی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



جاتی۔ خصوصاً جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بہت ساری ایسی روایات بھی نقل کی گئی ہیں جن کی کوئی اصل ہی نہیں۔ تو پھر وہ حقانیت اور سچائی کیونکر نقل نہ کی جاتی جسے لوگوں تک پہنچا دیا گیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا تھا کہ وہ جو بات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں اسے آگے لوگوں تک پہنچائیں۔ امت کے لیے بھی کسی ایک علمی بات کا چھپانا ہرگز جائز نہ تھا جس کی تبلیغ کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہو۔

❀ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ اور بعض انصار نے مطالبہ کیا کہ ایک امیر ان میں سے ہو؛ اور ایک امیر مہاجرین میں سے ہو؛ تو اس بات پر انکار کیا گیا۔ اور مہاجرین نے کہا کہ: امارت صرف قریش میں ہی ہوسکتی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی ایک متفرق مواقع پر ارشاد فرمائی گئی حدیث نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''امامت صرف قریش میں ہوگی۔''❶

اس مجلس میں یا کسی بھی دیگر موقع پر کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق ہے۔

مسلمانوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی؛ بیعت کرنے والوں میں اکثر لوگ بنوعبد مناف - بنوامیہ اور بنو ہاشم وغیرہم - سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا بڑا مضبوط میلان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا کہ آپ کو ولایت کے لیے اختیار کیا جائے۔ مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ نص ذکر نہیں کی۔ اور معاملہ ایسے ہی حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں بھی رہا۔ اور پھر آپ کے عہد میں جب آپ خلافت و امارت کے مرتبہ پر فائز ہوگئے تو پھر بھی نہ ہی آپ نے؛ نہ ہی اہل بیت میں سے کسی ایک نے؛ اور نہ ہی معروف صحابہ میں سے کسی ایک نے یہ نص ذکر کی۔ یہ روایت اس کے بہت بعد میں سامنے آئی۔

سنت اور حدیث کا علم رکھنے والے اہل علم جیسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہیں اور آپ سے دوستی رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ: آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ برحق تھے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے اس میں اختلاف بھی کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ: آپ کا زمانہ امت میں فتنے اور اختلاف کا زمانہ تھا۔ آپ کے دور میں امت کا اتفاق نہ ہی آپ پر ہوسکا اور نہ ہی کسی دوسرے پر۔

ایک دوسری جماعت کرامیہ کا کہنا ہے کہ: آپ بھی خلیفہ برحق تھے؛ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ برحق

❶ ذكره الألباني في إرواء الغليل 2/298؛ حديث رقم 520 وقال: صحيح، ورد من حديث جماعة من الصحابة منهم أنس بن مالك وعلي بن أبي طالب وأبو برزة الأسلمي، والحديث عن أنس رضي الله عنه مطولاً في المسند 3/129؛ وأوله: الأئمة من قريش، ولهم عليكم حق ولكم مثل ذلك. وصححه الألباني، وقال في إرواء الغليل إن الطيالسي أخرجه في مسنده وابن عساكر وأبو نعيم في الحلية والبيهقي في سننه. وأما حديث علي رضي الله عنه فأوله: الأئمة من قريش، أبرارها أمراء أبرارها، وفجارها أمراء فجارها. الحديث، وقال السيوطي: إن البيهقي والحاكم أخرجاه، وذكر الألباني إنه في المستدرك، 76- 75 وفي المعجم الصغير للطبراني ص 85 وفي مجمع الزوائد 5/192 وفي غير ذلك، وهو صحيح عند الألباني أيضاً، وحديث أبي برزة في المسند 4/421، 424 وذكره الألباني في السنة لابن أبي عاصم رقم 1009، 1029۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تھے اور یہ لوگ ضرورت کے تحت دو خلیفہ ہونے کو جائز کہتے ہیں۔ ایسے ہی یہ لوگ حضرت ابن زبیر اور یزید کے دور کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ لوگوں کا ایک خلیفہ پر اتفاق نہیں ہوسکا تھا۔

❀ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے زمانے میں حدیث کے سب سے بڑے امام تھے ؛ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''میرے بعد خلافت نبوت تیس سال تک ہوگی ؛ پھر اس کے بعد بادشاہی ہوگی۔'' [سنن الترمذي ۳/ ۳٤۱]

بعض لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ مگر امام احمد اور دوسرے علمائے کرام رحمہم اللہ اسے صحیح ثابت کرتے ہیں۔ یہ حدیث ان کے مذہب میں خلافت علی رضی اللہ عنہ پر نصوص کی اساس اور سرمایہ ہے۔ اگر یہ لوگ کوئی ایسی صحیح اور مستند یا مرسل حدیث پالیتے جو ان کی خواہشات کے مطابق ہوتو پھر ان کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہتی۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ رافضی جس نص کے متعلق دعوی کرتے ہیں اہل علم نے قدیم وحدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے کوئی ایسی بات نہیں سنی۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم ضرورت کے تحت ایسی روایات کے جھوٹ کو خوب اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے سامنے دوسری تمام جھوٹی روایات واشگاف ہوتی ہیں۔

جب تحکیم الحکمین کا واقعہ پیش آیا۔ اس وقت اکثر لوگ آپ کے ساتھ تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جس نے یہ نص بیان کی ہو؛ نہ ہی آپ کے ساتھیوں میں سے اور نہ ہی دوسرے لوگوں میں سے۔ حالانکہ اس وقت آپ کے شیعہ بھی کثرت سے تھے۔ ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے یہ روایت بطور حجت پیش کی ہو۔ حالانکہ یہ ایسا موقع تھا کہ ایسی نصوص کو ہر حال میں سامنے لانا چاہیے تھا۔

اور یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ اگر شیعان علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہی کوئی اس قسم کی نص موجود ہوتی تو معروف عادت کا تقاضا تھا کہ کوئی بھی یہ کہہ دیتا کہ آپ کی خلافت کے بارے میں یہ نص موجود ہے؛ لہٰذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر آپ کو مقدم کرنا واجب ہے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ خود انتہائی نیک دل مسلمانوں میں سے تھے۔ اگر آپ کو یہ علم ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نص موجود ہے تو آپ کبھی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کی بات نہ کرتے۔ اور اگر آپ ایسی بات کرتے بھی تو اس کا انکار کیا جاتا کہ آپ کیسے اس انسان کو معزول کرنے کا کہہ رہے ہیں جس کی خلافت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نص موجود ہے؟

شیعہ نے ایک حجت یہ بھی پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔'' یہ حدیث خبر واحد ہے؛ یا پھر اس کو روایت کرنے والے دو یا تین افراد ہیں؛ متواتر نہیں ہے۔ اور نص کے لیے متواتر ہونا ضروری ہے۔

واہ سبحان اللہ! عجیب بات ہے کہ شیعہ حضرات صحیح منقول اور صریح معقول کو چھوڑ کر ایسی روایات سے استدلال کرتے ہیں؛ کیا ان میں سے کوئی ایک بھی کوئی نص پیش نہیں کرسکتا؟

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



## امامت علی رضی اللہ عنہ کی تیسری دلیل:

**اشکال**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیسری دلیل یہ آیت ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ [المائدۃ ۳]

''آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔''

ابونعیم اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو غدیرخمّ پر بلایا۔ اور درخت کے نیچے سے کانٹے اور جھاڑیاں ہٹانے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دونوں بازو تھام لیے اور انھیں بلند کیا، یہاں تک کہ لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ ابھی لوگ جدا نہیں ہو پائے تھے کہ یہ آیت اتری: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے دین کو تکمیل بخشی؛ اپنی نعمت پوری کی؛ اور میری رسالت اور علی کی ولایت پر رضامندی کا اظہار کیا، پھر فرمایا:"مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ؛ اللهم وال من والاه و عاد من عاداه وانصر من نصره و اخذل من خذله ۔"''جس کا میں مولی ہوں علی بھی اس کا مولی ہے۔'' یا اللہ جو علی سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ؛ اور جو اس کی مدد کرے تو بھی اسکی مدد کر اور جو اس کی نصرت و تائید سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کی مدد نہ کر۔'' [رافضی کا بیان ختم ہوا]۔

**جواب**: اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

**پہلی بات**:...... استدلال کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ پہلے اس حدیث کی صحت پیش کرے۔ باتفاق علماء شیعہ واہل سنت صرف ابونعیم رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر لینے سے روایت کی صحت ثابت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ ابو نعیم رحمہ اللہ نے بہت ساری ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع احادیث تک روایت کی ہیں؛ اس پر بھی تمام شیعہ اور اہل سنت علمائے کرام رحمہم اللہ ومحدثین کا اتفاق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابونعیم حافظ الحدیث تھے؛ اور آپ کی روایات کا باب بھی بہت وسیع ہے؛ لیکن روایت کرنے میں جیسا کہ ان جیسے محدثین کی عادت ہے؛ اس باب میں جو بھی روایت موجود ہوتی ہے؛ سب کو نقل کرتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو اس روایت کی معرفت حاصل ہو جائے۔ وگرنہ ان کی تمام روایات قابل احتجاج نہیں؛ ان میں سے بعض روایات ایسی ہیں جن سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

اہل علم کی اپنی تصنیفات کے سلسلہ میں کئی اقسام ہیں:

ان میں ایسے محدثین بھی ہیں جنہیں اگر کسی کے بارے میں جھوٹ ہونے کا علم ہو جائے تو اس سے روایت نہیں لیتے۔ جیسے امام مالک؛ شعبہ؛ یحی بن سعید؛ عبدالرحمٰن بن مہدی؛ اور أحمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہم۔ یہ محدثین کسی بھی ایسے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



شخص سے روایت نہیں کرتے جو ان کے ہاں ثقہ نہ ہو۔ اور نہ ہی کوئی ایسی روایت نقل کرتے ہیں جس کے بارے میں انہیں علم ہو کہ یہ روایت جھوٹ ہے۔ ایسے جھوٹے لوگوں کی احادیث روایت نہیں کرتے جن کے بارے میں عمداً جھوٹ بولنا معروف ہو۔ لیکن کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ جس سے روایت کرتے ہیں' وہ اس روایت میں غلطی کر رہا ہوتا ہے۔

یقیناً امام احمد اور اسحق بن راہویہ رحمہما اللہ اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے ایسی احادیث بھی روایت کی ہیں جو ان کے نزدیک ضعیف ہیں۔ کیونکہ ان کے راویوں پر حافظہ کی خرابی کی ؛ یا اس طرح کی دیگر کوئی تہمت ہے۔ لیکن ان کے روایت کرنے کا مقصد ان سے استشہاد پیش کرنا ہے۔ اس لیے کہ جس حدیث کے لیے ان روایات سے استشہاد پیش کیا جاتا ہے؛ وہ بیشتر اوقات محفوظ بھی ہوسکتی ہے۔ اور کبھی اس سے کسی دوسری حدیث میں وارد خطا پر تنبیہ کرنے کے لیے بھی استشہاد کیا جا سکتا ہے۔ اور کبھی اس حدیث کے راوی نے باطن میں جھوٹ بولا ہوتا ہے؛ لیکن وہ جھوٹ بولنے میں مشہور نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اکثر و بیشتر سچ ہی بولتا ہے تو اس کی حدیث روایت کر لی جاتی ہے۔ فاسق کی روایت کردہ ہر روایت جھوٹ ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کو واضح طور پر بیان کرنا واجب ہو جاتا ہے؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ [الحجرات ٦]

''اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی کمزور بیان والا خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔''

پس ان روایات کو اس لیے نقل کر لیا جاتا ہے کہ تا کہ اس کے سارے شواہد میں دیکھ لیا جائے کہ یہ صداقت پر دلالت کرتے ہیں یا جھوٹ پر۔

بہت سارے مصنفین ایسے ہیں جن کے لیے احادیث میں اس اعتبار سے تمیز اور فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ ایسا کرنے سے عاجز آ جاتے ہیں۔ پس وہ جو بات سنتے ہیں اس کو ویسے ہی روایت کر دیتے ہیں جیسے انہوں نے سنی ہوتی ہے۔ اور اس کے ادراک و تحقیق کا معاملہ دوسروں پر چھوڑ دیتے ہیں؛ ان پر یہ ذمہ داری نہیں ہوتی۔ پس اہل علم اس حدیث میں اور اس کی سند اور راویوں میں دیکھ کر اس کے متعلق فیصلہ کرتے ہیں۔

دوسری بات :...... ہم کہتے ہیں موضوعات کے علماء کے نزدیک یہ حدیث بالاتفاق جھوٹ ہے۔ جو لوگ اس باب میں مرجع سمجھے جاتے ہیں' وہ اس حدیث کو جھوٹ روایت قرار دے رہے ہیں۔ اسی لیے حدیث کی وہ اہم ترین کتب جو کہ اہل علم اور محدثین کے ہاں مرجع سمجھی جاتی ہیں' ان میں اس روایت کا نام و نشان تک نہیں۔

تیسری بات:...... احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے واقعہ سے [نوروز] پہلے اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ عرفات میں قیام پذیر تھے۔''[1]

---

[1] البخاري 1/14، كِتاب الإيمان، باب زِيادةِ الإيمانِ ونقصانِهِ 6/50؛كتاب التفسِيرِ، سورة المائِدةِ، مسلِم 4/2312 كتاب التفسِيرِ، حديث رقم 3، 4، 5؛ سنن التِرمِذِي 4/316؛ كِتاب التفسِيرِ، سورة المائِدةِ، سنن النسائِي 8/100 ؛كِتاب الإيمانِ وشرائِعِهِ، باب زِيادةِ الإيمانِ، المسند 1/237 تفسِير ابنِ كثِير 3/24.

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: اے امیر المؤمنین! تمہاری کتاب قرآن مجید میں ایک آیت ہے جسے تم پڑھتے ہو؛ اگر ہم یہودیوں پر وہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ تو یہودی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں جانتا ہوں یہ آیت کس دن نازل ہوئی اور کس جگہ پر نازل ہوئی؛ یہ آیت عرفہ کے دن میدان عرفات میں نازل ہوئی ۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں وقوف کیے ہوئے تھے۔''

یہ روایت کئی دوسری اسناد کے ساتھ بھی مشہور ہے ۔ اور اہل اسلام کی کتابوں: صحاح؛ مسانید؛ معاجم اور سنن؛ تفاسیر اور سیرت میں یہ روایت نقل کی گئی ہے ۔ یہ آیت غدیر خم کے واقعہ سے [ نوروز ] پہلے نو ذوالحجہ کو اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں قیام پذیر تھے؛ تو پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے موقع پر نازل ہوئی ۔

چوتھی بات:......اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی طرف کسی طرح کا بھی کوئی اشارہ بھی نہیں پایا جاتا ۔ بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دین کے مکمل ہونے اور اہل ایمان پر اس کی نعمت کے پورا ہونے اور دین اسلام پر رضامندی کی خبر دی گئی ہے ۔ نظر بریں شیعہ کا یہ دعویٰ کہ قرآنی دلائل سے امامت علی کا ثبوت ملتا ہے صاف جھوٹ ہے ۔ [البتہ صحیح احادیث سے انھیں اس بات کا ثبوت پیش کرنا چاہیے ] ۔

❀ اگر شیعہ کہیں کہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے ۔

تو ان سے کہا جائے گا کہ: اگر حدیث صحیح سند سے ثابت ہو تو پھر دلالت حدیث سے ہوگی؛ آیت سے نہیں ہوگی ۔ اور اگر حدیث صحیح نہ ہوئی تو پھر اس کے لیے نہ ہی آیت میں کوئی حجت ہے اور نہ ہی حدیث میں ۔

پس دونوں لحاظ سے اس آیت میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی ۔ اس سے مذکورہ روایت کا جھوٹ ہونا بھی ظاہر ہو جاتا ہے ۔ اس لیے کہ [ شیعہ مصنف نے ] نزول آیت کا سبب اس روایت میں بیان کیا ہے' حقیقت میں یہاں پر اس کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی ۔

پانچویں بات:......اس روایت میں مذکور الفاظ: اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانصر من نصرہ و اخذل من خذلہ ۔''

''یا اللہ جو علی سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ ۔ جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ؛ جو اس کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو اس کی نصرت و تائید سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کی مدد نہ کر ۔''

باتفاق محدثین [ یہ الفاظ ] جھوٹ ہیں ۔ البتہ اس سے پہلے کے الفاظ: ''مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ ؛ ''جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کا مولیٰ ہے'' کے بارے میں ہم اپنی جگہ پر ان شاء اللہ تفصیل سے گفتگو کریں گے ۔

1 البخاری، باب زیادۃ الایمان و نقصانہ، (ح:٤٥) مسلم ـ باب فی تفسیر آیات متفرقۃ (ح:٣٠١٧) ۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



چھٹی بات: نبی کریم ﷺ کی دعا مجاب [مقبول] ہوتی ہے۔ جب کہ یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ اصل میں رسول اللہ ﷺ کی دعا نہیں ہے۔ یہ بات سبھی لوگ جانتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو لوگ اس وقت تین گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ ایک گروہ ان لوگوں کا تھا جو آپ سے مل کر لڑ رہے تھے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو آپ سے لڑ رہا تھا۔ اور تیسرا گروہ وہ تھا جو بالکل الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ ان میں اکثر سابقین اولین تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض سابقین اولین نے قتال میں حصہ لیا تھا۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نامی صحابی نے قتل کیا تھا۔ یہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں؛ اور ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے بیعت رضوان میں حصہ لیا تھا۔ ان تمام کے بارے میں صحیحین میں ثابت ہے کہ ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔

صحیح مسلم میں سرور کائنات ﷺ یہ ارشاد ہے:

''درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی آگ میں نہیں جائے گا۔''[1]

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے غلام نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! حاطب ضرور جہنم میں جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم جھوٹ کہتے ہو۔ بیشک حاطب بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا تھا۔''[2]

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے مشرکین کو خط لکھ کر رسول اللہ ﷺ کے ارادہ کی خبر دی تھی۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ﴾ (الممتحنۃ: ۱)

''اے مؤمنو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ؛ تم دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو۔''

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ اپنے غلاموں کے ساتھ سخت سلوک کرتے تھے اسی وجہ سے ایک غلام نے مذکورہ بالا بات کہی تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے جھٹلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''وہ بدر میں اور حدیبیہ میں شریک ہو چکا ہے۔''

صحیح مسلم میں سرور کائنات ﷺ یہ ارشاد ہے:

''درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی آگ میں نہیں جائے گا۔''[3]

ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیا؛ جیسے حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما؛ اگرچہ ان میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل بھی تھے؛ جو دوسروں کی نسبت زیادہ آگے نکل گئے تھے۔

---

[1] صحیح مسلم:ح۲۴۹۶ [2] مسلم برقم(۱۹۴۲)

[3] صحیح مسلم:ح۲۴۹۶۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



درخت کے نیچے بیعت کرنے والے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد چودہ سو تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ہاتھوں پر خیبر فتح کیا۔ جس کا ان سے سورت فتح کے نزول کے وقت وعدہ کیا جا چکا تھا۔ اور وہاں کے اموال غنیمت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھارہ حصوں میں تقسیم کیا۔

اس لیے کہ ان میں سے دو سو گھوڑے سوار تھے۔ تو آپ نے گھوڑے سوار کو تین حصے دیے۔ ایک حصہ اس کا اپنا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔ پس اس طرح سے گھوڑے سواروں کے چھ سو حصے ہوئے۔ اور باقی لوگوں کے بارہ سو حصے۔ یہ وہ بات ہے جو صحیح احادیث میں ثابت ہے۔ اکثر اہل علم جیسے امام مالک؛ امام شافعی اور احمد بن حنبل کے علاوہ دوسرے ائمہ کرام کی یہ رائے ہے۔ اور بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ آپ نے گھوڑے سواروں کو دو حصے دیے؛ اور ان کی تعداد تین سو تھی۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں کا مسلک ہے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر لڑنے والوں میں سابقین اولین میں سے بھی کچھ لوگ موجود تھے؛ جیسے حضرت سہیل بن حنیف اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ۔ مگر جو لوگ اس جنگ سے اپنا دامن بچا کر بیٹھے رہے وہ لوگ زیادہ افضل تھے جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ مل کر قتال نہیں کیا۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ان سے افضل کوئی دوسرا صحابی نہیں تھا۔ اور ایسے ہی انصار میں سے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ: ''فتنہ و فساد سے محمد بن مسلمہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔'' ❶

آپ بھی اس جنگ سے الگ تھلگ رہے۔ اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ یہ جنگیں تاویل کی وجہ سے فتنہ کی جنگیں تھیں۔ اس کا واجب یا مستحب جہاد سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی نسبت زیادہ حق پر تھے۔ صحیح حدیث میں یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

> مسلمانوں کے مابین تفرقہ بازی کے وقت ایک فرقہ کا ظہور ہوگا' اور ان دو گروہوں میں سے ان کو وہ لوگ قتل کریں گے جو حق کے زیادہ قریب ہوں گے۔'' ❷

پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ان کے ساتھ لڑنے والوں کی نسبت حق پر تھے۔ اس لیے کہ آپ نے ہی مسلمانوں کی تفرقہ بندی کے وقت خوارج کو قتل کیا۔ اس وقت مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی اور ایک جماعت آپ کے خلاف تھی۔ پھر جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی وہ بھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گئے۔ بلکہ وہ برابر کفار کو قتل کرتے رہے؛ اور مختلف شہر فتح کرتے رہے۔ صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

❶ أبو داؤد ٤/ ٣٠٠.   ❷ مسلم ٢/ ٧٤٥؛ سنن ابو داؤد ٤/ ٣٠٠

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا؛ ان کی مخالفت کرنے والے یا ان کا ساتھ چھوڑنے والا ان کو کوئی نقصان نہیں دے سکے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے۔''❶

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ لوگ اہل شام ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اہل غرب ہمیشہ حق پر غالب رہیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہوجائے گی۔''❷

یہ مسئلہ جیسا کہ انہوں نے بیان کیا ہے؛ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر شہر کا مشرق اور مغرب ہوتا ہے۔ یہاں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا اعتبار آپ کے شہر مدینہ کے لحاظ سے ہے۔ فرات سے یہ شہر کی مغربی سمت بنتی ہے۔ بیرہ اور دوسرے شہر مدینہ کی سمت میں ہیں۔ جیسا کہ حران؛ رَقہ اور سمیساط اور دوسرے شہر مکہ کی سمت میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ: ان لوگوں کا قبلہ سب سے معتدل قبلہ ہے۔ یعنی یہ کہ قطب شمالی کو پیٹھ کے پیچھے کردیا جائے۔ تو اس طرح چہرہ قبلہ کی طرف ہوجائے گا۔ پس جو علاقے فرآت سے مغرب کی طرف ہیں؛ وہ زمین کے آخر تک مغرب کی طرف ہی ہیں۔ اور ان میں سب سے پہلے علاقہ شام کا ہے۔

جن لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر قتال کیا؛ وہ کبھی بھی بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گئے [اور نہ ہی انہیں کوئی رسوائی اٹھانا پڑی ہے] بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے میں بھی انہیں ناکامی نہیں اٹھانا پڑی۔ تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کہاں گئی جس میں آپ نے اللہ سے مانگا تھا:

(( وانصر من نصره و اخذل من خذله . ))

''جو اس کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو اس کی نصرت و تائید سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کی مدد نہ کر۔''

جن لوگوں نے آپ کے ساتھ مل کر قتال کیا؛ انہیں فتح و نصرت نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ جو شیعہ خود کو خواصِ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے شمار کرتے ہیں مگر وہ ہمیشہ بے یارو مددگار اور رسوا ہی رہے؛ اور لوگوں کا سہارا لیے بغیر انہیں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوسکی۔ خواہ مسلمانوں کا سہارا لیں یا کفار کا سہارا لیں۔ ان کا دعوی ہے کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انصار ہیں تو پھر اللہ کی مدد و نصرت کہاں ہے؟ ان باتوں سے اس روایت کا جھوٹ ہونا واضح ہوجاتا ہے۔

## امامت علی کی چوتھی دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت علی کی چوتھی دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ o مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ﴾

''اور ستارے کی قسم! جب وہ ٹوٹ جائے۔ کہ تمہارا ساتھی (رسول) نہ راہ بھولا ہے اور نہ غلط راستے پر چلا ہے۔''

فقیہ ابن مغازلی شافعی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: میں بنی ہاشم کی ایک جماعت کے ساتھ

❶ البخاری ۹/ ۸۲؛ مسلم ۳/ ۱۵۲۳ . ❷ صحیح مسلم:ج:3:ح 461

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بارگاہ نبوی میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں آسمان کا ایک ستارہ ٹوٹا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کے گھر میں یہ ستارہ ٹوٹا وہ میرے بعد میرا وصی ہوگیا۔ چنانچہ نوجوانوں کا ایک گروہ اس کی کھوج لگانے کے لیے چلا گیا؛ معلوم ہوا کہ وہ ستارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر پر ٹوٹا ہے۔ تو وہ نوجوان کہنے لگے کہ: ''آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں:'' تب یہ آیت اتری: ﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى o مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى﴾ [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]**: پہلی بات: ہم اس روایت کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں؛ جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہم بارہا یہ مطالبہ کر چکے ہیں۔ ہم کہتے ہیں یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے اور بلا علم و معرفت اللہ کے بارے میں کوئی بات کہنا حرام ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ (الاسراء:۳۶)

''جس بات کا آپ کو علم نہیں وہ بیان نہ کریں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطٰنًا وَّأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ [الأعراف ۳۳]

''کہہ دے میرے رب نے تو صرف بے حیائیوں کو حرام کیا ہے، جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر وہ کہو جو تم نہیں جانتے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هَاأَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ [آل عمران ٦٦]

''دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ تم نے اس بات میں جھگڑا کیا جس کے متعلق تمھیں کچھ علم تھا، تو اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں کچھ علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [الحج ۳]

''اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کے بارے میں کچھ جانے بغیر جھگڑتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ اَتَاهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ اٰمَنُوا﴾

[غافر ۳۵]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



'' وہ لوگ جو اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں، بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو، بڑی ناراضی کی بات ہے اللہ کے نزدیک اور ان کے نزدیک جو ایمان لائے۔''

اس کی طرف سے دی گئی سلطان سے مراد حجت اور دلیل ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ﴾ [الروم ۳۵]

'' یا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے کہ وہ بول کر وہ چیزیں بتاتی ہے جنھیں وہ اس کیساتھ شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُّبِيْنٌ o فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾ [الصافات ۱۵۶۔۱۵۷]

'' یا تمھارے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟ تو لاؤ اپنی کتاب، اگر تم سچے ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنْ هِيَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ﴾ [النجم ۲۳]

'' یہ (بت) چند ناموں کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں، جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کی کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔''

جو چیز انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے ہیں اسے سلطان یعنی'' دلیل'' کہتے ہیں۔ایسے ہی سنت بھی سلطان ہے۔اور سنت کی معرفت بھی اس وقت ہوتی ہے جب وہ صحیح سند کے ساتھ منقول ہو۔ جو شخص حدیث نبوی سے استدلال کرنا چاہے اس پر لازم ہے کہ استدلال کرنے سے قبل اس کی صحت معلوم کرلے۔اور جب اس سے کسی دوسرے کے خلاف احتجاج کرے تو ساتھ ہی اس کی صحت بھی بیان کردے۔وگرنہ اس کا شمار بغیر علم کے بات کرنے والوں میں اور بغیر علم کے استدلال کرنے والوں میں ہوگا۔ جب یہ بات معلوم ہے کہ فضائل وغیرہ جیسے موضوعات پر لکھی گئی کتابوں میں جھوٹی روایات بھی پائی جاتی ہیں تو صرف ان کتابوں میں روایت کے موجود ہونے کی بنا پر اس پر اعتماد کرنا اسی طرح ہے جیسے فاسق کی شہادت سے استدلال کرنا جو سچ بھی بولتا ہو اور جھوٹ بھی۔اگر ہمیں یہ علم ہوجائے کہ اس میں جھوٹ ہے؛ تو اس روایت سے ہمیں کوئی علمی فائدہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک ہمیں کسی صحیح روایت کا علم نہ ہوجائے جسے ثقہ علماء نے روایت کیا ہو۔

ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے مابین کئی صدیوں کا فاصلہ ہے۔ہم اچھی طرح سے جانتے ہیں لوگ جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے یا کسی دوسرے سے نقل کرتے ہیں' اس میں جھوٹ بھی آجاتا ہے اور سچ بھی ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا:'' عنقریب مجھ پر جھوٹ بولا جائے گا۔'' اگر یہ حدیث سچی ہے تو پھر [پیغمبر کی بات سچ ثابت ہونے کے لیے] ضروری ہے کہ آپ پر جھوٹ بھی بولا جائے۔اور اگر یہ روایت جھوٹ ہے تو پھر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



یقیناً آپ پر جھوٹ بولا گیا ہے۔ جب یہ مسئلہ اس طرح سے ثابت ہوگیا تو پھر کسی انسان کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ کسی فرعی مسئلہ میں کسی حدیث سے استدلال کرے یہاں تک کہ اس حدیث کی صحت ثابت ہو جائے۔ تو پھر اصولی مسائل میں اس طرح کا استدلال کیوں کر جائز ہوسکتا ہے جس کی وجہ خیر القرون کے جمہور اہل اسلام؛ اہل تقویٰ اور اولیاء اللہ کے سرداروں پر اعتراض وارد ہوتا ہو؛ اور خود اس روایت کے صحیح ہونے کا کوئی علم ہی نہ ہو؟

ایسے انسان سے اگر پوچھا جائے: کیا تم حقیقت میں جانتے ہو کہ ایسا واقعہ پیش آیا تھا؟ اگر وہ جواب میں کہے: ہاں تو یقیناً اس نے جھوٹ بولا۔ اس لیے کہ اسے کس طرح پتہ چلا کہ یہ واقعہ پیش آیا ہے؟ اس سے پھر پوچھا جائے گا: تمہیں اس واقعہ کے سچا ہونے کا کیسے پتہ چلا؟ یہ بات اس وقت تک معلوم نہیں ہوسکتی جب تک واقعہ کی اسناد اور راویوں کے احوال معلوم نہ ہوں۔ جب کہ ان چیزوں کے بارے میں تمہیں کوئی علم ہی نہیں ہے۔ اگر تمہیں راویوں کے احوال معلوم ہوتے تو تم جان لیتے کہ یہ روایت جھوٹی ہے۔

اگر [شیعہ] اس کے جواب میں کہے: ''مجھے اس کا کوئی پتہ نہیں؟ تو [پھر ہم اس سے پوچھتے ہیں] جس چیز کے صحیح ہونے کا تمہیں کوئی پتہ نہیں' اس سے استدلال کرنا کیسے جائز ہوا؟

## [روایت کی حقیقت]:

دوسری بات:......محدثین کرام رحمہم اللہ کا اس روایت کے جھوٹ ہونے پر اتفاق ہے۔ مغازلی کا شمار محدثین میں نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ابونعیم اور اس کے امثال محدثین ہیں۔ اور نہ ہی اس کا شمار ان علوم [روایات] کو جمع کرنے والوں میں سے ہوتا ہے جن کی غالب روایات حق ہوتی ہیں؛ لیکن ان میں سے بعض باطل چیزیں بھی لے آتے ہیں؛ جیسے ثعلبی اور ان کے امثال۔ بلکہ ان لوگوں کا اصل کام حدیث کی جانچ پرکھ نہیں تھا؛ اس لیے انہوں نے لوگوں کی کتابوں میں فضائل علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو کچھ بھی دیکھا؛ اس سب کو جمع کر دیا جیسا کہ خطیب خوارزمی نے کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات حدیث کی گہرائیوں سے لاعلم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک وہ روایات بھی جمع کر لیتا ہے جو لوگوں نے اپنی طرف سے فضائل کے باب میں جھوٹ گھڑلی ہوتی ہیں۔ حدیث کے علوم سے ادنیٰ شناسائی رکھنے والوں پر بھی ان روایات کا جھوٹ ہونا مخفی نہیں رہتا۔

ہم نہیں جانتے کہ ان حضرات میں سے کوئی ایک بھی جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہوگا۔ لیکن ہم یہ بات یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ جو روایات انہوں نے نقل کی ہیں ان میں بہت زیادہ جھوٹ بھی ہے؛ اور اہل علم کا اس پر اتفاق ہے۔ ان کو اس سے پہلے بھی اہل علم نے جھوٹ کہا ہوتا ہے؛ مگر جب یہ لوگ روایت کرتے ہیں تو انہیں علم نہیں ہوتا کہ اس میں جھوٹ ہے۔ اور بسا اوقات انہیں اس کے جھوٹ ہونے کا علم بھی ہوتا ہوگا۔ [مگر پھر بھی اس لیے روایت کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ اس طرح کی روایات بھی اس بارے میں موجود ہیں]۔ لیکن ہمیں یہ پکا علم نہیں کہ کیا ان حضرات کو یہ علم تھا کہ یہ روایات جھوٹ ہیں؛ یا انہیں اس بارے میں کوئی علم نہیں تھا؟

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



علاوہ ازیں محدث ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بالفاظ دیگر موضوعات میں شمار کیا ہے۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے یہ حدیث بروایت محمد بن مروان ذکر کی ہے، اس نے کلبی سے، اس نے ابوصالح سے، اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتویں آسمان کی سیر کرائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے عجائبات دکھائے تو علی الصبح آپ نے وہ واقعات بیان کر دیے۔ اہل مکہ میں سے کچھ لوگوں نے آپ کی تکذیب کی؛ کچھ لوگوں نے آپ کی تصدیق کی۔ اسی دوران آسمان سے ایک ستارہ ٹوٹا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے گھر میں یہ ستارہ گرے گا وہ میرے بعد میرا خلیفہ ہوگا؟ چنانچہ وہ ستارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں گرا۔ اہل مکہ کہنے لگے محمد گمراہ ہو گئے اپنے اہل بیت کی محبت میں گمراہ ہو گئے اور اپنے چچا زاد بھائی کی طرف جھک گئے۔ تب یہ آیت اتری:

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى تَشْرِيح مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى﴾

محدث ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث موضوع ہے، اس کا واضع کتنا برا آدمی ہے اور اس نے کس قدر بعید از عقل بات بیان کی ہے۔ اس کی سند میں اندھیرا ہی اندھیرا (کذاب راوی) ہے۔ مثلاً ابوصالح نیز کلبی اور محمد بن مروان سدّی، کلبی متہم بالکذب ہے۔ ابوحاتم بن حبان لکھتے ہیں:

''کلبی ان لوگوں میں سے تھا جو کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فوت نہیں ہوئے اور وہ لوٹ کر دنیا میں آئیں گے۔ جب بادل کو دیکھتا تو کہتا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کی روایت سے احتجاج کرنا حلال نہیں ہے۔''

حیرانی کی بات ہے اس حدیث کو وضع کرنے والے نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ عقل کے منافی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ستارہ کسی جگہ گرے اور وہ اتنی دیر وہاں موجود رہے کہ دوسرا شخص اسے دیکھ سکے۔ اس کی حماقت کا اندازہ لگائیے کہ اس نے اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ ابن عباس کی عمر رضی اللہ عنہ اس وقت دو سال تھی۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے عینی شاہد کیسے ہو سکتے تھے اور یہ روایت کیسے نقل کر سکتے تھے؟''

''میں کہتا ہوں چونکہ یہ روایت کلبی کی معروف تفسیر میں نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث اس کے بعد وضع کی گئی ہے۔ اقرب الی الصحت یہی بات ہے۔ ابوالفرج ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بعض لوگوں نے اس حدیث کے الفاظ چرا لیے، اس کی اسناد تبدیل کر دی اور ایک غریب سند کیساتھ اسے ابوبکر العطار سے؛ اس نے سلیمان بن احمد المصری سے ابوقضاعۃ ربیعہ بن محمد کی سند سے نقل کیا ہے' وہ کہتے ہیں: ہم سے ثوبان بن ابراہیم نے بیان کیا؛ وہ کہتا ہے ہم سے مالک بن غسان النہشلی نے بیان کیا اس نے حضرت انس سے روایت کیا ہے:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک ستارہ ٹوٹا تو آپ نے فرمایا: ''جس کے گھر میں یہ ستارہ گرے گا وہ میرے بعد میرا خلیفہ ہوگا؟ چنانچہ وہ ستارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں گرا۔ اہل مکہ کہنے لگے محمد گمراہ ہو گئے اپنے اہل

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بیت کی محبت میں گمراہ ہو گئے اور اپنے چچا زاد بھائی کی طرف جھک گئے۔ تب یہ آیت اتری:

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى تَشْرِيح مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى﴾

ابو الفرج ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث حقیقت میں وہ پہلے والی حدیث ہے۔ بعض لوگوں نے اس حدیث کے الفاظ چرا لیے، اس کی اسناد تبدیل کردی۔ اس کی غفلت کی انتہاء یہ ہے کہ اس نے یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی ہے۔ حالانکہ معراج کے زمانہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ مکہ میں موجود ہی نہیں تھے۔ اور نہ ہی اس سورت کے نزول کے وقت موجود تھے۔ معراج کا واقعہ ہجرت مدینہ سے ایک سال پہلے پیش آیا۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ میں آمد کے بعد پہچانا ہے۔ اس کی سند میں اندھیرا ہی اندھیرا (کذاب راوی) ہے۔ مالک النہشلی کے بارے میں ابو حاتم بن حبان لکھتے ہیں:

''یہ ایسی روایات ثقات کے سر تھوپتا ہے جو کہ اصل میں جھوٹ ہوتی ہیں۔''

جب کہ ثوبان کے بارے میں کہا ہے: ''یہ ذوالنون مصری کا بھائی ہے۔ حدیث میں بہت ہی کمزور ہے۔

ابو قضاعہ منکر الحدیث ہے اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی۔

ابو بکر العطار اور سلیمان بن احمد دونوں مجہول ہیں۔

تیسری بات:......جس چیز سے اس روایت کا جھوٹ ظاہر ہوتا ہے وہ راوی کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق کہنا ہے کہ سورت نجم کے نزول کے وقت جب ستارہ ٹوٹ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر پر گرا تو اس وقت موجود تھے۔ سورت نجم پر لوگوں کا اتفاق ہے کہ مکہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بھی نوخیز لڑکے تھے؛ ابھی بلوغت کی عمر کو بھی نہیں پہنچے تھے۔ بخاری و مسلم میں یہ بات ثابت ہے۔

تو اس اعتبار سے ان آیات کے نزول کے وقت یا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پیدا ہی نہیں ہوئے تھے؛ اور اگر پیدا ہو بھی گئے تھے تو ابھی ناسمجھ بچے تھے۔ اس لیے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی اس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر تقریباً زیادہ سے زیادہ پانچ سال ہوگی۔ حق بات یہ ہے کہ اس سورت کے نزول کے وقت ابن عباس پیدا ہی نہیں ہوئے تھے؛ اس لیے کہ سورت نجم قرآن کی انتہائی ابتدائی سورتوں میں سے ایک ہے۔ [1]

چوتھی بات:......مزید براں ستارہ ٹوٹنے کا واقعہ صحیح نہیں۔ مکہ و مدینہ بلکہ کسی جگہ بھی یہ واقعہ پیش نہیں آیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے اس وقت بکثرت انگارے آسمان سے پھینکے جانے لگے۔ مگر کوئی ستارہ زمین پر نہیں اترا۔ یہ واقعہ ان خارق عادت امور میں سے نہیں جنہیں دنیا جانتی ہو؛ بلکہ ان امور میں سے جن کے بارے میں کسی کو کچھ بھی علم نہیں۔

بایں ہمہ ایسی من گھڑت روایت بیان کرنا بڑے جرأت مند ڈھیٹ اور دینداری کے لحاظ سے انتہائی بے حیاء آدمی کا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کام ہے۔ اور ایسے واقعات کو صرف ایسے لوگوں میں ہی پذیرائی حاصل ہوسکتی ہے جو لوگوں میں سب سے جاہل اور احمق ہوں، اور علم و معرفت کے لحاظ سے بالکل تہی دامن۔

**پانچویں بات:** سورت نجم اسلام کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بالکل بچے تھے۔ بلوغت کی عمر کو بھی نہیں پہنچے تھے؛ اور نہ ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی تھی؛ اس وقت نماز بھی فرض نہیں ہوئی تھی۔ نہ ہی زکوٰۃ اور حج اور رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے۔ اور نہ ہی اسلام کے عام قواعد مستحکم ہوئے تھے۔

اگر ان لوگوں کے دعوی کے مطابق امامت کے لیے وصیت کا واقعہ غدیر خُم کے موقع پر پیش آیا تو پھر اس سورت کے نزول کے وقت وصیت کرنے کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے؟ [1]

**چھٹی بات:** ...... مفسرین کرام رحمہم اللہ کا اس کے خلاف پر اتفاق ہے۔ سورت نجم میں جن ستاروں کی قسم اٹھائی گئی ہے وہ یا تو آسمان کے ستارے ہیں یا پھر قرآن کے ستارے۔ مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ مکہ میں کسی کے گھر میں ستارہ ٹوٹ کر گرا تھا۔

**ساتویں بات:** ...... جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کہے: ''آپ گمراہ ہوگئے'' تو وہ کافر ہوجاتا ہے۔ اور کفار کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہادتین کے اقرار اور اسلام میں داخل ہونے سے پہلے فروعی احکام کا حکم نہیں دیا کرتے تھے۔

**آٹھویں بات:** ...... اگر ستارے کا ٹوٹنا آسمان سے گرنے والی [بجلی] آگ تھی؛ تو پھر کسی کے گھر میں بجلی کا گرنا اس کی کرامت نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ ستارہ آسمانی ستاروں میں سے تھا تو یہ ستارے اپنے فلک سے باہر نہیں نکلتے۔ اور اگر یہ کوئی شہابیہ تھا تو شہابیے شیاطین کو مارنے کے لیے چھوڑے جاتے ہیں۔ شہابیے زمین پر نازل نہیں ہوتے۔ اگر یہ مان لیا

---

[1] شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کلام بالکل درست ہے۔ اعلان نبوت کے پانچویں سال بیت اللہ میں تلاوت قرآن کا واقعہ پیش آیا؛ اور آپ نے سورت نجم کی آیات تلاوت کیں؛ قرآن کی اثر آفرینی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے: ﴿فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوا﴾ اب اللہ کے سامنے سجدے کرو اور (اسی کی) عبادت کرو۔'' مسلمانوں کے ساتھ کافر بھی بے اختیار سجدہ ریز ہوگئے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت میں سجدہ کیا اور آپ کے پیچھے جتنے لوگ بیٹھے تھے (خواہ مسلمان تھے یا مشرک) سب نے سجدہ کیا بجز ایک شخص امیہ بن خلف کے، اس نے مٹھی بھر مٹی لی (منہ سے قریب کی) پھر اس پر سجدہ کیا...... الخ۔ (بخاری، کتاب التفسیر) اسی موقعہ سے متعلق مشہور ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں: ﴿افرأیتم اللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری﴾ تو شیطان نے آپ کی آواز جیسی آواز میں آگے یہ الفاظ پڑھ دیئے۔ (تلك الغرانیق العلی وإن شفاعتهن لترتجی) ''یہ تینوں بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت متوقع ہے۔'' اور بعض کے نزدیک یہ واقعہ یوں ہوا کہ جب قریشیوں نے بھی مسلمان کے ساتھ مل کر سجدہ کرلیا تو بعد میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ ہم سے یہ کیا حماقت سرزد ہوگئی تب انہوں نے یہ الفاظ اپنی طرف سے گھڑے اور کہہ دیا: کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ سنے تھے اور سمجھے کہ اب وہ بھی ہمارے دین کی طرف مائل ہورہے ہیں۔ اس لیے ہم نے ان کے ساتھ مل کر سجدہ کیا تھا۔ یہ واقعہ جو کچھ بھی تھا، یہ خبر یا افواہ اتنی مشہور ہوئی کہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں نے، جنہوں نے رجب ۵ نبوی میں ہجرت کی تھی۔ جب ایسی صلح یا سمجھوتے کی خبر سنی تو شوال ۵ نبوی میں مکہ واپس آگئے۔ مگر مکہ مکرمہ آکر انہیں معلوم ہوا کہ یہ تو سب کچھ ایک افسانہ تھا۔ چنانچہ وہ دوبارہ ہجرت کرکے حبشہ کی طرف واپس چلے گئے۔ [دراوی، کشمیری]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جائے کہ واقعی شیطان دوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تک پہنچا تھا اور شہابیہ نے اس کا پیچھا کر کے جلادیا تو اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پھر بھی کوئی کرامت نہیں ہے۔ حالانکہ ایسا کوئی واقعہ پیش ہی نہیں آیا۔

## امامت علی رضی اللہ عنہ کی پانچویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:'' پانچویں دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾ [الأحزاب ۳۳]

'' اے اہل بیت! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کر کے اچھی طرح پاک صاف بنا دے۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:'' میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر میں تلاش کیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں آئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں پہنچ گئیں، آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو بائیں جانب اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دائیں طرف اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو اپنے سامنے بٹھایا پھر ان پر اپنی چادر تان لی اور فرمایا:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾

'' اے اہل بیت نبی اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کر کے اچھی طرح پاک صاف بنا دے۔''

اور پھر فرمایا:'' اے اللہ! یہ میرے سچے اہل بیت ہیں۔''

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پتھر کی ایک ہانڈی لیکر آئیں جس میں حریرہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کو بلا لاؤ۔ تو آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو بلا لائیں۔ یہ سب لوگ گھر میں داخل ہوئے اور گھر میں بیٹھ کر حریرہ کھانے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک خیبری چادر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور میں اپنے حجرہ میں کھڑی نماز پڑھ رہی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾

---

❶ دراوی کہتا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سورت کے نزول کے وقت بہت کم عمر تھے؛ اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پرورش پا رہے تھے۔ آپ کا علیحدہ سے کوئی گھر نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آپ کے دوسرے لے پاک جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اولاد تھے وہ بھی رہا کرتے تھے؛ اور آپ کا آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی ہوا کرتے تھے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر یہ ستارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب کے گھر پر گرا تو پھر ان کے دوسرے بھائی بھی مسلمان تھے؛ جو آپ سے بڑے بھی تھے؛ تو ان میں سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اور امام ہونے کے لیے کیسے چنا گیا؟ اور اگر یہ ستارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی گھر پر گرا تھا تو حضرت زید بن حارثہ؛ حضرت ہالہ اور دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر آپ کو متعین امام اور وصی مقرر کرنے کے لیے کوئی خاص دلیل ہونی چاہیے؛ ورنہ یہ تمام لوگوں کے لیے عام ہے؛ کوئی بھی دوسرا اس کا مستحق ہوسکتا ہے۔ لیکن کیا کریں رافضی بیچارے عقل وعلم سے بالکل کورے ہوتے ہیں؛ ان کو تو ڈھنگ سے جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا۔ [دراوی؛ کشمیری]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



آپ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو اپنی چادر کے باقی حصہ میں داخل کرلیا؛ اور پھر اپنے ہاتھ باہر نکال کر آسمان کی طرف بلند کیے اور یہ دعا فرمائی:

''یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے گناہ کی نجاست دور کردے اور انکو بخوبی پاک کردے۔''

آپ نے کئی بار ایسے فرمایا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے اپنا سر اندر داخل کیا؛ اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں بھی ان کیساتھ ہوں (یعنی چادر میں آنے کا ارادہ کیا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنی جگہ رہو تم خیر پر ہو۔''

مذکورہ صدر آیت میں ان کے معصوم ہونے کی دلیل ہے۔ اور ﴿اِنَّمَا﴾ کے بعد اس کی خبر پر ''لام'' داخل کیا گیا ہے یہ لفظ بتاکید اس خطاب میں اہل بیت کے اختصاص پر دلالت کرتا ہے۔ اور پھر ﴿یطھرکم﴾ کے لفظ سے اس مضمون کو دہرایا گیا ہے' اور ﴿تطھیرا﴾ کے لفظ سے اس کی تاکید کی گئی ہے۔ اس سے بھی تاکید کا مفہوم نکل رہا ہے، اس آیت سے مستفاد ہوا کہ اہل بیت کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں۔ لہٰذا امام صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے متعدد اقوال میں اس کا دعویٰ کیا ہے، جیسے آپ کا یہ قول:

''ابن ابی قحافہ نے یہ لباس اوڑھا (منصب خلافت پر فائز ہوئے) حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ مجھے وہی مرتبہ حاصل ہے جو ایک چکی میں درمیانی سیخ کو حاصل ہوتا ہے۔'' علاوہ ازیں آپ سے نجاست کی نفی بھی کردی گئی ہے، لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ صادق ہوں گے۔'' [انتہیٰ کلام الرافضی]

## [آیت تطہیر سے شیعہ کا استدلال]:

ہم کہتے ہیں: اجمالی طور پر یہ حدیث صحیح ہے، یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور ان سب پر ایک چادر ڈال دی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ دعا کی:

''یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے گناہ کی نجاست دور کردے اور ان کو بخوبی پاک کردے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبی ﷺ صبح کے وقت اس حال میں نکلے کہ آپ ﷺ اپنے اوپر ایک ایسی چادر اوڑھے ہوئے تھے کہ جس کے کناروں پر ہانڈیوں کے نقش سیاہ بالوں سے بنے ہوئے تھے۔ اسی دوران میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ آ گئے تو آپ نے ان کو اپنی اس چادر کے اندر کرلیا پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی آ گئے تو آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی چادر کے اندر کرلیا پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی چادر میں کرلیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی چادر میں کرلیا پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾

''اے اہل بیت نبی اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کر کے اچھی طرح پاک صاف بنا دے۔''[1]

[1] صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل اھل بیت النبی ﷺ (حدیث:۲۴۲۴)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



سنن میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت زیادہ مشہور ہے۔[1] مگر اس میں عصمت و امامت کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کا مضمون دو جگہ پر پایا جاتا ہے:

پہلا مقام: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا﴾

یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

﴿ مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ ﴾

''اللہ تعالیٰ تمہیں کسی حرج میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے۔''

مندرجہ ذیل آیات بھی اسی قبیل سے ہیں:

۱.....﴿ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ کوئی تنگی نہیں کرنا چاہتا۔''

۲.....﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَ یَہْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ یَتُوْبَ عَلَیْکُمْ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ﴾ (النساء:۲۶)

''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے خوب کھول کر بیان کرے اور تمہیں تم سے پہلے کے (نیک) لوگوں کی راہ پر چلائے اور تمہاری توبہ قبول کرے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔''

۳.....﴿وَ اللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ وَ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّہَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا﴾ (النساء:۲۷)

''اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ خواہشات کے پیرو ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ۔''

ان آیات میں ارادہ سے مراد محبت و رضا ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے ایسا مشروع کیا ہے' اور انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس میں کہیں بھی یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کچھ پیدا کر دیا ہے اور یہ مطلب بھی نہیں کہ اس نے یہ بات مقدر کر دی ہے یا اسے ایجاد کر دیا ہے۔ اور نہ ہی یہ مقصد ہے کہ ہر حال میں ایسا ہو کر ہی رہے گا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ یہ میرے گھر والے ہیں تو ان سے نجاست کو دور کر دے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں یہ التجا کی ہے کہ ان سے نجاست کو دور کر دے اور انہیں ہر طرح سے پاک کر دے۔ اگر آیت کا مطلب ہوتا کہ اہل بیت کو پاک کیا جا چکا ہے تو دعا کی حاجت نہ تھی۔

[1] سنن ترمذی۔ کتاب المناقب۔ باب ما جاء فی فضل فاطمۃ رضی اللہ عنہا ا (حدیث: ۳۸۷۱)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



## [ارادہ الٰہی کی اقسام]:

فرقہ قدریہ (منکرین تقدیر) کے قول کے مطابق یہ بات اور بھی واضح ہے۔ اس لیے کہ قدریہ کے نزدیک اللہ کے ارادہ کے لیے وجود مراد ضروری نہیں۔ بلکہ بعض اوقات وہ ارادہ کرتا ہے اور وہ چیز وقوع میں نہیں آتی اور بعض دفعہ وہ چیز ظہور پذیر ہوتی ہے جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا۔

یہ رافضی اور اس کے امثال قدریہ وہ اس آیت: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ سے کیسے اپنی مراد کے واقع ہونے پر پر استدلال کرتے ہیں؟ کیا شیعہ اپنا فاسد قانون بھی بھول گئے؟

ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تھا کہ تمام اہل زمین ایمان لے آئیں' مگر اللہ کا ارادہ پورا نہ ہو سکا۔

تقدیر کا اثبات کرنے والے [اہل سنت] کی رائے میں کتاب اللہ میں ارادہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ارادہ شرعیہ دینیہ: جو اللہ تعالیٰ کی محبت و رضا کو متضمن ہے جیسا کہ مذکورہ صدر آیات ہیں:

۲۔ ارادہ کونیہ قدریہ: یہ اللہ تعالیٰ کی خلق و تقدیر کو شامل ہے۔

ارادہ کی پہلی اقسام کی مثالیں جیسا کہ سابقہ آیات گزر چکیں۔

دوسری قسم کی مثالیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَ مَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾ (الانعام: ۱۲۵)

''سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہے اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے جس کو گمراہ رکھنا چاہے اس کے سینے کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان پر چڑھتا ہے۔''

اور نوح علیہ السلام کا اپنی قوم سے فرمان ہے:

﴿وَ لَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ﴾ [ھود ۳۴]

''تمہیں میری خیر خواہی کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی، گو میں کتنی ہی تمہاری خیر خواہی کیوں نہ چاہوں، بشرطیکہ اللہ کا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا ہو۔''

بہت سارے مشبّہ اور قدریہ ارادہ کی صرف ایک ہی قسم شمار کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارادہ اور محبت کو بھی ایک ہی چیز کہتے ہیں۔ پھر قدریہ آیات تقدیر میں واضح ارادہ [بمعنی تقدیر] کی نفی کرتے ہیں اور دوسرا گروہ ایک ارادہ بمعنی تشریع کی نفی کرتا ہے۔ ان کے نزدیک ہر وہ چیز جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہو کہ یہ مراد ہے تو اس مراد کا پورا ہونا ہر حال میں ضروری ہے۔

جب کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ مؤمنین کی توبہ قبول کرنا اور انہیں پاک کرنا چاہتا ہے۔ لیکن لوگوں میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو توبہ کرتے ہیں [تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرتے ہیں] اور کچھ لوگ توبہ نہیں کرتے۔ ان میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو پاک وصاف ہو جاتے ہیں اور کچھ پاک نہیں ہوتے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جب آیت دلالت کرتی ہے کہ ان[اہل بیت] کو پاک کرنے کا اور ان سے نجاست دور کرنے کا اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا وقوع ہوا ہے؛ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا [انہیں فی الفور پاک کر بھی دیا گیا ہو] جیسا کہ مصنف کا دعوی ہے۔

اس کی مزید وضاحت اس سے ہوتی کہ زیر نظر آیت کے آغاز میں ازواج النبی ﷺ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ کلام ان ہی کی طہارت کے واجب ہونے کے بارے میں ہے'اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کے لیے اس فعل پر ثواب کا وعدہ ہے؛ اور اس کے ترک پر سزا کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ وَ کَانَ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرًاo وَ مَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَیْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا کَرِیْمًاo یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاo وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًاo﴾ [الأحزاب ۳۰۔۳۳]

''اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی کھلی بے حیائی (کا ارتکاب) کرے گی اسے دوہرا دوہرا عذاب دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی سہل (سی بات) ہے۔ اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی اور اسکے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم اسے اجر (بھی) دوہرا دیں گے اور اس کے لیے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو؛ اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات نہ کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے اور ہاں قاعدہ کے مطابق کلام کرو۔ اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو اللہ چاہتا ہے: نبی کی گھر والیو! کہ وہ تم سے گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔''

یہ پورا خطاب نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات سے ہے۔ اس میں امر و نہی وعد و وعید سب چیزیں موجود ہیں۔ لیکن جب اس خطاب کے فائدہ [اور عموم حکم] کی بات ہے تو یہ اہل بیت اور غیر اہل بیت تمام عورتوں کو شامل ہے۔ اس لیے یہ خطاب ان الفاظ میں وارد ہوا ہے۔ بنا بریں یہ خطاب ازواج سے ہے۔ نجاست دور کرنے کا ارادہ اور تطہیر اہل بیت صرف ازواج ہی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ سب اہل بیت اس میں شامل ہیں۔ بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہما باقی اہل بیت کی نسبت اخص ہیں یہی وجہ ہے کہ دعا میں خصوصیت سے ان کا ذکر کیا۔

یہ خطاب اللہ تعالیٰ کے اس قول کی مانند ہے:

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ﴾ [التوبہ ۱۰۸]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقوی پر رکھی گئی۔''

یہ آیت مسجد قباء کے بارے میں نازل ہوئی؛ مگر اس کا حکم مسجد قباء کے لیے بھی اور اس مسجد کے لیے بھی جو اس سے زیادہ اس حکم کی حق دار ہے یعنی مسجد نبوی شریف۔ یہ توجیہ خود نبی کریم ﷺ سے بھی حدیث مبارک میں ثابت ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ:''وہ مسجد کون سی ہے جو تقوی کی بنیاد پر تعمیر کی گئی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:''میری یہ مسجد۔''[1]

احادیث مبارکہ میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ کو پیدل یا سوار ہو کر مسجد قباء آیا کرتے تھے۔ جمعہ اپنی مسجد میں پڑھایا کرتے تھے [اور وہاں قیام کرتے]۔ اور ہفتہ کو مسجد قباء میں تشریف لاتے۔[2]

ان دونوں مساجد کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی۔ ایسے ہی نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات؛ حضرت علی؛ حضرت فاطمہ اور حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین یہ تمام لوگ اہل بیت میں سے ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں حضرت علی؛ حضرت فاطمہ اور حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین ازواج کی نسبت زیادہ خاص ہیں' یہی وجہ ہے کہ دعا میں بطور خاص ان کا ذکر کیا ہے۔

علماء کرام رحمہم اللہ کے مابین اختلاف ہے کہ آل محمد ﷺ سے کون لوگ مراد ہیں؟ ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی امت ہے؛ یہ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا ایک قول ہے۔

دوسرا قول: اس سے مراد امت محمد ﷺ کے متقی لوگ مراد ہیں۔ اس کی تائید میں وہ یہ روایت پیش کرتے ہیں:

''ہر متقی مؤمن آل محمد ہے۔'' [رواہ الخلال وتمّام فی " الفوائد "]

امام احمد کے اصحاب میں سے ایک گروہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ یہ حدیث موضوع ہے۔ اس روایت کو صوفیاء کی ایک جماعت نے اپنے نظریات و عقیدہ کی بنیاد بنایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ: آل محمد ﷺ سے مراد خاص اولیاء ہیں۔ حکیم ترمذی نے ایسے ہی ذکر کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آل محمد سے مراد آپ ﷺ کے اہل بیت ہیں۔ یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے اور سید ابو جعفر رحمہ اللہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ لیکن کیا رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے ہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں؛ اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی دو روایتیں منقول ہیں۔

پہلا قول: ازواج مطہرات اہل بیت میں سے نہیں ہیں۔ زید بن ارقم سے ایسے ہی روایت کیا گیا ہے۔

---

[1] ترمذي ٤/ ٣٤٤ ؛كتاب تفسيرِ القرآن، سورة التوبةِ حديث رقم 5097 . ؛ قال التِرمِذِي: هذا حديث حسن صحِيح، وقد روِى هذا عن أبِى سعيد الخدرِى مِن غيرِ هذا الوجهِ. والحديث فِى سنن النسائِي 2/30 كتاب المساجِدِ، باب ذِكرِ المسجِدِ الذِى أسِس على التقوى، المسند 3/8، 5/116-

[2] البخارِي 2/61؛ كتاب فضلِ الصلاةِ فِى مسجِدِ مكة والمدِينة، باب من أتى مسجد قباء كل سبت، وجاء ذلِك ضِمن حديث فِى البابِ الذِى قبله ؛ باب مسجِدِ قباء، 2/60 والحديث فِى مسلِم 2/1017 ؛كتاب الحجِ ، باب فضلِ مسجِدِ قباء-

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



دوسرا قول: اَزواج مطہرات رضی اللہ عنہن اہل بیت میں سے ہیں ۔ یہی صحیح قول ہے۔اس لیے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دعا سکھائی:

((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَاتِہٖ .))

''اے اللہ ! رحمتیں نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی ازواج پر اور آپ کی اولاد پر۔''

اس لیے بھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کا شمار آپ کے اہل بیت میں سے کیا گیا ہے؛ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا شمار آپ کی آل اور اہل بیت میں سے کیا گیا ہے۔اس پر قرآن کی واضح دلالت موجود ہے ۔تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا شمار آپ کی آل اور اہل بیت میں کیوں نہیں ہوسکتا؟

آیت یہ بھی دلالت کرتی ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا شمار آپ کے اہل بیت میں سے ہوتا ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر یہ سارا کلام بے معنی ہوکر رہ جاتا ۔جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متقی بھی آپ کے اولیاء [دوست] ہیں۔جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بیشک بنی فلاں میرے دوست نہیں ہیں؛ بیشک میرا دوست اللہ تعالیٰ ہے اور نیکو کار اہل ایمان ہیں ۔''[1]

اس حدیث میں آپ نے بیان کردیا ہے کہ آپ کے اولیاء اور دوست صالح و نیکو کار اہل ایمان ہیں ۔ ایسے ہی ایک دوسری حدیث میں آتا ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیشک میرے دوست متقی لوگ ہیں وہ جہاں بھی ہوں اور جیسے بھی ہوں ۔'' [المسند ۵/ ۲۳۵]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [التحریم ۴]

''اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کروگی پس یقیناً اس کا کارساز اللہ ہے اور جبرائیل ہیں اور نیک ایماندار۔''

صحاح ستہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے یہ بات پسند تھی کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتا۔

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟

آپ نے فرمایا: نہیں تم میرے اصحاب ہو؛ میرے بھائی وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور مجھ پر ایمان

---

[1] مسلم ۱/ ۱۹۷] البخارِیِ 8؛ کتاب الأدبِ، باب یبل الرحِم بِبِلاھا، و...... عنه عمرو بن عباس ''بِبیاض ۔ لیسوا بأولِیائِی، إِنما ولِیِی اللہ وصالِح المؤمِنِین ۔'' والحدیث فِی: مسلِم 1/197؛ کتاب الإِیمانِ، باب موالاِۃ المؤمِنِین ومقاطعِۃ غیرِھِم . . المسند 4/203 ۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔'' ❶

جب مسئلہ ایسے ہی ہے تو اللہ تعالیٰ کے متقی اولیاء کے مابین ایمان وتقوی اور قرابت دین کا تعلق ہوتا ہے۔ اور دینی قرابت بدنی قرابت کے نزدیک بہت ہی زیادہ عظیم تر ہوتا ہے۔ قلوب اور ارواح کے مابین کی قربت بدنی قرابت سے زیادہ عظیم تر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ المتقین تمام مخلوق سے افضل تھے۔ جب کہ ان اقارب میں سے کچھ لوگ مؤمن بھی ہوتے تھے اور کچھ کافر بھی ہوتے؛ نیک اور صالح بھی ہوتے اور بدکار اور فاجر بھی۔ اگر چہ ان میں ایسے فاضل بھی تھے جیسے حضرت علی بن ابی طالب؛ حضرت جعفر؛ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے۔ ان کی فضیلت ان کے ایمان اور تقوی کی وجہ سے ہے۔ اور ان کی ولایت اسی اعتبار سے ہے؛ صرف مجرد نسب کی وجہ سے نہیں۔ پس آپ کے اولیاء کا درجہ آپ کی آل سے زیادہ ہے۔ اور جب ان آل پر آپ کی اتباع میں درود پڑھا جائے تو اس کا تقاضا ہرگز یہ نہیں ہے کہ آل ان اولیاء سے افضل ہو گئے ہیں جن پر درود نہیں پڑھا جاتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اصل اولیاء تو انبیاء و مرسلین ہیں۔ جو کہ آپ کے اہل بیت سے بہت زیادہ افضل ہیں۔ اگرچہ وہ اس درودھ پڑھنے میں تبعاً داخل نہیں ہوتے۔ پس کچھ معاملات مفضول کے ساتھ خاص ہوتے ہیں۔ ان سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فاضل سے افضل ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات ان حضرات میں سے ہیں جن پر درود پڑھا جاتا ہے؛ جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے؛ اور یہ بات تمام لوگوں کے اتفاق و اجماع سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام ان تمام ازواج مطہرات سے افضل ہیں۔

## آیت تطہیر اور شیعی دعویٰ کی حقیقت:

اگر شیعہ کہیں کہ فرض کیجیے قرآن کریم سے اہل بیت کی طہارت اور پاکیزگی ثابت نہیں ہوتی، مگر نبی کریم ﷺ کی

❶ صحیح مسلم میں ہے: رسول اللہ ﷺ قبرستان تشریف لائے اور فرمایا سلامتی ہو تم پر مومنوں کے گھر، ہم بھی ان شا اللہ تم سے ملنے والے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ ہم اپنے دینی بھائیوں کو دیکھیں، صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم آپ ﷺ کے بھائی نہیں ہیں آپ نے فرمایا: تم تو میرے صحابہ ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: آپ ﷺ اپنی امت کے ان لوگوں کو اے اللہ کے رسول! کیسے پہچانیں گے جو ابھی تک نہیں آئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بھلا تم دیکھو اگر کسی شخص کی سفید پیشانی والے سفید پاؤں والے گھوڑے سیاہ گھوڑوں میں مل جائیں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو ان میں سے پہچان نہ لے گا صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ جب آئیں گے تو وضو کے اثر کی وجہ سے ان کے چہرے ہاتھ اور پاؤں چمکدار اور روشن ہوں گے اور میں ان سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا اور سنو بعض لوگ میرے حوض سے اس طرح دور کیے جائیں گے جس طرح بھٹکا ہوا اونٹ دور کر دیا جاتا ہے میں ان کو پکارونگا ادھر آ ؤ' تو حکم ہوگا کہ انہوں نے آپ ﷺ کے وصال کے بعد دین کو بدل دیا تھا' تب میں کہوں گا دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ۔'' صحیح مسلم: ح: 584۔ یہ صحاح ستہ کی روایت ہے۔[الدراوی۔ مزید حوالہ کے لیے دیکھیں:] مسلم 1/218 كتاب الطهارة باب استحباب إطالة الغرة والتحجيل في الوضوء. والحديث في سنن النسائي 1/79؛ كتاب الطهارة، باب حلية الوضوء، سنن ابن ماجه 2/1439؛ كتاب الزهد، باب ذكر الحوض؛ الموطأ 1/28؛ كتاب الطهارة، باب جامع الوضوء، المسند. ط. المعارف 15/152، 18/56 وجاء الحديث في صحيح الجامع الصغير 6/107 وقال السيوطي إن الحديث في مسند أحمد عن أنس رضي الله عنه.

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع ان سے نجاست کا ازالہ کر دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ صرف قرآن کریم سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اہل بیت سے نجاست کو دور کر دیا گیا ہے۔ باقی رہی عصمت و امامت تو قرآن میں اس کا کوئی ذکر ہی نہیں پایا جاتا۔ جب کہ حدیث سے استدلال کا ایک علیحدہ مقام ہے۔

پھر ہم یہ بھی کہتے ہیں: بالفرض اگر قرآن سے ان کی طہارت اور ان سے نجاست کا دور ہونا ثابت ہو بھی جائے؛ جیسے آپ ﷺ کی دعاء مستجاب ہوتی ہے؛ ایسا ہونا ہر حال میں لازمی ہے کہ اس کے ساتھ ہی وہ طہارت بھی حاصل ہو جائے جس کے لیے دعاء کی جا رہی ہے اور ان سے ناپاکی اور پلیدی دور ہو جائے؛ تو اس میں خطاء سے عصمت کہاں سے لازم آئے گی؟

نیز اس کی دلیل کیا ہوگی کہ اہل بیت اور ازواج مطہرات کو جو احکام اس آیت میں دیے گئے ہیں؛ ان میں ان میں سے کسی ایک سے سہو و خطا کا صدور نہیں ہوسکتا۔ ان سے ہر گز یہ مقصود نہیں کہ ان سے غلطی سرزد نہیں ہوگی۔ بلکہ ان سے خطاء ہوسکتی ہے؛ لیکن ان کی اور دیگر کی خطاؤں کو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی معاف کر دیا ہے۔

آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خبث و فواحش کو دور کرنا چاہتا ہے۔ اور ان کو فواحش و منکرات اور دیگر گناہوں سے پاک کرنا چاہتا ہے۔

گناہوں سے پاکیزگی دو طرح سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ [المدثر ۴]

''اور اپنے کپڑے پاک رکھیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ﴾ [الأعراف ۸۲]

''بیشک یہ لوگ بڑے پاک صاف رہنا چاہتے ہیں۔''

اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ﴾ [الأحزاب ۳۰]

''اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی کھلی بے حیائی کرے گی اسے دوہرا دوہرا عذاب دیا جائے گا۔''

گناہوں سے پاکیزگی دو طرح سے ہوسکتی ہے:

اول:...... یا تو انسان کسی گناہ کے کام کا ارتکاب ہی نہ کرے۔

دوم:...... یا پھر گناہ کے بعد اس سے توبہ کر لے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ [التوبة ۱۰۳]

''آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں۔''

لیکن جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کرتے ہوئے ابتداء میں حکم دیا ہے؛ وہ فحاشی اور بے حیائی کے امور سے نہی و ممانعت کو شامل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ فی الحال ایسے واقع ہو چکا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان امور سے منع کر رہے ہیں؛ اور جن سے کوئی حرکت سرزد ہوگئی ہے؛ انہیں توبہ کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

جیسا کہ صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَ بَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ ط اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِيْ مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ)) (متفق عليه)

''اے اللہ دوری کر دے درمیان میرے اور گناہوں کے جیسے دوری پیدا فرمائی تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان۔ اے اللہ! مجھے صاف کر دے میرے گناہوں سے جس طرح صاف کیا جاتا ہے سفید کپڑے کو میل کچیل سے۔ اے اللہ! مجھے دھو دے میرے گناہوں سے برف اور پانی اور اولوں سے۔'' ❶

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ افک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ابھی آپ کی برأت کا علم نہیں ہوا تھا؛ اور اس معاملہ میں سخت بے چینی کا شکار تھے؛ تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''اے عائشہ مجھے تیرے بارے میں ایسی ایسی خبر پہنچی ہے پس اگر تو پاک دامن ہے تو عنقریب اللہ تیری پاکدامنی واضح کر دیگا اور اگر تم گناہ میں ملوث ہو چکی ہو تو اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف رجوع کرو پس بے شک بندہ جب گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ بھی اس پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرماتا ہے۔'' ❷

خلاصہ کلام! لفظ ''رجس'' اصل میں ناپاکی کے لیے بولا جاتا ہے اور اس سے مراد شرک ہوتا ہے؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ [الحج ۳۰]

''پس تمہیں بتوں کی گندگی سے بچتے رہنا چاہیے۔''

اس سے کھانے پینے کی وہ گندی چیزیں بھی مراد لی جاتی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

---

❶ البخاری کتاب احادیث الانبیاء(ح:۳۳۶۹)، مسلم، کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ علی النبی بعد التشھد (ح: ٤٠٧)۔ وكتاب مواضِعِ الصلاةِ، باب ما يقال بين تكبِيرةِ الإِحرامِ والقِراةِ، سننِ أبِى داود 1/288؛كتاب الصلاةِ، باب السنةِ عِند الِافتِتاحِ، سننِ النسائِي 1/45كتاب الطهارةِ، باب الوضوءِ بِالثلجِ، والحديث فِى سننِ ابنِ ماجه والدارِمِي ومسندِ أحمد.

❷ مسلم:ح 2521

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ [الأنعام ۱۴۵]

''فرما دیجئے جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا جسے کھانے والا کھائے، مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ﴾ [المائدۃ ۹۰]

''اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور تھان اور فال نکالنے کے پانسے سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں۔''

اس قسم کی ناپاکی کو ختم کرنے سے مراد [اپنے جنس کی] تمام ناپاکی کو ختم کرنا ہے۔ ہم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ان اکابر اہل بیت کو اللہ تعالیٰ نے شرک و خبائث کو دور کر کے ان کو فواحش و منکرات اور دیگر گناہوں سے پاک کر دیا تھا۔

''رجس'' کا لفظ عام ہے؛ جو تمام قسم کی ناپاکی کو شامل ہے؛ اور اس کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ہر قسم کی ناپاکی دور کردی ہو؛ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایسی ہی دعا فرمائی تھی۔

جب کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان: ''وتطهّرهم تطهيراً۔'' اور انہیں ہر طرح سے پاک وصاف کردے۔ یہ مطلق طور پر سوال ہے [ہر اس چیز کو شامل جس کے لیے] طہارت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لفظ مطلق ہے؛ طہارت کا کوئی ایک عنصر بھی پایا جانے سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسے قیاس و عبرت کے لیے بولا جاتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ﴾ [الحشر ۲]

''پس اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کرو۔''

حاصل کلام ! طہارت کا اعتبار اس کے اطلاق کے لحاظ سے ہوگا۔ جیسا کہ اگر کسی سے کہا جائے کہ: ''أکرم هذا'' اس کا اکرام کرو۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کرو جسے عرف میں اکرام کہا جاتا ہے۔

ایسے ہی ''طاهر'' کا لفظ بھی ''طیب'' کی طرح ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ﴾ [النور ۲۶]

''اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ﴾ [النور ۲۶]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''خبیث عورتیں خبیث مرد کے لائق ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہیں۔''

ایسے روایت کیا گیا ہے کہ [حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان کو اجازت دو؛ خوش آمدید پاکیزہ فطرت شخص کے لیے۔''[1]

یہ لفظ بھی '' المتقی '' اور لفظ '' المزکی '' کی طرح ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا تَشْرِیح وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ [الشمس ۹۔۱۰]

''جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا۔ اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ (التوبة:۱۰۳)

''ان کے مالوں سے صدقہ لے کر اس سے ان کو پاک کیجیے اور ان کا تزکیہ فرمائیے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴾ [الأعلی ۱۴]

''وہ انسان کامیاب ہو گیا جس نے تزکیہ نفس کیا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

''اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے پاک کرنا چاہے، کر دیتا ہے۔''

مگر متقی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس سے صغیرہ گناہ بھی صادر نہ ہو۔ اور نہ ہی اس کے لیے خطاء اور گناہوں سے پاک ہونا شرط ہے۔ اگر متقی کے لیے یہ بات شرط ہوتی تو پوری امت میں ایک بھی متقی نہ ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے جو بھی گناہوں سے توبہ کرلے اس کا شمار متقین میں سے ہوگا؛ اور ایسے ہی جو شخص بھی نیک اعمال سے اپنے گناہوں کو زائل کرے وہ متقی ہوگا۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾

[النساء ۳۱]

---

[1] سنن ابن ماجه:ج: ۱ : ح ۱۴۶؛ المقدمة، باب فِی فضائلِ أصحابِ رسولِ اللهِ صلى الله عليهِ وسلم، فضل عمارِ بنِ یاسِر، المستدرك لِلحاكِمِ، 3/188 وقال:" هذا حديث صحِيح الإسنادِ، ولم يخرِجاه" وقال الذهبِی: " صحِيح۔" والحديث أيضاً فِی: مصنف ابنِ أبِی شيبة 12/118۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



’’اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جس سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کر دیں گے اور عزت و بزرگی کی جگہ داخل کریں گے۔‘‘

نبی کریم ﷺ کی ان حضرات کو پاک کرنے کے لیے دعا ایسے ہی جیسے آپ دعا فرمائیں کہ: ان کا تزکیہ نفس ہوجائے؛ اور انہیں پاک کردیا جائے؛ اور انہیں نیک و متقی بنادیا جائے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ جس بارے میں پاک و صاف ہونا ثابت ہوجائے وہ اس حکم میں شامل ہے۔[اہل بیت کے لیے کی گئی ] یہ دعاء رسول اللہ ﷺ کی اپنی ذات کے لیے کی گئی دعا سے بڑھ کر نہیں ہے؛ آپ نے یوں دعا فرمائی تھی:

’’اے اللہ ! مجھے صاف کر دے میرے گناہوں سے جس طرح صاف کیا جاتا ہے سفید کپڑے کو میل کچیل سے۔ اے اللہ ! مجھے دھو دے میرے گناہوں سے برف اور ٹھنڈے پانی اور اولوں سے۔‘‘

پس جس کسی سے اگر گناہ سرزد ہوجائے‘ یا تو وہ مغفرت کے لائق ہوتا ہے‘ یا پھر اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اس کا کفارہ بنا کر اسے بالکل پاک کر دیتے ہیں۔ لیکن جو کوئی اپنی گناہوں میں لت پت مر گیا وہ اپنی اس زندگی میں ان گناہوں سے پاک نہیں ہوسکا۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ انہیں صدقات کی وجہ سے گناہوں سے بالکل پاک کر دیتے ہیں۔ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہوتی ہے۔ پس جب نبی کریم ﷺ کوئی دعا فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے موقع محل اور استعداد و اہلیت کے مطابق اسے قبولیت سے نوازتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ اہل ایمان خواتین و حضرات کے لیے استغفار کرتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اہل ایمان میں کوئی گنہگار ہی نہیں پایا جائے۔ اگر حقیقت حال میں واقعی ایسا ہوتا تو کسی اہل ایمان کو دنیا یا آخرت میں کوئی عذاب نہ دیا جاتا۔ بلکہ بعض افراد کی توبہ و استغفار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کر دیتے ہیں؛ اور بعض لوگوں کی نیکیاں ان کے گناہوں کو مٹا کر رکھ دیتی ہیں۔ اور کسی کے بہت سارے گناہ اللہ تعالیٰ دیگر کسی وجہ سے معاف کر دیتے ہیں۔

حاصل بحث یہ ہے کہ آیت میں جس تطہیر کا ذکر کیا گیا ہے اور آپ نے جو دعا فرمائی تھی اس سے بالاتفاق اہل بیت کا معصوم ہونا مراد نہیں۔ جہاں تک اہل سنت کے نقطہ نظر کا تعلق ہے، وہ رسول ﷺ کے لیے عصمت کا اثبات کرتے ہیں۔ شیعہ نبی کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ کو بھی معصوم قرار دیتے ہیں۔ پس شیعہ اور اہل سنت کا اتفاق ہے کہ عصمت نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے [اور شیعہ کے نزدیک ] امام بھی معصوم ہوتا ہے۔ بنا بریں نبی کریم ﷺ کی ازواج و بنات اور دیگر عورتیں عصمت کے حکم میں داخل نہ ہوں گی۔

جب یہ بات ہے تو جن چار اکابر کے حق میں تطہیر کی دعا کی گئی ہے وہ اس عصمت کو شامل نہ ہوگی جو نبی اور [شیعہ کے ہاں] امام کیساتھ مخصوص ہے۔ تو نبی کریم ﷺ کی دعا سے ان کے لیے یہ عصمت حاصل نہ ہوگی؛ نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اور نہ ہی کسی دوسرے کے لیے۔ اس لیے کہ آپ نے چاروں کے لیے مشترکہ دعا کی ہے ان میں سے کسی ایک کو خاص نہیں کیا۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com



علاوہ ازیں گناہوں سے معصوم ہونے اور تطہیر کی دعا قدریہ کے قاعدہ کے مطابق ممتنع ہے (شیعہ بھی قدریہ یعنی منکرین تقدیر میں داخل ہیں) اس لیے کہ افعال اختیاریہ یعنی واجبات کا بجالانا اور منکرات کا ترک کرنا قدریہ کے نزدیک اللہ کی قدرت میں داخل نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو پاکیزہ و اطاعت گزار بنا سکتا ہے نہ ہی نافرمان۔ نہ ہی گناہوں سے پاک بنا سکتا ہے اور نہ ہی ناپاک۔ لہٰذا اس اصل کی بنا پر فعل خیرات اور ترک منکرات کی دعا کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

قدریہ کے نزدیک اللہ کی عطا کردہ قدرت نیک و بد دونوں قسم کے افعال کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جس طرح تلوار سے مسلمان کو بھی قتل کر سکتے ہیں اور کافر کو بھی۔ یا مال کو اطاعت میں بھی خرچ کر سکتے ہیں اور معصیت کے کاموں میں بھی۔ اسی طرح بندہ اللہ کی عطا کردہ قدرت سے اچھے کام بھی انجام دیتا ہے اور برے بھی۔

شیعہ کی پیش کردہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے جس سے ان کے بنیادی اصولوں پر وار ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس حدیث میں آپ نے اہل بیت کے لیے تطہیر کی دعا فرمائی ہے۔

اگر شیعہ کہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل بیت کی مغفرت فرمائے گا اور وہ بروز آخرت ماخوذ نہیں ہوں گے۔

تو اس سے عصمت کے اثبات پر استدلال کرنا بالکل ہی غلط ہوگا۔ تو واضح ہوا کہ اس حدیث میں عصمت کے اثبات پر کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔ اور مطلق طور پر عصمت [یعنی فعل مامور کا بجالانا اور حرام کا ترک کرنا] شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو پاکیزہ و اطاعت گزار بنا سکتا ہے نہ ہی نافرمان؛ نہ ہی نبی کو اور نہ ہی کسی دوسرے کو۔

شیعہ کے ہاں جو کوئی اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری کو اختیار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و ہدایت سے اس اسے اختیار نہیں کرتا۔ [شیعہ کے نزدیک گناہوں سے معصوم رہنے کی دعاء بھی ممنوع ہے]۔ اس سے شیعہ مذہب کا عصمت کے مسئلہ میں تناقض واضح ہوتا ہے۔ بفرض محال اگر عصمت ثابت بھی ہو جائے تاہم ہمارے نزدیک یہ امامت کے لیے مشروط نہیں ہے؛ اور نہ ہی ائمہ کے علاوہ کسی دوسرے سے عصمت کی نفی پر کوئی اجماع ہے۔ پس اس صورت میں ہر لحاظ سے ان کی حجت باطل ہو جاتی ہے۔

## [حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دعویٰ امامت؟]:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ امامت کے مدعی تھے اور نجاست کا ازالہ بھی ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ ہی امام صادق ہوں گے۔''

**[جواب]**: اس کا جواب کئی وجوہ سے دیا جا سکتا ہے:

اوّل:...... ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی اس قسم کا دعویٰ کیا ہو۔ بلکہ ہم علم یقینی اور قطعی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کے طور پر جانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ تک نے اپنی امامت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ یہ کہا گیا ہے کہ: بیشک آپ دل سے امامت کے خواہاں تھے، مگر آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں امام یا معصوم ہوں۔ نہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد مجھے امام بنایا ہے اور میری اطاعت لوگوں پر واجب ٹھہرائی ہے۔ اور نہ اس قسم کے دیگر الفاظ ارشاد فرمائے۔

بخلاف ازیں ہم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ جس شخص نے آپ کی نسبت سے اس قسم کے الفاظ نقل کیے ہیں وہ کاذب ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صحیح معنی میں متقی تھے اور ایسے صریح کذب کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے جس کا کذب ہونا سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر عیاں ہو۔

شیعہ مصنف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''ابن ابی قحافہ نے یہ لباس اوڑھا (منصب خلافت پر فائز ہوئے) حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ مجھے وہی مرتبہ حاصل ہے جو ایک چکی میں درمیانی سیخ کو حاصل ہوتا ہے۔''

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں: پہلی بات: اس قول کی سند کہاں ہے؟ جس میں ثقہ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک اس قول کو ثقات سے نقل کیا ہو۔ ایسا ہرگز اس روایت میں کچھ بھی نہیں پایا جاتا۔

[یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہے]۔ البتہ یہ قول نہج البلاغہ اور اس جیسی بعض دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ اہل علم سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ نہج البلاغہ کے اکثر خطبات خود ساختہ اور جھوٹے گھڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تھوپ دیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کسی قدیم کتاب میں درج نہیں۔ [1] اور نہ ان کی کوئی سند معروف ہے۔ تو پھر ناقل نے کہاں سے نقل کیا ہے؟

یہ خطبات اسی طرح ہیں جیسے کوئی شخص کہے کہ میں علوی یا عباسی ہوں۔ حالانکہ ہمیں علم ہو کہ اس کے اسلاف میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس کے لیے ایسا کوئی دعوی [اس سے پہلے کیا گیا تھا]۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعوی بے بنیاد ہے۔ اس لیے کہ نسب اپنی اصل کے اعتبار سے جانا پہچانا ہوتا ہے اور اسی طرح وہ اپنی فرع سے مل جاتا ہے۔

ایسے ہی منقولات کے لیے ضروری ہے کہ صاحب قول سے لیکر ہم تک اس کی معروف سند ہونی چاہیے۔ اگر کوئی انسان کتاب لکھے؛ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے بہت سارے خطبات جمع

[1] اس کی حد یہ ہے کہ کتب ادب جن میں سند مذکور نہیں ہوتی ان میں بھی یہ الفاظ مذکور نہیں ہیں۔ مثلاً جاحظ کی "البیان و التبیین" میں سیدنا علی کا یہ خطبہ صرف چند سطروں تک محدود ہے۔ اگر اس خطبہ کا تقابل نہج البلاغہ میں ذکر کردہ خطبہ کے ساتھ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ نہج البلاغہ میں اس خطبہ کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے اور وہ اضافہ کیا گیا ہے جو جاحظ کے زمانہ تک موجود نہ تھا۔ مشہور شیعہ عالم رضی اور ان کے بھائی مرتضیٰ نے نہج البلاغہ میں جس جعل سازی سے کام لیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک ثابت شدہ چیز پر بے بنیاد باتوں کا اضافہ کرتے ہیں۔ ''لقد تقمصا'' کا جملہ بھی اسی میں شامل ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نہج البلاغہ میں ذکر کردہ اقوال سیدنا علی کے معروف ارشادات کی نقیض ہوتے ہیں اور ان کی کوئی سند ہوتی ہے نہ دلیل۔ روافض کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیے کہ اس طرح انھوں نے سیدنا علی کے اقوال میں تناقض ثابت کر دیا جس سے ان کا دامن پاک تھا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کر دے۔لیکن اس سے پہلے کسی بھی دوسرے فرد نے یہ خطبات کسی معروف سند سے نقل نہ کیے ہوں؛ تو ہم یقینی طور پر اس کے جھوٹا ہونے کو جان لیتے ہیں۔یہی حال نہج البلاغہ کے خطبات کا ہے ۔ہمیں یقینی طور پر علم حاصل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے برعکس فرمایا تھا۔اس موقع پر ہمارا مقصد اس کا جھوٹ واضح کرنا نہیں' بلکہ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اس روایت کی کوئی صحیح سند پیش کی جائی ۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر کسی ایسی چیز کی تصدیق کو واجب نہیں کیا جس کے سچا ہونے کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

نہج البلاغہ کے خطبات میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جو کہ بالاتفاق ممتنع ہیں۔اورخصوصاً جبکہ " تکلیف ما لا یطاق" کا قول بھی ممتنع ہو۔ بیشک یہ سب سے بڑی"تکلیف مالا یطاق " ہے۔پھر ہم چوتھی صدی ہجری میں جب ہرطرف جھوٹے لوگ بڑھ گئے تھے ؛ اس وقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دعوائے خلافت کو ان لوگوں کے اقوال کی بنا پر کیوں کر تسلیم کر سکتے ہیں جو متہم بالکذب تھے؟[چوتھی صدی ہجری میں ] ان شیعہ لوگوں کی حکومت عمل میں آچکی تھی ؛ جہاں پر یہ لوگ جس قسم کا بھی جھوٹ بولتے اسے پذیرائی حاصل ہوتی ۔ان کے ہاں اقوال کی سچائی کا مطالبہ کرنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔اس مسئلہ میں ہمارا یہ بنیادی جواب ہے۔ یہ ہمارے اور اللہ کے مابین ہے۔

پھر ہم یہ بھی کہتے ہیں: فرض کیجیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کہا تھا؛ تو تم نے یوں کیوں کہا کہ:'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امام منصوص و معصوم ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ممکن ہے کہ آپ یہ بتانا چاہتے ہوں کہ وہ دوسروں کی نسبت خلافت کے لیے موزوں تر ہیں۔اس لیے کہ آپ کا اعتقاد تھا کہ وہ دوسروں سے افضل ہیں؛ اور خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔لہٰذا اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ آپ نے دانستہ جھوٹ کا ارتکاب کیا، بلکہ یہ بات آپ نے اپنے اجتہاد کی بنا پر کہی ہوگی۔اور مجتہد کے رائے مبنی برصواب بھی ہوسکتی ہے اور خطاء بھی ہوسکتی ہے۔

اس بات پر اتفاق ہے کہ ناپاکی کی نفی کرنے سے یہ واجب نہیں ہوتا کہ کوئی معصوم عن الخطاء بھی ہو۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ نہیں تھی کہ وہ اہل بیت سے خطاء کو ختم بھی کردے۔کیونکہ شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ جب کہ خطاء قابل مغفرت ہوتی ہے؛ اور اس کا وجود کوئی نقصان نہیں دیتا۔

مزید برآں یہ کہ خطاء میں عموم رِجس (ناپاکی) شامل نہیں۔

نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو خطاء سے معصوم ہو۔شیعہ اپنے ائمہ کو بھی خطاء سے معصوم مانتے ہیں۔ جب کہ ناپاکی کے دور کیے جانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے اہل بیت بھی شریک ہیں۔

ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے وہ اس بات سے بری ہیں کہ کوئی جھوٹ بولیں۔جیسا کہ حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین اللہ کے متقی والے تھے اور اس بات سے بری تھے کہ جان بوجھ کر کوئی جھوٹ بولیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



لیکن اس آیت سے استدلال کرنے والے رافضی سے پوچھا جائے گا کہ تم نے جھوٹ کے پلید ہونے پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی۔ جب اس پر کوئی دلیل نہیں ہے تو پھر اس سے کسی جھوٹ کو ختم کرنا لازم نہیں آتا۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ ناپاکی کو ختم کر دیا گیا ہے؛ تو یہ کہنے والا کا شمار ان لوگوں میں ہوتا جو قرآن سے دلیل پیش کرتے ہیں؛ قرآن میں اس ناپاکی کے دور ہو جانے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس بات کی کوئی دلیل ہے کہ جھوٹ اور خطاء بھی ناپاکی میں شمار ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی اس بات کی کوئی دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی کچھ ایسا فرمایا ہو۔ بہر کیف اگر ان میں سے کوئی بات ثابت ہو بھی جائے تو وہ قرآن سے ماخوذ نہ ہوگی؛ اس کی بنیاد ایسے مقدمات پر ہوگی جو قرآن سے نہیں ہوں گے۔ پھر شیعہ مصنف کے قرآنی دلائل کہاں ہیں جن کا وہ ڈھنڈورا پیٹتا ہے؟ ایسے جھوٹے دعوے تو صرف وہی انسان کرسکتا ہے جو اہل رسوائی وندامت میں سے ہو۔

## امامت علی رضی اللہ عنہ کی چھٹی دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے کہ: ''امامت علی رضی اللہ عنہ کی چھٹی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

﴿فِی بُیُوتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ o إلی قوله تعالیٰ.... یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾ (النور: ۳۶۔۳۷)

''ان گھروں میں جن کے بلند کرنے اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے؛ وہاں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو۔......اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔''

ثعلبی نے حضرت انس و بریدہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اے اللہ کے رسول! ﴿فی بیوت﴾ سے کون سے گھر مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''انبیاء کے گھر'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ گھر یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر بھی ان میں شامل ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ ان میں سے افضل ترین گھروں میں سے ہے۔ اس میں وہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو افضلیت پر دلالت کرتے ہیں؛ تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی امام ہوں ورنہ فاضل پر مفضول کی تقدیم لازم آئے گی۔'' [شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا]۔

**جواب**: اس کا جواب کئی وجوہ سے دیا جاسکتا ہے:

پہلی وجہ:......ہم شیعہ مصنف سے پوچھتے ہیں: اس دعوی کی صحت پر اس کی دلیل کیا ہے؟ [ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ ہرگز اس کی دلیل پیش نہیں کرسکتا]۔ کسی روایت کو ثعلبی کی طرف منسوب کر دینا حجت نہیں ہوسکتا۔ اس پر شیعہ اور اہل سنت کا اتفاق ہے۔ جمہور میں سے کوئی ایک اگر کسی روایت کو نقل کر لیتا ہے تو یہ نقل جمہور کے ہاں حجت نہیں بن جاتی۔ بلکہ جمہور کا تو یہ اتفاق ہے کہ ثعلبی اور اس کے امثال کی روایات حجت نہیں ہوسکتی۔ نہ ہی حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل میں اور نہ ہی شرعی احکام میں۔ اس کی صرف یہ صورت ہوسکتی ہے کہ کسی ثابت شدہ سند سے اس روایت کی صحت

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ثابت ہو جائے۔

پس کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ ہم آپ کے خلاف ایسی روایت سے دلیل پیش کرتے ہیں جو جمہور میں سے کسی ایک نے نقل کی ہے۔ یہ قول تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے: میں تم پر تمہارے خلاف جمہور کی گواہی کی روشنی میں فیصلہ دیتا ہوں۔ تو کیا علمائے جمہور نے یہ کہا ہے کہ: ان میں سے جو کوئی بھی؛ جیسی بھی گواہی دے گا وہ عدل و انصاف پر مبنی ہوگی۔ یا کسی ایک نے یہ کہا ہے کہ: جمہور میں سے جو کوئی بھی؛ کوئی بھی روایت نقل کرے گا وہ ہر حال میں صحیح ہی ہوگی۔

پھر جمہور علمائے کرام رحمہم اللہ کا اتفاق ہے کہ ثعلبی اور اس کے امثال صحیح و ضعیف ہر قسم کی روایات نقل کرتے ہیں۔ اور جمہور کا یہ بھی اتفاق ہے کہ: صرف ثعلبی کے نقل کرنے کی وجہ سے اتباع واجب نہیں ہو جاتی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ثعلبی تو ''حاطب لیل'' ہے؛ جو بھی روایت پاتا ہے اسے نقل کر لیتا ہے؛ خواہ وہ روایت صحیح ہو یا ضعیف۔ ثعلبی کی تفسیر میں اگرچہ اکثر احادیث صحیح ہیں لیکن باتفاق اہل علم اس میں ایسی روایات بھی موجود ہیں جو کہ جھوٹ اور موضوع ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب اس کی تفسیر کو ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی رحمہ اللہ نے مختصر کیا؛ تو آپ اس کی نسبت حدیث اور فقہ کے زیادہ ماہر تھے؛ جب کہ ثعلبی اس کی نسبت مفسرین کے اقوال کا زیادہ ماہر تھا۔ تو بغوی نے اس سے مفسرین اور نحویوں کے اقوال اور قصص الانبیاء تو نقل کیے؛ یہ چیزیں بغوی نے ثعلبی سے لی ہیں۔ مگر جہاں تک حدیث کا تعلق ہے؛ تو بغوی نے ثعلبی کی ذکر کردہ موضوعات میں کوئی ایک حدیث بھی ذکر نہیں کی۔ بلکہ اس نے ان میں سے صرف صحیح احادیث ہی ذکر کی ہیں۔ ان میں سے بعض تو بخاری یا دوسری کتابوں کی طرف منسوب ہیں۔ اس لیے کہ آپ کی تصانیف میں سے شرح السنۃ اور المصابیح بھی ہے۔ اور آپ نے ان احادیث کو ذکر کیا ہے جو صحیحین یا سنن میں ہیں۔ اور ایسی کوئی بھی حدیث ذکر نہیں کی جس کے بارے میں علمائے حدیث پر یہ ظاہر ہوتا ہو کہ روایت موضوع ہے۔ جیسا کہ دوسرے مفسرین کرتے ہیں۔ جیسا کہ واحدی؛ ثعلبی کے ساتھی کا شیوہ ہے۔ یہ واحدی عربی زبان کا ثعلبی سے بڑا ماہر اور عالم ہے۔ اور جیسا کہ زمخشری اور وہ دوسرے مفسرین جو ایسی احادیث ذکر کرتے ہیں جن کے بارے میں علمائے حدیث جانتے ہیں کہ یہ موضوع روایات ہیں۔

**[مذکورہ بالا حدیث ضعیف ہے]**

دوسری وجہ:...... محدثین کرام رحمہم اللہ کے ہاں یہ روایت بلاشبہ جھوٹ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین میں سے کسی ایک نے بھی اپنی کسی معتمد کتاب میں اس روایت کو جگہ نہیں دی۔ یہ روایت نہ ہی صحاح ستہ میں ہے؛ نہ ہی سنن میں؛ نہ ہی مسانید میں۔ حالانکہ ان میں سے بعض کتابوں میں ضعیف احادیث پائی جاتی ہیں۔ بلکہ بعض موضوع روایات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ لیکن موضوع روایات بہت ہی کم ہیں؛ جب کہ مذکورہ بالا روایت ایسا واضح جھوٹ تھا کہ کسی نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

تیسری وجہ:...... مزید براں یہ آیت بالاتفاق مساجد سے متعلق ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان سے صاف ظاہر ہے:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾

حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے کے گھر کی یہ صفات نہیں ہوسکتیں۔

چوتھی وجہ:......ہم شیعہ سے کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر باتفاق مسلمین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر سے افضل تھا؛ مگر وہ اس خطاب میں شامل نہیں۔ اس لیے کہ آپکے گھر میں کوئی مرد نہیں تھا۔ بلکہ آپ کے گھر میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی کوئی زوجہ محترمہ موجود ہوا کرتی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا ذکر کرنا چاہا تو صاف الفاظ میں کیا؛ ارشاد فرمایا:

﴿لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ﴾ [الأحزاب ۵۳]

''تم نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو۔''

اور ارشاد فرمایا: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ [الأحزاب ۳۴]

''اور اپنے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں پڑھی جاتی ہیں ان کا ذکر کرتی رہو۔''

پانچویں وجہ:...... یہ کہنا کہ ''اس سے مراد انبیاء کے گھر ہیں'' صاف جھوٹ ہے۔ اگر واقعی ایسا ہوتا تو اہل ایمان کا اس میں کوئی نصیب نہ ہوتا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ o رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ [النور ۳۶]

''وہاں صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو۔ ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خریداری اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی۔''

یہ آیت ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو ان صفات سے موصوف ہوں۔

چھٹی وجہ:......اس آیت کریمہ میں ﴿فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ﴾ لفظ بیوت کو نکرہ موصوفہ لایا گیا ہے؛ اس میں کوئی تعین نہیں ہے۔ جب کہ اس سے آگے فرمایا ہے: ﴿اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾ اگر اس خطاب سے مراد وہ ذکر و اذکار اور نمازیں ہوں جو مساجد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ گھروں میں ادا کیے جاتے ہیں؛ تو اس میں اہل ایمان کے دیگر بہت سارے ایسے گھر بھی داخل ہوتے ہیں جو ان صفات سے موصوف ہیں؛ تو پھر یہ آیت انبیائے کرام علیہم السلام کے گھروں کے ساتھ خاص نہ ہوئی۔

اگر اس سے مراد پانچ نمازیں اور ان کے ساتھ ذکر و اذکار ہیں؛ تو پھر یہ آیت مساجد کے ساتھ خاص ہے۔ جب کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے گھروں میں مساجد کی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ انہیں انبیائے کرام علیہم السلام کے مسکن ہونے کا اعزاز وفضیلت حاصل ہیں۔

ساتویں وجہ:......شیعہ سے یہ بھی کہا جائے گا کہ اگر انبیائے کرام علیہم السلام کے گھروں سے مراد وہ گھر ہیں جن میں

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نبی کریم ﷺ نے قیام کیا تھا؛ تو پھر مدینہ طیبہ میں ازواج مطہرات کے گھروں کے علاوہ کسی بھی نبی کا کوئی گھر نہیں تھا۔ تو ان گھروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گھر داخل نہ ہوا۔ اور اگر اس سے مراد وہ گھر ہوں جن میں انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کوئی ایک داخل ہوا ہے تو پھر نبی کریم ﷺ بہت سارے صحابہ کرام کے گھروں میں داخل ہوئے ہیں ۔ جو بھی بات مان لی جائے ؛ کسی بھی صورت میں حضرت ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے گھروں کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر کی کوئی فضیلت وخصوصیت ثابت نہیں ہوتی ۔ جب آپ کی کوئی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی تو پھر مردوں کے مابین بہت سارے امور مشترک ہوتے ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی برابر کے شریک ہیں۔

آٹھویں وجہ:......اس شیعہ سے یہ بھی کہا جائے گا کہ: وہ مرد جن کی صفت اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کی ہے:

﴿رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ [النور ۳۶]

''ایسے لوگ جنہیں تجارت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی ۔''

اس آیت سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ مرد دوسرے لوگوں سے افضل ہیں۔ اور ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کسی بھلائی کا وعدہ بھی نہیں کیا؛ بلکہ ان کے اس فعل پر ان کی تعریف کی گئی ہے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جس کسی کی بھی کوئی تعریف کی جائے یا اسے جنت کی خوشخبری سنائی جائے تو وہ دوسروں سے افضل ہو جائے گا۔ اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ وہ انسان انبیائے کرام علیہم السلام سے بھی افضل ہو۔

نویں وجہ:......تصور کیجیے اس آیت سے ان لوگوں پر فضیلت ثابت ہوتی ہے جو ان صفات سے موصوف نہیں ہیں؛ تو پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ صفت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے؟ بلکہ ہر وہ انسان جسے تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی؛ اور وہ آخرت کے دن کا بھی خوف رکھتا ہے؛ تو وہ اس صفت سے موصوف ہے۔ آپ پھر یہ کیونکر کہتے ہیں کہ: یہ صفت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی ہے؟ جب کہ آیت کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ وہ بہت سارے لوگ ہیں؛ صرف کوئی ایک مرد نہیں ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آیت کریمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ آپ اور دوسرے لوگ اس صفت میں مشترک ہیں۔ پس اس بنیاد پر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ اپنے مشارکین سے افضل ہوں۔

دسویں وجہ:......اگر تسلیم کر لیا جائے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اس صفت میں باقی لوگوں سے افضل ہیں۔ تو پھر بھی اس سے امامت کا وجوب کہاں سے لازم آ گیا؟

جب کہ مفضول کو فاضل پر مقدم کرنے کے امتناع کے مسئلہ کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بیشک ایسا ان مجموعی صفات میں ہوتا ہے جو کہ امامت کے لیے مناسب ہوتی ہیں۔ ورنہ ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ انسان جسے خیر کی کسی ایک خصلت میں دوسروں پر فضیلت حاصل ہو تو وہ امامت کا مستحق ہو جائے گا۔ اگر ایسا جائز ہو تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت بہت زیادہ کفار کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اور ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے بہت زیادہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ اور ایسے بھی ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے اللہ کی راہ میں بہت زیادہ تکلیف دی گئی ۔ ایسے بھی تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے عمر میں زیادہ بڑے بھی تھے۔ ایسے بھی تھے جن کے پاس وہ علم تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں تھا۔

خلاصہ کلام ! انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی کے لیے بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی دوسرے نبی کی صفات ہر لحاظ سے اس میں موجود ہوں۔ اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک میں دوسری صحابی کی کوئی صفت ہر لحاظ سے پوری طرح موجود ہوسکتی ہے ۔ بلکہ مفضول میں بھی کوئی نہ کوئی ایسی یگانہ چیز ہوتی ہے جس میں وہ فاضل سے آگے ہوتا ہے ؛ لیکن بات یہ ہے کہ مجموعی طور پر ساری صفات کو جمع کر کے انہیں معتبر سمجھا جاتا ہے ۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ساتویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ساتویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ [الشوری ۲۳]

''میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتہ داری کی ۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ اپنی مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ [الشوری ۲۳]

''میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتہ داری کی ۔''

تو صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ! آپ کے کون سے قریبی رشتہ دار ہیں جن سے محبت رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا:''علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما اور ان کے دونوں بیٹے ۔''

تفسیر ثعلبی اور بخاری و مسلم میں بھی اسی طرح مروی ہے۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا دیگر تینوں خلفاء و صحابہ سے محبت رکھنا واجب نہیں۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے افضل ٹھہرے اور وہی امام ہوں گے۔ بنا بریں ان کی مخالفت محبت کے منافی ہے اور محبت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے ، لہٰذا آپ واجب الاطاعت ہوئے۔ امامت سے یہی مراد ہوتی ہے۔'' [شیعہ کا کلام ختم ہوا]۔

**[جواب]**: اس کا جواب کئی طرح سے دیا جاسکتا ہے:

پہلی وجہ:...... ہم اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ شیعہ کا یہ کہنا کہ: امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے'' ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ ماشاء اللہ کہ مسند احمد کے کئی نسخے موجود ہیں۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ روایت موجود نہیں ہے۔ اس سے بھی بڑا جھوٹ یہ ہے کہ شیعہ کہتا ہے: یہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ حالانکہ ان دونوں کتابوں میں کوئی ایسی روایت موجود نہیں۔ بلکہ مسند اور صحیحین میں ایسی احادیث موجود ہیں، جو اس کی نقیض ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رافضی مصنف اور اس جیسے دوسرے ان کے علماء اہل علم کی کتابوں سے جاہل ہیں۔ نہ ہی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ان کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ ہی ان کو یہ علم ہوتا ہے کہ ان کتابوں میں کیا ہے۔ میں نے ان میں سے بعض کو دیکھا؛ اس نے احادیث کی متعدد کتابوں سے ایک کتاب جمع کی تھی۔ اس کی روایات کو کبھی بخاری کی طرف منسوب کرتا اور کبھی مسلم کی طرف؛ کبھی مسند احمد کی طرف اور کبھی مغازلی اور موفق کی طرف؛ اور کبھی خطیب خوارزمی اور ثعلبی اور ان جیسے لوگوں کی طرف۔ اس نے اپنی اس کتاب کا نام رکھا تھا: ''الطرایف في الرد علی الطوائف۔'' اور ایک دوسرے ابن بطریق نامی شیعہ مصنف نے ایک ایسی ہی کتاب تصنیف کی اور اس کا نام رکھا: ''العمدۃ۔''

اپنی روایات میں کثرت کے ساتھ جھوٹ بولنے کے باوجود یہ لوگ پھر بھی ابوجعفر محمد بن علی اور اس کے امثال سے کسی قدر بہتر ہیں۔ ابوجعفر نے بھی ان لوگوں کے لیے تصانیف لکھی ہیں؛ اور ان میں جھوٹ کی اس قدر بھر مار ہے کہ یہ جھوٹ صرف انتہائی جاہل ترین انسان پر ہی مخفی رہ سکتا ہے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ یہ لوگ بہت ساری روایات کو بخاری ومسلم اور مسند احمد کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ حالانکہ ان کتابوں میں کوئی ایسی روایت موجود نہیں ہوتی۔ مسند احمد کی طرف ایسی روایات منسوب کرتے ہیں جن کی اصل میں کوئی حقیقت ہی نہیں۔ مسند احمد کی طرف ایسی روایات منسوب کرتے ہیں جن کی اس کتاب میں کوئی اصل موجود ہی نہیں۔

لیکن حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر وعمر اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے فضائل میں ایک کتاب تصنیف کی تھی؛ اس میں آپ ایسی روایات لائے ہیں جو کہ مسند میں نہیں ہیں۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ امام احمد جو کچھ مسند یا کسی دوسری کتاب میں روایت کرتے ہیں وہ حجت ہو جاتا ہے۔ بلکہ آپ بھی ایسے ہی روایت کرتے ہیں جیسے دوسرے اہل علم روایات نقل کرتے ہیں۔ امام احمد نے مسند میں یہ شرط لگائی ہے کہ آپ ایسے لوگوں سے روایت نہیں کرتے جو آپ کے نزدیک جھوٹ بولنے میں مشہور ہوں۔ اگرچہ اس میں ضعیف روایات آجاتی ہیں۔ مسند میں آپ کی شرط ایسے ہی ہے جیسے ابوداؤد نے سنن میں شرط لگائی ہے۔

جبکہ فضائل کی کتابوں میں آپ وہی کچھ روایت کرتے ہیں جو اپنے مشائخ سے سنتے ہیں؛ خواہ وہ صحیح ہو یا ضعیف۔ اس لیے کہ ان میں مقصود یہ نہیں ہوتا کہ آپ وہی روایت نقل کریں جو آپ کے ہاں ثابت ہو۔ پھر اس کے بعد امام احمد کے بیٹے نے اس میں کچھ روایات زیادہ کی ہیں۔ اور پھر ابوبکر القطیعی نے بھی اس میں روایات زیادہ کی ہیں۔ جو روایات قطیعی نے زیادہ کی ہیں ان میں جھوٹ اور موضوع روایات بھی ہیں۔ پھر ان لوگوں کی جہالت کی انتہاء یہ ہے کہ انہوں نے امام احمد رحمہ اللہ کی مسند کا نام سن لیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مسند اُحمد میں جو کچھ ہے وہ سب امام احمد کا روایت کردہ ہے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ اس لیے کہ جن مشائخ کا اس میں ذکر کیا گیا ہے وہ قطیعی کے مشائخ ہیں جو کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے متأخر لوگ ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہ امام احمد سے روایت کرتے ہیں۔ امام احمد ان سے روایت نہیں کرتے۔ یہ امام احمد کی کتاب مسند؛ کتاب الزہد؛ ناسخ اور منسوخ؛ کتاب التفسیر؛ اور دوسری کتابیں ہیں۔ آپ یوں روایت کرتے ہیں:

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



((حدثنا وِكيع ، حدثنا عبد الرحمنِ بن مهدِي ، حدثنا سفيان ، حدثنا عبد الرزاقِ . ))

یہ امام احمد رحمہ اللہ کی سند ہے۔ اس کے برعکس عبداللہ رحمہ اللہ کی سند یوں آتی ہے:

((حدثنا أبو معمر القطِيعِي ، حدثنا علِي بن الجعدِ ، حدثنا أبو نصر التمار . ))

آپ کی کتاب فضائل صحابہ میں دونوں قسم کی اسناد پائی جاتی ہیں۔ اوراس میں کچھ زیادات قطیعی سے بھی منقول ہیں۔ وہ احمد بن عبدالجبار الصوفی اوراس کے امثال جیسے عبداللہ بن احمد کے طبقہ کے لوگوں سے روایت کرتا ہے۔ اس کی آخری حد یہ ہے کہ اس نے امام احمد رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہو۔ اس لیے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے آخری عمر میں حدیث کی روایت ترک کردی تھی۔ اس لیے کہ خلیفہ نے آپ سے مطالبہ کیا تھا کہ خلیفہ اوراس کے بیٹے کو تعلیم دیں اوران کے پاس ہی قیام کریں۔ آپ کو اپنے آپ پر دنیا کا فتنہ محسوس ہوا تو آپ نے مطلق طور پر حدیث روایت کرنا ترک کردیا تا کہ اس فتنہ سے محفوظ رہ سکیں۔ اس لیے کہ اس سے پہلے خلفاء کے ساتھ جو احوال پیش آچکے تھے وہ مخفی نہیں تھے۔

قطیعی اپنی روایات کو اپنے مشائخ کے اساتذہ سے روایت کرتا تھا۔ اس سے روایت سننے والے خوش ہو جاتے تھے۔ قطیعی نے آپ کے شیوخ کے نام پر جو روایات نقل کی ہیں ان میں سے اکثر جھوٹ ہی جھوٹ ہیں۔ پس جب ان لوگوں کے ہاتھ یہ کتاب لگی تو انہوں نے باقی تمام صحابہ کرام کے فضائل نہیں دیکھے؛ بس صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل دیکھ لینے پر اکتفا کرلیا۔ اور جیسے جیسے مزید احادیث دیکھتے پڑھتے جاتے تو یہ خیال کرتے کہ ان کو روایت کرنے والے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہیں۔ اس لیے کہ ان لوگوں کو رجال اور ان کے طبقات کا علم ہی نہیں۔ اور یہ بات ممتنع ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ قطیعی کے مشائخ سے کوئی روایت نقل کریں۔

ان لوگوں کی جہالت کی انتہاء یہ ہے کہ انہوں نے امام احمد رحمہ اللہ کی مسند کا نام سن لیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مسند اُحمد میں جو کچھ ہے وہ سب امام احمد کا روایت کردہ ہے۔ چنانچہ امام احمد کی مسند میں جو قطیعی کی زیادہ کردہ روایات ہیں؛ وہ ان کو بھی امام احمد کی روایات شمار کرنے لگ گئے۔ اور بسا اوقات قطیعی کی روایات پر بھی زیادہ کردیتے ہیں؛ اس لیے کہ یہ لوگ جھوٹ سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ''الطرائف'' اور''العمدۃ'' کے مصنفین بھی امام احمد رحمہ اللہ کی طرف ایسی روایات منسوب کرتے ہیں ؛ جو تو امام احمد نے نہ ہی کسی کتاب میں روایت کی ہوتی ہیں؛ اور نہ ہی آپ نے کبھی وہ روایات سنی ہوں گی۔ اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ: وہ روایات قطیعی نے زیادہ کی ہوں۔ اور قطیعی نے جو من گھڑت اور جھوٹی روایات اس میں داخل کی ہیں؛ وہ کسی بھی عالم پر مخفی نہیں ہیں۔ [1]

---

[1] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خلفاء اربعہ کے فضائل ومناقب میں ایک کتاب تصنیف کی تھی جس میں صحیح وسقیم ہر قسم کی روایات موجود ہیں۔ بعدازاں امام احمد کے بیٹے عبداللہ اور القطیعی نامی عالم نے بھی اس میں بہت کچھ اضافہ کیا تھا جس میں جھوٹی اورضعیف روایات شامل کرلیں۔ جہلاء نے سمجھا کہ یہ سب امام احمد کی مرویات ہیں حالانکہ یہ بدترین غلطی ہے۔ عبداللہ کی زیادات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انھوں نے اپنے والد حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے روایت نہیں کیں۔ القطیعی کی زیادات بھی عبداللہ بن احمد کی بجائے دیگر راویوں سے منقول ہیں۔[الدراوی؛ کشمیری]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اس رافضی کذاب کی نقول بھی ''العمدۃ'' اور ''الطرائف'' کے مصنفین کی جنس سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ اس مصنف نے انہی کتابوں سے یہ سب کچھ نقل کیا ہے؛ یا پھر ان کے ناقلین سے نقل کیا ہے۔ وگرنہ جس انسان کو علم کی ادنی سی بھی معرفت ہو؛ اسے ایسی روایات صحیحین یا مسند احمد کی طرف منسوب کرنے سے حیاء آتی ہے۔ صحیحین اور مسند کے نسخوں سے زمین بھری ہوئی ہے؛ ان میں کہیں بھی اس قسم کی کوئی روایت نہیں پائی جاتی۔ بلکہ حقیقت میں کسی بھی قابل اعتماد اہل علم نے اسے روایت نہیں کیا۔ اس قسم کی روایات وہی نقل کرتے ہیں جو رات کے اندھیرے میں لکڑیاں چن رہے ہوتے ہیں۔ جیسے ثعلبی اور اس جیسے دوسرے مصنفین ؛ جو کہ ہر موٹی اور چھوٹی چیز کو جمع کر لیتے ہیں مگر صحیح اور خراب کی تمیز سے عاری ہوتے ہیں۔

دوسری وجہ:...... یہ حدیث باتفاق محدثین واہل علم جھوٹ ہے۔ حدیث کی کسی بھی مستند کتاب میں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اس حدیث کی حقیقت جاننے کے لیے ان ہی سے پوچھنا چاہیے کہ یہ کہاں سے گھڑ لائے ہیں؟

تیسری وجہ:......اس پر مزید یہ کہ مذکورہ صدر آیت سورۂ شوریٰ میں شامل ہے، جو بالاتفاق مکی سورۃ ہے۔ بلکہ تمام وہ سورتیں جو ''حٰم'' سے شروع ہوتی ہیں؛ وہ مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔ یہ بھی معلوم شدہ بات ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مدینہ میں ہوا تھا۔ حضرت حسن ۳ھ میں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ۴ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح یہ سورت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے وجود سے بھی کئی سال پہلے نازل ہوئی تھی۔ تو پھر اب سوال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکی آیت کی تفسیر میں ان لوگوں کی محبت کو کیوں کر واجب قرار دے سکتے تھے؛ جو کہ ابھی تک نہ ہی پیدا ہوئے' اور نہ ہی ان کو کوئی پہچانتا تھا۔

چوتھی وجہ:...... صحیح بخاری میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لَّآ اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ [الشوری ۲۳]

''کہہ دیجئے! کہ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتہ داری کی۔''

تو میں نے کہا: ''اس سے مراد یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے قرابت کا تعلق رکھنے والوں کی بابت اذیت نہ دو۔''

یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ نے جلد بازی سے کام لیا، قریش کا کوئی چھوٹا بڑا قبیلہ بھی ایسا نہ تھا جس کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دارانہ روابط نہ ہوں۔ اس لیے فرمایا ﴿لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ یعنی اس قرابت داری کی بنا پر جو میں آپ سے رکھتا ہوں میں چاہتا ہوں تم مجھ سے محبت کا سلوک روا رکھو۔''[1]

آپ نے مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ملاحظہ کیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد اہل بیت میں سب سے بڑے عالم تھے۔ آپ فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ نہیں کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کی محبت کا سوال کرتا ہوں۔ بلکہ اس

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر ، سورۃ الشوری (حدیث:۴۸۱۸، ۳۴۹۷)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کا معنی یہ ہے کہ: اے اہل عرب! اے قریش کی جماعت! میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ جو میرے اور آپ کے درمیان تعلق ہے: اس صلہ رحمی کا خیال کیجیے۔ اس پر کسی قسم کی سرکشی اور ظلم نہ کرو؛ اور مجھے اللہ کے دین کی دعوت دینے دو۔

پانچویں وجہ:......اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾ [الشوری ۲۳]

''کہہ دیجئے! کہ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتہ داری کی۔''

یہ امر قابل غور ہے کہ آیت کے الفاظ ہیں ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾ یوں نہیں فرمایا: ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ لِلْقُرْبَى﴾ اور یوں بھی نہیں فرمایا: ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ لِذَوِي الْقُرْبَى﴾ اور اگر وہ مطلب مراد ہوتا جو شیعہ کہتے ہیں تو آیت کے الفاظ اس طرح ہوتے ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ لِذَوِي الْقُرْبَى﴾ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیے:

۱......﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى﴾ (الانفال ۴۱)

''جان لو کہ تم جو کچھ غنیمت حاصل کرو اس میں پانچواں حصہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور اہل قرابت کا۔''

۲......﴿مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى﴾ (الحشر:۷)

''بستیوں والوں کا جو (مال) اللہ تعالیٰ تمہارے لڑے بھڑے بغیر اپنے رسول کے ہاتھ لگائے وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت والوں کا۔''

۳...... ﴿فَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ﴾ (الروم:۳۸)

''قرابت داروں کو ان کا حق ادا کیجیے؛ اور مساکین کو اور مسافروں کو بھی۔''

۴...... ﴿وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى﴾ (البقرۃ:۱۷۷)

''اور اللہ کی محبت میں مال دیا اپنے قرابت داروں کو۔''

اس طرح کی آیات دیگر بھی کئی مقامات پر آئی ہیں۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں اقارب کے حق میں وصیت کی گئی ہے اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں۔ [جہاں پر ان کے حق میں وصیت ہے تو] اس کے لیے ﴿ذوالقربیٰ﴾ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ [یہاں پر بھی] اگر اقارب مراد ہوتے تو الفاظ یوں ہوتے: ﴿اَلْمَوَدَّةَ لِذَوِي الْقُرْبَى﴾ یہاں پر ﴿في القربیٰ﴾ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں اہل قرابت کی محبت کا سوال نہیں' بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قرابت کی محبت کی رعایت کا کہا گیا ہے۔

چھٹی وجہ:...... اگر یہاں پر اقارب مراد ہوتے تو الفاظ یوں ہوتے: ﴿اَلْمَوَدَّةَ لِذَوِي الْقُرْبَى﴾ ﴿في القربیٰ﴾ کے الفاظ نہ ہوتے۔ اس لیے کہ عربی محاورہ میں یوں نہیں کہتے: ﴿اَسْئَلُكَ الْمَوَدَّةَ فِي فُلَانٍ﴾ بلکہ ''لفلان'' بولتے ہیں۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ساتویں وجہ:......ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول تبلیغ شریعت کی اجرت ہرگز طلب نہیں کرتا، بلکہ وہ صرف اللہ سے اجرت کا طلب گار ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ مَا اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (الفرقان:۵۷)

''فرما دیجئے: میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔''

نیز فرمایا:﴿اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ﴾ (الطور:۴۰)

''کیا آپ اجرت طلب کرتے ہیں کہ وہ تاوان کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں۔''

ارشاد ہوتا ہے:﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ﴾ (سباء۴۷)

''فرما دیجئے: جو بدلہ تم سے مانگوں وہ تمہارے لیے ہے میرا بدلہ تو اللہ ہی کے ذمے ہے۔''

لیکن یہاں پر استثناء منقطع ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ مَا اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا﴾ [الفرقان ۵۷]

''کہہ دیجئے: میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر جو شخص اپنے رب کی طرف راہ پکڑنا چاہے۔''

اس میں شبہ نہیں کہ اہل بیت کی محبت واجب ہے، مگر اس کا وجوب اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا۔ان کی محبت کو رسول کی اجرت بھی نہیں کہہ سکتے، بلکہ یہ ان امور میں سے ہے جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے۔وہ دیگر شرعی ماموارات کی طرح عبادات کی حیثیت رکھتی ہے۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے غدیر خُمّ پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔''[1]

ابوداؤد و ترمذی ونسائی وابن ماجہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! لوگ اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکیں گے جب تک اللہ تعالیٰ اور میری قرابت کی وجہ سے اہل بیت کو چاہنے نہ لگیں۔''[2]

لیکن جس کسی نے اہل بیت کی محبت کو رسول اللہ ﷺ کی اجرت قرار دیا ہے؛ یقیناً اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔

اگر اہل بیت سے ہماری محبت آنحضرت ﷺ کی اجرت رسالت میں داخل ہوتی تو ہمیں اس کا اجر وثواب نہ دیا جاتا۔اس لیے کہ ہم نے آپ کی وہ اجرت ادا کی تھی جس کا آپ رسالت کی بنا پر استحقاق رکھتے تھے۔کیا کوئی مسلمان یہ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (حدیث:۲۴۰۸)۔

[2] سنن ابن ماجۃ، المقدمۃ، باب فضل العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، (حدیث: ۱۴۰)، مستدرک حاکم(۴/ ۷۵) و سندہ ضعیف لانقطاعہ اس کی سند منقطع ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بات کہنے کے لیے تیار ہے؟ یہ بات ہمیں تسلیم ہے کہ دیگر دلائل کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت ہمارے لیے ضروری ہے، مگر اس سے ان کی افضلیت اور امامت و خلافت کیوں کر ثابت ہوئی؟

[إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ] سے استدلال:

آٹھویں وجہ:...... یہاں پر ﴿الْقُرْبَىٰ﴾ کا لفظ ''ال'' لگا کر معرفہ بنا کر لایا گیا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ قرابت دار مخاطبین کے ہاں معروف ہوں؛ جن کے متعلق یہ حکم دیا گیا ہے کہ: ﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ [الشوری ۲۳] ''فرما دیجئے! کہ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔''

ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں اس وقت تک ابھی حسن و حسین رضی اللہ عنہما پیدا ہی نہیں ہوئے تھے؛ اور نہ ہی حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی شادی ہوئی تھی۔ پس آیت میں جن اہل قرابت کے لیے خطاب کیا گیا ہے؛ بہت ناممکن ہے کہ یہ لوگ ہوں۔ بخلاف اس قرابت داری کے جو آپ کے اور قریش کے مابین تھی۔ یہ تعلق و قرابت اس وقت کے لوگوں میں معروف تھا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ فرما رہے ہوں: میں تم سے اس خونی رشتہ داری کی رعایت کا سوال کرتا ہوں جو میرے اور آپ کے مابین ہے۔ جیسا کہ کوئی کہتا ہے: میں آپ سے اپنے اور آپ کے مابین عدل کا سوال کرتا ہوں۔ اور کوئی دوسرا کہتا ہے کہ: میں صرف آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

نویں وجہ:...... ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اس آیت سے استدلال کیے بغیر بھی واجب ہے۔ لیکن آپ کی محبت اور دوستی کے واجب ہونے سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امامت صرف آپ کے لیے ہی خاص ہے؛ اور نہ ہی آپ کی کوئی خاص فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''خلفاء ثلاثہ سے محبت رکھنا ضروری نہیں ہے۔''

**[جواب]**: یہ بات ہمارے لیے ناقابل قبول ہے، بلکہ اہل بیت کی الفت و محبت کے دوش بدوش اصحاب ثلاثہ کی محبت بھی ناگزیر ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ خلفائے ثلاثہ سے محبت رکھتے ہیں اور جس سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہوں اس سے الفت و محبت کا سلوک روا رکھنا ہم پر واجب ہے ''اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰه'' [1] اسلام کا طرہ امتیاز اور ایمان کی مضبوط ترین کڑی ہے۔

خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کبار اہل تقویٰ اولیاء اللہ میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے دوستی رکھنے کو واجب قرار دیا ہے۔ بلکہ کتاب و سنت کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں۔ اس پر قرآنی نصوص موجود ہیں۔ ہر وہ شخص جس سے اللہ راضی ہو جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ سے؛ احسان کرنے والوں سے؛ عدل و انصاف کرنے والوں سے اور صبر کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان لوگوں میں سے افضل ترین لوگ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان نصوص میں

[1] سنن ابی داؤد۔ کتاب السنة۔ باب مجانبة أهل الاهواء (حديث:٤٥٩٩)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



داخل ہیں۔

[تمام صحابہ رضی اللہ عنہم واجب الاحترام ہیں]:

بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسلمانوں کے باہمی رحم و کرم اور الفت و محبت کی مثال ایک جسم جیسی ہے کہ جب اس کا کوئی عضو بیمار پڑتا ہے تو پورا جسم بخار و بیداری سے بے قرار ہو جاتا ہے۔''❶

اس حدیث میں ہمیں خبر دی گئی ہے کہ اہل ایمان آپس میں محبت کرتے ہیں' ایک دوسرے پر شفقت کرتے ہیں اور رحم کی دعا کرتے ہیں۔اور اس باب میں وہ ایک جسم کی مانند ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ایمان نصوص کتاب و سنت اور اجماع امت کی روشنی میں ثابت ہے ؛ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایمان ثابت ہے۔اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں قدح کرنا چاہیے تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایمان کبھی بھی ثابت نہیں کرسکتا۔ بلکہ ہر وہ دلیل جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان پر دلالت کرتی ہے ؛ وہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان پر بہت زیادہ قوت کے ساتھ دلالت کرتی ہے۔اور جو بات بھی باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں قدح کے طور پر بیان کی جاتی ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں بدرجہ اولی قدح کا موجب بنتی ہے۔اس لیے کہ جو رافضی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تعصب کرتا ہے' اور باقی صحابہ پر قدح کرتا ہے ؛ یہود و نصاری کی طرح اس کی حجت بالکل ناکارہ اور بودی ہے؛ جو حضرت عیسی اور موسی علیہما السلام کی نبوت تو ثابت کرنا چاہتے ہیں مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر قدح و اعتراض کرنا چاہتے ہیں۔

ایک رافضی قوت دلیل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والے اور آپ کے ایمان پر قدح کرنے والے خوارج و نواصب کو قائل نہیں کرسکتا۔جیسا کہ اس مکالمہ سے ظاہر ہے۔اگر خارجی و ناصبی ایک شیعہ سے کہیں تمھیں کیوں کر معلوم ہوا کہ علی اللہ کے ولی اور متقی مؤمن ہیں؟''

اگر شیعہ اس کے جواب میں کہے کہ'' مجھے تواتر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ولی اللہ ہونا معلوم ہوا کیوں کہ آپ مسلمان تھے اور اعمال صالحہ انجام دیتے تھے۔''

تو خارجی و ناصبی اس کے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ''نقل متواتر تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کے بارے میں بھی موجود ہے۔بلکہ ان لوگوں کی نیکیوں کے بارے میں موجود تواتر کسی بھی معارض سے محفوظ ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نقل کردہ تواتر سے بڑھ کر ہے۔''

اگر شیعہ کہے کہ قرآن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ولی اللہ ہونا ثابت ہے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم(حدیث:٦٠١١)، صحیح مسلم کتاب البر والصلة۔باب تراحم المؤمنین(حدیث:٢٥٨٦)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تو خوارج و نواصب کہہ سکتے ہیں کہ ''قرآنی عمومات میں تو دیگر صحابہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہیں؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الفتح ۱۸]

''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوگیا۔''اور اس طرح کی دوسری آیات بھی ہیں۔

مگر تم شیعہ اکابر صحابہ کو ان عمومات سے خارج کرتے ہو؛ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی جماعت کی بجائے آسان تر ہے کہ صرف ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے خارج کر دیا جائے۔

اگر شیعہ کہے کہ ''احادیث نبویہ سے اور ان کی شان میں قرآن کے نزول سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ولی ہونا ثابت ہے۔''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل و مناقب کی احادیث کثرت کے ساتھ اور واضح ہیں مگر شیعہ ان پر تنقید اور اعتراض کرتے ہیں۔ دوسری جانب فضیلت علی رضی اللہ عنہ میں شیعہ جو روایات بیان کرتے ہیں ان کے ناقل وہی صحابہ ہیں جو شیعہ کے نزدیک مطعون ہیں۔ اب دو ہی صورتیں ہیں:

۱۔ اگر صحابہ پر شیعہ کی جرح و قدح درست ہے تو فضیلت علی رضی اللہ عنہ میں ان کی روایات بھی معتبر نہیں ہیں۔

۲۔ اگر فضیلت علی رضی اللہ عنہ کی روایات قابل اعتماد ہیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر شیعہ کے مطاعن لغو ہیں۔

اگر روافض کہیں کہ فضیلت علی رضی اللہ عنہ کی روایات شیعہ کی نقل اور تواتر کے مطابق معتبر ہیں۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی بھی رافضی نہیں تھا۔ اور معدودے چند کے سوا شیعہ کے نزدیک سب صحابہ رضی اللہ عنہم مطعون ہیں۔ ❷

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم(حدیث:۶۰۱۱)، صحیح مسلم کتاب البر والصلة۔ باب تراحم المؤمنین(حدیث:۲۵۸۶)۔

❷ کافی میں ہے: ابوجعفر-علیہ السلام- سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں:''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگ مرتد ہو گئے تھے' سوائے تین کے۔ میں نے کہا: وہ تین کون تھے۔ فرمایا: اور تین ہیں: حضرت مقداد بن اسود؛ اور حضرت ابو ذر غفاری؛ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد لوگوں نے پہچان لیا۔ اور فرمایا یہی لوگ تھے جن پر-ظلم کی- چکی چلی۔ اور انہوں نے بیعت کرنے سے انکار کیا۔ یہاں تک کہ امیر المؤمنین کو زبردستی پکڑ کر لائے' اور انہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی بیعت کی۔'' روضة الکافی ۸/ ۲۴۵-۲۴۶' روایت نمبر ۳۴۱۔

شیعہ شیوخ کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مسلمان مرتد ہو گئے تھے۔ لہٰذا شیعہ عالم محمد رضا مظفر کہتا ہے:''نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور ہر مسلمان نے بھی یقیناً فوت ہونا ہے، مجھے اب معلوم نہیں، وہ سب مرتد ہو گئے تھے۔[السقیفة: ۱۹]

بلکہ شیعہ یہاں تک کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام انسانوں میں سے صرف ایک شخص ایمان لایا تھا اور وہ شخص تھا جو اپنے ملک سے حقیقی مذہب کی تلاش میں نکلا تھا، اور وہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔''[کتاب الشیعة و السنة فی المیزان:۲۰۔ ۲۱۔]

شیعہ کے علامہ الجزائری بیان کرتے ہیں کہ ابوجعفر علیہ السلام نے فرمایا:''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چار افراد کے سوا تمام لوگ مرتد ہو گئے ⇦⇦⇦

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کہا جاتا ہے کہ دس سے زائد صحابہ ایسی روایات کے نقل کرنے میں یک زبان ہیں، جب روافض جمہور صحابہ کی مرویات کو صحیح تسلیم نہیں کرتے تو معدودے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ احادیث کیوں کر ان کے نزدیک حجت ہوں گی؟ اس مسئلہ پر اپنی جگہ پر تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے۔

یہاں پر مقصود یہ ہے کہ شیعہ کا قول کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ تینوں خلفاء کرام رضی اللہ عنہم کی محبت واجب نہیں۔'' جمہور کے ہاں یہ کلام باطل ہے۔ بلکہ اہل سنت و الجماعت کے ہاں ان تینوں حضرات کی محبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت سے بڑھ کر واجب ہے۔ اس لیے کہ محبت فضیلت کی مقدار کے لحاظ سے واجب ہوتی ہے۔ پس جس کی جتنی زیادہ فضیلت ہوگی؛ اس کی محبت بھی اتنی زیادہ واجب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا﴾ [مریم ۹۶]۔

''بیشک جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے؛ ان کے لیے اللہ رحمن محبت پیدا کردے گا۔''

اس کی تفسیر میں علمائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے محبت کرتا ہے' اور لوگوں کے دلوں میں بھی ان کے لیے محبت ڈال دیتا ہے۔ یہ جماعت اس امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سے افضل ترین لوگ تھے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے۔ [1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

⇦⇦⇦ تھے۔ وہ چار یہ ہیں: سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود اور عمار۔ اس بات میں ذرہ برابر اشکال نہیں ہے۔ [الأنوار النعمانية: ۱/ ۸۱۔]

فضیل بن یسار، ابوجعفر سے بیان کرتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''بیشک جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو چار افراد کے سوا تمام لوگ جاہلیت کی طرف لوٹ گئے تھے؛ وہ چار یہ ہیں: علی، مقداد، سلمان اور ابوذر۔'' میں نے پوچھا حضرت عمار کو شمار نہیں کیا؟ تو انہوں نے فرمایا: اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ وہ لوگ جو بالکل تبدیل نہ ہوئے تو وہ یہی تین ہیں۔ حالانکہ پہلے چار افراد ذکر کیے تھے؟!''

تفسير العياشي: ۱/ ۲۲۳۔ حديث نمبر: ۱٤۹ سورة آل عمران۔ تفسير الصافي: ۱/ ۳۸۹ تفسير البرهان: ۱/ ۳۱۹۔ بحار الأنوار: ۲۲/ ۳۳۳۔ حديث نمبر: ٤٦۔ باب فضائل سلمان وأبي ذر۔''

شیعہ عالم الکاشانی لکھتا ہے: ''صحابہ سے علم حاصل کرنے والے- تابعین- میں سے اکثر لوگ صحابہ کرام کی حقیقت سے لاعلم تھے؛ اس لیے وہ انہیں عادل قرار دیتے تھے۔ اور ان کے ہاں یہ طے شدہ تھا کہ تمام صحابہ عدول ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک نے بھی راہ حق سے روگردانی نہیں کی۔ انہیں یہ پتہ چل نہیں سکا کہ ان میں سے اکثر کے دلوں میں نفاق تھا۔ وہ اللہ پر بڑی جرأت سے باتیں بناتے اور رسول اللہ کی دشمنی میں ان پر الزام تراشیاں کرتے ہیں' اور خود نافرمانی پر سربستہ ہیں۔'' [تفسير الصافي: ۱/ ۹ (کتاب کا دیباچہ)۔]

[شیعہ کے امام خمینی کا کہنا ہے کہ: ''صحابہ رضی اللہ عنہم کو منافقین کا نام دیا جاتا تھا۔ [الحكومة الاسلامية: ٦۹۔ دیکھیے: علي و منا وئوه: ۱۲]

[1] یعنی دنیا میں لوگوں کے دلوں میں اس کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے محبت پیدا کردے گا، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: جب اللہ تعالیٰ کسی (نیک) بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو اللہ جبرائیل علیہ السلام کو کہتا ہے، میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ پس جبرائیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنی شروع کر دیتے ہیں پھر جبرائیل علیہ السلام آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت کرتا ہے، پس تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین میں اس کے لیے قبولیت اور پذیرائی رکھ دی جاتی ہے۔ (صحيح بخاری)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ [الفتح ۲۹]

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے گا رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے۔ ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے۔ مثل اس کھیتی کے جس نے انکھوا نکالا پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہوگیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔'' ❶

[یہ درست ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کا محبوب ہونے کے اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت ہم پر واجب ہے۔ تاہم دیگر صحابہ کی محبت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا]۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا تھا کہ:

''سب لوگوں میں سے آپ کو عزیز تر کون ہے؟ فرمایا: ''عائشہ۔''

''عرض کیا گیا مردوں میں سے کون عزیز ہیں؟ فرمایا: ''ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق۔'' ❷

صحیح حدیث میں ہے سقیفہ بنی ساعدہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا تھا:

''آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے بہتر اور نبی کریم ﷺ کو ہم سب سے عزیز ہیں۔'' ❸

---

❶ یعنی مسلمان پہلے صرف ایک تھا اور وہ تھی رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس جو اپنی نبوت پر سب سے پہلے خود ایمان لائے۔ پھر ایک سے دو ہوئے، دو سے تین، تین سے سات۔ اسی طرح رفتہ رفتہ اسلام کا پودا زمین سے باہر نکل آیا۔ فتح مکہ کے دن یہ پودا ایک مضبوط اور تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا۔ جب یہ مضبوط درخت بن کر اپنی جڑوں پر استوار ہوگیا۔ اس درخت کی آبیاری اور نگہداشت کرنے والی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ مقدس جماعت تھی جو نبی اخر الزمان پر ایمان لائے تھے پھر عمر بھر دل و جان سے آپکی اطاعت کرتے اور آپکے اشاروں پر چلتے رہے۔ ایسے لوگوں کا اللہ کے ہاں اجر بھی بہت زیادہ ہے جو ان کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں کو معاف کر کے انہیں جنت کے بلند درجات عطا فرمائے گا۔ اس آیت سے بعض علما نے یہ استنباط کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جلنے والا اور ان کے متعلق بغض اور کینہ رکھنے والا شخص کبھی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ [الدراوی]

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ۔ باب قول النبی ﷺ "لوکنت متخذًا خليلاً" (ح:۳۶۶۲) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (ح:۲۳۸۴)۔

❸ صحیح بخاری حوالہ سابق (حدیث:۳۶۶۸)، مطولاً۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اس کی تصدیق ان احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جو صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں مشہور ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''اگر میں اس امت میں سے کسی کو گہرا دوست بنانا چاہتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا؛ لیکن اسلام کی محبت [سب کے لیے ہے ]''[1]

اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ روئے زمین بسنے والوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سب بڑے حق دار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہو؛ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی محبوب ہوتا ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کا محبوب ہو؛ وہ اس بات کا بہت زیادہ حق دار ہے کہ اہل ایمان ان سے محبت کرتے رہیں۔ اس لیے کہ اہل ایمان اسی سے محبت کرتے ہیں جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہوں۔ اور اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس محبت کے سب بڑے حق دار ہونے کے دلائل بہت سارے ہیں۔ تو پھر یہ بات کہنے کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ مفضول سے محبت کرنا تو واجب ہے؛ مگر افضل سے محبت کرنا واجب نہیں ہے۔

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت ان کی محبت کے منافی ہے۔ آپ کے احکامات کی تعمیل کرنا آپ کی محبت ہے؛ تو آپ واجب الاطاعت ٹھہرے؛ یہی امامت کا معنی ہے۔''

**[جواب]**: اس کا جواب کئی طرح سے دیا جاسکتا ہے:

پہلا جواب:...... یہ ہے کہ اگر کسی سے محبت رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت واجب ٹھہرتی ہے تو اقارب کی اطاعت بھی ضروری ہوگی، اس لیے کہ ان کی محبت واجب ہے۔ جس سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا امام ہونا لازم آتا ہے۔ اور اگر یہ باطل ہے تو پھر باقی امور بھی اسی کی طرح باطل ہیں۔

دوسرا جواب:...... محبت کے واجب ہونے کی صورت میں محبت و مودت کسی طرح بھی امامت کو مستلزم نہیں۔ اور نہ ہی جس کسی کی محبت واجب ہو تو وہ امام بن جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی محبت ان کے امام بننے سے پہلے بھی واجب تھی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں امام نہیں تھے؛ پھر بھی آپ کی محبت واجب تھی۔ بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے تک بھی آپ کی محبت واجب تھی۔

تیسرا جواب:...... اگر محبت کو امامت کا ملزوم قرار دیا جائے تو ملزوم کا انتفاء لازم کی نفی کا تقاضا کرتا ہے۔ بنا بریں صرف اسی شخص کی محبت لازم ہوگی جو امام معصوم ہو۔ تو اس صورت میں کسی بھی مؤمن سے محبت نہیں کی جائے گی اور نہ ہی کسی اہل ایمان سے محبت و مودت رکھنا واجب ہوگی؛ اس لیے کہ وہ امام نہیں۔ نہ ہی شیعان علی اور نہ ہی کوئی دوسرا۔ یہ

[1] صحیح بخاری حوالہ سابق (حدیث:۳۶۵۸)، عن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (حدیث:٤/ ۲۳۸۳) عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بات اجماع کے بھی خلاف ہے اور اسلام میں ضرورت کے تحت معلوم شدہ امور کے بھی خلاف ہے۔

چوتھا جواب: شیعہ کا یہ قول ہے کہ ''مخالفت محبت کے منافی ہے۔''

ہم پوچھتے ہیں: ایسا کب ہوگا؟ جب محبت واجب ہوگی یا پھر مطلق طور پر؟ مطلق کہنے کی صورت میں یہ ممنوع ہے۔

وگرنہ جو کوئی کسی دوسرے پر کوئی ایسی چیز واجب کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب نہیں کی؛ تو پھر اگر وہ اس کا حکم ماننے میں اس کی مخالفت کرے گا تو اس سے محبت کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور کوئی مؤمن کسی مؤمن سے اس وقت تک محبت کرنے والا نہیں ہوسکتا جب تک اسکی اطاعت کے واجب ہونے کا یقین نہ کرلے؛ اس نظریہ کی خرابی صاف ظاہر ہے۔

پہلی صورت میں: جب مخالفت صرف اسی صورت میں محبت میں قادح ہوتی ہے جب وہ شخص واجب الاطاعت ہو۔ اس صورت میں پہلے وجوب اطاعت کا علم ضروری ہے۔ تاکہ اس کی مخالفت کی صورت میں اس کی محبت پر قدح کرسکیں۔ جب اطاعت کو اس لیے واجب قرار دیا جائے گا کہ محبت واجب ہے تو دور لازم آئے گا؛ جو کہ ممتنع ہے۔ اس لیے کہ کسی مخالفت سے اس وقت تک محبت پر قدح نہیں کی جاسکتی جب تک اس کی اطاعت کا واجب ہونا معلوم نہ ہو۔ اور اطاعت کا واجب ہونا اس وقت تک معلوم نہیں ہوسکتا جب تک یہ معلوم نہ ہوجائے کہ وہ امام ہے۔ اور امام ہونے کا اس وقت تک علم نہیں ہوسکتا جب تک اس کی محبت واجب ہونے کا علم نہ ہو' اور یہ علم ہو کہ اس کی مخالفت محبت میں قدح کا سبب ہوگی۔

پانچواں جواب:...... [ہم پوچھتے ہیں] کیا مخالفت محبت میں اسی صورت میں قادح ہوسکتی ہے [جب وہ شخص امام ہو] اور اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہو یا نہ دیا گیا ہو؟

دوسرے جواب کی ضرورت کے تحت نفی کی گئی ہے۔ جب کہ پہلے جواب کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں ایسا نہیں کیا تھا۔

چھٹا جواب:...... یہی بات حضرات خلفاء ثلاثہ کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے۔ حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی محبت و اطاعت بھی واجب ہے۔ اور ان کی مخالفت ان کی محبت میں قادح ہے۔

ساتواں جواب:...... اس حدیث میں سے ترجیح کے امور: اس لیے کہ شیعہ نے اپنی ولایت و محبت اور اطاعت کے دعوی کے ساتھ ساتھ امامت کا بھی دعوی کیا ہے۔ اور [ان کا دعوی ہے کہ] اللہ تعالیٰ نے ان کی اطاعت واجب کی ہے۔ اور ان کی مخالفت ان کے ساتھ محبت میں قادح ہے۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں بھی قدح کا سبب ہے۔ او راس میں کوئی شک نہیں کہ جس نے رافضیت کی بدعت کو ایجاد کیا؛ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والا نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کا پکا دشمن تھا۔

ان لوگوں کا اہل سنت کے ساتھ ایسے ہی معاملہ ہے جیسا عیسائیوں کا مسلمانوں کے ساتھ۔ اس لیے کہ عیسائی حضرت عیسی علیہ السلام کو تو رب قرار دیتے ہیں' اور حضرت ابراہیم؛ موسیٰ؛ اور محمد علیہم السلام کو ان حواریوں سے بھی کم درجہ کا سمجھتے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہیں جو حضرت عیسی علیہ السلام کے ساتھ تھے۔

یہی حال شیعہ کا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام معصوم ؛ یا نبی یا پھر خدا تک قرار دیتے ہیں' اور باقی خلفاء رضی اللہ عنہم کو اشتر نخعی ؛ اوراس جیسے ان لوگوں سے بھی کم تر قرار دیتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر برسر پیکار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی جہالت اور دروغ گوئی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اسے احاطہء تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ ان کا بڑا سہارا جھوٹی منقولات ؛ متشابہ الفاظ ؛ فاسد قیاس ؛ اوراس طرح کی چیزیں ہیں مگر اس پر مستزاد یہ کہ سچی منقولات اور تواتر ؛ واضح دلائل و نصوص اور صریح معقولات کا دعوی کرتے ہیں۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آٹھویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کی آٹھویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَہُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ﴾ (البقرۃ ۲۰۷)

''اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں۔''

ثعلبی کہتے ہیں: جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ کیا تو قرض اور امانتوں کی ادائیگی کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ میں ہی رہنے دیا۔ جس رات آپ غار کی جانب چلے اور کفار قریش نے آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تھا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپ کی سبز چادر اوڑھے آپ کے بستر پر سو رہیں۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:'' یا علی ! میری سبز حضرمی چادر اوڑھ کر میرے بستر پر لیٹ جاؤ کفار آپ کو کوئی تکلیف نہیں دے سکیں گے۔ ان شاء اللہ۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تعمیل ارشاد کردی۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل و میکائیل کی طرف وحی کی کہ میں نے تمہارے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کیا ہے؛ اور ایک کی عمر دوسرے سے طویل کردی ہے۔ بتایئے تم میں سے کون اپنی زندگی کا حصہ دوسرے کو عطا کرتا ہے۔ دونوں نے جینے کو پسند کیا اور کوئی بھی ایثار نہ کرسکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:'' تم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقلید نہ کی۔ میں نے محمد و علی کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سو گئے اور ان کے لیے یہ ایثار قبول کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو زمین پر اترنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حفاظت کرنے کا حکم دیا۔ جبرائیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر کے پاس کھڑے ہوگئے اور میکائیل پاؤں کے پاس۔ جبرائیل نے کہا:'' شاباش ! اے علی! تیرے جیسا اور کون ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تیری وجہ سے فرشتوں پر فخر کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عازم مدینہ تھے کہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی:﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَہُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ﴾ (البقرۃ ۲۰۷)

''اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں نازل ہوئی جب آپ مکہ سے غار ثور کی طرف جارہے تھے۔ اس فضیلت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ منفرد ہیں۔ بنا بریں یہ واقعہ باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آپ کی فضیلت پر زبردست دلیل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ ہی امام ہیں۔ (شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا۔)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



**جواب:** اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

پہلی بات:......ہم شیعہ مصنف سے اس واقعہ کی صحت نقل کا مطالبہ کرتے ہیں۔کسی روایت کو ثعلبی یا اس کے امثال کا نقل کر لینا حجت کے لیے کافی نہیں؛ بلکہ ان کی طرف منسوب کرنے میں ہی اس کا جھوٹ ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ان کی روایت باتفاق شیعہ و اہل سنت حجت نہیں ہے۔اس لیے کہ یہ بہت ہی متأخر مرسل ہے۔اور روایت کی اسناد ذکر نہیں کرتا۔اس کی روایات میں اسرائیلیات ؛اسلامیات اور ایسے امور پائے جاتے ہیں جن کا موضوع ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے۔اگرچہ ثعلبی خود جان بوجھ کر جھوٹ نہ بھی بولتا ہو۔

دوسری بات:...... یہ روایت باتفاق محدثین و مفسرین اور سیرت نگاروں کے جھوٹ ہے۔[اس لیے اسے بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا]۔اور حدیث کی صحت جاننے کے لیے ان ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

تیسری بات:......حقیقت یہ ہے کہ جب نبی کریم رضی اللہ عنہ نے ہجرت فرمائی۔قریش مکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قطعی طور پر بے تعلق تھے۔ان کا اصلی مطلوب نبی کریم رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔قریش مکہ نے انعام بھی انہی دو حضرات کو پکڑنے والے کے لیے مقرر کیا تھا۔جیسا کہ روایات صحیحہ میں مذکور ہے؛ جن کی صحت میں کسی بھی عاقل کو ادنیٰ شک بھی نہیں ہوسکتا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کے بستر پر سلانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ قریش اس وہم میں مبتلا رہیں کہ آپ گھر ہی میں ہیں اور آپ کی تلاش نہ کریں۔جب صبح ہوئی تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہاں پر سوئے ہوئے پایا؛ تو قریش پر اپنی ناکامی کا راز فاش ہوا۔تاہم انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ ایذاء نہ پہنچائی۔ان سے صرف یہ دریافت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔یہاں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی کی بھی طرف سے ہرگز کوئی خوف ہی نہیں تھا۔خوف تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں تھا۔اگر انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی پرخاش ہوتی تو وہ انھیں ضرور تکلیف پہنچاتے۔کفار مکہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تعرض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کا کوئی واسطہ نہ تھا۔تو پھر کون سی جاں نثاری اور قربانی کا ذکر کیا جارہا ہے؟

جس شخص نے قصداً آپ کا دفاع کیا؛ اور اس کے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر آگے بڑھے؛ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے،خود آپ کو بھی خطرہ لاحق تھا۔مگر پھر بھی آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے نقطہ خیال سے دوران سفر کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ہوتے اور کبھی پیچھے۔❶ جب آپ کو پیچھے تلاش کرنے والوں کا خیال آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہو لیتے ؛ اور جب آگے گھات کا خیال آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ہوجاتے۔اور آگر نکل کر خبر لیتے کہ کہیں کوئی انتظار میں یا گھات لگائے ہوئے تو نہیں۔جب کوئی خوف محسوس ہوتا تو آپ چاہتے کہ یہ پریشانی انہی پر آئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ آئے۔❷

❶ البخاری باب ھجرۃ النبی ﷺ و اصحابہ (ح:۳۹۰۶)سیرۃ ابن ھشام(ص:۲۲۲) مسند احمد(۱/ ۳۴۸)

❷ سیرۃ النبی لابن کثیر(۱/ ۴۵۶) ، مستدرك حاكم(۳/ ۶) دلائل النبوۃ(۲/ ۴۷۶) عن محمد بن سیرین مرسلاً

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کئی صحابہ نے مختلف لڑائیوں میں اپنی جانیں تک نبی کریم ﷺ پر نثار کی تھیں۔بعض شہید ہوئے اور بعض کے اعضاء تک شل ہوگئے۔مثلاً طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کٹ گیا تھا۔[1]

نبی کریم ﷺ کی تائید ونصرت مسلمانوں پر واجب ہے۔اگر مان لیا جائے کہ مکہ مکرمہ میں بستر پر لیٹنا جان نثاری تھی؛ اوراس میں فضیلت کا پہلو موجود ہے تب بھی یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت نہیں ؛ بلکہ دوسرے لوگ بھی اس میں آپ کے شریک ہیں۔اس لیے کہ دوسرے کئی صحابہ کرام نے بھی کئی مواقع پر رسول اللہ ﷺ پر جان نثاری کا حق ادا کیا ہے۔تو پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوئی خطرہ ہی نہ تھا تو یہ کیسے خصوصیت ہوئی ؟

سیرت ابن اسحاق میں ہے-حالانکہ ابن اسحاق کا شمار متولین علی رضی اللہ عنہ اوران کی جانب میلان رکھنے والوں میں ہوتا ہے-اس نے ہجرت کی رات مکہ مکرمہ میں اپنے گھر سے نبی کریم ﷺ کے خروج اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بستر پر لیٹانے کا واقعہ لکھا ہے؛[وہ لکھتا ہے ] : جبرائیل امین نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔رات کے اندھیرے میں کفار آپ کے دروازے پر جمع ہوکر انتظار کرنے لگے کہ جب سو جائیں تو آپ پر حملہ کردیں۔

ان کو کھڑے دیکھ کر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا:''میرے بستر پر میری سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سو جائیں کفار آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔''[سیرۃ ابن هشام(ص:۲۲۲) ، مسند احمد(۱/ ۳۴۸)]

## واقعہ ہجرت:

محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

''جب کفار مکہ نبی کریم ﷺ کی تلاش میں جمع ہوئے تو ان میں ابوجہل بھی تھا۔اس نے کہا: محمد کہتا ہے:'' اگر تم ان کی پیروی کروگے تو عرب وعجم کے بادشاہ بن جاؤ گے اور موت کے بعد جب دوبارہ زندہ ہوگے تو تمھیں ایسے باغات ملیں گے جیسے اردن کے باغات ہیں اور اگر تم نے ان کی پیروی نہ کی تو وہ تمھیں ہلاک کرڈالیں گے اور بعدازموت جب اٹھائے جاؤ گے تو تمھیں آگ میں جلایا جائے گا۔''

راوی کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ گھر سے نکلے اور مٹھی بھر مٹی ان پر دے ماری، پھر فرمایا: ہاں میں یوں ہی کہتا ہوں۔ابوجہل کو مخاطب کرکے فرمایا: تو بھی آگ میں جلنے والوں میں سے ایک ہے۔اللہ تعالیٰ نے کفار کی قوت بصارت سلب کرلی اور وہ آپ کو دیکھ نہ سکے۔یہ مٹی ان سب آدمیوں کے سر پر پڑی۔کوئی بھی ایسا نہیں بچا جس کے سر پر وہ مٹی نہ پڑی ہو۔ اور وہ ادھر ادھر منتشر ہوگئے۔ پھر ایک شخص ان کے پاس آیا؛ جو ان کے ساتھ نہیں تھا؛ اس نے کہا:''تم یہاں کس کا انتظار کررہے ہو؟''

انھوں نے کہا:''محمد ﷺ کا۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی باب ﴿اِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ......﴾ (حدیث:۴۰۶۳)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



وہ کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! محمد جا چکے ہیں تم اپنے مقصد میں ناکام ہوئے۔ جاتے جاتے وہ تمہارے سروں پر خاک بھی جھونک گئے ہیں۔'' کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔

چنانچہ کفار میں سے ہر آدمی نے اپنا ہاتھ اپنے سر میں ڈالا تو دیکھا کہ ان کے سر پر مٹی پڑی ہے۔ پھر وہ گھر میں ادھر ادھر جھانکنے لگے کیا دیکھتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ آپ کی چادر اوڑھے سوئے ہیں۔ وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر تانے سو رہے ہیں۔ اتنے میں صبح ہوگئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے؛ تو کفار نے کہا: ''اس شخص نے سچی بات کہی تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے چلے گئے ہیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ﴾ [الانفال: ۳۰] [سیرۃ ابن ھشام، ص: ۲۲۱]

''اور یاد کریں جب کافر آپ کے خلاف تدابیر کر رہے تھے کہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا مکہ سے نکال دیں وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔''

نیز یہ آیت بھی نازل ہوئی: ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ﴾ [الطور ۳۰]

''یا وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے جس پر ہم زمانے کے حوادث کا انتظار کرتے ہیں۔''

اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ہجرت کی اجازت عطا فرمائی۔ اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ان لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی غرض نہیں تھی۔''

مذکورہ صدر روایت سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا کہ:

''میرے بستر پر میری سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سو جائیں کفار آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے۔''

بنا بریں حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کی روشنی میں ہر طرح سے مسرور و مطمئن تھے۔

چوتھی بات:...... خود اس روایت میں اس کے جھوٹ ہونے کے وہ دلائل موجود ہیں جو کسی پر بھی مخفی نہیں رہ سکتے۔ اس لیے کہ ملائکہ کے بارے میں ایسی باطل باتیں نہیں کہی جاسکتیں جو ان کی شایان شان نہ ہوں۔ ان میں سے کوئی ایک بھوکا نہیں تھا کہ دوسرے کو کھانے میں ترجیح دیتا۔ اور نہ ہی ان کے لیے کوئی خوف تھا کہ امن والا خوف والے کو ترجیح دیتا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف یہ بات کیسے منسوب کی جاسکتی ہے کہ اس نے فرشتوں سے کہا: تم میں سے کون ہے جو اپنے ساتھی کی زندگی کو ترجیح دے؟ نیز فرشتوں کے مابین اصل میں کوئی مواخات نہیں۔ بلکہ جبریل کی اپنی خاص ذمہ داری ہے؛ میکائیل کی اپنی خاص ذمہ داری ہے جو جبریل کی نہیں۔ جیسا کہ احادیث مبارکہ میں آتا ہے؛ کہ وحی لیکر آنا اور مدد لیکر نازل ہونا جبریل امین کی ذمہ داری ہے۔ اور روزی اور بارش پہنچانا میکائیل کی ذمہ داری ہے۔

پھر اگر اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر ہی دیا تھا کہ ان میں سے ایک کی عمر دوسرے کی نسبت زیادہ ہوگی؛ تو پھر ویسے ہی ہونا تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا تھا۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا فیصلہ بھی ہوگیا تھا؛ اور اب مشیت الٰہی یہ تھی کہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



دونوں کا لمبی عمر پر اتفاق ہوجائے ؛ یا ایک اپنی عمر کا کچھ حصہ دوسرے کو دیدے اور دونوں اس پر راضی بھی ہوں تو پھر اس میں کسی کلام کی کوئی گنجائش باقی نہیں ۔ اور اگر وہ اس پر راضی نہیں تھے' بلکہ اس کو نا پسند کرتے تھے تو پھر اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کے لیے کیسے یہ مناسب ہوسکتا ہے کہ وہ فرشتوں کے مابین بغض و عداوت ڈالے ۔- یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب اس بات کو سچ تسلیم کرلیا جائے ۔ مگر اللہ تعالیٰ ایسی بودی اور بیہودہ باتوں سے بہت بلند و بالا اور منزہ و مبرا ہے -۔

پھر اگر اس بات کو- بطور مناظرہ- باطل ہونے کے باوجود صحیح بھی مان لیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ فرشتوں کی تخلیق آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بہت پہلے ہوئی ہے ؛ اس وقت سے لیکر ہجرت کے بعد تک اس معاملہ میں تاخیر کیوں کی گئی ؟ اگر واقعی کچھ ایسا ہی تھا تو پھر ان فرشتوں کی پیدائش کے فوراً بعد اس کے بارے میں فیصلہ ہوجانا چاہیے تھا۔

پانچویں بات :...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مواخات کی روایت بھی صحیح نہیں اور نہ ہی آپ نے کسی دوسرے سے کوئی مواخات قائم کی ۔ اس بابت جو کچھ روایت کیا جاتا ہے ؛ وہ سب جھوٹ اور دروغ گوئی ہے ۔ حدیث مواخات جو اس بارے میں روایت کی جاتی ہے ؛ اس میں ضعف و بطلان کے باوجود واضح ہے کہ مواخات مدینہ طیبہ میں ہوئی تھی ۔ امام ترمذی نے ایسے ہی روایت کیا ہے ۔ جبکہ مکہ میں مواخات کی روایت ہر دو لحاظ سے باطل ہے ۔ لیکن یہ بھی اس روایت میں کہیں بھی جانثاری ؛ یا اپنی زندگی پر ترجیح دینے کا کوئی ذکر نہیں ۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے ۔

چھٹی بات :...... جبریل و میکائیل دو فرشتوں کا ایک انسان کی حفاظت کے لیے نازل ہونا سب سے بڑی جھوٹی بات ہے ۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی مخلوق میں سے کسی کی حفاظت اس کے بغیر بھی کرسکتا ہے ۔ ان فرشتوں کا بدر کے دن جنگ کرنے کے لیے اور اس طرح کے بڑے اور اہم ترین امور میں نازل ہونا ثابت ہے ۔ اگر انہوں نے کسی ایک آدمی کی حفاظت کے لیے نازل ہونا تھا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے نازل ہوتے ؛ جن کی تلاش میں ہر طرف سے کفار اُمڈ پڑے تھے اور ان دونوں حضرات یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر انہوں نے انعام بھی مقرر کر رکھے تھے ۔ اور یہی دو حضرات کفار پر سخت گراں بھی تھے ۔

ساتویں بات :...... علاوہ ازیں یہ آیت ﴿مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ﴾ سورۂ بقرہ میں ہے جو بالاتفاق مدنی سورت ہے ۔ سورت بقرہ ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی ۔ ہجرت تک اس کا نزول نہیں ہوا تھا ۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی اور مشرکوں نے آپ کو پکڑنا چاہا تو آپ نے اپنا مال ان کو دے دیا اور خود مدینہ پہنچ گئے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

''ابو یحییٰ ! یہ سودا سود مند ہے ۔'' (یہ واقعہ متعدد تفاسیر میں مذکور ہے) [1]

---

[1] تفسیر ابن جریر (٤/ ٢٤٨)، مستدرك حاكم (٣/ ٤٠٠، ٤٩٨)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث امام مسلم کی شرائط پر صحیح ہے ۔ لیکن اس کو ذکر نہیں کیا ۔ طبری نے اپنی تفسیر میں یہ کلام حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے ۔ آپ فرماتے ہیں: یہ آیت صہیب کے بارے میں نازل ہوئی ۔ اور ابن کثیر نے بھی اپنی ⇦⇦⇦

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



یہ ممکن ہے؛ اس لیے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مفسرین کرام کا اختلاف ہے کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ اور اس سے کون مراد ہے؟ بعض نے کہا ہے: یہ آیت مہاجرین اور انصار کے بارے میں نازل ہوئی؛ اور اس سے مراد مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں۔ اور پھر یہ قول سند کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے: ''یہ آیت بعض خاص لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''

امام قاسم رحمہ اللہ سے روایت ہے؛ وہ کہتے ہیں: ہم سے حسین نے حدیث بیان کی؛ ان سے حجاج نے ان سے ابن جریج نے؛ وہ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں؛ عکرمہ کہتے ہیں: ''یہ آیت حضرت صہیب اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب بدر والوں نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا مگر وہ ان سے چھوٹ کر بارگاہ نبوی میں پہنچ گئے۔ جب واپس لوٹے تو کفار پھر آڑے آئے؛ یہ واقعہ مرّ الظہران نامی جگہ پر پیش آیا۔ آپ پھر ان سے چھوٹ گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوگئے۔ جب کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر والوں نے پکڑ لیا تھا۔ آپ نے فدیہ دے کر ان سے رہائی حاصل کر لی۔ پھر ہجرت کرتے ہوئے نکل پڑے کہ قنفذ بن نفیل بن جدعان نے آپ کو پکڑ لیا۔ آپ کے پاس جو مال رہ گیا تھا؛ وہ اسے دیکر جان چھڑائی۔ علاوہ ازیں آیت کے الفاظ عام ہیں اور رضائے الٰہی؛ اور اطاعت و جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اپنی جان کو فروخت کرنے والا ہر شخص اس میں داخل ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ بیعت الرضوان میں شمولیت کرنے والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موت کی بیعت کی تھی۔ [1]

⇦⇦⇦ تفسیر میں یہ کہا ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے: کہا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر کے آئے تو قریش کے کچھ لوگوں نے ان کا پیچھا اور تعاقب کیا۔ تو وہ اپنی سواری سے نیچے اتر پڑے اور ترکش میں موجود تمام تیر نکال لیے، اور اپنی قوس تیر کمان پکڑ لی اور فرمایا: تم جانتے ہو میں تم سے زیادہ تیر چلانے میں ماہر ہوں، اللہ تعالیٰ کی قسم! تم مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے یہاں کہ میں اپنے ترکش کے سارے تیر پھینک دوں۔ بعد ازاں میں اپنی تلوار سے لڑوں گا جب تک اس کی کوئی شے میرے ہاتھ میں باقی رہی پھر اس کے بعد تم جو چاہو کرو۔ تو انہوں نے کہا: ہم تجھے نہیں چھوڑ سکتے کہ تم غنا اور خوشحالی کی حالت میں ہم سے چلے جاؤ حالانکہ تم ہمارے پاس محتاج بن کر افلاس کی حالت میں آئے تھے۔ لیکن اگر تم مکہ میں موجود اپنے مال پر ہماری راہنمائی کرو تو ہم تمہارا راستہ چھوڑ دیں گے۔ انہوں نے اسی مال کی شرط پر آپ سے معاہدہ کیا، تو آپ نے اسے پورا کر دیا۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی: [تفسیر طبری، ج ۳، ص ۱۹۵]

اور یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت اس کے بارے میں نازل ہوئی جو جنگ میں گھس جاتا ہے، ہشام بن عامر قسطنطنیہ میں لشکر میں داخل ہوئے اور خوب قتال کیا، یہاں تک کہ شہید کر دیے گئے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ومن الناس من یشری نفسه ابتغآ مرضات الله﴾ اور حضرت ابو ایوب سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [تفسیر طبری، جلد ۳، صفحہ ۳۹۵]

اور یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت غزوہ رجیع کے شہدا کے بارے میں نازل ہوئی اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: وہ مہاجرین و انصار ہیں۔

[1] بخاری ح:٤١٦٩، مسلم، ح: ١٨٦٠

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



یہ قول ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ان کا فرمان ہے کہ: اس آیت کے نزول کا سبب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ تھے۔''

آٹھویں بات:......اس آیت کے الفاظ مطلق ہیں۔ اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ ہر وہ انسان جو اپنے آپ کو اللہ کی رضا مندی کے لیے بیچ ڈالے وہ اس آیت کے عموم میں داخل ہے۔ اور سب سے پہلے جو اس میں داخل ہونے کے بڑے حق دار ہیں وہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے اپنی جانوں کو اللہ کی راہ میں پیش کر دیا تھا؛ اور اس وقت میں ہجرت کی جب دشمن ہر طرف سے آپ کی تلاش میں تھا۔

نویں بات:...... رافضی مصنف کا یہ قول کہ: ''یہ فضیلت کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکی۔ یہ آپ کی افضلیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ آپ ہی امام ہوں گے۔''

**جواب:**......اس میں شبہ نہیں کہ غار میں جو فضیلت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی اس میں وہ دیگر صحابہ سے منفرد ہیں۔ کتاب و سنت اور اجماع اس پر دلالت کرتے ہیں۔ جو فضیلت آپ کے لیے ثابت ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ کرام کے لیے بھی ثابت نہیں۔ پس اس بنا پر آپ ہی امام ہوئے۔ اسی طرح واقعہ ہجرت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف بھی صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔ لہٰذا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ برحق تھے۔ یہ وہ سچی دلیل ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبۃ: ۴۰)

''اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو اللہ نے اس کی مدد کی تھی جب کفار نے ان کو نکال دیا تھا وہ دو اشخاص کا دوسرا تھا۔ جب وہ دونوں غار میں تھے اور اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اس طرح کی فضیلت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے کبھی بھی ہرگز حاصل نہیں ہو سکی۔ بخلاف اپنی جان نثار کرنے کے۔ اس لیے کہ کئی ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جانثاری کا حق ادا کیا تھا۔ ہر مسلمان پر ایسا کرنا واجب ہے۔ یہ صرف اکابر صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

فضیلت خصوصیات کی بنا پر ثابت ہوتی ہے؛ مشترکہ امور کی بنا پر نہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی نے کوئی تکلیف نہیں دی۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں دیگر صحابہ کو جسمانی تکلیفیں پہنچی تھیں۔

کبھی ان کو مارا گیا؛ کبھی زخمی ہوئے؛ اور کئی حضرات قتل کر دیئے گئے۔ پس جو اپنی جان پیش کرے اور اسے اذیت بھی دی جائے وہ اس آدمی سے بڑھ کر ہے جو اپنی جان تو پیش کرے؛ مگر اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

علماء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو فضائل صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہیں؛ وہ دوسرے صحابہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مشترک ہیں ۔ بخلاف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے؛ آپ کے فضائل بہت زیادہ ہیں ۔ اور ان میں سے اکثر صرف آپ کے ساتھ ہی خاص ہیں' ان میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں ہے۔ یہ مسئلہ کافی تفصیل طلب ہے؛ جیسے دوسرے مواقع پر تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

## امامت علی رضی اللہ عنہ کی نویں دلیل:

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے:'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی نویں دلیل آیت مباہلہ ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَ اَبْنَآئَكُمْ وَنِسَآئَنَا وَ نِسَآءَ كُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴾

[آل عمران ۶۱]

''پس جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی آپ سے اس میں جھگڑے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور خاص اپنی اپنی جانوں کو بلا لیں، پھر ہم عاجزی کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔''

جمہور کا قول ہے کہ اس آیت میں ﴿ اَبْنَاءَ نَا ﴾ کا اشارہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی طرف ہے۔ ﴿ نِسَاءَ نَا ﴾ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں اور ﴿ اَنْفُسَنَا ﴾ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

یہ آیت امامت علی رضی اللہ عنہ کی زبردست دلیل ہے۔ اس لیے کہ آیت مذکورہ بالا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''نفس رسول'' قرار دیا ہے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک تو ہو نہیں سکتے۔ لہٰذا دونوں کی مساوات کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے قائم مقام ہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر دوسرا کوئی شخص فضیلت میں ان کا ہمسر ہوتا تو اللہ اس کو بھی ساتھ لے جانے کا حکم صادر کرتے ، کیونکہ قبولیت دعا کے لیے ان کی ضرورت تھی جب اہل بیت سب سے افضل ہوئے تو پھر امام بھی وہی ہوں گے۔ یہ آیت اس قدر واضح ہے کہ اس کی دلالت صرف اس شخص پر پوشیدہ رہ سکتی ہے جس پر شیطان نے قبضہ جما رکھا ہو؛ اور اس کے دل کو مکمل طور پر اپنے قبضہ میں کرلیا ہو۔ اور دنیا کو اس کے لیے محبوب بنا دیا گیا ہو؛ وہ اسے اہل حق سے ان کا حق روکے بغیر حاصل نہ کرسکتا ہو۔'' (شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا)۔

**جواب** : جہاں تک مباہلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دونوں بیٹوں کے لے جانے کا تعلق ہے؛ یہ صحیح ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَ اَبْنَآئَكُمْ وَنِسَآئَنَا وَ نِسَآءَ كُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ﴾

[آل عمران ۶۱]

''آپ فرما دیں: آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بلا لیں۔''

تو آپ نے حضرت علی حضرت فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کو بلا کر فرمایا: ''یا اللہ! یہ میرے گھر کے لوگ ہیں۔''❶

مگر اس میں افضلیت اور امامت پر کوئی دلیل موجود نہیں۔

**[اشکال]**: شیعہ کا یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''نفس رسول'' بنا دیا تھا۔ اتحاد محال ہے [یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک تو ہو نہیں سکتے]۔ اب مساوات باقی رہ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام ولایت حاصل تھی؛ پس آپ کے مساوی کے لیے بھی ایسے ہی ولایت ہوگی۔''

**[جواب]**: ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ مساوات کی علاوہ کوئی چیز باقی نہیں بچی۔ اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ بلکہ اسے مساوات پر محمول کرنا ممتنع ہے، کیوں کہ کوئی بھی شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مساوی نہیں ہوسکتا؛ نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نہ ہی کوئی دوسرا۔

نیز ''اَنْفُسَنَا'' کا لفظ لغت میں مساوات کے لیے نہیں بولا جاتا۔ واقعہ افک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ (النور: ۱۲)

''اسے سنتے ہی مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمان کیوں نہ کیا۔''

اس سے مومن مردوں اور عورتوں کا مساوی ہونا لازم نہیں آتا۔ نیز فرمایا:

﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ﴾ (البقرۃ: ۵۴)

''تم اپنے خالق کی طرف رجوع کرو اپنے آپ کو قتل کرو اللہ کے ہاں یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔''

یعنی آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔ اس سے لازم نہیں آیا کہ یہ تمام لوگ آپس میں مساوی ہوں۔ اور نہ ہی جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی وہ ان لوگوں کے مساوی ہیں جنھوں نے اسے نہیں پوجا تھا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (النساء: ۲۹)

''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔''

مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ اگرچہ وہ برابر نہ بھی ہوں۔ [یہ مراد نہیں کہ وہ سب لوگ مرتبہ میں مساوی تھے۔ بخلاف ازیں ان میں بہت کچھ فرق مراتب پایا جاتا تھا]۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (الحجرات ۱۱)

''اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ''

کوئی آپس میں ایک دوسرے پر طعنہ زنی یا ٹھٹھہ جوئی نہ کریں۔ یہ ممانعت تمام اہل ایمان کے لیے ہے۔ یعنی کوئی

❶ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ۔ باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (ح: ۳۲/ ۲۴۰۴)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بھی کسی دوسرے کے ساتھ اس طرح کی عیب جوئی یا طعنہ زنی نہ کرے؛ حالانکہ تمام اہل ایمان آپس میں مساوی نہیں ہے۔نہ ہی احکام میں اور نہ ہی فضیلت میں؛ جیسے ظالم اور مظلوم؛ اور امام اور مأموم وغیرہ۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿ثُمَّ اَنْتُمْ هٰؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ﴾ (البقرۃ:۸۵)

''لیکن پھر بھی تم نے آپس میں ایک دوسرے کو قتل کیا۔''

یعنی بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کو قتل کرنے لگے۔

جب اس آیت میں یہ لفظ:﴿وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ﴾ [آلعمران ٦١] ان دوسری آیات میں وارد لفظ کی طرح تھا؛ جیسا کہ ﴿وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ﴾ (الحجرات ١١) ﴿لَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ (النور:۱۲)؛ حالانکہ یہاں پر مساوات واجب ہی نہیں بلکہ ممتنع ہے؛ ایسے ہی شیعہ مصنف کے استدلال میں بھی یہ لفظ مساوات پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ یہ لفظ مختلف امور کی مشابہت و مماثلت پر دلالت کرتا ہے۔مماثلت اور مشابہت بعض امور میں اشتراک کی وجہ سے ہوتی ہے۔جیسا کہ ایمان میں اشتراک؛ تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:﴿ لَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾(النور:۱۲)؛ میں یہی مراد ہے۔اور ایسے ہی اس آیت میں بھی:﴿وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ﴾ یہی مراد ہے۔

کبھی یہ اشتراک [ظاہر] دین میں پایا جاتا ہے؛ جب ان میں کوئی منافق بھی موجود ہو۔جیسا کہ اسلام میں منافقین کا مسلمانوں کے ساتھ ظاہری اشتراک ۔اور اگر اس کے ساتھ نسب میں بھی اشتراک ہو تو زیادہ پختہ ہوجاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو''اپنے نفوس''اسی اعتبار سے کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَ اَبْنَآئَكُمْ وَنِسَآئَنَا وَ نِسَآءَ كُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ﴾

[آل عمران ٦١]

''تو آپ فرمادیں آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلا لیں۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ ہم اپنے مردوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے مردوں کو بلاؤ۔یعنی وہ مرد جو دین اور نسب میں ہماری جنس سے ہیں' اور وہ مرد جو تمہاری جنس سے ہیں۔یا پھر یہاں پر مجانست سے مراد صرف قرابت ہے۔اس لیے کہ آیت میں یوں فرمایا گیا ہے:

﴿اَبْنَآءَ نَا وَ اَبْنَآئَكُمْ وَنِسَآئَنَا وَ نِسَآءَ كُمْ﴾ [آلعمران ٦١]

''اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو۔''

یہاں پر اولاد؛ عورتوں اور مردوں کا ذکر کیا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ قریبی رشتہ داروں کی اولاد عورتیں اور مرد

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اور اہلِ عصبہ کی اولاد مراد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اولاد میں حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلایا؛ مستورات میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور مردوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو۔ ظاہر ہے کہ عصبات میں سے نبی کریم ﷺ کے قریب ترین رشتہ دار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، پھر آپ نے ان پر اپنی چادر بھی تان دی تھی۔ مباہلہ میں قریبی رشتہ داروں کو شامل کیا جاتا ہے، دور کے رشتہ داروں کو اگرچہ افضل ہوں تب بھی شامل نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ مراد یہ تھی کہ وہ بھی اپنے اقارب کو بلائیں جیسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقارب کو بلایا ہے۔ انسانی نفوس قریبی رشتہ داروں پر بڑی شفقت کے پیکر ہوتے ہیں۔ ایسی شفقت غیروں کے بارے میں نہیں پائی جاتی۔ نصاری جانتے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور ان کو اس بات کا بھی علم تھا کہ اگر انہوں نے مباہلہ کیا تو اس کی ساری مصیبت ان پر ہی گرے گی۔ اس وجہ سے انہیں اپنی جانوں کا اور اپنے عزیز و اقارب کا خوف لاحق ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ مباہلہ کرنے سے پیچھے ہٹ گئے۔ وگرنہ انسان پر کبھی ایسا بھی موقع آجاتا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ میں اگر مر بھی جاؤں تو میرا بیٹا زندہ رہے۔ بوڑھی عمر کا انسان مرنے کو بھی گوارا کرلیتا ہے جب اس کے اہل و عیال و اقارب عیش و آرام میں رہ جائیں۔ اس کی مثالیں بہت ساری موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں سے مطالبہ کیا گیا کہ مباہلہ کے لیے اپنے آپ کو اپنے بیٹوں کو؛ اپنی عورتوں کو اور قریبی مرد رشتہ داروں کو لائیں۔

آیت مباہلہ ۱۰ ھ میں وفد نجران کے وارد مدینہ ہونے پر نازل ہوئی تھی۔ نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس اس وقت زندہ تھے، باقی چچا سب فوت ہو چکے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سبقت اسلام حاصل تھی اور نہ آپ کے ساتھ کوئی اور خصوصیت تھی جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زادوں میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا کوئی بھی نہ تھا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اس سے پہلے سن آٹھ ہجری میں غزوہ موتہ میں شہید ہو چکے تھے۔

ان لوگوں کا متعین ہونا اس وجہ سے تھا کہ نبی کریم ﷺ کے اقارب میں کوئی بھی اور ایسا نہیں تھا جو ان کے قائم مقام ہوسکتا۔ مگر اس سے یہ واجب نہیں ہوتا کہ یہ کسی بھی چیز میں رسول اللہ ﷺ کے مساوی تھے۔ بلکہ اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ اس وجہ سے آپ باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے علی الاطلاق افضل ہوں۔ بلکہ مباہلہ کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک گونہ فضیلت حاصل ہے۔ اور یہ فضیلت بھی حضرت علی؛ حضرت فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے مابین مشترک ہے۔ یہ امامت [ولایت] کی خصوصیات میں سے نہیں ہے۔ اس لیے کہ امامت کے خصائص عورتوں کے لیے ثابت نہیں ہوسکتے۔ اور اس کا تقاضا یہ بھی نہیں ہے کہ آپ کو مباہلہ کے لیے ساتھ لینے کی وجہ سے آپ باقی تمام صحابہ کرام سے افضل ہوگئے۔ جیسا کہ اس سے یہ بھی واجب نہیں ہوا کہ حضرت فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین باقی تمام صحابہ سے افضل ہوجائیں۔

## [آیت مباہلہ سے استدلال]:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''اگر کوئی اور شخص اہل بیت کے مساوی ہوتا یا اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا کی قبولیت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



میں ان سے افضل ہوتا ؛ تو آپ اس کو بھی مباہلہ میں شریک کر لیتے۔کیونکہ یہ ضرورت کا وقت تھا۔''

**[جـــواب]**: یہاں پر اجابت دعا مقصود نہ تھی۔ ورنہ اکیلے رسول اللہ ﷺ کی دعا ہی اس مقصد کے لیے کافی ہوتی۔اگر ان لوگوں کو ساتھ لینے سے مراد استجابت دعا ہوتی تو نبی کریم ﷺ تمام اہل ایمان کو ساتھ بلا لیتے ؛ اوران کے ساتھ مل کر دعا کرتے ۔جیسا کہ نماز استسقاء کے لیے انہیں ساتھ لیکر دعا فرمایا کرتے تھے۔اور پھر فقراء مہاجرین سے فتح کی دعا کروایا کرتے تھے اور ارشاد فرمایا کرتے تھے:

''کیا تم مدد کیے جاتے ہو اور روزی دیئے جاتے ہو مگر تمہارے کمزور لوگوں کی وجہ سے ؛ ان کی دعاؤں ' ان کی نمازوں اوران کے اخلاص کی وجہ سے۔''

یہ بات سب کو پتہ تھی کہ یہ لوگ مستجاب الدعوات ہیں۔دعاء میں زیادہ کثرت ہونے سے قبولیت کے امکان زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔لیکن یہاں پر مقصود یہ نہیں تھا کہ کسی کو اس کے مستجاب الدعا ہونے کی وجہ سے بلایا گیا ہے۔ بلکہ اہل خانہ کو اہل خانہ کے مقابلہ کے طور پر بلایا گیا تھا۔

ہم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اگر نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر وعمر عثمان وعلی ؛ طلحہ وزبیر ؛ ابن مسعود اورابی بن کعب ؛ یا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر کبار صحابہ کو اس مقصد کے لیے طلب کرتے تو یہ سب لوگ تعمیل ارشاد کے لیے حاضر تھے،اوران حضرات کی دعا بھی اجابت میں زیادہ بلیغ [اثر رساں ] ہوتی ؛ مگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے جانے کا حکم نہیں دیا تھا؛ اس لیے آپ نے ایسا نہیں کیا تھا۔کیوں کہ اس سے مباہلہ کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ نجران کے نصاریٰ اپنے ان اقارب واعزہ کو مجلس مباہلہ میں لا رہے تھے جن پر فطری طور پر ان کے دل میں شفقت تھی ؛ جیسے کہ ان کے بیٹے ؛ عورتیں اوراپنے قریب ترین رشتہ دار مرد۔اگر نبی کریم ﷺ اجنبی لوگوں کو بھی اس میں آنے کی دعوت دیتے تو نصاریٰ بھی ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایسے اجنبی اشخاص کی معیت میں مباہلہ میں شرکت کرنا ان پر کچھ بھی شاق نہ گزرتا جس طرح اقارب کے ہوتے ہوئے ان پر گراں گزر سکتا تھا۔ یہ بات انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ اقارب کی تکلیف کا احساس انسان کو خائف و ہراساں رکھتا ہے اجانب کا الم ورنج اسے اس قدر پریشان نہیں کرسکتا۔

جب کسی قوم سے مصالحت کرنا مقصود ہو تو ہر فریق دوسرے سے کہتا ہے کہ اپنے بیوی بچے ہمارے یہاں رہن رکھ دو۔اس کے برخلاف اگر وہ کچھ اجنبی لوگوں کو ان کے پاس گروی رکھ دیں تو وہ اس پر رضا مند نہیں ہوں گے۔ایسے ہی اگر رسول اللہ ﷺ اجنبی لوگوں کو بلا لاتے تو فریق مخالف اس پر ہرگز راضی نہ ہوتا۔کسی شخص کے اہل بیت ہونے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ وہ دوسروں کی نسبت افضل ہیں۔

اس سے واضح ہوگیا کہ اس آیت مبارکہ میں اصل میں رافضی کے مطلب کی کوئی دلیل سرے سے موجود ہی نہیں۔لیکن یہ رافضی اوراس کے امثال جن کے دلوں میں کجی پائی جاتی ہے ؛ان نصاری کی طرح ہیں جو کہ مجمل الفاظ کا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



سہارا لیتے ہیں اور صریح نصوص کو ترک کر دیتے ہیں۔ پھر اپنے اس جھوٹے گمان کی بنیاد پر امت کے بہترین لوگوں میں قدح کرنا؛ اور ''انفس'' کے لفظ سے مساوات مراد لینا یہ لغت عرب کے بھی خلاف ہے۔

دوسری بات:......جس سے معاملہ کی مزید وضاحت ہوتی ہے کہ ''نســاء نــا'' یعنی ''ہماری عورتیں'' کا لفظ صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ اس میں دوسری بیٹیاں بھی اسی منزلت پر ہیں ۔لیکن اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں ؛ جب کہ ام کلثوم ؛ زینب اور رقیہ رضی اللہ عنہن پہلے ہی فوت ہو چکی تھیں۔ہم کہتے ہیں کہ اگر نبی کریم کی دوسری بیٹیاں بقید حیات ہوتیں تو آپ ان کو مباہلہ میں ضرور شریک کرتے۔

ایسے ہی ''انفسنا'' کا لفظ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کیساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ یہ جمع کا صیغہ ہے؛ جیسا کہ ''نساء نا '' میں جمع کا صیغہ ہے ۔ایسے ہی '' ابناء نا'' بھی جمع کا صیغہ ہے۔ جب کہ آپ نے صرف حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو بلایا تھا؛ اس لیے کہ ان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت کوئی ایسا نہیں تھا جسے آپ کا بیٹا کہا جا سکتا ہو۔ اگر آپ کا بیٹا ابراہیم اس وقت موجود بھی تھا تو وہ اتنا چھوٹا بچہ تھا کہ اسے بلایا نہیں جا سکتا تھا؛ [اگر وہ جانا پہچانا ہوتا تو آپ اسے بھی مجلس مباہلہ میں ضرور لاتے ]۔ابراہیم ماریہ قبطیہ سے پیدا ہوا تھا؛ جو مصر کے بادشاہ مقوقس نے آپ کو ہدیہ میں بھیجی تھی۔اس نے آپ ﷺ کے لیے ایک خچر؛ حضرت ماریہ؛ اور حضرت سیرین ہدیہ بھیجے تھے۔ سیرین آپ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ جب ماریہ اپنے لیے رکھ لی۔ان سے ابراہیم پیدا ہوا؛ جو کہ تقریباً ایک سال کی عمر پا کر وفات پا گیا۔اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

''اس کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی مقرر کی گئی ہے جو اس کی مدت رضاعت پوری کرے گی۔''

مقوقس کی طرف سے یہ ہدیئے صلح حدیبیہ؛ بلکہ غزوہ حنین کے بعد آئے تھے۔ ❀

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت علی رضی اللہ عنہ کی دسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ﴾ (البقرۃ:۳۷)

''آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات حاصل کیے اوران کے ذریعہ توبہ کی۔''

فقیہ ابن المغازلی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے جب دریافت کیا گیا کہ ان ''کَـلِمَاتٍ'' سے کیا مراد ہے جو حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے سیکھے تھے اوران پر توبہ قبول کی تھی؟ تو آپ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام نے بحق محمد و علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم اپنے گناہ کی بخشش چاہی تھی؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ

❀ [ان دلائل و براہین کی روشنی میں شیعہ کو چاہیے کہ وہ نصوص صریحہ کو نظر انداز کر کے مجمل الفاظ کا سہارا نہ لیں اور نہ کسی کو رسول کریم ﷺ کا ہم سر و ہم پلہ قرار دیں۔ اسی طرح اگر نبی کریم ﷺ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو وہ بھی مباہلہ میں ضرور شرکت کرتے۔[الدراوی]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نے ان کا یہ گناہ معاف کر دیا۔پس اس سے معلوم ہوا کہ آپ ہی امام ہوں گے اس لیے کہ آپ اللہ کی بارگاہ میں توسل حاصل کرنے میں نبی ﷺ کے ساتھ برابر ہیں۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**[جواب]**:اس کا جواب کئی طرح سے دیا جا سکتا ہے:

پہلا جواب: ہم اس روایت کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں۔اہل علم کا اتفاق ہے کہ صرف ابن مغازلی کے روایت کر لینے کی بنا پر کسی روایت سے احتجاج کرنا جائز نہیں ہو جاتا۔

دوسرا جواب :...... اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔[ہمارا دعوی ہے کہ یہ روایت اللہ و رسول پر بدترین جھوٹ ہے۔اور روافض اس کی صحت ثابت نہیں کر سکتے]۔محدث ابن الجوزی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں امام دارقطنی کی سند سے نقل کیا ہے۔امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الأفراد والغرائب'' میں ذکر کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں:

یہ روایت بیان کرنے میں عمرو بن ثابت منفرد ہے۔اس نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے؛وہ ابو المقدام سے روایت کرتا ہے۔ابو المقدام حسین الاشقر یہ روایت بیان کرنے میں منفرد ہے۔

یحی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:عمرو بن ثابت ثقہ اور مأمون نہیں ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ ثقہ راویوں کے نام پر موضوع روایتیں بیان کیا کرتا ہے۔

تیسرا جواب:......جو کلمات حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سیکھتے تھے ؛ قرآن کریم میں خود اس کی تفسیر مذکور ہے۔فرمایا:

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾

(الاعراف:۲۳)

''دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

بعض سلف سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے ؛ اور کچھ اس کے مشابہ تفاسیر بھی ہیں۔لیکن اس شیعہ نے جو تفسیر وسیلہ کی ذکر کی ہے اس کی کوئی بھی سند ثابت نہیں ہے۔

چوتھا جواب:......یہ ایک بدیہی بات ہے کہ توبہ کرنے میں حضرت آدم علیہ السلام کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ جب کوئی کافر و فاسق بھی اللہ کے حضور میں توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہوتی ہے ؛ چاہے وہ اللہ کی بارگاہ میں کسی کا وسیلہ دے یا نہ دے۔ تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کو توبہ کرنے میں کسی ایسی چیز کی ضرورت کیونکر ہو سکتی ہے جس کی ضرورت کسی عام گنہگار کو نہ ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر؟ایک جماعت سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی تھی ؛ تو اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کر لی ؛ یہ بھی جھوٹ ہے۔اس بابت امام مالک رحمہ اللہ اور منصور کے مابین جو

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حکایت نقل کی گئی ہے وہ بھی جھوٹ ہے۔ اگرچہ یہ روایت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الشفاء'' میں نقل کی ہے۔

پانچواں جواب :...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی کو یہ کلمات پڑھ کر توبہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ کسی کو بھی یہ حکم نہیں دیا کہ وہ توبہ کرتے ہوئے یا دعا میں اس طرح کے الفاظ استعمال کرے۔ اور نہ ہی آپ نے اپنی امت کے لیے یہ مشروع کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سے کسی کا واسطہ یا قسم دے کر سوال کریں۔ اگر ایسی دعا مشروع ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو اس سے ضرور آگاہ فرماتے۔

چھٹا جواب :......اللہ تعالیٰ کو ملائکہ یا انبیائے کرام علیہم السلام کی قسم یا وسیلہ دینے کی کوئی بھی دلیل کتاب و سنت میں موجود نہیں ہے۔ بلکہ کئی ایک بڑے علمائے کرام رحمہم اللہ جیسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فتوی دیا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سے کسی کی قسم دینا جائز نہیں ۔''

ہم اپنے موقع پر اس کی اچھی طرح وضاحت کر چکے ہیں۔

ساتواں جواب : [مان لیجیے کہ] اگر ایسا کرنا مشروع ہی تھا؛ تو حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں۔تو پھر آپ اللہ کو کسی ایسے کا وسیلہ کیونکر دیتے آپ خود جس سے افضل ہیں ؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہیں ؛ حضرت آدم علیہ السلام حضرت علی ؛ و فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین سے افضل ہیں۔

آٹھواں جواب :...... [اگر اس کو ہم تسلیم بھی کر لیں تو پھر بھی ] یہ ائمہ کی خصوصیت نہ ہوئی ؛ اس لیے کہ یہ فضیلت تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی ثابت ہے۔ جب کہ ائمہ کی خصوصیات عورتوں کے لیے ثابت نہیں ہوتیں۔ اور جو چیز ان کی خصوصیات میں سے نہ ہو ؛ اس سے امامت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ یہ لازم ہے کہ امامت کی دلیل مدلول کے ساتھ لازم وملزوم ہو۔ اگر یہ روایت امامت کی دلیل ہوسکتی ہے تو پھر جو بھی اس تعریف کے دائرہ میں آتا ہو وہ امامت کا مستحق ہوگا؛ حالانکہ نص و اجماع کی روشنی میں عورت امامت کی مستحق نہیں ہوسکتی۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گیارھویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گیارہویں دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ﴾ (البقرۃ: ۱۲۴)

''بیشک میں آپ کو پیشوا بنانے والا ہوں' فرمایا: اور میری اولاد میں سے ۔''

فقیہ ابن المغازلی شافعی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ دعا مجھ پر اور علی پر پہنچ کر ختم ہوگئی، ہم میں سے کسی نے بھی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ چنانچہ اللہ نے مجھے نبی اور علی کو وصی بنایا۔'' یہ دلیل اس بات میں نص کی حیثیت رکھتی ہے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]۔

**[جواب]**: اس کا جواب کئی وجوہ سے دیا جاسکتا ہے:

پہلی وجہ:......ہم اس حدیث کی صحیح سند پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



دوسری وجہ:...... یہ حدیث بالاتفاق اہل علم محدثین جھوٹی ہے۔ [1]

تیسری وجہ:...... رافضی کا یہ قول کہ: ''یہ دعا ہم تک پہنچ کر ختم ہوگئی'' ایسا کلام ہے جس کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ یہ دعا اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی کو نہیں پہنچی تو ایسا کہنا غلط ہے۔ اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام گزرے ہیں وہ اس دعا میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ۝ وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ﴾ [الأنبياء ۷۲۔۷۳]

''اور ہم نے اسے اسحاق و یعقوب مزید عطا کیے اور سبھی کو ہم نے صالح بنایا۔ اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا ہمارے حکم سے لوگوں کی رہبری کرتے؛ اور ہم نے انہیں نیکی کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی کی۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ﴾ [الإسراء ۲]

''ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ [السجدة ۲۴]

''اور جب ان لوگوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ۝ وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ [القصص ۵۔۶]

''پھر ہماری چاہت ہوئی کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا، اور ہم انہیں کو

---

[1] وانظر: زاد المسیر 1/141_ 139، الدر المنثور للسیوطی 1/118۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام بنا دیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: ''آپ کے بعد آپ کی اولاد میں سے بھی یہ ائمہ ہوں۔'' پس آپ کی دعا قبول ہوئی۔ یہاں یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظلم کرنے والے بھی ہوں گی، ظالم سے مرد بعض نے مشرک بھی لی ہے عہد سے مراد امر ہے ابن عباس فرماتے ہیں ظالم کو کسی چیز کا والی اور بڑا نہ بنانا چاہئے گو وہ اولاد ابراہیم میں سے ہو، حضرت خلیل کی دعا ان کی نیک اولاد کے حق میں قبول ہوئی ہے۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



پیشوا اور (زمین) کا وارث بنائیں۔''

قرآن کریم میں کئی ایک نصوص ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ہم سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں کئی امتیں گزر چکی ہیں۔

اگر اس سے مراد یہ ہے کہ یہ دعا ''یہ دعوت ہم پر ختم ہوگئی ہے'' ہمارے بعد کسی کو نہیں پہنچے گی تو اس سے لازم آیا کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور ان کے بعد باقی اماموں کی امامت درست نہ ہوگی۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بت کو سجدہ نہیں کیا تو ان کے بعد امت کے سارے لوگوں میں بھی یہ علت موجود ہیں۔

چوتھی وجہ:......کسی شخص کا بتوں کو سجدہ نہ کرنا ایسی فضیلت ہے جس میں وہ تمام لوگ شریک ہیں جو اسلام کے بعد پیدا ہوئے۔ حالانکہ سابقین اولین ان لوگوں سے بدرجہا افضل ہیں۔تو پھر فاضل کو چھوڑ کر مفضول کو یہ درجہ کیوں دیا جارہا ہے؟

پانچویں وجہ:......اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے بتوں کو اس لیے سجدہ نہیں کیا کہ آپ بلوغ کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی اسلام لے آئے تھے۔اور اسلام لانے کے بعد آپ نے بتوں کو سجدہ نہ کیا۔تو سب مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ بچے غیر مکلّف ہوتے ہیں۔اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے اسلام لانے سے قبل کبھی بھی بت کو سجدہ نہیں کیا۔تو پھر یہ نفی غیر معلوم ہے۔اور نہ ہی اس کی خبر دینے والا کوئی ثقہ آدمی ہے۔

نیز[اس کے جواب میں] ان[شیعہ] سے یہ بھی کہا جائے گا کہ: ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ انسان جس نے کفر نہ کیا ہو' یا کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو تو وہ اس انسان سے مطلقاً افضل ہوجائے گا جس نے کفر یا کبیرہ گناہ کے بعد اس سے توبہ کرلی ہو۔ بلکہ قرآنی دلائل کی روشنی میں بیشتر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ گناہ یعنی کفر و فسق اور معاصی سے توبہ کرنے والا اس انسان سے افضل ہوتا ہے جس نے کفر یا گناہ کا ارتکاب ہی نہ کیا ہو۔اللہ تعالیٰ نے فتح سے پہلے اسلام لانے والوں؛ جہاد کرنے والوں اور اس کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو ان لوگوں پر بہت بڑی فضیلت دی ہے جنہوں نے فتح کے بعد اسلام قبول کیا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؛ اور اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ یہ تمام لوگ کفر کے بعد اسلام لائے تھے۔اور ان بعد میں اسلام لانے والوں میں ایسے لوگ بھی تھے جن کی پیدائش اسلام پر ہوئی تھی۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ نے سابقین اولین کو تابعین پر فضیلت دی ہے۔ جب کہ تابعین وہ لوگ ہیں جو اکثر اسلام پر پیدا ہوئے اور سابقین اولین میں اکثر وہ لوگ ہیں جو کفر کے بعد اسلام لائے تھے۔[تو کیا جنھوں نے کسی بت کو سجدہ نہیں کیا، تو کیا وہ سبھی امام ٹھہریں گے؟ بخلاف ازیں عام صحابہ جو بتوں کے پجاری رہ چکے تھے وہ اپنی اولاد سے بالاتفاق افضل ہیں]۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے حالانکہ وہ نبوت سے سرفراز تھے۔[ایسے ہی] حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا وَ مَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا﴾ (الاعراف: ۸۹)

’’ہم تو اللہ تعالیٰ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں گے اگر ہم تمہارے دین میں آ جائیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دی اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آ جائیں، لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے مقدر کیا ہو۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا﴾[ابرھیم ۱۳]

’’کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے یا تم پھر سے ہمارے مذہب میں لوٹ آ ؤ۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے سلوک کے متعلق خبر دی ہے۔اور پھر ان کی توبہ کی خبر بھی دی ہے۔یہی وہ بارہ گروہ تھے جن کے بارے میں ہمیں سورت بقرہ اور آل عمران میں حکم دیا گیا ہے کہ ان پر نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان لائیں۔

ان میں سے کوئی ایک بعد میں نبی بھی ہوا ہوگا۔اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام دوسرے لوگوں کی نسبت افضل ہوا کرتے ہیں۔

اس مسئلہ میں رافضہ کا دوسرے لوگوں کے ساتھ اختلاف ہے۔ان کا کہنا ہے کہ جس سے کسی گناہ کا صدور ہوا ہو تو وہ نبی نہیں بن سکتا۔اور جو لوگ اسلام لائے ہیں ان کے بارے میں بھی بہت بڑا اختلاف ہوا ہے۔لیکن معتبر وہی چیز ہوگی جس پر کتاب وسنت سے دلائل موجود ہونگے۔جو لوگ اس سے منع کرتے ہیں ان کے مذہب کی اساس اس عقیدہ پر ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ناقص اور مذموم ہوتا ہے اس لیے وہ نبوت کا مستحق ہرگز نہیں ہوسکتا؛ بھلے وہ لوگوں میں سے سب سے بڑا عبادت گزار بن جائے۔یہ وہ بنیادی مسئلہ جس میں اختلاف واقع ہوا ہے۔کتاب وسنت اور اجماع اس قول کے باطل ہونے پر متفق ہیں۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارھویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:’’حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امام ہونے کی بارہویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ (مریم: ۹۶)

’’بیشک جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کے لیے اللہ رحمن محبت پیدا کر دے گا۔‘‘

حافظ ابونعیم الاصفہانی رحمہ اللہ اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی:’’ وُدًّا ‘‘ سے وہ الفت ومحبت مراد ہے جو مومنوں کے دلوں میں موجود ہو۔تفسیر ثعلبی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com



''اے علی! آپ کہہ دیں کہ اے اللہ! میرے لیے اپنے پاس عہد مقرر کر دے اور مومنوں کے دلوں میں میری محبت پیدا کر دے۔'' تب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾

چونکہ یہ خصوصیت کسی اور میں نہیں پائی جاتی' لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی امام ہوں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**جواب**: اس کا جواب کئی وجوہ سے دیا جا سکتا ہے:

پہلی وجہ:...... ہم کہتے ہیں بیان کردہ روایت کی صحت نقل ثابت کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے، ورنہ مقدمات کو ثابت کیے بغیر استدلال کرنا باطل اور قول بلا برہان ہے۔ اور انسان کو اس بات کے کہنے سے یا استدلال کرنے سے روکا گیا ہے جس کا اسے کوئی علم نہ ہو۔ باتفاق شیعہ و اہل سنت مذکورہ بالا نسبت روایت کے ثابت ہونے کا فائدہ نہیں دیتی۔

دوسری وجہ:...... مزید براں شیعہ مصنف کی پیش کردہ دونوں روایتیں باتفاق محدثین و اہل علم موضوع ہے۔

تیسری وجہ: نیز یہ کہ آیت زیر نظر: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ کے الفاظ تمام اہل ایمان کے لیے عام ہیں۔ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی شامل ہے اور دیگر صحابہ کو بھی۔ لہٰذا اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر محدود و مقصور کرنا درست نہیں۔ بلکہ شیعہ جن کی تعظیم کرتے ہیں یہ آیت ان کو بھی یعنی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہو کہ اہل سنت و شیعہ کا اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

شیعہ مصنف کا یہ کہنا کہ: ''چونکہ یہ خصوصیت کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔''

ایسا کہنا بالکل غلط ہے۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔ بیشک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین خیر القرون کے لوگ ہیں۔ ان ادوار میں جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ باقی تمام زمانوں میں ایمان لانے والوں سے افضل ہیں۔ اور وہ اس اعتبار سے ہر دور کے لوگوں سے اکثر و افضل ہیں۔

چوتھی وجہ:...... اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بیشک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے شائستہ اعمال کیے ہیں ان کے لیے اللہ رحمٰن محبت پیدا کر دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے۔ [اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا اس لیے اس نے قلوب مومنین میں محبت پیدا کرنے کے وعدہ کو پورا کر دیا ہے] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کے دلوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین عموماً اور خلفاء راشدین کی محبت اور ان میں سے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی محبت و الفت بطور خاص پیدا کر دی۔ عام صحابہ...... جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے...... اور تابعین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ سے محبت و الفت رکھتے تھے۔ یہ خیر القرون کے لوگ تھے۔ [کوئی صحابی ایسا نہ تھا جو ان دونوں حضرات کو برا بھلا کہتا ہو]۔

یہ خصوصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ میں نہیں پائی جاتی؛ اس لیے کہ صحابہ کی ایک جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نالاں اور

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



شا کی رہتی اور انہوں نے حضرت کی شان میں سخت وسست الفاظ کہے تھے اور آپ سے برسر پیکار رہتے تھے [1]۔ جبکہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بغض رکھنے والے اور ان پر سبّ وشتم کرنے والے صرف رافضہ؛ نصیریہ اور غالیہ اسماعیلیہ ہیں اور یہ بات بھی معلوم شدہ ہے کہ جو لوگ ان دو حضرات سے محبت رکھتے تھے وہ بغض رکھنے والوں کی نسبت افضل اور تعداد میں اکثر تھے۔

جو لوگ ان سے بغض رکھتے تھے وہ اسلام سے بہت زیادہ دور اور تعداد میں بہت ہی کم تھے۔ بخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے؛ جنہوں نے آپ سے جنگ کی اور آپ سے ناراض ہوگئے تھے؛ وہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بغض رکھنے والوں کی نسبت بہت ہی افضل تھے۔ بلکہ وہ شیعان عثمان رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہیں وہ بھی ظالم اور بدعتی ہونے کے باوجود ان سے افضل ہیں۔

پس وہ شیعان علی رضی اللہ عنہ جو حضرت سے محبت رکھتے ہیں' اور جناب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہیں؛ وہ علم و دین میں کم تر اور ظلم و جہالت میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر و عمر وعثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کی جو محبت پیدا کردی تھی؛ دوسروں کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوسکا۔

اگر یہ کہا جائے کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے رب اور نبی ہونے کا دعوی بھی کیا گیا ہے۔''

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام خوارج کافر کہتے ہیں؛ مروانیہ آپ سے بغض رکھتے ہیں؛ حالانکہ یہ لوگ ان رافضیوں سے بہت بہتر وافضل ہیں جو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتے ہیں' اور انہیں گالیاں دیتے ہیں؛ غالیہ کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ [جس طرح خوارج کے کافر کہنے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان میں فرق

[1] یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین اس چپقلش کا ذکر ہورہا ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان مخصوص حالات کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی۔ ورنہ حاشاء وکلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت علی سے لڑتے بھڑتے یا گالیاں دیتے ہوں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت کے لیے بہترین لوگوں کا انتخاب کیا تھا۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ نے باہم شیر وشکر کردیا تھا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾ [آل عمران ۱۰۳]

''اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔''

اور سورت فتح کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے آپس میں شیر وشکر ہونے پر تعریف کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے مابین جو کچھ واقعات پیش آئے اصل میں وہ ان بلوائیوں کی سازش کا نتیجہ تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود صحابہ کرام بشر تھے؛ اور ان سے نفوس بشری کی تحت ہونے والی کوتاہیوں کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس کے باوجود ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام کے آپس میں سخت ودرشت کلام اور باہمی جھگڑوں کو بھی ایک دوسرے کے گناہوں کا کفارہ بنا دیں گے اور یہ سب لوگ یقیناً جنتی ہیں۔ ایسے واقعات کی وجہ سے کسی بھی صحابی کی شان میں تنقیص کرنا اور دوسرے کی محبت میں غلو کرنا مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ [دراوی؛ کشمیری]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نہیں پڑتا؛ ایسے ہی غالیہ اور اسماعیلیہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رب یا نبی ماننے سے بھی آپ کی صحابیت اور بشریت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔]

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیرھویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیرھویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (الرعد:۷)

''بیشک آپ تو صرف آگاہ کرنے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ہادی ہے۔''

''کتاب الفردوس میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:'' میں منذر [ڈرانے والا] ہوں اور علی رضی اللہ عنہ ہادی (رہنما وپیشوا) ہے۔ اے علی! ہدایت پانے والے تجھ سے ہدایت پاتے ہیں۔'' ابونعیم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امام اور خلیفہ ہونے کی صریح دلیل ہے۔[انتہی کلام الرافضی]

**جواب**: اس کا جواب کئی پہلوؤں سے دیا جا سکتا ہے:

**پہلی بات**:...... شیعہ نے اس روایت کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل پیش نہیں کی؛ لہٰذا اس سے احتجاج جائز نہیں۔ دیلمی کی کتاب الفردوس موضوعات کا پلندہ ہے۔ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ کسی روایت کے کسی کتاب میں مندرج ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صحیح بھی ہے۔ ایسے ہی ابونعیم کا کسی روایت کو نقل کر لینا اس کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

**دوسری بات**:...... باتفاق محدثین واہل علم یہ روایت جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ اس کو جھٹلانا اور رد کرنا واجب ہے۔

**تیسری بات**:...... یہ ان قبیح ترین روایات میں سے ہے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا بھی جائز نہیں۔

اس روایت میں یہ قول کہ: آپ نے فرمایا:'' میں منذر [ڈرانے والا] ہوں اور علی ہاد (رہنما وپیشوا) ہے۔ اے علی! ہدایت پانے والے تجھ سے ہدایت پاتے ہیں۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہادی قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے ان سے ہدایت پاتے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی مسلمان اسے زبان پر لانے کے لیے تیار نہیں۔ اس روایت کے ظاہر سے لگتا ہے کہ ڈرانے کا اور ہدایت دینے کا کام ان دونوں حضرات کے مابین تقسیم کر دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف ڈرانے والے ہیں؛ ان سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہدایت ملتی ہے۔ ایسی بات کوئی بھی مسلمان اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتا۔

**چوتھی وجہ**:...... اللہ تعالیٰ نے نص قرآنی کی بنا پر صرف سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی بنا کر بھیجا تھا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ﴾ (الشوریٰ:۵۲)

''بلاشبہ آپ سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ جو کہ اللہ کی راہ ہے۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



پھر جس کی یہ صفت اللہ نے بیان کی ہو؛ اسے چھوڑ کر کسی ایسے کو ہادی کیوں مانا جاسکتا ہے جس میں یہ وصف موجود نہ ہو؟

پانچویں وجہ:.......شیعہ کا قول کہ ''ہدایت یافتہ لوگ آپ (حضرت علی) سے راہ پاتے ہیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ امت محمد ﷺ میں سے جس مسلمان نے بھی ہدایت پائی اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ہی پائی۔ یہ واضح جھوٹ ہے اس لیے کہ لا تعداد لوگ سرور کائنات ﷺ سے ہدایت پا کر جنت کے وارث بنے؛ اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک لفظ تک نہیں سنا۔ اکثر لوگ جو ایمان لائے تھے ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کچھ بھی کردار نہیں۔ جب بیرونی بلاد و امصار فتح ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور ان سے فیض ہدایت حاصل کیا۔[انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صورت تک بھی نہیں دیکھی؛ اس لیے کہ آپ ان دنوں مدینہ میں بود و باش رکھتے تھے]۔ جمہور اہل اسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا؛ تو پھر شیعہ کا دعویٰ کیوں کر درست ہوسکتا ہے کہ ہدایت پانے والے آپ سے پاتے ہیں؟

چھٹی وجہ:....... یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قول: ''بیشک آپ ڈرانے والے ہیں؛ اور ہر قوم کو ہدایت دینے والا ہوتا ہے'' اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔ یہ قول انتہائی ضعیف ہے۔ اور ایسے ہی جن لوگوں نے یہ تفسیر کی ہے: آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں۔ یہ بھی ضعیف قول ہے۔ اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ: بیشک آپ ڈرانے والے ہیں؛ جیسا کہ آپ سے پہلے ڈرانے والے بھیجے گئے تھے۔ اور ہر امت میں ڈرانے والا ہوتا ہے جو انہیں ہدایت کی راہ دکھاتا ہے؛ یعنی خیر کی طرف بلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ﴾ [فاطر ۲۴]۔

''اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گزرا ہو۔''

مفسرین کرام رحمہم اللہ کی ایک جماعت جیسے حضرت قتادہ؛ عکرمہ؛ ابو الضحی؛ اور عبدالرحمن بن زید کا یہی قول ہے۔ ابن جریر الطبری کہتے ہیں:

(( حدثنا بِشر، حدثنا يزِيد، حدثنا سعِيد، عن قتادة، وحدثنا أبو كريب حدثنا وكِيع، حدثنا سفيان، عنِ السدِي، عن عِكرِمة ومنصور عن أبِى الضحىٰ: ﴿اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ﴾ ﴿وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ قالا: "محمد هو المنذِر وهو الهادِى.))

ابوضحیٰ سے روایت ہے؛ وہ کہتے ہیں: ﴿اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ﴾ ﴿وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾:

''محمد ﷺ وہی منذر ہیں اور وہی ہادی ہیں۔'' [1]

[1] تفسیر ابن کثیر میں ہے: ایک نہایت ہی منکر واہی روایت میں ہے کہ اس آیت کے اترنے پر آپ نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا منذر تو میں ہوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کندھے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اے علی تو ہادی ہے، میرے بعد ہدایات پانے والے ⇦⇦⇦

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ابن جریرالطبری کہتے ہیں:

حدثنا یونس، حدثنا ابن وهب، قال: قال ابن زید:

ہر قوم کے لیے ایک نبی ہوتا ہے جو انہیں راہ ہدایت دکھائے؛ اور وہی انہیں ڈرانے والا بھی ہوتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وإن من أمة إلا خلا فيها نذير﴾ [فاطر: 24]

''اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔''

اور اس کے ساتھ یہ آیت بھی پڑھی:

﴿نذير من النذر الأولى﴾ [النجم: 56]

''یہ پہلے ڈرانے والوں میں ایک ڈرانے والا ہے''

اس کی تفسیر میں فرمایا: ''یعنی انبیاء میں سے ایک نبی۔''

حدثنا بشار، حدثنا أبو عاصم، حدثنا سفيان، عن ليث، عن مجاهد: "المنذر: محمد

مجاہد فرماتے ہیں: ''منذر سے مراد محمد ﷺ ہیں۔'' اور ﴿وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ سے مراد نبی ہیں۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِم﴾ [الإسرا: 71]

''جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔''

پس امام وہ ہوتا ہے جس کی اقتداء و اتباع کی جائے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں؛ جو لوگوں کو ہدایت دیتے ہیں۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

نیز یہ کہ اس آیت کی تفسیر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرنا؛ محض باطل ہے۔ اس لیے کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ [جملہ اقوام عالم کے بارے میں فرمایا گیا ہے] اس کا تقاضا ہے کہ ان لوگوں کا کوئی ہادی ہو؛ بعد میں آنے والوں کے لیے کوئی ہادی ہو۔ یعنی متعدد لوگ ہدایت کی راہ دکھانے والے ہوں۔ تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اوّلین و آخرین سب کے لیے ہادی کیسے بنایا جا سکتا ہے؟

ساتویں وجہ:...... یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کسی سے ہدایت حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ امام و خلیفہ بھی ہو۔ جیسا کہ علمائے کرام رحمہم اللہ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

((أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم)) [رواه ابن عبد البر و الآجري في الشريعة؛ وهو ضعيف]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



''میرے صحابہ کرام ستاروں کی مانند ہیں ؛ ان میں جس کی بھی اقتداء کرو گے ؛ تم ہدایت پالو گے۔''

اس میں کہیں بھی امامت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا شیعہ مصنف کا یہ دعویٰ باطل ہے۔

آٹھویں وجہ:......ارشاد ربانی: ﴿ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾ میں لفظ ''ھَادٍ'' نکرہ لایا گیا ہے۔ یہ کسی متعین شخص پر دلالت نہیں کرتا۔ پس اس آیت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے اثبات کا دعوی کرنا باطل ٹھہرا۔ اور حدیث سے استدلال کرنا قرآن سے استدلال کی طرح نہیں ہے۔ حالانکہ اس ضمن میں پیش کی جانے والی احادیث بھی باطل ہیں۔

نویں وجہ:......ارشاد ربانی: ﴿ وَلِكُلِّ قَوْمٍ ﴾ میں عموم کا صیغہ ہے۔ اگر اس سے مراد یہ لی جائے کہ تمام لوگوں کے لیے ایک ہی ہدایت کی راہ دکھانے والا ہے تو سارے لوگ ہادی ہوئے۔ اور یہ نہ کہا جاتا کہ ہر قوم کے لیے ہادی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اقوام [زمانہ وجگہ کے اعتبار سے] مختلف ہوتی ہیں اور یہ بھی نہیں کہا گیا کہ تمام اقوام کے لیے ہادی ہیں۔ اور ایسا کہا بھی نہیں جاسکتا کہ تمام قوم کے لیے ایک ہادی و رہبر ہے۔ بلکہ لفظ ''کل'' کو نکرہ کی طرف مضاف کیا ہے؛ معرفہ کی طرف نہیں کیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے:

''تمام لوگ جانتے ہیں کہ وہاں پر کچھ اقوام ہیں؛ اور اقوام متعدد ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک قوم کو کوئی ایسا راہ دکھانے والا ہوتا ہے جو کہ دوسری قوم میں نہیں پایا جاتا۔''

اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہوگیا جو کہتے ہیں کہ ہادی سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور ایسے ہی ان لوگوں کے قول کا باطل ہونا بھی صاف ظاہر ہے کہ اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چودھویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چودھویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ﴾ (الصافات: ٢٤)

''انہیں ٹھہراؤ؛ بیشک ان سے سوال کیا جائے گا۔''

ابونعیم بطریق شعبی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کر کے اس آیت: ﴿ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ﴾ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ: ''لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت و امارت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

اسی طرح کتاب الفردوس میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: ''بروز قیامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

جب آپ کی ولایت کے بارے میں سوال کیا جانا ہے تو اس سے واجب ہوتا ہے کہ آپ کی ولایت و امامت حقیقت میں بھی ثابت ہو۔ یہ فضیلت آپ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کے لیے ثابت نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی امام ہوں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**جواب**: اس کا جواب کئی پہلوؤں سے دیا جاسکتا ہے:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



**پہلی بات:**...... ہم اس روایت کی صحیح سند پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ محض دیلمی یا ابونعیم کی طرف منسوب کر لینے سے روایت قابل حجت نہیں ہوجاتی۔ اس بات پر علماء کا اجماع ہے۔

**دوسری بات:**......اس روایت کے من گھڑت اور جھوٹ ہونے پر علمائے کرام رحمہم اللہ کا اتفاق ہے۔

**تیسری بات:**......شیعہ کا یہ جھوٹ آیت ہذا کے سیاق سے معلوم ہوجاتا ہے؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ (12) وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ (13) وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ (14) وَقَالُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ (15) أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ (16) أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ (17) قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ (18) فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ (19) وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا هَٰذَا يَوْمُ الدِّينِ (20) هَٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ (21) احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ (22) مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ (23) وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ (24) مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ (25) بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ (26) وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ (27) قَالُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ (28) قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (29) وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ (30) فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا إِنَّا لَذَائِقُونَ (31) فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ (32) فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ (33) إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ (34) إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ (35) وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ (36) بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ (37)﴾ [الصافات]

''بلکہ تو نے تعجب کیا اور وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ اور جب انھیں نصیحت کی جائے وہ قبول نہیں کرتے۔ اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو خوب مذاق اڑاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ صاف جادو کے سوا کچھ نہیں۔ کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو چکے تو کیا واقعی ہم ضرور اٹھائے جانے والے ہیں؟ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی؟ کہہ دے ہاں! اور تم ذلیل ہو گے۔ سو وہ بس ایک ہی ڈانٹ ہوگی، تو یکا یک وہ دیکھ رہے ہوں گے اور کہیں گے ہائے ہماری بربادی! یہ تو جزا کا دن ہے۔ یہی فیصلے کا دن ہے، جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اکٹھا کرو ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا اور ان کے جوڑوں کو اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے۔ اللہ کے سوا، پھر انھیں جہنم کی راہ کی طرف لے چلو۔ اور انھیں ٹھہراؤ، بے شک یہ سوال کیے جانے والے ہیں۔ کیا ہے تمھیں، تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ بلکہ آج وہ بالکل فرماں بردار ہیں۔ اور ان کے بعض بعض کی طرف متوجہ ہوں گے، ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ کہیں گے بے شک تم ہمارے پاس قسم کی راہ سے آتے تھے۔ وہ کہیں گے بلکہ تم ایمان والے نہ تھے۔ اور ہمارا تم پر کوئی غلبہ نہ تھا، بلکہ تم (خود) حد سے بڑھنے والے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



لوگ تھے۔سو ہم پر ہمارے رب کی بات ثابت ہوگئی۔ بے شک ہم یقیناً چکھنے والے ہیں۔سو ہم نے تمھیں گمراہ کیا، بے شک ہم خود گمراہ تھے۔ پس بے شک وہ اس دن عذاب میں ایک دوسرے کے شریک ہوں گے۔ بے شک ہم مجرموں کے ساتھ ایسے ہی کیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ایسے لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو تکبر کرتے تھے۔اور کہتے تھے کیا واقعی ہم یقیناً اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی خاطر چھوڑ دینے والے ہیں؟ بلکہ وہ حق لے کر آیا ہے اور اس نے تمام رسولوں کی تصدیق کی ہے۔''

اس آیت کریمہ میں خطاب کفار و مشرکین سے متعلق ہے جو کہ آخرت کے دن کو جھٹلاتے تھے۔ان سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسولوں پر اور آخرت کے دن پر ایمان کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔اس میں ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کے بارے میں سوال کرنے کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر وہ مشرک اور کافر ہوتے ہوئے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھیں گے تو انھیں اس کا کوئی فائدہ پہنچے گا؟ یا پھر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض ہے؛ تو اس بغض کو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے بغض اور کتاب اللہ اور دین الٰہی سے بغض کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ اللہ کی پناہ! کہ کتاب الٰہی کو ایسے غلط معنی پہنائے جائیں۔یا کوئی یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفسیر کی ہے؛ ایسی بات تو صرف کوئی زندیق اور ملحد ہی کہہ سکتا ہے جس نے دین کو کھلواڑ بنالیا ہو اور وہ اسلام پر طعنہ زنی کرنا چاہتا ہو۔یا پھر وہ انسان جو انتہائی سخت جہالت کا شکار ہو۔اور اسے یہ بھی پتہ نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔اور پھر یہ بات بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات صحابہ طلحہ و زبیر؛ سعد و ابوبکر؛ عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت کے مابین آخر ایسا کون سا فرق پایا جاتا ہے؟

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ: اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو اس کا یہ قول ان لوگوں کے قول کی نسبت زیادہ غلط نہیں ہوگا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کے بارے میں سوال کیے جانے کے دعویدار ہیں ۔ نیز آیت میں بھی کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس کی روشنی میں ان لوگوں کے قول کا راجح ہونا ظاہر ہو۔ بلکہ [اس تفسیر کی روشنی میں] یہ آیت ان دونوں حضرات کے محبت کے ثبوت یا نفی پر برابر دلالت کرتی ہے۔ جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت واجب ہونے کے دلائل زیادہ قوی ہیں۔

چوتھی بات :...... [آیت کریمہ میں وارد لفظ ]''مسؤلون'' مطلق ہے؛ اس کی ضمیر کا صلہ کسی بھی چیز کیساتھ مختص نہیں۔اور اس کے سیاق میں بھی کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت پر دلالت کرتی ہو۔پس اس آیت کو لے کر مدعی کا دعوی کرنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کے بارے میں سوال کیا جائے گا یہ بہت بڑا جھوٹ و بہتان اور باطل کلام ہے۔

پانچویں بات :......اگر کوئی یہ دعوی کرے کہ لوگوں سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی محبت کے بارے میں سوال کیا جائے گا؛ تو اس کا دعوی کسی طرح بھی باطل نہیں کیا جاسکتا؛ مگر اس کے ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کے سوال کا دعوی بھی فی الفور

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہی پوری قوت کے ساتھ باطل ہو جائے گا۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پندرھویں دلیل:

**[اشکال]:** شیعہ مصنف لکھتا ہے:'' امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پندرھویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ (محمد: ۳۰)

''اور یقیناً آپ انہیں ان کی بات کے ڈھب سے پہچان لیں گے۔''

ابو نعیم اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ سے بغض علی مراد ہے۔ یہ خصوصیت دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وجہ سے ان سے افضل ٹھہرے؛ تو پھر آپ ہی امام ہوں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]۔

**جواب:** پہلی بات:......ہم اس روایت کی صحیح سند پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

دوسری بات:......ہم کہتے ہیں کہ اہل علم محدثین جانتے ہیں کہ یہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ پر افتراء ہے۔

تیسری بات:......اگر یہ بات ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا؛ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف کسی ایک صحابی کا قول؛ جب کہ باقی صحابہ اس کی مخالفت کررہے ہوں تو حجت نہیں ہوسکتا۔ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ حالانکہ بہت سارے صحابہ کرام کے متعلق یہ بھی معلوم ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تنقید کیا کرتے تھے۔ ان پر بھی حجت صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کے قول سے قائم نہیں ہوسکتی بلکہ کتاب و سنت سے ہوتی ہے۔

چوتھی بات:......ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ [یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے؛ اور] عام منافقین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت میں مبتلا نہ تھے۔ پھر اس آیت کی ان الفاظ میں تفسیر کرنا ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

پانچویں بات:...... پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کفر کی دشمنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق سے زیادہ نہ تھے ۔ بلکہ کفار و منافقین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے شدید عداوت رکھتے تھے۔ اور جتنی تکلیف حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کافروں کو پہنچتی تھی ایسی تکلیف کسی دوسرے سے نہیں پہنچتی تھی۔ بلکہ ہمیں کسی ایک کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہوسکا جس سے کفار اتنی تکلیف پاتے ہوں اور اس سے بغض رکھتے ہوں۔

چھٹی بات:......صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''منافق کی علامت انصار سے بغض ہے اور مؤمن کی علامت انصار سے محبت ہے۔''[1]

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''ایسا آدمی انصار سے بغض نہیں رکھے گا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔''[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار۔ باب حب الانصار، من الایمان، (حدیث: ۳۷۸۳، ۳۷۸۴)، صحیح مسلم۔ کتاب الإیمان۔ باب الدلیل علی ان حب الانصار......'' (حدیث: ۷۴، ۷۵)۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الإیمان باب الدلیل علی ان حب الانصار و علی رضی اللہ عنہم ......(حدیث:۷۸)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



منافقین کو انصار کے بغض کی وجہ سے اپنے کلام میں کجی کی بنا پر پہچان لیے جانے کی تفسیر زیادہ اولیٰ ہو سکتی ہے۔

اس باب میں سب سے صحیح روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد کیا تھا کہ مجھ سے مومن ہی محبت کرے گا اور مجھ سے بغض منافق ہی رکھے گا۔'' ❶

یہ حدیث روایت کرنے میں امام مسلم رحمہ اللہ منفرد ہیں ؛ آپ نے یہ روایت عدی بن ثابت سے نقل کی ہے؛ وہ زر بن حبیش سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اعراض کیا ہے۔ بخلاف انصار کے فضائل کی احادیث کے۔ان احادیث پر تمام اہل صحاح کا اتفاق ہے۔اور اہل علم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقینی طور پر یہ ارشاد فرمایا ہے؛ کیونکہ بعض لوگوں کو ان روایات میں شک گزرا ہے۔

ساتویں بات : ......نفاق کی بہت سی علامات ہیں۔ جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے جب امانت دی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے۔'' ❷

یہ نشانیاں صاف ظاہر ہیں ۔اس سے معلوم ہوا کہ منافقت کی نشانیاں کسی شخص یا کسی گروہ کی محبت و نفرت کے ساتھ خاص نہیں ہیں ۔اگر چہ یہ بھی ان نشانیوں میں سے ہی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اللہ کی رضا کی خاطر محبت کرتا ہو؛ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا مستحق ٹھہرتا ہے؛ اور یہ محبت اس کے ایمان کی نشانی ہے۔یا جو انسان نصرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر انصار کو چاہتا ہے تو یہ اس کے ایمان کی علامات ہے۔ بخلاف ازیں جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ وانصار کو انہی اوصاف [یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ ] اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و نصرت کے جرم میں نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ منافق ہے۔

علاوہ ازیں جو شخص کسی طبعی امر مثلاً رشتہ داری یا کسی دنیوی امر کی بنا پر ان سے محبت رکھتا ہے تو یہ اسی قسم کی محبت ہے جیسے ابوطالب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ایسی محبت اللہ کے ہاں کچھ بھی کام نہ آئے گی۔ اور ایسے ہی جو شخص انصار؛ یا حضرت مسیح علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام وعلی رضی اللہ عنہ یا کسی بھی نبی کے بارے میں غلو سے کام لیتے ہوئے محبت کرتا؛اور ان کے بارے میں ان کے مرتبہ سے بالا تر اعتقاد رکھتا ہے؛[ اور ان کے بارے میں مبالغہ آمیزی کرنے والے کو بنظر استحسان دیکھتا ہے تو یہ شخص مبالغہ آمیزی و غلو کا ارتکاب کرتا ہے ] حقیقت میں یہ کوئی محبت نہیں کر رہا۔اس لیے کہ اس کی محبت ایسی چیزوں سے ہے جن کا کوئی وجود ہی نہیں۔ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی شان میں نصاریٰ نے مبالغہ آمیزی سے کام لیا تھا۔حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔تاہم یہ محبت نصاریٰ کے لیے مفید ثابت نہ ہوئی۔محبت وہی

❶ صحیح مسلم:ج ۱ح ۲۴۲ ❷ صحیح بخاری:ج ۱ح ۲۵۲۳

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



سود مند ہے جو اللہ کے لیے ہو، نہ کہ وہ جس میں کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ [البقرۃ ۱۶۵]

''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔''

جس کسی کے بارے میں یہ فرض کرلیا جائے کہ اس نے بعض انصار سے کوئی ایسی چیز سنی تھی؛ جو ان سے بغض کو واجب کرتی تھی؛ تو وہ اس وجہ سے انصار سے بغض کرنے لگ گیا؛ تو وہ اپنے اس فعل میں گمراہ اور خطا کار تھا۔ مگر اس کا شمار منافقین میں نہ ہوگا۔ یہی حال اس انسان کا بھی ہے جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق کوئی ایسا اعتقاد رکھے جو کہ حقائق کے مطابق نہ ہو؛ اور اس کے متعلق یہ گمان کرے کہ وہ کافر یا فاسق تھا؛ اس وجہ سے اس سے بغض رکھے تو وہ ظالم اور جاہل شمار ہوگا مگر منافق نہیں ہوگا۔

اس اصول کی بنا پر ان روایات کا جھوٹ ہونا ظاہر ہوتا ہے جو کہ بعض صحابہ سے روایت کی گئی ہیں؛ جیسا کہ حضرت جابر۔ کہ آپ فرمایا کرتے تھے:

(( ما كنا نعرِف المنافِقين على عهدِ النبيِ ﷺ إلا بِبغضِهِم علِي بن أبِي طالِب . ))

ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں منافقین کو صرف ان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض کی وجہ سے پہچانتے تھے۔''

اس نفی اور انکار کا جھوٹ ہونا انتہائی واضح اور صاف ہے۔ اور اس کا باطل ہونا عوام الناس میں سے بھی کسی ایک پر مخفی نہیں ہے۔ چہ جائے کہ ایسی بات حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ان جیسے عظیم لوگوں پر مخفی رہ جائے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے سورت توبہ میں اور دوسرے مقامات پر منافقین کی نشانیاں اور ان کے اوصاف میں متعدد امور ذکر کیے ہیں؛ ان میں بغض علی رضی اللہ عنہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا﴾ [التوبة: 49]

''اور ان میں سے کوئی کہتا ہے مجھے اجازت دیں؛ اور فتنے میں نہ ڈال۔ سن لو! وہ فتنہ میں تو پڑے ہوئے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ﴾ [التوبة: 58]

''اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو تجھ پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں، پھر اگر انھیں ان میں سے دے دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انھیں ان میں سے نہ دیا جائے تو اسی وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿وَ مِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِىَّ وَ يَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ﴾ [التوبة: 61]

''اوران میں سے کچھ وہ ہیں جو نبی کوایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں وہ (تو) ایک کان ہے۔ کہہ دے تمھارے لیے بھلائی کا کان ہے، اللہ پر یقین رکھتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ٥..... وَ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ﴾ [التوبة75—77]

''اوران میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا کہ یقیناً اگر اس نے ہمیں اپنے فضل سے کچھ عطا فرمایا تو ہم ضرور ہی صدقہ کریں گے اور ضرور ہی نیک لوگوں سے ہو جائیں گے۔......اور اس لیے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے۔''

اس طرح کی دیگر صفات بھی ہیں جن سے منافقین کو موصوف بتایا گیا ہے۔ اور پھر ان کی نشانیاں بیان کی ہیں۔ اور ان اسباب کا ذکر کیا ہے جو کہ نفاق کا موجب بنتے ہیں۔

ہر وہ چیز جو کہ نفاق کا موجب ہو؛ وہ نفاق پر اور اس کی نشانی بھی ہوتی ہے۔ پس اب کسی عاقل کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ وہ یوں کہے کہ: منافقین کو پہچاننے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض کے علاوہ کوئی دوسری نشانی ہی نہیں تھی؟ حالانکہ منافقین کی ایک نشانی با جماعت نماز سے پیچھے رہنا بھی تھی۔ صحیح مسلم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛ فرماتے ہیں:

''اے لوگو! ان پانچ نمازوں کی حفاظت کرو جہاں سے بھی ان کے لیے پکارا جائے۔ بیشک یہ ہدایت کی سنتیں [راستے] ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدایت کے طریقے متعین کر دیئے ہیں۔ اور اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو جیسا کہ یہ پیچھے رہنے والا اپنے گھر میں پڑھتا ہے؛ تو تم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو چھوڑ دو گے۔ اور اگر تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ ...... اور ہم دیکھتے ہیں کہ منافق کے سوا کوئی بھی نماز سے پیچھے نہیں رہتا تھا کہ جس کا نفاق ظاہر ہو جاتا اور ایک آدمی جسے دو آدمیوں کے سہارے لایا جاتا تھا یہاں تک کہ اسے صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔''[1]

نفاق کی اکثر نشانیاں اور اسباب امت کے کسی بھی فرق میں اتنے زیادہ اور کھلے عام نہیں پائے جاتے جتنے زیادہ

[1] صحیح مسلم:ج1 ح: 1483۔والأثر في: سننِ أبي داود 1/ 255 . كتاب الصلاةِ، باب فِي التشديدِ فِي تركِ الجماعةِ؛ سننِ النسائِي 2/ 84 كتاب الإِمامةِ، باب المحافظةِ عل الصلواتِ حيث ينادى بِهِن، سننِ ابنِ ماجه 1/ 255؛ كتاب المساجِدِ والجماعاتِ، باب المشيِ إِلى الصلاةِ، المسندِ ط الحلبِي 1/ 382 .

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



روافض میں ہیں۔ حتی کہ ان میں نفاق مغلظ ایسے کھلے عام پایا جاتا ہے کہ دوسرے فرقوں میں اس کی مثال بھی نہیں ملتی۔ ان کے دین کا شعار [ظاہری علامت] تقیہ ہے؛ یعنی اپنی زبان سے وہ بات کہیں جو آپ کے دل میں نہیں۔ یہ نفاق کی نشانی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَo وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَ قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ﴾ [آلِ عِمران: 166–167]

’’اور جو مصیبت تمھیں اس دن پہنچی جب دو جماعتیں بھڑیں تو وہ اللہ کے حکم سے تھی اور تاکہ وہ ایمان والوں کو جان لے۔ اور تاکہ وہ ان لوگوں کو جان لے جنھوں نے منافقت کی اور جن سے کہا گیا آؤ اللہ کے راستے میں لڑو، یا مدافعت کرو تو انھوں نے کہا اگر ہم کوئی لڑائی معلوم کرتے تو ضرور تمھارے ساتھ چلتے۔ وہ اس دن اپنے ایمان (کے قریب ہونے) کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے، اپنے مونہوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا﴾ [التوبۃ: 74]

’’وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے بات نہیں کہی، حالانکہ بلاشبہ یقیناً انھوں نے کفر کی بات کہی اور اپنے اسلام کے بعد کفر کیا اور اس چیز کا ارادہ کیا جو انھوں نے نہیں پائی۔‘‘

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾

[البقرۃ:10]

’’ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے انھیں بیماری میں اور بڑھا دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے۔‘‘

اس میں دو قرأتیں ہیں: يَكْذِبُوْنَ، اور يُكَذِّبُوْنَ.

خلاصہ کلام! یہ ہے کہ نفاق کی نشانیاں جیسے: جھوٹ؛ خیانت؛ وعدہ خلافی؛ غدر وغیرہ تمام گروہوں سے بڑھ کر روافض میں پائی جاتی ہیں۔ یہ ان کی بہت پرانی صفات ہیں۔ حتی کہ یہ لوگ حضرت علی؛ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم اجمعین سے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



بھی غداری کرتے رہے ہیں۔

صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''جس شخص میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے۔ اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے تو سمجھ لو کہ اس میں منافق کی ایک خصلت پیدا ہوگئی جب تک کہ اس کو چھوڑ نہ دے: جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب عہد کرے تو توڑ ڈالے۔ جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرے اور جب جھگڑا کرے تو آپے سے باہر ہو جائے۔'' ❶

اس موضوع کو تفصیل سے بیان کرنے کا یہ موقعہ نہیں ہے۔ ❷

یہاں پر مقصود یہ ہے کہ یہ کہنا بالکل محال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض کے علاوہ منافقت کی کوئی نشانی نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک نے بھی ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ لیکن اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ آپ سے بغض رکھنا نفاق کی منجملہ نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''مجھ سے بغض منافق ہی رکھے گا۔'' تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ جس انسان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمات جلیلہ اور آپ کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کا علم ہو؛ اور پھر وہ آپ سے دشمنی رکھے؛ ایسا انسان یقیناً منافق ہے۔

ایسے ہی نفاق کی نشانیوں میں سے انصار رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ بغض رکھنا بھی ہے۔ انصار بہت بڑا عظیم قبیلہ تھا؛ اور مدینہ ان کا شہر تھا۔ یہی انصار وہ لوگ تھے جو ایمان لائے؛ مہاجرین کو پناہ دی؛ ان کے پاس ہجرت کرکے آنے سے اسلام وایمان کو عزت نصیب ہوئی۔ اہل ایمان کو غلبہ حاصل ہوا۔ اور انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت واکرام کا وہ اعزاز حاصل ہوا جو کسی دوسرے شہر والے کو اور نہ ہی اس قبیلہ کے علاوہ کسی دوسرے قبیلہ کو نصیب ہوسکا۔ پس ان سے منافق کے علاوہ کوئی انسان بغض رکھ ہی نہیں سکتا۔ لیکن اس قدر ومنزلت کے باوجود یہ لوگ مہاجرین سے افضل نہیں ہیں؛ مہاجرین کو اللہ تعالیٰ نے ان پر فضیلت سے نوازا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی انسان سے بغض کے منافقت کی نشانی ہونے سے یہ لازم نہیں آجاتا کہ وہ دوسرے تمام لوگوں سے افضل ہے۔ اور جو کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے احوال اور سوانح جانتا ہے اسے علم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کفار اور منافقین کے دشمن تھے۔ اور آپ اسلام کی عزت افزائی؛ نصرت اور کفار کی رسوائی و ذلت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اثر انداز ہوئے تھے اور اللہ اس کے رسول ﷺ کے دشمن کفار و منافقین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

❶ صحیح مسلم: کتاب ایمان: باب منافق کی خصلتوں ...... ح ۲۱۲

❷ منافقت کی نشانیاں اور اسباب رافضیوں سے بڑھ کر امت کے کسی بھی گروہ میں نہیں پائی جاتی۔ یہاں تک کہ ان میں ایسا غلیظ اور کھلا ہوا نفاق پایا جاتا ہے کہ کسی بھی دوسرے میں اس قسم کا نفاق نہیں پایا جاتا۔ ان کے دین کا شعار ہی ''تقیہ'' ہے یعنی اپنی زبان سے وہ بات کہنا جو دل میں نہیں ہے؛ اصل میں یہ منافقت کی بڑی نشانی ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والا وہ انسان تھا جو اسلام؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت سے بغض رکھتا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول سے اور دین اسلام سے بغض رکھنے کی وجہ سے اس قاتل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والا نمازی؛ روزہ دار؛ اور قرآن کی تلاوت کرنے والا انسان تھا؛ اور وہ آپ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے قتل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی تیئں اسی محبت کی وجہ سے اس نے آپ کو قتل بھی کیا۔ حالانکہ وہ اپنے اس اعتقاد میں گمراہ اور بدعت پر تھا۔

مقصود یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے کی نسبت زیادہ کھلا ہوا نفاق پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رافضی اس امت میں سب سے بڑے منافق ہونے کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس امت کا فرعون کہتے ہیں۔ اور آپ کے قاتل معلون ابولؤلؤ فیروز مجوسی سے محبت کا دم بھرتے ہیں؛ حالانکہ وہ بہت بڑا کافر اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا۔ [شیعہ اس مجوسی کو اپنا باپ تصور کرتے ہوئے اسے ''بابا'' کہہ کر پکارتے ہیں]۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سولہویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''سولہویں دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

﴿ وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ (الواقعہ ۱۰۔۱۱)

''اور جو آگے والے ہیں وہ تو آگے والے ہیں۔ وہ بالکل نزدیکی حاصل کیے ہوئے ہیں۔''

ابونعیم نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ: اس امت میں سے سابق حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔'' فقیہ ابن المغازلی الشافعی نے امام مجاہد سے اس آیت ﴿ وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یوشع بن نون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت لے گئے۔ حضرت موسیٰ حضرت ہارون کی طرف سبقت لے گئے۔ اور صاحب یس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت لے گئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سبقت لے گئے۔''

یہ فضیلت آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو حاصل نہ ہوسکی؛ تو پھر آپ ہی امام ہونگے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**جواب**: اس کے کئی ایک جواب ہیں:

**پہلی بات**:...... ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔ ہم اس کی صحیح سند پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں؛ اس لیے کہ بہت ساری ایسی جھوٹی باتیں بھی ہوتی ہیں جنہیں مصنفین [نوٹ کے طور پر] روایت کر لیتے ہیں۔

**دوسری بات**:...... اس روایت کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف نسبت کرنا بھی باطل ہے۔ اگر بشرط صحت آپ سے یہ روایت ثابت بھی ہو جائے؛ تب بھی حجت نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ دوسری روایات میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قوی لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



**تیسری بات:**...... بیشک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (التوبة:۱۰۰)

''مہاجرین وانصار میں سے اوّلین سابقین اور وہ لوگ جنھوں نے نیک اعمال میں ان کی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگئے؛ اوران کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؛ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [فاطر ۳۲]

''پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں پسند فرمایا۔ پھر بعضے توان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعضے ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعضے ان میں اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔''

سابقین اولین وہ صحابہ ہیں جنھوں نے فتح مکہ سے قبل اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔ یہ ان لوگوں سے افضل ہیں جنہوں نے فتح کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اس میں وہ صحابہ بھی شامل ہیں جنھوں نے بیعت رضوان میں شرکت کی تھی؛ ان کی تعداد چودہ سو سے زیادہ تھی۔ پھر یہ بات کیوں کر صحیح ہوسکتی ہے کہ پوری امت میں ایک ہی سابق (حضرت علی) تھے؟

**چوتھی بات:**......شیعہ مصنف کا یہ کہنا کہ: ''یہ فضیلت آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوسکی۔''

یہ بالکل غلط بات ہے۔علمائے کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا تھا؟ایک قول یہ ہے کہ حالانکہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے: اس لحاظ سے آپ کا ایمان لانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے پہلے تھا۔اورایک قول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ سے پہلے ایمان لائے تھے۔لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت بالکل چھوٹے تھے۔ اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا بچے کا اسلام لانا شرعاً معتبر بھی ہے یا نہیں؟ لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اسلام باقی سب کی نسبت اکمل و انفع تھا۔پس اس لحاظ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بالاتفاق سابق بالایمان ہیں۔اور دوسرے قول کے مطابق آپ کو علی الاطلاق سبقت حاصل ہے۔تو پھر بغیر کسی دلیل کے کیسے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان پر سبقت حاصل ہے؟

**پانچویں بات:**......اس آیت میں سابقین اولین کو فضیلت دی گئی ہے۔ اس میں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ جس کا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اسلام جتنا پہلے ہوگا اسے دوسروں پر اتنی زیادہ فضیلت حاصل ہوگی۔ بس اس میں اتنی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقین کو شرف وفضیلت سے نوازا ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾ [الحدید ۱۰]

''تم میں سے جنھوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں بلکہ ان کے بہت بڑے درجے ہیں جنھوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیا، ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے۔''

جب یہ تمام لوگ اسلام میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے شرف سے مشرف ہیں؛ اور یہ دونوں آیات مطلق افضلیت کا تقاضا کرتی ہیں؛ تو پھر ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جو لوگ اسلام لانے کے ساتھ ساتھ انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد وقتال میں بھی سبقت رکھتے ہوں۔ [اور ان اوصاف کی وجہ سے انہیں سبقت حاصل ہو]۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو کہ صرف انتالیس افراد کے بعد اسلام لائے تھے؛ وہ صحیح نصوص اور اجماع صحابہ و تابعین کی روشنی میں ان میں سے اکثر لوگوں سے افضل تھے۔ ہمیں کبھی بھی یہ علم حاصل نہیں ہوسکا کہ کسی نے یہ کہا ہو کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ حالانکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لائے تھے۔ اور کسی نے یہ بھی نہیں کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لائے تھے۔

جب انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد کی وجہ سے بھی فضیلت حاصل ہوتی ہے تو پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس باب میں خاص اور یگانہ مقام ہے۔ آپ سے پہلے کسی دوسرے نے نہ ہی زبان سے جہاد کیا اور نہ ہی مال سے۔ بلکہ آپ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے اس وقت سے حسب امکان اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے اور جہاد فی سبیل اللہ کا حق ادا کرتے رہے۔ آپ نے کئی ایک ان بے بس غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جنہیں اسلام لانے کی وجہ سے تکلیف دی جاتی تھی۔ نیز آپ قتال کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کیا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا﴾ [الفرقان ۵۲]

''اور قرآن کے ذریعے ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں۔''

پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جہاد بالمال اور جہاد بالنفس میں سب سے زیادہ کامل اور لوگوں پر سبقت رکھتے تھے۔

صحیحین میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے کسی کے مال نے اتنا فائدہ نہیں دیا؛ جتنا فائدہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا ہے۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اور فرمایا: ''میں سب لوگوں سے زیادہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال اور رفاقت کا ممنون ہوں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود خبر دے رہے ہیں کہ آپ کی صحبت اور آپ کے مال خرچ کرنے کی وجہ سے سب سے زیادہ فائدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا ہے۔

## امامت علی رضی اللہ عنہ کی سترہویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سترہویں دلیل یہ آیت قرآنی ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (التوبة: ۲۰)

''جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے مرتبہ والے ہیں۔''

''رزین بن معاویہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الجمع بین الصحاح الستة'' میں روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بابت نازل ہوئی جب آپ حضرت طلحہ بن شیبہ رضی اللہ عنہ کیساتھ ایک دوسرے پر اپنے فخر کا اظہار کر رہے تھے۔ یہ فضیلت آپ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کے لیے ثابت نہیں ہے۔ پس آپ سب سے افضل ہوئے اور ساتھ ہی امام اور خلیفہ بھی ہوئے۔'' [شیعہ کا کلام ختم ہوا]۔

**جواب**: اس کے جواب میں کئی اہم باتیں ہیں:

پہلی بات:...... ہم شیعہ مصنف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس روایت کی صحت ثابت کرے۔ محدث رزین [کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنی جانب سے روایت میں بعض الفاظ بڑھا دیا کرتا ہے۔ اور] اپنی کتاب میں ایسی روایات نقل کر دیتا ہے جو صحاح میں نہیں ہوتی۔

دوسری بات:...... رزین کی نقل کردہ روایت صحیح نہیں ہے؛ بلکہ صحیح وہ حدیث ہے جس کے راوی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بیٹھا تھا، ایک شخص نے کہا:

''میں اسلام لانے کے بعد صرف حاجیوں کو پانی پلاؤں گا اور کچھ نہیں کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں صرف خانہ کعبہ کو آباد کروں گا۔ دوسرا کوئی کام نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: جو کچھ تم نے کہا ہے جہاد ان سب سے بہتر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹ کر کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس آواز بلند نہ کرو۔ میں نماز جمعہ سے فارغ ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور تمہارے اختلافی مسائل کا حل دریافت کروں گا۔

''تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (التوبہ: ۱۹)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



’’کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے اور خانہ کعبہ کے آباد کرنے والے کو اس شخص کی مانند قرار دیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو۔‘‘ ❶

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنھوں نے جہاد کو، حاجیوں کو پانی پلانے اور کعبہ کی حفاظت کی نسبت افضل قرار دیا تھا، حق بجانب تھے۔ ان کے مقابلہ میں اس شخص کا قول درست نہیں جس نے ان امور کو افضل تصور کیا تھا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ مسئلہ متنازعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے حریف کی نسبت حق و صداقت کا زیادہ علم تھا۔ اور یہی صحیح بات ہے۔ ❷

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے متعدد امور میں حکم ربانی سے ہم آہنگ رہی تھی۔ آپ ایک بات فرماتے اور اس کی تائید میں قرآن کریم نازل ہو جاتا۔ ایک مرتبہ آپ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! کاش! ہم مقام ابراہیم کو مصلی بناتے۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الشھادۃ فی سبیل اللہ (حدیث:۱۸۷۹)۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ: حضرت عباس نے اپنی قید کے زمانے میں کہا تھا کہ تم اگر اسلام و جہاد میں تھے تو ہم بھی اللہ کے گھر کی خدمت اور حاجیوں کو آرام پہنچانے میں تھے اس پر یہ آیت اتری کہ شرک کے وقت کی نیکی بیکار ہے۔ صحابہ نے جب ان سے پرلے دے شروع کی تو حضرت عباس نے کہا تھا کہ ہم مسجد حرام کے متولی تھے، ہم غلاموں کو آزاد کرتے تھے، ہم بیت اللہ کو غلاف چڑھاتے تھے، ہم حاجیوں کو پانی پلاتے تھے، اس پر یہ آیت اتری۔ مروی ہے کہ یہ گفتگو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ہوئی تھی۔ مروی ہے کہ طلحہ بن شیبہ، عباس بن عبد المطلب، علی بن ابی طالب بیٹھے بیٹھے اپنی اپنی بزرگیاں بیان کرنے لگے، عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا میں بیت اللہ کا کنجی بردار ہوں میں اگر چاہوں وہاں رات گزار سکتا ہوں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں زمزم کا پانی پلانے والا ہوں اور اس کا نگہبان ہوں اگر چاہوں تو مسجد میں ساری رات رہ سکتا ہوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نہیں جانتا کہ تم دونوں صاحب کیا کہہ رہے ہو؟ میں لوگوں سے چھ ماہ پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے میں مجاہد ہوں اور اس پر یہ آیت پوری اتری۔ عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا ڈر ظاہر کیا کہ کہیں میں چاہ زمزم کے پانی پلانے کے عہدے سے نہ ہٹا دیا جاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تم اپنے اس منصب پر قائم رہو تمہارے لیے اس میں بھلائی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث وارد ہوئی ہے۔ ان تمام روایات کے مقابلہ میں ایک اور صحیح سند والی روایت بھی ہے؛ جس کا ذکر بھی یہاں ضروری ہے حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا اسلام کے بعد اگر میں کوئی عمل نہ کروں تو مجھے پرواہ نہیں بجز اس کے کہ میں حاجیوں کو پانی پلاؤں دوسرے نے اسی طرح مسجد حرام کی آبادی کو کہا تیسرے نے اسی طرح راہ رب کے جہاد کو کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹ دیا اور فرمایا منبر رسول اللہ کے پاس آوازیں بلند نہ کرو یہ واقعہ جمعہ کے دن کا ہے جمعہ کے بعد ہم سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا تھا کہ نماز جمعہ کے بعد میں آپ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات دریافت کرلوں گا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے مابین پیش آیا تھا۔

❷ جب کہ ایمان و ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کی وجہ سے فضیلت ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حق میں ثابت ہے جو ایمان لائے؛ پھر ہجرت اور جہاد کے شرف سے بہرہ ور ہوئے۔ یہاں پر کوئی ایسی فضیلت بیان نہیں کی گئی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہو؛ جس کے بارے میں یہ کہنا ممکن ہو کہ یہ فضیلت کسی دوسرے کے لیے ثابت نہیں ہے۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com



پس اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾ [البقرۃ ۱۲۵]

''اور مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو۔''

[آپ فرماتے ہیں]: اور حجاب کی آیت بھی میری خواہش کے مطابق نازل ہوئی۔ کیونکہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کاش آپ اپنی بیویوں کو پردہ کرنے کا حکم دیں، اس لیے کہ ان سے ہر نیک و بد گفتگو کرتا ہے۔ پس حجاب کی آیت نازل ہوئی۔ اور ایک مرتبہ نبی ﷺ کی بیویاں آپ پر نسوانی جوش میں آ کر جمع ہوئیں، تو میں نے ان سے کہا کہ اگر تم باز نہ آئیں تو آپ ﷺ تم کو طلاق دے دیں گے، تو عنقریب آپ کا رب تم سے اچھی بیویاں آپ کو بدلے میں دے گا، جو مسلمان ہوں گی، تب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ﴾

[التحریم ۵]

''اگر وہ (پیغمبر) تمھیں طلاق دے دیں تو بہت جلد انہیں ان کا رب تمہارے بدلے تم سے بہتر بیویاں عنایت فرمائے گا جو اسلام والیاں توبہ کرنے والیاں، عبادت بجالانے والیاں ہوں گی۔''

اس طرح کی دیگر بھی کئی آیات ہیں۔ جو کہ تمام کی تمام صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ یہ کسی ایک مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصویب سے بہت بڑھ کر ہے۔

ایمان ہجرت اور جہاد کی وجہ سے فضیلت بہت سارے صحابہ کرام کے لیے ثابت ہے جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہاں پر کوئی ایسی فضیلت نہیں ہے جو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہوں۔ تاکہ یہ کہنا ممکن ہو سکے کہ یہ فضیلت کسی دوسرے کے لیے ثابت نہیں۔

تیسری بات:...... اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ فضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے تو اس سے ان کی امامت ثابت نہیں ہوتی اور نہ یہ کہ آپ امت میں سب سے افضل تھے۔ خضر علیہ السلام کو ایسے مسائل معلوم تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہ تھے، تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ہُدہُد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ﴾ [النمل ۲۲]

''جو بات مجھے معلوم ہے آپ نہیں جانتے۔''

حالانکہ ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام سے بڑا عالم نہیں تھا۔

چوتھی بات:...... ٹھیک ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ مسئلہ جانتے تھے؛ تو پھر یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ دوسرے صحابہ کرام کو اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ اس مسئلہ کا خصوصی طور پر آپ کو علم ہونے کا دعوی کرنا باطل ہے۔ اس وجہ سے آپ کی خصوصیت بھی باطل ہوئی۔ بلکہ تواتر کے ساتھ یہ بات بھی معلوم شدہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ [بالاولی اس آیت کے مصداق تھے؛ اس

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



لیے ] آپ اپنے مال کیساتھ جہاد کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت رکھتے تھے۔حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مال دار انسان تھے اور جہاد بالمال اور جہاد بالنفس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے کسی کے مال نے اتنا فائدہ نہیں دیا؛ جتنا فائدہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا ہے''

حضرت علی رضی اللہ عنہ تنگ دست تھے، خرچ کرنے کے لیے ان کے پاس مال موجود ہی نہ تھا بخلاف ازیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غنی تھے اور انھوں نے اللہ کی راہ میں کثیر مال صرف کیا تھا۔اس کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ

## امامت علی رضی اللہ عنہ کی اٹھارھویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:'حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منصب خلافت پر فائز ہونے کی اٹھارھویں دلیل یہ آیت ہے :

﴿إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً﴾ (المجادلة:۱۲)

''جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو۔''

حافظ ابونعیم نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے آپ فرماتے ہیں:''اللہ تعالیٰ نے صدقہ کرنے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کرنے کو حرام قرار دیا تھا۔ باقی صحابہ آپ سے کلام کرنے سے قبل صدقہ کرنے میں بخل سے کام لیا کرتے تھے۔صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ صدقہ دیتے تھے۔''مسلمانوں میں سے کسی اور کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوئی۔تفسیر ثعلبی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تین اوصاف کے حامل تھے اگر مجھ میں ان تین باتوں میں سے ایک بھی ہوتی تو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ عزیز تھا:

۱......سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی۔

۲......غزوۂ خیبر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا اعطا کرنا۔

۳......آیت نجویٰ۔

''رزین بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ''الجمع بین الصحاح الستة'' میں روایت کیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:'' اس آیت پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا اور میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے امت کا بوجھ ہلکا کردیا۔''مذکورہ صدر اقوال سے باقی صحابہ پر علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا آپ احق بالامامت ہوں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]۔

**جواب**: ہم کہتے ہیں کہ'' صحیح بات جو ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت پر عمل کیا اور پھر یہ جلد ہی کسی دوسرے کے عمل کرنے سے پہلے منسوخ ہوگئی۔[یعنی دیگر صحابہ کو اس پر عمل کرنے کا شرف حاصل ہونے کا موقع ہی نہ مل سکا]۔علاوہ ازیں اس آیت میں صدقہ کو واجب قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے راز دارانہ طور پر کوئی بات کرنا چاہیں تو صدقہ ادا کریں۔ جو شخص ایسی بات نہ کرنا چاہتا ہو اس کے لیے صدقہ ادا کرنا ضروری نہیں تھا۔ چونکہ سرگوشی واجب نہ تھی لہٰذا غیر واجب چیز کو ترک کرنے میں کسی پر کوئی حرج نہیں یا ملامت نہیں۔ یہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بھی ممکن ہے کہ جو شخص صدقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور اس کی نیت یہ ہو کہ بشرط قدرت وہ نبی کریم ﷺ سے بات چیت کرے گا اور صدقہ دے گا تو اسے اس کی نیت کا اجر وثواب مل جائے گا۔ جس شخص کو نبی کریم ﷺ سے ایسی خفیہ بات کرنے کی ضرورت لاحق نہ ہو تو اسے ناقص قرار نہیں دیا جائے گا۔ البتہ جس شخص کو ایسی ضرورت لاحق ہوئی ہو مگر اس نے بخل سے کام لے کر آپ سے خفیہ بات نہ کی ہو؛ تو اس نے ایک مستحب فعل کو ترک کیا۔ خلفاء کے بارے میں ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بخیل تھے۔ اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اصحاب ثلاثہ اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے۔ بلکہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ بعض ان میں سے موجود نہ ہوں۔ یا اپنی ضرویات میں مشغول ہوں؛ یا انھیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ راز دارانہ بات کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی ہو۔

یہ حکم زیادہ دیر تک باقی نہیں رہا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اتنے لمبے عرصہ میں لازمی طور پر لوگوں کو سرگوشی کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے ایک مستحب فعل کو ترک کر دیا تھا؛ تو ہم اس سے پہلے کئی بار بیان کر چکے ہیں کہ مستحب پر عمل کرنے والا علی الاطلاق دوسروں سے افضل نہیں ہو سکتا۔ [1]

---

[1] یہ حکم صرف چند یوم یا صرف ایک ساعت جاری رہا اس کے بعد منسوخ ہو گیا۔ علامہ نسفی کہتے ہیں: قیل كان ذلك عشر ليال ثم نسخ وقيل ماكان الا ساع من نهار ثم نسخ [مدارك ج 4ص 178 ـ] اس دوران میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو اس آیت پر عمل کرنے کا موقع ملا۔ قبل اس کے کہ کوئی دوسرا آدمی اس پر عمل کرے اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا (ابن کثیر، مدارک وغیرہما) حضرت شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حکم صدقہ کے بعد منافقین، آنحضرت (ﷺ) کے ساتھ بے مقصد سرگوشیاں کرنے سے رک گئے تھے اس لیے مسلمانوں پر آسانی کے لیے اس حکم کو اٹھا لیا۔ کیونکہ اب منافقین، حسب سابق سرگوشیاں کرنے سے شرماتے تھے کہ حکم صدقہ کے دوران مشورے نہیں کرتے تھے، لہٰذا اب بھی نہ کریں۔

ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو بہت لوگ رسول اللہ (ﷺ) سے بات کرنے سے رک گئے اور (مسائل) دریافت کرنے سے باز رہے۔ بغوی نے لکھا ہے لوگ حضور اقدس (ﷺ) سے گفتگو سے رک گئے تنگدست تو اپنی ناداری کی وجہ سے حضور (ﷺ) سے گفتگو کرنے سے معذور ہو گئے اور مالدار لوگ اپنی کنجوسی کی وجہ سے محروم ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہ پر یہ محرومی بڑاں گراں گزری اس کے بعد (بغیر کچھ خیرات کیے) رسول اللہ (ﷺ) سے مسائل پوچھنے کی اجازت ہو گئی۔

مجاہد نے کہا: جب رسول اللہ (ﷺ) سے بات کرنے سے پہلے کچھ خیرات کرنے کا حکم نازل ہوا تو سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی نے رسول اللہ (ﷺ) سے کوئی سوال نہیں کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ہی سب سے پہلے ایک دینار خیرات کر کے حضور (ﷺ) والا سے بات کی۔ پھر آیت اجازت نازل ہوئی اسی بنیاد پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ کتاب اللہ میں ایک ایسی آیت ہے کہ اس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد کوئی کرے گا یہ آیت مناجات: ﴿إذا ناجيتم الرسول﴾ ہے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور حاکم نے مستدرک میں بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کتاب الٰہی میں ایک آیت ایسی ہے کہ اس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا۔ میرے پاس ایک دینار تھا اس کو بھنایا (یعنی ایک دینار کے چھوٹے سکے لیے) جب میں رسول اللہ (ﷺ) سے کوئی کلام کرتا تو (پہلے) ایک درہم خیرات کر دیا کرتا تھا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا:

''تم میں سے آج کون روزہ سے ہے؟'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ہوں۔

فرمایا کہ ''تم میں سے کسی نے جنازہ کو الوداع کہا ہے؟''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا رسول اللہ! میں نے جنازہ پڑھا ہے۔''

پھر آپ نے دریافت کیا: ''کیا تم میں سے کسی نے صدقہ دیا ہے؟''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے صدقہ دیا ہے۔

آپ نے فرمایا: ''جس شخص میں یہ سب باتیں جمع ہو جائیں وہ جنتی شخص ہے۔'' ❶

اس طرح کی روایت وفضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے کے حق منقول نہیں ہے۔

صحیحین میں ثابت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک قسم کی دو چیزیں دے اس کو جنت کے دروازوں سے پکارا جائے گا: اللہ کے بندے! خیر یہاں ہے۔ پس جو شخص نمازیوں میں سے ہوگا وہ نماز کے دروازے سے پکارا جائے گا۔ اور جو جہاد کرنے والوں سے ہوگا وہ جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا۔ اور جو شخص صدقہ کرنے والوں میں سے ہوگا اس کو صدقہ کے دروازہ سے بلایا جائے گا۔ اور جو شخص روزہ داروں میں سے ہوگا اس کو روزے کے دروازہ باب الریان سے پکارا جائے گا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اور جو شخص ان سب دروازوں سے بلایا جائے گا اس کو پھر کوئی اندیشہ نہ ہوگا۔ اور دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا کوئی شخص ان سب دروازوں سے پکارا جائے گا؟

آپ نے فرمایا: ''اور میں امید رکھتا ہوں کہ اے ابوبکر تم ان ہی میں سے ہو۔'' [البخاری: ج دوم: ح ۸۸۳]

یہ فضیلت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے ثابت نہیں ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایک شخص ایک بیل کو ہانکنے لیے جا رہا تھا اور اس پر بوجھ لاد رکھا تھا۔ بیل اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: ''مجھے اس لیے نہیں پیدا کیا گیا۔ بلکہ میں کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔''

لوگوں نے گھبرا کر کہا: سبحان اللہ! حیرت ہے کہ بیل کس طرح بات چیت کرنے لگ گیا۔''

نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔''

حالانکہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما وہاں موجود نہ تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

❶ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (حدیث: ۱۲/ ۱۰۲۸)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



’’ایک چرواہا اپنی بکریوں میں تھا کہ ایک بھیڑیئے نے اس پر حملہ کیا اور ایک بکری کو اٹھا کر لے گیا چرواہے نے اس بکری کو بھیڑیئے سے چھڑا لیا تو بھیڑیئے نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا:’’ درندہ مسلط ہونے کے دن بکری کا کون محافظ ہوگا؟ جس دن کہ میرے سوا بکری چرانے والا کوئی نظر نہ آئے گا؟ لوگوں نے یہ واقعہ سن کر سبحان اللہ کہا تو رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:’’ میں اور ابوبکر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اس پر ایمان لائے ہیں۔‘‘ [صحیح بخاری:ج:۲:ح ۸۸۰]

حالانکہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس وقت وہاں پر موجود نہ تھے۔

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

’’ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے مجھے جس قدر فائدہ پہنچا دوسرے کسی کے مال سے نہیں پہنچا۔‘‘❶

یہ روایت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خصائص میں انتہائی واضح اور صریح ہے۔اس میں کوئی بھی دوسرا آپ کا شریک نہیں ؛ نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نہ ہی کوئی دوسرا۔

بخاری و مسلم میں روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’صحبت و رفاقت اور انفاق مال کے اعتبار سے ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے سب سے بڑے محسن ہیں اور اگر میں کسی کو گہرا دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔البتہ اسلامی اخوت و مودّت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔مسجد نبوی کی طرف کھلنے والی سب کھڑکیاں بند کر دی جائیں مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کھلی رہے۔‘‘❷

سنن ابی داؤد میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

’’اے ابوبکر! آپ میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔‘‘❸

ترمذی و ابوداؤد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔میرے پاس ان دنوں مال تھا۔میں نے کہا آج میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جاؤں گا۔چنانچہ میں گھر میں گیا اور آدھا مال لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔نبی کریم نے دریافت کیا:

’’بال بچوں کے لیے کیا باقی چھوڑا؟ میں نے کہا:اس کے برابر۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر کا تمام اثاثہ لے آئے۔آپ نے فرمایا:’’ابوبکر رضی اللہ عنہ! گھر میں کیا باقی چھوڑا۔‘‘

عرض کیا:’’اللہ اور اس کے رسول کو باقی چھوڑ آیا ہوں۔‘‘

---

❶ سنن ترمذی، کتاب المناقب۔(ح:۳۶۶۱)، سنن ابن ماجة۔باب فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (ح:۹٤)

❷ البخاری، کتاب مناقب الانصار(ح:۳۹۰٤)مسلم۔باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (ح:۲۳۸۲)

❸ سنن ابی داود۔کتاب السنة، باب فی الخلفاء (حدیث:٤٦٥۲)، و سندہ ضعیف۔

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com



[پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے اللہ و رسول بس]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے کہا آج کے بعد میں کبھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقابلہ نہیں کروں گا۔'' ❶

صحیح بخاری میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی چادر کا کنارہ اٹھائے ہوئے آئے ان کا گھٹنا کھل گیا تھا؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے یہ دوست لڑ کر آ رہے ہیں۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آ کر سلام کیا اور کہا: ''میرے اور ابن خطاب کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا؛ میں نے بے ساختہ انہیں کچھ کہہ دیا؛ اس کے بعد میں شرمندہ ہوا اور میں نے ان سے معاف کر دینے کی درخواست کی؛ لیکن انہوں نے معافی دینے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا میں آپ کے پاس التجا لایا ہوں۔

آپ نے تین مرتبہ فرمایا: ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! اللہ تمہیں معاف کر دے۔''

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ شرمندہ ہوئے؛ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے؛ اور دریافت کیا: ابوبکر رضی اللہ عنہ یہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا: وہ موجود نہیں۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے؛ آپ کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہونے لگا؛ حتی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ڈر گئے؛ اور گھٹنوں کے بل ہو کر عرض کیا: ''میں نے ہی ظلم کیا تھا۔''

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا؛ تو تم لوگوں نے کہا جھوٹا ہے۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ سچ فرماتے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے مال و جان سے میری خدمت کی۔ پس کیا تم میرے لیے میرے دوست کو چھوڑ دو گے یا نہیں دو مرتبہ (یہی فرمایا)۔ اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کسی نے نہیں ستایا۔'' ❶

اور ایک دوسری روایت میں ہے: ''میں نے کہا: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں'' تو تم نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو؛ اور ابوبکر نے کہا: ''آپ سچ فرماتے ہیں۔''

ترمذی میں مرفوعاً روایت کیا گیا ہے کہ:

جس قوم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں ان کو چاہیے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کو امام مقرر نہ کریں۔ ❷

حضرت عثمان کا ایک ہزار اونٹ کو جنگ کے لیے تیار کرنا۔ ❸ سرگوشی کے صدقہ سے کئی گنا بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ جہاد میں خرچ کرنا فرض تھا۔ جب کہ اس کے برعکس سرگوشی کرنے کی وجہ سے صدقہ صرف ان لوگوں پر فرض تھا جو سرگوشی یا

---

❶ سنن ابی داؤد۔ کتاب الزکاۃ (ح:١٦٧٨)، سنن ترمذی کتاب المناقب، باب (١٦/ ٤٣)، (ح:٣٦٧٥)

❷ الترمذی، کتاب المناقب (ح:٣٦٧٣)، و سندہ ضعیف اس کی سند میں عیسیٰ بن میمون راوی ضعیف ہے۔

❸ صحیح بخاری۔ کتاب مناقب الانصار۔ باب قول اللہ عزوجل ﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ......﴾ (ح :٣٧٩٨) صحیح مسلم، کتاب الأشربۃ۔ باب اکرام الضیف (حدیث: ٢٠٥٤)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



راز دارانہ بات کرنا چاہتے ہوں۔ اور جو ایسی کوئی بات نہ کرنا چاہتا ہو اس کے لیے صدقہ کرنا ضروری نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ انصار کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ہے:

﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (حشر: ۵۹)

''وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود سخت ضرورت ہی کیوں نہ ہو۔''

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ:

''ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا؛ اور بھوک اور تنگی کی شکایت کی۔ آپ نے اپنی ازواج مطہرات کے پاس آدمی بھیجا؛ مگر جواب ملا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! گھر میں ہمارے پاس پانی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔''

پھر دوسری کے پاس آدمی بھیجا تو وہاں سے بھی یہی جواب ملا۔ حتی کہ تمام ازواج مطہرات سے یہی جواب ملا کہ: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! گھر میں ہمارے پاس پانی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔''

آپ نے اعلان فرمایا: ''آج رات جو اس کی ضیافت کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائیں گے۔''

یہ سن کر ایک انصاری اٹھ کر عرض گزار ہوا: اے اللہ کے رسول! اس خدمت کے لیے میں حاضر ہوں۔''

وہ اس مہمان کو لیکر اپنے گھر چلا گیا۔ اور اپنی بیوی سے کہا: کیا گھر میں کچھ کھانے کے لیے ہے؟ تو اس نے جواب دیا: گھر میں صرف بچوں کے لیے کھانا ہے۔ اس نے کہا: بچوں کو بھلا پھسلا کر سلا دو۔ اور جب مہمان گھر میں داخل ہو جائے تو چراغ گل کر دو؛ [اور جو کچھ ہے مہمان کو پیش کر دو] اور اس کو یوں باور کراؤ کہ ہم اس کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ پس جب مہمان کھانے کی طرف جھکا تو اس نے چراغ گل کر دیا۔ اور خود بیٹھ گئے۔ مہمان نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ جب صبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''بیشک اللہ تعالیٰ کو آج رات آپ کا آپ کے مہمان کے ساتھ یہ سلوک بہت بھلا لگا ہے۔'' ایک روایت میں ہے: تب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (حشر: ۵۹) [1]

''وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود سخت ضرورت ہی کیوں نہ ہو۔''

[یہ سرگوشی کی نسبت بہت بڑا کام ہے]۔

خلاصہ کلام! انفاق فی سبیل اللہ؛ اور دوسرے ابواب میں بہت سارے مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے ایسے فضائل ثابت ہیں جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں نہیں آئے۔ اس لیے کہ عہد رسالت مآب میں آپ کے پاس

[1] صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر ۸۷۸۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کوئی مال نہیں تھا جسے خرچ کر کے یہ مقام حاصل کرتے۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انیسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَ اسْأَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا﴾ (الزخرف ۴۵)

''اور ہمارے ان نبیوں سے پوچھو! جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا۔''

ابن عبدالبر و ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء علیہم السلام کو جمع کر کے فرمایا: اے محمد! ان سے پوچھیں کہ تمہاری بعثت کس بات پر عمل میں آئی تھی؟ انھوں نے کہا: ''اس بات کی شہادت پر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں نیز آپ سچے نبی ہیں اور علی آپ کے امام و خلیفہ ہیں۔''

اس روایت سے صراحۃً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا اثبات ہوتا ہے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**[جواب]**: اس کا جواب کئی طرح سے دیا جاسکتا ہے:

پہلی وجہ:......ہم رافضی سے اس روایت اور اس جیسی دیگر روایات کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں: بلاشبہ یہ روایت اور اس کے نظائر و امثال سب کذب ہیں۔ تو ہمیں اس بات میں کوئی ادنی سا شک وشبہ نہیں کہ یہ روایات انتہائی قبیح قسم کا جھوٹ ہیں۔ لیکن ہم بطور مناظرہ کہتے ہیں کہ: اگر یہ روایت کذب نہ بھی ہوتی؛ تب بھی اثبات صحت سے قبل استدلال کرنا ناروا تھا۔ کیونکہ جس روایت کی صحت کا علم نہ ہو اس سے استدلال کرنا بالکل جائز نہیں ہے؛ اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ کیونکہ اس کا قول بغیر علم کے ہے؛ اور بغیر علم کے بات کہنا کتاب وسنت اور اجماع کی روشنی میں حرام ہے۔

دوسری وجہ:......ایسی روایات کے موضوع اور من گھڑت ہونے پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔

تیسری وجہ:......اہل علم و عقل جانتے ہیں کہ یہ روایات ایسا باطل جھوٹ ہیں جن کی تصدیق صرف وہی انسان کرسکتا ہے جسے نہ ہی عقل ہو اور نہ ہی دین۔ بلکہ اس کا کام ہی ایسی روایات گھڑنا اور بیباکی سے جھوٹ بولنا ہو۔ سخت حیرت تو یہ ہے کہ جو چیز اصل ایمان میں داخل نہیں اس کے بارے میں انبیاء سے کیوں کر پوچھا جائے گا؟

اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اگر ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا اور آپ کی اطاعت کرتا ہو؛ وہ مر جائے اور اسے علم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم اجمعین کو پیدا کیا تھا تو عدم علم سے اسکے ایمان کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا؛ اور نہ ہی یہ بات اس کے جنت میں داخل ہونے کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ اگر یہ حال امت کا ہے تو پھر یہ کہنا کس حد تک درست ہے کہ صحابہ میں سے ایک (حضرت علی) پر ایمان لانا انبیاء کے لیے ناگزیر ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے صرف یہ عہد لیا تھا کہ اگر انکی زندگی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو کر آجائیں تو ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا ہوگی؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ [آل عمران ۸۱]

''جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمھیں کتاب وحکمت سے دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لیے اس پر ایمان لانا اوراس کی مدد کرنا ضروری ہے۔فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہواوراس پر میرا ذمہ لے رہے ہو؟ سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے۔فرمایا تو اب گواہ رہواور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔''

حضرت ابن عباس نے ﴿ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ﴾ کی تفسیر میں یہ بات کہی ہے۔ ❶

❶ یہی تفسیر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، دیکھیں تفسیر ابن جریر۔ ۵/ ٦٦)

تفسیر قرطبی میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسری روایت میں ہے انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے سات صفیں بنا کر نماز پڑھی مرسلین کی تین صفیں تھیں اور انبیا کی چار صفیں تھیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متصل پیچھے حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے ان کی دائیں جانب حضرت اسماعیل اوران کے بائیں جانب حضرت اسحاق پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تھے پھر باقی ماندہ مرسلین تھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں دو رکعتیں پڑھائیں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوئے اور کہا، میرے رب نے میری طرف وحی کی کہ میں تم سے سوال کروں کیا تم میں سے کوئی ایسا رسول بھی بھیجا گیا ہے جو غیر اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہو؟ انہوں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم سب ایک ہی دعوت کے ساتھ بھیجے گئے ہیں وہ لا الہ الا اللہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جن کی وہ عبادت کیا کرتے ہیں وہ سب باطل ہے آپ خاتم النبین اور سید المرسلین ہیں آپ نے ہمیں جو امامت کرائی ہے اس سے یہ امر ہمارے لیے ظاہر ہو چکا ہے تیرے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں مگر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ کے نقش قدم کی پیروی کریں۔(۱)

سعید بن جبیر نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا کے بارے میں فرمایا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) لیلۃ المعراج کو رسولوں سے ملے۔ ولید بن مسلم نے اس ارشاد کی وضاحت میں کہا، میں نے اس بارے میں خلید بن وعلج سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے قتادہ نے بیان کیا کہا، معراج کی رات ان سے سوال کیا آپ انبیا سے ملے حضرت آدم سے ملے اور جہنم کے خازن سے ملاقات کی۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کی تفسیر میں یہی صحیح ہے۔اس تعبیر کی بنا پر رسلنا سے پہلے من زائد نہیں۔ مبرد اور علما کی ایک جماعت نے کہا، اس کا معنی ہے تم سے قبل جو رسول بھیجے گئے ان کی امتوں سے پوچھو۔ یہ بھی روایت کی گی ہے کہ حضرت ابن مسعود کی قرات میں ہے: واسال الذی ارسلنا الیھم قبلك رسلنا یہ قرات تفسیر کی بنا پر ہے اس تعبیر کی بنا پر من زائد ہے، یہ مجاہد، سدی، ضحاک، قتادہ، حسن بصری اور حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے پوچھیے جو دو کتابوں یعنی تورات وانجیل والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ان انبیا کے بارے میں پوچھیں جو آپ سے قبل مبعوث کیے گئے عن کو حذف کر دیا گیا اور رسلنا پر وقف تام ہے پھر انکار کے طریقہ پر استفہام سے ابتدا کی گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے، آپ ان رسولوں کے پیروکاروں سے پوچھیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تو یہاں سے مضاف محذوف ہے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد ساری امت ہے۔ جب کہ علامہ سیوطی نے اس کی تفسیر میں یہ آثار نقل کیے ہیں:

ا:۔ سعید بن منصور رحمہ اللہ علیہ وعبد بن حمید رحمہ اللہ علیہ وابن جریر رحمہ اللہ علیہ وابن المنذر رحمہ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ ⇦⇦⇦

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



انبیاء کرام علیہم السلام سے رسالت و بعثت محمدی کے تفصیلی امور پر ایمان لانے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ تو پھر باقی اہل ایمان کو چھوڑ کر کسی ایک صحابی کی موالات کا عہد انبیائے کرام سے کیسے لیا جا سکتا ہے؟

چوتھی وجہ:......اس آیت کے الفاظ یہ ہیں: ﴿وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَٰنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ﴾ [الزخرف ۴۵]

''اور ہمارے ان نبیوں سے پوچھو! جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا ہم نے سوائے رحمٰن کے اور معبود مقرر کیے تھے جن کی عبادت کی جائے۔''

اس آیت میں یہ سوال نہیں کیا گیا کہ ان سے پوچھا جائے کہ انہیں کس چیز کے ساتھ مبعوث کیا گیا تھا؟ [بخلاف ازیں آیت میں انبیاء سے یہ بات دریافت کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ کیا ہم نے کچھ اور بھی معبود مقرر کیے ہیں جن کی پرستش کی جائے؟]

پانچویں وجہ:......اعتراض کرنے والے کا قول کہ: انبیاء کو ان تین باتوں کا حکم دیکر مبعوث کیا گیا تھا؛ اگر اس کی مراد یہ ہو کہ ان تین باتوں کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں تھی تو یہ رسولوں پر جھوٹ ہے۔ اور اگر کہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت کے اصول یہی تھے تو بھی یہ انبیائے کرام علیہم السلام پر جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ جن اصول دین کو دیکر اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا تھا؛ ان میں: اللہ تعالیٰ پر ایمان؛ آخرت پر ایمان اور اصول شرائع شامل ہیں۔ ان پر ایمان لانا ان کے ہاں کسی نبی کے کسی صحابی پر ایمان لانے سے بڑھ کر بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرنے سے زیادہ اہم تھا۔ اس لیے کہ ان لوگوں پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اجمالی ایمان رکھنا واجب تھا۔ جیسا کہ ہم پر سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام پر اجمالی ایمان رکھنا واجب ہے۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پالیتا تو اس پر آپ کی شریعت پر ایسے ہی تفصیلی ایمان لانا واجب ہوتا جیسے ہم پر تفصیلی ایمان لانا واجب ہے۔ جب کہ باقی انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعتوں پر تفصیلی ایمان ان امتوں کے لوگوں پر واجب تھا۔ تو پھر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ جو چیز امت پر واجب ہے اسکے بیان کو چھوڑ دیا جائے اور جس چیز پر ایمان لانا واجب نہیں ہے اسے بیان کیا جائے؟

⇦⇦⇦ سے آیت ﴿وسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا﴾ (اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا پوچھ لیجئے) کے بارے میں روایت کیا کہ آپ نے شب معراج میں رسولوں سے ملاقات فرمائی۔

۲:۔ابن المنذر رحمہ اللہ علیہ نے ابن جریج رحمہ اللہ علیہ سے آیت ﴿ وسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا﴾ کے بارے میں روایت کیا کہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ آپ کو شب معراج میں انبیا دکھائے گئے آپ نے آدم (علیہ السلام) کو دیکھا اور ان کو سلام کیا اور آپ نے دوزخ کے داروغہ مالک کو دیکھا اور دجال کذاب کو بھی دیکھا۔

۳:۔عبدالرزاق رحمہ اللہ علیہ وعبد بن حمید رحمہ اللہ علیہ وابن جریر رحمہ اللہ علیہ وابن المنذر رحمہ اللہ علیہ نے قتادہ رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ آیت ﴿ وسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الهة يعبدون ﴾ اور آپ سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا اور معبود مقرر کر رکھے تھے کہ ان کی عبادت کی جاتی ہو (یعنی آپ تورات اور انجیل والوں سے پوچھ لیجئے کیا رسول توحید کے علاوہ کوئی اور چیز لاتے ہیں اور بعض قر میں اس طرح ہے) آیت ﴿ وسئل من ارسلنا اليهم رسلنا قبلك﴾

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



چھٹی وجہ :...... لیلۃ الاسراء کا واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں پیش آیا۔ کہا جاتا ہے کہ : یہ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے کا واقعہ ہے ؛ اور کہا گیا ہے کہ : پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں ۔ معراج کی رات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر چھوٹی تھی۔ اس وقت تک آپ نے ہجرت بھی نہیں کی تھی اور نہ ہی جہاد کیا؛ اور نہ ہی کوئی دیگر ایسا کام ہوا جس کی وجہ سے انبیائے کرام علیہم السلام کے سامنے آپ کا ذکر کیا جاتا۔ حقیقت میں انبیائے کرام علیہم السلام کی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا ۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی کتابیں موجود ہیں ۔ ان میں سے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارات ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالی ہیں ۔ ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوئی تذکرہ نہیں ۔ بلکہ ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ تابوت جس میں انبیائے کرام علیہم السلام کی تصویریں تھیں ؛ اور وہ تابوت مصر کے بادشاہ مقوقس کے پاس موجود تھا۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تصاویر بھی موجود تھیں۔ اور مقوقس ان کے مطابق ہی حکم الٰہی کو قائم کرتا تھا۔ اور آج تک جو اہل کتاب مسلمان ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک نے یہ ذکر تک نہیں کیا کہ ان کی کتابوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی کوئی ذکر ملتا ہے ۔ تو پھر یہ کہنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کے اقرار پر مبعوث کیا گیا تھا ؛ حالانکہ انہوں نے نہ ہی اپنی امتوں کے سامنے کچھ ایسا ذکر کیا اور نہ ہی ان میں سے کسی ایک سے کوئی ایسی بات نقل کی گئی ؟

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیسویں دلیل :

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیسویں دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

﴿وَ تَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ﴾ (الحاقة : ۱۲) ''تاکہ یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔''

''ثعلبی کی تفسیر میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے علی! میں نے اللہ سے یہ دعا کی تھی کہ وہ تیرے کانوں کو ایسا بنا دے۔ اسی طرح ثعلبی نے بطریق ابونعیم ذکر کیا ہے: اے علی! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے قریب ہو جاؤں اور تمہیں علم سکھاؤں ۔ تاکہ تم اسے یاد رکھو اور مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے: ﴿وَ تَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ﴾ (الحاقة : ۱۲) ''تاکہ یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔'' پس تم ہی یاد رکھنے والے کان ہو۔'' یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ منفرد تھے۔ لہٰذا وہی امام ہوں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]۔

**[جواب]** : اس کا جواب کئی طرح سے دیا جاسکتا ہے :

- اول :...... ہم اس روایت کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں ۔ اس لیے کہ ابونعیم اور ثعلبی ایسی روایات بھی نقل کرتے ہیں جن سے استدلال کرنا بالاجماع جائز نہیں ۔
- دوم :...... یہ روایت موضوع ہے۔ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔
- سوم :...... اللہ تعالیٰ کا فرمان :

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ حَمَلْنَٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ﴾

[الحاقه ۱۱۔۱۲]

''جب پانی میں طغیانی آ گئی تو اس وقت ہم نے تمہیں کشتی میں چڑھا لیا۔تا کہ اسے تمہارے لیے نصیحت اور یادگار بنا دیں اور (تا کہ) یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔''

جہاں تک زیر نظر آیت کا تعلق ہے ؛ تو یہاں پر ایک کان مراد نہیں ہے؛ اس میں جملہ بنی آدم سے خطاب کیا گیا ہے[ ایک شخص سے خطاب نہیں ہے ]۔اس لیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو کشتی میں سوار کرنا عظیم ترین نشانی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ﴾

[یس]

''ان کے لیے ایک نشانی (یہ بھی) ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔اور ان کے لیے اسی جیسی اور چیزیں پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيَكُم مِّنْ آيَاتِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾ [لقمان ۳۱]

''کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ سمندر میں کشتیاں اللہ کے فضل سے چل رہی ہیں تا کہ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دے، یقیناً اس میں ہر ایک صبر وشکر کرنے والے کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔''

بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گوش حق نیوش حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین اور امت کے باقی لوگوں کے کانوں کی مانند تھے۔تو اس صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی خاص خصوصیت نہ ہوئی۔ یہ بات اضطراری طور پر معلوم ہے کہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کان ہی حق سننے والے نہیں ہیں۔ اس بات کو کون تسلیم کرسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسن و حسین اور عمار و ابوذر؛ سلیمان الفارسی ؛ اور مقداد اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم اجمعین جن کی فضیلت پر شیعہ ہمارے موافق ہیں' کیا ان کے کان آواز حق کو سننے والے نہ تھے؟ اگر یہی سننے اور یاد رکھنے والے کان دوسرے لوگوں کے بھی تھے تو پھر یہ کہنا جائز نہ ہوا کہ یہ فضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے کو حاصل نہ ہوسکی تھی؟ بتایئے اب تفرد وافضلیت کی کونسی بات رہی؟

اس میں کوئی شک وشبہ والی بات نہیں کہ ظالم و جاہل شیعہ کے بیان کردہ مقدمات اسی طرح بے بنیاد ہوتے ہیں۔ اہل بدعت میں سے کسی ایسے گروہ کے متعلق علم نہیں ہوسکتا جن کے دلائل رافضیوں کے دلائل سے بڑھ کر بودے اور کمزور ہوں۔ بخلاف معتزلہ اور دوسرے لوگوں کے۔ اس لیے کہ ان کے پاس ایسے دلائل و براہین ہیں؛ جن کی وجہ سے بڑے بڑے اہل علم و عقل بعض اوقات شبہ میں پڑ جاتے ہیں۔ جب کہ شیعہ کے براہین ودلائل بے حقیقت اور بودے ہوتے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ہیں۔ایسے دلائل کو وہی شخص تسلیم کر سکے گا جو ظالم اور جاہل ہو یا پھر جوان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر چکا ہو یا صاحب بدعت وعصبیت ہو؛ اور جو چیز بھی اس کی خواہشات کے موافق ہو اسے قبول کرتا ہو خواہ وہ حق ہو یا باطل۔اسی لیے یہ مقولہ زبان زد خاص و عام ہے کہ شیعہ عقل و نقل اور دین و مذہب سے بے گانہ اور حکومت و سلطنت سے عاری ہیں۔

اسی لیے علمائے کرام رحمہم اللہ کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ: اگر جہالت کے حکم کو لوگوں کے ساتھ معلق کر دیا جائے تو یہ رافضہ کو مکمل طور پر اپنے اندر گھیر لے گا۔ مثلاً اگر کوئی یہ قسم اٹھائے کہ میں لوگوں میں سب سے جاہل انسان سے بغض و نفرت رکھتا ہوں؛ یا اس طرح کی دیگر کوئی قسم اٹھائے؛[تو یہ قسم رافضیوں پر صادق آئے گی]۔اور ایسے ہی اگر سب سے جاہل حق کے میں کچھ وصیت کر دے؛ تو پھر رافضیوں کے حق میں ٹھیک نہ ہوگی۔اس لیے کہ وصیت کو پورا کرنا اطاعت اور قربت الٰہی کا کام ہے۔اور اس کے برعکس اگر ایسی قوم کے متعلق وصیت کرے جس میں کافر اور جاہل سبھی موجود ہوں تو جائز ہے۔بخلاف اس کے کہ اگر وہ کفر اور جہالت دونوں کی شرط لگائے۔

پھر رافضیوں کی علمی تہی دامنی کا یہ عالم ہے کہ کسی چیز کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہونے کا دعوی کرتے ہیں ؛ حالانکہ وہ ایسا ہوتا نہیں۔پھر یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ فضیلت کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکی۔حالانکہ بسا اوقات وہ صحابہ کرام کے مشترکہ فضائل میں سے ہوتی ہے۔اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت شدہ فضائل عام ہیں جن میں دوسرے صحابہ بھی آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ بخلاف حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ۔ ان دونوں حضرات کے ایسے فضائل اور خصوصیات ہیں جن میں کوئی دوسرا ان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔پھر دوسرا دعوی کرتا ہے کہ اس فضیلت کی وجہ سے آپ کی امامت واجب ہوتی ہے۔ یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ کسی چیز میں جزوی فضیلت سے نہ ہی مطلق فضیلت لازم آتی ہے اور نہ ہی امامت اور نہ ہی ایسی فضیلتیں امام کے لیے خاص ہوتی ہیں۔بلکہ امام اور دوسرے لوگوں کے لیے بھی ایسے فضائل ثابت ہوتے ہیں۔فاضل مطلق کے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔

اس رافضی نے اپنے دعوی کو تین مقدمات پر قائم کیا تھا۔ یہ تینوں باطل ہوئے ؛ پھر چوتھا دعوی کیا ؛ اس میں بھی نزاع ہے۔لیکن ہم اس میں ان سے کوئی اختلاف نہیں کرتے۔ بلکہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو افضل ہو وہی امامت کا مستحق ہے۔لیکن اس مسئلہ میں رافضی کے پاس کوئی حجت نہیں ہے۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اکیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امام ہونے کی اکیسویں دلیل آیت قرآنی:﴿هَلْ أَتَىٰ﴾ ہے۔مفسر ثعلبی نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما بیمار پڑ گئے۔تو ان کے نانا اور عام عرب لوگ بیمار پرسی کے لیے آئے۔لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا، ابوالحسن! اپنے بچوں کے لیے نذر مانیے۔آپ نے تین دن روزہ کی منت مانی۔اسی طرح ان کی والدہ نے بھی نذر مانی۔اور فضہ نامی ان کی لونڈی نے بھی ایسے ہی نذر مانی۔ چنانچہ بچے تندرست ہو گئے۔آل محمد کے گھر میں تھوڑا یا بہت کھانے کو کچھ بھی نہ تھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین صاع جو قرض

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



لیے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں پیسا اور اس سے پانچ روٹیاں پکائیں۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک روٹی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی اور گھر آئے۔ آپ کے سامنے کھانا رکھا گیا تو ایک مسکین آ کر کھانا طلب کرنے لگا؛ اس نے کہا: السلام علیکم اے اہل بیت محمد! مسکین مسلمانوں میں سے ایک مسکین ہوں؛ مجھے بھی کھانا کھلا دو؛ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دسترخوانوں سے کھلائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ آواز سن لی؛ اور مسکین کو کھانا دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ کھانا مسکین کو دے دیا؛ اور شب و روز پانی کے سوا کچھ نہ کھایا۔

جب دوسرا روز ہوا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاع کھانا پکایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ نماز پڑھ کر گھر تشریف لائے۔ آپ کے سامنے کھانا لا کر رکھا گیا؛ اتنے میں ایک یتیم آ کر دروازہ پر کھڑا ہو گیا اور کھانا طلب کرنے لگا اس نے کہا: السلام علیکم اے اہل بیت محمد! ''اے محمد کے گھر والو! میں مہاجرین کی اولاد میں سے یتیم ہوں۔ میرے والد یوم العقبہ کو شہید ہوئے تھے، مجھے کھانا کھلاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دسترخوان پر سے کھانا کھلائے گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ آواز سن لی؛ اور اسے کھانا دینے کا حکم دیا۔ تو وہ کھانا اسے دیدیا گیا۔ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ [اور ان کے اہل خانہ] نے دو دن اور دو راتیں پانی کے سوا کچھ نہ کھایا۔

اس طرح جب تیسرا دن ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تیسرا صاع جو کا پیسا' اور اس سے روٹیاں پکائیں؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی اور گھر آئے۔ آپ کے سامنے کھانا رکھا گیا تو ایک قیدی آ کر کھانا طلب کرنے لگا؛ اس نے کہا: کیا آپ ہمیں قیدی بناتے ہیں اور پھر ہمیں بھگاتے ہیں؛ اور ہمیں کھانا نہیں کھلاتے۔ میں اسیر محمد ہوں' مجھے کھانا کھلاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دسترخوان پر سے کھانا کھلائے گا۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ آواز سن لی؛ اور اسے کھانا دینے کا حکم دیا۔ تو وہ کھانا اسے دیدیا گیا۔ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ [اور ان کے اہل خانہ] نے تین دن اور تین راتیں پانی کے سوا کچھ نہ کھایا۔

چوتھے روز جب آپ نے اپنی نذر پوری کر دی؛ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن کو اپنے دائیں ہاتھ میں اور حضرت حسین کو اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑا؛ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ بھوک کی شدت سے ایسے کانپ رہے تھے جیسے چھوٹے چوزے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا: ''اے ابوالحسن! تمہاری اس حالت نے مجھے بہت پریشان کر دیا۔ میرے ساتھ میری بیٹی فاطمہ کے گھر چلو۔'' آپ ان کے پاس چلے گئے۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ میں تھیں۔ اور بھوک کی شدت کی وجہ سے آپ کا پیٹ پیٹھ سے لگ رہا تھا۔ اور آپ کی آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دیکھا تو چلائے: ہائے غوث! اللہ کی قسم! کیا اہل بیت محمد ایسے ہی بھوک سے مر جائیں گے۔ اس وقت جبرائیل نازل ہوئے' اور فرمایا: ''اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے اہل بیت کے بارے میں خوشخبری دی ہے۔ آپ نے پوچھا: اے جبریل کیا لیکر آئے ہو؟ تو آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ﴾

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''کیا انسان پر ایسا وقت نہیں آیا۔''

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گوناگوں اوصاف کے حامل تھے؛ جو آپ سے پہلے کسی اور کو نہیں ملے۔ اور نہ ہی کوئی آنے والا یہ اوصاف پا سکے گا؛ تو اس لحاظ سے آپ باقی لوگوں سے افضل ہوئے۔ پس یہ ان کے امام ہونے کی دلیل ہے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**[جواب]**: اس کا جواب کئی طرح سے دیا جاسکتا ہے:

پہلی بات:...... ہم شیعہ مصنف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کی صحت ثابت کرے۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہم یہ مطالبہ کر چکے ہیں۔ کسی بات کو صرف واحدی' ثعلبی یا ان جیسے لوگوں کا روایت کر لینا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ روایت بھی صحیح اور قابل حجت ہے۔ اس پر تمام اہل سنت اور شیعہ کا اتفاق ہے۔ اگر دو فریقین کے مابین احکام و فضائل کے مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ پر اختلاف ہو جائے؛ اور ان میں سے ایک کوئی ایسی حدیث پیش کرے جس کی صحت کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہو' سوائے اس کے کہ ان جیسے مفسرین نے اسے نقل کیا ہے۔ تو یہ اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل نہ ہوگی۔ اور نہ ہی اس سے فریق مخالف پر حجت قائم ہوگی۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

شیعہ کی عادت ہے کہ ایسی روایت پیش کرتے ہیں جو کسی دوسرے نے نقل کی ہو۔ ان میں سے اکثر کو یہ علم نہیں ہوتا کہ کیا یہ روایت صحیح ہے یا ضعیف؟ اور ایسی حکایات اور اسرائیلی روایات نقل کرتے ہیں جن کے متعلق باقی لوگ جانتے ہیں کہ اصل میں یہ پوری کہانی ہی باطل ہے۔ اس کی وجہ ہے کہ شیعہ کا کام ہی فقط نقل کو نقل کرنا ہے۔ یا لوگوں کے اقوال کو آگے چلانا ہے؛ بھلے اس میں بہت ساری چیزیں سرے سے ہی باطل ہوں۔ بسا اوقات بعض منقولات کی صحت اور ضعف پر کلام کرتے ہیں مگر یہ ان کے ہاں کوئی پکا اصول نہیں اور نہ ہی اس کا التزام کرتے ہیں۔

دوسری بات:...... یہ روایت بہ اتفاق محدثین موضوع ہے۔ جو لوگ اس فن کے امام ہیں وہ اس کے موضوع ہونے میں ذرہ بھر شک و شبہ نہیں کرتے۔ اس باب میں ان ہی لوگوں کی بات مانی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ روایت کسی بھی ایسی قابل اعتبار مستند کتاب حدیث میں موجود نہیں جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہو۔ یہ روایت نہ ہی صحاح میں منقول ہے' نہ ہی مسانید میں؛ نہ ہی جوامع میں اور نہ ہی سنن میں۔ اور نہ ہی مصنفین نے اسے فضائل صحابہ کی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ ضعیف روایات بھی نقل کر دیتے ہیں۔ [مگر اس روایت کا نام و نشان تک نہیں ملتا]۔ جیسے کہ امام نسائی کی جمع کردہ کتاب ''خصائص علی'' میں صحیح و ضعیف ہر قسم کی روایتیں فضائل علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جمع کی گئی ہیں۔ مگر یہ روایت اس میں بھی مذکور نہیں۔ اسی طرح ابو نعیم کی کتاب الخصائص؛ خیثمہ بن سلیمان اور امام ترمذی نے اپنی ''الجامع'' میں فضائل علی کی ضعیف احادیث نقل کی ہیں، مگر ان کتب میں سابق الذکر روایت کا کوئی نشان نہیں ملتا؛ جس سے اس کا موضوع ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔

اصحاب السِّیَر مثلاً ابن اسحاق نے بھی فضائل علی رضی اللہ عنہ پر مشتمل احادیث ضعیفہ ذکر کی ہیں مگر یہ روایت بیان نہیں کی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جو کہ بہ اتفاق اہل نقل موضوع ہے۔اس کے موضوع ہونے پر ائمہ اہل نقل؛ ائمہ تفسیر؛ اوران حضرات کا اتفاق ہے جو سند کے ساتھ روایات نقل کرتے ہیں جیسے ابن جریج؛ سعید بن ابی عروبہ؛ عبدالرزاق ؛ عبدبن حمید؛ احمد؛ اسحق؛ تفسیر بقی بن مخلد؛ ابن جریر الطبری؛ محمد بن اسلم الطّوسی؛ ابن ابی حاتم ؛ ابوبکر ابن المنذر؛ اوران کے علاوہ دیگر اکابر علمائے کرام۔ جنہیں عوام میں مقبولیت حاصل ہے؛ اوران کی تفاسیر کو اعتماد و قبولیت حاصل ہے۔

تیسری بات:......اس روایت کے جھوٹ ہونے پر بہت سے دلائل موجود ہیں۔ان میں سے ایک یہ کہ: یہ تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ کا نکاح مدینہ میں ہوا؛ اور غزوہ بدر کے بعد آپ کی رخصتی ہوئی۔جیسا کہ صحیح احادیث میں ثابت ہے۔اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما اس کے بعد پیدا ہوئے۔ان کی تاریخ پیدائش سن تین اور چار ہجری ہے۔لوگوں کا اتفاق ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں شادی کی ؛ اور آپ کے بچے مدینہ میں پیدا ہوئے۔ یہ عام اور متواتر علم ہے۔ جسے ہر وہ انسان جانتا ہے جسے علم سے کوئی ادنی شغف بھی ہو۔

[نیز یہ کہ] سورۃ الدہر باتفاق مفسرین مکی ہے۔[اس سے سابق الذکر روایت کا کذب ظاہر ہو گیا]۔کسی ایک مفسر نے بھی یہ نہیں کہا کہ: یہ سورت مدنی ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے مابین مشترکہ اصول دین کے بیان کے لحاظ سے بھی یہ سورت مکی سورتوں کے ڈھب پر ہے۔ جیسا کہ ایمان باللہ ؛ آخرت پر ایمان ؛ پیدائش اور بعث کا ذکر [اس سورت کے موضوع ہیں ]۔اسی لیے کہا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم الم تنزیل کے ساتھ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں یہ سورت بھی پڑھا کرتے تھے۔اس لیے کہ اس دن آدم کی پیدائش ہوئی' اسی دن جنت میں داخل ہوئے' اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔''

[البخاری ۲/ ۵ ومسلم ۲/ ۵۹۹]۔

یہ دونوں سورتیں آسمان و زمین کی پیدائش' آدم کی پیدائش اور ایک گروہ کے جنت میں اور دوسرے گروہ کے جہنم میں جانے کے ذکر کو شامل ہیں ۔ جب یہ سورت ہی مکہ مکرمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی سے پہلے نازل ہوئی ہے تو پھر واضح ہو گیا کہ یہ کہنا کہ یہ سورت حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے بیمار ہونے کے بعد نازل ہوئی' سراسر کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

چوتھی بات:......اس حدیث کا سیاق اور اس کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ روایت دجالوں نے اپنی طرف سے گھڑی ہوئی ہے۔ان میں سے پہلا کلمہ ہے کہ:'' فعادهما جدهما و عامة العرب۔''

''ان دونوں کے نانا اور عام عرب ان کی عیادت کے لیے آئے۔''

اس لیے کہ عام عرب لوگ مدینہ میں مقیم نہ تھے۔اور نہ ہی کفار عرب ان کے پاس آتے اور ان کی عیادت کرتے تھے۔ پھر اس روایت میں دوسرا کلمہ ہے کہ:

'' فقالوا: يا ابا الحسن! لو نذرت على ولديك......الخ۔''

''اے ابوالحسن اگر آپ اپنے بیٹوں پر نذر مانیں۔'' اگر ایسا ہوتا تو پھر آپ عرب لوگوں سے دین نہ لیتے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیتے ۔ اس لیے کہ اگر نذر ماننا اطاعت کا کام تھا؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ حق دار تھے کہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



آپ انہیں اس کا حکم دیتے؛ عام عرب لوگ اس کا نہ کہتے۔ اور اگر یہ اطاعت کا کام نہیں تھا تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان عام عرب لوگوں کی بات ماننے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ پھر یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیے بغیر عام لوگوں کی بات کیسے مان لی؟

پانچویں بات:...... صحیحین میں ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے:

''اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ البتہ بخیل کا مال ضرور نکل جاتا ہے۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ہے: ''بیشک نذر ابن آدم کو تقدیر کی طرف ہی لوٹاتی ہے۔ پس وہ نذر پر وہ کچھ دیتا ہے جو کسی دوسری چیز پر نہیں دیتا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نذر ماننے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: نذر کسی خیر کو نہیں لاتی؛ بلکہ نذر ابن آدم کو تقدیر کی طرف ہی لوٹاتی ہے۔ اگر حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما اور ان کے اہل خانہ جیسے لوگ اس جیسی حدیث کو نہیں جان سکے جسے عام مسلمان بھی جانتے ہیں' تو پھر یہ ان کے علم پر قدح و تنقید ہے تو ان کا معصوم ہونا کہاں گیا؟

اگر انہیں اس کا پتہ تھا مگر پھر بھی انہوں نے ایسا کام کیا جس میں نہ ہی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ؛اور نہ ہی ان کے لیے کوئی فائدہ۔ بلکہ اس سے منع کیا گیا تھا۔ اور نہی یا تو تحریم کے لیے ہوتی ہے یا پھر تنزیہ کے لیے۔ تو ہر دو طرح سے یہ یا تو ان کے دین پر قدح وارد ہوتی ہے یا پھر عقل اور علم پر۔

جو انسان اس قسم کے فضائل نقل کرتا ہے' حقیقت میں وہ کورا جاہل ہے۔ وہ مدح کے روپ میں ان کی مذمت بیان کرتا ہے۔ اور انہیں بلند کرنے کے انداز میں نیچے گراتا ہے۔ اور ان کی تعریف کی الفاظ میں مذمت بیان کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل بیت میں سے بعض نے ان رافضیوں سے کہا تھا: اے رافضیو! کیا وجہ ہے کہ ہمارے ساتھ تمہاری محبت ہمارے لیے عیب اور عار بنتی جا رہی ہے۔ ایک ضرب المثل بیان کی جاتی ہے کہ عقلمند دشمن بیوقوف اور جاہل دوست سے بہتر ہوتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے ایفاء نذر کی تعریف کی ہے، مگر نذر ماننے کو قابل تعریف فعل قرار نہیں دیا۔ جس طرح ظہار (بیوی سے یوں کہنا کہ تو میرے لیے اسی طرح ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ ) کوئی قابل تعریف فعل نہیں ہے، مگر کوئی شخص جب ظہار کرتا ہے تو اس پر ظہار کا کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کا مرتکب ہو اور کفارہ ادا کردے تو واجب کی ادائیگی پر یہ ایک ممدوح فعل ہے۔ نہ کہ ظہار کا ارتکاب کرنے پر ممدوح ہے؛ اس لیے کہ ظہار حرام ہے۔ ایسے ہی جب انسان اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور پھر اسے اچھے طریقے سے رخصت کردے؛ تو طلاق کی وجہ سے واجب ہونے والے فریضہ کی ادائیگی پر وہ ممدوح ٹھہرے گا۔ بذات خود طلاق کوئی اچھی چیز نہیں ہے' بلکہ مکروہ امور میں سے ہے۔ ایسے ہی جو انسان خرید وفروخت کرے اپنے ذمہ کی ادائیگی کرے تو اس عقد خرید وفروخت کی وجہ سے اس پر جو کچھ واجب ہوا تھا اس

[1] صحیح بخاری، کتاب الأیمان والنذور۔ باب الوفاء بالنذر، (حدیث:٦٦٩٣)، صحیح مسلم، کتاب النذر۔ باب النهی عن النذر(حدیث:١٦٣٩)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کی ادائیگی پر وہ قابل تعریف ٹھہریگا۔صرف عقد پر اس کی کوئی تعریف نہیں ہوگی۔اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

چھٹی بات:......حضرت علی رضی اللہ عنہ یا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کوئی لونڈی فضہ نامی نہیں تھی۔درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب میں سے کسی کے پاس کوئی لونڈی نہیں تھی۔ بلکہ مدینہ بھر میں اس نام کی کوئی کنیز نہ تھی۔اور اہل علم میں سے جن لوگوں نے چھوٹے بڑے ہر قسم کے احوال جمع کیے ہیں؛ ان میں سے کسی ایک نے ایسی کسی لونڈی کا ذکر تک نہیں کیا۔

یہ فضہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے ''ابن عقب'' ایک فرضی نام وضع کیا گیا ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا استاد تھا؛ اور اسے ایک سیب دیا گیا تھا جس میں مستقبل میں پیش آنے والے حوادث کا علم تھا۔[حالانکہ اس نام کا کوئی آدمی نہ تھا]۔اس کے علاوہ بھی اس طرح کی جھوٹی کہانیاں گھڑ لی گئی جنہیں جاہل لوگوں میں پھیلایا جارہا ہے۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا کوئی استاذ و مدرس نہیں تھا۔اور صحابہ کرام میں ابن عقب نامی کوئی آدمی نہیں تھا۔

جو جنگی مرثیے ابن عقب کی طرف منسوب ہیں؛انہیں بہت بعد کے بعض جہال [ودجال] روافض نے نظم کیا ہے۔جو کہ صلاح الدین ایوبی اور نورالدین کے زمانے کے لوگ تھے۔جس وقت شام کا بہت بڑا حصہ عیسائیوں کے ہاتھوں میں تھا؛ اور مصر بنوعبید کے بقایا ملحدین قرامطی شیعہ کے زیر دست تھا۔ان مرثیوں میں وہ کچھ بیان کیا ہے جو اس وقت کے حساب سے مناسب تھا؛ ایسی نظم کوئی عام آدمی بھی لکھ سکتا ہے۔

یہی حال اس فضہ نامی لونڈی کا ہے۔بخاری و مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خادم طلب کیا۔آپ نے فرمایا کہ:

''سوتے وقت سو مرتبہ سبحان اللّٰہ و الحمد للّٰہ اور اللّٰہ اکبر پڑھ لیا کرو۔یہ خادم سے بہتر ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے تب سے یہ وظیفہ ترک نہیں کیا۔آپ سے پوچھا گیا: صفین کی رات بھی؟ آپ نے فرمایا صفین کی رات بھی نہیں چھوڑا۔''[1]

اس روایت کے صحیح ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے۔اس حدیث کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کوئی خادم نہیں دیا گیا تھا۔اگر اس کے بعد کہیں سے کوئی خادم آ گیا ہو تو ممکن ہے ایسا ہوسکتا ہے۔مگر فضہ نام کی کوئی باندی نہیں تھی۔

ساتویں بات:......صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ ایک انصاری گھرانے نے اپنے مہمان کو رات کے کھانے میں ترجیح دی۔انہوں نے اپنے بچوں کو بھی بھوکا سلادیا اور خود میاں بیوی بھی بھوکے پیٹ سو گئے۔ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ [الحشر ۹]

''بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کتنی ہی سخت حاجت ہو۔''

[1] صحیح بخاری: ج ا ح 1345۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا﴾ [الإنسان ۸]

''اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین یتیم اور قیدیوں کو۔''

یہ آیت اس دوسری آیت کی طرح ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ﴾ [البقرة ۱۷۷]

''اور وہ دیتا ہے مال اللہ کی محبت میں قریبی رشتہ داروں کو یتیموں کو اور مساکین کو۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کون سا صدقہ اجر کے اعتبار سے زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر تو صدقہ کرے اس حال میں کہ تندرست ہے، بخیل ہے اور فقر سے ڈرتا ہے اور مال داری کی امید کرتا ہے اور اتنا توقف نہ کرو کہ جان حلق تک آ جائے اور پھر کہو کہ اتنا مال فلاں شخص کے لیے ہے اور اتنا مال فلاں شخص کو دے دیا جائے حالانکہ اب تو وہ مال فلاں کا ہو ہی چکا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [آل عمران ۹۲]

''جب تم اپنی پسندیدہ چیز سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے ہرگز بھلائی نہ پاگے۔''

پس جس چیز کو انسان پسند کرتا ہے اس جنس کے تحت صدقہ کرنے کی کئی انواع و اقسام ہیں۔ مگر اپنی انتہائی سخت ضرورت کے باوجود اپنے پر دوسرے کو ترجیح دینا؛ یہ صرف محبت میں صدقہ کرنے سے زیادہ افضل اور اجر و ثواب میں بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ ہر ایک صدقہ کرنے والا محبت کرنے والا اور ذاتی ضرورت پر ترجیح دینے والا نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی ہر صدقہ دینے والے کو خود انتہائی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ انسان اپنی پسندیدہ چیز میں سے کچھ صدقہ بھی کرے اور کچھ اپنی ضرورت کے لیے بچا کر بھی رکھ لے۔ حالانکہ اس کی محبت انتہائی سخت ضرورت کو نہیں پہنچی ہوتی۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے اس رات میں مہمان کو ترجیح دینے پر انصاری گھرانے کی ان الفاظ میں مدح کی ہے؛ تو پھر اس قصہ میں اہل بیت کا جو ایثار نقل کیا گیا ہے یہ انصاری کے ایثار سے بہت بڑھ کر ہے؛ اگر ایسا کرنا ہر حال میں قابل مدح ہے تو مناسب تھا کہ اس پر بہت زیادہ مدح کی جاتی اور اگر یہ فعل قابل مدح و تعریف نہیں تو پھر اسے مناقب میں ذکر نہیں کیا جاسکتا۔

آٹھویں بات:...... یہ ایسا قصہ ہے کہ اس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ اس لیے کہ یہ شرعی حکم کے خلاف ہے۔ کیونکہ تین شب و روز تک بچوں کو کھانا نہ کھلانا خلاف شرع ہے۔

[اور ہلاکت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''پہلے اپنے اہل و عیال کو کھلاؤ۔''][2]

---

[1] البخاری، کتاب الدعوات (ح: ۶۳۱۸)، مسلم، کتاب الذکر والدعاء باب التسبیح...... (ح: ۲۷۲۷)۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب لا صدقۃ الا عن ظھر غنی (حدیث: ۱۴۲۶، ۱۴۲۷)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تین دن تک انہیں مسلسل بھوکا رکھنے سے بدنی و عقلی کمزوری کے ساتھ صحت کی خرابی اور دین میں فساد کا سبب بن سکتی ہے۔ یہ اس انصاری کے قصہ کی طرح ہرگز نہیں ہے جس میں انہوں نے بچوں کو صرف ایک رات کے لیے بھوکا سلایا تھا۔اس لیے کہ بچے اتنا تو برداشت کر سکتے ہیں؛ مگر تین دن اور تین رات تک ایسا نہیں کر سکتے۔

نویں بات:......پھر اس یتیم بچے کا قصہ جس کا یہ قول ہے کہ:''میرے والد یوم العقبہ شہید ہو گئے تھے۔'' صاف اور کھلا ہوا جھوٹ ہے، اس لیے کہ عقبہ کی رات صرف نبی کریم ﷺ کی بیعت کی گئی تھی لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس رات انصار نے بیعت کی تھی۔ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔اس وقت تک جہاد کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روایت تو جھوٹی ہے' یہ معاملہ اپنی جگہ پر؛ مگر اس قصہ کو نقل کرنے والا نبی کریم ﷺ کے احوال سے انتہائی بیگانہ اور جاہل انسان ہے۔[اسے یہ بھی پتہ نہیں کہ عقبہ کی رات کیا ہوا تھا] اس کے بجائے اگر یوں کہہ دیتا کہ''احد کے دن میرے والد شہید ہو گئے تھے'' تو پھر بھی کوئی بات بنتی تھی۔

دسویں بات:...... نبی کریم ﷺ خود شہداء کے یتیم بچوں کی کفالت فرمایا کرتے تھے۔ اسی لیے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خادم مانگا تو آپ نے فرمایا:''میں شہدائے بدر کے بچوں کو چھوڑ کر تمہیں نہیں دے سکتا۔''

اب اگر کوئی یہ کہے کہ: وہ شہداء مجاہدین کے یتیموں میں سے تھا؛ اور نبی کریم ﷺ اس کی کفالت نہیں کیا کرتے تھے تو یہ انتہائی بڑا جھوٹ اور دروغ گوئی ہوگی۔

گیارھویں بات:......مدینہ میں قیدی بھیک نہیں مانگا کرتے تھے۔ بلکہ مسلمان ہر طرح ان کی ضروریات کی کفالت کیا کرتے تھے۔لہٰذا یہ کہنا کہ ایک قیدی مدینہ میں بھیک مانگا کرتا تھا، صحابہ کرام پر جھوٹ اور ان کی شان میں قدح ہے۔ قیدیوں کی بڑی تعداد بدر کے دن آئی تھی۔ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے پہلے کا واقعہ ہے۔اس کے بعد تو قیدی انتہائی کم تعداد میں ہوا کرتے تھے۔

بارھویں بات:...... اگر مان لیا جائے کہ یہ قصہ صحیح ہے۔اور اس کا شمار فضائل میں ہوتا ہے۔تو پھر بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس قصہ والا لوگوں میں سب سے افضل ہو۔اور نہ ہی یہ لازم آتا ہے کہ باقی لوگوں کو چھوڑ کر آپ ہی امام ہوں۔ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سب لوگوں کی نسبت غرباء کو زیادہ کھانا کھلایا کرتے تھے۔[1] یہاں تک نبی کریم ﷺ نے ان کی شان میں فرمایا تھا:''آپ کی سیرت وصورت میرے جیسی ہے۔''[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مساکین اور فقراء کے ساتھ لطف و احسان کے سلسلہ میں کوئی شخص حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر نہیں چلا۔[3] اس کے علاوہ بھی آپ کے فضائل ہیں' تاہم ان فضائل

---

1. صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ - باب مناقب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (ح:۳۷۰۸)
2. صحیح بخاری، کتاب الصلح ، باب کیف یکتب هذا ما صالح فلان...... (حدیث: ۲۶۹۹) مطولاً۔
3. سنن ترمذی، باب مناقب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (ح: ۳۷٦٤) ، ومستدرك حاكم(۳/ ۲۱۱) بمعناه۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کی بنا پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ یا دوسرے صحابہ کی نسبت افضل نہیں تھے۔ چہ جائے کہ ان فضائل کی بنا پر کوئی ان کے لیے امامت کا دعوی کرنے لگے۔

تیرھویں بات: یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انفاق فی سبیل اللہ عام طور سے معروف اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھا۔ بیشک بھوکے کو کھانا کھلانا بھی صدقات کی جنس میں سے ہے۔ قیامت تک کوئی بھی انسان صدقہ کرسکتا ہے۔ بلکہ تمام امت کے لوگ بھوکوں اور مساکین کو کھانا کھلاتے ہیں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ بھلے بعض لوگ اس سے تقرب الی اللہ نہ بھی چاہتے ہوں۔ جبکہ مسلمانوں کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ دوسرے لوگوں میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا قول نقل فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَآءً وَلَا شُكُورًا﴾ [الإنسان ۹]

''ہم تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکرگزاری۔''

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انفاق انتہائی رشک کے قابل ہے۔ آپ اسلام کے ابتدائی دور میں اہل ایمان غلاموں کو آزاد کرانے؛ قیدیوں کو چھڑانے کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے۔ کفار آپ کو اس پر اذیت دیتے، اور آپ کے قتل کے درپے رہتے۔ آپ نے اپنے مال سے سات غلام خرید کر آزاد کیے جنہیں اللہ کی راہ میں عذاب دیا جاتا تھا۔ انہی میں سے ایک بلال بھی ہیں۔ حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں، اور آپ نے ہمارے سردار کو آزاد کیا ہے۔'' اس سے مراد حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہوا کرتے تھے۔

اہل ایمان محتاجین اور اسلام کی نصرت کے لیے آپ کا انفاق فی سبیل اللہ ایک علیحدہ باب ہے۔ آپ اس وقت اس راہ میں خرچ کرتے تھے جب تمام روئے ارض کے باسی اسلام کے دشمن تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انفاق جیسا انفاق آج کل ممکن ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے صحابہ کو برا نہ کہو مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو صحابہ کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔''[1]

اس طرح کا انفاق آپ کے ساتھ ہی خاص ہے۔ باقی رہ گیا مطلق طور پر بھوکوں کو کھانا کھلانا؛ یہ مشترکہ قدر ہے؛ قیامت تک اس پر عمل کیا جانا ممکن ہے۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بائیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بائیسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَالَّذِي جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ (الزمر: ۳۳)

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب قول النبی ﷺ ، ''لوکنت متخذا خلیلا'' (ح:۳۶۷۳)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب تحریم سب الصحابة (ح:۲۵٤۱)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''اور جو سچے دین کو لائے اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ پارسا ہیں۔''

ابونعیم مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ ﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ اس سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں' اور ﴿وَ صَدَّقَ بِہٖ﴾ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور فقیہ شافعی نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ: ﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِہٖ﴾ سچائی لانے والے حضرت محمد ﷺ ہیں اور سچائی کی تصدیق کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں ۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظیم خصوصیت ہے لہٰذا آپ امام و خلیفہ ہوں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**[جواب]**: ہم اس کا جواب کئی طرح سے دے سکتے ہیں:

پہلی بات :...... یہ تفسیر نبی کریم ﷺ سے منقول نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس ضمن میں صرف اکیلے حضرت مجاہد کا قول اگر ثابت ہو جائے تو بھی ایسی حجت نہیں کہ تمام مسلمانوں پر اس کی اتباع واجب ہو۔ حالانکہ مجاہد سے یہ روایت ثابت ہی نہیں بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے۔ اس لیے کہ مجاہد سے نقل کردہ روایات میں جھوٹ کی کثرت ہے ۔ [آپ سے نقل کرنے والا جھوٹ بولتا ہے]۔

مجاہد سے اس کی تفسیر اس کے برعکس ثابت ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ صدق سے قرآن مراد ہے۔ اور ''صَدَّقَ بِہٖ'' سے مراد وہ مؤمن ہے جو اس پر عمل کرے۔ اس لحاظ سے یہ حکم عام ہے۔ امام طبری رحمہ اللہ اور دوسرے مفسرین نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے آپ فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ اہل قرآن ہیں جنہیں قیامت کے دن پیش کیا جائے گا۔ اور وہ [اللہ تعالیٰ سے قرآن کے بارے میں] کہیں گے: یہی وہ چیز ہے جو آپ نے ہمیں دی تھی اور ہم اس پر عمل کرتے رہے۔

ابوسعید الاشج نے روایت کیا ہے؛ فرمایا: ہم سے ادریس نے بیان کیا؛ وہ لیث اور وہ مجاہد ۔رحمہ اللہ۔ سے یہی تفسیر روایت کرتے ہیں۔ نیز [دوسری سند سے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں] ہم سے محاربی نے بیان کیا؛ وہ جویبر سے وہ ضحاک سے نقل کرتے ہیں: آپ فرماتے ہیں: ''صَدَّقَ بِہٖ'' سے مراد تمام مؤمن ہیں۔

مفسر ابن ابی حاتم رحمہ اللہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے بیان کیا؛ ان سے ابوصالح نے بیان کیا؛ ان سے معاویہ بن صالح نے؛ وہ علی بن طلحہ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں: ''صَدَّقَ بِہٖ'' سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

دوسری بات:......شیعہ کا قول جمہور مفسرین کے ہاں مشہور تفسیر کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ: اس آیت میں: ''جَاءَ بالصدق '' سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور ''صَدَّقَ بِہٖ'' سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ مفسرین کی ایک جماعت نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔

ابن جریر طبری، اور دیگر مفسرین نے اپنی اسناد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ تفسیر نقل کی ہے آپ فرماتے ہیں:

''جَاءَ بِالصدق'' سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور ''صَدَّقَ بِہٖ'' سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



یہ بات بعض مفسرین نے ابوبکر بن عبد العزیز بن جعفر الفقیہ ؛ جو کہ حضرت ابوبکر الخلال رحمہ اللہ کے غلام ہیں ؛ سے نقل کی ہے؛ان سے اس آیت کی بابت دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:'' یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔

معترض نے کہا: یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ سن کر ابوبکر الفقیہ نے کہا:'' اس آیت سے آگے تلاوت کیجیے: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ سے لے کر آگے تک: ﴿فَكَفَّرَ اللّٰهُ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا﴾ (الزمر ۳۵)

'' تا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کر دے۔''

[اس نے جب یہ آیت پڑھی تو ابوبکر الفقیہ نے کہا:'' حضرت علی رضی اللہ عنہ تمہارے نزدیک معصوم ہیں، پھر ان سے کون سے گناہ دور کیے جائیں گے ]۔ معترض لا جواب ہو گیا۔

تیسری بات:...... جہاں تک آیت کے الفاظ کا تعلق ہے وہ عام اور مطلق ہیں ان میں نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کوئی تخصیص ہے اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ؛ بلکہ جو بھی اس کے عموم میں شامل ہوں وہ اس حکم میں داخل ہو سکتے ہیں۔اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم اجمعین اس امت میں سے اس آیت کے حکم میں داخل ہونے کے سب سے زیادہ حق دار ہیں ؛ لیکن پھر بھی یہ آیت ان کے ساتھ خاص نہیں۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ○ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ [الزمر ۳۲۔۳۳]

'' پھر اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور جب سچائی اس کے سامنے آئی تو اسے جھٹلا دیا۔کیا ایسے لوگوں کے لیے جہنم میں ٹھکانا نہیں ہے؟ اور جو شخص سچائی لے کر آیا اور جنہوں نے اس کو سچ مانا، وہی عذاب سے بچنے والے ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اللہ پر جھوٹ بولنے والوں اور حق بات جھٹلانے والوں کی مذمت کی ہے۔اور یہ ایک عام حکم ہے۔ رافضی سب سے بڑے اہل بدعت ہیں جو اس مذموم وصف میں داخل ہیں۔اس لیے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر سب سے زیادہ بہتان گھڑنے والے ہیں۔اور جب سچ بات ان تک پہنچتی ہے تو اسے سب سے زیادہ جھٹلانے والے ہوتے ہیں۔اور سچائی کی تصدیق کرنے میں سب سے زیادہ دور رہنے والوں میں سے ہیں۔

خالص اہل سنت اس آیت کے مصداق ہونے کے سب سے بڑے حق دار ہیں۔اس لیے کہ وہ سچ بولتے ہیں ؛ اور جب کہیں سے بھی حق بات انہیں مل جاتی ہے تو اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ان کی تمام تر خواہشات حق کے ساتھ ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سچائی کا پیغام لانے والے اور اس کی تصدیق کرنے والے کی مدح و توصیف بیان کی ہے۔ یہ تعریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ہے اور آپ پر ایمان لانے والے ہر انسان کے لیے۔اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: وہ جو کہ سچ کا پیغام لے کر آیا اور وہ خاص کہ جس نے اس کی تصدیق کی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دو علیحدہ علیحدہ اقسام نہیں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



بنائیں۔ بلکہ ان دونوں کو ایک ہی قسم بتایا ہے۔اس لیے کہ اس سے مراد سچائی کی تعریف کرنا ہے' بھلے وہ پیغام لانے کے اعتبار سے ہو یا اس کی تصدیق کرنے کے اعتبار سے۔ یہ دونوں اوصاف کے اعتبار سے قابل تعریف ہے۔

(جاء بالصدق )اسم جنس ہے۔جو کہ ہر قسم کی سچائی کو شامل ہے۔قرآن اس سچائی میں داخل ہونے میں پہلے درجہ پر ہے۔اسی لیے فرمایا کہ: اور اس جنس سچائی کی تصدیق کی۔اس لیے کہ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ تصدیق کرنے والا ایسی چیز کی تصدیق کرتا ہے جو اصل میں سچائی نہیں ہوتی۔جیسا کہ کہا جاتا ہے: فلاں انسان حق بات کہتا ہے' اور حق بات سنتا ہے' اور اسے قبول کرتا ہے؛ عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔یعنی وہ دوسروں کے لیے حق کہنے اور دوسروں سے حق بات قبول کرنے کے ساتھ موصوف ہے۔اور اس میں دو وصف پائے جاتے ہیں عدل کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود اس پر عمل کرتا ہے۔اگرچہ بہت سارا عدل جس کا وہ حکم دیتا ہے؛ وہ حقیقت میں وہ چیز نہیں ہوتی جس پر وہ عمل کرتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت بیان کی جو ان دو میں سے کسی ایک وصف سے متصف ہوں: اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا ؛ اور حق کو جھٹلانا۔کیونکہ ان دو میں سے ہر ایک وصف مذمت کا مستحق ہے۔تو ان کے برعکس ان لوگوں کی تعریف بیان کی ؛ جو ان دو مذموم اوصاف سے خالی ہوں۔اس طرح سے کہ کوئی سچی بات لے کر آتا ہو؛ جھوٹ نہ لاتا ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ حق بات کی تصدیق کرنے والا ہو؛ اسے جھٹلانے والا نہ ہو۔اور اس کا اپنا ذاتی کلام نہ ہو۔کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا وہی بات کہے تو یہ اس کی تصدیق نہ کرے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں میں سے بہت سارے ایسے بھی ہیں جو سچ ہی بولتے ہیں جھوٹ نہیں بولتے۔لیکن انہیں حسد اور منافست کی وجہ سے یہ بات بھی ناگوار گزرتی ہے کہ کوئی دوسرا ان کے قائم مقام ہو۔پس وہ دوسرے کی سچائی کو بھی جھٹلاتا ہے؛ یا اس کی تصدیق نہیں کرتا؛ بلکہ اس سے روگردانی اور اعراض کرلیتا ہے۔اور ان میں ایسا بھی کوئی انسان ہوتا ہے جو کسی دوسرے گروہ کی بات کی صداقت یا جھوٹ جاننے سے پہلے ان کی تصدیق کرلیتا ہے۔ جب کہ دوسرا گروہ جو کچھ کہتا ہے ان کی تصدیق نہیں کرتا؛ بھلے وہ سچا ہی ہو۔ جبکہ چاہیے تو یہ تھا کہ یا تو ان کی تصدیق کرے؛ یا پھر اس سے منہ موڑ لے۔ یہ بات اکثر ہوئے نفس کے پجاری فرقوں میں پائی جاتی ہے۔آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ اپنی بات نقل کرنے میں سچے ہوتے ہیں۔لیکن اس کے طائفہ یا گروہ سے متعلق جو کچھ نقل کیا جاتا ہے اس سے اعراض کرتے ہیں۔ پس وہ بھی اس مدح میں داخل نہیں ہوتے ؛ بلکہ مذمت میں داخل ہوتے ہیں ۔ کیونکہ وہ اس حق کی تصدیق نہیں کرتے جو ان تک پہنچا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جھوٹے اور حق بات کو جھٹلانے والے دونوں کی مذمت کی ہے۔اور ایسا کئی آیات میں آیا ہے۔مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴾[العنکبوت: 68]

''اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے، یا حق کو جھٹلا دے جب وہ اس کے پاس آئے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



کیا ان کافروں کے لیے جہنم میں کوئی رہنے کی جگہ نہیں ہے؟''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾[الانعام: 21]

''اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر کوئی جھوٹ باندھا، یا اس کی آیات کو جھٹلایا، بے شک حقیقت یہ ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔''

یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے اوصاف بیان کیے؛ جو کہ تمام لوگوں سے بڑھ کر ان صفات کے حق دار تھے؛ اس لیے کہ ان میں ہر ایک سچا پیغام لے کر آتا ہے اور جھوٹ نہیں بولتا؛ اور ان میں ہر ایک اپنی ذات میں سچا اور اپنے علاوہ دوسرے لوگوں کی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اصناف میں سے ایک صنف کے متعلق تھا؛ جس میں مقصود کوئی فرد واحد بعینہ نہیں ہوتا؛ تو اس کی ضمیر کا اعادہ جمع کے صیغہ کے ساتھ کیا؛ اور ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾[الزمر: 33]

''اور وہ شخص جو سچ لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ بچنے والے ہیں۔''

آپ بہت سارے علم اور دین کی طرف منسوب لوگوں کو ایسا پائیں گے جو اپنی بات کرنے میں جھوٹ نہیں بولتے؛ بلکہ وہ سچ بات کے علاوہ کچھ بولتے ہی نہیں۔ لیکن اگر کوئی دوسرا انہیں کسی سچ کی خبر دے تو اس کی تصدیق نہیں کرے۔ ان کی ہویٰ پرستی اور جہالت انہیں اپنے علاوہ دوسروں کی تکذیب پر ابھارتی ہے؛ بھلے وہ سچا ہی کیوں نہ ہو۔ یا تو وہ اپنے ہم مثل کی تکذیب کرتا ہے؛ یا پھر ان لوگوں کی تکذیب کرتا ہے جن کا تعلق اس کے گروہ اور فرقہ سے نہ ہو۔

صرف سچے انسان کو جھٹلانا؛ خود ہی ایک جھوٹ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے انسان کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ساتھ ملایا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتے ہیں۔ اور ارشاد فرمایا:

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَی اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ اَلَيْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾

''(پھر اس سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ بولا اور سچ کو جھٹلایا جب وہ اس کے پاس آیا، کیا ان کافروں کے لیے جہنم میں کوئی ٹھکانا نہیں؟''

پس یہ دونوں قسم کے لوگ جھوٹے ہیں۔ پہلا اس لیے جھوٹا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھوٹی خبریں دیتا ہے۔ اور یہ دوسرا مخبر عن اللہ کی طرف سے خبر دینے میں جھوٹا ہے۔

نصاریٰ میں اللہ تعالیٰ جھوٹ گھڑنے والے بہت زیادہ ہیں۔ اور یہود میں حق بات کو جھٹلانے والے بہت زیادہ ہیں۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب سچ بات کو جھٹلانے والے کا ذکر کیا؛ تو اس کی دوسری قسم بنائی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



نے جھوٹ کی تمام اقسام ذکر نہیں کیں ۔ بلکہ ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ جب آپ اس بات پر اچھی طرح سے تدبر و تفکر کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا اور حق بات کو جھٹلانا ؛ ان دو میں سے ہر ایک خصلت مذموم ہے۔ مدح و ثناء کا مستحق صرف وہی ہوسکتا ہے جو سچ بات لانے والا ہو اور سچائی کی تصدیق کرنے والا ہو۔ تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ انسان اللہ تعالیٰ کے ان بندوں میں سے ہے جن کو اس نے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی ہے۔

جب آپ اس مسئلہ میں تأمل کریں گے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ بہت سارا شر یا پھر شر و برائی کا اکثر حصہ ان دو میں سے کسی ایک وجہ سے ہوتا ہے۔ تو آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ دو گروہوں میں سے کوئی ایک ؛ لوگوں میں سے دو افراد میں کوئی ایک جو کچھ اپنے علم کے مطابق خبر دے رہا ہے ؛ اس میں وہ جھوٹ نہیں بولتا ؛ جو کچھ دوسرا گروہ - یا دوسرا فرد - اس کے پاس حق بات لے کر آتا ہے وہ اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اور بیشتر اوقات اس میں دونوں چیزیں جمع ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا اور حق و سچ کی تکذیب کرنا۔

یہ بات اگرچہ کسی نہ کسی قدر ہر گروہ میں پائی جاتی ہے ؛ لیکن روافض سے بڑھ کر کوئی گروہ اس کا رسیا اور دلدادہ نہیں۔

رافضی اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول پر اور صحابہ کرام اور ذوی القربی رضی اللہ عنہم اجمعین پر سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والے اور حق بات کو جھٹلانے والے ہیں۔ وہ ایسے سچ کو جھٹلاتے ہیں جو منقول صحیح اور معقول صریح کی روشنی میں ثابت اور معلوم شدہ ہے۔ اس آیت کریمہ میں وارد ہونے والی مدح ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل ہے جن پر رافضی اپنی طرف سے بہتان گھڑتے اور ظلم کرتے ہیں۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس حق کا پیغام پہنچا ؛ انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ روئے زمین پر اس آیت کے سب سے بڑے مصداق صحابہ کرام ہیں ؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان ہی صحابہ میں سے ایک فرد ہیں۔ اس میں رافضیوں کی مذمت ہے اور یہ آیت ہر دو لحاظ سے خود ان کے خلاف حجت ہے۔ اس آیت میں خلفاء ثلاثہ کو چھوڑ کر صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ آیت ہر حال میں رافضیوں کے خلاف حجت ہے ان کے حق میں حجت نہیں۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیئسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امام ہونے کی تیئسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الانفال: ٦٢)

''اسی نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے تیری تائید کی ہے۔''

ابو نعیم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عرش پر لکھا ہے: ''اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں' وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے علی سے ان کی تائید کی۔'' یہی اس آیت کا مطلب

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظیم فضیلت ہے جو کہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کو حاصل نہیں ہو سکی۔ لہٰذا آپ ہی امام تھے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]۔

**[جواب]**: اس کا جواب کئی وجوہ سے دیا جا سکتا ہے:

پہلی بات:......ہم اس روایت کی صحیح سند پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں؟ کسی روایت کے صرف ابونعیم کی طرف منسوب کر لینے وہ قابل حجت نہیں ٹھہرتی؛ اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ ابونعیم کی مشہور کتاب ''فضائل الصحابہ'' ہے۔ اس میں سے کچھ چیزیں اس نے اپنی کتاب ''الحلیہ'' کے شروع میں بیان کی ہیں۔ اگر شیعہ ان کتابوں کی ہر روایت کو قابل حجت سمجھتے ہیں تو پھر ان میں حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل میں ایسی روایات بیان کی گئی ہیں جن سے شیعیت کی پوری عمارت زمین بوس ہو سکتی ہے؛ اور ارکان شیعیت منہدم ہو سکتے ہیں۔ اور اگر اس کی ہر روایت کو حجت نہیں سمجھتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی روایات ان کے ہاں نا قابل اعتماد ہیں۔ جب کہ ہم اہل سنت روایات کے مسئلہ میں -خواہ وہ ابونعیم کی روایت ہو یا پھر کسی دوسرے کی- اہل علم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور ان اسناد کی جانچ پرکھ کرتے ہیں جن کے راویوں کے احوال کی معرفت سے روایت کا سچ یا جھوٹ واضح ہو سکے۔ کیا اس کے سارے راوی ثقہ ہیں یا نہیں؟ پھر ہم حدیث کے دوسرے شواہد تلاش کرتے ہیں؛ اور دیکھتے ہیں کہ روایات کس چیز پر دلالت کرتی ہیں۔ ہمارے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کسی دوسرے کے فضائل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو چیز ثابت ہوتی ہے ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں' اور جو جھوٹ ہوتی ہے؛ ہم اسے رد کر دیتے ہیں۔ ہم سچ بات لے کر آتے ہیں اور سچائی کی تصدیق کرتے ہیں۔ نہ ہی جھوٹ بولتے ہیں اور نہ ہی سچے کو جھوٹا کہتے ہیں۔ ائمہ اہل سنت کے ہاں یہ قاعدہ معروف ہے۔

پس جو کوئی اللہ تعالیٰ پر جھوٹے بہتان گھڑے؛ اور حق بات کو جھٹلائے؛ تو ہم پر واجب ہوتا ہے کہ ہم اسے جھٹلائیں؛ اور اس کی حق بات کی نفی کو رد کریں۔ جیسا کہ ہم مسیلمہ کذاب اور دوسرے جھوٹے لوگوں اور انبیاء کرام کی تکذیب کرنے والوں کو جھٹلاتے ہیں؛ اور رسولوں پر ایمان لانے والوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

دوسری بات:......محدثین اور اہل علم کا -شیعہ مصنف کی پیش کردہ- اس روایت کے جھوٹ ہونے پر اتفاق ہے۔ مذکورہ بالا روایت اور اس کے علاوہ دیگر جن روایات کے بارے میں ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ روایات موضوع ہیں؛ ان کے بارے میں ہمارا دوٹوک مؤقف یہی ہے کہ یہ روایات من گھڑت ہیں۔

ہم اس اللہ کی قسم اُٹھاتے ہیں جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں! ہم یقینی طور پر بغیر کسی شک و شبہ کے یہ جانتے ہیں اور ہمارے پاس اس کا واضح علم موجود ہے جس کو ہمارے دلوں سے زائل نہیں کیا جا سکتا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ روایت جھوٹ ہے؛ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر بہتان باندھا گیا ہے، آپ نے ایسی کوئی روایت بیان نہیں کی۔ یہی حال اس طرح کی ان دوسری روایات کا بھی ہے جن کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ یہ موضوع ہیں۔ اور جو بھی انسان علم الحدیث اور دین اسلام سے معمولی سا شغف رکھتا ہو وہ ہماری بات کو جان پرکھ سکتا ہے۔ اور جو شخص علم الآثار سے بے گانہ ہے وہ ہمارے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



زمرہ میں داخل نہیں۔ ہم ضعیف اقوال و آثار کو اسی طرح پہچان لیتے ہیں جس طرح ایک ماہر نقاد قسم اٹھا کر یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سکہ کھوٹا ہے۔ اور جس کسی کو سکوں کی کوئی پہچان نہ ہو وہ ایسا نہیں کر سکتا کہ کھرے اور کھوٹے میں تمیز کر سکے۔

تیسری بات:...... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ هُوَ الَّذِيٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَo وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ﴾ [الأنفال ٦٢۔٦٣]

''وہی اللہ ہے؛ اسی نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے آپ کی تائید کی۔ ان کے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی۔ زمین میں جو کچھ ہے اگر آپ سارے کا سارا بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتے۔ یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے۔''

یہ آیت اس بات پر نص قاطع کی حیثیت رکھتی ہے کہ اہل ایمان کے دلوں میں الفت ڈال دی گئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان اہل ایمان میں سے ایک تھے۔ آپ کے بہت سارے دل نہیں تھے کہ ان میں الفت ڈالی گئی ہوتی۔ مؤمنون مؤمن کی کی جمع ہے۔ یہ صریح نص ہے؛ اس میں یہ احتمال تک نہیں ہے کہ اس سے مراد کوئی ایک متعین شخص ہوگا۔ تو پھر یہ کہنا کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں؟

چوتھی بات:...... شیعہ سے کہا جائے گا کہ: یہ ایک بدیہی بات تواتر کے ساتھ معلوم ہے کہ دین اسلام کا قیام صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اعانت کا رہین منت نہ تھا۔ بیشک حضرت علی رضی اللہ عنہ شروع میں اسلام لائے؛ اس وقت اسلام بہت کمزور تھا۔ اگر لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور ہجرت و نصرت نہ ہوتی تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید سے کچھ بھی نہ بنتا۔ لوگ نہ تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے؛ اور نہ ہی آپ کی وجہ سے ہجرت و نصرت کی تھی۔ اور نہ ہی مکہ یا مدینہ میں دعوتِ اسلامی کی نشر و اشاعت کی کوئی ایسی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر تھی جیسی ذمہ داری حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر تھی۔ اور نہ ہی کسی نے یہ نقل کیا ہے کہ سابقین اولین میں سے کسی ایک نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا ہو؛ نہ ہی مہاجرین میں سے اور نہ ہی انصار میں سے۔ بلکہ صحابہ کرام سے کسی بھی [قابل ذکر] انسان نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول نہیں کیا۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن میں مبعوث کیا تو پھر جن لوگوں کے مقدر میں ہدایت تھی انہوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ وہاں پر جن لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا؛ وہ صحابہ نہیں ہیں۔ جب کہ بڑے بڑے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر اسلام لائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ ہی مشرکین کو دعوت دیتے تھے اور نہ ہی ان سے مناظرہ کرتے تھے؛ جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں دعوت دیتے اور ان سے مناظرے کرتے۔ اور مشرکین آپ سے ایسے نہیں ڈرتے تھے جیسے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے ڈرتے تھے۔

بلکہ حدیث کی تمام کتب؛ صحاح؛ مسانید؛ اور مغازی میں ثابت ہے؛ اور لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر جب مسلمان منہ پھیر کر بھاگ گئے تو اس وقت؛ تو ابوسفیان نے ایک بلند جگہ پر چڑھ کر پکارا:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''اے مسلمانو! کیا محمد زندہ ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خاموش رہو؛ جواب نہ دو۔

پھر کہنے لگا: اچھا ابو قحافہ کے بیٹے ابوبکر زندہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: چپ رہو جواب مت دو۔

پھر کہا: اچھا خطاب کے بیٹے عمر زندہ ہیں؟ پھر کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب مارے گئے؛ اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہو سکا؛ اور کہنے لگے: او دشمن خدا! تو جھوٹا ہے اللہ نے تجھے ذلیل کرنے کے لیے ان کو قائم رکھا ہے۔ ابوسفیان نے نعرہ لگایا: اے ہبل تو بلند اور اونچا ہے؛ ہماری مدد کر۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم بھی جواب دو؛ پوچھا: کیا جواب دیں؟ فرمایا: کہو اللہ بلند و بالا اور بزرگ ہے۔''

ابوسفیان نے کہا: ہماری مددگار عزی ہے اور تمہارے پاس کوئی عزی نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو جواب دو۔''

پوچھا: کیا جواب دیں؟ فرمایا: کہو: ''اللہ ہمارا مددگار ہے، تمہارا مددگار کوئی نہیں۔''

ابوسفیان نے کہا: بدر کا بدلہ ہو گیا لڑائی ڈول کی طرح ہے ہار جیت رہتی ہے۔ کہا: تم کو میدان میں بہت سی لاشیں ملیں گی جن کے ناک کان کٹے ہوں گے میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا اور نہ مجھے اس کا افسوس ہے۔

[البخاری: ج: دوم: ح ۱۲۳٦]

یہ اس وقت میں مشرکین کے لشکر کا قائد ہے؛ یہ صرف نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔ اگر ان لوگوں کو ان تین حضرات کے علاوہ کسی اور کا خوف ہوتا؛ جیسے حضرت عثمان و علی اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم؛ یا رسول اللہ ﷺ کی تائید ان لوگوں سے ہوئی ہوتی جیسے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے ہوئی ہے؛ تو پھر ضرور ان کے بارے میں بھی ایسے ہی سوال کرتے جیسے ان حضرات کے بارے میں سوال کیا تھا۔ کیونکہ سوال کرنے کا مقتضی اپنی جگہ پر باقی ہوتا۔ اور سوال کرنے میں کوئی مانع بھی موجود نہیں تھا۔ اس لیے کہ قدرت اور داعی کی موجودگی میں جب صارف بھی منتفی ہو تو پھر فعل کا بجالانا واجب ہو جاتا ہے۔

پانچویں وجہ:...... اسلام کی نشر و اشاعت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انفرادی طور پر کوئی خاطر خواہ اثر نہیں تھا۔ جتنا اثر آپ کا تھا اتنا ہی آپ جیسے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بھی اثر و کردار تھا۔ جبکہ بعض صحابہ کے اثرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثرات سے بہت زیادہ اور بلیغ تھے۔ جن لوگوں کو صحیح تاریخ و سیرت سے معرفت ہے؛ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

ہاں جو لوگ جھوٹ بولنے کے عادی ہیں' اور طرقیہ کے راستے پر چلتے ہیں تو [ پھر ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ] جھوٹ کا دروازہ کھلا ہے۔ یہ جھوٹ ایسے ہی ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ﴾ [العنکبوت ٦٨]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا جب حق اس کے پاس آجائے وہ اسے جھٹلائے۔''

مجموعی طور پر وہ مغازی جن میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ قتال کی نوبت پیش آئی ان کی تعداد نو ہے۔اور تمام غزوات کی مجموعی تعداد ستائیس ہے۔ جب کہ سرایا کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد ستر (۷۰) تک پہنچتی ہے۔ اتنے غزوات اور سرایا میں مجموعی طور پر قتل کیے جانے والے کفار کی کل تعداد ایک ہزار سے کچھ کم و بیش بنتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا دسواں یا بیسواں حصہ کفار کو بھی قتل نہیں کیا۔ جب کہ اکثر سرایا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں جایا کرتے تھے۔ جب کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کی فتوحات میں بھی آپ نے بہت کم ہی حصہ لیا ہے۔ نہ آپ نہ عثمان؛ نہ طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم؛ ہاں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کی طرف نکلتے تو آپ بھی ان کے ساتھ نکلا کرتے تھے۔ البتہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مصر کی فتح میں حصہ لیا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کی فتح میں حصہ لیا تھا؛ اور حضرت ابوعبیدہ نے شام کا علاقہ فتح کیا تھا۔

تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تائید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک شخص کے ساتھ کی گئی تھی؛ جب کہ حقیقت حال یہ ہے۔ تو پھر اہل ایمان سابقین اولین اور مہاجرین وانصار کے ذریعہ ملنے والی تائید کہاں گئی؟ اور وہ تائید کہاں گئی جن لوگوں نے ببول کے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھوں پر بیعت رضوان کی تھی؟

بدر کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ جب کہ احد کے موقع پر سات سو کے قریب تھے۔ خندق کے موقع پر ہزار سے زیادہ تھے؛ بیعت رضوان کے دن چودہ سو کے لگ بھگ تھے۔ یہی صحابہ کرام تھے جنہوں نے خیبر فتح کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کے قریب صحابہ کرام تھے؛ غزوہ حنین میں بارہ ہزار تھے؛ دس ہزار کا مدنی لشکر اور دو ہزار آزاد کردہ اہل مکہ [طلقاء]۔ جب کہ تبوک کے موقع پر یہ شمار ممکن نہ رہا؛ کہا جاتا ہے کہ اس وقت تیس ہزار سے زیادہ صحابہ تھے۔ جب کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ان کو شمار کرنا ممکن نہ رہا۔ آپ کے زمانے میں ہی بہت سارے لوگ ایسے تھے جو ایمان لائے اور نبی کریم ﷺ کے دیدار سے شرفیاب ہوئے؛ اور ان کا شمار بھی صحابہ میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زندگی میں ہی ان لوگوں کے ذریعہ یمن اور دوسری جگہوں میں آپ کی مدد فرمائی۔ یہ تمام لوگ وہ اہل ایمان تھے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تائید کی۔ بلکہ قیامت تک جو بھی ایمان لائے گا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا' وہ اس حکم میں داخل شمار ہوگا۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چوبیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چوبیسویں دلیل یہ آیت قرآنی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (الانفال:۶۴)

''اے نبی! آپ کو اللہ کافی ہے اور ان مومنوں کو جو تیری پیروی کررہے ہیں۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ابونعیم کا قول ہے کہ: یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی؛ یہ فضیلت صحابہ میں سے کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی لہٰذا وہی امام برحق ہوں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**جواب:** اس کا جواب کئی طرح سے دیا جا سکتا ہے:

**پہلی بات:**...... یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

**دوسری بات:**...... بیشک یہ قول حجت نہیں ہے۔

**تیسری بات:**...... یہ کلام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑا بہتان ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الانفال:٦٤)

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے' اور ان اہل ایمان کے لیے بھی کافی ہے جو آپ پر ایمان لائے ہیں۔ وہ اکیلا اللہ ہی آپ کے لیے بھی کافی ہے اور آپ کے ماننے والے اہل ایمان کے لیے بھی کافی ہے۔ عرب اپنے کلام میں ایسے ہی جملے استعمال کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے: فَحَسْبُكَ وَزَيداً درهمٌ .

آپ کے لیے اور زید کے لیے ایک درہم ہی کافی ہے۔ اور جیسے شاعر کا قول ہے:

فَحَسْبُكَ وَالضُّحَّاكَ سَيْفٌ مُّهَنَّدٌ

''تمہارے اور ضحاک کے لیے صرف شمشیر براں کافی ہے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ ''حَسْـبُ'' مصدر ہے۔ مضاف ہونے کی صورت میں مستحسن اور زیادہ فصیح یہ ہے کہ اعادہ جار کے ساتھ اس پر عطف ڈالا جائے۔ اعادہ جار کے بغیر اگرچہ صحیح قول کے مطابق جائز ہے؛ مگر شاذ و نادر ہی اس پر عطف ڈالا جاتا ہے۔ اعادہ جار افصح و احسن ہے۔ اس طرح معنی پر عطف ہوتا ہے۔ اور مضاف منصوب واقع ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''حسبك و الضحاك۔'' یعنی آپ کے لیے اور ضحاک کے لیے کافی ہے۔

مصدر فعل والا عمل کرتا ہے۔ لیکن جب اسے مضاف کر دیا جائے تو اس کا غیر مضاف الیہ پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اسے فاعل کی طرف مضاف کیا جائے تو مفعول کو نصب دیتا ہے۔ اور اگر اسے مفعول کی طرف مضاف کیا جائے تو فاعل کو رفع دیتا ہے۔ مثلاً آپ یوں کہیں: ((أعجبنی دقُ القصارِ الثوبَ))

یہ بھی اس کلام کی ایک توجیہ ہے. اور آپ یوں کہیں: ((: أعجبنی دقُ الثوبِ القصارُ . ))

نحویوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے کہ اس کے اعمال کا نکرہ ہونا اس کے مضاف الیہ ہونے سے زیادہ بہتر اور اچھا ہے۔ اس لیے کہ اضافت کی وجہ سے اس کی مشابہت اسماء کے ساتھ زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ اور حق اور سچ بات یہ ہے کہ مصدر کا کسی ایک کی طرف مضاف ہونا؛ اور دوسرے پر اس کا عمل صرف اس کے نکرہ ہونے اس نکرہ پر عمل سے زیادہ بہتر ہے۔ پس کسی کا یوں کہنا کہ: ((أعـجبنِـی دقُ الـقصارِ الثوبَ)) یہ اس سے بہتر ہے کہ پ یوں کہیں: ((: أعجبنِی دقُ الثوبِ القصارُ . ))

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اس لیے کہ تنکیر بھی اسم کے خصائص میں سے ہے۔اور اضافہ اس سے خفیف ہوتا ہے؛ کیونکہ وہ اسم ہے۔اور اس میں اصل یہ ہے کہ مضاف تو کیا جائے مگر عمل نہ کرے۔لیکن جب فاعل اور مفعول دونوں کی طرف اس کی اضافت متعذر ہوتو پھر فاعل یا مفعول دو میں سے کسی ایک کی طرف اسے مضاف کیا جائے گا جب کہ دوسرے پر اس کا عمل ہوگا۔

یہی حال معطوفات میں بھی ہوتا ہے۔اگر ممکن ہوتو ان سب کی طرف اس کی اضافت کی جائے جیسا کہ اسم ظاہر کی طرف اضافت میں ہوتا ہے۔جیسا نبی کریم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

((إِن الله حرم بيع الخمرِ والميتةِ والدمِ والخِنزِيرِ والأصنامِ ))۔

ان کا یہ قول ہے کہ:((نهى عن بيعِ الملاقِيحِ والمضامِينِ وحبلِ الحبلةِ . ))

اور اگر ایسا کرنا متعذر ہوتو پھر اسے مستحسن نہیں سمجھا جاتا۔جیسا کہ یہ کہا جاتا ہے:

(( حسبك وزيداً دِرهمٌ . ))تو اس کا عطف معانی پر ہوتا ہے۔

اس کے متشابہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا﴾ [الانعام: 96]

''اور اس نے رات کو آرام اور سورج اور چاند کو حساب کا ذریعہ بنایا۔''

اس موقع پر اسے اللیل مجرور کے محل پر واقع ہونے کے باوجود نصب دیا گیا ہے؛

سو بلاشک اسم فاعل مصدر کی طرح ہوتا ہے۔کبھی اسے مضاف کیا جاتا ہے اور کبھی یہ عمل کرتا ہے۔

بعض لوگوں نے غلط فہم کی بنیاد پر اس آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اے نبی! اللہ تعالیٰ اور مومن آپ کے لیے کافی ہیں۔'' اس صورت میں ﴿مَنِ اتَّبَعَكَ﴾ رفعی حالت میں ہوگا اور اس کا عطف لفظ اللہ پر ہوگا۔'' یہ اتنی بڑی غلطی ہے کہ اس سے کفر لازم آتا ہے۔اس لیے کہ صرف اللہ تعالیٰ ساری مخلوقات کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ (آل عمران:۱۷۳)

''وہ لوگ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے میں لشکر جمع کر لیے ہیں۔تم ان سے خوف کھا تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔''

یعنی صرف اکیلا اللہ تعالیٰ ہم سب کے لیے کافی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' آپ فرماتے ہیں: ''یہ کلمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا جب انہیں آگ میں ڈالا گیا' اور محمد ﷺ نے اس وقت کہا جب لوگ آپ کو [ڈرانے کے لیے] کہنے لگے: بیشک لشکر تمہارے لیے جمع ہوگئے ہیں' ان سے ڈرو؛ تو ان کا ایمان مزید بڑھ گیا' اور کہنے لگے: ''حسبنا الله و نعم

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



الوکیل ۔’’ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے‘اور وہ بہترین کارساز ہے۔‘‘

تمام انبیائے کرام علیہم السلام یہی کہتے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارے لیے کافی ہے۔اوران میں سے کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا کہ کوئی اور بھی اللہ کے علاوہ ان کے لیے کفایت کرتا۔ جب یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مؤمنین کے لیے کفایت کر جائیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور مؤمنین رسول اللہ ﷺ کے لیے کفایت کر جائیں؟

اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾[الزمر: 36]

’’کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہیں۔‘‘

اوراللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ﴾ [التوبة: 59]

’’اور کاش کہ واقعی وہ اس پر راضی ہو جاتے جو انھیں اللہ اور اس کے رسول نے دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے، جلد ہی اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی۔‘‘

انہیں دعوت دی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے دیے ہوئے پر ایسے راضی ہو جائیں حتی کہ وہ خود کہیں: حسبنا الله ۔ اور یہ نہ کہیں حسبنا الله و رسوله ۔اس لیے کہ دیا جانا رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے ممکن نہیں تھا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾[الحشر ۷]

’’اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ۔‘‘

جب کہ رغبت اللہ کی طرف ہی ہوتی ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (7) وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ (8)﴾[ألم نشرح]

’’جب فراغت ہوتو کھڑے ہوجاؤ اوراپنے رب ہی کی طرف پس رغبت کرو۔‘‘

یہی حال تحسب (کفایت سمجھنے ) کا ہے جو کہ حقیقت میں صرف اللہ وحدہ لاشریک پر توکل کا نام ہے۔یہی وجہ کہ انہیں حکم دیا گیا کہ صرف یوں کہا کریں:(حسبنا اللہ)۔اوراس کے ساتھ ملا کر یوں نہ کہا کریں: (ورسولہ).

جب یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ مومنین کے لیے کفایت ہوں[ کیونکہ یہ کفایت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوسکتی ہے ] تو پھر یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ مؤمنین اللہ کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے لیے کفایت ہوں۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com



مؤمنین اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ پس ان کے لیے کفایت کا ہونا ضروری ہے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قوت مؤمنین سے ہو'اور مؤمنین کی قوت وکفایت رسول اللہ ﷺ سے ہو۔ اس لیے کہ اس سے دور لازم آتا ہے۔ بلکہ تمام تر قوتیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی قوت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' وہی اللہ وحدہ لاشریک ہی جو تمام تر قوتوں کا پیدا کرنے والا ہے وہی رسول اللہ ﷺ کی قوت کا بھی پیدا کرنے والا ہے۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِیٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ o وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ [الانفال:62–63]

''وہی جس نے تجھے اپنی مدد اور مومنوں کے ساتھ قوت بخشی۔ اوران کے دلوں میں الفت ڈال دی۔''

بلا شک وشبہ صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی اپنے رسول کی تائید دو چیزوں سے کرنے والے ہیں:

۱۔ وہ نصرت جس سے اپنے نبی کریم ﷺ کو نوازا تھا۔

۲۔ اہل ایمان جو کہ آپ کی اطاعت گزاری میں داخل ہوگئے تھے۔

یہاں پر یہ کہا ہے کہ: حسبک اللہ۔ اور یہ نہیں فرمایا: نصر اللہِ۔ پس اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی اسی کی طرف سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ مؤمنین بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ہیں۔ پس یہاں پر جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا؛ اسے اس پر عطف کیا گیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ کیونکہ حقیقت میں یہ دونوں ہی چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ ان میں سے کسی ایک چیز کے بھی پیدا کرنے میں کوئی ایک بھی نہیں تھا۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ اکیلے ہی ان تمام چیزوں کے خالق و مالک ہیں؛ اور وہ ان میں سے کسی ایک چیز کے لیے بھی کسی دوسرے کے محتاج نہیں۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو پتہ چلا کہ رافضی جہالت پر جہالت مرتب کرتے چلے جاتے ہیں۔ پھر ایسے اندھیروں کا شکار ہوگئے کہ یہ اندھیرے آپس میں اوپر نیچے ہورہے تھے۔ اس طرح وہ گمان کرنے لگے کہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آپ کی اتباع کرنے والے مؤمنین آپ کے لیے کافی ہیں اور پھر آپ کے متبعین مؤمنین میں سے صرف ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی مؤمن مانتے ہیں۔ ان کی یہ جہالت پہلی جہالت سے بھی زیادہ بڑھ کر اور واضح ہے۔ اس لیے کہ پہلی جہالت تو بعض لوگوں پر مشتبہ ہوسکتی ہے؛ مگر یہ جہالت کسی بھی عاقل پر مخفی نہیں رہ سکتی۔

[[اگر ہم فرض بھی کرلیں کہ ﴿مَنِ اتَّبَعَكَ﴾ فاعل ہے اور لفظ اللہ پر معطوف ہے تو بھی یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ نزول آیت کے وقت آپ کی پیروی کرنے والے بے شمار مومن موجود تھے۔ کوئی دانش مند آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جہاد کفار میں نبی کریم کے لیے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کافی تھے]]

اس لیے کہ بیشک تمام مخلوق میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی آپ ﷺ کے لیے کافی نہیں تھے۔ خدانخواستہ آپ کی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اعانت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا اگر دیگر صحابہ موجود نہ ہوتے تو اسلام کا بول بالا نہ ہوتا۔[[ مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ چند صحابہ موجود تھے۔ تاہم دین کا بول بالا نہ ہوسکا، بلکہ دین کو غلبہ اسی وقت حاصل ہوا جب آپ نے مدینہ میں ہجرت فرمائی]]

غور کیجیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے لشکر جرار موجود تھا۔ تاہم آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے شام کا ملک چھین نہ سکے۔ بلکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہی غلبہ حاصل رہا۔ بھلے یہ غلبہ قوت وقتال کے لحاظ سے ہو یا تدابیر اور چالوں کے لحاظ سے۔ اس لیے کہ جنگ دھوکہ دہی کا نام ہے۔ شاعر کہتا ہے:

''بہادروں کی بہادری سے پہلے رائے کا وقت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ رائے کا موقعہ پہلے ہے اور شجاعت و بہادری دیکھانے کا موقعہ دوسرا ہے۔''

جب یہ دونوں چیزیں کسی انسان میں جمع ہوجاتی ہیں تو وہ بلندیوں کی انتہاء پر پہنچ جاتا ہے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام کے غالب آنے کے بعد اور اپنے پیروکاروں کی اکثریت کی باوجود خود اپنی ذات کے کام نہ آسکے؛ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وقت میں کیسے کام آسکتے تھے جب تمام دنیا والے آپ کے دشمن تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس لیے غالب نہیں آئے کہ آپ کا لشکر آپ کی اتباع نہیں کرتا تھا' بلکہ وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف کا شکار رہتے تھے۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: جب آپ کے ساتھ مسلمان ہونے کے باوجود آپ کی اطاعت نہیں کررہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ کافر لوگ آپ کی اطاعت کریں حالانکہ نہ ہی وہ آپ کو مانتے ہیں اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

شیعہ کی جہالت اور ظلم کا اندازہ لگائیے کہ یہ دو متضاد باتوں کو جمع کردیتے ہیں۔ ایک جانب تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قدرت وشجاعت کے اعتبار سے اکمل البشر قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے محتاج تھے۔ دین اسلام کی توسیع و اشاعت بھی روافض کے خیال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رہین منت تھی۔ ایسا کفر کہتے ہیں کہ آپ کو دین محمدی کے قائم کرنے میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ تو دوسری جانب یہ کہتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہور اسلام کے بعد عجز و نیاز کا زندہ پیکر بن گئے تھے۔ اور آپ نے تقیہ کر رکھا تھا۔ یہ بات کس قدر عجوبہ روزگار ہے کہ جو شخص اسلام کی کمزوری اور قلت افراد کے زمانہ میں مشرکین بلکہ جن وانس سب پر غالب تھا؛ جب لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو چکے تھے تو وہ ایک باغی گروہ کے مقابلہ میں کیوں کر عاجز آگئے اور اس کو زیر نہ کرسکے۔[اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تنہا مشرکین کو زیر نہیں کرسکتے تھے؛ جب تک کہ آپ کے ساتھ دوسرے صحابہ کرام موجود نہ ہوتے]۔

یہ بات یقینی طور پر سبھی لوگ جانتے ہیں کہ لوگ اسلام میں داخل ہونے کے بعد حق کے سب سے بڑے اتباع کار تھے۔ یہی لوگ تھے جنھوں نے اللہ کا نازل کردہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم قائم کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ یہاں تک کہ کفار کو مغلوب کیا؛ اور لوگ مسلمان ہوئے۔ تو پھر یہ ایک چھوٹے سے گروہ کو مغلوب کیوں نہ کرسکے جنھوں نے سرکشی اور بغاوت

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کی تھی۔ حالانکہ ان کی تعداد بھی بعثت محمدی کے وقت موجود کفار کی تعداد سے بہت کم تھی۔ ان کی شان وشوکت بھی بہت کم تھی؛ اور ان کی نسبت یہ لوگ حق کے بھی زیادہ قریب تھے؟

جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کرنے والے کفار تعداد میں بہت زیادہ اور حق سے بہت ہی دور تھے۔ اس وقت میں اہل حجاز' اہل شام' اہل یمن ؛ اہل مصر اہل عراق ؛ اہل خراسان اور اہل مغرب تمام کے تمام کفار تھے۔ ان میں مشرکین بھی تھے' اہل کتاب بھی ؛ مجوسی بھی تھے اور صابی بھی۔ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو اس وقت جزیرہ عرب پر اسلام غالب ہو چکا تھا۔ اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیے جانے کا واقعہ پیش آیا اس وقت تک اسلام مصر؛ شام ؛ عراق ؛ خراسان اور مغرب تک غالب آ چکا تھا۔

نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت دشمنان تعداد میں بہت کم اور قوت کے لحاظ سے بہت کمزور رہ گئے تھے۔ اور دشمنی بھی اس وقت کی نسبت بہت کم تھی جس وقت میں آپ کو مبعوث کیا گیا تھا۔ ایسے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت یہ لوگ بالکل ہی کم اور کمزور ہو گئے تھے۔ اور پہلے کی نسبت دشمنی میں بھی کمی آ گئی تھی۔ وہ حق جس کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ برسر پیکار تھے ؛ وہ اس حق کا ایک جزء تھا جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ قتال و جہاد کرتے تھے۔ پس جو کوئی اس حق کو جھٹلائے جو محمد ﷺ لیکر آئے ہیں' اور اس پر قتال کرے ؛ یقیناً وہ انسان اس حق کو بھی جھٹلانے والا ہے جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا تھا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حالت میں حق کی نصرت اور باطل سے دفاع میں عاجز آ گئے تھے ؛ تو پھر جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تھے تو اس وقت آپ کا کیا حال ہوگا؟ اس وقت تو آپ بالکل ہی عاجز اور کمزور ہوں گے۔ کیونکہ اس وقت دشمنان بھی تعداد میں بہت زیادہ دشمنی میں سخت اور قوت و شوکت سے لیس تھے۔

روافض کے اس فعل کی نظیر نصاریٰ کا یہ طرز عمل ہے کہ وہ ایک طرف حضرت عیسیٰ کو اِلٰہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں آپ ہر چیز کے رب ہیں اور ہر چیز پر قادر ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ ان کے دشمنوں نے ان کی تذلیل کی ان کے سر پر کانٹے رکھے اور انھیں سولی پر چڑھایا۔ حضرت مسیح واویلا کرتے رہے، مگر انھوں نے ایک نہ سنی۔ نہ ہی وہ حضرت مسیح کے لیے قدرت قاہرہ کے ثابت کرنے میں کامیاب ہو سکے اور نہ ہی اس کمزوری کے ثابت کرنے میں۔

اگر وہ کہیں کہ حضرت مسیح کو یہ تکلیف اللہ کی مرضی سے دی جا رہی تھی۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ تو اس بات پر راضی ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے۔ اگر آپ کو قتل کرنا اور پھانسی دینا یہ ایک طاعت وعبادت تھی تو پھر جو یہود یہ کام کر رہے تھے وہ عبادت بجا لا رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہے تھے۔ بنابریں وہ مدح وستائش کے مستحق تھے نہ کہ مذمت کے۔ یہ عظیم ترین کفر و جہالت ہے۔ عام شیعہ شیوخ اور فقراء بھی اسی قسم کے تضاد میں مبتلا ہیں، ایک طرف وہ بلند بانگ دعوے کرتے نہیں تھکتے اور دوسری طرف ضعف وعجز کا مظاہرہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



''تین آدمی ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ بات کریں گے اور نہ ہی انہیں پاک وصاف کریں گے اور ابومعاویہ فرماتے ہیں کہ اور نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ اور مفلس تکبر کرنے والا۔''ایک روایت میں عیال دار متکبر کے الفاظ ہیں۔''❶

ایک مفلس وقلاش آدمی کے اظہار فخر وغرور کا طرز وانداز یہ ہے کہ جب وہ کبر وغرور پر اترے تو اپنے آپ کو اللہ کا جانشین قرار دے اور یہ کہے کہ میرے سوا کوئی رب ہے نہ رسول۔ اس کا انجام یہ ہو کہ وہ بھیک مانگنے پر اتر آئے اور لوگوں سے روٹی کے ٹکڑے طلب کرتا پھرے؛ یا ظالم کے ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس کے خلاف مدد طلب کرتا پھرے؛ اور ایک لقمہ تک کا محتاج ہو؛ ایک لفظ زبان پر لانے سے ڈرتا ہو۔ تو پھر کہاں یہ فقر و ذلت اور رسوائی اور کہاں وہ رب ہونے کا دعوی جو کہ عزت وغلبہ اور تونگری کو متضمن ہے۔ یہ ان مشرکین کا حال ہوتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ﴾ [الحج ۳۱]

''اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا، اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ﴾ (العنکبوت: ۴۱)

''جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز بنایا ان کی مثال ایک مکڑی جیسی ہے جس نے ایک گھر بنایا ہو اور سب سے کمزور ترین گھر مکڑی ہی کا ہوتا ہے، اے کاش! کہ انھیں معلوم ہوتا۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾

[آل عمران ۱۵۱]

''عنقریب ہم منکرینِ حق کے دلوں میں رعب بٹھا دیں گے، اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ان کو خدائی میں شریک ٹھہرایا ہے جن کے شریک ہونے پر اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔''

❶ سنن نسائی۔ کتاب الزکاۃ، باب الفقیر المختال (ح: ۲۵۷۶) وصحیح مسلم، کتاب الایمان۔ باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار (ح: ۱۰۷)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



عیسائیوں میں شرک واضح طور پر پایا جاتا ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [التوبة ۳۱]

''انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے۔ اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی۔ حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''

یہی حال ان کی مشابہت اختیار کرنے والے نساک اور غالی شیعہ کا بھی ہے۔ ان میں انتہائی درجہ کا شرک اور غلو پایا جاتا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے نصاریٰ میں شرک اور غلو پایا جاتا ہے۔ جب کہ یہودیوں میں تکبر پایا جاتا ہے۔ متکبر آخر کار ہمیشہ ذلت و رسوائی سے دو چار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ (آل عمران: ۱۱۲)

''ان پر ذلت چھا گئی تھی وہ جہاں بھی ہوں مگر یہ کہ وہ اللہ کی پناہ میں ہوں یا لوگوں کی پناہ میں آ جائیں۔ وہ مورد غضب الٰہی ہوئے اور ان پر مسکینی چھا گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آیات الٰہی کے ساتھ کفر کرتے انبیاء کو بلا وجہ تہہ تیغ کرتے اللہ کے نافرمان اور حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔''

پس روافض میں ایک وجہ سے یہود کی مشابہت پائی جاتی ہے اور ایک وجہ سے نصاریٰ کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ ان لوگوں میں شرک، غلو اور باطل کی تصدیق میں نصاریٰ کی مشابہت پائی جاتی ہے؛ جب کہ دوسری طرف بزدلی؛ تکبر؛ حسد اور حق کی تکذیب کرنے میں یہودیوں کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ یہی حال رافضیوں کے علاوہ دوسرے گمراہ اہل بدعت فرقوں کا ہے۔ ان میں گمراہی بھی پائی جاتی ہے اور سرکشی و بغاوت بھی، اور دوسری جانب شرک و تکبر بھی ان میں موجود ہوتا ہے۔

لیکن رافضی اس میں سب سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ لوگ سب سے بڑھ چڑھ کر اللہ کے گھروں کو ویران کرنے والے ہیں۔ ان کے ہاں مسجدوں میں نماز جمعہ اور باجماعت نماز کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ باجماعت نماز کا اجتماع اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین اجتماع ہوتا ہے۔ ایسے ہی رافضی کفار اور مشرکین اعداء دین سے جہاد بھی نہیں کرتے۔ بلکہ آپ اکثر دیکھ سکتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف کفار کی مدد کرتے ہیں، اور ان سے مدد لیتے ہیں۔ اہل ایمان اولیاء اللہ سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں مشرکین اور اہل کتاب سے دوستیاں پالتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے بہتر لوگوں مہاجرین و انصار اور تابعین کرام رحمہم اللہ سے دشمنی و عداوت رکھتے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہیں۔اور مخلوق میں سب سے بڑے کفار اسماعیلیہ اور نصیریہ اور ملحدین سے محبت اور دوستی رکھتے ہیں۔اگر چہ انہیں کافر بھی کہتے ہیں۔مگر ان کے دل اور ان کے بدن مہاجرین وانصار اور تابعین کرام رحمہم اللہ جیسے سچے مسلمانوں اور جمہور اہل اسلام کی نسبت ان کافروں کی طرف زیادہ مائل رہتے ہیں۔

اہل ہوی واہل بدعت فرقوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے؛ حتی کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو علم کلام، فقہ، حدیث اور تصوف کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ مگر ان میں اس کا ایک شعبہ پایا جاتا ہے۔جیسا کہ اس کا ایک شعبہ ان اہل اھوا میں پایا جاتا ہے جو کہ اہل قلم اور تجار میں سے بادشاہوں اور وزیروں کے دروں پر حاضری دینے والے ہوتے ہیں۔مگر رافضیوں میں تمام بدعتی فرقوں سے بڑھ کر گمراہی وسرکشی اور جہالت پائی جاتی ہے۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پچیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پچیسویں دلیل یہ آیت قرآنی ہے:

﴿فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدۃ:۵۴)

''اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آئے گا جو اس سے محبت کرتے ہوں گے' اور اللہ ان سے محبت کرتا ہوگا۔''

ثعلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ سے افضل تھے۔لہٰذا وہی امام وخلیفہ ہوں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**[جواب]**: اس کا جواب کئی لحاظ سے دیا جاسکتا ہے:

**پہلی بات**:...... ہم کہتے ہیں کہ یہ ثعلبی پر افتراء ہے، ثعلبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے:''علی بن ابی طالب و قتادہ وحسن رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء مراد ہیں۔مجاہد رحمہ اللہ نے اس سے اہل یمن کو مراد لیا ہے۔''

انہوں نے حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ والی حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ اس سے مراد اہل یمن ہیں۔اور حدیث میں آتا ہے:''تمہارے پاس اہل یمن آئیں گے۔'' [رواہ البخاری ؛ کتاب المغازی]

ثعلبی نے تو نقل کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء مراد لیتے ہیں۔

جب کہ باقی ائمہ تفسیر میں سے امام طبری رحمہ اللہ نے مثنی سے روایت کیا ہے؛ وہ کہتے ہیں: ہم سے عبداللہ بن ہاشم نے بیان کیا؛ وہ سیف بن عمر سے؛ وہ ابی روق سے؛ وہ ضحاک سے' وہ ابوایوب سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ﴾

''اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہوجائے گا''

کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں: آپ فرماتے ہیں:''اللہ تعالیٰ کو مؤمنین کا علم تھا؛ اور یہ برے معانی منافقین کی مذمت میں ہیں؛ اللہ تعالیٰ کو ان کے بارے میں معلوم تھا کہ یہ اپنے دین سے پھر جائیں گے؛ اس لیے فرمایا: ﴿مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ﴾ ''تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ کسی دوسری قوم کو لے آئے گا؛ جو مرتدین کے ٹھکانوں پر آدھمکیں گے؛ [وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ ] ﴿يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ﴾ ''اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔'' یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء واصحاب ہیں۔''

نیز امام طبری نے اپنی سند سے یہی قول ضحاک ؛ قتادہ؛ حسن اور ابن جریج رحمہم اللہ سے بھی روایت کیا ہے؛ ان کے کہنا ہے کہ: قوم سے مراد انصار ہیں۔ اور کچھ دوسرے لوگوں نے کہا ہے: ''قوم سے مراد اہل یمن ہیں۔''

بعض لوگوں نے اس آخری معنی کو ترجیح دی ہے' اور کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم کے لوگ ہیں۔ امام طبری فرماتے ہیں: ''اگر اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ حدیث ثابت نہ ہوتی تو میں بھی وہی بات کہتا جو دوسرے لوگوں نے کہی ہے کہ اس سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء ہیں۔

نیز آپ فرماتے ہیں: ''جب اہل ارتداد اپنے دین سے پھر گئے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں واپس لے آیا۔'' [تفسير الطبرى ۱۰/ ٤۱۱]

دوسری بات:......شیعہ مصنف کے پاس اپنے دعوی کی کوئی دلیل نہیں۔ پس اس کی بات کو مان لینا کوئی ضروری نہیں۔

تیسری بات:...... یہ قول مشہور و معروف تفسیر کے منافی ہے۔ مشہور تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کرام ہیں۔ جنہوں نے آپ کے ساتھ اہل ارتداد سے جنگیں لڑیں۔ یہ تفسیر لوگوں کے ہاں معروف ہے؛ جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہم بیان کر چکے ہیں۔ لیکن شیعہ کذاب یہ چاہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں وارد ہونے والی آیات و احادیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کے قالب میں ڈھال دیں؛ لیکن یہ بری اور بد نیتی پر مبنی تدبیریں خود ان کے گلے کا طوق بنیں گی؛ [ان شاء اللہ]

میرے ایک قابل اعتماد ساتھی نے مجھے بتایا کہ میں ایک شیخ کے پاس گیا؛ جسے میں بھی جانتا ہوں؛ اس شیخ میں دین و زہد تھا اور اس کے احوال معروف تھے؛ اس میں شیعیت کا عنصر پایا جاتا تھا۔ [میرا دوست] کہتا ہے: اس (شیخ) کے پاس ایک کتاب تھی؛ جس کی وہ بہت زیادہ تعظیم کرتا تھا؛ اور اس کا دعوی تھا کہ اس میں راز داری کی باتیں درج ہیں' اور اس نے یہ کتاب خلفاء کے خزانوں سے حاصل کی ہے۔ اس نے کتاب کی مدح سرائی میں خوب مبالغہ کیا؛ جب وہ کتاب سامنے لا کر رکھی گئی تو اس میں بخاری و مسلم کی وہ روایات تھیں جو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل میں ہیں؛ اور انہیں رخ موڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں شمار کیا گیا تھا۔

شائد کہ یہ کتاب مصر سے بنوعبید کے خزانوں میں سے حاصل کی گئی ہو؛ اس لیے کہ ان کے قریبی لوگ ملحد اور زندیق تھے جو اسلامی حقائق کو موڑ توڑ کر رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے دین کے نقض پر ایسی احادیث گھڑی ہیں جن کے بارے میں صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ جاہل لوگ انہیں دیکھ کر گمان کرتے ہیں یہ روایات بھی بخاری و مسلم سے لی گئی ہیں۔ جب کہ وہ لوگوں میں جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہوئے غلط بات کو رواج دے رہے ہیں۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اس طرح کے جاہل لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جو روایات بخاری اور مسلم میں ہیں؛ وہ ہم امام بخاری اور امام مسلم سے لیتے ہیں۔ جیسے کہ ابن الخطیب اور ان دوسرے لوگوں کا خیال ہے جن کو حقیقت حال کا کوئی علم نہیں۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ امام بخاری اور مسلم غلط باتیں پھیلایا کرتے تھے؛ اور جان بوجھ کر جھوٹ بولا کرتے تھے۔ اور انہیں اس بات کا علم نہیں کہ جب ہم کہتے ہیں: بخاری و مسلم [نے یہ روایت ذکر کی ہے] تو ہمارے پاس ایسی نشانیاں موجود ہیں جو اس کی صحت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس سے مراد ہرگز یہ نہیں ہوتی کہ صرف بخاری اور مسلم کے روایت کر لینے سے وہ روایت صحیح اور ثابت ہو جاتی ہے۔ بلکہ بخاری و مسلم کی روایات ان کے علاوہ اتنے علماء اور محدثین نے روایت کی ہیں جن کی صحیح تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی روایت کرنے میں یہ دونوں امام منفرد نہیں ہیں؛ بلکہ ان سے پہلے اور ان کے زمانے میں اور ان کے بعد بھی لوگوں کی جماعتوں نے انہیں روایت کیا ہے۔ اگر امام بخاری و مسلم نہ بھی پیدا ہوتے تب بھی اللہ کے دین میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی۔ اور یہ احادیث اپنی اسانید کے ساتھ موجود ہوتیں؛ جس سے مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔

جب ہم کہتے ہیں کہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے تو یہ بالکل اس قول کی طرح ہوتا ہے جب ہم کہتے ہیں: قرأت سبعہ میں یوں ہے۔ قرآن تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ ان ساتوں قراء کے ساتھ اس میں سے کوئی بھی چیز خاص نہیں ہے۔ ایسے ہی حدیث کی تصحیح کا مسئلہ بھی ہے۔ ائمہ حدیث نے اس بارے میں بخاری و مسلم کی تقلید نہیں کی۔ بلکہ وہ جمہور روایات جن کو ان دونوں حضرات نے صحیح کہا ہے؛ وہ ان سے پہلے ائمہ حدیث کے ہاں صحیح اور قابل قبول تھیں۔ اور ایسے ہی ان کے زمانے میں بھی اور ان کے بعد بھی اس فن کے ائمہ نے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا: اور ان کی تصحیح پر موافقت کا اظہار کیا؛ سوائے چند ایک مواقع کے؛ جو کہ تقریباً بیس احادیث ہیں؛ ان میں سے بھی زیادہ مسلم شریف میں ہیں۔ ان پر حفاظ حدیث نقاد نے جرح کی ہے۔ ان میں سے ایک گروہ نے امام مسلم و بخاری کی اور ایک گروہ نے تنقید کرنے والوں کی تائید کی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں بعض مواقع بلا ریب تنقید کے قابل ہیں۔ مثلاً ام حبیبہ کی حدیث؛ اور یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا کیا؛ اور یہ کہ چاند گرہن کی نماز میں تین رکوع یا اس سے زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ صحیح مسلم کی بات ہو رہی ہے۔ جب کہ بخاری ان دونوں کتابوں میں تنقید سے مبراء ہے۔ آپ کوئی لفظ بھی بہت ہی کم ایسا روایت کرتے ہیں جس پر تنقید ہو سکتی ہو۔ اگر ایسا لفظ روایت بھی کریں تو ساتھ ہی دوسرا لفظ بھی روایت کر لیتے ہیں جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس حدیث پر تنقید ہوئی ہے۔ آپ کی کتاب میں کوئی لفظ ایسا نہیں آیا جس پر تنقید ہوئی ہو مگر آپ نے دوسری جگہ پر ایسے الفاظ نہ لائے ہوں جن سے اس کا منتقد ہونا ظاہر نہ ہوتا ہو۔

جملہ طور پر جو کوئی سات ہزار درہم کو پرکھے؛ اور اسے چند ایک کے علاوہ کوئی کھوٹا سکہ نہ ملے؛ اور یہ بھی ایسا کھوٹا نہیں جو صرف دھوکہ بازی سے ان میں داخل کر دیا گیا ہو؛ مگر ان میں محض تبدیلی ہوئی ہے۔ پس ایسا انسان اپنے فن کا امام

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ہے۔ان دونوں کتابوں میں سات ہزار سے کچھ کم احادیث موجود ہیں ۔

مقصود یہ ہے کہ ان حضرات کی روایت کردہ احادیث کو ان سے پہلے بھی اوران کے بعد بھی اس فن کے ماہرین نے جانچ پرکھ کے میزان سے گزارا ہے؛ اوران پر تنقید و بحث کی ہے۔اوران احادیث کو اتنی خلقت نے روایت کیا ہے جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔پس یہ ائمہ نہ حدیث کے روایت کرنے میں منفرد ہیں' اور نہ ہی اس کو صحیح کہنے میں ۔

خلاصہ کلام ! اللہ تعالیٰ ہی اس دین کی حفاظت کا ذمہ دار ہے؛ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾

''بیشک ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے' اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

بھی اسی طرح ہے جس طرح کے مسائل مذاہب ائمہ پر تصنیف شدہ فقہ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ قدوری؛ التنبیہ ؛ الخرقی ؛ الجلاب ۔ ان میں غالب طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب کہا جائے کہ : فلاں نے ذکر کیا ہے؛ تو اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس امام کا یہ مذہب ہے ۔ اور یقیناً یہ اس کے سارے اصحاب نے نقل کی ہے۔اور یہ مخلوق کی اتنی زیادہ تعداد ہوتی ہے جو کہ اس امام کے مذہب کو تواتر کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

ان کتابوں میں ایسے مسائل بھی ہیں جن میں بعض اہل مذہب منفرد ہوتے ہیں۔اوراس میں ان کے مابین نزاع بھی ہوتا ہے۔لیکن اکثر طور پر یہ اہل مذہب کا قول ہوتا ہے۔ جب کہ بخاری اور مسلم میں اکثر روایات پر تمام اہل علم محدثین کا اتفاق ہے۔اس لیے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کا بہت زیادہ اہتمام کرنے والے ہوتے ہیں۔اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کی معرفت اتباع ائمہ کی ائمہ کے الفاظ سے معرفت کی نسبت بہت زیادہ ہوا کرتی ہے۔ اورعلمائے حدیث الفاظ میں رسول اللہ ﷺ کے مقاصد سے؛ اتباع ائمہ کی ائمہ کے الفاظ و مقاصد سے زیادہ واقف کار ہوتے ہیں۔اورمحدثین کے مابین تنازع ائمہ کے مقلدین کے مابین تنازع کی نسبت بہت کم ہوتا ہے۔

رافضہ کی جہالت کی وجہ سے ان کا یہ حال ہے کہ جب کسی نسخہ میں کوئی ایک چیز دیکھتے ہیں؛ تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات ان اہل پر مخفی ہیں جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اس دین کی حفاظت فرمارہے ہیں؛ پس وہ [ان میں اپنی من مانی تحریف کرنے لگ جاتے ہیں] اورحضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بنانا شروع کردیتے ہیں۔''

چوتھی بات:...... لوگوں میں تواتر کے ساتھ یہ بات مشہور و معروف ہے کہ مرتدین کے ساتھ قتال کرنے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔آپ نے ہی مسیلمہ کذاب اور اس کے اتباع کار قبیلہ بنوحنیفہ اور اہل یمامہ سے جنگ کی تھی؛ مسیلمہ نے نبوت کا دعوی کیا تھا۔کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ تھی۔اور آپ نے ہی طلیحہ اسدی سے جنگ کی جس نے نجد کے علاقہ میں نبوت کا دعوی کیا تھا۔بنو تمیم؛ بنو اسد اور بنو غطفان نے اس کی اطاعت گزاری شروع کردی تھی۔ایسے ہی سجاع نامی ایک عورت نے بھی نبوت کا دعوی کیا تھا؛ پھر اس نے مسیلمہ کذاب کے ساتھ شادی کرلی؛ یوں جھوٹا اور جھوٹی شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



عربوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو دین اسلام سے مرتد تو ہو گئے تھے مگر انہوں نے کسی جھوٹے نبی کی اتباع نہیں کی۔ اوران میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو شہادتین کا تو اقرار کرتے تھے مگر احکام شریعت کا انکار کرتے تھے ؛ جیسے کہ مانعین زکواۃ۔ ان لوگوں کے قصے اتنے متواتر اور مشہور ہیں کہ اس باب میں ادنی معرفت رکھنے والا بھی ان کا علم رکھتا ہے۔

مرتدین سے جنگ کرنے والے ہی وہ لوگ تھے جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے۔ وہ اس آیت کی تفسیر میں داخل ہونے کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔

ایسے ہی وہ تمام لوگ جنہوں نے اہل روم و فارس سے قتال کیا ؛ وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے رفقاء اور اہل یمن اور دوسرے لوگ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: ''اس کی قوم کے لوگ ہیں۔''[1]

یہ بات تواتر کے ساتھ مشہور اور یقینی طور پر معلوم شدہ ہے کہ جو لوگ فتنہ ارتداد کے وقت دین اسلام پر ثابت قدم رہے اور جنہوں نے کفار و مرتدین سے قتال کیا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں شامل ہیں: [فرمان الٰہی ہے]:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ﴾ [آل عمران ۵۴]

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا، جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے، جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔''

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں' اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے ؛ لیکن آپ میں یہ صفت حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین سے زیادہ نہیں پائی جاتی۔ اور نہ ہی آپ کا کفار و مرتدین کے ساتھ جہاد ان حضرات کے جہاد سے بڑھ کر تھا ؛ اور نہ ہی آپ کی وجہ سے دین کے لیے کوئی ایسی مصلحت حاصل ہوئی جو ان تینوں خلفاء کے ذریعہ حاصل ہونے والی مصلحت سے بڑھ کر ہو۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک کی کوششیں قابل صد شکر گزاری ہیں۔ ان کے نیک اعمال کے اچھے اثرات اسلام میں موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے ان اعمال پر جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور ائمہ رشد و ہدایت ہیں۔ جو حق کے مطابق چلتے تھے اور عدل و انصاف سے کام لیتے تھے۔

اس کے برعکس اگر کوئی ائمہ اہل سنت والجماعت جن کی وجہ سے دین و دنیا میں بہت بڑا فائدہ حاصل ہوا ؛ ان کو کافر و فاسق اور ظالم کہے ؛ اور پھر ایسے انسان کی طرف آئے ؛ جس کی وجہ سے دین و دنیا کا کوئی ایسا فائدہ حاصل نہیں ہوا جیسا

[1] تفسیر الطبری ۱۰/ ۴۱۱.

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ان سابقہ تین حضرات سے ہوا ہے؛ اور اس صحابی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے؛ یا رسول اللہ ﷺ کا شریک بنائے؛ یا ایسا امام معصوم قرار دے؛ [اور یہ کہے کہ ]: ایمان والے صرف وہی لوگ ہوں گے جو اسے امام معصوم اور منصوص علیہ مانتے ہوں گے؛ اور جو اس دائرے سے خارج ہو اسے کافر کہیں ۔ اور جن کفار اور مرتدین سے ان خلفاء نے قتال کیا تھا؛ انہیں مسلمان قرار دیں؛ اور جو اہل ایمان پانچ نمازیں پڑھتے؛ رمضان کے روزے رکھتے؛ بیت اللہ کا حج کرتے؛ اور قرآن پر ایمان رکھتے تھے؛ انہیں ان منافقین و مرتدین سے جنگ لڑنے کی وجہ سے کافر قرار دیں ۔ یہ کام صرف وہی انسان کرسکتا ہے جو انتہائی جھوٹا؛ کذاب؛ جاہل اور ظالم ہو؛ اور دین اسلام میں الحاد کو فروغ دینا چاہتا ہو۔ یہ ایسا انسان ہی ہوسکتا ہے جس کا نہ ہی کوئی دین و ایمان ہو اور نہ ہی علم و عقل ۔

علمائے کرام رحمہم اللہ ہمیشہ سے کہتے چلے آئے ہیں کہ: رافضیت کی بنیاد رکھنے والا زندیق اور ملحد تھا۔ جس کا مقصد دین اسلام کو خراب کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رافضیت کو زنادقہ ؛ ملحدین ؛ غالیہ معطلہ نصیریہ اور اسماعیلیہ [ اور ان جیسے دوسرے کافر فرقوں ] کی پناہ گاہ سمجھا جاتا رہا ہے۔

یہ پہلی سوچ اور آخری کام تھا۔ رافضیت کا موجد دین اسلام میں فساد پیدا کرنا اور اس کی رسیوں کو توڑنا؛ اور اس کو جڑوں سے اکھاڑنا چاہتا تھا۔ آخر کار اس کے دل کے وہ بھید ظاہر ہوگئے جنہیں وہ چھپائے رکھنا چاہتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ اس کا دین پورا رہے بھلے کافروں کو یہ بات ناگوار ہی کیوں نہ گزرتی ہو۔ یہ باتیں عبداللہ بن سباء اور اس کے متبعین کے بارے میں مشہور ہیں ۔ اسی نے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام منصوص [وصی] ہونے کا دعوی کیا تھا۔ اور آپ کے بارے میں معصوم ہونے کا قول ایجاد کیا۔ ❶

پس اس سے ثابت ہوا کہ امامیہ شیعہ حقیقت میں مرتدین کے پیروکار اور ملحدین کے غلام اور منافقین کے وارث ہیں ۔ اگر چہ یہ خود بڑے ملحد [ ومنافق ] اور مرتد نہ بھی ہوں ۔

❀ پانچویں بات: ان سے کہا جائے گا: تصور کیجیے یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے؛ تو پھر بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیسے خاص ہے؟؛ جب کہ اس کے الفاظ میں تصریح موجود ہے کہ وہ لوگ جماعت ہیں؛ [کوئی فرد واحد نہیں ] جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

❶ سب سے پہلے یہ عقیدہ عبداللہ بن سبا یہودی نے گھڑا تھا، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ ابن بابویہ القمی نے شیعہ کے عقائد بیان کرتے ہوئے کہا شیعہ کا عقیدہ ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے جو حکم الٰہی کے مطابق مقرر کیا جاتا ہے۔'' نیز اس نے بیان کیا کہ اوصیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ [عقائد الصدوق: ۱۰۶ ]
رافضیت کے پہلے استاد ابن سباء یہودی نے حضرت علیؓ کی الوہیت کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن موجودہ رافضی علماء کے موافق عصمت ائمہ کا عقیدہ اس سے منقول نہیں ہے۔ پھر ہشام بن حکم نے عصمت ائمہ کے عقیدے کو ترقی دی اور کہا کہ بے شک امام سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔''
دیکھئے: بحار الأنوار: ۲۵/ ۱۹۲ ، ۱۹۳۔ ج:۱ (باب عصمتھم و لزوم عصمۃ الامام علیھم السلام)
جبکہ شیعہ کے علامہ آل کاشف الغطاء نے امام میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ نبی کی طرح خطا اور غلطی سے معصوم ہو۔ أصل الشیعۃ : ۲۱۲۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ ....إلی قوله تعالیٰ....: وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا،......اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔''

''کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے'' کے الفاظ تک صاف صراحت موجود ہے کہ یہ حضرات کوئی ایک آدمی نہیں؛ اس لیے کہ عرب لغت میں ایک آدمی کو کسی بھی صورت میں حقیقتاً یا مجازاً قوم نہیں کہا جاتا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ: اس سے مراد آپ کے شیعہ ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: جب آیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی شامل ہیں؛ اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ جن لوگوں نے کفار و مرتدین کے ساتھ جنگیں لڑیں وہ اس آیت کی تفسیر میں داخل ہونے کے اس انسان کی نسبت بڑے حق دار ہیں جس نے اہل قبلہ کے علاوہ کسی سے بھی قتال نہ کیا ہو۔اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اہل یمن جنھوں نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ مل کر جہاد کیا؛ وہ ان رافضیوں کی نسبت اس آیت میں داخل ہونے کے زیادہ حق دار ہیں؛ جو [رافضی] یہود و نصاری اور مشرکین سے دوستی رکھتے ہیں؛ اور سابقین اولین اہل اسلام سے دشمنی کرتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑنے والوں میں بہت سارے لوگ اہل یمن تھے۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: جن لوگوں نے آپ سے جنگ کی؛ ان میں بھی بہت سارے لوگ اہل یمن تھے۔ دونوں لشکر میں اہل یمن اور قبیلہء قیس کے بہت زیادہ لوگ موجود تھے۔یمن کے اکثر لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ جیسے ذی الکلاع کے لوگ؛ ذی عمرو؛ ذی رعین؛ اور دوسرے لوگ جنہیں ''الذوین'' کہا جاتا ہے۔

چھٹی بات:......اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ﴾ ''اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا'' یہ لفظ مطلق ہے؛ اس میں کسی کو بھی متعین نہیں کیا گیا۔ یہ لفظ ان تمام لوگوں کو شامل ہوگا جو ان صفات سے بہرہ ور ہونگے؛ بھلے وہ کوئی بھی ہوں۔ یہ الفاظ نہ ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہیں اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ جب کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں تو ان کا شمار کسی کے خصائص میں سے نہیں ہوگا۔ تو اس سے یہ نظریہ باطل ہوگیا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ ان اوصاف میں شریک ہیں آپ ان سے افضل ہوئے؛ کجا کہ اس سے امامت کو واجب سمجھا جائے۔

بلکہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ قیامت تک کوئی بھی انسان اس دین سے مرتد نہیں ہوگا؛ مگر اللہ تعالیٰ اس کی جگہ ایسی قوم کو لے آئیں گے جو اس سے محبت کرتی ہوگی؛ اور وہ ان سے محبت کرتا ہوگا؛ اس قوم کے لوگ اہل ایمان پر بڑے نرم

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اور کفار پر بڑے سخت ہوں گے۔ وہ اللہ کی راہ میں مرتدین سے جہاد کریں گے۔

ارتداد کبھی اصلِ اسلام سے ہوتا ہے؛ جیسے غالیہ نصیریہ اور اسماعیلیہ کی حالت ہے؛ اہل سنت اور شیعہ اور عباسیہ کا ان کے مرتد [اور کافر] ہونے پر اتفاق ہے۔

کبھی ارتداد دین کے بعض امور سے ہوتا ہے؛ جیسا کہ اہل بدعت رافضہ اور دوسرے لوگوں کا حال ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کسی ایسی قوم کو کھڑا کردے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا؛ اور وہ اس سے محبت کریں گے۔ وہ لوگ دین سے پھر جانے والوں؛ یا دین کے کچھ حصے کو ترک کردینے والوں سے جہاد کریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو کھڑا کیا ہے جو ہر زمانے میں مرتد رافضیوں کے خلاف برسر پیکار رہے ہیں۔ اور انہیں کسی کا کوئی بھی خوف نہیں ہوگا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنادے جن سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ اس کی راہ میں کسی بھی خوف و ملامت کے بغیر جہاد کرتے ہیں۔ آمین۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چھبیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چھبیسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (الحدید: ۱۹)

''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔''

امام احمد بن حنبل ابن ابی لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صدیق تین ہیں: حبیب بن موسیٰ نجار مومن آل یاسین، جس نے کہا تھا: ''اے میری قوم کے لوگو! رسولوں کی بات مان لو۔'' حزقیل مومن آل فرعون؛ جس نے کہا تھا: ''کیا تم کسی آدمی کو اس وجہ سے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔'' اور تیسرے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور یہ تینوں میں سے افضل ہیں۔''

ایسی ہی روایت ابن مغازلی شافعی نے اور کتاب ''الفردوس'' کے مصنف نے بھی روایت کی ہے۔ یہ ایسی فضیلت ہے جو آپ کی امامت پر دلالت کرتی ہے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**[جواب]**: پہلی بات:...... ہم شیعہ مصنف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس کی صحت ثابت کرے۔ اس لیے کہ امام احمد کی تمام مرویات صحیح نہیں ہیں۔ کسی روایت کے آپ کی کتاب '' الفضائل '' کی طرف منسوب ہونے سے اس کی صحت ثابت نہیں ہوجاتی؛ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ''الفضائل'' کی ہر روایت کو صحیح نہیں کہا جاسکتا ۔ کیونکہ [اس کتاب میں] آپ وہی روایات نقل کرتے ہیں جو لوگ روایت کررہے ہوں؛ بھلے ان کی صحت ثابت نہ ہو۔ بلکہ ''المسند'' میں بھی جمع کردہ آپ کی ہر روایت کو صحیح نہیں کہا جاسکتا۔ آپ مسند کی احادیث لوگ دوسرے معروف راویوں سے نقل کرتے ہیں؛ جب تک کہ ان میں کوئی ایسی قدح کی علامت ظاہر نہ ہو۔ اس لیے کہ بعض احادیث میں ایسی علت موجود ہے جس کی وجہ سے وہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ باطل ہوجاتی ہے۔ لیکن اس کی اکثر احادیث صحیح اور قابل حجت

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہیں۔ اور سنن ابی داؤد کی احادیث سے زیادہ عمدہ ہیں۔ جب کہ ''الفضائل'' میں جمع کردہ احادیث کا معاملہ ایسے نہیں ہے۔

محدث کے ہاں کبھی حدیث میں غلطی ثابت ہوتی ہے؛ یا راوی کے علم کے بغیر دوسرے دلائل کی وجہ سے اس حدیث میں جھوٹ کے آثار کا پتہ چل جاتا ہے۔

اہل کوفہ کے ہاں سچ اور جھوٹ آپس میں مل گیا تھا۔ متاخرین پر بسا اوقات ان میں سے کسی ایک کی غلطی یا اس کا جھوٹ مخفی رہ جاتا ہے۔ لیکن کسی دوسری دلیل سے اس کی معرفت حاصل ہوجاتی ہے۔ اس پر مزید یہ کہ یہ روایت امام احمد نے اپنی ''المسند'' میں ذکر کی ہے نہ ''الفضائل'' میں۔ بلکہ القطیعی نے محمد بن یونس القرشی سے روایت کرتے ہوئے اس کا اضافہ کیا ہے؛ وہ عبدالرحمن بن ابی لیلی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ اور پھر مذکورہ حدیث بیان کی۔

القطیعی نے اسے ایک دوسری سند سے بھی نقل کیا ہے؛ وہ کہتے ہیں: ہماری طرف عبداللہ بن غنام کوفی نے لکھا کہ ہم نے حسن بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نابینا سے سنا؛ اس نے کہا ہے: اس نے عمرو بن جمیع سے سنا؛ وہ کہتا ہے: ہم سے محمد بن ابی لیلی نے عیسیٰ سے نقل کیا ہے؛ اور پھر حدیث بیان کی۔

عمرو بن جمیع ناقابل اعتماد انسان ہے؛ اس کی روایات سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ محدث ابن عدی رحمہ اللہ عمرو بن جمیع کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ وضاع ہے [اپنی طرف سے روایات گھڑتا رہتا ہے]۔

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انتہائی خبیث اور جھوٹا ہے۔

امام نسائی اور دار قطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: متروک الحدیث ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جھوٹی روایات کو ثقہ راویوں کی طرف منسوب کرکے روایت کرتا ہے۔ اور منکر احادیث کو مشہور لوگوں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس کی روایت کو لکھنا حلال نہیں ہے؛ صرف عبرت کے لیے لکھا جائے تو ٹھیک ہے۔

دوسری بات:...... یہ حدیث رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ گھڑا گیا ہے۔

تیسری بات:......علاوہ ازیں صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کچھ اور لوگ بھی صدیق کے لقب سے ملقب تھے' جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کہا جاتا تھا؛ تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ صدیق صرف تین ہیں؟ بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کوہ احد پر چڑھے۔ آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے۔ پہاڑ کانپا تو آپ نے فرمایا:

''احد (کے پہاڑ) ٹھہر! تجھ پر تو صرف ایک نبی ہے ایک صدیق اور دو شہید۔'' [1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ۔ باب قول النبی ﷺ ''لوکنت متخذا خلیلا'' (ح: ٣٦٧٥)، صحیح مسلم ۔ کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل طلحۃ والزبیر رضی اللہ عنہما (حدیث: ٢٤١٧)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اسے امام احمد نے یحی بن سعید؛ انہوں نے قتادہ سے؛ اور انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔
اور ایک روایت میں ہے کہ احد کے پہاڑ پر زلزلہ آ گیا۔[مسند ۳/ ۱۱۲]
صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''تم پر سچ بولنا واجب ہے۔ سچ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے کر جاتی ہے۔ اور انسان سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ سچا لکھ دیا جاتا ہے۔ اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ؛ بیشک جھوٹ برائی کا راستہ دکھاتا ہے اور برائی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ اور انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔''❶

چوتھی بات:......اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو بھی صدیقہ کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ تو پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ صدیق صرف تین ہی ہیں؟

پانچویں بات:......قائل کا یہ کہنا کہ:''صدیق صرف تین ہیں'' اگر اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے علاوہ کوئی صدیق نہیں تو پھر یہ سراسر جھوٹ اور کتاب و سنت اور مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے۔ اور اس اگر سے مراد یہ ہو کہ اپنی صدیقیت میں یہ تین لوگ کامل تھے؛ تب بھی یہ خطاء ہے۔ اس لیے کہ ہماری امت سب امتوں میں سے بہترین امت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے پیدا کیا ہے؛ تو پھر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی تصدیق کرنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والوں سے افضل کیوں کر ہو سکتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کے مؤمن کو صدیق نہیں کہا؛ اور نہ ہی آل یاسین کے فرد کو صدیق کہا ہے؛ لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق کی تھی۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے ان سے زیادہ افضل ہیں۔

قرآن کریم میں بعض انبیاء کو بھی صدیق کہا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں فرمایا:
﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ (مریم: ۴۱)
''اس کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ بیان کر، بیشک وہ بڑی سچائی والے پیغمبر تھے۔''

[اور حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:]
﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ (مریم: ۵۶)
''اور اس کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا بھی ذکر کر، وہ بھی نیک کردار پیغمبر تھے۔''

[اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:]
﴿يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ﴾ [یوسف ۴۶] ''یوسف! اے دوست۔''

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''لوکنت متخذا خلیلاً'' (ح: ۳۶۷۵)، صحیح مسلم ۔ کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل طلحة والزبیر رضی اللہ عنہما (حدیث: ۲٤۱۷)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



چھٹی بات: عام لوگوں کے حق میں فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ﴾ (الحدید:۱۹)

''جولوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہ صدیق ہیں۔''

یہ آیت اس امر کی مقتضی ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور رسولوں پر ایمان رکھتا ہے وہ صدیق ہے۔

ساتویں بات:......اگر صدیق ہی امامت کا مستحق ہوسکتا ہے؛ تو پھر صدیقیت کے اعتبار سے اس مقام کے سب سے زیادہ حق دار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔اس لیے کہ بہت سارے دلائل کی روشنی میں خواص وعوام میں تواتر کے ساتھ یہ نام آپ کے لیے ثابت ہے۔ یہاں تک اسلام کے دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔پس اس لیے امامت وخلافت کے سب سے زیادہ مستحق آپ ہی ہوئے۔اور اگر صدیق ہونے سے امامت وخلافت لازم نہیں آتی تو پھر رافضی کی دلیل باطل ٹھہری۔ ❶

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ستائیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف رقم طراز ہے:''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ستائیسویں دلیل درج ذیل آیت ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً﴾ (البقرۃ:۲۷۴)

''جولوگ اپنے مالوں کو رات دن میں چھپ کر اور کھلے عام خرچ کرتے ہیں۔''

ابونعیم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ:''یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ان کے پاس چار درہم تھے۔ایک درہم رات کے وقت خرچ کیا ایک دن کے وقت ایک خفیہ اور ایک علانیہ۔ایسی روایت ثعلبی نے بھی ذکر کی ہے۔چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس فضیلت میں منفرد ہیں،لہٰذا امام بھی وہی ہیں۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]۔

**[جواب]**: اس کے جواب میں کئی باتیں ہیں:

پہلی بات:......ہم اس نقل کا ثبوت طلب کرتے ہیں؛ اس لیے کہ ثعلبی اور ابونعیم کی روایات اس [واقعہ] کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتیں۔

دوسری بات:......ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ روایت صریح کذب ہے۔اس کی کوئی بھی صحیح سند ثابت نہیں۔

تیسری بات:......یہ آیت ہر خرچ کرنے والے کے بارے میں عام ہے جو رات اور دن کو؛ اور اعلانیہ اور چپکے سے خرچ کریں۔جو بھی اس پر عمل کرے؛ وہ اس کے حکم میں داخل ہوگا؛ خواہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوں یا پھر کوئی دوسرا۔یہ بات ممتنع ہے کہ اس میں شخص واحد کے علاوہ کوئی دوسرا انسان داخل نہ ہوسکتا ہو۔

چوتھی بات:......مصنف نے جو دلیل ذکر کی ہے؛ وہ آیت کے مدلول سے متناقض ہے۔اس لیے کہ آیت ان دو

❶ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب قبح الکذب و حسن الصدق، (ح: ۱۰۵/ ۲۶۰۷)، واللفظ له۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب قول الله تعالیٰ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ......﴾ (ح:۶۰۹۴)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



زمانوں میں خرچ کرنے کا بیان کر رہی ہے جن سے کوئی بھی وقت خالی نہیں ہوسکتا؛ اوران دو حالتوں کا بیان کر رہے ہیں کہ کوئی بھی فعل ان دو حالتوں سے خالی نہیں ہوسکتا۔ کسی بھی کام کے کرنے کے لیے کوئی زمانہ ہونا چاہیے؛ اور زمانہ یا تو رات ہے ؛ اور یا پھر دن ہے۔ جب کوئی انسان رات کو خرچ کرتا ہے؛ تو یقیناً وہ خفیہ طور پر خرچ کرنے والا ہے؛ اور جب دن کو خرچ کرتا ہے تو اعلانیہ خرچ کرنے والا ہے؛ اس لیے کہ سراً و علانیۃً خرچ کرنے اور شب و روز خرچ کرنے میں تضاد نہیں پایا جاتا بلکہ جو شخص ظاہر و پوشیدہ خرچ کرتا ہے وہ شب و روز بھی خرچ کرتا ہے۔ اور جو شب و روز بھی خرچ کرتا ہے وہ سراً و علانیۃً بھی خرچ کرتا ہے۔ پس جس نے یہ کہا کہ اس سے مراد ایک درہم خفیہ طور پر اور ایک درھم اعلانیہ طور پر اور ایک درھم رات کو اور ایک درھم دن کو خرچ کرنا مراد ہے ؛ وہ بڑا جاہل انسان ہے۔ اس لیے کہ خرچ کرنے والا کبھی رات کو بھی اعلانیہ خرچ کرسکتا ہے' اور کبھی دن کو بھی چھپا کر خرچ کرسکتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک درہم کو دو نصف درہم میں بھی تقسیم کرسکتے ہیں۔ اور ایک درہم کے دو اوصاف بھی ہوسکتے ہیں۔ اس سے یہ واجب نہیں ہوتا کہ اس سے مراد چار ہوں۔

[یہاں سے ]

لیکن اس قسم کی باطل تفاسیر بہت سے جہلاء سے منقول ہیں۔ جیسا کہ وہ [اس آیت کی تفسیر میں ] کہتے ہیں:

محمد رسول اللهِ والذِين معه سے مراد (أبوبکر) أشداء علی الکفارِ سے مراد (عمر) رحماء بینھم سے مراد (عثمان) تراھم رکعا سجدا سے مراد (علی) مراد ہیں۔

پس یہ صفات جو کہ کئی متعدد موصوفین کے لیے ہیں؛ انہیں صرف ان چار حضرات کی صفات تک محدود کر دیتے ہیں۔ جب کہ آیت واضح طور پر دونوں قسم کی غلط تفاسیر اور نظریات پر رد کرتی ہے۔ اور آیت میں صراحت ہے کہ یہ تمام صفات ایک پوری قسم کی صفات ہیں جن میں یہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں۔ اور ان موصوفین کی ایک کثیر تعداد ہے؛ کوئی فرد واحد نہیں۔ ہاں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ چار حضرات ان باقی تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ اور ان چاروں میں سے ہر ایک میں یہ تمام صفات پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض صفات ان حضرات میں سے کسی ایک میں دوسری کی نسبت زیادہ اور نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں۔

اور ان سے بھی زیادہ ان جاہل مفسرین کا قول ہے جو کہتے ہیں:

﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ (1) وَطُورِ سِينِينَ (2) وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ﴾ [التین: 1، 3]

وہ کہتے ہیں: اس سے مراد چار لوگ ہیں؛ جب کہ یہ تفسیر عقل و نقل کے خلاف ہے۔ اس کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن تین مقامات کی قسم اٹھائی ہے جہاں پر اس نے اپنی تین کتابیں: تورات؛ انجیل اور قرآن نازل فرمائی ہیں۔ اور ان علاقوں سے حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہما السلام و صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تھا۔ جیسا کہ تورات میں ہے:

''اللہ تعالیٰ سیناء سے آئے آ، اور ساعین میں تجلی فرمائی، اور فاران کی چوٹیوں سے ظاہر ہوئے۔''

تین اور زیتون سے مراد وہ سرزمین ہے جہاں پر حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ اکثر طور پر ایسے ہوتا ہے کہ جس

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



زمین پر کوئی چیز زیادہ پیدا ہوتی ہو؛ اسے اسی کے نام سے موسوم کر دیا جاتا ہے۔جیسا کہ کہا جاتا ہے: فلاں انسان زیتون کی زمین کی طرف گیا ہے؛ فلاں اناروں والی زمین کی طرف گیا ہے۔اور اس طرح سے دیگر نام بھی دیے جاتے ہیں۔اور اس سے مراد وہ سر زمین ہوتی ہے جہاں پر یہ چیزیں کثرت کے ساتھ ہوتی ہیں۔طور سنین [بیت المقدس کے قریب] وہ سر زمین ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا۔اور بلد الامین سے مراد مکہ مکرمہ ام القری ہے جہاں پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اور بعثت ہوئی۔

اس آیت کے معنی سے جاہل لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ جو درہم اعلانیہ خرچ کیا جاتا ہے جو کہ خفیہ خرچ کرنے کے علاوہ ہے۔اور ایسے ہی رات کو خرچ کیا جانے والا دن کو خرچ کردہ درہم کے علاوہ ہے۔اور پھر یہ دعوی کر بیٹھتا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو چار درہم خرچ کریں۔حقیقت یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ کسی کے پاس چار درہم ہوں؛ خواہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوں یا کوئی دوسرا ہو۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ (البقرہ:۲۷۴)

''جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن میں چھپ کر اور کھلے عام خرچ کرتے ہیں۔''

یہاں پر [والنھار سرا] میں حرف عطف واؤ نہیں لایا گیا۔بلکہ یہ دونوں رات اور دن میں داخل ہیں۔اس آیت کے معانی سے جاہل انسان اس وہم کا شکار ہو گیا کہ جو خفیہ طور پر اور اعلانیہ خرچ کرتا ہے وہ اس آدمی کی طرح نہیں ہے جو دن و رات میں خرچ کرتا ہے؛۔اس لیے وہ کہتا ہے کہ: یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جن کے پاس چار درھم ہوں۔بلکہ سرّ و اعلانیہ دونوں لیل ونہار (شب و روز) میں بھی داخل ہیں خواہ سراً و علانیہ مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہوں یا حال ہونے کی وجہ سے۔اس سے معلوم ہوا کہ رافضی قرآنی اندازِ دلالت سے بالکل جاہل ہے۔اور رافضیوں میں اس قسم کی جہالت کا پایا جانا کوئی اچھوتی بات نہیں ہے۔

پانچویں بات:...... اگر مان لیا جائے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی؛ اور آپ نے ایسا کیا بھی تھا؛ تو کیا چار دراہم کے چار احوال میں خرچ کرنے کے علاوہ اللہ کی راہ میں کوئی خرچہ نہیں کیا جاسکتا۔یہ عمل تو ایسا ہے کہ ہر شخص کے لیے خرچ کرنے کا دروازہ کھلا ہے اور تا قیامت کوئی ممانعت نہیں۔اور اس پر عمل کرنے والے بلکہ اس سے کئی گنا بڑھ چڑھ کر خرچ کرنے والے اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا اعداد و شمار ممکن نہیں؛ اور ان میں سے ہر ایک میں خیر و بھلائی کا عنصر پایا جاتا ہے۔اس میں نہ ہی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت ہے اور نہ ہی اس سے فضیلت اور امامت ثابت ہوتی ہے۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اٹھائیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اٹھائیسویں دلیل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی وہ روایت ہے جو انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''اے ایمان والو'' آیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے رئیس و امیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اصحاب رسول کو معتوب کیا ہے'' مگر علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہمیشہ مدحیہ انداز میں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ لہٰذا آپ ہی امام ہوئے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]۔

**[جواب]**: ہم شیعہ سے زیر تبصرہ روایت کی صحت ثابت کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں، یہ روایت امام احمد نے نقل نہیں کی، اور اگر بالفرض امام صاحب نے ''الفضائل'' وغیرہ میں نقل بھی کی ہو تو صرف نقل کرنے سے روایت کی صحت و صداقت ثابت نہیں ہوتی؛ تو پھر کیسے کوئی بات کہہ سکتے ہیں جب کہ آپ نے یہ روایت نہ ہی مسند میں نقل کی ہے اور نہ ہی الفضائل میں۔ بلکہ یہ روایت ''فضائل صحابہ'' میں القطیعی کے اضافات میں سے ہے۔ اس کی سند یہ ہے:

((عن ابراھیم عن شریك الكوفی؛ حدثنا ذكریا بن یحی الكسائی حدثنا عیسی عن علی بن بذیمه عن عكرمه عن ابن عباس .))

اہل علم کا اتفاق ہے کہ ایسی سند قابل حجت نہیں ہوسکتی۔ [دراصل یہ ابن عباس پر افتراء ہے]۔ اس روایت کی سند میں زکریا بن یحی الکسائی نامی راوی ہے۔ اس کے متعلق یحی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انتہائی برا آدمی تھا؛ اپنی طرف سے حدیثیں گھڑا کرتا تھا؛ اس بات کا مستحق تھا کہ اس کے لیے کنواں کھود کر اس میں گرا دیا جائے۔''

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''متروک الحدیث ہے۔''

ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صحابہ کرام پر طعنہ زنی کے لیے روایات گھڑا کرتا تھا۔''

دوسری بات:...... یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ گھڑی گئی ہے۔ بخلاف ازیں ابن عباس سے بتواتر منقول ہے کہ آپ شیخین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دیتے تھے۔ ابن عباس نے کئی دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معتوب کیا اور ان کی مخالفت کی۔ کئی امور میں آپ پر تنقید کیا کرتے تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان زنادقہ کو نذر آتش کیا تھا جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رب ماننا شروع کر دیا تھا؛ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر علی رضی اللہ عنہ کی جگہ میں ہوتا تو زنادقہ کو جلانے کی بجائے ان کو قتل کر دیتا، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''کسی کو عذاب الٰہی میں مبتلا نہ کرو۔'' [1]

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جو کوئی اپنے دین کو بدل ڈالے؛ اسے قتل کر دو۔'' [صحیح بخاری]

جب اس بات کی خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ماں کے لیے افسوس ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ آپ کتاب اللہ کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے؛ جب آپ کے پاس کتاب و سنت سے دلیل موجود نہ ہوتی تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جناب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اتباع اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخالفت کی ایک مثال ہے۔

[1] صحیح بخاری، کتاب استتابة المرتدین، باب حکم المرتد (حدیث:۶۹۲۲)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کئی ایک علماء؛- جن میں زبیر ابن بکار رحمہ اللہ بھی شامل ہیں- نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام آپ کے جواب کا بھی ذکر کیا ہے کہ؛ جب آپ بصرہ کا مال لے گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں سخت قسم کا خط لکھا۔تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو جواب دیا؛ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''جو کچھ میں نے کیا ہے؛ وہ اس سے بہت کم ہے جو تم نے کیا ہے؛ تم نے اپنی امارت میں مسلمانوں کا خون ناحق بہایا ہے۔''

تیسری بات:......علاوہ ازیں صرف ﴿یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ میں مدح کا کوئی پہلو موجود نہیں۔کیونکہ کئی ایک مواقع پر اللہ تعالیٰ یہی الفاظ استعمال کرتے ہوئے اہل ایمان کو معتوب کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ o كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾

''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔''

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس آیت کے رئیس و امیر ہیں تو آپ اس عتاب میں بھی داخل ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے انکار و مذمت کی ہے۔[ لہٰذا اس سے تمہاری وہ روایت غلط ٹھہری کہ علی کا ذکر ہمیشہ مدحیہ انداز میں کیا ہے]۔

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ﴾

(الممتحنۃ:۱)

''اے مؤمنو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ؛ تم دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو۔''

یہ صحاح ستہ میں ثابت شدہ بات ہے کہ یہ آیت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی۔جب آپ نے مشرکین مکہ کو خط لکھا۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ اس عورت کو پکڑ لائیں جس کے پاس یہ خط موجود ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی غلطی سے بری ہیں۔تو پھر آپ اس میں مخاطب ان لوگوں کا سردار کیسے کہا جاسکتا ہے جن کی غلطی پر اللہ تعالیٰ نے انہیں ملامت کی تھی۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح(حدیث:۴۲۷۴)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل حاطب بن ابی بلتعۃ رضی اللہ عنہ (حدیث: ۲۴۹۴)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جارہے ہو تو تحقیق کرلیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں ؛تم دنیاوی زندگی کے اسباب کی تلاش میں ہو......''

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے مال غنیمت کے ساتھ ایک آدمی کو پایا؛ اس نے کہا: میں مسلمان ہوں؛ ان لوگوں نے اس کی بات کو سچا نہ مانا؛ اور اس سے مال غنیمت چھین لیا۔تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ بات کو واضح اور ثابت ہوجانے دیا کریں۔اور انہیں دنیاوی مال کی وجہ سے کسی بھی اسلام کے مدعی کی تکذیب کرنے سے منع کیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں کی غلطی سے بری ہیں۔تو پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آپ ان کے سردار ہیں۔اس کے امثال و نظائر بہت ہیں۔

چوتھی بات:......اس قسم کے الفاظ میں سب اہل ایمان شامل ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی اس خطاب کا سبب ہوسکتا ہے۔تو اس میں کوئی شک نہیں کہ لفظ اسکو بھی ایسے ہی شامل ہوتا ہے جیسے اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کو شامل ہوتا ہے۔اس آیت کے الفاظ میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر اہل ایمان کے مابین فرق کیا جاسکے۔

پانچویں بات:......بعض لوگوں کا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ کہنا کہ: آپ اس آیت کے سردار ہے؛ یا اس آیت کے امیر ہیں یا اس طرح کے دیگر کلمات کہنا؛ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔اگر اس سے مراد یہ ہو کہ وہ صحابی اس آیت کا پہلا مخاطب ہے تو پھر یہ ایک دوسری بات ہے۔اس لیے کہ آیت میں خطاب تمام مخاطبین کو یکساں طور پر شامل ہوتا ہے۔ان میں سے بعض کو بعض پر شمول خطاب کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

اگر یہ کہا جائے کہ: آپ [یعنی حضرت علی] نے سب سے پہلے اس آیت پر عمل کیا ہے۔تو پھر بھی معاملہ ایسے نہیں ہے۔بعض آیات ایسی ہیں جن پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے دوسرے لوگوں نے عمل کیا اور بعض ایسی بھی ہیں جن پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عمل کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت کا دوسرے لوگوں کو شامل ہونا ؛ یا کسی دوسرے کا اس پر عمل کرنا آپ کے ساتھ مشروط ہے۔جیسا کہ جمعہ میں امام ہوتا ہے۔تو پھر بھی بات ایسے نہیں ہے۔اس لیے کہ خطاب کے بعض افراد کو شامل ہونے میں دوسرے لوگوں کو شامل ہونے کی شرط نہیں ہوتی۔اور نہ ہی لوگوں پر آیت کے مطابق عمل کرنا کا وجوب دوسرے لوگوں پر واجب ہونے کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آپ ان لوگوں میں سب سے افضل ہیں جو آیت سے مراد ہیں۔اگر آپ کا افضل ہونا ثابت ہوجائے تو پھر اس آیت سے استدلال کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔اور اگر ایسا کچھ ثابت نہ ہو؛ تو پھر اس آیت سے استدلال کرنا جائز نہیں رہتا۔پس دونوں لحاظ سے اس آیت سے استدلال کرنا باطل ٹھہرا۔

آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے؛ حالانکہ یہ بات بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ ہے؛ اور آپ سے معلوم شدہ باتوں کے خلاف ہے۔پھر اگر مان لیا جائے کہ آپ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نے ایسا کچھ کہا تھا تو پھر بھی جب جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی مخالفت کر رہے ہیں تو پھر کسی ایک صحابی کا قول حجت نہیں ہوسکتا۔

چھٹی بات :......شیعہ کا یہ قول کہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صحابہ کو معتوب کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ مدح فرمائی'' صریح کذب ہے۔اس لیے کہ قرآن کریم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہیں بھی معتوب نہیں کیا گیا؛ اور نہ ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کوئی تکلیف پہنچی۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا تھا: ارے لوگو! ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حق پہچانو، اس نے مجھے کبھی تکلیف نہیں پہنچائی۔''[1]

احادیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نصرت فرمایا کرتے تھے۔ اور لوگوں کے آپ کے ساتھ تعارض اور اختلاف کرنے سے باز رکھا کرتے تھے۔ اور یہ بات کسی نے بھی نقل نہیں کی کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کوئی تکلیف پہنچائی ہو۔ جیسا کہ بعض دوسرے لوگوں کے بارے میں نقل کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ آپ کے اس خطبہ کے بالکل برعکس ہے جو آپ نے اس وقت دیا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔[2] ایسا خطبہ آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کبھی نہیں دیا تھا۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جس طرح حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بڑے بڑے عام کاموں میں حصہ لیا کرتے تھے، جیسے ولایت ؛ جنگ اور بخشش کے سلسلہ میں مشاورت وغیرہ اور دیگر امور۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے کاموں میں مداخلت نہیں کیا کرتے تھے۔ یہ دونوں بزرگ آپ کے وزیر کی حیثیت رکھتے تھے [ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے بچوں کی طرح صغیر السن تھے ]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا ؛ بنی تمیم کے بارے میں مشورہ کیا کہ ان پر کس کو متولی بنایا جائے؟ اور ان کے علاوہ دیگر امور جن میں مشاورت کی ضرورت ہوتی تھی ؛ آپ ان سے بطور خاص مشورہ کیا کرتے تھے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور فرمایا: ''مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کیساتھ اٹھائیں گے۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر سنا کرتا تھا کہ: میں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما داخل ہوئے۔ میں اور ابوبکر و عمر نکلے، میں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما گئے۔'' [سبق تخریجه]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ذاتی امور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ واقعہ افک کے بارے میں آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے ان کی رائے پوچھی۔ اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے بھی آپ نے مشورہ کیا۔ یہ آپ کے ذاتی امور تھے۔ اس لیے کہ جب آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایسی خبر پہنچی جس کی

---

[1] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر (٦/ ١٢٩)۔

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ باب ذکر اصهار النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ح: ٣٧٢٩، ٥٢٣٠)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة رضی اللہ عنہا (ح: ٢٤٤٩)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



وجہ سے آپ شک میں مبتلا ہوگئے کہ کیا آپ کو طلاق دیدیں یا اپنے نکاح میں باقی رکھیں؟ تو کبھی آپ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے سوال کرتے تاکہ اندر کی کوئی خبر مل سکے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مشورہ لیا کہ کیا انہیں روکے رکھیں یا طلاق دے دیں؟

تو انھوں نے کہا: ''آپ پر کوئی تنگی نہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا عورتیں اور بھی بہت ہیں۔ لونڈی سے پوچھیے وہ آپ کی تصدیق کرے گی۔'' [نبی ﷺ نے جب اس ضمن میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا تو انھوں نے کہا: ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی بیوی ہیں ہمیں ان کے متعلق بھلائی ہی کا علم ہے]۔ [سبق تخریجه]

چنانچہ قرآن کریم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہوئی اور آپ کو حکم دیا گیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے گھر میں آباد رکھیں جیسا کہ محبوب رسول حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا۔ اس واقعہ میں علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے بجائے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ [حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے یقیناً بڑا ہے]۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مشورہ میں شریک ہوا کرتے تھے اور آپ کی ازواج مطہرات سے بات چیت کرتے۔ یہاں تک کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''اے عمر! تم نے تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کی بیویوں کے مابین ہر چیز میں دخل دینا شروع کردیا ہے۔''

وہ کلی اور عام امور جو تمام مسلمانوں کو شامل ہوا کرتے تھے؛ جب ان کے بارے میں کوئی خاص وحی نہ ہوتی تو آپ ﷺ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ لیا کرتے؛ اگرچہ ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اس مشورہ میں شامل ہوا کرتے تھے۔ مگر شوری میں اصل کردار ان دو حضرات کا ہوا کرتا تھا۔ اور بیشتر اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں قرآن نازل ہوا کرتا؛ اور کبھی آپ کے خلاف حق واضح ہوتا تو آپ اپنی رائے رجوع کر لیتے۔

جب کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ علم نہیں ہوسکا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کی کسی بات پر انکار کیا ہو۔ اور نہ ہی آپ پر کسی دوسری چیز کو متقدم رکھا کرتے۔ سوائے اس کے بنی تمیم پر متولی مقرر کرنے کے مسئلہ ان دونوں حضرات میں اختلاف ہوا؛ حتی کہ دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ﴾

[الحجرات ۲]

''اے مؤمنو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو۔''

اس واقعہ میں نبی کریم ﷺ کے لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا والے واقعہ سے بڑھ کر اذیت نہیں ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں: ﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ﴾ [الأحزاب ۵۳]

''اور تمہارے لیے ہرگز یہ مناسب نہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف دو۔''

جب کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ [النساء ۴۳]

''اے ایمان والو! جب تم نشے میں مست ہو نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو۔''

یہ اس وقت ہوا جب نشہ کی حالت میں نماز پڑھی اور اس کی قرأت میں خلط ملط ہو گیا تھا۔

ایک مرتبہ سرور کائنات ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر دستک دے کر دریافت فرمایا:

''کیا تم نماز (تہجد) نہیں پڑھ رہے؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں جب چاہتا ہے جگا دیتا ہے، رسول اللہ ﷺ یہ سن کر افسوس کے عالم میں اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے چل دیئے، زبان مبارک پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری تھے:

﴿وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا﴾

''انسان جھگڑا کرنے میں سب چیزوں سے بڑھا ہوا ہے۔'' [اس کی تخریج گزر چکی ہے]

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انتیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انتیسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾

[الأحزاب ٥٦]

''بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو۔''

صحیح بخاری میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! ہم اہل بیت پر صلوٰۃ کیسے بھیجیں؟ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ ہم سلام کیسے بھیجیں؟ فرمایا، یوں کہو: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ،''[1] ''اے اللہ درود بھیج محمد ﷺ اور محمد کی آل پر۔'' صحیح مسلم میں ہے ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمیں آپ پر سلام بھیجنا تو معلوم ہو گیا؛ اب ہم آپ ﷺ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو:

((اللهم صلِ علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی آلِ إبراهیم و آل ابراهیم))

''اے اللہ درود بھیج محمد پر اور آپ ﷺ کی آل پر جیسا کہ تو نے درود بھیجا ابراہیم پر آل ابراہیم پر''

اور بلاشبہ علی رضی اللہ عنہ سب آل محمد میں افضل ہیں لہٰذا آپ اولیٰ بالامامت ہوں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]۔

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ صحیح اور متفق علیہ حدیث ہے۔ اور بیشک حضرت علی آل محمد

[1] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء؛ (ح:۳۳۷۰)، مسلم ـ کتاب الصلاۃ، (ح:٤٠٦)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



میں سے ہیں جو اس درود میں شامل ہیں: ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔''مگر یہ آپ کی خصوصیت نہیں۔ بلکہ جمیع بنی ہاشم اس میں داخل ہیں۔ مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد نیز حارث بن عبدالمطلب اوراس کی اولاد؛ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں سیدہ رقیہ وام کلثوم رضی اللہ عنہما جو یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں؛ اور آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ علاوہ ازیں آپ کی ازواج مطہرات بھی آل میں شامل ہیں۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے:

''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ۔'' [بخاری، (ح:۳۳۶۹)، مسلم، (ح: ۴۰۷)]

''اے اللہ رحمتیں نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی ازواج پر اور آپ کی اولاد پر۔''

بلکہ قیامت تک آنے والے اہل بیت اس میں شامل ہیں۔ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب اور عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔

[مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ الصلوٰۃ علی الآل عام ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ اس میں عقیل بن ابی طالب اور ابوسفیان بن حارث بھی شامل ہیں]۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ حضرات کے صلوٰۃ وسلام میں داخل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نہ داخل ہونے والوں کی نسبت مطلق طور پر افضل ہیں اور نہ یہ کہ وہ امامت کے اہل ہیں۔ امامت کے ساتھ مختص ہونا ایک جداگانہ بات ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت عمار، مقداد اور ابو ذر رضی اللہ عنہم اجمعین کی فضیلت اہل سنت اور شیعہ کے نزدیک ایک طے شدہ بات ہے۔ حالانکہ صلوٰۃ علی الآل میں وہ شامل نہیں ہیں۔ بخلاف ازیں حضرت عقیل وعباس اوران کی اولاد آل میں داخل ہے، حالانکہ سابق الذکر باتفاق اہل سنت وشیعہ متاخر الذکر کی نسبت افضل ہیں۔ علاوہ ازیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج بھی اس میں داخل ہیں۔ حالانکہ خواتین امامت وخلافت کی صلاحیت سے محروم ہیں اور باتفاق اہل سنت وشیعہ باقی لوگوں سے افضل بھی نہیں۔

بنابریں یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ میں بھی پائی جاتی ہے اور دوسرے لوگوں میں بھی۔ نیز یہ کہ جو لوگ اس سے متصف ہیں وہ ان لوگوں کے مقابلہ میں افضل نہیں ہیں جو اس صفت سے موصوف نہیں۔

صحیح حدیث میں ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے جس میں مجھے مبعوث کیا گیا؛ پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد آئیں گے۔'' [البخاری]

تیسرے قرن کے بہترین لوگ تابعین ہیں۔

جملہ کی جملہ پر فضیلت سے افراد کی افراد پر فضیلت لازم نہیں آتی۔ اس میں کوئی شک نہیں تیسرے اور چوتھے قرن میں بہت سارے ایسے لوگ موجود تھے جو ان بعض حضرات سے افضل تھے جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا زمانہ پایا تھا؛ جیسے اشتر نخعی؛ اور اس کے امثال فتنہ وفساد مچانے والے لوگ؛ اور مختار بن ابوعبید اور اس کے امثال جھوٹے بہتان تراش؛

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حجاج بن یوسف اور اس کے امثال ظالم اور اہل شر وفتنہ۔

مزید برآں حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام اہل بیت سے افضل نہیں ہیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت میں داخل ہیں؛ اور آپ تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

''کیا تم نہیں جانتے کہ ہم اہل بیت ہیں' ہم صدقہ نہیں کھاتے۔'' [البخاری ٤/ ٧٤؛ مسلم ٢/ ٧٥١]

یہ کلام متکلم اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں سب کو شامل ہے۔

پس ملائکہ نے کہا:

﴿رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾ [هود: 73]

''تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہوں اے گھر والو۔''

ان گھر والوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے اور جیسا کہ درود میں پڑھا جاتا ہے:

(( اللهم صلِ على محمد وعلى آلِ محمد ؛ كما صليت على إبراهيم وآلِ إبراهيم إنك حميد مجيد))

ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

اور جیسا کہ اس آیت میں ہے:

﴿اِلَّا آلَ لُوْطٍ نَجَّيْنٰهُمْ﴾ [القمر: 34]

''سوائے آل لوط کے؛ ہم نے انہیں بچا لیا۔''

بلا شک وشبہ حضرت لوط علیہ السلام بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔

اور یہی حال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی کا بھی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ [آلِ عمران: 33]

''بیشک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدم؛ نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں میں سے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان لوگوں میں شامل تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے چن لیا تھا۔

اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ﴾ [الصافات: 130]

''سلامتی ہو آل یاسین پر۔''

اس سلامی کے نازل ہونے میں حضرت یٰس علیہ السلام بھی شامل تھے۔

ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے:

(( اللهم صلِ على آلِ أبي أوفى . )) [تخریج گزر چکی ہے]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



''اس میں حضرت ابواوفی بھی شامل ہیں۔''

اور یہی حال اس حدیث کا بھی ہے:

(( لقد أوتی هذا مِزمارا مِن مزامِيرِ آلِ داود . ))

''حقیقت میں اسے حضرت داؤد کی لے [سُر ] میں سے ایک لے دی گئی ہے۔'' [1]

پس جب حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام اہل بیت سے افضل تھے؛ تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ تمام لوگوں سے افضل ٹھہرے۔ اس لیے کہ بنو ہاشم دوسرے لوگوں سے افضل ہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خاندان میں سے ہیں۔ جب آپ کا ظہور اس قبیلہ میں ہوا؛ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کے بعد اس قبیلہ کا افضل انسان ان کے علاوہ باقی تمام لوگوں سے بھی افضل ہو۔

جیسا کہ تابعین جب تبع تابعین سے افضل ہیں؛ تو ان میں کوئی ایک ایسا بھی ہوسکتا ہے جو تابعین سے افضل ہو۔ تو اس سے یہ واجب نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا افضل تمام تبع تابعین سے بھی افضل ہو۔

بلکہ جب جملہ طور پر کسی گروہ کو دوسرے لوگوں پر افضیلت دی جائے تو اس گروہ کا افضل دوسرے گروہ کے لوگوں سے فضل ہوگا۔ تو اس سے افضلیت کا مقصود حاصل ہوجاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد کے معاملات دلیل پر موقوف ہوں گے۔

بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ اس گروہ کا افضل دوسرے گروہ کے فاضل سے بغیر کسی دلیل کے فاضل ٹھہرایا جائے۔

صحیح مسلم میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى كَنَانَةَ مِنْ وَلَدِ اسْمٰعِيْلَ ، وَاصْطَفَى قُرَيْشاً مِّنْ كَنَانَةَ ، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشَمٍ ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِيْ هَاشَمٍ )) [2]

''بیشک اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو، اور کنانہ کی اولاد سے قریش کو چن لیا تھا، اور قریش سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا ہے۔''

پس جب جملہ طور پر قریش دوسرے لوگوں سے افضل تھے؛ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا ہر ایک فرد دوسرے لوگوں سے بھی افضل ہو۔ بلکہ تمام عرب میں اور ان کے علاوہ دوسرے مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بہت سارے

---

[1] رواہ البخاری عن ابی موسیٰ الاشعری ؛٦/ ١٩٥ . کتاب فضائل القرآن ؛ باب حسن الصوت بالقرأة ومسلم ١/ ٥٤٦؛ کتاب صلاة المسافرين باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن ۔ سنن الترمذي ٥/ ٣٥٥ كتاب المناقب ؛ باب مناقب أبو موسیٰ أشعری رضی اللہ عنہ .

[2] مسلم کتاب الفضائل ؛ باب : فضل نسب النبي ﷺ ح: ٤٣١٨۔ صحيح ابن حبان ؛ کتاب التاریخ 'ذکر اصطفاء الله جل و علا صفيه ﷺ؛ ح: ٦٤٢٤۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



قریش سے افضل ہیں۔سابقین اولین میں تو قریش کے چند ایک محدود لوگ ہیں۔اور ان کی اکثریت نے فتح مکہ والے سال اسلام قبول کیا تھا۔اور ان کا تعلق طلقاء سے ہے۔

نیز تمام مہاجرین کا تعلق قریش سے نہیں ہے ۔ بلکہ مہاجرین قریش سے بھی ہیں اور دوسرے لوگوں سے بھی۔جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہذلی؛ عمران بن حصین الخزاعی؛ مقداد ابن الاسود الکندی رضی اللہ عنہم اجمعین ؛ اوران کے علاوہ دوسرے بدری [ مہاجر] اکثر بنی ہاشم سے افضل ہیں۔ اس لیے کہ بنو ہاشم میں سے سابقین اسلام صرف چار شخص حضرات ہیں: حضرت علی؛ حضرت حمزہ؛ حضرت جعفر اور ابو عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم اجمعین ؛۔جبکہ اہل بدر کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ان میں سے تین کا تعلق بنو ہاشم سے ہے؛ جو کہ باقی سارے بنی ہاشم سے افضل ہیں۔

اس تمام تفصیل کی بنیاد اس چیز پر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر درود وسلام کا تقاضا یہ ہے کہ اہل بیت نبی باقی تمام لوگوں سے افضل ہوں۔اور اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ: بنو ہاشم تمام قریش سے افضل ہیں؛ اور قریش باقی تمام عرب سے افضل ہیں۔اور عرب بنی آدم کے افضل لوگ ہیں۔یہ عقیدہ ائمہ اہل سنت و الجماعت سے منقول ہے۔ جیسا کہ حرب کرمانی رحمہ اللہ علیہ نے ان علمائے کرام رحمہم اللہ علیہم سے یہ عقیدہ نقل کیا ہے جن سے اس کی ملاقات ہوئی ہے؛ جیسا کہ: أحمد بن حنبل؛ اسحق بن راہویہ؛ سعید بن منصور؛ اور عبداللہ بن الزبیر الحمیدی رحمہم اللہ علیہم اوران کے علاوہ دیگر علماء۔

ایک گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اس بنیاد پر کسی کو فضیلت نہ دی جائے۔جیسا کہ قاضی ابو بکر نے ؛ اور قاضی ابو یعلی نے المعتمد اور دوسری کتابوں میں کہا ہے۔

جبکہ پہلا مذہب زیادہ صحیح ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ اسْمٰعِيلَ ، وَاصْطَفَى قُرَيْشاً مِّنْ كِنَانَةَ ، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ )) [سبق تخریجه]

''بیشک اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو، اور کنانہ کی اولاد سے قریش کو چن لیا تھا، اور قریش سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا ہے۔''

اور ایک روایت میں ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى بني اسْمٰعِيلَ . ))۔

''بیشک اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کو چن لیا۔''

یہ موضوع دوسری جگہ پر پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ o بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ﴾ (الرحمن: ۱۹۔۲۰)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



’’اس نے دو دریا جاری کر دیئے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں ۔ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے ( جس سے ) وہ آگے نہیں بڑھتے ۔‘‘

ثعلبی اور ابونعیم حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ﴾ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ مراد ہیں ۔﴿ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ﴾ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ سے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما مراد ہیں ۔ یہ فضیلت صحابہ میں سے اور کسی کے حصہ میں نہیں آئی ، لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ اولیٰ بالامامت ہوں گے ۔‘‘ [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**جواب:** گزارش ہے کہ یہ بات اور اس طرح کی دیگر باتیں [اور باطل تفسیریں] وہی بیان کرسکتا ہے جسے یہ بھی پتہ نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے ۔ یہ تفسیر قرآن نہیں بلکہ تحریف و ہذیان ہے جسے ملاحدہ اور باطنی قرامطہ نے وضع کیا ہے ۔ بلکہ یہ قول بہت سے قرامطہ کے قول سے بھی بڑھ کر خطرناک اور شر پر مبنی قول ہے ۔تفسیر کا یہ طریقہ ان ملحدین کا طریقہ ہے جو کہ قرآن پر طعنہ زنی کرنا چاہتے ہیں ۔ بلکہ قرآن کے بارے میں ایسی باتیں کہنا سب سے بڑی قدح و تشنیع کا موجب ہیں ۔حقیقت میں یہ رافضیوں کا الحاد ہے ۔[اہل] سنت کی طرف منسوب جاہلوں کی ان چار میں اپنی ہی تفسیر ہے ۔اگرچہ یہ تفسیر بھی باطل ہے؛ تاہم شیعہ کی تفسیر سے قدرے بہتر ہے ۔وہ کہتے ہیں :

الصابِرین: سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ الصادِقین سے مراد: أبو بکر رضی اللہ عنہ

القانِتین سے مراد: عمر رضی اللہ عنہ ، المنفِقین سے مراد: عثمان رضی اللہ عنہ

المستغفِرین بِالأسحارِ سے مراد: علِی رضی اللہ عنہ ۔

بالکل ویسے ہی جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں کرتے ہیں :

محمد رسول اللّٰہِ :

والذِین معہ: سے مراد (أبو بکر رضی اللہ عنہ) أشِداء علی الکفارِ سے مراد: (عمر رضی اللہ عنہ) ۔

رحماء بینھم سے مراد: (عثمان رضی اللہ عنہ) ۔ تراھم رکعا سجدا: سے مراد (علِی رضی اللہ عنہ ) ہیں

اور جیسا کہ یہ کہتے ہیں کہ:

والتِینِ سے مراد: حضرت أبو بکر رضی اللہ عنہ والزیتونِ سے مراد: حضرت عمر رضی اللہ عنہ

طورِ سِینِین سے مراد: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ۔ البلدِ الأمِینِ سے مراد: حضرت علِی رضی اللہ عنہ ہیں ۔

اور جیسا کہ یہ بھی کہتے ہیں کہ:

﴿والعصرِ اِن الِنسان لفِی خسر :

إِلا الذِین آمنوا : سے مراد حضرت أبو بکر رضی اللہ عنہ ۔

وعمِلوا الصالِحاتِ: سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com



وتواصوا بِالحقِ سے مراد: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

وتواصوا بِالصبر سے مراد: حضرت علِی . رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ تفسیر بھی اپنے سے پہلی تفاسیر کی جنس سے تعلق رکھتی ہے۔

جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں:

۱۔﴿وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

۲۔﴿وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

۳۔﴿اَلشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ﴾ اس سے مراد بنوامیہ ہیں۔

اس طرح کی دیگر من گھڑت تفسیریں اور باتیں جو کوئی بھی ایسا انسان نہیں کہہ سکتا جسے اللہ تعالیٰ کے وقار کا کچھ ذرا بھر بھی خیال ہو اور نہ ہی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والا کوئی بھی انسان ایسی بات کہہ سکتا ہے۔

یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جو کہتے ہیں کہ:﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ﴾ (الرحمن: ۱۹)

''اس نے دو دریا جاری کر دیئے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔''

اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ مراد ہیں۔''

﴿ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴾ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؛

اور﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾لولؤ اور مرجان سے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔ [1]

---

[1] ذیل میں بلاتبصرہ شیعہ کے ہاں تحریف قرآن کی مثالیں پیش کر رہے ہیں:[ابو عبداللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے:]

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ﴾: سے مراد فاطمہ

''اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا اس کے نور کی مثال مثل ایک طاق کے ہے۔'' یعنی فاطمہ۔

﴿ فِيْهَا مِصْبَاحٌ﴾ أيْ : الحسن ''جس میں چراغ ہو۔'' یعنی الحسن

﴿ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ﴾: أَيْ الْحُسين ''اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو۔'' یعنی الحسین

﴿اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ﴾: فَاطِمَةُ كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ بَيْنَ نِسَاءِ أَهْلِ الدُّنْيَا

''شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو۔'' یعنی فاطمہ اہل دنیا کی تمام خواتین کے درمیان چمکتا ہوا ستارہ ہے۔''

﴿ يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾: إبراهيم ''وہ چراغ ایک بابرکت درخت سے جلایا جاتا ہو۔'' یعنی ابراہیم۔

﴿ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ﴾: لَا يَهُوْدِيَّةٍ وَّلَا نَصْرَانِيَّةٍ

''زیتون کے درخت سے جو نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی۔'' یعنی وہ نہ تو یہودیت ہے اور نہ ہی نصرانیت۔

﴿ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ ﴾: يَكَادُ الْعِلْمُ يَنْفَجِرُبِهَا

''خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے۔'' یعنی قریب ہے کہ علم خود بخود ہی اس سے پھوٹنے لگے۔

﴿وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ﴾ إِمَامٌ مِّنْهَا بَعْدَ إِمَامٍ

''گو اسے مطلقاً آگ لگی ہی نہ ہو نور پر نور ہے۔'' یعنی ایک امام کے بعد دوسرا امام ہے۔

﴿ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ يَهْدِي اللّٰهُ لِلْأَئِمَّةِ مَنْ يَّشَاءُ ⇦⇦⇦

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جس انسان کو ادنیٰ علم اور عقل ہو وہ اس تفسیر کے بطلان کو جانتا ہے اور اسے علم ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایسی کوئی من گھڑت تفسیر بیان نہیں کی۔

⇦⇦⇦ ''اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہے ائمہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔
﴿ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ﴾۔
''لوگوں کے سمجھانے کو یہ مثالیں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے۔''[أصول لكافی: ۱/ ۱۴۰ (كتاب الحجة، ح: ۵ أن الأئمة نور الله عزوجل]

۳: شیعی علماء شرک سے روکنے والی آیات کی تفسیر کرتے ہیں کہ وہ آیات علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ولایت میں شرک کرنے سے روکنے والی ہیں یا آپ کی ولایت کا کفر کرنے سے روکنے والی ہیں۔ قمی، باقر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ﴾ تفسيرها: لئن أمرت بولاية أحد مع ولاية على من بعدك ﴿ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ﴾ [الزمر: ۶۵]
''یقیناً آپ کی طرف وحی کی گئی اور آپ سے پہلے (انبیاء) کی طرف بھی کہ اگر آپ نے شرک کیا'' [اس کی تفسیر یہ ہے کہ اگر آپ حضرت علی کی ولایت کے ساتھ کسی اور کی ولایت کا حکم دیا]''' تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے اور آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''[تفسیر القمی: ۲/ ۲۵۱ (سورۃ الزمر)]

شیعہ حجت اللہ کلینی ابوعبداللہ علیہ السلام سے اس آیت کی یہ تفسیر بیان کرتا ہے کہ اگر آپ نے ولایت علی میں کسی دوسرے کو شریک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آپ خسارہ پانے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔[اصول الکافی: ۱/ ۳۲۳۔]

شیعہ عالم عیاشی ابوجعفر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر اس طرح کی ہے:
﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ يعني: أنه لا يغفر لمن يكفر بولاية على ﴿ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [يعني لمن والى علياً] [النساء: ۴۸]
''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا'' [یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو نہیں بخشے گا جو علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کا انکار کرتا ہے]۔ اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔'' [یعنی محبان علی کو معاف کر دے گا][تفسیر العیاشی: ۱/ ۲۷۲، حدیث نمبر: ۱۴۹۔ تفسیر البرهان، تفسیر نورالثقلین ۱/ ۴۸۸۔ تفسیر الصافی۔ ۱/ ۴۵۸ (سورۃ النساء)۔]

۴: شیعی مفسرین جن آیات میں ایک اللہ کی عبادت کا حکم اور طاغوت سے اجتناب کا امر ہے اس کی تفسیر ائمہ ولایت اور ائمہ کے دشمنوں سے براءت کرنا کرتے ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ ابوجعفر رحمہ اللہ نے فرمایا (اور یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ ایسا فرمائے): ''اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ہماری ولایت کی خبر دینے اور ہمارے دشمنوں سے براءت کا اعلان کرنے کے لیے مبعوث کیا۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمائی ہے اور وہ یہ ہے: ﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ﴾ [بتكذيبهم آل محمد] [النحل: ۳۶]
''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو، پس بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی۔'' [یعنی آل محمد کی تکذیب کرنے کی وجہ سے] ان پر ضلالت ثابت ہوگئی۔
[تفسیر العیاشی: ۲/ ۲۸۰۔ تفسیر الصافی: ۳/ ۱۳۴۔ تفسیر البرهان: ۲/ ۳۶۸۔ تفسیر نورالثقلین: ۳/ ۵۳، حدیث نمبر: ۷۹)۔]

اور ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا (اور وہ اس قول سے بری ہیں): وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:
﴿وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ ''يَعْنِي بِذٰلِكَ : لَا تَتَّخِذُوا إِمَامَيْنِ اثْنَيْنِ۔ ⇦⇦⇦

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



یہ وہ تفسیری اقوال ہیں جو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں نقل کیے ہیں۔ جنہیں اس نے مجہول راویوں والی اسناد سے نقل کیا ہے؛ جن کا کوئی تعارف ہی نہیں۔ [نیز اس کی اسناد میں جھوٹے راویوں کی بھرمار ہے]۔ مثال کے طور پر راوی کہتا ہے: مجھے سفیان ثوری نے خبر دی - حالانکہ سفیان ثوری کے بارے میں ایسا کہنا جھوٹ ہے-؛ وہ کہتے ہیں: مجھے ثعلبی نے خبر دی ؛ وہ کہتا ہے: مجھے حسن بن محمد دینوری نے خبر دی؛ وہ کہتا ہے: ہم سے موسیٰ بن محمد بن علی بن عبداللہ نے بیان کیا؛ وہ کہتا ہے: میرے والد نے ابومحمد بن حسن بن علویہ القطان پر اس کی کتاب پڑھ کر سنائی اور میں سن رہا تھا؛ وہ کہتا ہے: ہم سے

⇦⇦⇦ ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے کہ دو معبود نہ بناؤ۔'' یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ دو امام نہ بناؤ۔''
﴿ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ "، إِمَامٌ وَّاحِدٌ ﴾ ''معبود تو صرف وہی اکیلا ہے۔'' یعنی امام صرف ایک ہے۔ [تفسیر العیاشی، ج: ۲/ ۲۵۸، البرهان، ج: ۲/ ۳٦۸۔ الصافی، ج: ۱/ ۹۲۳۔ نور الثقلین، ج: ۳/ ۵۳۔٦۰۔]

یہ لوگ کفار و منافقین کے بارے میں وارد آیات کی تفسیر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے اکابر صحابہ مراد لیتے ہیں۔ انھوں نے روایت بیان کی ہے کہ ابو عبداللہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴾ [السجدة: ۲۹]

''اور کافر لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں جنوں اور انسانوں کے وہ دونوں فریق دکھا جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تا کہ ہم انھیں اپنے قدموں تلے ڈال کر انھیں نہایت اور سب سے نیچے کر دیں۔''

کے متعلق فرمایا: ''اس سے مراد وہ دونوں ہیں۔'' پھر فرمایا: ''اور فلاں تو پکا شیطان تھا۔''

ان کا علامہ مجلسی کہتا ہے: ''دونوں'' سے مراد ابوبکر اور عمر ہیں اور ''فلاں'' سے مراد عمر ہے۔ قرآن کی جس آیت میں بھی ''جن'' کا ذکر ہو تو اس سے عمر مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ یا تو وہ خود شیطان تھا' یا تو اس میں شیطان کے شریک ہونے کی وجہ سے؛ کیونکہ وہ زانی کا بچہ ہے۔ یا وہ مکر و فریب اور دھوکے بازی میں شیطان کی طرح تھا۔ اور دوسرا احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ابوبکر مراد ہو۔''

[فروع الکافی الذی بهامش مرآة العقول: ٤/ ٤١٦]

اسی طرح شیعی علماء ابو کی سند سے ابو عبداللہ علیہ السلام سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

﴿ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ﴾ [البقرة]

''اور تم شیطانی راہوں پر مت چلو۔'' کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس سے مراد دوسرے (عمر) اور پہلے (ابوبکر) کی ولایت ہے۔ [تفسیر العیاشی: ۱/ ۱۲۱۔ حدیث نمبر: ۳۰۰ (سورة البقرة)۔]

مزید روایت کرتے ہیں کہ ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا (اور وہ اس سے بری ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

﴿يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ ﴾ (ابو بکر و عمر) [النساء: ٥١]

''وہ بتوں کا اور باطل معبودوں کا اعتقاد رکھتے ہیں۔'' اس کی تفسیر یہ ہے کہ بت اور شیطان سے مراد فلاں فلاں ہیں۔'' [بصائر الدرجات: ٥٤، ح: ۳ (باب معرفة أئمه الهدى من ائمة الضلال وأنهم الجبت والطاغوت والفواحش)، تفسیر العیاشی: ۱/ ۲۷۳، حدیث نمبر: ۱٥۳۔ بشارة المصطفى لشيعة المرتضى: الجزء الخامس، حديث: ۳۷۔ تفسير الصافی: ۱/ ٤٥۹۔ الوافی ۱/ ۳۱٤۔ تفسير البرهان: ۱/ ۲۰۸۔ ۳۷۷۔]

فلاں فلاں کی وضاحت کرتے ہوئے مجلسی کہتا ہے: ''اس سے مراد ابوبکر اور عمر ہیں۔'' [بحار الأنوار: ۲۳ / ۳۰٦، حديث نمبر: ۲، باب انهم أنوار الله)]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ہمارے بعض ساتھیوں نے بیان کیا؛ وہ کہتے ہیں: ہم سے مصر کے ایک آدمی نے بیان کیا؛ اسے طسم کہا جاتا ہے' وہ کہتا ہے: ہم سے ابوحذیفہ نے بیان کیا؛ وہ کہتے ہیں: ہم سے سفیان ثوری نے بیان کیا کہ:

﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ﴾ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ مراد ہیں۔﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ﴾ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ لؤلؤ اور مرجان سے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔

اس سند میں ایک سے بڑھ کر ایک اندھیر ہے۔ایسی اسناد سے بھی کوئی دلیل ثابت ہوسکتی ہے؟ [شیعہ مصنف کا یہ بیان از سرتا پا دروغ ہے اور حضرت ابن عباس نے یہ بات یقیناً نہیں کہی۔]

جس چیز سے اس دعوی کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے' اس میں کئی امور ہیں:

پہلی وجہ:......سورت الرحمٰن مفسرین کے اجماع کے مطابق مکی سورت ہے؛ جبکہ حضرت حسن اور حسین مدینہ میں پیدا ہوئے۔

دوسری وجہ:......ان کے [والدین حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما] کے نام بحرین رکھنا؛ اور بچوں کے نام لؤلؤ اور مرجان رکھنا اور نکاح کو مرج کہنا؛ لغت عرب ان معانی کی متحمل نہیں ہوسکتی جو بیان کیے گئے ہیں۔نہ ہی حقیقتاً اور نہ ہی مجازاً۔ بلکہ جیسے اس شیعہ مصنف نے اللہ تعالیٰ پر اور قرآن پر جھوٹ بولا ہے ایسے ہی اس نے عرب لغت پر بھی دروغ گوئی سے کام لیا ہے۔

تیسری وجہ:......ان میں کوئی ایسی چیز زائد نہیں ہے جو سارے بنی آدم میں نہ ہو۔اس لیے کہ ہر وہ انسان جو کسی عورت سے شادی کرتا ہے اور پھر اس سے دو بچے پیدا ہوجائیں تو وہ بھی اسی جنس سے شمار ہوں گے۔اس طرح کا ذکر کرنے میں کوئی ایسی چیز نہیں جسے اللہ تعالیٰ کی قدرت و نشانیوں میں عظمت والا سمجھا جائے۔ جو چیز باقی سارے بنی آدم میں بھی پائی جاتی ہے؛ اس کو یہاں پر خاص کرنے کے لیے کوئی سبب نہیں پایا جارہا۔اگر میاں بیوی اور دو بچوں کی وجہ ہی فضیلت کا سبب ہے' تو پھر حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب و حضرت اسحٰق علیہم السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت بہتر اور افضل ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: سب سے زیادہ معزز اور بزرگ کون ہے؟

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' جو سب سے زیادہ خدا کا خوف رکھتا ہو۔لوگوں نے کہا:''ہم یہ بات نہیں پوچھتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''سب سے زیادہ معزز یوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں۔''

[صحیح بخاری:ح:۵۸۸]

وہ آل ابراہیم علیہ السلام جن کے متعلق ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ ان پر ایسے درود نازل فرمائے جیسے ان پر نازل فرمایا تھا۔ہم اور ہر ایک مسلمان یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ آل ابراہیم علیہ السلام آل علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں۔ پس اس بنیاد پر یہاں پر ایک مشہور

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



سوال وارد ہوتا ہے کہ جب محمد ﷺ افضل تھے تو یہاں پر یوں کیوں کہا گیا: (كما صليت على إبراهيم) جب کہ اصول یہ ہوتا ہے کہ مشبہ کا مقام و مرتبہ مشبہ بہ سے کم ہوتا ہے۔

اس کے کئی ایک جواب دیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک جواب یہ بھی ہے کہ: اس میں کوئی شک نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں انبیاء ہو گزرے ہیں۔ ان میں سے ہی محمد ﷺ بھی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''محمد ﷺ بھی آل ابراہیم میں سے ہیں۔'' پس مجموعی طور پر آل ابراہیم آل محمد سے افضل ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر درود پڑھا جاتا ہے تو اس میں حضرت محمد ﷺ بھی داخل اور شامل ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی ہم اللہ تعالیٰ سے محمد ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے لیے اللہ تعالیٰ سے ایسے ہی برکات اور درود طلب کرتے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل کے لیے طلب کیا تھا۔ تو آپ کے اہل بیت کو اس میں سے وہی کچھ ملتا ہے جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔ اور یہ باقی سب محمد ﷺ کے لیے باقی رہ جاتا ہے۔ پس یہ ایسے ہو جاتا ہے کہ آپ کے لیے وہ تمام برکات طلب کی جاتی ہیں جو آل ابراہیم علیہ السلام کے انبیاء کے لیے تھیں۔ تو آپ کے اہل بیت کے فاضل افراد کو وہ حصہ نہیں ملتا جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے لیے ہے۔

پس اس اعتبار سے آپ پر صلاۃ پڑھنا بہت عظمت کا باعث بن جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: یہ تشبیہ اصل میں ہے قدر میں نہیں۔

چوتھی وجہ:...... ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ﴾ کے الفاظ سورۂ فرقان میں بھی مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا﴾ (الفرقان:۵۳)

''یہ ہے میٹھا اور مزیدار اور یہ ہے کھاری کڑوا ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے۔''

اگر مرج البحرین سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔ تو پھر اس سے حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دونوں میں سے ایک کی مذمت لازم آتی ہے۔ یہ بات اہل سنت و اہل تشیع کے اجماع سے باطل ہے۔

پانچویں وجہ:...... ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ ﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ﴾ سے وہ کیا مراد لیتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ یا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا؟ علاوہ ازیں ''يَبْغِيَانِ'' کے لفظ سے مستفاد ہوتا ہے کہ برزخ ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے مانع ہے۔ اگر اس سے مراد یہی دونوں ہیں تو پھر برزخ سے مراد نبی کریم ﷺ ہوں گے۔ جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے۔ یا پھر اگر کوئی دوسرا مراد لیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ مدح نہیں بلکہ مذمت ہے۔

چھٹی وجہ:...... ائمہ تفسیر کا اس ذکر کردہ تفسیر کے خلاف پر اجماع ہے۔ جیسا کہ ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آسمانی سمندر اور زمینی سمندر سال میں ایک بار ملتے ہیں۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مرج البحرین سے مراد فارس اور روم کے سمندر ہیں؛ اور ان کے درمیان برزخ الجزائر ہے۔

اور یہ فرمان الٰہی:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ [الرحمن: 22]

زجاج نے کہا ہے: بیشک یہ نمکین سمندر سے نکلتا ہے۔لیکن یہاں پر دونوں [نمکین اور میٹھے] سمندروں کو یکجا کر کے یہ اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ جب ان دو میں سے کسی ایک سمندر سے یہ چیزیں نکلیں گویا کہ دونوں سمندروں سے نکلیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وجعل القمر فِیهِن نورا﴾

فارسی نے کہا ہے: اس سے مراد ان دو میں سے ایک مراد ہے۔تو یہاں پر مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہاں یہ فرمایا ہے: (منھما) تثنیہ [دو] کا صیغہ لائے ہیں ؛ اس لیے کہ موتی سمندری صدف میں آسمانی بارش کا قطرہ گرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

جہاں تک لؤلؤ [موتی] اور مرجان کا تعلق ہے تو ان کی تفسیر میں دو قول ہیں:

پہلا قول:...... جو مرجان موتی سے چھوٹا ہوتا ہے جب وہ بڑا ہو جائے تو اسے موتی کہا جاتا ہے۔یہ اکثر اہل علم کا قول ہے ان میں حضرت ابن عباس؛ قتادہ؛ فرآء اور ضحاک رحمہم اللہ شامل ہیں۔زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں: لؤلؤ سمندر سے نکلنے والے دانے کا ایک جامع نام ہے؛ جب وہ چھوٹا ہوتا ہے تو اسے مرجان کہا جاتا ہے۔

دوسرا قول:......لؤلؤ یعنی موتی چھوٹے دانے کو کہتے ہیں ؛ جب وہ بڑا ہو جائے تو اسے مرجان کہا جاتا ہے۔یہ قول مجاہد؛ سدی اور مقاتل رحمہم اللہ کا ہے۔ابن عباس فرماتے ہیں : جب آسمانوں سے بارش برستی ہے تو صدف اپنا منہ کھول لیں ہیں۔پس بارش کا جو قطرہ ان کے منہ میں گر جائے وہ موتی بن جاتا ہے۔جب کہ ابن جریر کہتے ہیں : جیسے ہی قطرہ اس کے منہ میں گرتا ہے تو وہ موتی کی شکل میں بدل جاتا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مرجان سرخ گھونگھے ہوتے ہیں۔

زجاج کہتے ہیں: مرجان بہت زیادہ سخت سفید ہوتے ہیں۔

ابن ابی یعلیٰ سے روایت ہے کہ مرجان بھی موتیوں کی ایک قسم ہے۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اکتیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف رقم طراز ہے:

''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اکتیسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ﴾ (الرعد:۴۳) ''اور جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔''

ابو نعیم سے روایت کیا گیا ہے کہ: ابن الحنفیہ کہتے ہیں کہ اس سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ثعلبی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''علم الکتاب کس کے پاس ہے؟'' فرمایا علی رضی اللہ عنہ کے پاس۔روایت یہ دلالت کرتی ہے کہ آپ افضل ہیں؛ لہٰذا آپ ہی امام ہوں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



**جواب:** اس کا جواب کئی طرح سے دیا جا سکتا ہے:

۱۔ پہلی وجہ: ہم شیعہ سے عبداللہ بن سلام اور محمد بن حنفیہ سے روایت کی صحت نقل کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۲۔ دوسری وجہ: نیز یہ کہ علماء کی مخالفت کے باوصف یہ روایت کیوں کر حجت ہو سکتی ہے؟ جب کہ جمہور علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم ان دونوں کی [اس تفسیر میں] مخالفت کر رہے ہیں۔

۳۔ تیسری وجہ: ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ روایت دروغ اور بے بنیاد بات ہے، اوران دونوں حضرات پر جھوٹ بولا گیا ہے۔

۴۔ چوتھی وجہ: یہ تفسیر قطعی طور پر باطل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ﴾ [الرعد۴۳]

''آپ جواب دیجیے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ گواہی دینے والا کافی ہے اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔''

اگر اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے خلاف اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے استشہاد کر رہے تھے۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر آپ کی رسالت کی شہادت دیتے بھی تو یہ کفار کے حق میں حجت نہ ہوتی اور نہ وہ اس دلیل کے سامنے گردن جھکانے کے لیے تیار تھے۔ وہ بڑی آسانی سے کہہ سکتے تھے کہ علی جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ آپ ہی نے سکھایا ہے یا وہ آپ ہی کی زبان بول رہے ہیں اور اس طرح آپ خود ہی اپنے حق میں شاہد بن جاتے۔ کفار یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ حضرت علی آپ کے چچا زاد ہیں؛ اور آپ پر پہلے پہل ایمان لانے والوں میں ہیں۔ آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے محبت میں یہ بات کہی ہے۔ محل شاہد یہ ہے کہ اگر گواہی دینے والا جس چیز کی گواہی دے رہا ہے وہ اس باب میں تہمت سے بری نہ ہو تو اس کی گواہی کے مطابق فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ہی اس سے مشہود علیہ پر کوئی حجت قائم ہوگی۔ تو پھر اس وقت کیا عالم ہوگا جب گواہی دینے والے کے لیے مشہود علیہ کے علاوہ علم کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے۔ [تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس تہمت کا کیا جواب تھا؟]

اس کے برعکس اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی کی صداقت پر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما گواہی دیتے تو یہ زیادہ نفع بخش ہوتی۔ اس لیے کہ یہ لوگ تہمت سے بہت دور تھے۔ اور اس لیے ان کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ اس وقت جوانمرد تھے۔ شاید انہوں نے اہل کتاب یا کاہنوں وغیرہ سے کچھ خبریں سن رکھی ہوں' جن کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہ ہو۔ بخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے؛ اس لیے کہ آپ چھوٹی عمر کے تھے۔ اس لیے فریق مخالف کہہ سکتا تھا کہ آپ بھی وہی کچھ گواہی دے رہے ہیں جو آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہے۔

البتہ اگر اہل علم، اہل کتاب اپنے انبیاء علیہم السلام کی متواتر روایات کی بنا پر شہادت دیں تو ان کی شہادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نفع بخش ہوگی۔ یہ شہادت اسی طرح ہے جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام بذات خود شہادت دیں اس لیے کہ جو بات انبیاء علیہم السلام سے بتواتر منقول ہو وہ ان کی ذاتی شہادت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ذریعہ حاصل کردہ معلومات کی بنا پر امم سابقہ کے حق میں شہادت دیں گے، جیسا کہ سورت بقرہ [۱۴۳]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾

''ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو جائیں۔''

اس جاہل شیعہ نے جس چیز کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت گردانا؛ اس کی وجہ سے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نبی کریم ﷺ کی ہستی پر بھی قدح وارد ہوئی جن کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل ایمان میں سے شمار ہونے لگے تھے۔ ایسا کلام کسی زندیق سے ہی صادر ہوسکتا ہے یا پھر کسی انتہائی درجہ کے جاہل انسان سے۔

''اگر تم کچھ نہیں جانتے تو یہ بھی مصیبت ہے۔ اور اگر جانتے ہو تو پھر مصیبت اس سے بھی بڑی ہے۔''

۵۔ پانچویں وجہ: علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے کے متعدد مقامات پر اہل کتاب کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ قرآن میں فرمایا:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ﴾ [فصلت ۵۲]

''آپ کہہ دیجئے! اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اسے نہ مانا ہو۔''

اور فرمایا: ﴿بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ﴾ [الأحقاف ۱۰]

''اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس جیسی کی گواہی بھی دے چکا ہو۔''

اس رافضی سے پوچھا جائے گا کہ: کیا تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنی اسرائیل میں سے شمار کرتے ہو؟ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ﴾

(یونس:۹٤)

''اگر آپ کو قرآن کے بارے میں کوئی شبہ لاحق ہو تو ان لوگوں سے پوچھ لیجیے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔''

اس سے پوچھا جائے کہ: کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جو پہلے سے کتاب پڑھ رہے تھے؟

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ [یوسف ۱۰۹]

''آپ سے پہلے بھی ہم مردوں کو ہی بھیجتے رہے، جن کی جانب وحی اتارا کرتے تھے۔''

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾۔ [النحل ۴۳]

''پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔''

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی وہ اہل ذکر ہیں جن سے پوچھنے کا کہا گیا ہے یا آپ ان رجال میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نے مبعوث کیا تھا؟

۶۔ چھٹی وجہ : فرض کیجیے شاہد سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔تو پھر بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ افضل الصحابہ ہیں۔جیسا کہ اہل کتاب بھی اس کی گواہی دیتے ہیں ؛ گواہی دینے والوں میں حضرت عبد اللہ بن سلام ،سلمان و کعب الاحبار وغیرہ لوگ شامل تھے، حالانکہ یہ باقی صحابہ سابقین اولین'مہاجرین و انصار جیسے حضرات ابو بکر و عمر و عثمان اور علی و جعفر رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ سے افضل نہ تھے۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بتیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بتیسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ (التحریم:۸)

''جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور ایمان داروں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا۔''

ابو نعیم نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جو شخص سب سے پہلے جنتی لباس پہنے گا وہ حضرت ابراہیم ہیں کیونکہ آپ خلیل ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے کہ آپ اللہ کے برگزیدہ ہیں؛ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کے درمیان جنت کی سیر کریں گے۔'' پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت کی:﴿یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ اور فرمایا: اس سے مراد علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہیں۔یہ دلیل ہے کہ آپ دوسروں سے افضل ہیں ؛ لہٰذا آپ ہی امام ہوں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**[جواب]**: اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

❀ پہلی بات:......ہم اس روایت کی صحت ِنقل کا مطالبہ کرتے ہیں خصوصاً ایسی روایت کے لیے کہ جس کی کوئی اصل ہی نہیں۔

❀ دوسری بات: یہ روایت باتفاق محدثین وعلمائے کرام رحمہم اللہ جھوٹ ہے۔

❀ تیسری بات: یہ دعوی قطعی طور پر باطل ہے۔اس لیے کہ اس کا تقاضا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں ۔ اس لیے کہ آپ وسط ہیں ؛ اور دونوں نبی دونوں جوانب ہیں۔مخلوق میں سے افضل ہستی ابراہیم علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ جو کوئی ان پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دے ؛ وہ یہود و نصاریٰ سے بڑا کافر ہے۔

❀ چوتھی بات: صحیحین میں ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بروزِ قیامت سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام لباس پہنیں گے۔''[1]

---

[1] صحیح بخاری:٤/ ١٣٩؛کتاب الانبیاء؛ باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً؛ مسلم ٤/ ٢١٩٤؛ کتاب الجنة و صفة نعیمها و أهلها و باب فناء الدنیا و بیان الحشر یوم القیامة ؛ سنن الترمذي كتاب التفسير .

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اس روایت میں کہیں پر بھی محمد ﷺ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر تک بھی نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہننے میں تقدیم حاصل ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ مطلق طور پر حضرت محمد ﷺ سے افضل ہیں۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن سب لوگ بیہوش ہو جائیں گے۔ اور میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا تو میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔ تو مجھے معلوم نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ جائیں گے یا آپ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے مستثنیٰ رکھا تھا۔" ❶

پس پہلے ہوش میں آنے کی وجہ سے یا پھر مطلق طور پر بیہوش نہ ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ موسیٰ علیہ السلام محمد ﷺ سے افضل ہیں۔

لیکن اگر تفضیل اس اعتبار سے ہو کہ مفضول کو نیچا دیکھا جائے اور اس کے حق میں کمی کی جائے تو ایسی تفضیل ممنوع ہے۔ جیسا کہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت دینے کی ممانعت آئی ہے۔ ایک آدمی نے آپ سے کہا تھا: (یـــا خیـــر البـــرِیۃِ) اے روئے زمین کے سب سے بہترین انسان! تو آپ نے فرمایا: "وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔

آپ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

((أنا سیِد ولدِ آدم ولا فخر ، آدم فمن دونہ تحت لِوائِي یوم القِیامۃِ ولا فخر .)) ❷

"میں اولاد آدم کا سردار ہوں؛ اس میں فخر والی کوئی بات نہیں۔ حضرت آدم اور ان کے بعد کے لوگ بروز قیامت میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے؛ اس میں کوئی فخر والی بات نہیں۔"

یہی بات تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تفضیل کے بارے میں ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے مقام و مرتبہ میں کوئی کمی نہ کی جائے؛ اور نہ ہی کسی کو اس کے مقام و مرتبہ سے گرایا جائے۔ یا انہیں کے بارے میں اپنی خواہشات نفس یا جھوٹی باتوں کی پیروی کی جائے۔ جیسا کہ روافض اور نواصب کرتے ہیں جو کہ بعض صحابہ کرام کے حقوق میں بہت کوتاہی اور کمی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

❀ پانچویں بات: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ نُوْرُہُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَ بِاَیْمَانِہِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ [التحریم۸]

---

❶ صحیح بخاری: ۹/ ۱۳۹ ح۶۳۳؛ کتاب التوحید؛ باب في المشیئۃ و الإرادۃ .

❷ سنـن التـرمـذي؛ کتـاب تفسیر القرآن؛ تفسیر سورۃ إسراء؛ کتاب المناقب باب ما جاء في فضل النبي ﷺ؛ سنن ابن ماجۃ کتاب الزھد؛ باب ذکر الشفاعۃ؛ ۲/ ۱٤٤۰ .

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



''جس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور ایمان داروں کو جو ان کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا۔ یہ دعائیں کرتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمیں کامل نور عطا فرما اور ہمیں بخش دے یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [الحدید ۱۲]

''جس دن آپ دیکھیں گے کہ ایماندار مردوں اور عورتوں کا نور انکے آگے آگے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا آج تمہیں ان جنتوں کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں ہمیشہ کی رہائش ہے۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔''

یہ نص ان تمام مؤمنین کے بارے میں عام ہے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہوں گے۔ سیاق کلام اس کے عموم پر دلالت کرتا ہے۔اور اس بارے میں مروی آثار بھی اس کے عموم پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''ہر مؤمن کو قیامت کے دن نور دیا جائے گا۔منافق کا نور بروزِ قیامت بجھا دیا جائے گا۔ جب مؤمنین منافقین کا نور بجھتے ہوئے دیکھیں گے تو انہیں اپنے بارے میں ڈر محسوس ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے: ''یا اللہ! ہمارے لیے ہمارا نور پورا کردے۔''

اس روایت میں عموم قطعی اور یقینی ہے۔اس لیے کہ اس سے کوئی ایک شخص مراد نہیں ہے۔تو پھر یہ کہنا کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔اگر کوئی کہنے والا یوں کہے کہ: ''ہر وہ بات جسے شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے فضیلت قرار دیتے ہیں، اس سے مراد ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں؛ تو پھر ان دونوں گروہوں کے درمیان محض دعوی اور جھوٹ کے علاوہ کون سا فرق ہوگا؟

بلکہ ایسا ممکن ہے کہ جو لوگ اسے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لیے خاص کرتے ہیں، ان کا شبہ رافضیوں کے شبہ سے بڑھ کر ہو جو اس کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس آیت میں ایسے ہی داخل ہوں گے جیسے پہلے تین اصحاب۔ بلکہ وہ تینوں اس آیت کے مصداق ہونے کے زیادہ حق دار ہیں۔تو پھر اس آیت سے نہ ہی افضلیت ثابت ہوئی اور نہ ہی امامت۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تینتیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تینتیسویں دلیل یہ آیت قرآنی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ (البینہ:۷)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''بیشک جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔''

ابونعیم حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اس آیت میں تم اور تمہارے شیعہ کا ذکر کیا گیا ہے، جو بروز قیامت شاداں وفرحاں آئیں گے اور تمہارے دشمن غصہ سے بھرے ہوئے ہوں گے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خیر البریۃ (مخلوقات میں سے بہتر) ہوئے تو امام بھی وہی ہوں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

## [جواب]:

❀ پہلی بات: ہم شیعہ سے اس کی صحت کے اثبات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگرچہ ہم پورے جزم ووثوق سے کہتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے۔لیکن مدعی سے سند کی صحت پیش کرنے کے مطالبہ کا انکار صرف معاند اور سرکش ہی کر سکتا ہے۔مسلمانوں کے تمام گروہوں کا اتفاق ہے کہ ابونعیم کے روایت کر لینے سے کوئی روایت حجت اور قابل استدلال نہیں ہوجاتی [جب تک کہ اس کی صحت ثابت نہ ہوجائے]۔

❀ دوسری بات: یہ روایت ایسا جھوٹ ہے جو کہ کسی بھی اہل علم اور محدث پر مخفی نہیں۔اہل علم کا اس روایت کے جھوٹا ہونے پر اتفاق ہے۔

❀ تیسری بات: علاوہ ازیں یہ تفسیر ان لوگوں کے قول سے متصادم ہے جو کہتے ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''بیشک جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے'' سے خارجی وناصبی لوگ مراد ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوستی لگانے والا کافر ہے؛ وہ اس کی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

﴿وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ﴾ (المائدۃ: ۴۴)

''جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے۔''

وہ کہتے ہیں جو شخص اللہ کے دین میں اشخاص ورجال کو حکم بناتا ہے وہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے بغیر فیصلہ کرتا ہے، لہٰذا وہ کافر ہوگیا۔اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ (المائدۃ: ۵۱)

''تم میں سے جو کفار کے ساتھ دوستی لگائے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔''

ان کا قول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا نبی کریم ﷺ کی درج ذیل حدیث کے مطابق مرتد ہو چکے تھے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''بہت سے آدمیوں کو میرے حوض سے دور کر دیا جائے گا، جس طرح اجنبی اونٹ کو دور کر دیا جاتا ہے، میں کہوں گا: یہ میرے صحابی ہیں یہ میرے صحابی ہیں۔اس کے جواب میں کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کون سی باتیں ایجاد کر لی تھیں۔اور جب سے آپ ان سے جدا ہوئے یہ مرتد ہی چلے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



آئے ہیں۔''❶

خوارج ونواصب کہتے ہیں: یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کے خون اور اموال میں اللہ کے حکم سے ہٹ کر فیصلے کیے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

''میرے بعد کافر نہ ہو جاؤ کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔''❷

ان کا کہنا ہے: جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد آپس میں ایک دوسرے کو قتل کیا وہ پھر پلٹ کر کافر ہو چکے تھے۔

اگر چہ خوارج کے یہ دلائل باطل ہیں، لیکن اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں کہ روافض کے براہین و دلائل ان سے بڑھ کر لغو بے بنیاد ہیں۔خوارج روافض کی نسبت بڑے عقلمند؛ سچے؛ اور حق کے پیروکار ہوتے ہیں۔وہ سچائی کا بہت اہتمام کرتے ہیں' جھوٹ نہیں بولتے۔ظاہر و باطن میں دین دار ہوتے ہیں۔لیکن گمراہ اور جاہل ہیں' دین سے نکل چکے ہیں۔اسلام سے ایسے نکل گئے ہیں جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔جبکہ روافض کی یہ حالت ہے کہ ان پر جہالت؛ گمراہی اور جھوٹ کا غلبہ ہے۔ان کے بہت سارے ائمہ اور عوام الناس زندیق اور ملحد ہیں۔انہیں علم اور دین سے کوئی غرض نہیں؛ بلکہ ان کی حالت تو بالکل اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے عین مطابق ہے:

﴿ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾ [النجم ۲۳]

''یہ لوگ صرف اٹکل کے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور یقیناً ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔''

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض (حدیث:٦٥٧٦۔٦٥٨٦)، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا ﷺ (حدیث: ٢٢٩٠۔٢٢٩٧)۔

صحیح مسلم میں پوری حدیث اس طرح: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان تشریف لائے اور فرمایا سلامتی ہو تم پر مومنوں کے گھر، ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔ میں پسند کرتا ہوں کہ ہم اپنے دینی بھائیوں کو دیکھیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:''تم تو میرے صحابہ ہو؛ اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئے۔''صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو کیسے پہچانیں گے جو ابھی تک نہیں آئے؟......اس حدیث میں ہے:''آپ ﷺ نے فرمایا:'' وہ لوگ جب آئیں گے تو وضو کے اثر کی وجہ سے ان کے چہرے ہاتھ اور پاؤں چمکدار اور روشن ہوں گے؛ اور میں ان سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا۔اور سنو بعض لوگ میرے حوض سے اس طرح دور کیے جائیں گے جس طرح بھٹکا ہوا اونٹ دور کر دیا جاتا ہے۔میں ان کو پکاروں گا ادھر آؤ؛ تو حکم ہوگا کہ انہوں نے آپ ﷺ کے وصال کے بعد دین کو بدل دیا تھا تب میں کہوں گا دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ۔''والحدیث مع اختِلاف فِی اللفظِ فِی الموطأ 1/28؛ کتاب الطهارةِ، باب جامِعِ الوضوء، سننِ ابنِ ماجه 2/1439؛کتاب الزهدِ، باب ذِکرِ الحوضِ، وجاء الحدیث مختصرا فِی مسلِم ومع اختِلافِ اللفظِ 1/217رقم 37۔۔

❷ صحیح بخاری۔ کتاب العلم، باب الانصات للعلماء (حدیث:١٢١، ٧٠٨٠)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان معنی قول النبی ﷺ '' لا ترجعوا بعدی کفاراً''(حدیث:٦٥)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



مروانیہ جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تھی؛ اگر چہ وہ آپ کو کافر تو نہیں کہتے؛ لیکن ان کے دلائل رافضیوں کے دلائل کی نسبت بہت زیادہ مضبوط ہیں۔ مشہور ادیب جاحظ نے مروانیہ کے لیے ایک کتاب تحریر کی تھی۔ اس میں ایسے دلائل پیش کیے ہیں جن کو رافضہ کبھی بھی توڑ نہیں سکتے۔ رافضیوں کی بات تو چھوڑیے زیدیہ بھی ان دلائل پر رد نہیں کر سکتے۔ البتہ اہل سنت والجماعت [اللہ انہیں تا قیامت سلامت رکھے ] چونکہ معتدل اور متوسط لوگ ہیں [وہ ان دلائل کا تار و پود بکھیر سکتے ہیں]؛ یہی وجہ ہے کہ شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں [مروانیہ اور خوارج کے خلاف] حق بات کے لیے ان سے مدد لیتے ہیں۔ لیکن اہل سنت والجماعت ایسے دلائل پیش کرتے ہیں جن سے چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر صحابہ کرام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اہل سنت والجماعت یا کسی بھی دوسرے کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو کہ مدح میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی خاص ہو اور؛ یا صرف دوسروں پر قدح وارد کرتی ہو؛ یہ بات بالکل محال اور ممتنع ہے۔ انتہائی محال قسم کا جھوٹ بولنے کے بغیر ایسا کرنا ممکن نہیں۔ میدان مناظرہ و مجادلہ میں مقبول حق کے ساتھ ایسا ممکن نہیں۔

چوتھی بات:...... ان سے کہا جائے گا کہ: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ [البینۃ۷]

''بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔''

یہ عام خطاب ہے؛ جو کہ ہر اس انسان کو شامل ہے جو ان صفات سے موصوف ہو۔ تو پھر اس کو شیعہ کے ساتھ خاص کرنے کی کیا دلیل ہے؟

اگر شیعہ کہیں: [اس لیے کہ ] ان کے سوا جتنے بھی لوگ ہیں' وہ کافر ہیں۔

تو ان سے کہا جائے گا کہ: اگر دوسرے لوگوں کا کفر کسی دلیل سے ثابت ہوتا تو تمہیں اتنے لمبے پاپڑ بیلنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اور اگر ایسا ثابت نہیں ہوسکتا تو پھر تمہیں تمہاری دلیل کسی کام نہ آئی۔ اس لیے کہ نقل کے اعتبار سے یہ ثابت نہیں ہے۔ اور اگر کسی دوسری علیحدہ و جداگانہ دلیل سے ایسا ثابت بھی ہو جائے تو وہ اس آیت سے ثابت تصور نہیں ہوگا۔ پھر اسی پر اعتماد کیا جائے گا۔

پانچویں بات:...... یہ بات تواتر کے ساتھ معلوم ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شیعان علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر دوسرے لوگوں سے محبت اور دوستی رکھتے تھے۔ حتی کہ آپ خوارج کے ساتھ بیٹھتے اور انہیں فتوی دیا کرتے تھے؛ اور ان سے مناظرہ بھی کیا کرتے تھے۔ اگر آپ کا اعتقاد یہ ہوتا کہ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے؛ وہ صرف شیعہ ہی ہیں؛ اور ان کے علاوہ جتنے بھی لوگ ہیں؛ سب کافر ہیں۔ تو پھر آپ کبھی بھی ایسا نہ کرتے۔ اور ایسے ہی بنو امیہ کے ساتھ آپ کا برتاؤ اور سلوک ایک کھلی ہوئی دلیل ہے کہ آپ انہیں کافر نہیں سمجھتے تھے۔

اگر شیعہ کہیں کہ: ہم شیعہ کے علاوہ باقی لوگوں کو کافر تو نہیں کہتے؛ لیکن ہم کہتے ہیں: شیعہ خیر البریہ ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



**[جواب]**: یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہی خیر البریہ ہیں۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ شیعہ کے علاوہ کوئی دوسرا اس آیت کے حکم میں داخل نہیں؛ پھر دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں: یا تو تم کہو کہ وہ کافر ہیں۔ یا پھر کہو کہ وہ فاسق ہیں۔ اس لیے کہ ان کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوتا جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے؛ اگرچہ ان کا نام اہل ایمان میں داخل ہے۔ وگرنہ جو کوئی اہل ایمان میں سے ہو اور وہ فاسق بھی نہ ہو تو وہ ان لوگوں میں شامل ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔''

اگر تم کہو کہ: وہ فاسق ہیں۔

تو جواب میں کہا جائے گا کہ: اگر ان کا فسق ثابت ہوجائے تو پھر تمہارے لیے حجت کافی ہوگئی۔ اور اگر ان کا فسق ثابت نہیں؛ تو پھر تمہیں اس استدلال سے کوئی فائدہ نہیں۔ تم تمام گروہوں میں سے جس کے بارے میں بھی فاسق ہونے کا کہو گے تو وہ ثابت کریں گے کہ آپ کئی ایک وجوہ کے اعتبار سے فسق میں ان سے کئی درجے آگے ہو۔ پھر تمہارے پاس اپنے دفاع میں کوئی ایک بھی صحیح دلیل موجود نہ ہوگی۔

فسق تمہارے بہت زیادہ جھوٹ بولنے؛ فحاشی کا ارتکاب کرنے اور ظلم و ستم کرنے کی وجہ سے تم پر غالب ہے۔ تمہارے مخالفین خوارج اور دوسرے لوگوں کی نسبت تم میں بہت زیادہ فسق پایا جاتا ہے۔ بنوامیہ میں شیعہ کی نسبت جھوٹ؛ فحاشی اور ظلم بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض شیعہ میں زہد؛ صداقت اور دینداری پائی جاتی ہے؛ یہی حال سارے فرقوں کا ہے۔ اور اگر اور کچھ بھی نہ ہوتا تو خوارج کی یہی خوبی کافی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں خبر دی تھی:

''تم میں سے کوئی ایک ان کی نماز کے مقابلہ میں اپنی نماز کو اور ان کے روزہ کے مقابلہ میں اپنے روزہ کو حقیر سمجھے گا۔'' [یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے]۔

[تو پھر روافض کو خوارج سے کیا نسبت؟]

چھٹی بات:......اللہ تعالیٰ نے اس [تمہاری مذکورہ بالا استدلال والی آیت] سے پہلے فرمایا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ﴾

''بیشک جو لوگ اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرکین سب دوزخ کی آگ میں جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔''

پھر اس کے بعد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ﴾

''بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔''

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اس سے ظاہر ہوا کہ یہ لوگ مشرکین اور کفار اہل کتاب سے ہٹ کر کوئی دوسرے لوگ ہیں۔قرآن میں بہت سارے مقامات پر ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے۔یہ تمام مقامات عام ہیں۔تو پھر اس طرح کی باقی آیات کو چھوڑ صرف خاص طور پر اس آیت سے استدلال کرنے کی کیا وجہ ہے؟

روافض یا ان کے علاوہ دوسرے اہل ہوی اور کافر لوگوں کا اور ان کے علاوہ بہت سارے گمراہ فرقوں جیسے خوارج اور معتزلہ کا بھی یہی دعوی ہے کہ وہ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کر رہے ہیں۔جیسا کہ یہود ونصاری کا دعوی ہے:

﴿وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ o بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ [البقرة ۱۱۱۔۱۱۲]

"کہتے ہیں جنت میں یہود ونصاری کے سوا اور کوئی نہ جائے گا یہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو۔سنو جو بھی اپنے آپ کو خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے۔بیشک اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا،اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا،نہ غم اور اداسی۔"

پس یہ حکم عام ہے؛ جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کی رضا کے لیے عمل کرے گا [وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہوگا] عمل صالح وہی ہوتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو۔اور اسلام اپنے ارادہ وقصد میں اخلاص اور اپنے آپ کو اللہ کے لیے کر لینے کا نام ہے۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چونتیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:

"امام علی کی چونتیسویں دلیل یہ آیت قرآنی ہے:

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا﴾ (الفرقان:۵۴)

"وہ جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اسے نسب والا اور سسرالی رشتوں والا کر دیا۔"

ثعلبی ابن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا: "وہ جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اسے نسب والا اور سسرالی رشتوں والا کر دیا۔" چونکہ یہ فضیلت کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی۔لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی امام وخلیفہ ہوں گے۔" [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**[جواب]**:

- پہلی بات: ہم شیعہ سے اس کی صحیح سند پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔
- دوسری بات: ہم بغیر کسی شک وشبہ کے کہتے ہیں یہ ابن سیرین پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔
- تیسری بات: صرف ابن سیرین کا قول حجت نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ دوسرے علماء نے اس کی مخالفت کی ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



❀ چوتھی بات: یہ آیت سورت فرقان کی ہے۔ سورۂ فرقان مکی ہے۔ یہ آیات باتفاق علماء مکہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے عرصہ دراز قبل نازل ہوچکی تھی۔ تو پھر اس سے حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کیسے مراد ہو سکتے ہیں؟

❀ پانچویں بات: آیت کے الفاظ ہر سسرالی اور نسبی رشتہ میں عام ہیں، اس میں کسی ایک فرد کی کوئی تخصیص نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سسرالی تعلق کو بھی اسی طرح شامل ہے جس طرح کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دوبار اور حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی شادی کو بالاولیٰ شامل ہے۔

علاوہ ازیں یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ مصاہرت پر بھی مشتمل ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں ام کلثوم اور رقیہ رضی اللہ عنہا یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئی تھیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کردی۔ پس سسرالی رشتہ ان چاروں کے ساتھ ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمادیا تھا: ''اگر میرے پاس تیسری بیٹی ہوتی تو میں وہ بھی عثمان کو دے دیتا۔''[1]

جب آپ کا رشتہ مصاہرت چاروں خلفاء کے ساتھ ثابت ہو گیا تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت منتفی ہوگئی۔ تو پھر کجا کہ اس سے افضلیت یا امامت کا وجوب ثابت ہوتا ہو۔

❀ چھٹی وجہ: فرض کیجیے! اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سسرالی تعلق ہے۔ تو صرف سسرالی رشتہ ہونے کی بنا پر نہ ہی افضلیت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی امامت۔ اس پر شیعہ اور اہل سنت کا اتفاق ہے۔ اس لیے کہ سسرالی تعلق تو ان چاروں کے لیے ثابت ہے؛ اور یہ کہ ان میں سے بعض دوسروں سے افضل ہیں۔ اگر سسرالیت سے فضیلت ثابت ہوتی تو تناقض لازم آتا۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پینتیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:

''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پینتیسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿ اِتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (التوبة:١١٩)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

اس آیت میں ان لوگوں کی معیت و رفاقت کو واجب قرار دیا گیا ہے جن کا صادق ہونا واضح ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک معصوم ہی صحیح معنی میں صادق ہوسکتا ہے؛ کیونکہ دوسروں سے جھوٹ کا صادر ہونا جائز ہے۔ اور معصوم خلفائے اربعہ میں سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ ابونعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

---

[1] رواه أحمد فی الفضائل ١/ ٤٨١.

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



## [جواب]:

❀ پہلی بات: صدّیق؛ صادق سے صیغہء مبالغہ ہے۔ پس ہر صادق صدّیق نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کثیر دلائل کی بنا پر صدیق تھے، لہٰذا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس آیت کے اوّلیں مصداق ہیں۔ بنا بریں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت و رفاقت ہمارے لیے ضروری ہوئی؛ اس لیے کہ باقی صحابہ کرام نے آپ کے حق میں تنازل کرلیا تھا؛ اور اس کے ساتھ ہی آپ کی خلافت کا بھی اقرار کرتے تھے۔ اب یہ ممتنع ہے کہ ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا اقرار کریں۔ یہ آیت ان کے مطلوب کے نقیض پر دلالت کرتی ہے۔

❀ دوسری بات: ان سے کہا جائے گا کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ یا تو صدیق تھے؛ یا نہیں تھے۔ اگر آپ صدیق نہیں تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق ہیں۔ تو پھر صادق اور صدیق کے ساتھ ہونا اس سے زیادہ اولی ہے جو صرف صادق ہو صدیق نہ ہو۔ اور اگر آپ صدیق تھے تو پھر حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما بھی صدیق تھے۔ پس جب خلفائے اربعہ کو صدیق قرار دیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہے گی۔ اور نہ ہی صداقت آپ کے ساتھ خاص رہی۔ تو پھر تین کو چھوڑ کر ایک کا ساتھ دینا متعین نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر ٹکراؤ کی صورت پیش آئے تو پھر تین کا ساتھ دینا ایک کی نسبت زیادہ اولی ہے۔ اس لیے کہ ان کی تعداد زیادہ ہے؛ اور پھر خصوصاً وہ صدق میں بھی زیادہ کامل ہیں۔

❀ تیسری بات: حقیقت میں یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب حضرت کعب بن مالک غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرسکے؛ اور آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ کہہ دیا کہ ان کا کوئی عذر نہیں تھا۔ اور راست بیانی کی وجہ سے ان کی توبہ قبولیت سے مشرف ہوئی تھی۔ کچھ لوگوں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ کوئی جھوٹا عذر پیش کردیں۔ جیسا کہ منافقین نے جھوٹ بول کر اپنا عذر پیش کیا تھا۔ یہ واقعہ صحاح ستہ؛ سنن اور مسانید و تفسیر اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔[1]

یہ معلوم ہوگیا کہ اس قصہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ میرے استقبال کے لیے کھڑے ہوکر دوڑے۔ اور مجھ سے معانقہ کیا۔ اللہ کی قسم! مہاجرین میں سے کوئی دوسرا میرے استقبال کے لیے کھڑا نہیں ہوا۔" [تفسیر ابن کثیر؛ آیت مذکورہ]

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کبھی بھی اس واقعہ کو نہیں بھولتے تھے۔ جب یہ ثابت ہوگیا تو اب اس آیت کو صرف اکیلے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر محمول کرنا باطل ہوا۔

❀ چوتھی بات: یہ آیت اس قصہ کے متعلق نازل ہوئی۔ لیکن کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ آپ معصوم ہیں۔ نہ ہی

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب حدیث کعب بن مالك (حدیث: ٤٤١٨)، صحیح مسلم، کتاب التوبة۔ باب حدیث توبة کعب بن مالك......" (حدیث:٢٧٦٩)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نہ ہی کوئی دوسرا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد سچے لوگ ہیں' اس کے لیے معصوم ہونے کی شرط نہیں لگائی۔

❀ پانچویں بات: علاوہ ازیں آیت کے الفاظ ہیں: ﴿وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ نہ کہ "کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِ"، جمع کا صیغہ ہے؛ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہوتے تو واحد کا صیغہ چاہیے تھا۔

❀ چھٹی بات: آیت ﴿وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ راست باز لوگوں کی طرح راست گفتاری کے عادی بنو۔ جھوٹوں کی رفاقت اختیار نہ کرو۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ﴾ (البقرۃ:۴۳) "تم رکوع کرو رکوع کرنے والوں کیساتھ۔" اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا﴾ [النساء ۶۹]

"اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔"

اور ایسے ہی ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ سَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ [النساء ۱۴۶]

"تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا۔"

اس سے مراد یا تو یہ ہوسکتی ہے کہ ہر چیز میں صادقین (سچے لوگوں) کا ساتھ دو؛ اگرچہ اس کا تعلق صداقت سے نہ بھی ہو۔ مگر یہ دوسرا معنی باطل ہے۔ اس لیے کہ کسی انسان پر واجب نہیں ہے کہ وہ مباح چیزوں میں کسی کا ساتھ دے۔ جیسے کھانا پینا؛ لباس وغیرہ کے معاملات۔ جب پہلی بات ہی صحیح ہے تو اس میں کسی متعین شخص کا کوئی حکم نہیں ہے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ سچ بولو اور جھوٹ سے بچ کر رہو۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم پر سچ بولنا واجب ہے۔ سچ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے کر جاتی ہے۔ اور انسان سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ سچا لکھ دیا جاتا ہے۔ اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ؛ بیشک جھوٹ برائی کا راستہ دکھاتا ہے اور برائی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ اور انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔" [اس کی تخریج گزر چکی ہے۔]

ایسی آیات میں معیت سے یہ مراد نہیں لیا گیا کہ ہر بات میں ان کا انداز اختیار کرو یہاں تک کہ مباحات و ملبوسات میں بھی ان کی رفاقت کے دائرہ سے باہر نہ نکلو۔ جیسے کہا جاتا ہے: ﴿کُنْ مَعَ الْمؤمنین﴾ "ایمان والوں کے ساتھ ہوجاؤ۔" ﴿کُنْ مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ "نیکوکاروں کے ساتھ ہوجاؤ۔" یعنی اس وصف میں ان کے شریک و سہیم بن جاؤ۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ آپ پر ہر چیز میں ان کی اتباع واجب ہوگئی ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



❀ ساتویں بات: اس سے کہا جائیگا: جب اس سے مراد یہ ہے کہ مطلق طور پر سچوں کے ساتھ ہو جاؤ؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ سچائی تمام نیکیوں کی طرف راہ دکھاتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: ''تم پر سچ بولنا واجب ہے۔ سچ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے۔'' پس اس صورت میں یہ وصف ہر اس انسان کے لیے ثابت ہوگا جو ان صفات سے موصوف ہو۔

❀ آٹھویں بات: ان سے کہا جائے گا کہ: اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم صادقین کا ساتھ دیں۔ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ جن کا سچا ہونا تمہیں معلوم ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ﴾ [الطلاق ۲]

''اور آپس میں سے دو عادل شخصوں کو گواہ کرلو اور اللہ کی رضامندی کے لیے ٹھیک گواہی دو۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جن کو تم جانتے ہو کہ وہ تم میں سے عدل والے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا﴾ [النساء ۵۸]

''اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ۔''

یہ نہیں فرمایا کہ تم جنہیں جانتے ہوں کہ وہ امانت کے اہل ہیں۔ نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ [النساء ۵۸]

''جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل اور انصاف سے فیصلہ کرو۔''

اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس کو تم عدل سمجھتے ہو۔ لیکن اس حکم کو وصف کے ساتھ معلق کیا ہے۔

ہم پر واجب ہوتا ہے کہ حسبِ امکان صدق و عدالت اور اہل امانت اور عدل کی معرفت میں اجتہاد کریں۔ ہمیں اس بارے میں علم الغیب کا مکلّف نہیں ٹھہرایا گیا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کو بھی انصاف کرنے کا حکم دیا گیا تھا؛ آپ نے فرمایا:

''تم اپنا جھگڑا میرے پاس لاتے ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی دلیل کو دوسرے سے عمدہ طریقے سے بیان کرنے والا ہو اور میں اس کے لیے فیصلہ کردوں۔ اس بات پر جو میں نے اس سے سنی پھر میں جس کے لیے اس کے بھائی کا حق دلا دوں تو اسے نہ لے کیونکہ میں اس کے لیے جہنم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔''[1]

❀ نویں بات: تصور کیجیے: اس سے مراد وہ لوگ ہوں؛ جن کے سچا ہونے کا علم ہو۔ لیکن یہ علم بھی اس علم کی طرح ہوگا جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ﴾ [الممتحنۃ ۱۰]

''اگر تم انہیں مؤمنات جان لو۔''

ایمان سچائی سے زیادہ مخفی ہوتا ہے۔ جب یہاں پر علم کی شرط رکھی گئی ہے؛ تو پھر جیسے یہاں پر یہ بات کہنا ممتنع ہے کہ

[1] صحیح مسلم: ج: دوم: ح ۱۹۸۱.

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



معصوم کے علاوہ کسی کو یہ علم حاصل نہیں ہوسکتا ؛ ایسے ہی یہ بات کہنا بھی جائز نہیں کہ امام معصوم کے علاوہ کسی کا سچا ہونا معلوم نہیں ہوسکتا۔

❀ دسویں بات: تصور کیجیے: اس سے مراد: صدق کا علم ہمیں حاصل ہوگیا؛ لیکن یہ کہا جائے گا کہ: بیشک ابوبکر و عمر اور عثمان اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جن کی صداقت معلوم ہے؛ اور جو عمداً جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتے ؛ اگرچہ ان سے خطاء یا بعض گناہوں کا سرزد ہونا جائز ہوسکتا ہے؛ جب کہ جھوٹ تو بلا ریب بہت بری چیز ہے؛ اس لیے کہ علمائے کرام رحمہم اللہ کے ایک قول کے مطابق صرف ایک جھوٹ بولنے کی وجہ سے گواہی رد کی جاسکتی ہے۔ اور امام احمد سے بھی دو روایتوں میں سے ایک یہی ہے۔ اس بارے میں ایک مرسل حدیث بھی روایت کی گئی ہے۔ تو ہم یقینی طور پر اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی جان بوجھ کر کسی حال میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ اور ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ ہم جھوٹ کا منفی ہونا صرف اس کے بارے میں جان سکتے ہیں جس کے بارے میں ہمیں یقینی طور پر علم ہو کہ معصوم مطلق ہے۔ بلکہ بہت سارے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو اگر آپ پرکھیں گے تو پتہ چلے گا کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ اگرچہ اس سے غلطیاں بھی ہوتی ہوں ؛ اور بعض دوسرے گناہ بھی سرزد ہوتے ہوں۔ اور ہم یہ بات بھی تسلیم نہیں کرتے کہ جو کوئی معصوم نہیں وہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے۔

یہ بات خلاف واقع ہے۔ اس لیے کہ عمداً جھوٹ صرف وہی انسان بول سکتا ہے جو لوگوں میں سب سے زیادہ برا ہو۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولتا ہو۔

اہل علم حضرات جیسے : مالک ؛ شعبہ ؛ یحی بن سعید ؛ ثوری ؛ شافعی ؛ اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ جیسے لوگ یقینی طور پر جان بوجھ کر کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتے تھے ؛ نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور نہ ہی کسی دوسرے پر۔ تو پھر ابن عمر ؛ ابن عباس اور ابوسعید رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے لوگوں کے متعلق ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟

❀ گیارھویں بات : اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اس سے مراد معصوم ہی ہے ؛ تو پھر بھی ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عصمت کی نفی پر اجماع کو تسلیم نہیں کرتے۔ جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ بیشک بہت سارے وہ لوگ جو کہ رافضہ سے درجہا بہتر ہیں ؛ وہ اپنے شیوخ کے متعلق بھی اسی قسم کے دعوے کرتے ہیں ؛ اگرچہ انہوں نے اس عبارت میں تھوڑی سی تبدیلی کردی ہے۔ ہم ان کی عصمت کو بھی باقی لوگوں سے عصمت کی نفی کے ساتھ تسلیم نہیں کرتے۔ اگر عصمت ہوگی تو سب کے لیے اور اگر اس کی نفی کی جائے گی تو سب سے نفی کی جائے گی۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چھتیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چھتیسویں دلیل یہ آیت قرآنی ہے:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ (البقرۃ:۴۳) ''تم رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت سرور کائنات ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، کیوں کہ ان دونوں نے سب سے پہلے نماز پڑھی اور رکوع کیا تھا۔'' یہ آپ کی فضیلت کی دلیل ہے؛ اور آپ کی امامت پر بھی دلالت کرتی ہے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]۔

**[جواب]**: اس کا جواب کئی امور پر مشتمل ہے:

- پہلی بات: ہم اس کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور نہ ہی اس نے اس روایت کی صحت پر کوئی دلیل ذکر کی ہے۔
- دوسری بات: اہل علم محدثین کا اس روایت کے جھوٹ ہونے پر اتفاق ہے۔
- تیسری بات: مزید براں یہ آیت سورت بقرہ میں ہے جو مدنی ہے؛ اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اس آیت کے سیاق و سباق میں بنی اسرائیل سے متعلق خطاب ہے، خواہ یہ خطاب براہ راست صرف بنی اسرائیل سے ہو یا بنی اسرائیل اور مسلمانوں دونوں سے ہو۔ یہ آیت ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ نزول آیت کے وقت تک رکوع کرنے والے بے شمار لوگ ہو گئے تھے۔ یہ شروع اسلام میں نازل ہونے والی سورت نہیں جو ہم کہہ سکیں کہ یہ ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے پہلے رکوع کیا اور پہلے نماز پڑھی۔
- چوتھی بات: ﴿مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ جمع کا صیغہ ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں مراد ہوتے تو یہ لفظ ﴿مَعَ الرَّاكِعِينِ﴾ تثنیہ کے وزن پر ہوتے۔ تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ جمع کے صیغہ سے صرف تثنیہ مراد نہیں لیا جا سکتا۔ بلکہ اس سے مراد تین یا اس سے زیادہ یا پھر دو سے زیادہ مراد ہونگے۔ جمع بول کر تثنیہ مراد لینا اجماع کے خلاف ہے۔
- پانچویں بات: اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا: ﴿اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾

''اے مریم تم اپنے رب کی اطاعت کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔''

حضرت مریم رضی اللہ عنہا اسلام سے پہلے گزر چکی ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ اسلام سے پہلے بھی رکوع کرنے والے تھے؛ جب کہ ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کہیں بھی نہیں تھے۔ تو پھر اسلام کے شروع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ رکوع کرنے والے کیوں نہیں ہو سکتے۔ جب کہ تثنیہ کا صیغہ ایک ہی ہے۔

- چھٹی بات: یہ آیت مطلق ہے؛ کسی متعین شخص کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ بلکہ مؤمن مرد کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد باجماعت نماز ادا کرنا ہے۔ اس لیے کہ رکوع کے حاصل کیے بغیر رکعت نہیں پائی جا سکتی۔
- ساتویں بات: نیز یہ کہ اگر نبی ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رکوع کرنا مراد ہوتا تو یہ حکم دونوں کی وفات کے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ساتھ ختم ہو جاتا۔ پھر کسی کو یہ حکم نہ دیا جاتا کہ وہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرے۔

❀ آٹھویں بات: شیعہ کا یہ کہنا کہ: سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ بلکہ اکثر علماء اس کے خلاف کہتے ہیں۔ علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ مل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے نماز ادا کی تھی۔

❀ نویں بات: اگرچہ یہ آپ ﷺ کے ساتھ رکوع کرنے کا حکم ہے؛ لیکن اس میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ جس نے آپ کے ساتھ مل کر رکوع کیا وہ امام بن جائے گا۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ امام نہیں بن گئے تھے' بلکہ آپ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سینتیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منصب امامت پر فائز ہونے کی سینتیسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ﴾ (طٰہ: ۲۹) ''اور میر گھر والوں میں سے میرا وزیر بنادے۔''

ابونعیم حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مکہ میں میرا اور علی کا ہاتھ پکڑا اور چار رکعت نماز ادا کی۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی:''اے اللہ! حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے بھی تجھ سے دعا کی تھی اور میں تیرا نبی محمد بھی تجھ سے دعا کرتا ہوں:''اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ لیں۔ اور میرے لیے میرے گھر والوں میں سے ایک وزیر بنا دے۔ میرے کنبہ میں سے علی رضی اللہ عنہ کو میرا وزیر مقرر کر دے اس کے ساتھ میری کمر کو مضبوط کر دے اور اسے میرے کام میں شریک کر دے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے ایک پکارنے والے کو سنا وہ پکارتا تھا:''اے احمد! آپ کی دعا قبول ہوئی۔'' یہ روایت اپنے باب میں نص صریح ہے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**[جواب]**: پہلی بات: ہم اس حدیث کی صحیح سند پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا۔

❀ دوسری بات: ہم کہتے ہیں: محدثین کے نزدیک بالاتفاق اس حدیث کا موضوع ہونا ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ بلکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ پر بدترین جھوٹ ہے۔

❀ تیسری بات: یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے؛ تو پہلے کا ایک عرصہ تو ابن عباس پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ ابن عباس کی پیدائش اس وقت ہوئی جب بنو ہاشم شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہجرت سے قبل مکہ میں ایک شیر خوار بچہ سے زیادہ نہ تھے۔ ابھی آپ اس قابل نہیں تھے کہ وضوء کرتے اور پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے۔ [پھر وہ اس واقعہ میں کیوں کر شریک ہو سکتے ہیں؟]۔

نبی کریم ﷺ کا انتقال ہوا تو ابن عباس ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے تھے۔ ہجرت کے وقت آپ کی زیادہ سے زیادہ عمر پانچ سال سے بھی کم تھی۔ ایسے بچے کو نہ ہی وضوء کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور نہ ہی نماز پڑھنے کا۔ نبی کریم ﷺ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نے فرمایا:

''اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کا حکم دو۔ اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے سزا دو۔ اور ان کے بستر علیحدہ علیحدہ کر دو۔'' [سنن أبي داؤد ۱/ ۱۹۳]

جو بچہ اس عمر کا ہو؛ وہ نماز کی سمجھ نہیں رکھتا؛ اور نہ ہی تلقین کے بغیر اس طرح کی دعا حفظ کر سکتا ہے۔ صرف ایک بار سن لینے کی وجہ سے ایسی چیزیں حفظ نہیں ہو جاتی۔

❀ چوتھی بات: انہوں نے اس سے پہلے اس آیت: ﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ﴾ [المائدة ۵۵] ''(مسلمانوں) تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اسکا رسول ہے۔'' کی تفسیر میں نماز میں انگوٹھی صدقہ کرنے کا واقعہ پیش کیا تھا؛ اس روایت میں بھی یہی تھا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔ اور یہاں پر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ دعا مکہ میں اس واقعہ سے کئی سال پہلے کی تھی۔ اس لیے کہ پہلی دعا سورت مائدہ کی تفسیر میں ہے۔ جو کہ مدینہ میں نازل ہونے والی آخری سورت ہے۔ جب کہ پھلا واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے۔ جب آپ نے یہ دعا مکہ میں کی تھی اور اسے شرف قبولیت بھی مل گیا تھا تو پھر اتنے سالوں بعد دوبارہ مدینہ طیبہ میں یہی دعا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ❀

❀ پانچویں بات: قبل ازیں ہم اس دعوی کے بطلان پر دلائل دے چکے ہیں۔ بلا شبہ یہ کلام کئی اعتبار سے رسول اللہ ﷺ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا گیا ہے۔ لیکن یہاں پر انہوں نے کچھ چیزیں ایسی زیادہ کی ہیں جو پچھلے گزری ہوئی دعا میں نہیں تھیں۔ یہاں پر انہوں نے دعا میں یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں: ''اسے میرے کام میں شریک کر دے۔'' یہ صراحت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کیساتھ اس کام میں شریک تھے۔ جیسے ہارون حضرت موسیٰ کیساتھ شریک تھے، یہ ان لوگوں کا قول ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی مانتے ہیں۔ یہ صریح کفر ہے؛ یہ امامیہ کا قول نہیں؛ بلکہ غالیہ کا قول ہے۔

کسی معاملہ میں شریک وہ نہیں ہوتا جو کہ بعد میں خلیفہ بنے۔ اس لیے کہ شیعہ آپ کے لیے نبی کریم ﷺ کے بعد امامت کے دعویدار ہیں۔ جب کہ اس کا مطلب آپ کے ساتھ زندگی میں آپ کے امور میں شراکت ہے۔ امامیہ اگرچہ نبوت میں آپ کے ساتھ کسی کی شراکت کا کہنے والوں کو کافر کہتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود اہل سنت والجماعت کی مخالفت؛ اولیاء اللہ سے بغض و عداوت اور ان کے بارے میں کافر اور مرتد ہونے کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے؛ انہی لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں جو کفر و گمراہی کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور انہوں نے اصل دین کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہ ان ہی گمراہوں اور کفار کے مقال و رجال میں اضافہ کرتے ہیں۔ گویا وہ اس مثل کے مصداق ہیں:

''رَمَتْنِیْ بِدَائِھَا وَانْسَلَّتْ۔'' ''وہ اپنی بیماری مجھ پر پھینک کر کھسک گئی۔''

---

❶ [اہل منطق کی اصطلاح میں اسے تحصیل حاصل کہتے ہیں؛ جو کہ عام انسان کے حق میں بھی ممنوع ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ حق میں اسے کیسے تصور کیا جا سکتا ہے۔ [دراوی کشمیری]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



❀ اس رافضی کذاب نے یہ دعوی کیا ہے کہ:''یہ روایت اس باب میں نص کا درجہ رکھتی ہے۔''

❀ تو اس رافضی شیطان سے پوچھا جائے گا: اے احمق انسان! کیا یہ نص اس بات پر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ کے امور میں آپ کی زندگانی میں شریک تھے؛ جیسے ہارون علیہ السلام موسی علیہ السلام کے ساتھ شریک تھے؛ کیا تم اس نص کے بموجب یہی عقیدہ رکھتے ہو؟ یا پھر تم بھی جھوٹی روایات اور باطل حکایات کا سہارا لیکر کوئی نئی چیز گڑھ رہے ہو؟

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اڑتیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اڑتیسویں دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

﴿ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقَابِلِیْنَ﴾ (الحجر:۴۷)

''وہ بھائی بھائی بنے ہوئے ایک دوسرے کے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔''

مسند احمد میں حضرت زید بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ میں مسجد نبوی میں پہنچ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس میں انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مواخات کا واقعہ بیان کیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میری روح چلی گئی؛ اور میری کمر ٹوٹ گئی؛ جب آپ نے اپنے اصحاب کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ بیشک یہ مجھ پر اللہ کی ناراضگی کے سبب سے ہے۔اور آپ کے لیے آخرت میں عزت و کرامت ہے۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کر مبعوث کیا! میں نے تجھے (حضرت علی رضی اللہ عنہ کو) اپنے لیے منتخب کیا ہے آپ کو مجھ سے وہی تعلق ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھا' البتہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں کیا جائے گا۔''

آپ میرے بھائی اور وارث ہیں آپ جنت کے محل میں میرے ہم راہ ہوں گے۔اور وہاں میری بیٹی فاطمہ بھی ہوگی۔تم میرے بھائی اور میرے دوست ہو، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:﴿اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقَابِلِیْنَ﴾ آپ کی وجہ سے محبت کرنے والے ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے۔مؤاخات مناسبت اور مجانست کو چاہتی ہے۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے مواخات (بھائی چارہ) کے لیے مختص کیا تھا۔لہٰذا آپ ہی امام ہوں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**[جواب]**:

❀ پہلی بات: ہم اس روایت کی صحیح سند پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت مسند احمد میں ذکر نہیں کی گئی۔اور نہ ہی امام احمد نے اسے روایت کیا ہے۔نہ ہی مسند میں اور نہ ہی الفضائل میں۔اور نہ ہی آپ کے بیٹے نے یہ روایت نقل کی ہے۔رافضی مصنف کا یہ کہنا کہ یہ روایت مسند اُحمد میں ہے' امام احمد بن حنبل پر ایک کھلا ہوا جھوٹ اور بہتان ہے۔بلکہ یہ روایت بھی القطیعی کے اضافات سے ہے جس میں باتفاق اہل علم جھوٹ اور موضوعات کی بھر مار ہے۔القطیعی نے اپنی سند سے زید بن ابی اوفی سے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



روایت کیا ہے۔

اس کی سند یوں ہے: عن عبدِ اللهِ بنِ محمدِ بنِ عبدِ العزیزِ البغوِی ، حدثنا حسین بن محمد الـذارِع ، حدثنا عبد المؤمِنِ بن عباد ، حدثنا یزِید بن معن ، عن عبدِ اللهِ بنِ شرحِبیل ، عن زیدِ بنِ أبِی أوفی۔"

نیز اس رافضی نے اس روایت کے پورے الفاظ بھی ذکر نہیں کیے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں جو رافضی نے قصداً حذف کردیے ہیں۔ جب آپ نے فرمایا: ''آپ میرے بھائی اور وارث ہیں'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ سے ورثہ پاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: ''وہی ورثہ جو انبیاء سابقین دوسروں کو دیا کرتے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا: پہلے کے انبیاء دوسروں کو کیا ورثہ دیتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا: ''کتاب اللہ اور سنت رسول۔''

یہ اسناد ظلم و جہالت پر مشتمل ہے۔ اس کے روایت کرنے میں عبدالمؤمن بن عباد راوی ہے جو کہ مجروحین میں سے ایک ہے۔ ابوحاتم نے اسے یزید بن معن سے روایت کرنے میں ضعیف قرار دیا ہے۔ اسے پتہ بھی نہیں تھا کہ یزید بن معن کون ہے۔ شائد کہ جس نے عبداللہ بن شرحبیل کی زبان پر اس روایت کو ایجاد کرلیا ہو وہ کوئی مجہول ہو۔ جو کہ قریش میں سے ایک آدمی سے روایت کرتا ہے؛ اور وہ آدمی زید بن ابی اوفی سے روایت کرتا ہے۔

❀ دوسری بات: یہ روایت باتفاق محدثین و اہل علم کذب ہے۔

❀ تیسری بات: مہاجرین و مہاجرین اور انصار و انصار کے مابین مؤاخات کی تمام روایات جھوٹ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مؤاخات قائم نہیں کی تھی؛ اور نہ ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عمر رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا تھا۔ یہ مواخات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے درمیان قائم نہیں کی تھی، بلکہ مہاجر و انصار کے درمیان تھی۔ جیسا کہ آپ نے عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ربیع کے مابین بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ اور حضرت سلیمان الفارسی اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہم اجمعین کے مابین بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ ایسے ہی حضرت علی اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کے مابین بھائی چارہ قائم کیا تھا۔

مؤاخات کا واقعہ بنی نجار کے محلے میں پیش آیا تھا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ مسجد نبوی میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا جیسے بعض جاہل لوگ موضوع روایت میں بیان کرتے ہیں۔ بلکہ یہ واقعہ بنی نجار کے محلے میں ان میں سے ایک آدمی کے گھر پر پیش آیا تھا۔ یہی وہ مؤاخات ہے جس کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ خبر دے رہے ہیں۔ عاصم بن سلیمان الاحول کہتے ہیں: میں نے انس سے کہا: میں آپ کو ایک بات بتانا چاہتا ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اسلام میں کوئی حلف [اتحاد] نہیں ہے۔'' تو حضرت انس نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



میں قریش اور انصار کے درمیان اتحاد (یعنی بھائی چارہ] قائم کیا تھا۔'' ❶

❀ چوتھی بات: اس روایت کے یہ الفاظ آپ میرے بھائی اور میرے وارث ہیں۔ درست نہیں۔ اہل سنت اور شیعہ کے قول کے مطابق یہ الفاظ باطل ہیں۔ کیونکہ اگر اس سے مالی وراثت مراد لی جائے تو ان کا یہ قول باطل ٹھہرے گا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی وارث ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ موجود تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ چچا زاد بھائی ہونے کی صورت میں کیوں کر وارث ہو سکتے تھے؟ پھر یہ کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اور بھی موجود تھے تو ان میں سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کس طرح وارث قرار پا سکتے تھے؟ جب کہ یہ سارے ایک ہی درجہ میں ہیں۔

اگر علمی وراثت یا امامت وخلافت مراد ہے تو شیعہ کا احتجاج آیت کریمہ: ﴿وَ وَرِثَ سُلَیۡمٰنُ دَاوٗدَ﴾ (النمل ۱۶)

''اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث بنے۔''

اور آیت: ﴿فَهَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِیًّا ۙ یَّرِثُنِیۡ وَ یَرِثُ مِنۡ اٰلِ یَعۡقُوۡبَ﴾ (مریم: ۶)

''مجھے اپنی طرف سے ایک وارث عطا کر جو میرا وارث اور آل یعقوب کا وارث بنے۔'' سے باطل ٹھہرا۔

جب لفظ وراثت میں دونوں چیزوں کا احتمال موجود ہے؛ تو ممکن ہے کہ ان انبیائے کرام علیہم السلام سے بھی ایسے ہی وراثت ملی ہو جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثت ملی۔

اہل سنت والجماعت یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علمی ورثہ عطا کیا تھا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیض سب صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے عام تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ستر سورتیں یاد کی تھیں۔ ❷

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ علم مال کی طرح کسی فرد بشر کے ساتھ مختص نہیں ہوتا بلکہ ایک کے حصہ میں جو ورثہ آتا ہے، دوسرا بھی اس سے فیض یاب ہوسکتا ہے۔ دونوں میں تزاحم وتصادم کا کوئی امکان نہیں۔ مال کا معاملہ اس سے یک سر مختلف ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ مال کی ایک ہی چیز دو آدمی برابر لے لیں۔

❀ پانچویں بات: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی بھائی کہا ہے۔ بخاری ومسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید سے کہا: ''آپ میرے بھائی اور مولیٰ ہیں۔'' ❸

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا تھا تو انہیں مخاطب کرکے فرمایا:

---

❶ رواہ البخاری ۳/ ۹۶؛ ومسلم ٤/ ۱۹۶۰

❷ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب القراء من اصحاب رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم (ح ۵۰۰۰)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عبد اللّٰه بن مسعود و امه رضی اللہ عنہما (حدیث:۲٤٦۲)

❸ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب کیف یکتب هذا ما صالح فلان......'' (حدیث: ۲٦۹۹)، مطولاً۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



''میں آپ کا بھائی ضرور ہوں مگر تمہاری بیٹی میرے لیے حلال ہے۔''❶

روایات صحیحہ میں آیا ہے کہ آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

''اسلامی برادری سب سے بہتر ہے۔''❷

احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: ''میری خواہش ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتا۔'' صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟'' فرمایا: نہیں، تم میرے صحابہ ہو، میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔ وہ بلا دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے۔❸

مراد یہ ہے کہ تمہارے ساتھ ایک بھائی چارے سے بھی بڑھ کر مخصوص چیز ہے یعنی صحبت۔ اور ان کے لیے صحبت کے بغیر بھائی چارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات:۱۰)

''بیشک سب مومن بھائی بھائی ہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( لا تقاطعوا ؛ولا تدابروا ، ولا تباغضوا ، ولا تحاسدوا ، وكونوا عباد اللّٰهِ إخوانا ))[متفق عليه]

''آپس میں قطع رحمی نہ کرو۔ اور نہ ہی آپس میں حسد کرو، اور نہ ہی بغض رکھو، اور نہ ہی ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرو، اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔''❹

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہوتا ہے؛ وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے ظالموں کے سپرد کرتا ہے۔''❺

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((والذي نفسي بيده ! لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه من الخير ما يحب لنفسه))۔[بخاری ۱۳]

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو

---

❶ صحيح بخاری ، كتاب النكاح ، باب تزويج الصغار من الكبار(حديث:۵۰۸۱)، یہ مکالمہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ہے۔ والله أعلم۔

❷ صحيح بخاری ، كتاب الصلاة ، باب الخوخة والممر فی المسجد (حديث: ۴۶۷ ، ۳۶۵۷)۔

❸ صحيح مسلم ، كتاب الطهارة ، باب استحباب اطالة الغرة(حديث:۲۴۹)۔

❹ صحيح بخاری ، كتاب الادب ، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر (حديث:۶۰۶۴)، صحيح مسلم ، كتاب البر والصلة باب تحريم الظن(حديث:۲۵۶۳)

❺ البخاری باب لا يظلم المسلم المسلم......"(ح:۲۴۴۲)، مسلم ، باب تحريم الظلم(ح:۲۵۸۰)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی خیر نہ پسند کرے جسے وہ اپنے نفس کے لیے پسند کرتا ہے۔''

یہ تمام احادیث اوراس طرح کی دیگر روایات صحاح ستہ میں پائی جاتی ہیں۔ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق مواخات کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بھائی چارہ قائم کرنے والوں میں کامل تماثل وتشابہ پایا جاتا ہے۔ بنابریں اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ نبی کریم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا تھا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سب سے افضل ہوں گے اورامام بھی۔''

جب یہ بات صحیح ثابت ہوگئی؛ تو پھر یہ کیوں کہا گیا کہ: اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مؤاخات والی حدیث اگر صحیح ثابت ہو جائے تواس کا مقتضی امامت اور افضلیت ہوتا ہے؟ حالانکہ مؤاخات مشترکہ ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سندوں کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو گہرا دوست بنانا چاہتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا؛ مگر تمہارا یہ ساتھی اللہ کا گہرا دوست ہے۔مسجد نبوی کی طرف کھلنے والی سب کھڑکیاں بند کردی جائیں مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کھلی رہے۔صحبت ورفاقت اورانفاق مال کے اعتبار سے ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے سب سے بڑے محسن ہیں۔''[1]

اس حدیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ان خصائص کا اثبات ہے جن میں کوئی دوسرا آپ کا سہیم وشریک نہیں۔اور یہ حدیث اس باب میں انتہائی صریح ہے کہ روئے زمین پر آپ سے زیادہ کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب نہیں تھا۔اور نہ ہی کسی کا مقام ومرتبہ آپ سے بلند تھا۔اور نہ ہی کسی کا درجہ آپ سے اونچا تھا۔اور نہ ہی کسی کو آپ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر خصوصیت کا شرف حاصل تھا۔

حدیث صحیح میں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تھا:

''اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سے کون آپ کو عزیز تر ہے؟ فرمایا:''عائشہ رضی اللہ عنہا۔''

پھر پوچھا گیا: مردوں میں سے کون عزیز تر ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا باپ یعنی حضرت ''ابوبکر رضی اللہ عنہ۔''

صحیحین میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا تھا:

''بلکہ آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم میں سب سے بہتر ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی سب سے زیادہ آپ کو چاہتے تھے۔''

یہ وہ احادیث ہیں جن کی صحت اور قبولیت پر اہل علم کا اتفاق ہے۔اہل علم میں سے کسی ایک نے بھی ان احادیث پر تنقید نہیں کی۔اس سے واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے چہیتے اور تمام لوگوں میں سے اونچی شان کے مالک تھے۔لیکن اس کے باوجود اگر مؤاخات کا درجہ اس سے کم ہے؛ تو بھی ان کا آپس میں کوئی تعارض نہیں۔

[1] البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لو کنت متخذا خلیلا" (ح۳۶۵۸)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (ح: ۲۳۸۲، ۶/ ۲۳۸۳)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اور اگر اس کا مرتبہ اس سے اعلی ہے ؛ تو یہ صحیح احادیث اس قسم کی مؤاخات کو جھٹلا رہی ہیں۔ہمیں اس تعارض کے بغیر بھی اس مؤاخات کی روایت کے جھوٹا ہونے کا علم تھا۔

یہاں پر یہ بتانا مقصود ہے کہ صحیح احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر محبوب تھے۔اور باقی لوگوں کی نسبت آپ کا مقام و مرتبہ بھی زیادہ تھا؛ اس کے شواہد بہت زیادہ ہیں۔

اسّی [۸۰] سے زیادہ افراد نے تواتر کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے [کوفہ کے منبر پر تقریر کرتے ہوئے] فرمایا:

''امت محمدی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ۔''[1]

یہی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شایان شان تھی کیونکہ آپ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حق کا باقی صحابہ سے زیادہ علم رکھتے تھے۔اور اسلام میں ان کی قدر و منزلت اور دین میں حسن تأثیر سے خوب شناسا تھے؛ یہاں تک کہ آپ تمنا فرمایا کرتے تھے کہ:

''وہ اللہ سے اس حال میں ملیں کہ ان کے اعمال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ہوں۔'' رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امام ترمذی اور دوسرے محدثین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''[یہ دونوں انبیا و مرسلین کے علاوہ] جنت کے تمام ادھیڑ عمر لوگوں کے سردار ہیں۔اے علی! تم انہیں اس کی خبر نہ دینا۔''[2]

اگر ان صحیح احادیث کا مقابلہ پرندے والی روایت؛ یا مؤاخات والی روایت سے کیا جائے تو بلا شک و شبہ یہ احادیث باتفاق مسلمین ان کی نسبت صحیح تر ہوں گی۔تو پھر جب ان کے ساتھ دوسری صحیح احادیث بھی ملادی جائیں جن کے صحیح ہونے میں کسی کو بھی شک نہیں؛ تو ان کا کیا کہنا۔کثرت کے ساتھ متعدد دلائل کی روشنی میں ان کا علم رکھنے والے کے لیے لازمی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں سے سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب؛ اور عمر و عثمان و علی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی نسبت سے افضل تھے۔جو بھی انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے احوال کی معرفت رکھتا ہوا سے ضرور اس بات کا اعتراف رہے گا۔مذکورہ صدر نصوص احادیث صحیحہ کے بارے میں وہی شخص شک و شبہ کا شکار ہو سکتا ہے جسے صحیح اور ضعیف میں کوئی تمیز نہ ہو؛ [یا جو جاہل ہو یا جس پر بدعت کا غلبہ ہو]۔وہ یا تو تمام احادیث کی تصدیق کرتا ہے یا پھر تمام احادیث میں توقف کرتا ہے۔

جب کہ محدثین اور فقہاء بہت اچھی طرح سے [یہ بات] جانتے ہیں؛ ان کو بھی چھوڑیے؛ اس میں کوئی شک نہیں کہ امت کا ہر ایک سچا عالم و عابد اور زاہد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تقدیم دینے میں یک زبان ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، حوالہ سابق، (حدیث:۳۶۶۲)، صحیح مسلم، حوالہ سابق، (حدیث: ۲۳۸٤)۔

[2] جامع ترمذی:ج۲: ح ۱۶۳۱ ؛ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''صحابہ وتابعین میں سے کسی نے بھی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو افضل الصحابہ قرار دینے میں اختلاف نہیں کیا۔''[1]

ایسے ہی دیگر علماء اسلام نے بھی اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔ جیسا کہ حضرت امام مالک اور ان کے اصحاب، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام احمد اور ان کے اصحاب، ثوری اور ان کے اصحاب، لیث اور ان کے اصحاب، اوزاعی اور ان کے اصحاب، اسحاق اور ان کے اصحاب، داؤد اور ان کے اصحاب اور ابن جریر اور ان کے اصحاب؛ ابوثور اور ان کے اصحاب اور دیگر تمام مشہور ائمہ سلف و خلف رحمہم اللہ سب یہی نظریہ رکھتے ہیں۔ اگر کسی نے اختلاف کیا بھی ہوگا تو کوئی ایسا ہوگا جس کے قول کی دو ٹکے کی اہمیت نہ ہوگی؛ اور نہ ہی کوئی اس کی بات سنتا و مانتا ہوگا۔

ہمیں اس بارے میں اہل فتوی میں سے کسی ایک کا بھی اختلاف معلوم نہیں ہوسکا۔ سوائے حسن بن صالح بن حیّ کے ؛ان کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آپ پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ اگر یہ بات صحیح بھی ثابت ہوجائے؛ تب بھی امام شافعی رحمہ اللہ کے نقل کردہ اجماع پر کوئی قدح وارد نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ حسن بن صالح نہ ہی صحابہ میں سے تھے اور نہ ہی تابعین میں سے۔ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقدیم پر اجماع نقل کیا ہے۔ اگر حسن بن صالح نے ایسی کوئی بات کہی بھی ہوگی تو لاکھوں ائمہ میں سے کسی ایک کا غلطی کر جانا کوئی اچھوتی بات نہیں ہے۔

روافض میں کوئی ایسا عالم نہیں ہے جو علوم اسلامیہ میں سے کسی چیز میں امام ہو، نہ ہی علم حدیث میں نہ فقہ میں؛ نہ تفسیر میں؛ نہ ہی قرآن میں۔ بلکہ رافضیوں کے مشائخ یا تو بالکل جاہل ہوتے ہیں یا پھر زندیق ہوتے ہیں جیسے اہل کتاب کے مشائخ۔

سابقین اولین ائمہ اہل سنت والحدیث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تقدیم دینے پر متفق ہیں۔ ان کا یہ اجماع و اتفاق کسی رغبت یا لالچ کی وجہ سے یا کسی خوف و ڈر کی بنا پر نہ تھا۔ حالانکہ ان حضرات کی آراء و افکار اور مقاصد و علوم مختلف تھے؛ اور دوسرے علم مسائل میں ان کے مابین کثرت کے ساتھ اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود صحابہ اور تابعین میں ائمہ اس نظریہ وعقیدہ پر متفق ہیں۔ پھر ان کے بعد حضرت امام مالک بن انس؛ اور ابن ابی ذئب؛ اور عبد العزیز بن الماجشون اور دوسرے علماء مدینہ طیبہ کا اس پر اتفاق ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے مشائخ و اساتذہ سے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر اجماع نقل کیا اور فرمایا کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ ابن جریج؛ سعد بن سالم؛ مسلم بن خالد زنجی؛ ابن عیینہ اور علماء مکہ رحمہم اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ علاوہ ازیں امام ابوحنیفہ، ثوری؛ شریک بن عبد اللہ؛ ابن ابی لیلی؛ اور دیگر علماء بصرہ اور شیعہ کے مرکز کوفہ کے

[1] مناقب الشافعي للبيهقي ١/ ٤٣٤۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



علماء رحمہم اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ یہاں تک کہ امام ثوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

’’ جو کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے ؛ میں نہیں سمجھتا کہ اس کا کوئی عمل اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوتا ہوگا۔‘‘ [1]

مزید برآں حماد بن زید؛ حماد بن سلمہ؛ سعید بن ابی عروبہ؛ اوران کے امثال علماء بصرہ؛ اوزاعی ؛ سعید بن عبدالعزیز جیسے علماء شام ؛ اور مصری علماء میں سے عمر بن حارث ولیث بن سعد وابن وہب ؛ پھر ان کے بعد عبداللہ بن مبارک ؛ وکیع ابن الجراح ؛ عبدالرحمن بن مہدی ؛ ابو یوسف ؛ محمد بن الحسن ؛ اور امام شافعی ؛ احمد بن حنبل ؛ اسحاق بن ابراہیم ؛ ابی عبید ؛ امام بخاری ؛ ابو داؤد ؛ ابراہیم الحربی ؛ اور فضیل بن عیاض ؛ ابوسلیمان الدارانی ؛ معروف الکرخی ؛ سری السقطی ؛ جنید ؛ سہیل بن عبداللہ التستری ؛ اور لا تعداد علماء رحمہم اللہ جن کی صحیح تعداد اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا؛ اسلام میں جن کی سچائیوں کے چرچے ہیں ؛ یہ تمام حضرات حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی تقدیم و فضیلت کا دوٹوک اور قطعی عقیدہ رکھتے تھے۔ اوران دونوں اصحاب کو ائمہ برحق مانتے تھے۔ ان حضرات کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور سنت پر عمل کی مشکورانہ کوششیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کو پتہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تقدیم بخشتے تھے۔ اور محبت وثناء اور مشاورت میں ان کو فضیلت دیتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی فضیلت کے کئی اسباب تھے۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انتالیسویں دلیل:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ’’ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انتالیسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾ (الاعراف:۱۷۲)

’’ اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اوران سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں۔ تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔‘‘

کتاب الفردوس میں حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کے لقب سے کب ملقب کیا گیا تھا تو ان کی فضیلت کا انکار نہ کرتے۔ آپ اس وقت اس لقب سے نوازے گئے تھے؛ جب آدم کی تخلیق ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾

’’فرشتوں نے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہارا رب ہوں۔ محمد تمہارے نبی ہیں اور

[1] سنن ابی داؤد ٤/ ٢٨٨۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com



علی تمہارے امیر ہیں۔ یہ روایت اظہار مدعا میں بالکل صریح ہے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]۔

**جواب:** اس کا جواب کئی طرح سے دیا جاسکتا ہے:

پہلی وجہ:...... اس روایت کی صحیح سند پیش کرو۔ تمام محدثین کا اجماع ہے کہ صرف صاحب فردوس کا کسی روایت کو ذکر کر لینا حدیث کے صحیح ہونے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ ابن شیرویہ الدیلمی الہمذانی نے اپنی اس کتاب میں بہت ساری صحیح احادیث بھی نقل کی ہیں، حسن بھی اور موضوع بھی۔ یہ انسان اگرچہ اہل علم میں سے اور دیندار آدمی تھا۔ اور ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو جان بوجھ کر جھوٹ گھڑ لیتے ہیں۔ لیکن اس نے وہ روایات نقل کرلی ہیں جو لوگوں کی کتابوں میں موجود تھیں۔ کتابوں میں سچ اور جھوٹ ہر طرح کی باتیں ہوتی ہیں۔ تو اس نے بھی ویسے ہی کیا جیسے بہت سارے دوسرے لوگ احادیث جمع کرتے وقت کیا کرتے ہیں۔ یا تو سند کے ساتھ روایت ذکر کرتے ہیں یا پھر سند کو حذف کر دیتے ہیں۔

دوسری وجہ:...... یہ روایت سب محدثین کے نزدیک جھوٹی ہے۔ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

تیسری وجہ:...... قرآن کریم کی ذکر کردہ آیت میں صرف یہ الفاظ ہیں: ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی﴾ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ کہنے لگے: کیوں نہیں [ضرور آپ ہمارے رب ہیں]۔'' اس میں نہ ہی کسی نبی کا ذکر ہے؛ اور نہ ہی کسی امیر کا۔ بلکہ اس سے اگلی آیت میں ہے:

﴿اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ کُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنْ بَعْدِہِمْ﴾

''یا یہ کہو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا ہی نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ایک نسل تھے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت صرف خاص طور پر میثاق توحید پر مشتمل ہے۔ اس میں میثاق نبوت کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا، باقی اس سے کم درجہ امور تو الگ رہے۔

چوتھی وجہ:...... اس میثاق بارے میں احادیث بڑی معروف ہیں۔ جو کہ مسند، سنن؛ موطأ اور کتب تفسیر وغیرہ میں منقول ہیں۔ ان میں ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی گئی۔ اگر اس بات کی کوئی حقیقت ہوتی تو پھر سارے لوگ اس کے بیان کرنے کو ترک نہ کرتے؛ بلکہ کوئی نہ کوئی ضرور اسے ذکر کرتا۔ جب کہ یہاں ایک ایسا مصنف اسے ذکر کر رہا ہے جس کی سچائی کا کوئی پتہ ہی نہیں، بلکہ اس کا جھوٹا ہونا معروف ہے۔

پانچویں وجہ:...... علاوہ ازیں چونکہ یہ عہد سب لوگوں سے لیا گیا تھا۔ لہٰذا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جملہ انبیاء از نوح تا محمد علیہ السلام کے بھی امیر ہیں؛ ظاہر ہے کہ یہ ایک احمقانہ بات ہے۔ اس لیے کہ یہ انبیاء علیہم السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے پہلے وفات پا چکے تھے، ان کے امیر کیوں کر قرار پا سکتے تھے؟ زیادہ سے زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اہل زمانہ کے امیر ہو سکتے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے لوگوں کے بھی امیر تھے اور ان لوگوں کے بھی جو آپ کے بعد پیدا ہوئے تو کوئی شخص بقائمی ہوش وحواس اس کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی اسے ایسی بے ڈھنگ باتیں

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کرتے ہوئے کوئی حیاء آتی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ یہ احمق رافضی گدھا عقلاءِ یہود کے گدھے سے بھی گیا گزرا ہے جن کے متعلق قرآن نے فرمایا تھا:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ (الجمعة ۵)

''جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔''

عام لوگ اپنے اس کلام میں معذور ہیں کہ: رافضی یہودیوں کا گدھا ہے۔اس لیے کہ ایک یہود کے اہل خرد و دانش سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ شیعہ کے یہ دلائل عقلاً وشرعاً بے کار ہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی نے کہا ہے: ان پر ان کے نیچے سے چھت گر گئی۔ [ کیا چھت بھی کبھی نیچے سے گرتی ہے؟] ایسے لوگوں کو نہ ہی عقل کام آتی ہے اور نہ ہی قرآن۔ یہی حال ان کے اس عقیدہ کا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام اولاد آدم کے امیر ہیں۔آپ تو حضرت آدم علیہ السلام کی موت کے ہزاروں سال بعد پیدا ہوئے۔اور آپ کا گزرے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام پر امیر ہونا؛ جو کہ آپ سے مقام و مرتبہ اور زمانے کے لحاظ سے متقدم ہیں؛ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ملحد صوفی ابن عربی الطائی اور اس کے امثال کا یہ قول ہے کہ:

''انبیاء کرام معرفت الٰہی کا علم خاتم الاولیاء کے سینے سے اخذ کیا کرتے تھے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سو سال کی مدت بعد پیدا ہوا تھا۔'' (ابن عربی اپنی کتاب ''الفصوص'' میں لکھتے ہیں کہ میں خاتم الاولیاء ہوں)

ابن عربی کے ہم نوا اولیاء کے بارے میں اسی طرح غلوّ سے کام لیتے ہیں، جیسے شیعہ اماموں کے بارے میں۔ یہ دونوں دعوے جھوٹ؛ غلو؛ شرک اور باطل پروپیگنڈے کی بنیاد پر قائم کیے گئے ہیں۔اور یہ دعوے کتاب وسنت اور اجماع سلف امت سے ٹکراتے ہیں۔

حیرت بالائے حیرت ہے کہ شیعہ مصنف ایسے دلائل کو ''صریح فی الباب'' قرار دیتا ہے۔ بھلا ایسے دلائل کو کوئی عقلمند شخص تسلیم کرسکتا ہے؟ یا ایسی باتوں سے کوئی بھی دانش مند انسان دلیل اخذ کرسکتا ہے؟ چہ جائے کہ اس کو بنیاد بنا کر امت کے بہترین لوگوں کو فاسق و فاجر قرار دیا جائے۔اور انہیں کافر و جاہل اور گمراہ کہا جائے؟

اگر چہ ایسے دعووں کی بنیاد پر یہ سرکش ظالم اولیاء اللہ پر ظلم و تعدی نہ بھی کرتا ہو؛ اور اہل ارض کے سادات کو برا بھلا نہ بھی کہتا ہو؛ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے معزز و مکرم مخلوق پر اور دین پر قدح نہ بھی کرتا ہو؛ اور کافروں کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کی کوشش نہ بھی کرتا ہو تب بھی کیا یہ کم جرم ہے کہ ایسی باتوں سے وہ عام سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں اسلام اور اہل اسلام کے متعلق شکوک و شبہات ڈال رہا ہے۔ہمیں ایسے اسرار کے حقائق معلوم کرنے اور ایسے رازوں سے پردہ اٹھانے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اس انسان اور اس جیسے دوسرے لوگوں کے لیے کافی ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



## امامت علی رضی اللہ عنہ کی چالیسویں دلیل:

**[اشکال]:** شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چالیسویں دلیل یہ آیت ہے:

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (التحریم: ۴)

''پس یقیناً اس کا کارساز اللہ ہے اور جبرائیل ہیں اور نیک ایماندار۔''

مفسرین کا اجماع ہے کہ ''صالح المومنین'' سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ ابونعیم حضرت اسماء بنت عمیس سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے سنا: ﴿وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾، آپ نے فرمایا۔ نیک ایماندار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس خصوصیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ افضل ہیں لہٰذا آپ ہی امام ہوں گے۔'' اس معنی میں اور بھی بہت ساری آیات وارد ہوئی ہیں۔ ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اختصار کے پیش نظر ہے۔ [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

جواب: پہلی بات:...... اس کا جواب یہ ہے کہ اس ضمن میں اس اجماع کا دعویٰ افترا پر مبنی ہے کہ ''تمام مفسرین کا ایماندار [مؤمن] سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مراد ہونے پر اتفاق ہے'' یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ نہ ہی اس تفسیر پر کوئی اجماع ہے اور نہ ہی کسی مفسر یا محدث نے ایسا کوئی اجماع نقل کیا ہے۔ ہم شیعہ سے اس منقول کی صحیح سند کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ اجماع کس نے نقل کیا ہے؟

دوسری بات:...... حقیقت یہ ہے کہ اس روایت پر اجماع تو کجا کتب تفسیر میں اس کے برعکس مذکور ہے، چنانچہ مجاہد اور دیگر علماء اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ مراد لیتے ہیں۔ مفسرین کی ایک جماعت نے ایسے ہی نقل کیا ہے۔ جیسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔ [اس کے علاوہ بھی اس کی کئی ایک تفاسیر ہیں:

۱۔ اس سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ مکحول نے ابوامامہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔

۲۔ اس سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ سعید بن جبیر اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

۳۔ اس سے مراد نیکوکار مؤمنین ہیں۔ یہ ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

۴۔ بعض علماء اس سے انبیاء مراد لیتے ہیں۔ یہ قتادہ؛ زیاد بن علاء اور سفیان رحمہم اللہ کا قول ہے۔

۵۔ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ یہ حکایت ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے' اور اس قول کے کہنے والے کا نام نہیں لیا' شائد اس کا کہنے والا کوئی شیعہ ہوگا۔

تیسری بات:...... اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں یہ حدیث یقیناً جھوٹ ہے۔ مصنف نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر کوئی دلیل ذکر نہیں کی۔ صرف ابونعیم کا روایت کر لینا حدیث کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

چوتھی بات:...... مزید براں ''وصالح المؤمنین'' کے الفاظ عام ہیں؛ بخاری و مسلم میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''فلاں گھر والے میرے دوست نہیں ہیں ۔ میرا دوست صرف اللہ تعالیٰ اور نیکو کار مومن ہیں ۔'' ❶

پانچویں بات:...... مذکورہ صدر آیت میں نیک نہاد اہل ایمان کو رسول اللہ کا ''مولیٰ'' قرار دیا گیا ہے۔ جیسے یہ خبر بھی دی ہے کہ اللہ بھی ان کا مولی ہے۔ ظاہر ہے کہ مولیٰ سے موالی مراد ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی نیک دل مومن ہوگا وہ نبی کریم ﷺ کا قطعی طور پر موالی (دوست) ہوگا، اگر وہ آپ سے دوستی نہ لگاتا ہوتو وہ صالح مومنین میں سے نہیں ہوسکتا۔ ایسے ہی کبھی کوئی مؤمن دوستی تو رکھتا ہے؛ مگر وہ کامل نیکو کار نہیں ہوتا' اسی وجہ سے اس کی دوستی کامل نہیں ہوتی۔اس کے برعکس جو کوئی کامل ایمان والا نیک انسان ہوتا ہے اس کی دوستی بھی کامل و مکمل ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ایمان دار انسان اس چیز سے محبت کرتا ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ محبت کرتے ہیں ۔ اور اس چیز سے بغض رکھتا ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ بغض رکھتے ہیں ۔ وہ ہر اس چیز کا حکم دیتا ہے جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے' اور ہر اس چیز سے منع کرتا ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے۔ دوستی کا تقاضا یہی ہے ۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

''عبداللہ بہترین نیک انسان ہے اگر یہ رات کو نماز [تہجد] بھی پڑھتا ۔'' اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے تہجد کی نماز کبھی بھی نہیں چھوڑی ۔'' ❷

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

''یہ تمہارے نیکوکار مردوں میں سے ہے' اسکے ساتھ بہترین خیر خواہی کا سلوک کیا کرو۔'' ❸

شیعہ کا یہ قول کہ ''وَالْآیَاتُ فِیْ هٰذَا الْمَعْنٰی کَثِیْرَۃٌ۔'' ''اس معنی میں بہت ساری آیات ہیں ۔''

**جواب** : ہم کہتے ہیں کہ شیعہ کے دلائل اسی طرح متروک روایات' کمزور اور بودے ہوں گے جس طرح ان کے ذکر کردہ دلائل بے کار ہیں ۔ جو کچھ اس نے ذکر کیا ہے' وہ ان کے ہاں مذہب کے دلائل کا خلاصہ ہے۔ آخر جھوٹ کی کیا کمی ہے؟ یہ دروازہ تو کبھی بند نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا مقابلہ کرنے والے لوگ [نواصب اور مروانیہ] بھی جو ان سے بن سکتا تھا' وہ اس طرح کے جھوٹ گھڑ لیتے تھے۔ مگر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر پھینک مارتا ہے اور وہ مغلوب ہوکر دب جاتا ہے۔ اور جھوٹ بولنے والوں کے لیے ان کے جھوٹ پر ہلاکت اور تباہی ہے ۔

**[اشکال]**: شیعہ کا قول: [اس آیت سے] مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں ۔''

**[جواب]**: اگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا جائے کہ اس سے مراد ابوبکر یا عمر یا عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں ؛ تو ان کے قول کی نسبت یہ قول تفسیر سے کچھ دور نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ قول ان کے قول پر راجح ہوگا۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب تبل الرحم ببلالها(ح:۵۹۹۰)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب موالاۃ المومنین(ح:۲۱۵)۔

❷ البخاری۹/ ۴۰؛ مسلم ٤/ ۱۹۲۸ ❸ مسلم ٤/ ۱۸۸٤

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اگر شیعہ اعتراض کریں کہ: ہمارے قول کے برعکس اس طرح کی تفسیر کسی نے نہیں کی ؟ تو اس کا جواب دو طرح سے ہے:

پہلی وجہ:......[ آپ کی تفسیر بھی ] ممنوع ہے۔ بلکہ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی گزرے ہیں' جو اس آیت سے اور اس طرح کی بعض دوسری آیات سے خاص ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو مراد لیتے ہیں۔

دوسری وجہ:......کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس آیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک کو خاص کر دیا گیا ہے۔ جب کہ کسی دوسرے کے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی اور کو اس آیت کی تفسیر کے ساتھ خاص کر دیں۔ تو یہ دونوں دلائل ایک ہی جنس سے ہوں گے۔ یہ بات شیعہ کی دلیل کے فاسد ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اگرچہ اس طرح کی بات پہلے کسی نے نہ بھی کہی ہو۔ اس لیے کہ جب کوئی انسان جھوٹ بولتا ہے تو کسی دوسرے کے لیے اس جیسے جھوٹ کے ساتھ مقابلہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔ تو اس دلیل کا توڑ اس جیسی ہی دلیل سے ہوسکتا ہے۔ تو پھر اس صورت میں واجب ہوتا ہے یا تو دونوں کی تصدیق کی جائے یا پھر دونوں کی تکذیب کی جائے۔

قاسم بن زکریا کی حکایت مشہور ہے؛ وہ عباد بن یعقوب اسدی رافضی کے پاس گیا۔[وہ کہتا ہے] اس [رافضی] نے مجھ سے کہا: ''دریا کس نے کھودا؟''

میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے۔''

اس نے کہا: ''تم سچ کہتے ہو، مگر یہ بتاؤ دریا کس نے کھودا؟''

میں نے کہا: پھر آپ ہی ارشاد فرمائیں۔''

عباد نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھودا تھا۔''

پھر اس نے پوچھا: ''دریا کو کس نے جاری کیا؟''

میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے۔''

تم سچ کہتے ہو، مگر یہ بتاؤ دریا کس نے جاری کیا تھا؟''

میں نے کہا: آپ ہی فرمائیں۔

عباد نے کہا: ''حسین نے جاری کیا۔''

[[عباد نابینا تھا۔ جب میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو؛ میں نے اس کے پاس ایک تلوار اور ڈھال دیکھی تو پوچھا یہ کس کی ہے؟ عباد کہنے لگا: میں نے مہدی کے ساتھ لڑنے کے لیے یہ تلوار رکھی ہے۔ میں اس کی باتیں سن کر فارغ ہوا اور]] جب جانے کے ارادہ سے کھڑا ہونا چاہا تو اس نے پھر پوچھا: ''دریا کس نے کھودا؟''

میں نے کہا: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے۔''

پھر اس نے پوچھا اس میں پانی کس نے جاری کیا: میں نے کہا: یزید نے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اس پر وہ بہت غصہ ہوا اور کھڑا ہو گیا۔''❶

قاسم کی غرض یہ تھی کہ وہ بھی اس پر ایسی ہی بات سے ردّ کرے جیسی بات وہ کہہ رہا ہے۔ جبکہ تم اس بات کو ناپسند کرتے ہو اور اس کو رد کرتے ہو؛ پس جس دلیل سے یہ قول رد ہو گا' اس سے آپ کی دلیل بھی رد ہو جائے گی۔ ایسے ہی یہی حال رافضیوں اور قرامطہ کی ان تاویلات کا ہے جو لوگوں کی زبان پر ہیں؛ جیسے ان کا یہ قول:

﴿ فَقَاتِلُوٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ﴾ [التوبۃ ۱۲]

''پس کفر کے ائمہ کو قتل کرو۔''

[اس سے مراد] طلحہ وزبیر؛ ابوبکر و عمر اور معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ اس کے مقابلہ میں خوارج کا قول ہے جو کہتے ہیں: اس سے مراد حضرت علی' حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ یہ دونوں تفسیریں باطل ہیں۔ یہاں پر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ جھوٹی دلیل کے مقابلہ میں ایسی ہی جھوٹی دلیل لے آتے ہیں۔ اور جس دلیل سے اس قسم کی تفسیر کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے وہ دونوں کے لیے عام ہے۔ اس سے ان تمام دلائل کا باطل ہونا ثابت ہوا۔

❀❀❀❀

❶ [[ حافظ ذہبی فرماتے ہیں یہ حکایت صحیح ہے، اسے ابن مظفر نے قاسم سے روایت کیا ہے۔ محمد بن جریر کہتے ہیں، میں نے عباد بن یعقوب کو یہ کہتے سنا۔ جو نماز میں ہر روز اعداء اہل بیت پر تبرا نہ بھیجے اس کا حشر انہی کے ساتھ ہو گا]]۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



باب سوم :......تیسرا منہج :

# امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر احادیث نبویہ سے استدلال

**[سلسلہ اشکالات]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے:''تیسرے باب میں ان احادیث نبویہ سے استدلال کیا جائے گا جو کہ مستند ہیں ؛اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہیں ۔ان دلائل کی تعداد بارہ ہے:

ا۔پہلی حدیث: ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جو سب لوگوں نے بیان کی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ ''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے'' نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بنی عبدالمطلب کو ابو طالب کے گھر میں جمع کیا۔[ان میں دو عورتیں اور] چالیس مرد تھے ۔آپ نے ان کے لیے بھیڑ کی ایک ٹانگ ایک مٹھی بھر جو کے ساتھ پکانے اور ایک صاع دودھ تیار کرنے کا حکم دیا۔[کھانا پکایا گیا]۔ان میں سے ایک آدمی ایک وقت میں ایک بکرا کھا سکتا تھا؛اور اسی مجلس میں ایک مشک پانی کی بھی پی سکتا تھا[یہ کھاؤ پیو آدمی تھے]۔ان تمام لوگوں نے یہ تھوڑا سا کھانے کھایا اور اس سے سیر ہو گئے ۔اور انھیں پتہ نہ چل سکا کہ انھوں نے کیا کھایا ہے؛ آپ کی اس اعجاز نمائی سے ان پر واضح ہو گیا کہ آپ سچے نبی ہیں ۔آپ نے فرمایا: اے بنی عبدالمطلب ! یوں تو مجھے اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کی طرف مبعوث کیا ہے،مگر خاص طور سے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے۔اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور فرمایا ہے: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ ''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے ۔''

میں تمھیں دو ہلکے پھلکے کلمات کی طرف دعوت دیتا ہوں ۔جن کا زبان پر جاری کرنا بڑا آسان ہے اور جو میزان اعمال میں بڑے بوجھل ہوں گے ۔تم ان دونوں کلمات کی برکت سے عرب و عجم کے مالک بن جاؤ گے اور جملہ اقوام عالم تمہارے زیر نگیں ہو جائیں گی ۔ان کلمات کی بنا پر تم جنت میں جاؤ گے اور جہنم سے رہائی پاؤ گے ۔وہ کلمات یہ ہیں:

((اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ . ))

جو شخص میری اس دعوت کو قبول کرے گا اور میری مدد کرے گا وہ میرا بھائی میرا وصّی میرا وزیر اور میرے بعد میرا خلیفہ اور وارث ہو گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سن کر باقی لوگوں میں سے کسی ایک نے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ جب کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ! میں اس کے لیے تیار ہوں ۔ میں اس مسئلہ میں آپ کی مدد کروں گا ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:'' بیٹھ جاؤ۔'' آپ نے اس قوم میں پھر یہی اعلان دھرایا ؛ مگر تمام لوگ خاموش رہے ۔حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : میں دوبارہ کھڑا ہو گیا؛ اور وہی پہلے والی بات دھرائی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جایئے۔ آپ نے پھر تیسری بار لوگوں میں یہی اعلان کیا۔مگر لوگ خاموش رہے ۔ان میں سے کسی ایک نے اپنی زبان سے ایک کلمہ تک نہ کہا۔ میں کھڑا ہو گیا اور عرض کی : اے اللہ کے رسول ! میں اس مسئلہ میں آپ کی مدد کروں گا۔آپ نے فرمایا:

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



بیٹھ جائیے ! تم ہی میرے بھائی اور میرے وزیر ہو؛ اور میرے وصی اور وارث ہو۔ لوگ کھڑے ہوگئے اور وہ ابو طالب سے کہہ رہے تھے: تمہیں مبارک ہو' کہ آج تم اپنے بھتیجے کے دین میں داخل ہوگئے؛ اور اس نے تمہارے بیٹے کو تم پر امیر بنادیا۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جوابات]:** اس [اشکال ] کا جواب کئی نکات پر مشتمل ہے:

**اول** :......ہم شیعہ سے مذکورہ بالا روایت کی صحت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ شیعہ مصنف کا دعوی کرنا کہ یہ روایت تمام اہل علم نے روایت کی ہے ؛ صریح اور کھلا ہوا کذب اور دروغ گوئی ہے۔ اہل اسلام حدیث نقل کرنے میں جن کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں؛ ان میں اس طرح کی کوئی روایت موجود نہیں ۔ یہ روایت نہ ہی صحاح میں ہے اور نہ ہی سنن میں ؛ نہ ہی مغازی میں ؛ اور نہ ہی ان تفسیر کی کتابوں میں جن میں سند ذکر کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے؛ اور نہ ہی مسانید میں ۔ ہاں اگر بعض ان کتابوں میں ہو جن میں [بغیر کسی تمیز کے ] صحیح اور ضعیف ہر قسم کی روایات جمع کردی جاتی ہیں؛ جیسے ثعلبی؛ واحدی؛ اور بغوی وغیرہ؛ تو یہ ایک علیحدہ بات ہے۔ بلکہ ابن جریر اور ابن حاتم رحمہم اللہ بھی اگر کوئی روایت نقل کریں تو صرف ان کے نقل کرنے سے روایت قابل حجت نہیں ہو جاتی ؛ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ اس لیے کہ جب یہ بات معلوم ہے کہ روایات میں صحیح بھی ہوتی ہیں اور ضعیف بھی؛ تو پھر یہ بیان کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ یہ روایت صحیح احادیث میں سے ہے؛ ضعیف میں سے نہیں۔

اس حدیث کی انتہائی غایت یہ ہے کہ یہ روایت تفسیر کی بعض ان کتابوں میں پائی جاتی ہے جن میں صحیح اور سقیم ہر طرح کی روایات موجود ہیں۔ ان میں بہت ساری من گھڑت اور جھوٹی روایات پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ جن کتب تفسیر میں یہ روایت پائی جاتی ہے جیسا کہ: تفسیر ابن جریر؛ تفسیر ابن ابی حاتم؛ تفسیر ثعلبی اور تفسیر بغوی؛ ان کتابوں میں صحیح اسناد کے ساتھ دوسری ایسی روایات بھی موجود ہیں جو کہ اس روایت کے متناقض ہیں۔ مثال کے طور پر جن مفسرین نے یہ روایت اسباب نزول میں ذکر کی ہے؛ انہوں نے صحیح اسناد کے ساتھ دوسری صحیح اور ثابت شدہ روایات ایسی روایات بھی ذکر کی ہیں جن کی صحت پر اہل علم کا اتفاق ہے؛ اور وہ اس روایت کے متناقض ہیں۔ لیکن یہ روایت مفسرین نے اپنی ان اس عادت کے مطابق نقل کی ہے کہ وہ اسباب میں نزول میں ذکر کردہ تمام روایات نقل کردیتے ہیں؛ خواہ وہ روایات صحیح ہوں یا ضعیف۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ایک مفسر کسی ایک آیت کی شان نزول میں کئی ایک اقوال ذکر کرتا ہے۔ تاکہ اس بارے میں لوگوں کے اقوال اور منقولات کا ذکر ہو جائے؛ اگرچہ ان میں سے بعض اقوال صحیح ہوں اور بعض جھوٹ ہوں۔ اور جب کوئی -اس رافضی مصنف کی طرح - تمام تفسیری منقولات میں سے اس طرح کی ضعیف روایت سے استدلال کرتا ہے؛ اور اس کے متناقض تمام تر روایات کو چھوڑ دیتا ہے؛ تو تمام دلائل میں سے اس کی یہ دلیل انتہائی بودی اور بیکار ہوتی ہے۔ جیسا کہ کوئی انسان اپنے حق میں ایسے گواہ کی گواہی پیش کرے جس کا عادل ہونا ثابت ہی نہیں ہو۔ بلکہ اس پر جرح ثابت ہو؛ اور بہت سارے عادل گواہوں کی گواہی اس کے خلاف ہو۔ وہ ایسی گواہی دیتے ہوں جو اس گواہی کو جڑوں سے اکھاڑ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



پھینکتی ہو۔ یا پھر ایسے راوی کی روایت سے حجت پیش کرے جس کی عدالت ثابت ہی نہ ہو؛ بلکہ اس پر جرح ثابت ہو؛ اور بہت سارے راوی اس روایت کے خلاف روایت کرتے ہوں۔

بلکہ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ یہ حدیث ثقہ اور عادل راویوں کی روایت ہے؛ اور دوسرے ثقہ اور عادل راویوں نے اس کے خلاف روایت کیا ہے؛ تو اس صورت میں واجب ہو جاتا ہے کہ ان دونوں روایات میں گہری نظر سے غور وفکر کیا جائے ؛ ان میں سے کون سی روایت زیادہ ثابت اور راجح ہے۔اور جب ان دونوں روایات کے متناقض ہونے پر ماہرین نقل اہل علم کا اتفاق ہے ؛ تو پھر اس صحیح حدیث کے بارے میں ان کا تعامل/طریقہ کار کیا تھا جبکہ یہ حدیث اس دوسری حدیث کے متناقض ہے جس کا صحیح ہونا تواتر کے ساتھ معلوم ہے اور بہت سارے ائمہ تفسیر نے اس روایت کو صرف اس لیے ذکر نہیں کیا کہ وہ اس روایت کا باطل ہونا/غلط ہونا جانتے تھے۔

**دوم**:...... ہم اس روایت کو قبول کرنے کے لیے دو شرطوں کے ساتھ راضی ہیں:

پہلی شرط:...... یہ روایت ایسی سند کے ساتھ ذکر کی جائے جو اہل علم کے ہاں اختلافی مسائل میں قابل حجت ہو؛ بھلے وہ کوئی فروعی مسئلہ ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری شرط:...... یا پھر محدثین میں سے کسی ایسے محدث کا قول ہو جن کی تصحیح پر لوگ اعتماد کرتے ہوں۔

اس لیے کہ اگر دو فقیہ فروعات میں سے کسی ایک فروع میں باہم جھگڑ پڑیں؛ تو مناظرہ میں حجت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک وہ ایسی صحیح حدیث پیش نہ کر دے جس سے حجت قائم ہو سکتی ہو۔ یہ وہ اس قول کو صحیح قرار دے جو اس کی طرف لوٹایا جا رہا ہے۔اس کے برعکس اگر اس روایت کی سند ہی معلوم نہ ہو۔اور ائمہ محدثین سے اس حدیث کا منقول ہونا ثابت ہی نہ ہو؛ تو پھر یہ حدیث کیسے معلوم کی جا سکتی ہے؟ پھر خاص کر ان اصولی مسائل میں [اس روایت پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے ] جن میں جمہورِ امت اور سلف صالحین پر طعن کیا جاتا ہو؟ اور ان کے ذریعہ سے ملت کے قواعد کو منہدم کرنے تک کا وسیلہ اختیار کیا جاتا ہو۔[غور کیجیے ] ایسی روایت جس کی سند ثابت نہ ہو؛ ائمہ ومحدثین نے اسے نقل نہ کیا ہو؛ اور کسی ایک عالم نے بھی اسے صحیح نہ کہا ہو تو پھر ایسی روایت کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے؟

**سوم**:...... یہ روایت اہل علم اور محدثین کے نزدیک من گھڑت اور جھوٹ ہے۔کوئی بھی محدث ایسا نہیں ہے جسے حدیث کے بارے میں علم ہو اور وہ اس روایت کے من گھڑت ہونے کو نہ جانتا ہو۔یہی وجہ ہے کہ اس روایت کو کسی بھی اہل علم نے ایسی کسی کتاب میں روایت نہیں کیا جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہو۔اس لیے کہ ادنی علم رکھنے والا انسان بھی جانتا ہے کہ یہ روایت موضوع اور جھوٹ ہے ۔اس روایت کو ابن جریر اور بغوی نے اپنی اپنی اسناد سے نقل تو کیا ہے' مگر اس کی سند میں عبدالغفار بن قاسم بن فہد؛ ابو مریم الکوفی نامی راوی ہیں ؛ اس کی روایت کے مردود ہونے پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔

سماک بن حرب اور ابو داؤد رحمہما اللہ نے اسے جھوٹا کہا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نا قابل اعتماد انسان ہے۔ عام طور پر اس کی روایات اباطیل پر مشتمل ہوتی ہیں۔

یحی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نا قابل ذکر انسان ہے۔

علی المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اپنی طرف سے احادیث گھڑا کرتا تھا۔

امام نسائی اور ابو حاتم رحمہما اللہ فرماتے ہیں: اس کی حدیث قبول نہیں کی جاتی [متروک الحدیث ہے]۔

ابن حبان البستی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عبد الغفار بن قاسم اتنی شراب پیا کرتا تھا کہ مست ہوجاتا [یعنی نشہ میں سرشار رہتا تھا]؛ اور اس کے ساتھ ہی احادیث میں اپنی طرف سے تبدیلیاں کیا کرتا تھا۔ اس کی روایات سے استدلال کرنا جائز نہیں۔ اسے امام احمد اور یحی بن معین نے ترک کیا ہے۔''

اس روایت کو ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔ اس کی سند میں عبد اللہ بن عبد القدوس ہے۔ یہ راوی بھی نا قابل اعتماد ہے۔

امام یحیٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نا قابل اعتماد ہے؛ یہ خبیث انسان رافضی تھا۔

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کچھ بھی نہیں ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ضعیف راوی ہے۔''

ثعلبی کی ذکر کردہ سند اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ اس لیے کہ اس سند میں ایسے راوی بھی پائے جاتے ہیں جن کے بارے میں سرے سے کوئی خبر ہی نہیں۔ اور ان ضعیف راویوں کے علاوہ ایسے راوی بھی ہیں جن پر جھوٹ بولنے کی تہمت ہے۔ ❶

**چہارم**:......بنی عبد المطلب کی تعداد نزول آیت کے وقت چالیس نہ تھی۔ اس لیے کہ یہ آیت بعثت کے ابتدائی ایام میں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ نیز آپ ﷺ کی زندگی میں بھی وہ [بنو عبد المطلب] اس تعداد کو نہ پہنچ سکے۔ علماء کرام کا اتفاق ہے کہ بنو عبد المطلب کی تمام اولاد صرف ان چار حضرات: عباس و ابو طالب و حارث و ابولہب میں سے تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے چچاؤں میں سے نبوت کا زمانہ صرف چار نے پایا۔ عباس؛ حمزہ؛ ابو طالب؛ ابولہب۔ ان میں سے دو ایمان لائے یعنی حضرت عباس اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما؛ اور دو اس نعمت سے محروم رہے۔ ان میں سے ایک ابو طالب؛ جس نے رسول اللہ ﷺ کی مدد و نصرت کی۔ جب کہ دوسرے نے آپ سے دشمنی کی؛ اور آپ کے خلاف دشمنوں کی مدد کرتا رہا؛ یعنی ابولہب۔

آپ کے چچا اور چچازادوں کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے:

ابوطالب کے چار بیٹے تھے۔ علی، جعفر، عقیل، طالب۔ آخر الذکر نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا تھا۔ جب کہ حضرت

❶ [اب غور کیجیے: شیعہ کا یہ قول کس حد تک صحیح ہے کہ'' یہ روایت سب لوگوں نے بیان کی ہے'' بہ خلاف ازیں یہ موضوع و من گھڑت روایت ہے]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



علی اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما نے شروع کے ایام میں ہی اسلام قبول کرلیا تھا۔ اور جعفر رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی؛ جہاں سے آپ غزوہ خیبر کے موقع پر واپس تشریف لائے۔ جب کہ عقیل باقی بنی ہاشم کے ہجرت کر جانے کے بعد ان کے مال واسباب پر قابض ہوگئے تھے۔ ان کا انتظام وانصرام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ سے کہا گیا کہ کیا کل آپ اپنے گھر تشریف لے جائیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا عقیل نے ہمارے لیے [کوئی] گھر چھوڑا بھی ہے؟''[1]

جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سبھی بچے ابھی شیر خوار تھے [یا پیدا ہی نہیں ہوئے تھے]۔ اس لیے اس وقت میں مکہ مکرمہ میں ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں تھا۔ اور اگر مان لیجیے کہ یہ لوگ موجود بھی تھے تو تب بھی یہ حضرات عبداللہ؛ عبیداللہ اور فضل تھے۔ اس لیے کہ قُثم بن عباس کی پیدائش بعد میں ہوئی ہے۔ ان بھائیوں میں سب سے بڑے حضرت فضل رضی اللہ عنہ ہیں ۔ اور ان ہی کے نام پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت بھی رکھی گئی تھی۔ جب کہ عبداللہ کی پیدائش شعب ابی طالب میں اس آیت کے نزول کے بعد ہوئی ہے: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ ''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔''

ہجرت کے وقت ان کی عمر بمشکل تین یا چار سال تھی۔ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارک میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاں صرف فضل؛ عبداللہ اور عبیداللہ پیدا ہوئے تھے۔ باقی ساری اولاد نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی ہے۔

جب کہ حارث اور ابولہب کے بیٹوں کی تعداد کم تھی۔ حارث کے دو بیٹے تھے: ابوسفیان، ربیعہ۔ ان دونوں نے بہت بعد میں اسلام قبول کیا۔ ان کا شمار فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے والوں میں ہوتا ہے۔

ایسے ہی ابولہب کے بیٹوں نے بھی فتحِ مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔ ابولہب کے بھی تین بیٹے تھے۔ ان میں سے دو نے اسلام قبول کیا تھا؛ عتبہ اور مغیث نے۔ جب کہ عتیبہ پر رسول اللہ ﷺ نے بددعا کی تھی کہ اسے کتا کھا جائے۔ تو اسے بلادِ شام میں ''زرقاء'' کے علاقہ میں ایک درندے نے پھاڑ ڈالا تھا۔ اور وہ حالت کفر میں مردار ہوا۔[2]

تمام بنو عبدالمطلب کی تفصیل ہے جو کہ اس وقت میں چوبیس تک پہنچتے تھے۔ تو پھر چالیس کیسے ہوگئے؟

**پنجم** :......شیعہ کا یہ قول کہ ''[بنو ہاشم بڑے پیٹو تھے] ان میں سے ایک آدمی پورا بکرا کھا جاتا اور لسی کا پورا مشکیزہ پی جاتا۔'' یہ ان لوگوں پر صاف جھوٹ ہے۔ بنو ہاشم بسیار خوری کے مرض کا شکار نہ تھے بلکہ ان میں ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جو پورا بکرا کھا لیتا ہو اور ایک مشکیزہ [دودھ یا لسی] پی لیتا ہو۔

---

[1] البخاری ۲/ ۱۴۷: کتاب الحج، باب توریثِ دورِ مکة وبیعها وشرائها، والحدیث فِی مسلِم 2/984؛ کتاب الحجِ، باب النزولِ بِمکة لِلحاجِ وتوریثِ دورِها، سننِ ابنِ ماجه 2/912؛ کتاب الفرائِضِ، باب مِیراثِ أهلِ الإِسلامِ مِن أهلِ الشِرك ۔

[2] کتاب الفصولِ فِی اختِصارِ سِیرةِ الرسولِ لِابنِ کثِیر، والحدیث رواه الحاکِم وابن ِسحاق مِن طرق صحِیح مسند، انظر نسِیم الرِیاضِ شرحِ کتابِ الشِفاءِ 3/126 ولم أجِدِ الحدیث فِی سِیرةِ ابنِ هِشام وهو فِی المستدرکِ لِلحاکِمِ 2/539؛ فِی تفسِیرِ سورةِ أبِی لهب۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



**ششم** :......[اس روایت کے الفاظ رکیک ہیں، جن کی بنا پر دل اس کے باطل ہونے کی شہادت دیتا ہے]۔اس میں مذکور ہے کہ آپ نے پوری جماعت [چالیس آدمیوں] کو یہ پیش کش کی تھی کہ جو کوئی میری اس دعوت کو قبول کرے گا اور اس کی دعوت و تبلیغ میں میری مدد کرے گا وہ میرا بھائی اور میرا وزیر؛ میرا وصی اور میرے بعد میرا خلیفہ ہوگا۔'' [فرض کیجیے کہ اگر وہ سب آدمی اس دعوت کو قبول کر لیتے تو ان میں سے خلیفہ کون قرار پاتا؟]

یہ روایت نبی کریم ﷺ پر محض ایک جھوٹ باندھا گیا ہے۔ایسی روایات کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔اور نہ ہی صرف کلمہ طیبہ کا اقرار کرنے اور مددگار بننے سے کوئی خلیفہ بننے کا مستحق ہوجاتا ہے۔اس لیے کہ تمام وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کیا انہوں نے اس کلمہ کا اقرار کیا اور پھر اس کی اشاعت و تبلیغ کی خاطر قربانیاں دیں۔اور اس کی خاطر اپنی جانوں اور اموال کا نذرانہ پیش کیا۔اپنا گھر بار چھوڑا؛ اپنے سگے بھائیوں [اور رشتہ داروں] سے دشمنی مول لی؛ اور جدائی و ہجر کے صدموں پر صبر کیا۔غلبہ و عزت کے بعد اس کلمہ کی خاطر ذلت برداشت کی۔ مالدار ہونے کے باوجود تنگ دستی اور غربت کو برداشت کیا۔ وسعتوں کے بعد تنگی و پریشانی کو قبول کیا۔اس بارے میں ان حضرات کرام کے واقعات بڑے ہی مشہور و معروف ہیں۔مگر اس کے باوجود ان میں سے کوئی آپ کا خلیفہ بننے کا دعویدار نہ ہوا۔

نیز یہ بھی ہے کہ فرض کیجیے: اگر وہ سب آدمی یا ان کی ایک بڑی اکثریت اس دعوت کو قبول کر لیتے تو ان میں سے خلیفہ کون قرار پاتا؟ کیا بغیر کسی سبب [و موجب] کے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کیا جاسکتا تھا؟ یا پھر ان تمام کو ایک ہی وقت میں خلفاء مقرر کردیا جاتا؟ اس لیے کہ وصیت و خلافت اور بھائی چارگی اور مدد تو ایک انتہائی آسان کام کے ساتھ مشروط کی گئی ہے یعنی شہادتین کا اقرار کرنا؛ اور اس کلمہ کی بنیاد پر نصرت و تعاون کرنا۔

کوئی بھی مؤمن ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ پر؛ اس کے رسول پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو؛ مگر اس کا اس کلمہ طیبہ میں وافر حصہ موجود ہوتا ہے؛ اور جس کے لیے کلمہ طیبہ میں کوئی حصہ نہیں وہ منافق ہے۔[جب معاملہ ایسے ہی ہے] تو پھر اس قسم کے کلام کو نبی کریم ﷺ کی طرف کیوں کر منسوب کیا جاسکتا ہے؟

**ہفتم** :......حضرت حمزۃ؛ عبیدۃ بن حارث اور جعفر رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح اسلام قبول کیا تھا؛ انہوں نے شہادتین کا اقرار کیا اور اس کلمہ طیبہ کی نشر و اشاعت میں معاون و مددگار بنے۔ان کا شمار بھی ان سابقین اولین میں ہوتا ہے جو شروع شروع میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔ بلکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس وقت اسلام لائے جب اہل ایمان کی تعداد چالیس کو بھی نہیں پہنچ پائی تھی۔اس وقت نبی کریم ﷺ دار ارقم بن ارقم میں بیٹھا کرتے تھے۔اور وہیں پر اپنے صحابہ کرام کے ساتھ جمع ہوتے۔ نبی کریم ﷺ اور سارے بنو عبدالمطلب ایک ہی گھر میں جمع نہیں ہوا کرتے تھے۔اس لیے کہ ابولہب نبی کریم ﷺ سے بہت زیادہ دشمنی کیا کرتا تھا۔جب شعب ابی طالب میں بنو ہاشم کا محاصرہ کیا گیا تو ابولہب ان لوگوں کے ساتھ اس گھاٹی میں داخل نہیں ہوا تھا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



**ہشتم**:...... یہ کہ بخاری و مسلم میں اس آیت کی شان نزول کچھ اور بیان ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے اس سے اس کی تردید ہوتی ہے، فرماتے ہیں:

''جب آیت کریمہ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو جمع کر کے ان سے اجتماعی اور انفرادی طور پر بات چیت کی۔ آپ نے فرمایا:

''اے بنی کعب بن لوئی! اپنی جانیں دوزخ سے بچالو۔

اے بنو مرہ بن کعب! اپنی جانیں دوزخ سے بچالو۔

اے بنی عبد شمس! اپنی جانیں دوزخ سے بچالو۔

اے بنو عبد مناف! اپنی جانیں دوزخ سے بچالو۔

اے بنو ہاشم! اپنی جانیں دوزخ سے بچالو۔

اے بنی عبدالمطلب! اپنی جان دوزخ سے بچالو۔

اے فاطمہ بنت محمد! اپنی جان دوزخ سے بچالے۔ میں تم سے عذاب الٰہی کو روک نہیں سکوں گا تاہم قرابت داری کا حق ادا کرتا رہوں گا۔''❶

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب زیر تبصرہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا:

''اے گروہ قریش! اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے بچالو میں تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکوں گا۔ اے بنی عبد المطلب! میں تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکوں گا۔ اے میری پھوپھی صفیہ! میں تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکوں گا۔ اور اے میری بیٹی فاطمہ! تم میرا مال جتنا چاہو لے لو، میں تمھیں عذاب الٰہی سے نہیں چھڑا سکوں گا۔''❷

امام مسلم نے یہ روایت ابن المخارق اور زہیر بن عمرو کی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے۔ اس میں ہے کہ آپ نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر یہ اعلان فرمایا۔ اور قبیصہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔''❸

حدیث قبیصہ میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کے سب سے بلند پتھر پر کھڑے ہوئے اور پھر آواز دی اے عبد مناف کے بیٹو! میں تمہیں عذاب سے ڈرا رہا ہوں۔'' میری اور تمہاری مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے دشمن کو

❶ صحيح بخاری، كتاب التفسير، سورة الشعراء، (حديث:٤٧٧١)، صحيح مسلم، كتاب الايمان۔ باب فی قوله تعالى ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (حديث:٢٠٤)، واللفظ له.

❷ البخاری، كتاب الوصايا، باب هل يدخل النساء والولد فی الاقارب (ح: ٢٧٥٣)، مسلم، كتاب الايمان باب فی قوله تعالى ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (ح:٢٠٦)۔

❸ مسلم، كتاب الايمان۔ باب فی قوله تعالى ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (ح:٢٠٥)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



دیکھا ہو اور وہ دشمن سے اپنے گھر والوں کو بچانے کی لیے دوڑ پڑا ہو؛ اور اس ڈر سے کہ کہیں دشمن اس سے پہلے نہ پہنچ جائے اس نے بلند آواز سے پکارا: ''یا صباحاہ۔'' [خبر دار آگاہ ہو جاؤ دشمن سے؛ یعنی اللہ کا عذاب آ رہا ہے]۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی [[اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور اپنی قوم کے مخلص لوگوں کو بھی ڈرائیے]] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر چڑھے اور بلند آواز کے ساتھ فرمایا: ''یا صباحاہ'' سنو آگاہ ہو جاؤ۔''

لوگوں نے کہا کہ یہ کون آواز لگا رہا ہے؟ تو سب کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آواز لگا رہے ہیں۔

تو سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے فلاں کے بیٹو! اے عبد مناف کے بیٹو! اے عبد المطلب کے بیٹو!

اور ایک روایت میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے عدی کے بیٹو! اے فہر کے بیٹو! اے فلاں کے بیٹو! قریش کی مختلف شاخوں کے نام لیے۔ تو ایسے ہوا کہ جو آدمی خود حاضر نہیں ہو سکتا تھا تو اس نے معاملہ کی چھان بین کے لیے اپنی جگہ آدمی بھیجا۔ جب وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک گھڑ سوار لشکر؛ تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟

تو سب لوگوں نے کہا کہ: ''ہم نے تو کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا نہیں پایا۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہیں بہت سخت عذاب سے ڈرا رہا ہوں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابولہب نے کہا کہ:

(تبا لك أما جمعتنا إلا لِهذا؟)

تمہارے لیے تباہی ہو کیا تم نے ہمیں صرف اس بات کے لیے جمع کیا تھا۔ تو اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی:

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ [المسد: ۱]

''ٹوٹ گئے ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ خود بھی ہلاک ہو جائے۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ جب قریش آپ کے پاس جمع ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن صبح و شام کسی بھی وقت تم پر حملہ کرنے والا ہے؛ تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟

تو سب لوگوں نے کہا کہ: ''کیوں نہیں ضرور۔'' [1]

---

[1] البخاری کتاب التفسیر ؛ سورت سبأ ؛ کتاب التفسیر سورة تبت یدا أبي لهب و تب

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث مفسرین اور مصنفین کی ایک جماعت نے فضائل کی کتابوں میں نقل کی جائے؛ جیسا کہ ثعلبی اور بغوی اوران کے امثال اورمغازلی وغیرہ۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: ان حضرات کا صرف کسی حکایت کو روایت کر لینا حدیث کے ثبوت کو واجب نہیں کرسکتا؛ اس پر حدیث کا علم رکھنے والے تمام حضرات کا اتفاق ہے۔اس لیے کہ باتفاق اہل علم ان حضرات کی کتابوں میں موضوع روایات تک پائی جاتی ہیں۔یعنی ان کے موضوع اور من گھڑت ہونے پر اہل علم حضرات کا اتفاق ہے۔اور بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے یقینی سمعی اور عقلی دلائل کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھوٹ اور من گھڑت روایات ہیں۔صرف یہی نہیں ؛ بلکہ ان کا جھوٹ ہونا اضطراری طور پر معلوم ہوتا ہے۔

ثعلبی اوراس کے امثال جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتے۔ بلکہ ان میں اتنی خیر و دین داری ضرور ہے جو انہیں ایسی بھونڈی حرکت سے باز رکھ سکے۔لیکن یہ حضرات جو کچھ دوسری کتابوں میں پاتے ہیں اسے نقل کر دیتے ہیں۔اوران میں سے کسی ایک کو بھی احادیث کی اسانید میں ایسی مہارت نہیں ہے جیسی مہارت ائمہ حدیث جیسے : شعبہ؛ یحیٰی بن سعید القطان؛عبدالرحمٰن بن مہدی؛ أحمد بن حنبل؛ وعلی بن المدینی ، ویحی بن معین ، واسحاق ، ومحمد بن یحی الذہلی ، البخاری ، مسلم ، وأبو داود ، والنسائی ، وابو حاتم ؛وابو زرعہ الرازیین ، وابوعبد اللہ بن مندہ ، اور دارقطنی اور ان کے امثال و ہمنوا دوسرے محدثین کرام؛ جو کہ حدیث کے امام اور نقاد حکام ہیں۔اوروہ محافظین دین ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ کے احوال کی مکمل معرفت اورمعلومات ہیں؛ اوران لوگوں کے احوال سے بھی آگاہ ہیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ کا علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین اور تبع تابعین سے اور ان کے بعد آنے والے اس علم کے نقل کرنے والوں سے یہ علم وراثت میں پایا۔

علوم الحدیث والآثار نقل کرنے والے رجال کے احوال کی معرفت حاصل کرنے ان کے متعلق بہت ساری کتابیں تحریر کی گئی ہیں ؛ جن میں ان تمام حضرات کے نام ؛ اوران کے حالات و واقعات ہیں اوران لوگوں کے احوال بھی ہیں جن سے انہوں نے یہ علم حاصل کیا ہے؛ اور پھر آگے ان حضرات سے جن لوگوں نے اس علم کو دوسروں تک نقل کیا ہے۔ مثال کے طور پر''کتاب العلل وأسماء الرجال۔''

عن یحی القطان ؛ ابن المدینی اوراحمد اورابن معین اور بخاری اور مسلم ؛ ابوزرعہ اورابو حاتم اورنسائی ؛ ترمذی ؛ أحمد بن عدی؛ ابن حبان؛ ابوالفتح الازدی؛ دارقطنی اور دوسرے حضرات ۔[انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے]۔

تفسیر ثعلبی میں موضوع احادیث بھی ہیں اور صحیح احادیث بھی۔موضوع احادیث میں سے وہ روایات بھی ہیں جو انہوں نے ہر ایک سورت کے فضل میں نقل کی ہیں۔

ایسے ہی یہ روایات زمخشری اور واحدی نے بھی نقل کی ہیں۔ حالانکہ ان کے موضوع اور من گھڑت ہونے پر ائمہ حدیث کا اتفاق ہے۔ایسے ان کے علاوہ دیگر روایات بھی ہیں[ جن کا یہی حال ہے]۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



ایسے ہی واحدی کا حال بھی ہے؛ وہ ثعلبی کا شاگرد ہے۔ اور بغوی نے اپنی تفسیر ثعلبی اور واحدی کی تفاسیر سے مختصر کی ہے۔ یہ دونوں حضرات بغوی رحمہ اللہ کی نسبت اقوال مفسرین کے زیادہ ماہر ہیں۔ واحدی عربی زبان کا ان دونوں سے بڑا ماہر ہے۔ اور بغوی رحمہ اللہ کے ہاں ان دونوں کی نسبت سنت کی اتباع زیادہ پائی جاتی ہے۔

لیکن کسی انسان/ عالم کا ان جمہور میں سے ہونا جو خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ واجب نہیں کرتا کہ جو بات بھی وہ روایت کرتا ہے؛ وہ صرف سچ ہی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ کسی کے شیعہ ہونے سے یہ واجب نہیں ہو جاتا کہ اس نے جو بھی روایت کیا ہے؛ وہ سب جھوٹ ہے۔ بلکہ اس کے لیے اعتبار میزان عدل ہے۔

لوگوں نے اصول و احکام؛ اور زہد و فضائل میں بہت ساری احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹی گھڑ رکھی ہیں۔ اور بہت ساری احادیث خلفائے اربعہ اور حضرت امیر معاویہ ۔رضی اللہ عنہم اجمعین۔ کے فضائل میں اپنی طرف سے گھڑ رکھی ہیں۔

بعض لوگوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس باب میں جو کچھ بھی اس میں سے صحیح اور ضعیف کا فرق کیے بغیر روایت کر لیا جائے۔ جیسا کہ فضائل خلفاء میں ابو نعیم نے کیا ہے۔ اور یہی حال ان دوسرے مصنفین کا بھی ہے جنہوں نے فضائل میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔ مثال کے طور پر جو کچھ ابو الفتح بن ابو الفوارس نے اور ابو علی الاہوازی نے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں جمع کر رکھا ہے۔ اور جیسا کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں جمع کیا ہے؛ اور ایسی ہی ابو القاسم ابن عساکر نے جو کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کے فضائل میں جمع کیا ہے۔ ان حضرات کا مقصد یہ تھا کہ جو کچھ انہوں نے سنا ہے؛ اس سب کو نقل کر دیا جائے قطع نظر اس بات کے کہ اس میں سے کیا صحیح ہے اور کیا ضعیف۔ پس ان حضرات میں سے کسی ایک کے روایت نقل کرنے کی وجہ اس کے سچا ہونے کی تصدیق کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے؛ اس پر تمام اہل حضرات کا اتفاق ہے۔

جو کوئی مصنفین اصول یا فقہ میں یا زہد و رقائق میں میں بغیر سند کے حدیث ذکر کرتے ہیں؛ تو یہ حضرات ان کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ دوسری کئی ایسی احادیث بیان نہیں کرتے جو کہ صحیح سند سے ثابت ہیں۔ اور ان میں سے بہت سارے حضرات ضعیف اور موضوع روایات تک نقل کرتے ہیں۔ جیسا کہ رقائق اور رائے کے علاوہ دوسری کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

## فصل:...... [امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثبات میں دوسری حدیث یہ ہے کہ جب آیت کریمہ ﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (المائدہ:۶۷) ''اے رسول جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے' اسے آگے پہنچا دیجیے۔'' نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے مجمع عام میں اعلان فرمایا: ''اے لوگو! کیا میں تمھیں تمہاری جانوں کی نسبت زیادہ قریب نہیں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں [ضرور آپ ہمیں اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں] آپ نے فرمایا ''جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہیں۔اے اللہ! جو علی سے دوستی رکھے،اس سے دوستی رکھ اور جو علی سے عداوت رکھتا ہو اس سے عداوت رکھ، جو اس کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو اسے تنہا چھوڑ دے تو بھی اسے تنہا چھوڑ دے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''بڑی خوشی کی بات ہے آپ (حضرت علی) میرے اور سب مومن مردوں اور عورتوں کے مولیٰ ہیں۔''

سابقہ تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر مولی سے مراد تصرف میں اولویت [یعنی اولیت] رکھنے والا ہے۔کیونکہ اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا تھا: کیا میں تمھیں تمہاری جانوں کی نسبت زیادہ قریب نہیں؟''[انتہی کلام الرافضی]

**جواب**:ہم قبل ازیں یہ واضح کر چکے ہیں کہ یہ روایت محض جھوٹ ہے۔اس لے کہ یہ آیت کریمہ ﴿بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ حجۃ الوداع سے بہت عرصہ پہلے نازل ہوئی ہے۔جب کہ غدیر خم کا واقعہ حجۃ الوداع سے واپس آتے ہوئے ۱۸ ذوالحجہ کو پیش آیا۔اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً اڑھائی ماہ کا عرصہ حیات رہے۔اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ سورت مائدہ کی آخر میں نازل ہونے والی آیت:﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾ ہے۔یہ آیت نو ذوالحجہ کو عرفات کے موقع پر نازل ہوئی۔اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میدان عرفات میں وقوف کیے ہوئے تھے۔جیسا کہ صحاح اور سنن میں یہ روایت ثابت ہے۔اور تمام اہل علم مفسرین و محدثین کا اس پر اتفاق ہے۔

غدیر خم کا واقعہ اس آیت کے نزول کے نو دن بعد مدینہ واپس جاتے ہوئے راستہ میں پیش آیا۔تو پھر کیسے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت اس مذکورہ بالا آیت ﴿بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ اس کے بعد نازل ہوئی؟ اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت [اس آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ ....﴾ سے] بہت پہلے نازل ہوئی ہے۔بلکہ یہ مدینہ طیبہ میں شروع شروع کے ایام میں نازل ہونے والی آیات میں سے ایک ہے۔اس لیے کہ یہ سورت مائدہ کی آیت ہے جس میں شراب کے حرام ہونے کا بھی حکم ہے۔اور شراب کی حرمت غزوہ احد کے بعد ہوئی ہے۔ایسے ہی اس سورت میں اہل کتاب کے مابین حکم اور فیصلہ کرنے کا بیان ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾[المائدۃ ۴۲]

''اگر وہ آپ کے پاس حاضر ہوں تو ان کے مابین فیصلہ کیجیے؛ یا پھر ان سے منہ موڑ لیجیے۔''

یہ آیت یا تو اس وقت نازل ہوئی جب دو یہودیوں کو [زنا کے جرم میں] رجم کیا گیا تھا؛ یا پھر بنو قریظہ اور بنو نضیر میں خون کے جھگڑے کے بارے میں نازل ہوئی۔

یہودیوں کے رجم کا واقعہ مدینہ طیبہ کے شروع شروع کے ایام میں پیش آیا۔ایسے ہی بنی نضیر اور بنو قریظہ کا واقعہ بھی شروع ایام مدینہ کا ہے۔اس لیے کہ بنو نضیر کو غزوہ خندق سے قبل جلا وطن کر دیا گیا تھا؛ اور بنو قریظہ کو غزوہ خندق کے بعد قتل کر دیا گیا۔اور اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ غزوہ خندق کا واقعہ صلح حدیبیہ اور غزوہ خیبر سے پہلے پیش آیا تھا۔یہ تمام تر واقعات فتح مکہ اور غزوہ حنین سے پہلے کے ہیں۔اور غزوہ حنین اور فتح مکہ حجۃ الوداع سے پہلے ہے؛ اور حجۃ الوداع

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



غدیر خم سے پہلے ہے۔ پس اب جو کوئی انسان کہے کہ سورت مائدہ کی کوئی آیت غدیر خم کے بارے میں نازل ہوئی ہے' تو ایسا انسان باتفاق اہل علم جھوٹا اور دروغ گو ہے۔

ایسے ہی اس آیت کے سیاق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:[1]

﴿یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [المائدۃ ۶۷]

''اے رسول! پہنچا دیجیے جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تبلیغ رسالت پر لوگوں کے شر سے محفوظ رکھنے کی ضمانت دی ہے؛ تا کہ آپ دشمنوں کے خطرات سے پر امن ہو کر اپنا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے قبل رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو محافظین ہٹا لیے گئے۔''[2]

یہ واقعہ یقینی طور پر فریضہ تبلیغ کے مکمل ہونے سے پہلے کا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر تبلیغ کا فریضہ مکمل ہو گیا تھا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان فرمایا تھا:

''اے لوگو! کیا میں نے تم تک اللہ تعالیٰ کا دین پہنچا دیا؟ کیا میں نے رسالت کا حق ادا کر دیا؟

تو سب لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا: ہاں۔

پھر آپ نے فرمایا: اے اللہ! اس پر گواہ رہنا۔ اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ؛ اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ان میں سے ایک چیز ہے' اللہ تعالیٰ کی کتاب۔ اے لوگو! تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا پس تم اس کا کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے عرض کیا: ''ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا' اور اس کی امانت ادا کر دی اور امت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔'' پس رسول اللہ ﷺ اپنی انگشت شہادت کو کبھی آسمان کی طرف اٹھاتے اور پھر کبھی زمین کی طرف موڑ لیتے اور فرماتے: ''اے اللہ گواہ رہنا ؛ اے اللہ گواہ رہنا۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب زیادۃ الایمان ونقصانه (حدیث:٤٥)، صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب فی تفسیر آیات متفرقة، (حدیث:٣٠١٧)۔

[2] سنن الترمذی ٤/ ٣١٧؛ کتاب تفسیر القرآن باب سورة المائدة؛ اس سے قبل پہریدار پہرہ دیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے قبہ سے سر مبارک باہر نکال کر ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! آپ چلے جاؤ؛ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کی ذمہ داری لے لی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔'']

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



یہ الفاظ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے منقول ہیں۔[مسلم ۲/ ۸۹۰]

نیز آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:''پس چاہیے کہ حاضرین غائبین تک یہ پیغام پہنچائیں۔ پس بہت سارے وہ لوگ جن تک پیغام پہنچایا جاتا ہے وہ سننے والے سے زیادہ یاد کرنے والے ہوتے ہیں۔''[البخاری ۲/ ۱۷۶]

پس اس سے ظاہر ہوا کہ جس عصمت و حفاظت کی ضمانت آیت کریمہ میں ہے' وہ اس دعوت و تبلیغ کے وقت موجود تھی۔تو پھر ایسا نہیں ہوسکتا کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے بعد نازل ہوئی ہو۔اس لیے کہ آپ ﷺ نے اس سے پہلے اپنی تبلیغ کو مکمل کر دیا تھا۔اور اس لیے بھی کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو کسی بشر کی جانب سے کسی طرح کا خوف و اندیشہ باقی نہیں رہا تھا جس کی وجہ سے آپ کو عصمت و حفاظت کی ضرورت ہو۔ بلکہ فتح مکہ کے بعد اہل مکہ؛ اہل مدینہ اور ان کے اردگرد کے لوگ اور[ باقی گروہ] مسلمان ہو کر آپ کی اطاعت میں داخل ہو چکے تھے؛ ان میں کوئی ایک بھی کافر باقی نہیں بچا تھا۔منافق انتہائی ذلت و رسوائی کا شکار اور اپنے نفاق کو چھپائے ہوئے تھے[انہیں کھل کر بات کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی تھی]۔ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جس میں جنگ و جدال اور مقابلہ کی ہمت باقی ہو۔اور نہ ہی ان میں سے کسی ایک سے رسول اللہ ﷺ کو کسی قسم کا کوئی خوف و اندیشہ باقی تھا۔تو اس حالت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ:

﴿یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ﴾[المائدۃ ۶۷]

''اے رسول! پہنچا دیجیے جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔''

اس سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ جو کچھ یوم غدیر خم کے موقع پر پیش آیا وہ ان امور میں سے نہیں تھا جن کی تبلیغ کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہو۔جیسا کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تبلیغ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا تھا۔اس لیے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا تھا ان کی ایک بڑی تعداد بلکہ اکثریت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ واپس مدینہ نہیں پلٹی۔ بلکہ اہل مکہ مکہ میں ہی رہ گئے؛ اہل طائف واپس چلے گئے؛ اہل یمن یمن چلے گئے؛ قریب کے دیہاتوں کے لوگ اپنے دیہاتوں کو واپس پلٹ گئے۔آپ کے ساتھ وہی لوگ پلٹے جن کا تعلق مدینہ سے تھا یا پھر مدینہ کے قرب و جوار کے دیہاتوں کے رہنے والے تھے۔

اگر واقعی ایسے ہی ہوتا کہ جو کچھ غدیر خم کے موقع پر پیش آیا؛ رسول اللہ ﷺ اس کی تبلیغ کے لیے مامور تھے؛ جیسا کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا؛ تو آپ اس انمول موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان امور کی تبلیغ بھی ضرور کرتے جیسے دوسرے امور کی تبلیغ کی تھی۔ جب آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر امامت یا اس سے متعلقہ امور کا سرے سے ذکر تک ہی نہیں کیا؛ اور نہ ہی کسی ایک عالم نے کسی صحیح یا ضعیف سند سے حجۃ الوداع کے موقع

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



پر امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ ذکر کیا؛ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے نقل کردہ خطبہ میں بھی امامت کا کہیں بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ حالانکہ یہ وہ عام مجمع تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ان امور میں سے نہیں تھا جن کی تبلیغ کا عام حکم ہو۔ بلکہ اس حوالے سے حدیث موالات اور حدیث ثقلین کی بھی کوئی خاص اہمیت نہیں؛ اس لیے کہ ان میں کہیں بھی امامت کا ذکر نہیں ہے۔

وہ حدیث جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں؛ ایک ہے کتاب اللہ۔ پھر آپ نے کتاب اللہ کا ذکر کیا اور اس کی خوب ترغیب دلائی؛ پھر آپ نے فرمایا: ''(دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں، میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، (آپ نے یہ کلمات تین بار ارشاد فرمائے)۔''

یہ روایت امام مسلم رحمہ اللہ کے تفردات میں سے ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نہیں کیا۔

سنن ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ بھی زیادہ ہیں: ''یہ دونوں اس وقت تک جدا نہیں ہوسکتے جب یہ میرے پاس حوض پر وارد نہ ہوجائیں۔''[1]

ان الفاظ کی زیادتی پر کئی ایک نقاد و حفاظ محدثین نے طعن و تنقید کی ہے۔ اور انہوں نے یہ فرمایا ہے: ''یہ الفاظ حدیث کے نہیں ہیں۔'' لیکن جو لوگ اس روایت کے صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں: اس سے مراد مجموع اہل بیت ہیں جو کہ تمام بنی ہاشم پر مشتمل ہیں؛ ان تمام لوگوں کا گمراہی پر جمع ہونا محال ہے۔ اہل سنت والجماعت میں سے ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ قاضی ابو یعلی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کا یہی جواب دیا ہے۔

مسلم کی روایت کردہ حدیث میں اگرچہ یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں؛ تو اس میں صرف کتاب اللہ کی اتباع کی وصیت ہے' تو یہ ایسا معاملہ ہے جس کے متعلق وصیت اس سے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر گزر چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کی اتباع کرنے کا حکم نہیں دیا۔ لیکن آپ نے یہ ضرور ارشاد فرمایا:

(( أُذكِرکم اللّٰه فِی أهلِ بیتِی ))۔

''میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔''

اس یاد دھانی کا تقاضا ہے کہ اس سے پہلے اہل بیت کے جو حقوق بیان کیے جاچکے ہیں' انہیں ادا کیا جائے' اور ان پر کسی بھی قسم کا ظلم کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ اس کا بیان غدیر خم سے پہلے ہو چکا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کیا غدیر خم کے موقع پر شریعت کا کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا' نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اور نہ ہی کسی دوسرے کے حق میں۔ نہ ہی آپ کی امامت کے متعلق اور نہ ہی کسی دوسری چیز کے متعلق۔

رہ گئی حدیث موالات؛ تو امام ترمذی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ نے مسند میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] مسلم ٤/ ١٨٧٣؛ الترمذي ٥/ ٣٢٨۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



"من كنت مولاه فهذا علي مولاه ۔""جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے۔"❶

روایت کے یہ زیادہ الفاظ "اللھم !وَالِ مَنْ وَّالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ ۔" بلاشبہ جھوٹ ہیں۔اَثرم نے سنن میں امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ عباس نے امام احمد رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ حسین الاشقر ❷ نے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔ان میں سے ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"آپ کو مجھ سے اظہار بیزاری کرنے پر مجبور کیا جائے گا،مگر آپ مجھ سے بیزار نہ ہونا۔"

دوسری مذکورہ صدر روایت:"اللّٰھم !وَالِ مَنْ وَّالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ ۔" یہ سن کر امام احمد رحمہ اللہ نے ان حدیثوں کو تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ:"ان دونوں روایات کے جھوٹ ہونے میں کوئی شک نہیں۔"

ایسے ہی یہ روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"أنت أولى بكل مؤمن و مؤمنة ۔"

"آپ ہر مؤمن مرد اور عورت کے لیے اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔"محض جھوٹی روایت ہے۔

رہ گئی یہ حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من كنت مولاه فهذا علي مولاه ۔""جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے۔"

یہ روایت صحاح میں سے نہیں۔لیکن یہ ان روایات میں سے ہے جو بعض علماء نے نقل کی ہے؛مگر اس کے صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔امام بخاری اور امام ابراہیم الحربی اور دوسرے اہل علم محدثین رحمہم اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس روایت پر تنقید کی ہے'اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ اس حدیث کو حسن کا درجہ دیتے ہیں۔جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اسے حسن کہا ہے۔ابو العباس بن عقدہ نے اس حدیث کی اسناد پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:فضائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مندرجہ ذیل حدیثیں صحیح ہیں:

۱۔ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو کہ حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے بس یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔❸

۲۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ کل میں ایک شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوگا'اور جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہوں گے۔"❹

---

❶ سنن الترمذي ٥/ ٢٩٧۔ والمسند ١٤/ ٢١٤۔ اور دوسرے مقامات پر۔

❷ اس کا نام حسین بن حسن اشقر کوفی ہے اس کا ترجمہ میزان الاعتدال (۱/ ۲۴۹) پر مذکور ہے بخاری فرماتے ہیں:" فیہ نظر" ابوزرعہ کہتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے،ابوحاتم کہتے ہیں یہ ضعیف راوی ہے جوزجانی فرماتے ہیں یہ صحابہ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔یہ ۲۰۸ھ میں فوت ہوا۔"

❸ البخاری، باب مناقب علی رضی اللہ عنہ (ح:٣٧٠٦)، مسلم، باب من فضائل علی بن ابی طالب(ح ٢٤٠٤)۔

❹ صحیح بخاری، حوالہ سابق، (حدیث:٣٧٠١)، صحیح مسلم۔حوالہ سابق (حدیث:٢٤٠٩)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



یہ صفت جو ہر مؤمن اور مسلمان کے لیے واجب اور باعث فضیلت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ عہد ہے کہ:

۳۔ ''صرف مومن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کریں گے اور صرف منافق آپ سے بغض رکھیں گے۔'' ❶

آخر الذکر حدیث انصار مدینہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں بھی وارد ہوئی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والا کوئی بھی انسان انصار سے بغض نہیں رکھے گا۔'' ❷

باقی رہی حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' من كنت مولاه فهذا علي مولاه۔'' ''جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے۔'' تو یہ صحیح نہیں ہے؛ اس کی کوئی بھی سند ثقہ راویوں پر مشتمل نہیں۔ اس کے علاوہ روافض جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں جو روایات بیان کرتے ہیں وہ سب موضوع ہیں،جنہیں علم حدیث سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ محدث ابن حزم رحمہ اللہ نے مذکورہ صدر قول میں حدیث''اَنْتَ مِنِّی وَ اَنَا مِنْك '' نیز ''حدیث مباہلہ'' اور حدیث'' الکساء'' ذکر نہیں کیں؛ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن حزم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ احادیث بھی ضعیف ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن حزم رحمہ اللہ نے احادیث صحیحہ سے وہ حدیثیں مراد لی ہیں جن میں صرف علی رضی اللہ عنہ کی مدح وستائش کی گئی ہے اور کسی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ جب کہ ان روایات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ:'' تم شکل وصورت میں اوراخلاق میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو۔''

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمایا تھا:''أنت أخونا و مولانا۔''

''آپ ہمارے بھائی اور ہمارے سردار ہیں۔''

جب کہ حدیث مباہلہ اور حدیث کساء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کا بھی ذکر ہے' اس لیے ابن حزم رحمہ اللہ پر اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ بھی ہم ایک مرکب جواب دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں:'' اگر یہ الفاظ نبی کریم ﷺ نے[ غدیر خم کے مقام پر] ارشاد فرمائے بھی تھے؛ تو ان پر کوئی کلام نہیں ہوسکتا ؛ اس لیے کہ اس سے تو آپ کی مراد آپ کے بعد امامت و خلافت ہرگز نہ تھی۔ اس لیے کہ ظاہری الفاظ سے یہ مفہوم نہیں نکلتا۔ایسی اہم بات بڑے واضح انداز میں بیان کرنا چاہیے تھی نہ کہ مجمل ومبہم الفاظ میں۔اس لیے کہ ان الفاظ میں کہیں بھی کوئی ایسی دلیل نہیں پائی جاتی جس سے مراد خلافت لی

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان باب الدلیل علی ان حب الانصار وعلی رضی اللہ عنہ (حدیث:۷۸)۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الایمان ، باب حب الانصار من الایمان(حدیث:۱۷)، صحیح مسلم، حوالہ سابق (حدیث:۷۴، ۷۵)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جاسکتی ہو۔[مولیٰ کا لفظ عربی زبان میں ولی کا مترادف ہے]۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ (المائدہ:۵۵)

''بیشک تمہارا دوست اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ﴾

''اور اگر تم اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو تو یقیناً اللہ خود اس کا مددگار ہے اور جبریل اور صالح مومن اور اس کے بعد تمام فرشتے مددگار ہیں۔''[التحریم ۴]

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ رسول اللہ سب مومنین کے دوست ہیں۔ اور یہ مؤمن آپ ﷺ کے دوست ہیں۔جیسا کہ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا دوست ہے' اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔ اور اہل ایمان آپس میں بھی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

موالات (دوستی لگانا) معادات (دشمن رکھنا) کی ضد ہے۔ یہ جانبین سے استوار کی جاتی ہے۔ضروری نہیں کہ دوستی لگانے والے دونوں فریق مرتبہ و مقام کے لحاظ سے برابر ہوں۔ بلکہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ ایک فریق عالی منصب ہو اور اس کا دوسرے سے دوستی لگانا اس کے فضل واحسان پر مبنی ہو۔اس کے مقابلہ میں ایک فریق فروتر درجہ رکھتا ہو اور اس کا فریق اعلیٰ سے دوستی لگانا اطاعت وعبادت کا درجہ رکھتا ہو۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت رکھتا ہے' اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔تو ثابت ہوا کہ موالات کا معنی دوستی لگانا ہے جو کہ دشمنی کرنے' دھوکہ بازی کرنے اور لڑنے جھگڑنے کی ضد ہے۔ کفار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نہیں رکھتے۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں' اور ان کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ [الممتحنة ۱]

''میرے اور اپنے دشمن کو اپنا دوست مت بناؤ۔''

اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر بدلہ سے نوازتے ہیں۔جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ [البقرة ۲۷۹]

''اگر تم ایسا نہ کرو تو پھر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

بیشک اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا دوست ہے' اور وہ انہیں کفر و گمراہی کے اندھیروں سے اسلام کی روشنی کی طرف نکالتا ہے۔

بنابریں اللہ و رسول ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ سب مومنوں سے دوستی رکھتے ہیں، گویا مولیٰ کا لفظ اندریں صورت موالات سے ہوگا جو معادات کی ضد ہے۔مومن جو اللہ و رسول کے ساتھ موالات

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



قائم کرتے ہیں، وہ بھی معادات کی ضد ہے۔ دوستی لگانے کا یہ حکم سب مومنوں کے لیے ہے۔ بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ مومن ہیں اور وہ باقی مومنوں سے دوستی رکھتے ہیں۔[اور اہل ایمان ان سے دوستی رکھتے ہیں]۔

اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باطنی ایمان کا اثبات و اقرار ہے۔ اور اس بات کی گواہی موجود ہے کہ آپ ظاہری و باطنی طور پر دوستی کے مستحق ہیں۔ بنا بریں اس حدیث میں آپ رضی اللہ عنہ کے دشمنان خوارج ونواصب کی تردید پائی جاتی ہے۔ حدیث میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی دوسرا مومنوں کا کوئی دوست ہی نہیں۔ اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ کے بہت سارے دوست ہیں۔ جن میں نیک و کار اہل ایمان شامل ہیں۔ ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بدرجہ اولی شامل ہیں۔ اور تمام اہل ایمان آپ سے محبت رکھتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''قبیلہ مسلم وغفار و جہینہ ومزینہ اور قریش و انصار یہ سب میرے دوست ہیں۔ اللہ و رسول کے سوا ان کا کوئی دوست نہیں۔''❶

فی الجملہ ولی؛ مولی اور والی کے مابین فرق پایا جاتا ہے۔ پس وہ ولایت جس کا معنی دوستی کا ہے[اور جس کا الٹ دشمنی ہوتی ہے] وہ ایک علیحدہ چیز ہوتی ہے؛ جب کہ وہ ولایت جس کا معنی حکومت و امارت ہے وہ ایک علیحدہ چیز ہے۔

اس حدیث میں وارد ولایت پہلے معنی یعنی دوستی کے مفہوم میں ہے؛ دوسرا معنی مراد نہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں ارشاد فرمایا کہ:'' من کنت والیه فعلي والیه ۔'' ''جس کا میں والی ہوں علی بھی اس کا والی ہے۔'' رسول اللہ اکرم ﷺ کے فرمان مبارک:'' من کنت مولاہ فهذا علي مولاہ۔'' ''جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے'' سے یہی مراد ہے۔ اس مولی سے والی مراد لینا باطل ہے۔ اس لیے کہ ولایت دونوں اطراف سے ثابت ہوتی ہے؛ جیسے کہ مومنین اللہ تعالیٰ کے ولی اور اس کے دوست ہیں' اور اللہ تعالیٰ ان کا ولی اور دوست ہے۔

رہا مسئلہ اپنے نفوس سے بڑھ کر عزیز ہونا تو یہ صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے ثابت ہے۔ اور آپ ﷺ کا ہر اہل ایمان کے لیے اس کی جان و مال سے بڑھ کر محبوب ہونا یہ نبوت کے خصائص میں سے ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد کسی کو بذریعہ نص خلیفہ متعین کیا تھا؛ تو اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ خلیفہ اہل ایمان کو ان کی جانوں سے بڑھ کر محبوب ہو۔ یہ بات کسی ایک نے بھی نہیں کہی۔ اور نہ ہی کسی ایک سے منقول ہے۔ اور اس کا معنی بھی یقینی طور پر باطل ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا اہل ایمان کے لیے ان کی جانوں سے بڑھ کر محبوب ہونا آپ ﷺ کی زندگی میں اور موت کے بعد بھی ثابت ہے۔ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی یہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کی بات ہے۔ آپ کی زندگی میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے

❶ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب قریش (حدیث:٣٥٠٤)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل غفار و اسلم......''(حدیث: ٢٥٢٠)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جائز نہیں تھا کہ آپ ﷺ کی حیات مبارک میں خلیفہ بنتے۔ تو اس وقت آپ ہر مؤمن کے لیے اس کی جان و مال سے بڑھ کر محبوب و مقدم نہیں تھے۔ اور اگر مولی کے لفظ سے مراد خلافت لی جائے تو اس وقت آپ کسی ایک مؤمن پر بھی خلیفہ نہیں تھے۔

اس سے ظاہر ہوگیا کہ ان الفاظ سے خلافت مراد نہیں ہے۔ اپنی جانوں سے بڑھ کر محبوب ہونا ایسا وصف ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی ثابت ہے؛ جس کے لیے موت کے بعد تک کا کوئی انتظار نہیں کیا گیا۔ جب کہ خلافت کا معاملہ اس سے مختلف ہے؛ نبی کریم ﷺ کی وفات تک کوئی بھی خلیفہ نہیں تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا حدیث سے جو معنی شیعہ مراد لیتے ہیں' وہ کہیں بھی ثابت نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ اپنی زندگی میں اور موت کے بعد بھی قیامت تک کے لیے اہل ایمان کے لیے ان کی جان و مال سے بڑھ کر محبوب و قریب ہیں۔ جب آپ کی حیات مبارک میں ہی کوئی انسان بعض امور پر نائب بنایا جائے' یا تسلیم کرلیا جائے کہ کوئی انسان بعض امور میں آپ کی حیات مبارک میں ہی خلیفہ یا نائب بن جائے اور اسے اجماع اور نص کی روشنی میں خلیفہ تسلیم کرلیا جائے۔ تو وہ اس خلافت کا [آپ کے بعد بھی] زیادہ حق دار ہوگا' اور اہل ایمان کے لیے ان کی جانوں سے بھی بڑھ کر مقدم ہوگا' تو پھر کوئی دوسرا انسان اس کو چھوڑ کر اہل ایمان کے لیے ان کی جانوں سے بڑھ کر محبوب نہیں ہوگا۔ خصوصاً آپ کی حیات مبارک میں۔

رہ گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کا ہر اہل ایمان کا ولی اور دوست ہونا؛ یہ ایسا وصف ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ [یا دیگر صحابہ کرام] کے لیے نبی کریم ﷺ کی حیات مبارک میں بھی ثابت ہے؛ اور وفات کے بعد بھی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آج بھی ہر مومن کے دوست اور محبوب ہیں' جب کہ آج آپ کسی پر بھی والی یا حاکم نہیں ہیں۔ یہی حال باقی تمام اہل ایمان کا ہے۔ وہ اپنی زندگیوں میں بھی اور موت کے بعد بھی اہل ایمان کے دوست ہیں۔

## فصل:...... امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیسری دلیل؛ حدیث "أنت منی بمنزلة"

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثبات میں تیسری حدیث یہ ہے:

"اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔"

''تم میرے لیے بلحاظ منزلت ایسے ہو جیسے ہارون حضرت موسیٰ کیساتھ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ مرتبہ عطا کیا تھا کہ وہ تمام مراتب میں بغیر کسی استثنیٰ کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قائم مقام تھے۔ اور اگر ان کے بعد زندہ رہتے تو ان کے خلیفہ ہوتے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس سے نقص لازم آتا ہے۔ اور نیز اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں اور آپ کی غیوبت کے مختصر سے عرصہ میں آپ کے قائم مقام رہ چکے تھے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کی صورت میں جب آپ کی غیوبت طوالت اختیار کر لیتی تو آپ کا خلیفہ ہونا زیادہ قرین عقل وقیاس تھا۔''

**[جواب]**: اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مذکورہ بالا حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ غزوۂ تبوک کو جاتے وقت ارشاد فرمائے تھے۔ [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب بھی آپ کسی غزوہ پر یا عمرہ پر یا حج پر مدینہ سے باہر جاتے؛ تو مدینہ میں کسی صحابی کو اپنا نائب مقرر کر دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے:

۱۔ غزوہ ذی امر پر جاتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔

۲۔ غزوہ بنی قینقاع میں حضرت بشیر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔

۳۔ جب قریش کے ساتھ غزوہ پیش آیا اور آپ مقام قرع تک پہنچے تو ابن ام مکتوم کو نائب مقرر فرمایا۔ جیسا کہ محمد بن سعد نے ذکر کیا ہے۔

جملہ طور پر یہ بات معلوم شدہ ہے کہ اس وقت تک آپ مدینہ سے باہر تشریف نہیں لے جایا کرتے تھے جب تک کسی کو اپنا نائب مقرر نہ فرما دیتے۔ مسلمان مؤرخین نے ان حضرات کے نام ذکر کیے ہیں جنہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نائب مقرر کیا تھا۔

مدینہ طیبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار عمرہ کا سفر کا کیا۔ ایک بار عمرہ حدیبیہ؛ اور دوسری بار عمرہ قضا؛ اور حجۃ الوداع کا سفر۔ اس کے علاوہ تقریباً بیس سے زیادہ مغازی کے سفر۔ ان میں سے ہر ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نہ کسی کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ اس وقت مدینہ میں بہت سارے لوگ بھی ہوا کرتے تھے جن پر آپ کسی کو اپنا نائب مقرر فرماتے۔

لیکن غزوۂ تبوک کو جاتے وقت کسی کو پیچھے رہنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے۔ اور کسی اور غزوہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اتنی بڑی جمعیت آپ کے ساتھ شریک سفر نہیں ہوئی جتنی بڑی جمعیت اس غزوہ میں تھی۔ اس غزوہ میں صرف بچے اور خواتین ہی پیچھے رہ گئے تھے؛ یا پھر وہ لوگ تھے جو اپنی معذوری کی وجہ سے غزوہ پر نہیں جا سکے۔ یا پھر منافق۔ تین صحابہ بھی آپ کے ہمراہ نہ جا سکے تھے؛ جن کی توبہ قبول کر لی گئی۔ [فتح مکہ اور حجۃ الوداع کو جاتے وقت بھی آپ نے اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ مگر] غزوۂ تبوک کے موقع پر مدینہ میں مسلمانوں کی کوئی جماعت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ اس لیے یہ استخلاف اپنی نوعیت میں نرالا تھا؛ اور باقی استخلاف کی طرح نہیں تھا جیسا کہ ہر بار مدینہ سے باہر جاتے ہوئے مقرر فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ یہ استخلاف بقیہ استخلافات کی نسبت کمزور تھا۔

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ تبوک (حدیث:٤٤١٦)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (حدیث: ٢٤٠٤)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اس لیے کہ [اس بار] مدینہ میں کوئی طاقتور مؤمن باقی نہیں رہا تھا؛ جس پر کسی کو خلیفہ بنایا جاتا؛ جیسا کہ بقیہ تمام غزوات میں ہوا کرتا تھا۔ ان مواقع پر مدینہ میں بہت سارے طاقتور اہل ایمان موجود ہوا کرتے تھے؛ پھر جس کو آپ چاہتے ان پر خلیفہ بنادیتے۔ پس آپ نے اپنے مغازی میں جتنے بھی لوگوں کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا؛ جیسا کہ غزوہ بدر کبری وصغری؛ غزوہ بنی مصطلق ؛ غزوہ غابہ؛ غزوہ خیبر؛ غزوہ فتح مکہ؛ اور دیگروہ تمام مغازی جن میں جنگ تک نوبت نہیں پہنچی: ان کی تعداد سترہ سے کچھ زیادہ غزوات ہیں؛ ان تمام میں رسول اللہ ﷺ نے کسی نہ کسی کو اپنا جانشین بنایا تھا؛ سوائے چند ایک مواقع کے۔ ایسے ہی آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اور اس سے قبل دونوں بار عمرہ کے موقع پر اور غزوہ تبوک کے موقع پر بھی آپ نے اپنے جانشین متعین کیے تھے۔

اس لیے کہ مدینہ میں ہر بار ایسے لوگ موجود ہوا کرتے تھے جو کہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کی نسبت بہت افضل ہوا کرتے تھے۔ اس سے قبل کا استخلاف ان لوگوں سے افضل لوگوں پر ہوا کرتا تھا جن پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نائب بنایا گیا تھا۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی طرف روتے ہوئے آئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ منافقین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن وتنقید کرتے ہوئے یہ خبر اڑائی تھی کہ: ''محمد ﷺ علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہیں اس لیے ان کو جہاد میں ہمراہ نہیں لے جا رہے۔''

نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں نے آپ کو امین سمجھ کر اپنا نائب مقرر کیا ہے؛ بغض کی بنا پر نہیں۔ اور کہ نائب بنائے جانے سے شان میں کوئی کمی نہیں آتی؛ اور نہ ہی اس میں کسی کے لیے کوئی حسد و بغض ہے۔ جب حضرت موسی علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا رہے ہیں تو پھر یہ فعل نقص کس طرح سے ہوسکتا ہے؟ [جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عدم موجودگی میں حضرت ہارون کو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ اسی طرح میں بھی تمہیں نائب مقرر کررہا ہوں]۔ اس طرح نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مطمئن کردیا۔ آپ نے یہ تسلی دی کہ کسی کو نائب بنایا جانا اس کے امین اور صاحب مرتبت ہونے کی دلیل ہے۔ اس میں کسی کی اہانت یا خیانت نہیں۔ اس لیے کہ نائب نبی کریم ﷺ کی عدم موجودگی میں تمام امور پر امین ونگہبان ہوگا؛ چونکہ باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں نکل چکے تھے۔

بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی جنگ کے لیے نکلتے ہیں تو ان لوگوں کو اپنے ساتھ لیتے ہیں جن سے زیادہ مدد حاصل ہوسکتی ہو۔ یا پھر جن کی ہمراہی کا فائدہ زیادہ ہو۔ جن کے مشورہ کی ضرورت زیادہ ہو' اور جن کی زبان اور ہاتھ اور تلوار سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہوسکتا ہو۔

پس پیچھے رہ جانے والوں کے لیے کسی بڑی سیاست کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے ان ساری باتوں کی چنداں حاجت نہیں تھی۔ اس وجہ سے بعض لوگوں نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نقص اور کمی شمار کیا؛ اور آپ کو آپ کی منزلت سے کم جانا۔ اس لیے کہ اس اہم ترین موقع پر رسول اللہ ﷺ آپ کو اپنے ساتھ لیکر نہیں گئے جس میں سعی و

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اجتہاد کی بہت زیادہ ضرورت تھی ؛ بلکہ آپ کو ان مواقع پر چھوڑ دیا جن پر کسی بڑی سعی و اجتہاد کی ضرورت نہ تھی۔ نبی کریم ﷺ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ آپ کو نائب بنا کر پیچھے چھوڑنے سے آپ کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اس لیے کہ اگر ایسا کرنا نقص یا عیب ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ کبھی بھی ایسا نہ کرتے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا استخلاف حضرت ہارون علیہ السلام کی خلافت و نیابت کی مانند نہ تھا۔ اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مناجات باری تعالیٰ کے لیے کوہ طور پر گئے تھے تو آپ اکیلے گئے تھے' اور اپنی عدم موجودگی میں ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ اور پورا لشکر حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس وقت مدینہ کا نائب مقرر کیا گیا تھا جب کہ تمام اہل اسلام کا لشکر نبی کریم ﷺ کی رفاقت میں جنگ کے لیے جا رہے تھے۔ اور مدینہ میں سوائے خواتین' بچوں اور معذوروں کے علاوہ صرف وہ لوگ باقی تھے جو نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کرتے ہوئے پیچھے رہ گئے تھے۔

کسی کا یہ کہنا کہ: ''یہ چیز فلاں چیز کی منزلت پر ہے۔'' یا یہ کہنا کہ: ''فلاں چیز فلاں دوسری چیز کی مانند ہے۔'' تو کسی چیز کی دوسری چیز سے تشبیہ سیاق کی دلالت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اس کا تقاضا ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ یہ دونوں چیزیں ہر لحاظ سے اور ہر چیز میں مساوی ہیں۔ [باقی رہا یہ کہ نبی کریم ﷺ کے الفاظ تھے: ''اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی '' تو یاد رہے کہ ایسے الفاظ میں تشبیہ ہر لحاظ سے مقصود نہیں ہوتی اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مُشَبَّه اور مُشَبَّه بِهٖ دونوں بالکل مساوی ہیں۔]

## [حدیث استخلاف کی توضیح]:

کیا آپ دیکھتے نہیں ہے کہ صحیحین میں بدر کے قیدیوں والی روایت موجود ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو آپ فدیہ لیکر رہا کردینے کا مشورہ دیا۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا تو آپ نے ان سب کو قتل کردینے کا مشورہ دیا۔ اس روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ابھی تمہیں تمہارے دونوں ساتھیوں کے بارے میں بتاؤں گا۔

اے ابوبکر رضی اللہ عنہ ! آپ کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے فرمایا تھا:

﴿ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ [ابراھیم ۳۶]

''پس جو کوئی میری اتباع کرے وہ مجھ سے ہے' اور جو میری نافرمانی کرے بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

اور حضرت عیسی علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے فرمایا تھا:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ [المائدۃ ۱۱۸]

''اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو معاف فرما دے تو تو زبردست ہے حکمت والا ہے۔''

اور اے عمر! آپ کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے فرمایا تھا:

﴿ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ﴾ [نوح ۲۶]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''کہ اے میرے پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ۔''❶

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے فرمایا تھا:

﴿رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰٓی اَمۡوَالِهِمۡ وَ اشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡا حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ﴾ [یونس]

''اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ فرمانا کہ آپ کی مثال ایسے ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت عیسی علیہما السلام کی مثال۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ فرمانا کہ آپ کی مثال ایسے ہی ہے جیسے حضرت نوح اور حضرت موسی علیہما السلام کی مثال۔ یہ بات اس سے بہت بڑھ کر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ میری نسبت سے آپ کی وہی منزلت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے حضرت ہارون علیہ السلام کی منزلت۔ اس لیے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابراہیم‘ حضرت نوح ؛ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسی علیہم السلام یقیناً حضرت ہارون علیہ السلام کی نسبت بڑے مقام و مرتبہ والے انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ اس حدیث میں ان دونوں صحابہ کرام حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو ان چار جلیل القدر انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تشبیہ ہر لحاظ سے ہے۔ بلکہ سیاق کلام کی دلالت کے اعتبار سے مقصود صرف یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لطافت طبع اور نرم مزاجی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے طبعی تشدد میں حضرت نوح علیہ السلام کی مانند تھے۔

ایسے ہی یہاں پر [حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہارون علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ صرف اس اعتبار سے دی گئی ہے ] جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس طرح ہارون موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں ان کے قائم مقام قرار پائے تھے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں آپ کے نائب وخلیفہ تھے۔

یہ استخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت نہیں ہے اور نہ ہی آپ کے دیگر استخلافات کی مانند ہے؛ چہ جائے کہ آپ کے بقیہ استخلافات سے افضل ہو۔ کئی بار غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کیا جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کئی گنا زیادہ افضل و بڑھ کر تھے۔ ایسی صورت میں وہ لوگ جو دیگر مواقع پر خلیفہ بنائے گئے‘ ان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تقدیم یا افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔ تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایسی نیابت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا موجب ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مدینہ طیبہ میں مختلف لوگوں کو اپنا نائب بنایا۔ آپ کے مقرر کردہ نائبین اس طرح

❶ مسند احمد(۱/ ۳۸۳۔۳۸۴)، مستدرك حاكم(۳/ ۲۱۔۲۲)، و اسناده ضعيف۔ ابوعبیدہ کا اپنے والد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تھے جیسے حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہما السلام کے خلیفہ تھے؛ یہ اسی استخلاف کی جنس سے ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا تھا۔ بلکہ باقی استخلافات اس لیے اس سے افضل تھے کہ عام استخلافات میں غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والوں کی نسبت زیادہ اور افضل لوگ ہوا کرتے تھے۔ اور اس وقت میں مدینہ میں کسی کو نائب بنانے کی ضرورت بھی بہت زیادہ ہوا کرتی تھی۔ اس لیے کہ مدینہ پر دشمن کی یورش [حملہ ] کا خوف ہوا کرتا تھا۔

تبوک والے سال تمام حجاز کے عرب مسلمان ہو چکے تھے۔ مکہ مکرمہ فتح ہو چکا تھا؛ اسلام کو غلبہ اور قوت حاصل ہو چکی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ ملکِ شام کے اہل کتاب کے ساتھ جہاد کیا جائے۔ اس وقت مدینہ میں دشمن سے مقابلہ کرنے والے مجاہدین کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کسی ایک مجاہد کو بھی باقی نہ چھوڑا تھا۔ جیسا کہ باقی تمام غزوات آپ کی عادت مبارکہ تھی کی کچھ مجاہدین کو مدینہ میں باقی چھوڑا کرتے تھے؛ اس بار آپ نے تمام مجاہدین کو اپنے ساتھ لے لیا تھا' کسی ایک کو بھی مدینہ میں باقی نہیں چھوڑا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تخصیص بالذکر لقب کے مفہوم سے ظاہر ہو رہی ہے۔ لقب دو قسم کا ہوتا ہے:

۱۔ وہ لقب جو جنس کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۔ وہ لقب جو علَم کا قائم مقام ہوتا ہے۔ مثلاً زید؛ وأنت۔ یہ مفہوم نہایت کمزور ہے۔

اسی لیے تمام فقہاء اور علمائے اصول کا نظریہ یہ ہے کہ اس روایت سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر جب یہ کہا جائے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں' تو اس سے باقی رسولوں کی نفی نہیں ہوتی۔ لیکن اگر سیاق کلام میں کوئی ایسی چیز ہو جس کا تقاضا تخصیص کا ہو تو پھر صحیح مذہب کے مطابق ایسی روایت سے استدلال کرنا جائز ہوتا ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ﴾ [انبیاء ۷۹]

''اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کو خوب سمجھ عطا کی۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴾ [مطففین ۱۵]

''ہرگز نہیں' بیشک اس دن وہ اپنے رب سے پردہ میں ہوں گے۔''

ہاں جب تخصیص کی مقتضیٰ سبب کی بنیاد پر ہو تو باتفاق الناس ایسی روایت سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔ یہ روایت بھی اسی ضمن کی روایات میں سے ایک ہے۔ اس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بطور خاص ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تھے کہ آپ مجھے بچوں اور عورتوں کے ساتھ چھوڑے جا رہے ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ جتنے لوگوں کو خلیفہ یا نائب بنایا گیا تھا؛ ان میں سے کسی ایک کے بھی ذہن میں یہ بات نہیں آئی [نہ ہی انہوں نے کوئی اعتراض کیا' اور ] نہ ہی رسول اللہ ﷺ کو ضرورت پیش آئی کہ وہ دوسرے لوگوں کو اس طرح کی کوئی بات بتائیں۔ پس جب یہاں پر بطور خاص آپ کا تذکرہ کرنے کی وجہ وہ سبب ہے جس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جملہ بطور خاص آپ کے لیے ذکر کیا جائے۔ پس اس حدیث میں کہیں بھی اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ کوئی دوسرا آپ کے لیے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام کی منزلت پر نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر؛ جسے شراب پینے کے جرم میں مارا جا رہا تھا؛ لعنت کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

''اس پر لعنت مت کرو؛ اس لیے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔'' [تخریج گزر چکی ہے]

یہ حدیث اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں کرتا۔ بلکہ آپ نے اس کا تذکرہ بوجہ ضرورت کے کیا تاکہ اس پر لعنت کرنے سے روکا جائے۔

ایسے ہی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے رہنے دو' اس لیے کہ اس نے غزوہ بدر میں شرکت کی ہے۔'' [تخریج گزر چکی ہے]۔

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے علاوہ کوئی دوسرا بدر میں شریک نہیں ہوا؛ بلکہ اس کا تذکرہ اس وجہ سے کیا کہ اس کی غلطی سے درگزر کرلیا جائے۔

ایسے ہی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشرہ مبشرہ کا نام لے کر انہیں جنت کی ضمانت دی؛ تو اس سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے علاوہ کوئی دوسرا جنت میں داخل نہیں ہوگا؛ بس اس موقع کا تقاضا یہی تھا اس لیے آپ نے خصوصی تذکرہ فرمایا۔

ایسے ہی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کے لیے فرمایا:

''اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت کر؛ اور جو کوئی ان دونوں سے محبت کرے' اس سے بھی محبت کر۔'' [تخریج گزر چکی ہے]

اس سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ان دونوں کے علاوہ کسی اور سے محبت نہیں کرتے تھے' بلکہ دوسرے ایسے لوگ بھی تھے؛ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سے بڑھ کر محبت کرتے تھے۔

ایسے ہی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

''جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔'' [تخریج گزر چکی ہے]

تو اس حدیث کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ ان کے علاوہ باقی سبھی لوگ جہنم میں داخل ہوں گے۔

اسی طرح جب آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے تشبیہ دی؛ تو یہ اس بات میں مانع نہیں ہے کہ آپ کی امت میں کوئی دوسرا بھی ان دونوں انبیاء کرام علیہما السلام سے مشابہت رکھتا ہو۔ اور ایسے ہی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام سے تشبیہ دی تو اس سے کہیں بھی یہ ممانعت ثابت نہیں ہوتی کہ امت میں کوئی دوسرا ان دونوں انبیاء کرام علیہم السلام کے مشابہ نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ: آپ کی امت میں سے جو لوگ انبیائے کرام علیہم السلام سے مشابہت رکھتے ہیں' ان میں سے یہ دو

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حضرات افضل ترین لوگ ہیں؟

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: اختصاص میں کمال اصل تشبیہ میں مشارکت سے مانع نہیں ہوسکتا۔

ایسے ہی جب آپ ﷺ نے حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ''آپ صاحب لیس کی طرح ہیں۔''

ایسے ہی آپ نے قبیلہ اشعری کے بارے میں فرمایا: ''وہ مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔''

یہ صرف اس قبیلہ کیساتھ ہی خاص نہیں ؛ بلکہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی فرمایا: ''تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔''

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''آپ ہمارے بھائی اور ہمارے مولا [دوست] ہیں۔''

یہ بات صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی خاص نہیں تھی ؛ بلکہ آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ایسے ہی فرمایا تھا۔

جملہ طور پر اس باب میں امثال اور تشبیہات بہت زیادہ ہیں۔ان سے کہیں بھی ہر لحاظ سے تماثل کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا اعتبار سیاق کلام کے لحاظ سے ہوتا ہے۔اور نہ ہی اس کا تقاضا مشبہ کے لیے تشبیہ میں تخصیص کا ہوتا ہے۔ بلکہ اس میں کسی دوسرے کی شراکت بھی ممکن ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾ [البقرۃ ۲۶۱]

''جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سے سو دانے ہوں۔''

نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ [یس ۱۳]

''اور آپ ان کے سامنے ایک مثال (یعنی ایک) بستی والوں کی مثال (اس وقت کا) بیان کیجئے [جبکہ اس بستی میں (کئی) رسول آئے]۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ﴾ [آل عمران]

''یہ کفار جو خرچ کریں اس کی مثال یہ ہے ایک تند ہوا چلی جس میں پالا تھا۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن میں بیالیس مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

اب کہنے والے کا یہ دعوی کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبوت کے سوا باقی ہر بات میں ہارون علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ محض باطل کلام ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی ''اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



مُوْسٰی ‘‘ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو راضی کرنا چاہتے تھے۔ اور آپ کا دل خوش کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ آپ کو یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ ان کو پیچھے چھوڑ کر جانے سے ان کے درجہ میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

آپ کے فرمان: ’’بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی ‘‘ اسے آپ کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ہارون علیہ السلام جیسا مرتبہ حاصل ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ مقام و مرتبہ جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ علیہما السلام سے تھا وہ کسی بھی دوسرے کے لیے نہیں ہوسکتا۔ بلکہ کسی دوسرے کے لیے اس کے مشابہ مقام و مرتبہ ہوسکتا ہے۔ یہ قول ایسے ہی جیسے مثال کے بیان میں ہوتا ہے؛ اور جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: ’’اس کی مثال حضرت ابراہیم اور عیسی علیہما السلام کی ہے۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا: ’’اس کی مثال حضرت موسیٰ اور نوح علیہما السلام کی ہے۔‘‘

مزید وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ آپ نے یہ جملے تبوک والے سال ارشاد فرمائے۔ پھر تبوک سے واپسی پر آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا؛ اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کے پیچھے بھیجا؛ تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: امیر بن کر آئے ہو یا مامور؟ تو انھوں نے کہا: نہیں بلکہ مأمور بن کر آیا ہوں۔‘‘ اس وقت تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی آپ پر امیر تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ بالکل ایسے ہی تھے جیسے کوئی مامور اپنے امیر کیساتھ ہوتا ہے۔

[ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر چیز حضرت ہارون علیہ السلام کے مشابہ ہوتے تو ۹ھ میں [سفر حج میں ] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر نہ کرتے ]۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھتے اور ان کی اطاعت کیا کرتے تھے۔ اور آپ کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے مشاعر مقدسہ میں لوگوں میں اعلان کرتے جاتے:

’’لوگو سن لو! اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا' اور نہ ہی کوئی ننگا ہوکر بیت اللہ کا طواف کرے گا۔‘‘ [1]

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے کفار کے عہد واپس کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ عربوں کے ہاں رسم تھی کہ عہد باندھنے اور توڑنے کے لیے معاہدہ کرنے والا سردار اور بڑا خود جایا کرتا تھا یا

---

[1] صحیح بخاری: ح ۳۶۲۔ پوری روایت یوں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے امیر حج ہونے کے دن بزمرہ موذنین بھیجا تاکہ ہم منی میں یہ اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ ہوکر طواف کرے، حمید بن عبدالرحمٰن (جو ابوہریرہ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں) کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کے پیچھے علی کو بھیجا تھا اور ان کو حکم دیا کہ وہ سورت برات کا اعلان کریں، علی نے قربانی کے دن ہمارے ساتھ منی میں لوگوں میں اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ (ہوکر) کعبہ کا طواف کرے۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com



اپنے کنبہ کا کوئی آدمی بھیجا کرتا تھا۔تو پھر ایسے نہیں ہوسکتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کے علاوہ کسی اور کی زبانی وہ اس عہد کی واپسی کو قبول کر لیتے۔

اس کی وضاحت اس چیز سے بھی ہوتی ہے کہ اگر آپ ﷺ کا خیال یہ ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی آپ کے بعد خلیفہ ہوں تو پھر یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں تھا کہ اس میں دو افراد سرگوشی کر لیتے۔اور نہ ہی پھر اس میں تاخیر کی جاتی حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ضرورت پیش آئی کہ وہ روتے ہوئے اور شکایت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ بلکہ پھر یہ ایسا حکم تھا جس کا بیان کرنا اور ایسے کھلے الفاظ میں لوگوں تک پہنچانا واجب تھا جس سے مقصود حاصل ہو سکے۔

پھر رافضیوں کی جہالت کی انتہاء یہ ہے کہ ان کے کلام میں تناقض پایا جاتا ہے۔اس لیے کہ یہ حدیث بغیر کسی شک و شبہ کے دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کلمات صرف غزوہ تبوک کے موقع پر کہے تھے۔[اگر آپ نے اس سے پہلے بھی کبھی یہ ارشاد فرمایا ہوتا] اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوتا تو آپ کا دل بالکل مطمئن ہوتا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور اس کے بعد بھی ہارون علیہ السلام کی منزلت پر ہیں۔تو پھر آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس روتے ہوئے حاضر نہ ہوتے۔اور آپ یہ بالکل نہ فرماتے کہ: آپ مجھے عورتوں اور بچوں پر خلیفہ بنا رہے ہیں؟

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ مطلق طور پر خلیفہ ہوتے تو کبھی بھی آپ پر کسی دوسرے کو نائب نہ بناتے۔ایسا بھی ہوا کرتا تھا کہ آپ مدینہ میں موجود ہوتے مگر رسول اللہ ﷺ کسی دوسرے کو یہاں پر نائب مقرر کرتے۔جیسا کہ خیبر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ میں موجود تھے؛ آپ کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔اور یہاں پر امیر کوئی دوسرا صحابی تھا۔پھر آپ خیبر میں رسول اللہ ﷺ سے جا ملے؛ اور جب آپ تشریف لے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو جھنڈا عطا کیا؛ اس سے پہلے یہ جھنڈا کسی اور کے سپرد تھا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کل میں یہ جھنڈا ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔'' [تخریج گزر چکی ہے]۔

شیعہ مصنف کا یہ کہنا کہ: ''چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی موجودگی میں اور بہت تھوڑا وقت کی غائب ہونے کی صورت میں آپ کے خلیفہ تھے۔لہٰذا علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اور لمبی مدت کی غیوبت میں بھی آپ کے قائم مقام ہونے کے زیادہ حق دار ہیں۔''

**جواب**: نبی کریم ﷺ نے ان کی موجودگی کے باوجود اپنی غیوبت میں کئی بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے کئی لوگوں کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ان کی نیابت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نیابت سے کہیں بڑھ کر اور عظیم الشان تھی۔اور جن لوگوں پر انہیں نائب بنایا گیا وہ لوگ بھی ان سے افضل تھے جن پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نائب بنایا گیا تھا۔غزوہ تبوک کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کو مدینہ میں نائب بنایا گیا تھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نائب بنانے سے آپ خلافت کے ان لوگوں سے زیادہ حقدار نہیں بن جاتے جنہیں کئی دوسرے مواقع پر مدینہ طیبہ میں نائب بنایا گیا تھا۔مدینہ میں آپ کی سب سے بڑی اور آخری نیابت حجۃ الوداع کے موقع پر تھی۔اس وقت جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



یمن میں تھے۔اور حج میں وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔لیکن حجۃ الوداع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نائب تو نہیں تھے کوئی دوسرے صحابی تھے۔

اگر نائب کا خلیفہ بننا ہی اصل ہے؛ تو پھر جس انسان کو حجۃ الوداع کے آخری موقع پر نائب بنایا گیا تھا؛ اسے خلیفہ بننا چاہیے۔وہ اپنے سے پہلے نائبین کی نسبت خلیفہ بننے کا زیادہ حق دار ہے۔

خلاصہ کلام! مدینہ پر نائب بنایا جانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت نہیں ۔اور نہ ہی یہ افضلیت اور امامت کی دلیل ہے۔ بلکہ آپ کے علاوہ بھی کئی دوسرے لوگوں کو مدینہ میں نائب بنایا گیا۔لیکن رافضیوں کی جہالت کی حد یہ ہے کہ وہ فضائل جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام کے مابین مشترک ہیں انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصائص شمار کرتے ہیں۔اگرچہ کوئی دوسرا ان فضائل میں آپ سے زیادہ کامل ہی کیوں نہ ہو۔جیسا کہ انہوں نے نصوص اور وقائع میں کیا ہے۔

عیسائیوں نے بھی تو ایسے ہی کیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کو جو معجزے عطا کیے تھے؛ عیسائی انہیں صرف آپ کے ساتھ ہی خاص شمار کرنے لگے حالانکہ ان معجزات میں دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام بھی شریک ہیں۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات عطا ہوئے تھے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات سے بڑھ کر تھے۔اور پھر کوئی ایسا سبب بھی نہیں پایا جاتا جو ان معجزات کو ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کو چھوڑ کر حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ بطور خاص واجب کرتا ہو۔نہ ہی حلول اور نہ ہی اتحاد؛ ایسی کوئی بھی چیز نہیں۔بلکہ اگر یہ ساری چیزیں ممتنع ہیں' تو اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام [انبیائے کرام] میں حلول اور اتحاد ممتنع ہے۔اور اگر اس کی تفسیر کسی ممکن بات سے کی جائے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حصول اور اس پر ایمان؛ اور پھر اس ایمان سے حاصل ہونے والے انوار اور دیگر امور۔تو یہ مشترکہ قدر اور ممکن بات ہے۔

یہی حال شیعہ کا ہے۔جو معاملات حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام کے مابین مشترک اور ان سب کو شامل ہیں' انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی خاص قرار دیتے ہیں۔اور پھر اسی پر عصمت' امامت اور افضلیت کو مرتب کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ساری باتیں ممنوع و منتفی ہیں۔

جس انسان کو سیرت رسول اللہ ﷺ؛ احوال صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین معانی القرآن والحدیث کی معرفت ہو؛ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ یہاں پر کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے جس کی وجہ سے آپ کی امامت یا افضلیت کا وجوب ثابت ہوتا ہو۔بلکہ یہ مشترکہ فضائل ہیں۔ان سے حاصل ہونے والا فائدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان و ولایت کا ثبوت ہے؛ اور ان ناصبی لوگوں پر رد ہے جو آپ کو گالی دیتے؛ فاسق کہتے؛ اور کافر قرار دیتے ہیں۔اور آپ کی شان میں ایسے ہی نازیبا کلمات کہتے ہیں جو رافضی خلفاء ثلاثہ کی شان میں کہتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کے ثابت ہونے میں نواصب پر ویسے ہی رد ہے جیسے خلفاء ثلاثہ کے فضائل کے اثبات میں روافض پر رد ہے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر روافض اور خوارج دونوں ہی تنقید کرتے ہیں۔جب کہ شیعان عثمان آپ کے امام برحق ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر جرح کرتے ہیں۔یہ لوگ اپنی بدعت میں شیعان علی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



سے بہتر ہیں جو آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں پر جرح کرتے ہیں۔ جب کہ زیدیہ جو کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے دوستی رکھتے ہیں' اس معاملہ میں اضطراب کا شکار ہیں۔

پس اپنی زندگی میں نائب مقرر کرنا جانشینی کی ایک قسم ہے۔ ہر حکمران کے لیے ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ انسان جو زندگی میں امت کے بعض امور پر جانشین بننے کے قابل ہو؛ وہ موت کے بعد بھی خلیفہ بننے کی صلاحیت کا مالک ہو۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں کئی لوگوں کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا؛ مگر یہ لوگ آپ کے بعد خلیفہ بننے کے قابل نہیں تھے جیسے بشیر بن عبدالمنذر وغیرہ۔

نیز اس لیے بھی کہ آپ کی زندگی میں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی آپ سے مطلوب ہے۔ جیسے کہ یہ چیز حکمرانوں سے مطلوب ہوتی ہے۔ جب کہ موت کے بعد آپ سے کوئی بھی ایسی چیز مطلوب نہیں۔ اس لیے کہ آپ نے تبلیغ رسالت کا فریضہ پورا کردیا' اور امانت کا حق ادا کردیا؛ امت کی خیر خواہی کی؛ اور اس وقت تک اللہ کی بندگی کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام آپہنچا۔ آپ کی زندگی میں دشمنوں سے جہاد کرنا؛ مال فئے تقسیم کرنا؛ شرعی حدود کا قیام؛ عمال کا تعین آپ پر واجب تھا؛ اور ان کے علاوہ دوسرے امور جو کہ آپ کے بعد کے حکمرانوں پر واجب تھے۔ مگر موت کے بعد تو ان میں سے کوئی ایک چیز بھی آپ پر واجب نہیں تھی۔

پس اپنی زندگی میں نائب مقرر کرنا ایسا نہیں ہے جیسے موت کے بعد کے لیے نائب مقرر کرنا ہے۔ اس لیے کہ انسان جب کسی کو اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو تربیت دینے کے لیے اپنا نائب مقرر کرتا ہے؛ تو اس نائب کی حیثیت محض ایک ایجنٹ [وکیل] کی ہوتی ہے؛ یہ صرف وہی کچھ کریگا موکّل نے جس کا حکم دیا ہے۔ اور اگر کوئی اپنے مرنے کے بعد اپنی اولاد پر کسی کو اپنا نائب مقرر کریگا تو اس کی حیثیت مستقل نائب [وولی] کی ہوگی۔ یہ ان لوگوں کی مصلحت کے مطابق ہی ایسے کام کرے گا جن کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے۔ اس کی حیثیت محض میت کے ایجنٹ [وکیل] کی نہیں ہوگی۔

یہی حال حکمرانوں کا بھی ہے۔ جب ان میں سے کوئی ایک کسی کو اپنا نائب مقرر کریگا تو وہ نائب بعض متعین امور میں ویسے ہی کرے گا جیسے اس کو حکم ملے گا۔ ہاں اگر اسے موت کے بعد نائب مقرر کیا جائے تو وہ اپنی ولایت میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق ہی تصرف کرے گا۔ اس تصرف کی نسبت اسی کی طرف ہوگی میت کی طرف نہیں ہوگی۔ بخلاف اس کے کہ اگر اس کی زندگی میں اس کے حکم سے کوئی کام کرے تو اس کی نسبت نائب بنانے والے کی طرف ہوگی۔ تو دونوں باتوں کے درمیان بہت بڑا فرق موجود ہے۔

کسی بھی عقلمند نے یہ بات نہیں کہی کہ اگر کسی شخص نے بعض امور پر کسی کو اپنا نائب مقرر کیا؛ اور یہ نیابت مکمل بھی ہوگئی تو پھر بھی وہ انسان اس اصل خلیفہ کی موت کے بعد اس کا جانشین قرار پائے گا۔ لیکن کیا کریں کہ رافضی معقول و منقول میں ہر لحاظ سے لوگوں میں سے سب سے بڑے اور پرلے درجے کے جاہل ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



## امامت علی رضی اللہ عنہ کی چوتھی دلیل ؛ حدیث :نیابت مدینہ :

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے:'' امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چوتھی دلیل یہ حدیث ہے کہ:'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا، حالانکہ آپ کی غیوبت کا زمانہ نہایت محدود تھا۔لہٰذا واجب ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کے قائم مقام ہوں گے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی دوسرا بالاجماع اس کا اہل نہیں ہوسکتا۔ نیز اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنی نیابت سے معزول نہیں کیا تھا۔لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے بعد بھی اس منصب پر فائز ہوں گے۔ جب مدینہ میں آپ کے نائب ہوں گے تو دیگر بلاد و امصار میں بھی یقیناً بالاجماع آپ کے خلیفہ ٹھہریں گے۔''

**[جــواب]** : ہم جواباً کہتے ہیں کہ:'' شیعہ کے دیگر دلائل کی طرح یہ دلیل بھی نہایت بودی اور تار عنکبوت کی طرح بے جان ہے،اوراس کے متعدد جوابات ہیں:

❀ پہلا جواب: یہ ہے کہ علماء کی ایک جماعت کے ایک قول کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا؛ جیسا کہ اس سے پہلے تفصیلی بیان گزر چکا۔ اور اگر رافضی کہیں کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تھا۔تو ہم کہیں گے کہ پھر فرقہ راوندیہ کا قول بھی صحیح ہونا چاہیے۔ جو کہتے ہیں کہ: آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تھا۔ جو شخص بھی کما حقہ نقلی دلائل سے آگاہ ہے وہ جانتا ہے کہ اگر احادیث صحیحہ سے آپ کی موت کے بعد کسی کا استخلاف ثابت ہوتا ہے تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استخلاف ہے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا۔ بلکہ آپ نے اپنے بعد کسی کو بھی دوٹوک الفاظ میں اپنا جانشین نہیں مقرر کیا تھا۔ پس اس صورت میں کہا جائے گا کہ: اگر آپ نے کسی کو بھی خلیفہ مقرر نہیں کیا نہ ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو۔[ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام کا تقرر آپ نے امت کی رائے عامہ پر چھوڑ دیا تھا کہ جس کو چاہیں مقرر کرلیں ]۔

اگر مان لیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا جانشین مقرر کرنا واجب تھا تو پھر آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو بھی اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔اس لیے کہ تمام اہل علم محدثین اور اصحاب السیر کا اتفاق ہے کہ صحیح اور ثابت احادیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے جانشین یا خلیفہ ہونے پر دلالت نہیں کرتیں۔ان میں سے جو بھی احادیث نیابت کے تقرر پر دلالت کرتی ہیں تو ان سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہی ثابت ہوتی ہے۔ثبوت وصحتِ حدیث کا علم رکھنے والا ہر انسان یہ بات جانتا ہے۔

❀ دوسرا جواب: آپ لوگ تو قیاس کو تسلیم نہیں کرتے؛ جب کہ یہاں پر قیاس سے دلیل لے رہے ہیں۔ اس لیے کہ آپ نے مرنے کے بعد کی خلافت کو زندگی میں دوران غیوبت میں خلافت پر قیاس کیا ہے۔ جب کہ ہم دو اقوال میں سے جب کسی ایک قول کو فرض کر لیتے ہیں؛ تو ہم کہتے ہیں:'' ان دونوں کے مابین فرق وہی ہے جس پر ہم

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے عہد میں دوسرے استخلاف پر اور بعد از وفات شخص متعین کے انتخاب سے توقف میں آگاہ وخبردار کرچکے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں خود یا بذریعہ اپنے نائبین کے' اس امت پر شاہد او راس کی سیاست پر مامور تھے۔[یعنی زندگی میں کسی کو اپنا قائم مقام بنانا تو ایک قسم کی نیابت ہے اس کے لیے ہر امام کے عزم وقصد کا ہونا ضروری ہے] اور موت کے بعد آپ خلیفہ بنانے کے مکلّف ہی نہیں رہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے:

﴿وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ﴾ (المائدۃ: ۱۱۷)

''اور میں ان پر گواہ رہا جب تک ان میں رہا۔''

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرا خلیفہ ان پر شاہد تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کسی کو بھی اپنا خلیفہ نہیں بنایا تھا۔ ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: میں بھی ایسے ہی کہوں گا جیسے اللہ کے نیک بندے نے کہا تھا:

﴿وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ﴾ (المائدۃ: ۱۱۷)

''اور میں ان پر گواہ رہا جب تک ان میں رہا۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾

[آل عمران ۱۴۴]

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہی ہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے؛ کیا اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات کے بعد تکلیف ختم ہوگئی تھی۔ اور آپ اگر اپنی زندگی میں بھی کسی کو خلیفہ مقرر کرتے تو آپ پر یہ واجب نہیں تھا کہ وہ خلیفہ معصوم ہو۔ بلکہ ایسا بھی ہوا کرتا کہ آپ کسی کو اپنا نائب بنا کر کہیں روانہ فرماتے؛ اور پھر اس انسان کا جھوٹ سامنے آجاتا تو آپ اسے معزول کر دیتے۔ جیسا کہ آپ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو عامل مقرر کیا تھا۔ ایسے ہی آپ اگر اپنی موت کے بعد بھی کسی کو خلیفہ مقرر کرتے تو یہ واجب نہیں تھا کہ وہ معصوم ہو۔ اس لیے کہ آپ موت کے بعد ان پر نگہبان نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان کے افعال پر رد کرنے کے مکلّف ہیں۔ بخلاف اپنی زندگی میں نائب مقرر کرنے کے۔

❀ تیسرا جواب: یہ کہ اپنی زندگی میں نائب مقرر کرنا ہر ولی امر پر واجب ہوتا ہے؛- خواہ وہ رسول ہو یا امام ہو- اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ جو کام خود سرانجام نہ دے سکے' ان میں کسی کو اپنا نائب مقرر کر دے۔ نظام کا قائم رہنا ہر

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



صورت میں ضروری ہے؛ خواہ وہ یہ خدمت خود انجام دے یا پھر کسی کو اپنا نائب مقرر کرے۔ پس جس کام کو ولی امر خود انجام دے اس کے لیے ممکن ہوتا ہے کہ وہ خود اس کی دیکھ بھال و اصلاح کرے؛ اور جو کام اس کی پہنچ سے دور ہے' تو اس کے لیے ممکن ہوتا ہے کہ وہ کسی کو اپنا نائب مقرر کر کے ان امور کو پایہ تکمیل تک پہنچائے جو اس کی براہ راست پہنچ سے دور ہیں۔ جیسے کہ دور کے لوگوں میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر؛ ان کے حقوق کی ادائیگی؛ ان میں حدود شریعت کا قیام۔ اور ان کے مابین حکم و فیصلہ میں عدل کا قیام۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ اپنی زندگی ان تمام لوگوں کیساتھ کیا کرتے تھے جو براہ راست آپ کی پہنچ سے دور ہوا کرتے تھے۔ آپ سرایا پر امیر مقرر فرمایا کرتے؛ جو انہیں نمازیں پڑھایا کرتے؛ اور ان لوگوں کے ساتھ جہاد کرتے؛ اور ان کی سیاست کی دیکھ بھال کرتے۔ اور ایسے ہی آپ شہروں پر اپنے عمال مقرر فرمایا کرتے۔ جیسا کہ آپ نے عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ پر امیر مقرر فرمایا۔ ایسے ہی آپ کے امراء میں خالد بن سعید بن عاص؛ ابان بن سعید بن العاص' ابوسفیان بن حرب' معاذ؛ ابو موسی رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام آتے ہیں۔ انہیں عرینہ کی بستیوں پر' نجران پر' اور یمن پر عامل مقرر کیا گیا تھا۔ جو کہ وہاں پر ان لوگوں سے زکوۃ وصول کرتے جن پر زکوۃ فرض ہو چکی؛ اور پھر ان لوگوں میں اس کو تقسیم کر دیتے جن کے لیے یہ مال زکوۃ لینا حلال ہوتا۔ ایسے ہی دوسرے لوگوں کو بھی آپ نے عمال مقرر فرمایا تھا۔

ایسے ہی آپ ﷺ حدود قائم کرنے میں بھی اپنا نائب مقرر فرمایا کرتے تھے؛ جیسا کہ آپ نے حضرت انیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

''اے انیس! اس انسان کی عورت کے پاس جاؤ' اگر وہ زنا کا اقرار کر لے تو اسے رجم کر دینا۔''

آپ اس عورت کے پاس چلے گئے' اس نے زنا کا اعتراف کر لیا' اور آپ نے اسے رجم کر دیا۔'' [1]

ایسے ہی آپ حج میں بھی نائب مقرر کیا کرتے تھے۔ آپ نے غزوہ تبوک کے بعد سن نو ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنایا؛ اس حج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کی جملہ رعیت میں سے تھے۔ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے؛ اور آپ کے احکام کی پیروی کرتے تھے؛ یہ سب باتیں غزوہ تبوک کے بعد ہوئیں۔

ایسے ہی آپ نے کئی بار مدینہ میں اپنے جانشین مقرر فرمائے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ جب بھی کسی غزوہ میں نکلتے تو اپنا نائب مقرر کرتے؛ اور جب بھی حج یا عمرہ کے لیے نکلتے تو اپنا جانشین مقرر کرتے۔ ایسے ہی غزوہ بدر؛ غزوہ بنی مصطلق؛ غزوہ خیبر' غزوہ فتح مکہ؛ اور غزوہ حدیبیہ؛ عمرہ قضاء' اور حجۃ الوداع کے علاوہ دیگر مواقع پر اپنے جانشین مقرر فرمائے۔

اپنی زندگی میں نائب مقرر کرنا ولی امر پر واجب ہوتا ہے؛ بھلے وہ نبی نہ ہو۔ حالانکہ موت کے بعد اس پر اپنا جانشین مقرر کرنا واجب نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ زندگی میں جانشین مقرر کرنا تو انتہائی لازمی و ضروری ہے؛ اس کے بغیر واجبات کی

---

[1] البخاری ۳/ ۱۰۲؛ کتاب الوکالة ؛باب الوکالة في الحدود ؛ کتاب الحدود : باب الاعتراف بالزنا: سنن الترمذي ۲/ ٤٤١ ؛ کتاب الحدود : باب ماجاء في تلقين الحد ......

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ادائیگی ممکن نہیں ہوسکتی۔ جب کے وفات کے بعد ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ آپ نے امت میں تبلیغ کا فریضہ ادا کر دیا۔ اب امت پر واجب ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں' اور آپ کی وفات کے بعد کسی ایسے کو متعین کریں جسے وہ اپنا امیر بنائیں۔ اور جیسا کہ تمام فروض کفایہ میں ہوتا ہے کہ کسی ایک واحد متعین کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی زندگی میں نائب مقرر کرنے سے وفات کے بعد نائب مقرر کرنے کا وجوب لازم نہیں آتا۔

❀ چوتھا جواب: ولایت کی مختلف اقسام میں اپنی زندگی میں جانشین مقرر کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے دور کے لوگوں پر اپنے جانشین مقرر کیے جو کہ ان میں واجب قائم کرتے تھے۔ ایسے ہی آپ نے حج میں اپنا جانشین مقرر کیا؛ اور لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے اور اَموال فئے کی حفاظت؛ اقامت حدود اور غزوات میں اپنے جانشین مقرر کیے۔

❀ اہل عقل کا اتفاق ہے کہ جانشین مقرر موت کے بعد واجب نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ایسا کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ہر جزئی معاملہ پر موت کے بعد جانشین مقرر کرنا ممکن نہیں؛ کیونکہ لوگوں کو ایک کے بعد ایک جانشین کی حاجت ہوتی ہے۔ اس صورت میں کسی کو متعین کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس لیے کہ اپنے بعد کسی کو متعین کیا گیا تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے احوال بدل جاتے ہیں' اور اسے معزول کرء نا واجب ہو جاتا ہے۔ آپ اپنی زندگی میں جن لوگوں کو متعین کیا کرتے تھے؛ ان میں سے کسی ایک کے متعلق شکایت وصول ہوتی تو آپ اسے معزول کر دیتے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ولید بن عقبہ کو معزول کیا؛ اور فتح مکہ والے سال سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو معزول کیا؛ اور ان کی جگہ ان کے بیٹے قیس کو ولایت سونپی۔ اور ایک قوم کے ایسے امام کو معزول کیا جس نے قبلہ کی طرف تھوک دیا تھا۔

❀ ایک بار آپ نے ایک آدمی کو کوئی ذمہ داری سونپی؛ لیکن اس نے اپنے واجبات ادا نہیں کیے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اس بات سے عاجز آ گئے ہو کہ جو انسان میرے احکام پورے نہ کرتا ہو؛ اسے معزول کر کے کسی ایسے کو ذمہ داری سونپ دو جو میرے احکام کو پورا کرے۔''[1]

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے واجبات پورے نہ کرنے والے کو معزول کرنا ان ہی لوگوں کے سپرد کر دیا۔ تو پھر شروع سے ہی ایسا امیر مقرر کرنا جو واجبات ادا کر سکے کیسے آپ عوام کے سپرد نہیں کر سکتے تھے۔

❀ جب آپ ﷺ کی زندگی میں یہ سنت تھی کہ جب کسی ایسے کو والی مقرر کیا جاتا جو واجبات ادا نہ کر سکتا تو اسے

---

[1] یہ حدیث سنن ابی داؤد میں ان الفاظ میں منقول ہے: حضرت عقبہ بن مالک سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا دستہ روانہ فرمایا میں نے ان میں سے ایک شخص کے تلوار ماردی جب وہ لوٹا تو اس شخص نے مجھ سے کہا کہ کاش تو دیکھتا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہم کو کیسی ملامت کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ جس شخص کو میں نے تمہارا امیر بنا کر بھیجا تھا اور اس نے میرے احکامات کی تعمیل نہیں کی تھی تم اس کو معزول کر دیتے اور اس کے بدلے دوسرا امیر مقرر کر لیتے جو میرا حکم بجالاتا۔'' [سنن ابو داد: جلد دوم: حدیث نمبر 862] مسند ٤/ ١٦٠۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



معزول کردیا جاتا؛ یا پھر آپ اسے معزول کرنے کا حکم دیتے۔ تو پھر یہ بھی ممکن تھا کہ آپ اگر اپنے بعد کسی کو جانشین مقرر فرماتے ؛ مگر وہ واجبات ادا نہ کرپاتا؛ تو اسے معزول کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ اس صورت میں اگر امت خود ہی کسی کو جانشین مقرر کرے؛ اور معزول کرے یہ اس بات سے بہت آسان ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی کو امیر متعین کریں؛ اور امت اسے معزول کردے۔ اس سے جانشین کو متعین نہ کرنے کی حکمت واضح ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ:

❀ پانچواں جواب: آپ ﷺ کا اپنی موت کے بعد کسی کو جانشین مقرر نہ کرنا؛ مقرر کرنے سے زیادہ بہتر تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے جو بھی انتخاب کیا' وہ افضل ترین امور کا ہی انتخاب تھا[ ایسے ہی اب بھی آپ کا جانشین افضل ہی مقرر ہوگا]۔ اور اس کی وجہ یہ ہے: یا تو یہ کہا جائے کہ: ''آپ پر واجب تھا کہ اپنی زندگی میں صرف معصوم کو ہی اپنا جانشین بنائیں۔ جب کہ آپ کے بعض جانشینوں سے نا مناسب کام بھی ہوگئے جس پر آپ نے سخت انکار کیا۔ اور ان میں سے بعض کو معزول بھی کیا۔

❀ جیسا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو رسول ﷺ نے بنو جذیمہ کے قتال کے لیے بھیجا اور آپ نے ان لوگوں کو قتل کردیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو نصف دیت ادا کی؛ ان کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا؛ انہوں نے کتے کے برتن تک کا تاوان ادا کیا۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور فرمایا: ''یا اللہ! میں برأت کا اظہار کرتا ہوں اس کام سے جو خالد نے کیا۔''

❀ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے مابین جھگڑا ہوگیا؛ یہاں تک کہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچ گئی۔ تو آپ نے فرمایا:

(( لا تسبوا أصحابی فلو أن أحدکم أنفق مثل أحد ذھبا ما بلغ مد أحدھم ولا نصیفہ)) [البخاری:ح ۸۸۷]

''میرے صحابہ کو برا نہ کہو؛ اگر کوئی تم میں سے احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو میرے اصحاب کے ایک مد (سیر بھر وزن) یا آدھے کے برابر بھی (ثواب کو) نہیں پہنچ سکتا۔''

مگر اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کیا۔

❀ آپ ﷺ نے حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو ایک قوم میں زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل مقرر کیا' آپ واپس آئے اور عرض کی: وہ لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کررہے؛ بلکہ وہ جنگ کے لیے تیار ہیں۔ آپ چاہتے تھے کہ ان لوگوں کے خلاف فوج بھیجی جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اِنْ جَآئَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ﴾ [الحجرات ۶]

''اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



پہنچا دو۔''

ایسے ہی رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر[انصاری لشکر پر] حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو والی بنایا تھا۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت سعد نے یوں کہا ہے: ''آج کا دن خونریز جنگ کا دن ہے؛ آج حرمتیں پامال کرنے کا دن ہے۔''

تو آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو معزول کرکے ان کی جگہ ان کے بیٹے قیس کو والی بنایا؛ اورنشانی کے طور پر اپنا عمامہ شریف ارسال فرمایا؛ تاکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوجائے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے معزول کیا ہے۔

❀ آپ ﷺ کے پاس آپ کے بعض نائبین کی شکایات پہنچائی جاتی تھیں۔تو آپ اسی چیز کا حکم دیتے جو حکم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہوتا۔جیسا کہ اہل قباء نے آپ کے پاس شکایت کی کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوا جب آپ نے نماز عشاء میں سورت بقرہ کی تلاوت کی۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے معاذ! کیا تم فتنہ گر بننا چاہتے ہو؟ آپ سبح اسم ربك الاعلی اور واللیل إذا یغشی اوران جیسی سورتیں پڑھا کرو۔''

❀ صحیح مسلم میں ہے: ''ایک آدمی نے آپ سے عرض کی: ''فلاں انسان ہمیں نماز فجر بہت لمبی پڑھاتا ہے' اس لیے میں نماز سے پیچھے رہ جاتا ہوں۔'' تو آپ نے فرمایا:

((إِذا أَمَّ أحـدکم لِلناسِ فلیخفِف ؛ فإِن من ورائه الضعِیف والکبیر و ذا الحاجة۔ وإِذا صلی لنفسه فلیطول ما شاء)). [صحیح مسلم:کتاب الصلاة'ح١٠٤٣]

''جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور بیمار؛ عمر رسیدہ اور حاجت مند لوگ ہوتے ہیں۔اور جب اپنے لیے نماز پڑھے تو پھر جتنا مرضی لمبا کرلے۔''

❀ جس امام نے مسجد میں قبلہ رخ تھوکا تھا اور آپ ﷺ نے اسے معزول کردیا؛ اور فرمایا: ''بیشک تم نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔''[1]

آپ کے جانشینوں میں سے کسی ایک کو جب کسی مسئلہ میں کوئی مشکل درپیش آتی تو وہ آپ کے پاس کسی آدمی کو بھیج کر اس کا حل دریافت کرلیا کرتے تھے۔

سو رسول اللہ ﷺ اپنے جانشین کو ان باتوں کی تعلیم دیا کرتے جن کا انہیں علم نہ ہوتا۔اور اگر کسی سے غلطی ہوجاتی تو اس کی اصلاح کرتے۔اور اگر وہ اپنی اصلاح نہ کرتے تو انہیں معزول کردیا جاتا۔ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ معصوم نہ تھے۔پس معلوم ہوا کہ آپ پر واجب نہیں تھا کہ معصوم کو ہی ولایت تفویض کرتے۔نیز یہ ایسی چیز ہے جس کا مکلّف بنایا جانا ممکن نہیں۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام ﷺ کے علاوہ کسی کو بھی معصوم پیدا ہی نہیں کیا۔اگر

[1] سنن أبي داؤد' کتاب الصلاة' باب کراهیة البزاق في المسجد١/ ١٨٩ .

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



آپ کو اس بات کا مکلّف ٹھہرایا جاتا کہ صرف معصوم کو ہی اپنا جانشین مقرر کریں تو یہ ایسی تکلیف ہوتی جو آپ کے بس سے باہر ہے۔ اس طرح مقصود ولایت فوت ہو جاتا؛ اور لوگوں کی دنیا اور دین میں خرابی پیدا ہو جاتی۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کے لیے اپنی زندگی میں جائز ہی نہیں بلکہ واجب تھا کہ ایسے لوگوں کو اپنا جانشین مقرر کریں جو کہ معصوم نہیں؛ ایسے ہی اگر اپنی موت کے بعد کسی کو جانشین مقرر کریں تو ان کے لیے معصوم ہونا ضروری نہیں۔ اور نہ ہی موت کے بعد آپ کے لیے یہ ممکن ہے کہ آپ انہیں تعلیم دیں یا ان کی اصلاح کریں؛ جیسا کہ آپ اپنی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ تو اس لیے آپ کا اپنا جانشین مقرر نہ کرنا جانشین مقرر کرنے سے زیادہ بہتر تھا۔

آپ ﷺ نے امت تک اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی پہنچا دیئے۔ اور امت کو ان چیزوں کی تعلیم دے دی جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جن سے منع کیا ہے۔ پس وہی خود ایسے انسان کو اپنے اوپر خلیفہ مقرر کر لیں گے جو ان میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام قائم کرے۔ اور وہ لوگ اس خلیفہ کے ساتھ قیام شریعت کے امور میں مدد کریں گے۔ اور کسی کے لیے ان امور کو قائم کرنا اس کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ پس جو کوئی علم کی بات اس [خلیفہ] سے رہ گئی ہو تو جاننے والے اسے تعلیم دیں گے؛ اور جہاں پر ان کی مدد کی ضرورت ہو گی تو مدد کریں گے۔ اور جو کوئی حق سے روگردانی کرے' اسے حسب امکان اپنے قول و عمل سے واپس حق پر لائیں گے۔ چنانچہ ان کی کسی بات کا حساب رسول اللہ ﷺ پر نہیں ہو گا۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے امت کی کوئی جواب دہی نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنی موت کے بعد جانشین مقرر نہ کرنا جانشین مقرر کرنے سے زیادہ بہتر اور آپ کے حق میں زیادہ اکمل ہے۔ پس جو کوئی موت کے بعد جانشین مقرر کرنے کو زندگی میں جانشین مقرر کرنے پر قیاس کرتا ہے؛ وہ لوگوں میں سب سے بڑا جاہل انسان ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کو یہ علم تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دوسرے لوگوں سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں؛ تو پھر آپ کے لیے ان کے حقدار ہونے کی طرف اشارہ و رہنمائی بھی کر دی۔ حالانکہ آپ جانتے تھے کہ امت آپ کے بعد ان کو ہی جانشین مقرر کرے گی؛ یہ خود آپ کے جانشین مقرر کرنے سے بے نیاز کر دیتا ہے تاکہ امت خود ہی اس واجب کو پورا کرے۔ اور اس کا ثواب بھی امت کے لیے زیادہ ہو گا کیونکہ اس سے مقصود رسالت حاصل ہو رہا ہے۔

ایسے ہی جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ علم تھا کہ امت میں اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا کوئی دوسرا نہیں؛ اور آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر میں انہیں اپنا جانشین مقرر نہیں کروں گا تو ان کی سختی کی وجہ سے شائد لوگ آپ کو خلیفہ نہ بنائیں؛ تو آپ نے خود ہی انہیں اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ آپ کا یہ اقدام امت کے حق میں بہت بہتر تھا۔

پس جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے کیا؛ وہ آپ کے علم و فضل کے شایان شان تھا۔ اور جو کچھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا' وہ آپ کے لائق تھا؛ اس لیے کہ جس چیز کا علم رسول اللہ ﷺ کو تھا؛ اس کا علم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل نہیں تھا۔

❀ چھٹا جواب: ان سے کہا جائے گا: تصور کیجیے! جانشین مقرر کرنا واجب تھا؛ تو پھر نبی کریم ﷺ نے حضرت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا؛ جیسا کہ تعین استخلاف والوں کا کہنا ہے۔ اور اس پر دیگر اقوال بھی دلالت کرتے ہیں۔

## [حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امارت مدینہ]

**[اعتراض]**: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ کی امارت سے معزول نہیں کیا تھا۔''[1]

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: ایک غلط بات ہے۔ اس لیے کہ جونہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس وارد ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے واپس آنے سے خود بخود ہی معزول ہو گئے تھے۔ جس طرح آپ کے دیگر نائبین آپ کی تشریف آوری سے از خود اُس منصب سے الگ ہو جایا کرتے تھے جس پر آپ ان کو اپنی عدم موجودگی میں مقرر فرمایا کرتے تھے۔ [آپ نے اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کفار سے اظہار براءت کرنے کے لیے مکہ بھیجا تھا]۔ نیز آپ کو یمن میں عامل مقرر کیا [تھا جہاں سے] آپ حجۃ الوداع کے موقع پر [واپس آکر] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے؛ اس وقت مدینہ پر آپ کے علاوہ کوئی دوسرا خلیفہ تھا۔ ☆

کیا آپ یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے؛ مگر پھر بھی مدینہ میں خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی تھے؟ [ایں چہ بوالعجبی است؟]۔

❀ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی بات کوئی ایسا جاہل ہی کہہ سکتا ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کا کچھ پتہ نہ ہو۔ یعنی اس کا خیال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ برابر مدینہ میں خلیفہ رہے یہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ مگر انہیں اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ۹ ھ میں آپ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا تا کہ اہل مکہ کے عہد انہیں واپس کریں۔ اس وقت آپ پر امیر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس آنے کے بعد آپ کو یمن روانہ فرمایا۔ آپ کے علاوہ حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو بھی یمن بھیجا تھا۔

❀ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع والے سال حج کیا؛ تو اس وقت مدینہ پر اپنا جانشین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کو بنایا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ واپس مکہ میں آکر آپ سے ملے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹوں کی قربانی دی؛ جن میں سے سرسٹھ اونٹ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر کیے؛ جب تینتیس

---

[1] سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے امارت مدینہ سے معزول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپس آنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں سیدنا علی کے محکوم ہوں گے۔ ممکن ہے شیعہ مصنف الوہیت علی کا قائل ہو اور اس کے نزدیک سرور کائنات کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیر فرمان ہونا چنداں قابل اعتراض نہ ہو جیسا کہ اس کے پیش رو ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کا قول ہے۔

☆......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر نائب کی حیثیت سے کام کرنا مستقل جانشینی نہیں ہوا کرتی تھی؛ بلکہ اس کی اہمیت عارضی ہوا کرتی تھی۔ اور جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لاتے تو بغیر کسی مزید اقدام کے نائب کو معزول سمجھا جاتا۔ یہی کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہوا۔ [کشمیری]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اونٹوں کی قربانی کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ذمہ داری تفویض فرمائی ۔

یہ تمام باتیں اہل علم کے ہاں معلوم شدہ اور متفق علیہ ہیں ۔اور متواتر اسناد کیساتھ ایسے منقول ہیں گویا کہ آپ اپنی آنکھوں کے سامنے یہ ساری چیزیں دیکھ رہے ہوں ۔اور جس انسان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کے بارے میں علم نہ ہو ؛اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ایسے بنیادی اور اصولی مسائل میں گفتگو کرے ۔

خلیفہ اسی وقت خلیفہ ہوسکتا ہے جب تک مستخلِف [جس کی جگہ خلیفہ بنایا جانا ہو] غائب ہو؛ یا اس کا انتقال ہو چکا ہو۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینہ طیبہ میں موجود تھے تو پھر وہاں پر آپ کے جانشین کا ہونا بھی ممتنع ہے ۔جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے علاوہ دیگر مواقع پر اپنی عدم موجودگی میں جتنے بھی لوگوں کو مدینہ پر اپنا جانشین مقرر کیا؛ آپ کے واپس آتے ہی ان کی جانشینی ختم ہوگئی ۔یہی حال تمام ولاۃ الامور کا ہوتا ہے ؛جب حاکم اپنی عدم موجودگی میں شہر پر کسی کو جانشین مقرر کرتے ہیں تو جب بھی جانشین مقرر کرنے والا خود واپس آجائے تو اس کی جانشینی کی حیثیت ختم ہوجاتی ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ یوں کہنا درست نہیں ہے کہ:'' بیشک فلاں کو اللہ تعالیٰ نے اپنا جانشین بنایا ۔''

سو بلا شک وشبہ اللہ تعالیٰ زندہ و قائم اور اپنے بندوں کے امور کا مدبر ہے ۔ وہ موت ؛ نیند اور غائب ہونے سے مبرا ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا:'' یاخلیفۃ اللہ !'' تو آپ نے فرمایا:'' میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں ؛ بلکہ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں ۔''

ہاں اللہ تعالیٰ کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے کہ وہ بندے کا خلیفہ ہے ۔جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( اللهم أنت الصاحب في السفر و الخليفة في الأهل . ))

'' اے اللہ ! تو ہی سفر کا ساتھی ہے اور گھر والوں میں خلیفہ ہے ۔''

اور حدیث دجال میں آتا ہے:

"والله خليفتي على كل مسلم ۔" ''اللہ تعالیٰ ہر مسلمان پر میرا خلیفہ ہے ۔''

پس ہر وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خلیفہ کہا ہے' وہ اپنے سے پہلوں کا جانشین وخلیفہ ہے ۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ [یونس ۱۴]

'' پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان کے تم کو جانشین کیا ۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ﴾ [الاعراف ۶۹]

'' پھر وہ وقت یاد کرو کہ اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد جانشین بنایا ۔''

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



اور ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ [النور ۵۵]

''وعدہ کرلیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کیے، وہ انہیں ضرور حاکم کر دے گا جیسے ان لوگوں کو حاکم کیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے۔''

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ [البقرة ۳۰]

''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

یعنی اس مخلوق کا جانشین بنانے والا ہوں جو تم سے پہلے زمین پر تھے؛ جیسا کہ مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ رہ گیا فرقہ اتحادیہ کا نظریہ؛ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے تو یہ محض جہالت اور گمراہی ہے۔

## فصل:......امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پانچویں دلیل؛ حدیث: وصیت

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثبات میں پانچویں حدیث وہ ہے جو جمہور علماء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے: کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے فرمایا: ''آپ میرے بھائی، میرے وصی، میرے خلیفہ اور میرے بعد میرے قرض کو ادا کرنے والے ہیں۔'' یہ روایت اس باب میں نص کی حیثیت رکھتی ہے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]**: اس کا جواب کئی وجوہ سے دیا گیا ہے:

❀ پہلا جواب: ہم شیعہ سے اس روایت کی صحت ثابت کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ حدیث ان کتب میں موجود نہیں ہے کہ جن کی طرف حدیث کو منسوب کرنا ہی حجت ہو۔ اور نہ ہی ائمہ حدیث میں سے کسی ایک نے اسے صحیح کہا ہے۔

❀ شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''جمہور علماء نے یہ روایت ذکر کی ہے۔'' [یہ مبالغہ پر مبنی ہے؛ اس لیے کہ] اگر شیعہ مصنف کی اس سے مراد وہ علماء حدیث ہیں جن کا اپنی کتب میں روایت نقل کرنا حجت سمجھا جاتا ہے؛ جیسے امام بخاری؛ مسلم وغیرہ؛ اور انہوں نے اس روایت کو صحیح کہا ہے؛ تو یہ محض ایک جھوٹ اور کھلا ہوا افتراء ہے۔ اور اگر وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ ابو نُعیم نے ''الفضائل'' میں اور مغازلی یا خطیب خوارزمی اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے اسے روایت کیا ہے؛ یا اسے فضائل کی کتابوں میں روایت کیا گیا ہے۔ تو محض [ان کے روایت کرنے سے] یہ روایت باتفاق اہل علم فروعی مسائل میں بھی حجت نہیں [ہوسکتی] تو پھر امامت جیسے اصولی مسئلہ میں کیسے حجت ہوسکتی ہے؟ جس کی وجہ سے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تم نے قیامت کھڑی کر رکھی ہے۔[پس اس کا باطل ہونا واضح ہے]۔

❀ دوسرا جواب: تمام اہل علم محدثین کا اس روایت کے جھوٹ ہونے پر اتفاق ہے۔اس سے پہلے ابن حزم رحمہ اللہ کی وضاحت گزر چکی ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:''ان ساری من گھڑی روایات کو ہر وہ انسان جانتا ہے جسے علم حدیث اور راویوں کے احوال کے ساتھ کوئی ادنی شغف بھی ہو۔'' آپ نے یہ بات بالکل سچ ارشاد فرمائی ہے۔ اس لیے کہ جس انسان کو صحیح اور ضعیف حدیث کی ادنی سی معرفت بھی ہو وہ جانتا ہے کہ مذکورہ بالا اور اس کی مانند دوسری روایات ضعیف ہیں۔ بلکہ اکثر جھوٹ اور من گھڑت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی کوئی روایت کسی ایسے محدث نے اپنی ان کتابوں میں روایت نہیں کی جنہیں حجت سمجھا جاتا ہے۔ایسی روایات ان لوگوں نے نقل کی ہیں جو اپنی کتابوں میں موٹی اور پتلی[صحیح اور ضعیف] ہر قسم کی روایات جمع کرتے ہیں۔جن کے بارے میں اہل علم جانتے ہیں کہ ان میں بہت زیادہ باتیں جھوٹ ہیں۔ جیسے کتب تفاسیر میں سے:تفسیر ثعلبی؛تفسیر واحدی اور ان جیسی دیگر تفاسیر۔اور فضائل کی کتابوں میں سے جو ہر قسم کی روایات جمع کرتا ہے ان میں خصوصی طور پر خطیب خوارزمی قابل ذکر ہے۔ جھوٹی روایات ذکر کرنے میں خطیب صاحب لوگوں میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔خطیب صاحب اور مغازلی کو علوم حدیث میں مہارت نہیں ہے[اسی وجہ سے وہ ہر قسم کی روایات جمع کرتے رہتے ہیں]۔

محدث ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کتاب الموضوعات میں یہ روایت ابو حاتم بستی سے نقل کی ہے؛ وہ کہتا ہے: ہم سے محمد بن سہل بن ایوب نے حدیث بیان کی اور کہا: ہم سے عمار بن رجاء نے بیان کیا اور کہا: ہم سے عبیداللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی اور کہا: ہم سے مطر بن میمون نے روایت بیان کی وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیشک علی بن ابی طالب میرا بھائی، میرا وزیر، میرے کنبہ میں جانشین؛ میرے بعد بہترین انسان جسے میں چھوڑے جا رہا ہوں؛ میرے بعد میرے قرض کو ادا کرنے والا اور میرے وعدوں کو پورا کرنے والا ہے۔''

[ابن جوزی فرماتے ہیں:] یہ روایت موضوع ہے۔محدث ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''مطر بن میمون نامی راوی ثقہ لوگوں کے نام لیکر موضوعات روایت کرتا ہے،اس سے روایت کرنا حلال نہیں۔''

ابن عدی کے واسطہ سے بھی یہ روایت اسی طرح بیان کی گئی ہے۔اس روایت کا مدار مطر نامی راوی پر ہے، اس میں ''خلیفتی و وصیی'' کے الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ ''خلیفتی فی أھلی'' کے الفاظ ہیں۔

اسی طرح کے الفاظ میں یہ روایت احمد بن عدی سے بھی روایت کی گئی ہے۔اس کی سند کا مدار عبیداللہ بن موسیٰ کی مطر بن میمون سے روایت پر ہے۔خود عبیداللہ بن موسیٰ صدوق[سچا] ہے؛ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے؛ مگر یہ شیعیت میں معروف ہے۔اور اپنی شیعیت کی وجہ سے غیر ثقہ لوگوں سے بھی ایسی روایات نقل کرتا تھا جو اس کی خواہشات نفس کے مطابق ہوں'' جیسا کہ اس نے مطر بن میمون سے یہ روایت نقل کی ہے۔ حالانکہ یہ محض جھوٹ ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اسے اس روایت کے جھوٹ ہونے کا علم بھی ہو؛ اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اپنے نفس کی خواہش پر لبیک کہتے ہوئے؛ اس کے جھوٹ یا سچ پر تحقیق ہی نہ کی ہو۔ اگر وہ اس کی تحقیق کرتا تو اس پر اس روایت کا جھوٹ ہونا واضح ہوجاتا۔ اس کے باوجود جن لوگوں نے اسے روایت کیا ہے ان کے الفاظ میں: ''خلیفة من بعدی '' میرے بعد خلیفہ ہوگا؛ کے الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ وہاں پر یہ الفاظ ہیں: '' وخلیفتي في أهلي۔'' ''میرے اہل خانہ میں میرا جانشین ہوگا۔'' یہ ایک خاص استخلاف ہے۔

جب کہ دوسرے الفاظ جو کہ ابن عدی نے روایت کیے ہیں' وہ یوں ہیں: آپ فرماتے ہیں:

"حدثنا ابن ابی سفیان ' حدثنا عدی ابن سهل ؛ حدثنا عبیدالله بن موسیٰ ؛حدثنا مطر عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: علي أخي وصاحبي و ابن عمي ؛ خیر من أترك من بعدي ؛ يقضي ديني و ينجز موعدي ۔''

''بیشک علی میرا بھائی اور میرا دوست اور میرے چچا کا بیٹا ہے۔ میرے بعد ان لوگوں میں سے بہترین انسان جنہیں میں چھوڑے جارہا ہوں۔ یہ میرا قرض ادا کرے گا اور میرے وعدے پورے کرے گا۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ مطر نامی راوی انتہائی جھوٹا ہے۔ اس کے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے کے باوجود اہل کوفہ میں سے کسی ایک نے بھی اس سے حدیث روایت نہیں کی۔ نہ ہی اس سے یحی بن سعید القطان نے روایت کیا ہے؛ نہ ہی وکیع نے' نہ ہی ابومعاویہ نے ؛ نہ ہی ابونعیم نے؛ نہ ہی یحی بن آدم اور ان کے امثال دوسرے محدثین نے۔ حالانکہ اس وقت کوفہ میں کثرت کے ساتھ شیعہ موجود تھے۔ اور وہاں کے بہت سارے عوام ایسے بھی تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے تھے۔ اور ان کی احادیث اصحاب کتب ستہ نے روایت کی ہیں۔ یہاں تک کہ ترمذی اور ابن ماجہ ضعفاء تک سے روایت کرتے ہیں؛ مگر انہوں نے اس انسان سے روایت نقل نہیں کی۔ بیشک یہ روایت عبیداللہ بن موسیٰ نے اپنی خواہش نفس کی وجہ سے اس لیے نقل کی ہے کہ وہ شیعیت کی طرف میلان رکھتا تھا۔ اور اس طرح کے لوگوں سے ایسی روایات نقل کرلیا کرتا تھا بھلے وہ جھوٹے ہی کیوں نہ ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ جیسے محدث نے عبیداللہ بن موسیٰ سے روایت نقل نہیں کی؛ بخلاف عبدالرزاق کے۔ امام احمد فرماتے ہیں: ''بیشک عبیداللہ اپنے پاس موجود چیز کا اظہار کرلیا کرتا تھا بخلاف عبدالرزاق کے۔

ایسے ہی جو روایات اس مطر نامی راوی نے اپنی طرف سے گھڑلی ہیں ان میں سے وہ روایات بھی ہیں جو ابوبکر خطیب نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہیں؛ ان میں عبیداللہ بن موسیٰ کی روایت بھی ہے جسے وہ مطر سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے آپ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا؛ تو فرمایا: ''میں اور یہ [یعنی علی] بروز قیامت اپنی امت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت ہوں گے۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث موضوع ہے۔'' اس افتراء کا سہرا مطر کے سر ہے؛ اس کے بارے میں ابو حاتم فرماتے ہیں: ''ثقہ راویوں کی طرف من گھڑت روایات منسوب کرتا ہے۔'' اس سے روایت نقل کرنا حلال نہیں۔

❀ تیسری وجہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرض حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہیں ادا کیا۔ بلکہ صحیح روایت میں ہے: ''بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ کی درع تیس وسق **جو** کے بدلے ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی۔ یہ غلہ آپ نے اپنے اہل خانہ کے لیے خریدا تھا۔''[1]

یہ قرض اس گروی سے پورا کیا گیا جو آپ نے اس کے پاس رہن میں رکھی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی قرض نہیں تھا۔ صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے ورثہ ایک دینار یا درھم بھی تقسیم نہیں کریں گے۔ جو کچھ میں اپنے بعد چھوڑ دوں' وہ میری ازواج کا خرچہ ہے اور جو کچھ میرے عمال کما لائیں گے وہ صدقہ ہوگا۔''

اگر آپ پر کوئی قرض ہوتا تو اسے آپ کے چھوڑے ہوئے ترکہ سے پورا کردیا جاتا۔ اس لیے کہ قرض کی ادائیگی صدقہ پر مقدم ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے۔

## امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چھٹی حدیث: ''حدیث مؤاخاۃ'':

**[اشکال]:** شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثبات میں چھٹی روایت حدیث مؤاخات ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے تھے اور آپ کو دیکھ اور جان رہے تھے، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور کسی شخص کے درمیان بھائی چارہ قائم نہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوالحسن کہاں گئے؟'' لوگوں نے کہا: ''روتے اور آنسو بہاتے ہوئے چلے گئے۔'' [آپ نے فرمایا: ''اے بلال! جاؤ' اور انہیں میرے پاس بلا لاؤ۔ آپ ان کے پاس چلے گئے۔ جب آپ ان کے گھر میں داخل ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے]۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رونے کی وجہ پوچھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات قائم کی ہے اور کسی کو میرا بھائی نہیں بنایا۔'' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں کرے گا، ہوسکتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنا بھائی بنانا چاہتے ہوں۔'' حضرت بلال نے کہا: اے علی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلا رہے ہیں؛ تشریف لائیے۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بلانے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے رونے کا سبب دریافت کیا: اے ابوالحسن! تمہیں کس چیز نے رلا دیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو رونے کا سبب بتایا تو یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] البخاری کتاب الجهاد و السير ؛ باب ما قيل في درع النبي ﷺ ؛ سنن الترمذي ٧/ ٣٣٤؛ كتاب البيوع باب ما جاء في رخصة في الشرآء إلى أجل ـ و سنن النسائي ٧/ ٢٦٧ ؛ كتاب البيوع باب مبايعة أهل الكتاب ـ سنن ابن ماجة ٢/ ٨١٥ ؛ كتاب الرهون ؛ باب حدثنا ابو بكر ابن ابی شيبة .

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



فرمایا:''بیشک میں نے تجھے اپنے لیے خاص کیا ہے۔کیا تجھے یہ بات پسند نہیں کہ تو نبی کا بھائی قرار پائے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا:'' کیوں نہیں ؟'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور منبر کے پاس آ کر کہا:''علی میرا ہے اور میں اس کا ہوں ۔ان کو مجھ سے وہی مرتبہ حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ علیہما السلام سے تھا۔آ گاہ ہو جاؤ! جس کا میں مولی ہوں علی اس کا مولیٰ ہے۔'' جب آپ واپس پلٹے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے گئے' اور فرمایا:'' اے ابوالحسن! خوشخبری ہو! آپ میرے اور ہر مسلم کے مولیٰ ہو گئے ہیں۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مواخات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ افضل الصحابہ ہیں۔لہٰذا آپ ہی امام وخلیفہ ہوں گے۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**[جـــواب]** : پہلا جواب: سب سے پہلے ہم اس روایت کی صحت پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔اس لیے کہ مصنف نے اس روایت کو کسی بھی کتاب کی طرف منسوب نہیں کیا۔جیسا کہ وہ اپنی عادت کے مطابق روایات کو منسوب کرتا ہے۔اگرچہ اس کی عادت ایسی کتابوں کی طرف منسوب کرنا ہے جن سے حجت قائم نہیں ہوتی۔ یہاں پر اس نے اپنے اسلاف رافضی شیوخ کی عادت کے مطابق ارسال سے کام لیا ہے؛ جو جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹ کو بغیر کسی سند کے نقل کرتے ہیں۔

ابن مبارک رحمہ اللہ علیہ کا فرمان ہے:''اسناد دین کا حصہ ہیں۔اگر اسناد نہ ہوتیں تو جو کوئی اپنی مرضی سے جو کچھ چاہتا کہتا پھرتا۔اور اگر اس سے سوال کیا جاتا تو وہ حیران وسرگرداں رک جاتا۔''

❀ دوسرا جواب: ہم کہتے ہیں: یہ روایت محدثین کے ہاں صریح جھوٹ ہے۔حدیث کا ادنی علم رکھنے والا بھی اس کے جھوٹ ہونے میں ذرا بھر بھی شک نہیں کرتا۔اور اس حدیث کو گھڑنے والا انتہائی بڑا جاہل ہے' اس نے ایسا جھوٹ بولا ہے جو صاف صاف اور کھلا ہوا ظاہر ہے۔حدیث کی ادنی معرفت رکھنے والا بھی اس کے جھوٹ ہونے کو جانتا ہے جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔

❀ تیسرا جواب: مواخات علی رضی اللہ عنہ کی تمام احادیث موضوع اور من گھڑت ہیں [1]۔ نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا بھائی بنایا اور نہ ہی مواخات مہاجرین کے مابین تھی ۔ نہ ہی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھائی بنایا؛ اور نہ ہی انصار کے مابین بھائی چارہ قائم کیا۔لیکن ایسا ضرور ہوا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مہاجرین وانصار کے مابین مواخات کا رشتہ آغاز ہجرت میں استوار کیا تھا۔

---

[1] اس حدیث کا ضعیف ہونا بیان کیا جا چکا ہے۔مگر یہاں پر ایک اور حوالہ ذکر کر رہے ہیں۔مجمع الزوائد ۹/ ۱۱۱؛ پر ہیثمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین مواخات پر ایک روایت ذکر کی ہے۔ ہیثمی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:''یہ روایت طبرانی الکبیر اور الاوسط میں روایت کی ہے۔اس میں حامد بن آدم المروزی ہے؛ جو کہ کذّاب ہے۔ پھر ایک اور روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے؛ اور اس کے متعلق کہا ہے:''طبرانی نے اسے اوسط میں روایت کیا ہے؛ اس کی سند میں اشعث بن عم الحسن ابن صالح ہے؛ وہ ضعیف ہے؛ اس کے بارے میں ہمیں کچھ زیادہ معلوم نہیں ۔اور اس سلسلہ کی تیسری حدیث طبرانی میں حضرت ابو امامہ سے مروی ہے؛ اس کی سند میں بشر بن عون ہے؛ جو کہ ضعیف ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



## مباہلہ کا واقعہ:

جب کہ مباہلہ کا واقعہ سن ۹ یا ۱۰ ہجری میں اس وقت پیش آیا جب نجران کا وفد حاضر خدمت ہوا۔

❀ چوتھا جواب: اس حدیث کے جھوٹ ہونے کے دلائل صاف واضح ہیں۔ان میں سے ایک: شیعہ مصنف کہتا ہے کہ: ''جب مباہلہ کا دن تھا تو آپ نے مہاجرین وانصار کے مابین بھائی چارہ قائم کیا۔''

مباہلہ کا واقعہ وفدِ نجران کی آمد کے موقعہ پر ہوا تھا۔تب اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی آیات نازل فرمائیں؛ یہ سن نوہجری کے آخر یا دس ہجری کے شروع کا واقع ہے۔لوگوں کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ اس سے پہلے پیش نہیں آیا۔ دراصل نبی کریم ﷺ کا نجران کے عیسائیوں کیساتھ مباہلہ وقوع پذیر نہیں ہوا تھا بلکہ انہیں صرف دعوتِ مباہلہ دی گئی تھی۔ انھوں نے مشورہ کی مہلت طلب کی۔ جب خلوت میں مشورہ کیا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے: ''آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور جو قوم نبی سے مباہلہ کرتی ہے برباد ہو جاتی ہے۔'' چنانچہ اہل کتاب میں یہ سب سے پہلے لوگ تھے جنھوں نے جزیہ دینا تسلیم کیا اور چلے گئے۔''[1]

لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مباہلہ کے دن کوئی مؤاخات نہیں ہوئی۔

❀ پانچواں جواب: مہاجرین وانصار کے مابین مؤاخات کا واقعہ پہلی سن ہجری میں دار بنی النجار میں پیش آیا تھا۔مباہلہ اور مؤاخات کے مابین کئی سال کا فاصلہ ہے۔

❀ چھٹا جواب: نبی کریم ﷺ نے مہاجرین و انصار کے مابین مؤاخات قائم کی تھی۔ نبی کریم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں ہی مہاجر تھے۔ان کے مابین مؤاخات نہیں قائم ہوئی تھی۔ بلکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے مابین بھائی چارہ قائم کیا تھا۔معلوم ہوا کہ یہ بھائی چارہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین نہیں تھا۔ یہ بات صحیحین کی روایت کے موافق ہے کہ مؤاخات مہاجرین وانصار کے مابین تھی؛ مہاجرین ومہاجرین کے مابین نہیں تھی۔

❀ ساتواں جواب:"أما ترضی أن تکون مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی۔"

''کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تمہیں میرے ساتھ وہی منزلت ہو جیسے ہارون حضرت موسیٰ کے ساتھ۔''

یہ جملہ آپ نے ایک ہی بار غزوہ تبوک کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔اس مجلس کے علاوہ آپ نے کسی بھی دوسرے موقع پر آپ نے اصلاً یہ جملہ ارشاد ہی نہیں فرمایا۔اس پر تمام محدثین اہل علم کا اتفاق ہے۔ جب کہ ان کی روایت کردہ حدیث موالاۃ کے الفاظ بھی غدیر خم کے موقع پر ارشاد فرمائے تھے۔اس کے علاوہ کسی اور مجلس میں آپ نے یہ جملے ارشاد ہی نہیں فرمائے۔

❀ آٹھواں جواب: اس سے پہلے حدیث مواخات کے متعلق گفتگو گزر چکی ہے۔اس حدیث میں علی الاطلاق عموم ہے

---

[1] سیرۃ ابن هشام(ص:۲۷۱-۲۷۷) البخاری، کتاب المغازی، باب قصة اهل نجران(ح: ۴۳۸۰)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



جس سے نہ ہی کسی افضلیت کا تقاضا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی امامت کا۔ اور جو فضیلت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت ہے اس میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں ؛ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان :

''اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو گہرا دوست بنانا چاہتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔'' [1]

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خبر دینا کہ: مردوں میں حضرت ''ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کو عزیز تر ہیں۔''

اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا گواہی دینا کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہم سب سے زیادہ آپ کو چاہتے تھے۔''

ان کے علاوہ دیگر وہ روایات ہیں جن سے دلائل کی روشنی میں نقلی طور پر حدیث مواخات سے ان لوگوں کے استدلال کا بطلان ثابت ہوتا ہے۔

❀ نواں جواب : بعض لوگوں کا یہ خیال کر لینا کہ مواخات کا رشتہ مہاجرین کے مابین قائم ہوا تھا ؛ کیونکہ اس طرح کی بعض روایات نقل کی گئی ہیں۔ مگر یہ بات دوٹوک یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ایسا بالکل نہیں ہوا تھا۔ اور اس طرح کی جتنی بھی روایات ہیں' وہ سب باطل ہیں۔ یہ ان لوگوں کی روایات ہیں جو جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں یا پھر ان لوگوں نے انہیں نقل کیا ہے جن سے نقل کرنے میں خطا واقع ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصحاب صحاح [ستہ] نے اس طرح کی کوئی روایت نقل نہیں کی۔

❀ صحیح احادیث سے ثابت شدہ بات ہے کہ مؤاخات کا رشتہ مہاجرین و انصار کے مابین قائم ہوا تھا۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ اگر مہاجرین کا ان کے آپس میں اور انصار کا ان کے مابین رشتہ مؤاخات قائم کیا ہوتا تو اسے نقل کرنے اور اتنی اہمیت دینے کی کوئی وجہ یا سبب نہ ہوتا۔ اور جہاں دوسرے امور ذکر کیے جاتے ہیں وہاں احادیث مؤاخات میں اس کا ذکر بھی کیا گیا ہوتا۔ حالانکہ اس بارے میں کوئی ایک بھی صحیح حدیث نہیں ہے' اور نہ ہی اصحاب صحاح ستہ نے ایسی کوئی روایت نقل کی ہے۔ یہ بات ہر وہ انسان جانتا ہے جسے صحیح احادیث اور سیرت کی متواتر روایات ؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال ؛ مؤاخات کے اسباب وفوائد اور مقصود کا علم ہوتا ہے۔ وہ اس مؤاخات کی رو سے ایک دوسرے کے وارث بھی بنتے تھے۔ سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے مابین مؤاخات کا رشتہ قائم کیا تھا۔ جیسا کہ آپ نے حضرت سعد بن ربیع اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما ؛ اور حضرت سلیمان فارسی اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہما کے مابین مؤاخات قائم کی تھی تاکہ مہاجرین وانصار کے مابین ایک صلہ قائم ہوجائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ [الأنفال ۷۵]

---

[1] البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لو کنت متخذا خلیلا" (ح۳۶۵۸)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (ح: ۲۳۸۲، ۶/ ۲۳۸۳)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''اور رشتے دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔''

یہ وہی حلف ومؤاخات ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ الَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ﴾ [النساء۳۳]

''اور جن لوگوں کو تمھارے عہد و پیمان نے باندھ رکھا ہے انھیں ان کا حصہ دو۔''

فقہاء کے مابین اختلاف ہے کہ: کیا یہ آیت محکم ہے؟ اور اس کے موجب سے نسب نہ ہونے پر میراث دی جائے گی یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی دو روایات ہیں۔ پہلا مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔ اور دوسرا مذہب امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کا ہے۔

## فصل:...... [امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ساتویں دلیل: حدیث الرایہ]

**[اشکال]:** شیعہ مصنف لکھتا ہے:''اس ضمن میں ساتویں حدیث جسے جمہور نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ جب آپ نے انتیس (۲۹) راتوں تک خیبر کا محاصرہ کیا؛ اس وقت تک علمبردار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر آپ کو آنکھوں کی بیماری لاحق ہوگئی جس کی وجہ سے آپ جنگ سے عاجز آ گئے۔ تب مرحب جنگ کے لیے چیلنج کرتا ہوا نکلا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا؛ اور فرمایا: یہ جھنڈا لے لو[اور حملہ کرو]۔ ابوبکر نے جھنڈا لیا اور مہاجرین کے ایک گروہ کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکلے۔ مگر کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ شکست خوردہ واپس لوٹے۔ اس کے اگلے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقابلہ کے لیے نکلے۔ آپ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ واپس لوٹے اور اپنے ساتھیوں کو بھی خبر دی [یعنی انہیں بھی بزدل بنا کر واپس لے آئے]۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لایا جائے۔ آپ کو بتایا گیا:''آپ کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔'' پھر آپ نے فرمایا:''اسے لاکر مجھے دکھاؤ؛ مجھے ایسا شخص دکھاؤ جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنیوالا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ جو بھاگنے والا نہیں۔''

اس وقت لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لیکر آئے۔ آپ نے اپنا لعاب دہن اپنی ہتھیلی پر لے کر آپ کی آنکھوں میں اور سر پر لگایا۔ اس سے آپ تندرست ہوگئے۔ سو آپ نے انہیں علم عطا کیا؛ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں پر فتح عطا کی؛ اور مرحب قتل ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے لیے یہ اوصاف بیان کرنا دوسروں سے ان اوصاف کے منفی ہونے اور آپ کی افضلیت کی دلیل ہے؛ پس آپ ہی امام ہوں گے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جوابات]:** پہلا جواب: اس روایت کی صحیح سند کا مطالبہ کرتے ہیں۔ رافضی کا یہ کہنا کہ:''اس روایت کو جمہور نے روایت کیا ہے۔'' تو ہم کہتے ہیں کہ: ثقہ علماء نے یہ روایت ان الفاظ میں نقل نہیں کی۔ بلکہ صحیح روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خیبر میں موجود نہ تھے؛ بلکہ آپ غائب تھے۔ آپ اس غزوہ سے اس لیے پیچھے رہ گئے تھے کہ آپ کی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



آنکھوں میں تکلیف تھی۔ پھر آپ پر نبی کریم ﷺ سے پیچھے رہنا گراں گزرا؛ لہٰذا آپ نبی کریم ﷺ سے جا ملے۔ آپ کے خیبر پہنچنے سے قبل رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''کل میں یہ جھنڈا ایسے انسان کو دوں گا جو اللہ و رسول ﷺ سے محبت کرنے والا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں پر فتح عطا کرے گا۔''

اس سے قبل یہ جھنڈا نہ ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس۔ اور نہ ہی ان دونوں میں سے کوئی ایک جھنڈے کے قریب تک گیا۔ یہی وجہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''میں نے اس دن کے علاوہ کبھی بھی امیر بننا پسند نہیں کیا۔ اور تمام لوگوں نے اس حالت میں رات گزاری کہ ان میں سے ہر ایک اس امید پر تھا کہ شاید یہ جھنڈا اسے ہی مل جائے۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب کیا؛ تو آپ کو بتایا گیا: کہ آپ کی آنکھوں میں تکلیف ہے تو آپ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈالا؛ جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفا دے دی اور آپ ﷺ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔''

❀ اس موقعہ پر نبی کریم ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بطور خاص جھنڈا عطا کرنا آپ کی تکلیف کے باوجود تشریف آوری پر جزاء تھی۔ نبی کریم ﷺ کو آپ کے بارے میں علم تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت وہاں پر حاضر نہیں تھے۔ یہ نبی کریم ﷺ کا معجزہ بھی ہے۔ اس حدیث میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے شان میں کوئی تنقیص ہرگز نہیں۔

❀ دوسرا جواب: رسول اللہ ﷺ کا یہ خبر دینا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں' اور اللہ اور اس کا رسول ان سے محبت کرتے ہیں۔'' اس میں نواصب پر رد ہے۔ لیکن اس میں رافضیوں کی کوئی دلیل نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین مرتد ہو گئے تھے۔ اور نہ ہی ان کے لیے اس دلیل سے استدلال کرنا ممکن ہے۔ اس لیے کہ خوارج انہیں یہ جواب دیتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو ان لوگوں میں سے تھے جو مرتد ہو گئے تھے۔ جیسا کہ جب جرگہ داروں نے فیصلہ کیا تو خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ''آپ اسلام سے ارتداد کا ارتکاب کر چکے ہیں؛ لہٰذا دوبارہ اسلام قبول کیجیے۔''

❀ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ اپنی کتاب ''المقالات'' میں لکھتے ہیں: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کفر پر سب خوارج کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔'' [مقالات الاسلامیین ۱/۱۵۶]

❀ اس حدیث سے اہل سنت والجماعت کے لیے کئی دلائل کے ساتھ خوارج کے خلاف استدلال کرنا ممکن ہے۔ لیکن یہ دلائل باقی تینوں خلفاء کے ایمان کے بارے میں بھی مشترک ہیں۔ جب کہ رافضی باقی خلفاء کے ایمان پر تنقید کرتے ہیں۔ پس روافض کے لیے ممکن نہیں کہ وہ خوارج کے خلاف دلیل قائم کر سکیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حالت ایمان میں فوت ہوئے تھے۔ بلکہ رافضی جو بھی ایسی دلیل ذکر کریں گے جس میں قدح ہو؛ اس سے خود ان کے اصل کا بطلان ثابت ہو گا۔ کیونکہ ان کی اصل ہی فاسد ہے۔

❀ اس وصف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی خصوصیت کو بیان نہیں کیا گیا۔ اس لیے کہ دوسرے صحابہ بھی اللہ اور اس کے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



رسول کو چاہتے تھے؛ اور اللہ اور اس کا رسول بھی انہیں چاہتے تھے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے لیے بطور تعین گواہی موجود ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جنت کی خوشخبری سنائی۔ اور حضرت قیس بن ثابت کے لیے جنتی ہونے کی گواہی دی؛ اور عبداللہ الحمار کے لیے گواہی دی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے؛ حالانکہ انہیں کئی بار شراب نوشی پر سزا مل چکی تھی۔

❀ رافضی مصنف کا یہ کہنا کہ: ''اس سے باقی لوگوں سے اس وصف کا انتفاء ثابت ہوتا ہے۔'' اس میں دو جواب ہیں۔

❀ پہلا جواب: اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''کل میں یہ جھنڈا ایسے انسان کو دوں گا جو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنیوالا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں پر فتح عطا کرے گا۔'' سو یہ مجموعہ [صفات] آپ کے ساتھ خاص ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر فتح عطا کی۔ جب یہ متعین فتح آپ کے ہاتھوں پر تھی؛ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ دوسروں سے بھی افضل اور امامت کے لیے مختص ہوں۔

❀ دوسرا جواب: یہ کہا جائے کہ: اس بات کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے سے کسی کوئی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ میں یہ مال کسی فقیر آدمی یا نیک آدمی کو دوں گا۔ یا آج کے دن میں کسی مریض کو یا نیک انسان کو بلاؤں گا۔ یا میں اپنا جھنڈا کسی بہادر آدمی کو دوں گا۔ یہ اس طرح کے دیگر کلمات کہے۔ تو ان الفاظ میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی کہ جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ کسی دوسرے میں یہ صفات نہیں پائی جاتی۔ بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان صفات کا حامل ایک یہ انسان بھی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کسی ایک نے اگر کہا ہو کہ وہ ایک ہزار درہم کسی نیک آدمی پر یا فقیر پر صدقہ کروں گا۔ پھر اس نے اپنی یہ نذر پوری کر دی، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس آدمی کے علاوہ کوئی دوسرا نیک یا فقیر نہیں۔ اور ایسے ہی اگر یوں کہا جائے کہ یہ مال اس آدمی کو دیدو، جس نے میری طرف سے حج کیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی دوسرے نے اس کی طرف سے حج نہ کیا ہو۔

❀ تیسرا جواب: اگر یہ بات مان لی جائے کہ اس وقت میں آپ ہی افضل تھے؛ تو اس میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی کہ بعد کے کسی دوسرے وقت میں کوئی دوسرا آپ سے افضل نہ ہو۔

❀ چوتھا جواب: اگر آپ کی افضلیت کو مان بھی لیا جائے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ آپ ہی امام منصوص علیہ ہیں۔ بلکہ بہت سارے شیعہ زیدیہ؛ اور متاخرین معتزلہ اور دوسرے لوگ آپ کی افضلیت کا اعتقاد رکھتے ہیں، مگر وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک مفضول کی ولایت جائز ہے۔ یہ بات بہت سارے ان دوسرے لوگوں کے ہاں بھی جائز جو خلفاء اربعہ میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دینے میں توقف اختیار کرتے ہیں؛ اور وہ لوگ جن کا خیال ہے کہ یہ ایک ظنی مسئلہ ہے؛ اس میں کسی ایک متعین کی فضیلت پر کوئی دلیل قطعی موجود

www.KitaboSunnat.com



نہیں ہے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس انسان کو صحیح سنت کی معلومات نہ ہوں' وہ اس مسئلہ میں شک کا شکار ہو جائے گا۔

❀ جب کہ باقی تمام مشہور ائمہ کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں۔ یہ اجماع کئی لوگوں نے نقل کیا ہے۔امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب'' مناقب الشافعی'' میں اپنی سند کے ساتھ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے باقی تمام صحابہ سے افضل ہونے میں صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں ہے۔''❶

❀ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نافع سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: آپ فرماتے ہیں:'' ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں صحابہ کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت دیا کرتے تھے؛ ہم کہا کرتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہترین انسان ابوبکر اور ان کے بعد عمر ہیں-رضی اللہ عنہما-۔اس بارے میں امام بخاری کا کلام گزر چکا ہے۔

❀ وہ شیعہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ وقت گزارا؛ ان کا بھی یہی عقیدہ تھا۔یہی عقیدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی (۸۰) سے زیادہ اسناد سے منقول ہے۔یہ ایسی قطعی اور یقینی بات ہے جو کسی بھی ایسے انسان پر مخفی نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے احوال کی معرفت رکھتا ہے۔

## فصل:......[امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آٹھویں دلیل: حدیث طیر]

**[اشکال]:** شیعہ مصنف لکھتا ہے:''تمام جمہور نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پرندہ لایا گیا،تو آپ نے دعا کی:''اے اللہ! اس پرندے کا گوشت کھانے کے لیے کسی ایسے شخص کو میرے پاس بھیج جو مجھے اور تجھے سب لوگوں میں سے عزیز تر ہو۔اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے؛ اور دروازے پر دستک دی۔حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت میں مشغول ہیں۔پس آپ واپس چلے گئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پہلے کی طرح دعا کی؛ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔حضرت انس نے پھر کہا: کیا میں نے نہیں کہا کہ: آپ کسی ضرورت میں مشغول ہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر واپس پلٹ گئے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پہلے کی طرح دعا کی؛ آپ پھر واپس آئے اور پہلے دو

❶ یہ جملہ عبارت کتاب'' مناقِب الشافِعِی'' میں وارد ہوئی ہے؛ جو کہ ابوبکر أحمد بن حسین البیہقی کی تالیف ہے۔دیکھو:۱/۴۳۴۔اس کے بعد لکھا ہے:'' إنما اختلف مِن اختلف مِنهم فِي علِيٍّ وعثمان: مِنهم من قدم علِيًّا على عثمان، ومِنهم من قدم عثمان على علِيٍّ. ونحن لا نخطِئُ أحدا مِن أصحابِ رسولِ اللهِ صلى الله عليهِ وسلم فِيما فعلوا۔'' بیشک اخلاف کرنے والوں میں یہ اختلاف بعد میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں واقع ہوا ہے؛ ان میں کچھ حضرت علی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر اور کچھ اس کے برعکس تقدیم دیتے ہیں۔اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا؛ ہم ان میں سے کسی کو بھی غلط نہیں کہتے۔''اس سے اہل سنت والجماعت کا عادلانہ اور صاف وشفاف منہج نکھر کر سامنے آگیا۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بار کی نسبت بہت سخت دستک دی۔ اس دستک کو رسول اللہ ﷺ نے سن لیا اور فرمایا: اسے اندر آنے کی اجازت دو۔ جب آپ اندر تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے اتنی دیر کیوں لگا دی؟ تو انہوں نے عرض کیا: میں ایک بار آیا تو مجھے انس نے واپس کر دیا' پھر دوسری بار آیا تو انس نے واپس کر دیا۔ پھر میں تیسری بار آیا تو انس نے واپس کر دیا۔ آپ نے پوچھا: اے انس! تم نے ایسے کیوں کیا؟ تو انہوں نے عرض کی: میں یہ امید کرتا تھا کہ یہ دعا انصار کے کسی فرد کے لیے ہو۔ تو آپ نے فرمایا: اے انس! کیا انصار میں علی سے بہتر بھی کوئی ہے؟ یا انصار میں علی سے افضل بھی کوئی ہے۔ جب آپ اللہ کے ہاں سب سے محبوب مخلوق تھے تو اس سے واجب ہوا کہ آپ ہی امام بھی ہوں۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]**: اس کا جواب کئی طرح سے دیا گیا ہے:

❀ پہلا جواب: ہم اس حدیث کی صحت پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مصنف کا یہ کہنا کہ تمام جمہور نے اس روایت کو نقل کیا ہے؛ جمہور پر جھوٹ اور بہتان ہے۔ اسے نہ ہی اصحاب صحاح نے روایت کیا اور نہ ہی محدثین نے اسے صحیح کہا۔ لیکن یہ بعض لوگوں کی نقل کردہ مرویات میں سے ہے۔ جیسا کہ اس جیسی دوسری روایات بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں نقل کی گئی ہیں۔ بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بھی بہت ساری روایات نقل کی گئی ہیں۔ اور اس باب میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن محدثین کرام نے ان میں سے کسی ایک کو بھی صحیح نہیں کہا۔

❀ دوسرا جواب: ہم کہتے ہیں: یہ حدیث سب محدثین؛ اہل علم و معرفت کے نزدیک جھوٹی اور موضوع ہے۔ ابو موسیٰ المدینی کہتے ہیں: کئی معتبر محدثین نے اس [پرندہ والی] روایت کی اسناد جمع کی ہیں۔ جیسے کہ حاکم نیشاپوری؛ ابو نعیم ؛ ابن مردویہ اور دوسرے محدثین کرام رحمہم اللہ۔

مشہور محدث امام حاکم سے ''حدیث الطیر'' کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: ''یہ حدیث صحیح نہیں۔'' ❶

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی (۳/ ۱۰۴۲۔۱۰۴۳۔ ترجمۃ للامام الحاکم)، البدایۃ النہایۃ لابن کثیر (۷/ ۳۸۷)، یہ روایت سنن ترمذی (۳۷۲۱)، کتاب المناقب' باب مناقب علی رضی اللہ عنہ؛ (۳۸۰۵) میں مختصراً مروی ہے: اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''نبی کریم ﷺ کے پاس ایک پرندہ تھا؛ تو آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! میرے پاس مخلوق میں اپنے نزدیک سب سے محبوب انسان کو لے آ؛ تاکہ وہ میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے؛ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے آپ کے ساتھ اسے کھایا۔'' امام ترمذی اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے؛ سدی سے اسے ہم صرف اس سند کے ساتھ جانتے ہیں۔ یہ حدیث ایک اور سند سے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام شوکانی رحمہ اللہ نے فوائد مجموعہ میں ص ۳۸۲ پر بھی نقل کیا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''المختصر'' میں کہا گیا ہے کہ اس حدیث کی کئی اسناد ہیں' جو کہ تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ اسے ابن جوزی رحمہ اللہ نے موضوعات میں درج کیا ہے۔ جب کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے مستدرک حاکم میں نقل کرتے ہوئے صحیح کہا ہے۔ جس پر بہت سارے اہل علم نے اعتراض کیا ہے۔ جو زیادہ تفصیل میں جانا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ سیر اعلام النبلاء میں امام حاکم رحمہ اللہ کے حالات زندگی میں دیکھ لے۔ نیز دیکھیے: تحفۃ الاحوذی (۴/ ۳۲۸)۔

موضوعات میں اس کے قریبی معنی میں ایک اور روایت ۱/ ۳۷۶ پر نقل کی گئی ہے: اس میں ہے: ''حضرت انس فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا: اے انس! میرے لیے وضوء کا پانی لاؤ۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور فرمایا: ''اے ⇦⇦⇦

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حالانکہ حاکم تشیع کی جانب منسوب ہے۔ان سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی حدیث بیان کرو' تو آپ نے فرمایا: ''ایسی کوئی روایت میرے دل میں نہیں آتی ؛ یا میری زبان پر جاری نہیں ہوتی ۔اس بات پر آپ کو مارا بھی گیا؛ مگر آپ نے فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ میں کوئی حدیث بیان نہ کی۔ حالانکہ آپ وہی امام حاکم ہیں جنہوں نے اپنی کتاب اربعین میں صرف ضعیف ہی نہیں بلکہ ائمہ حدیث کے نزدیک موضوع احادیث تک جمع کی ہیں۔ جیسا کہ وعدہ توڑنے والے اور بیعت توڑنے والے کو قتل کرنے کی روایت۔مگران کی شیعیت اوران جیسے دوسرے ائمہ حدیث جیسے امام نسائی' ابن عبدالبر اوران کے امثال کی شیعیت اس درجہ تک نہیں پہنچتی کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیں۔علماء حدیث میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں پایا جاتا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین پر فضیلت دیتا ہو۔ بلکہ ان میں شیعیت کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہیں۔ باقی ان

---

⇦⇦ انس! اس دروازے سے جو پہلا انسان تم پر داخل ہوگا وہ امیرالمؤمنین ؛سید المرسلین قائد غر المحجلین اور خاتم الوصیین ہوگا۔'' حضرت انس کہتے ہیں: میں نے دعا کی یا اللہ! ایسا آدمی انصار میں سے کسی ایک کو کردے۔ پھر اچانک حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے انس کون ہے؟ میں نے کہا: علی ہیں۔آپ نے خوشخبری دیتے ہوئے کچھ فرمایا اورانہیں گلے لگالیا۔''
ابن جوزی کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ یحيٰ بن معین کہتے ہیں: علی بن عابس کچھ بھی نہیں تھا۔اور یہ روایت جابر جعفی سے نقل کی گئی ہے؛ اس نے طفیل سے اوراس نے انس سے نقل کی ہے۔ زائدہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: جابر جعفی انتہائی جھوٹا انسان تھا۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر جھوٹا کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔علامہ سیوطی نے اللآلی المصنوعہ ۱/ ۳۵۹ پر کہا ہے: یہ پوری روایت سرا سر جھوٹ ہے۔سیوطی نے ابن جوزی کے کلام پر یہ عبارات زیادہ کی ہیں: میں کہتا ہوں : میزان میں ہے: یہ روایت من گھڑت ہے۔ابراہیم بن محمد بن میمون کٹر قسم کا شیعہ تھا۔اور لسان المیزان میں یہ جملہ بھی زیادہ ہے کہ: ازدی نے اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔اور فرمایا ہے: منکرالحدیث ہے۔اور میں نے اپنے شیخ حافظ ابوالفضل کے خط سے نقل کیا ہے؛ آپ فرماتے ہیں:''نا قابل اعتماد آدمی ہے۔''اس کے قریب قریب روایت ابن عراق الکنانی نے تنزیہ الشریعہ ۱/ ۳۵۷ پر نقل کی ہے۔
ہیثمی نے مجمع الزوائد ۹/ ۱۲۵ پر کہا ہے: اس حدیث میں ہے:''وہ میرے ساتھ اس پرندے کا بچہ کھائے۔'' پھر فرمایا: ایک روایت میں ہے: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک چاردیواری میں تھا؛ تو آپ کے پاس ایک پرندہ لایا گیا۔'' اورایک روایت میں ہے: ''ام ایمن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوروٹیوں میں رکھ کر ایک پرندہ ہدیہ بھیجا۔پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے دریافت فرمایا: ''تمہارے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے۔'' تو وہ پرندہ لے کر حاضر ہوگئیں۔'' میں کہتا ہوں : امام ترمذی نے اس روایت کا ایک حصہ بیان کیا ہے۔امام طبرانی نے اوسط اور کبیر میں اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ابویعلی میں تو بہت ہی زیادہ مختصر ہے۔ ہاں وہاں پر یہ الفاظ موجود ہیں: پس ابوبکر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کردیا؛ پھر عمر آئے تو آپ نے واپس کردیا؛ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے۔ تو آپ نے انہیں اجازت دیدی۔'' معجم الکبیر کی اسناد میں حماد بن مختار ہے؛ جس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں جب کہ بقیہ راوی صحیح ہیں۔اور ابویعلی کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔لیکن ان میں سے بعض میں ضعف پایا جاتا ہے۔
امام حاکم نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ان کے تیس سے زیادہ اصحاب نے روایت کی ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس پر یہ تعلیق لگائی ہے: ''میں کہتا ہوں : ابن عیاض کو میں نہیں جانتا۔اور میں ایک لمبے زمانہ سے یہ سوچتا تھا کہ امام حاکم اپنی مستدرک میں ایسی روایت نقل کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے۔لیکن جب میں نے اس کتاب پر تعلیقات لگانا شروع کیں تو وہاں کچھ ایسا خوفناک بھی دیکھنے کو ملا کہ اس کے مقابلہ میں یہ روایت آسمانوں پر ہے۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ائمہ متقدمین پر زبان درازی کرنا' ان کے محاسن بیان کرنے سے اعراض اور من گھڑت روایات کا بیان ان کے ہاں نہیں تھا۔ علماء حدیث نے انہیں اس چیز سے بچالیا تھا۔ اور انہوں نے وہ قواعد مقرر کردیئے تھے جس سے ان صحیح احادیث کی پہچان حاصل ہوسکتی تھی جو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فضائل پر دلالت کرتی ہیں۔

بعض معمولی درجہ کے محدثین نے جو اس قسم کی روایات کو رد کیا ہے' جیسا کہ ابن عقدہ وغیرہ؛ تو ان لوگوں کا مقصود یہ تھا کہ فضائل علی رضی اللہ عنہ میں جھوٹی احادیث تک کو جمع کرلیا جائے۔ موضوع احادیث کے زور پر ان صحیح احادیث کو رد نہیں کیا جاسکتا جو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فضائل پر دلالت کرتی ہیں' اور محدثین کے ہاں تواتر کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ احادیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کی احادیث سے زیادہ کثرت کے ساتھ ہیں اور دلالت میں واضح اور صریح ہیں؛ سند کے اعتبار سے صحیح ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ:''انہوں نے فضائل علی رضی اللہ عنہ میں ان احادیث کو صحیح قرار دیا ہے جنہیں دوسرے محدثین نے صحیح نہیں کہا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے' آپ سے اس قسم کی جھوٹ بات کا صدور ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بلکہ آپ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ان سے وہ روایات نقل کی گئی ہیں' جو دوسرے محدثین سے نقل نہیں کی گئیں۔'' لیکن آپ کے اس کلام میں کچھ اشکالات ہیں جن کے بیان کا موقع محل یہ نہیں ہے۔

❀ تیسرا جواب: پرندے کا گوشت کھانے میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کا سب سے محبوب انسان حاضر ہو اور وہ اس میں سے کچھ کھائے۔ اس لیے شریعت ہر نیک اور بدکردار کو کھانا کھلانے کا حکم دیتی ہے۔ اس میں کھانے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ قربت کی کوئی بات نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی دینی یا دنیاوی مصلحت پوشیدہ ہے۔ تو پھر یہاں کون سی ایسی بڑی بات ہے جس کی وجہ سے یہ کہا جائے کہ یہ کام اللہ کا سب سے محبوب انسان ہی کرسکتا ہے۔

❀ چوتھا جواب: اس حدیث میں رافضی مذہب کے مطابق تناقض پایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان کا کہنا یہ ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مخلوق میں سب سے بڑھ کر محبوب ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کے بعد خلیفہ بھی بنایا ہے۔ جب کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو پتہ نہیں تھا کہ حضرت علی اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق میں سب سے بڑھ کر محبوب ہیں۔

❀ پانچواں جواب: یہاں پر دو ہی صورتیں ممکن ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کو سب مخلوقات کی نسبت عزیز تر ہیں۔

۲۔ آپ کو اس بات کا علم نہ تھا۔

بصورت اوّل آپ کے لیے ممکن تھا کہ آپ کسی کو بھیج کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا لیتے؛ پھر آپ نے انہیں کیوں نہیں بلا لیا؟ جیسے کہ آپ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک کو بوقت ضرورت بلالیا کرتے تھے۔ یا پھر آپ نے دعا میں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



یوں کیوں نہ فرمایا کہ:''اے اللہ! علی رضی اللہ عنہ کو حاضر کردے؛ بیشک وہ تیرے ہاں مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔'' اگر آپ ایسے صاف اور صریح الفاظ میں علی رضی اللہ عنہ کا نام لے کر دعا کر دیتے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک بھی باطل امید پر نہ رہتے' اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آمد پر دروازہ بند کردیتے۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات نہیں جانتے تھے؛ تو رافضیوں کا یہ دعوی باطل ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم تھا۔ نیز یہ کہ اس روایت کے الفاظ ہیں:

(( اَحَبَّ خَلْقِكَ اِلَيْكَ وَاِلَيَّ . ))

''جو تجھے اور مجھے تیری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہو۔''

حیرانی کی بات ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سب مخلوقات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز تر تھے تو آپ کو یہ بات کیوں کر معلوم نہ تھی؟

❀ چھٹا جواب: کتب صحاح ستہ میں جو احادیث صحیح اور ثابت ہیں اور جن کے صحیح ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے؛ اور انہیں علمائے کرام رحمہم اللہ میں قبول عام حاصل ہے؛ وہ تمام احادیث اس روایت کے خلاف ہیں۔ تو پھر ان کا مقابلہ اس موضوع اور جھوٹی روایات سے کیوں کر کیا جاسکتا ہے جنہیں کسی ایک نے بھی صحیح نہیں کہا۔

اس روایت کے ناقابل اعتماد ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بخاری و مسلم اور دوسری کتب میں وارد فضائل صحابہ کرام کی روایات ہیں۔ بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر روئے زمین پر رہنے والوں میں سے کسی کو گہرا دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔''❶

یہ حدیث مشہور ہی نہیں بلکہ اہل علم کے ہاں متواتر ہے۔ صحاح ستہ میں مختلف طرق سے مروی ہے' اس حدیث کے راویوں میں حضرت ابن مسعود❷، ابن عباس❸، ابوسعید❹ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین❺ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل ہیں۔

یہ حدیث اس باب میں ایک صریح ثبوت ہے اہل ارض میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر محبوب کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اس لیے کہ ''خلة [یا خلیل]'' کا لفظ محبت کے کمال [ومعراج] کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور یہ چیز صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہوسکتی ہے۔ اگر یہ اہل دنیا میں سے کسی کے لیے ممکن ہوتی تو پھر اس کے مستحق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اس لیے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لوگوں میں سب سے بڑھ کر محبوب تھے۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم '' لو کنت متخذًا خلیلا'' (ح:٣٦٥٦)، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، (ح:٢٣٨٢)

❷ صحیح مسلم(٢٣٨٣)

❸ صحیح بخاری (٣٦٥٦)

❹ صحیح بخاری (٣٦٥٤)، صحیح مسلم(٢٣٨٢)

❺ صحیح بخاری (٣٦٥٨)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا تھا کہ سب لوگوں میں سے آپ کو عزیز تر کون ہے؟ فرمایا: ''عائشہ۔'' عرض کیا گیا مردوں میں سے کون؟ فرمایا: ''ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ۔''❶

سقیفہ بنی ساعدہ کے روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار کے ہجوم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا تھا:

''آپ ہم میں سب سے بہتر اور رسول اللہ ﷺ کو عزیز تر ہیں۔''❷

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس کی تردید نہیں کی تھی۔''

نیز یہ کہ نبی کریم ﷺ کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کے تابع ہے۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق میں سب سے محبوب تھے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ کو بھی آپ سے بہت زیادہ پیار تھا۔

ہاں بالکل معاملہ ایسے ہی تھا۔ اس لیے کہ [رسول اللہ ﷺ کے بعد] آپ ان سب میں اللہ سے زیادہ ڈرنے والے اور عزت والے تھے۔ اور مخلوق میں اللہ کے ہاں سب سے زیادہ معزز و مکرم اور کتاب و سنت کا تقویٰ رکھنے والے تھے۔ سب سے بڑے متقی تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو متقی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَى﴾ (اللیل:۱۷۔۲۱)

''اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے۔ جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ بلکہ صرف اپنے پروردگار بزرگ و بلند کی رضا چاہنے کے لیے۔ یقیناً وہ (اللہ بھی) عنقریب رضامند ہو جائے گا۔''

ائمہ تفسیر فرماتے ہیں کہ یہ آیات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔❸

ہم ائمہ تفسیر کے اس قول کی صحت دلیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں: ''الاتقی'' سے مراد کبھی ایک نوع ہوتی ہے اور کبھی شخص واحد بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ جب اس سے مراد نوع ہو تو پوری جماعت بھی مقصود ہو سکتی ہے۔ اگر یہ کہیں کہ ان میں صرف ایک شخص ہی اتقی ہو سکتا ہے تو یہ قول باطل ہے۔ اس لیے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض افراد بعض سے زیادہ متقی ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ چیز اہل سنت والجماعت اور شیعہ کے اقوال کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مخلوق میں سب سے زیادہ متقی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ جب کہ شیعہ کہتے ہیں: نہیں؛ بلکہ وہ شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت

---

❶ صحیح بخاری، حوالہ سابق (حدیث:۳۶۶۲)، صحیح مسلم، حوالہ سابق (حدیث: ۲۳۸۴)

❷ صحیح بخاری، حوالہ سابق (حدیث:۳۶۶۸)۔

❸ مستدرک حاکم (۲/ ۵۲۵)، تفسیر درمنثور (۶/ ۶۰۵)۔ تفسیر قرطبی میں ہے: یعنی اس جہنم سے وہ آدمی دور ہوگا جو متقی اور ڈرنے والا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا، الاتقی سے مراد حضرت ابوبکر ہیں جنہیں جہنم میں داخل ہونے سے دور رکھا جائے گا۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



عمر رضی اللہ عنہ تھے اور کچھ لوگوں سے اس کے علاوہ بھی تفاسیر منقول ہیں ۔جس انسان کو اس بارے میں پختہ علم ہو' [یا شک کی صورت میں بھی ؛ تو] وہ کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تقوی میں برابر تھے۔اگر کوئی ایسی بات کہے گا تو وہ تمام گروہوں کے اجماع کی مخالفت کرے گا۔ پس یہ بات متعین ہوگئی کہ یہ لوگ تقوی میں برابر نہیں [بلکہ ان کے مراتب میں فرق ہے ]۔

اگر اس سے فرد معین مراد لیں تو پھر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں گے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ ۔اس لیے کہ لفظ'' اتقی ''اسم جنس ہے' جو اس جنس میں شامل تمام افراد کے لیے بولا جاسکتا ہے۔اس صورت میں اس سے مراد پہلی قسم یعنی جماعت ہوگی۔

یا پھر اس سے کوئی ایسا متعین شخص مراد ہو جو ان دو حضرات کے علاوہ ہو؛ تو یہ چیز بھی اہل سنت والجماعت اور شیعہ کے عقیدہ کے خلاف ہے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا مصداق ٹھہرانا اس لیے صحیح نہیں کہ اس میں یہ آیت بھی ہے:

﴿اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی o وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰیo اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی o وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ﴾ (اللیل: ۱۸۔۲۱)

''جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔بلکہ صرف اپنے رب بزرگ وبرتر کی رضا چاہنے کے لیے۔یقیناً وہ (اللہ بھی )عنقریب رضا مند ہو جائے گا۔''

یہ وصف کئی وجوہات کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں موجود نہ تھا۔

❀ پہلی وجہ: چونکہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور علی رضی اللہ عنہ مکہ میں تنگ دست اور عیال محمدی میں شامل تھے❶۔آپ کے پاس کوئی مال نہیں تھا جو آپ خرچ کرتے؛ جب مکہ میں قحط پڑا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے کنبہ میں شامل کر لیا تھا۔

❀ دوسری وجہ: اس آیت میں کہا گیا ہے: ﴿ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰی ﴾

''اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔''

❀ بنابریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر دو احسان تھے:

ا۔ [ دنیوی احسان ] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے عیال کے ساتھ ملا لیا تھا۔ بخلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔ اس لیے کہ آپ پر کوئی دنیاوی احسان نہیں تھا؛ سوائے دینی نعمت کے۔اور اس پر جزاء نہیں دی جاسکتی۔اس لیے کہ دین کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے ؛ کوئی بھی انسان اس کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیق پر دینی احسانات ہیں جن کا بدلہ نہیں دیا جاسکتا ہے ۔ جب کہ حضرت

❶ سیرۃ ابن هشام(ص:۱۱۵)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



علی رضی اللہ عنہ پر ہر دو طرح کے احسانات ہیں: ا۔ دنیاوی [جن کا بدلہ دیا جاسکتا ہے]۔

اور ۲۔ اخروی و دینی احسان [جن کا بدلہ ممکن نہیں]۔

پہلا احسان قابل جزاء ہے۔ جب کہ دوسرے احسان کا صلہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیت میں ذکر کردہ وصف ''اتقی'' حضرت صدیق رضی اللہ عنہ میں موجود تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں نہیں۔ بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسروں سے زیادہ متقی تھے۔ مگر مذکورہ وصف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہم سر نہ تھے۔ [1]

اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے اللہ کی رضا کے لیے اپنا مال خرچ کیا؛ تو پھر اس میں انعام کرنے والے کے لیے تو کوئی جزاء نہیں۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ کسی انسان نے اپنے ساتھ بھلائی کرنے والے کو اجرت دی؛ اور پھر اس کے بعد کوئی چیز اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بھی دیدی؛ تو یہ بھی ایسی ہی چیز ہے جس کی جزاء کسی ایک کے پاس نہیں ہے۔

---

[1] تفسیر قرطبی میں ہے: حضرت عطا اور ضحاک رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ مشرکوں نے حضرت بلال کو اذیتیں دیں اور حضرت بلال احد، احد، کہتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا، احد تجھے نجات دے گا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اے ابابکر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اللہ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ بھانپ گئے اور اپنے گھر چلے گئے سونے کا ایک رطل لیا اور اسے امیہ بن خلف کے پاس لے گئے اس سے پوچھا کیا تو بلال کو میرے ہاتھ بیچتا ہے؟ اس نے کہا، ہاں۔ حضرت ابوبکر نے حضرت بلال کو خرید لیا اور اسے آزاد کر دیا مشرکوں نے کہا، حضرت ابوبکر نے بلال کو آزاد نہیں کیا مگر اس لیے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کوئی احسان ہوگا۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی یعنی کسی کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کوئی احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیا جاتا بلکہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ اپنے بزرگ و برتر کی رضا کے لیے کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے امیہ بن خلف اور ابی بن خلف سے حضرت بلال کو ایک غلام اور دس اوقیہ میں خریدا اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ان سعیکم لشتی﴾ ''بیشک تمہاری کاوشیں مختلف ہیں۔''

سعید بن مسیّب نے کہا ہے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف سے کہا، کیا تو بلال رضی اللہ عنہ کو میرے ہاتھ بیچتا ہے اس نے کہا ہاں میں اسے نسطاس کے بدلے بیچتا ہوں نسطاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا جس کے پاس دس ہزار دینار، غلام، لونڈیاں اور مویشی تھے وہ مشرک تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے مسلمان ہونے پر برانگیختہ کیا کہ وہ اسلام قبول کرے تو جتنا مال اس کے قبضہ میں ہے سب اسی کا ہوگا؛ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نسطاس حضرت بلال کے بدلے میں بیچ دیا۔ مشرکوں نے کہا، حضرت ابوبکر نے حضرت بلال کیساتھ یہ معاملہ کسی احسان کی وجہ سے کیا ہے جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان پر کیا ہوگا تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

ابوحیان تیمی اپنے باپ سے وہ حضرت علی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا، رحم اللہ ابا بکر زوجنی ابنتہ، وحملنی الی دارالھجر واعتق بلالا من مالہ۔ اللہ تعالی حضرت ابوبکر پر رحم کرے اس نے اپنی بیٹی میرے عقد نکاح میں دی، مجھے دار ہجرت کی طرف لے گئے اور اپنے مال سے حضرت بلال کو آزاد کیا۔ جب حضرت ابوبکر نے حضرت بلال کو خریدا تو حضرت بلال نے آپ سے کہا، کیا آپ مجھے اپنے کام کے لیے خریدا ہے یا اللہ تعالی کے لیے خریدا ہے؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ تعالی کے لیے۔ حضرت بلال نے کہا مجھے اللہ تعالی کے لیے چھوڑ دو تو حضرت ابوبکر نے اسے آزاد کر دیا۔ حضرت عمر بن خطاب کہا کرتے تھے حضرت ابوبکر صدیق ہمارے سردار ہیں انہوں نے ہمارے سردار حضرت بلال کو آزاد کیا۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: ''تصور کیجیے! معاملہ بالکل ایسے ہی ہے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ خرچ بھی کرتے تو آپ اسی جگہ پر خرچ کرتے جہاں پر خرچ کرنے کا حکم انہیں بارگاہ رسالت سے ملتا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس نعمت کی جزاء دینے کی گنجائش موجود تھی۔ تو آپ کا خرچ کرنا مجازات سے ایسے خالی نہیں ہوسکتا جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انفاق فی سبیل اللہ مجازات سے خالی ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسروں سے بڑھ کر متقی ہیں' مگر اس مذکورہ وصف میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زیادہ کامل تھے۔ حالانکہ آیت کے الفاظ میں یہ بات واضح ہے کہ مخلوق میں سے کسی ایک کے پاس بھی آپ کے احسانات کا بدلہ نہیں۔ یہ وصف اسی انسان کا ہوسکتا ہے جو لوگوں کو ان کے احسانات پر بدلہ دیتا ہو اور مخلوق میں سے کسی ایک کا کوئی احسان اس پر باقی نہ رہا ہو۔ یہ وصف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر یوں پوری طرح سے منطبق ہوتا ہے کہ مہاجرین میں سے کوئی دوسرا انسان آپ کے برابر نہیں ہوسکتا۔ بیشک مہاجرین -حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین اور دوسرے صحابہ کرام- میں کوئی ایک انسان بھی ایسا نہیں تھا جو اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد لوگوں کے ساتھ اپنی جان و مال سے اس قدر احسان کرنے والا ہو جس قدر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ احسان کیا کرتے تھے۔ آپ لوگوں میں مألوف و محبوب تھے؛ لوگوں کی خیرخواہی میں ان کیساتھ مدد کیا کرتے۔ جیسا کہ مکہ سے آپ کی ہجرت کے وقت اس علاقہ کے سردار ابن دغنہ نے کہا تھا: ''اے ابوبکر! آپ جیسے لوگوں کو نہ ہی نکالا جاسکتا ہے' اور نہ ہی وہ خود نکل سکتے ہیں۔ بیشک آپ کمزوروں کی مدد کرتے ہیں؛ مہمان نوازی کرتے ہیں؛ ضرورت مند کی مدد کرتے ہیں اور حق کے کاموں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔''

صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے حضرت عروۃ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''تو لات کی شرم گاہ چوس! کیا ہم بھاگ جائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں ہی اکیلا چھوڑ دیں گے؟ تو اس نے جواب میں کہا: اگر تمہارا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا؛ تو میں ضرور تمہیں اس کا جواب دیتا۔''

اسلام سے قبل اور اس کے بعد کسی ایک بھی ایسے انسان کے بارے میں بھی علم نہیں ہوسکا جس کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کوئی احسان ہو۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے آپ ہی اس بات کے حق دار تھے کہ ان الفاظ میں آپ کی مدح سرائی کی جائے:

﴿وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى﴾

''اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔''

آپ اس آیت کے مقصود میں داخل ہونے میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیاوی احسانات ہیں۔ مسند أحمد بن حنبل میں ہے: ''اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کوڑا گر جاتا تو آپ کسی کو نہیں کہتے تھے کہ یہ اٹھا کر مجھے دیدو۔ اور آپ فرمایا کرتے تھے:

''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں کبھی بھی لوگوں سے کسی بھی چیز کا سوال نہ کروں۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



مسند احمد اور سنن ترمذی اور سنن ابو داؤد میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت میرے پاس مال موجود تھا۔ میں نے اپنے جی میں کہا: آج میں ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جاؤں گا۔ پس میں اپنے گھر کا آدھا مال لیکر حاضر ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا: اتنا ہی مال اپنے گھر والوں کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا مال لیکر حاضر ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ تو آپ نے عرض کیا: اپنے گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔'' پس میں نے کہا: میں کبھی بھی آپ پر سبقت حاصل نہیں کرسکتا۔''

ہاں! ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا سارا مال پیش کردیا' مگر اس کے باوجود آپ کسی سے لے کر نہیں کھاتے تھے۔ نہ ہی صدقہ کا مال اور نہ ہی صلہ رحمی کا؛ نہ ہی نذر و نیاز [نہ ہی نذرانہ]۔ بلکہ آپ تجارت کیا کرتے تھے۔ اور اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھایا کرتے تھے۔ جب لوگوں نے آپ کو حکمران بنادیا تو آپ تجارت چھوڑ کر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں مشغول ہوگئے۔ تو آپ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مال؛ اللہ اور اس کے رسول کے حصہ [خمس] سے کھایا کرتے تھے؛ کسی مخلوق کے مال سے کبھی کچھ نہیں کھایا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی مال غنیمت میں سے کوئی چیز بطور خاص نہیں دیا کرتے تھے؛ بلکہ جیسے عام مسلمان مجاہد کو غزوات میں حصہ ملتا ایسے ہی آپ کو بھی ملا کرتا تھا۔ بلکہ آپ سے مال لے کر اسے لوگوں پر خرچ کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال تو کیا مگر کبھی بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز بطور خاص دی ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ نے عطیہ دیا؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مال فئے میں سے دیا' اور ایسے ہی نئے مسلمانوں اور مؤلفۃ القلوب کو اور آزاد کردہ لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ اہل نجد کو بھی دیا۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین کو کچھ بھی نہیں دیتے تھے۔ جیسا کہ غزوہ حنین اور بعض دوسرے مواقع پر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''میں کچھ لوگوں کو دیتا اور کچھ لوگوں کو چھوڑ دیتا ہوں۔ جس انسان کو میں کچھ نہیں دیتا وہ میرے نزدیک ان لوگوں کی نسبت زیادہ محبوب ہے جنہیں میں کچھ دیتا ہوں ۔ اور میں ان لوگوں کو دیتا ہوں جن کے دلوں میں کچھ ملال یا کمزوری ہے۔ اور جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے تونگری اور خیر رکھی ہے ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کردیتا ہوں۔''

جب آپ کو یہ اطلاع ملی کہ انصار عطیات کے بارے میں کچھ چہ می گوئیاں کررہے ہیں' تو آپ نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا؛ تو انہوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے جو لوگ صاحب الرائے انہوں نے تو کچھ بھی نہیں کہا؛ ہاں کچھ نوجوان چھوکروں سے ایسی باتیں ہوئی ہیں۔ انہوں نے کہا تھا: اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو معاف فرمائے'

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



آپ قریش کو دے رہے ہیں اور ہمیں خالی چھوڑ رہے ہیں جب کہ ہماری تلواروں سے ابھی تک ان کا خون ٹپک رہا ہے۔
اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں کفر سے نئے مسلمان ہونے والوں کو ان کی تالیف قلبی کے لیے دیتا ہوں۔ کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ لوگ مال لے کر واپس جائیں اور تم اپنے گھروں کو رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لے کر جاؤ۔ اللہ کی قسم! جو چیز لے کر تم واپس جاؤ گے وہ اس سے بہت بہتر ہے جو وہ لوگ لے کر واپس اپنے گھروں کو جائیں گے۔''

وہ سبھی کہنے لگے: ''کیوں نہیں یا رسول اللہ! ہم اس پر راضی ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''تم لوگ میرے بعد بہت زیادہ تونگری دیکھو گے؛ تو تم صبر کرنا یہاں تک کہ اللہ اس کے رسول سے حوض پر ملاقات کرو۔'' انصار نے عرض کیا: ''تو پھر ہم صبر کریں گے۔'' [صحيح مسلم:٢٤٢٩]

نیز آیت کریمہ:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى o الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى o وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى o اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى o وَلَسَوْفَ يَرْضٰى﴾ (الليل:١٧۔٢١)

''اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے۔ جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ وہ تو صرف اپنے رب عالی مقام کی رضا جوئی کے لیے (یہ کرتا ہے)۔ یقیناً وہ (اللہ بھی) عنقریب رضامند ہو جائے گا۔''

اس میں مستثنیٰ منقطع ہے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ: یہ ''اتقی'' عطیات دینے میں صرف ان لوگوں پر انحصار نہیں کرتا جن کا ان پر کوئی احسان ہے؛ اس لیے کہ لوگوں کا آپس میں ایسا کرنا تو عدلاً واجب ہے جو کہ خرید و فروخت اور اجرت کی منزلت پر ہے۔ ہر انسان کے ساتھ ایسا کرنا ہر ایک پر واجب ہے۔ اور اگر کسی انسان کا کوئی قابل معاوضہ [بدلہ] احسان نہ ہو تو پھر اس قسم کے معادلہ [برابری کے سلوک] کی ضرورت نہیں رہتی۔ پس اس صورت میں عطاء خالص اللہ کی رضا کے لیے ہوگی۔ بخلاف اس شخص کے جس پر کسی کا کوئی احسان ہو' تو وہ بدلہ چکانے کا محتاج ہوتا ہے۔ اسے ضرورت ہوتی ہے کہ وہ بھلائی کے بدلہ میں بھلائی کا سلوک کرے۔ لیکن جس شخص پر کسی کا کوئی ایسا احسان نہیں ہے جس کا اسے بدلہ دیا جائے' تو جب یہ شخص اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو یہ صرف اپنے تزکیہ نفس کے لیے ہوگا۔ اس لیے کہ یہ انسان ہمیشہ لوگوں کو ان کے معاملات میں پورا پورا بدلہ دیتا ہے؛ ان کی مدد کرتا اور انہیں جزاء سے نوازتا ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ اسے مال عطا کرتا ہے تو وہ اسے تزکیہ نفس کے لیے خرچ کرتا ہے' اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہوتا جس کا بدلہ دے رہا ہو۔

نیز اس آیت میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ: یہ فضیلت اس انسان کی ہے جو معاوضات میں سے واجبات کی ادائیگی کے بعد خرچ کر رہا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿وَ یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ [البقرۃ ۲۱۹]

’’آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں، تو آپ فرما دیجئے حاجت سے زیادہ چیز۔‘‘

پس جس پر قرض یا دوسرے فرائض ہوں‘ پہلے وہ ادا کرے گا‘ وہ صدقہ کو ان واجبات پر مقدم نہیں کرے گا۔ اگر اس نے ایسا کرلیا تو کیا اس کا صدقہ واپس کردیا جائے گا؟ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کے ہاں دو قول معروف ہیں۔

اس آیت سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو صدقہ واپس کرنے کا کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس انسان کی تعریف کی ہے جو اپنا مال تزکیہ نفس کے لیے خرچ کرتا ہے‘ اور اس پر کسی کا قابل معاوضہ [یا بدلہ] احسان نہیں ہوتا۔ اگر اس پر کسی انسان کا احسان ہو تو ضروری ہے زکوۃ کا مال نکالنے سے پہلے بدلہ چکائے۔ اگر اس نے بدلہ چکانے سے پہلے اس مال کو تزکیہ کے لیے خرچ کردیا‘ تو اس کا یہ فعل قابل تعریف نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا یہ عمل مردود ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

’’جس کسی نے کوئی ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو اس کا وہ کام مردود ہوگا۔‘‘

❀ تیسری بات: نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’مجھے اور کسی کے مال سے اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے حاصل ہوا۔‘‘ [1]

نیز فرمایا: ’’ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحبت و رفاقت اور مال کے احسانات مجھ پر سب سے زیادہ ہیں۔‘‘ [2]

بخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے؛ نبی کریم ﷺ نے ان کے کسی قسم کا انفاق فی سبیل اللہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ اور یہ بات بھی معلوم شدہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شروع اسلام کے ایام میں سات ایسے لوگوں کو خرید کر آزاد کیا تھا جن کو اسلام لانے [اور ایمان قبول کرنے] کے جرم میں ستایا جاتا تھا۔ [3] آپ نے یہ کام صرف اللہ رب ذوالجلال کی رضامندی کے حصول کے لیے کیا تھا۔ آپ کا یہ کارنامہ جناب ابو طالب کے کردار کی طرح نہیں تھا جنہوں نے صرف قرابت کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی حمایت کی۔ ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی یا اس کی خوشنودی کا حصول نہیں تھا۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ’’الاتقی‘‘ اسم جنس ہے اس میں امت کے سبھی اعلی تقوی رکھنے والے شامل ہیں؛ اور ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ کرام جلیل القدر اور خیر القرون کے لوگ ہیں۔ وہی اس امت کے سب سے بڑے متقی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور امت کے اہل تقوی کے سرخیل یا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ؛ یا کوئی تیسرا انسان ہے۔ کسی

[1] الترمذی۔ کتاب المناقب۔ باب۱۵/ ۳۴)، (ح:۳۶۶۱)، سنن ابن ماجة۔ المقدمة۔ باب فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (ح:۹۴)۔

[2] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ۔ باب قول النبی ﷺ ”سدوا الابواب الا باب ابی بکر“ (ح:۳۶۵۴)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (ح:۲۳۸۲)۔

[3] مستدرك حاکم (۳/ ۲۸۴)، سیرة ابن هشام (ص:۱۴۷)۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com



تیسرے انسان کا ہونا بالا جماع منتفی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ بھی اس قسم میں شامل ہیں۔ اس لیے کہ جب آپ کو مال حاصل ہوگیا تھا تو آپ تزکیہ وطہارت کے حصول کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شروع اسلام کے ایام میں اس وقت خرچ کیا کرتے تھے جب اس کی بہت سخت ضرورت تھی۔ پس آپ اس وصفِ اتقی میں دوسرے لوگوں سے بڑھ کر کامل و اکمل ہوئے۔

مزید برآں یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایسے مواقع پر آگے بڑھاتے تھے جہاں کسی دوسرے کی شراکت ممکن نہیں ہوا کرتی تھی؛ جیسے نماز اور حج میں اپنا نائب بنانا؛ سفر ہجرت میں اپنی ہمراہی کے لیے صرف ان کا انتخاب کرنا؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپ کا تقریر کرنا؛ آپ کو تقریر کی اجازت ملنا؛ نیز فتوی دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر رضا مندی کا اظہار کرنا؛ اور ان کے علاوہ دیگر اتنے خصائص ہیں جن کا یہاں پر بیان طوالت کا موجب ہوگا۔

جو انسان ان اوصاف میں اکمل ہو' وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا اور محبوب ہوگا۔ یہ بات بے شمار دلائل کی روشنی میں ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مقام صدیقیت میں تمام صحابہ کرام سے بڑھ کر عزت والے اور مقدم تھے۔ اور آپ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ترین ہستی ہیں۔ اور جو ان اوصاف میں کامل ہو وہی افضل ہوگا۔

نیز یہ کہ صحیح سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے افضل ترین لوگ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔''

یہ بات اتنی مشہور ہے کہ حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور آپ نے ایسے انسان کو کوڑے لگانے کی وعید سنائی تھی جو افتراء پردازی کرتے ہوئے آپ کو ان حضرات پر فضیلت دے۔ اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ اور ظاہر بات ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ بات دوٹوک طور پر اسی صورت میں کہہ سکتے ہیں جب آپ کو اس کا علم حاصل ہو چکا ہو۔

مزید برآں یہ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تقدیم دینے پر اجماع ہے' جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ سے افضل ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان دونوں سے افضل ہیں۔ کئی دوسرے مواقع پر یہ مسئلہ بہت تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ جس کا کچھ حصہ یہاں بھی گزر چکا ہے۔ لیکن یہاں پر اس کا ذکر پرندہ والی حدیث کے جھوٹ کو طشت از بام کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔

## فصل:......[ امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نویں دلیل: حدیث: سلام امارت ]

**[اشکال]**: شیعہ لکھتا ہے: ''اثباتِ امامتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نویں حدیث جمہور علماء نے روایت کی ہے کہ آپ نے صحابہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر امیر المؤمنین ہونے کی وجہ سلام بھیجنے کا حکم دیا اور فرمایا: آپ سید المسلمین امام المتقین اور پانچ کلیانے گروہ کے قائد ہیں؛ اور فرمایا: آپ میرے بعد ہر مؤمن کے ولی ہیں؛ نیز آپ کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ: ''بیشک علی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں' اور آپ ہر مؤمن مرد وعوت کو اس کی جان سے بڑھ کر محبوب ومقدم ہیں۔ پس ان نصوص کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ وامام ہوں گے۔ یہ روایت اس باب میں واضح ہے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]**: اس کا جواب کئی وجوہات سے دیا گیا ہے:

❀ پہلا جواب: ہم شیعہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس روایت کی اسناد بیان کریں اور اس کی صحت ثابت کریں۔ شیعہ مصنف نے اپنی عادت کے مطابق اس روایت کو کسی بھی کتاب کی طرف منسوب نہیں کیا۔ شیعہ مصنف کا یہ کہنا کہ:'' اسے جمہور نے روایت کیا ہے۔'' سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ روایت صحاح اور قابل اعتماد مسانید وسنن اور دوسری معتمد کتب میں موجود نہیں۔ اگرچہ اسے بعض اندھیری رات کے مسافروں نے روایت بھی کیا ہے؛ تو اس جیسی اور بھی روایات انہوں نے جمع کی ہیں۔ اس جیسی روایات باتفاق مسلمین حجت نہیں ہوسکتیں کہ لوگوں پر ان کی اتباع واجب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر جھوٹ بولنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بات نہیں کہہ سکتے جو ہم جانتے نہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

((من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار ))۔

'' جو انسان مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے' اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم کی آگ میں بنالے۔'' [1]

❀ دوسرا جواب: اہل علم محدثین کا اس روایت کے جھوٹ ہونے پر اتفاق ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہر وہ انسان جسے علم حدیث کی معمولی سی بھی معرفت ہو وہ جانتا ہے کہ یہ روایت محض جھوٹ ہے؛ اہل علم محدثین میں سے کسی ایک نے بھی اپنی کسی قابل اعتماد سے روایت نہیں کیا۔ اور نہ ہی صحاح ستہ؛ سنن؛ اور قابل اعتماد مسانید میں اس کا کوئی وجود ہے۔

❀ تیسرا جواب: [اس کی اسناد میں متہم بالکذب راوی پائے جاتے ہیں]۔ بلکہ علماء حدیث اس سے بڑھ کر اسے موضوع قرار دیتے ہیں اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس حکایت کا روایت کرنے والا بڑا جھوٹا انسان ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ سے منزہ اور بری ہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخص سید المسلمین اور امام المتقین نہیں ہوسکتا؛ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

'' اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے سردار ہوں گے۔''

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ:'' مذکورہ روایت میں ایسے الفاظ موجود نہیں جو اس تأویل پر دلالت کرتے ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ میرے بعد امام المسلمین ہوں گے۔ بلکہ روایت اس تأویل کیخلاف ہے۔ اس لیے کہ خیر المسلمین و المتقین و قائد غر المحجلین '' قرن اول کے مسلمان تھے۔ اس دور میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی

[1] البخاري 1/33؛ كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم؛ مسلم 4/2298؛ كتاب الزهد، باب التثبيت في الحديث وحكم كتابة العلم، والحديث في سنن أبي داود والترمذي وابن ماجه والدارمي، وهو في المسند في مواضع كثيرة منها: الأرقام 6486، 9888۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



دوسرا ان کا قائد وسید اور امام وسردار نہیں تھا۔ تو پھر آپ کیسے ایسی چیز کی خبر دے سکتے ہیں جو ابھی تک موجود نہ ہو۔ اور پھر اس خبر کو بھی ایسے ہی تشنہ لب چھوڑ دیا جائے حالانکہ وضاحت کے ساتھ اس کے بیان کی بہت ہی سخت ضرورت بھی ہو۔

نبی کریم ﷺ ہی بروزِ قیامت مسلمانوں کے قائد ہوں گے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کن لوگوں کی قیادت کریں گے؟ نیز یہ کہ جب سب مسلمان شیعہ کی نگاہ میں کافر و فاسق ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کس کی قیادت کریں گے؟ صحیح احادیث میں ثابت نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

((وددت أنا قد رأينا إخواننا)). قالوا: أولسنا إخوانك يا رسول اللهِ؟. قال:(( أنتم أصحابي؛ وإخواننا الذين لم يأتوا بعد)). فقالوا: كيف تعرف من لم يأتِ بعد مِن أمتِك يا رسول اللهِ؟. فقال: ((أرأيت لو أن رجلا له خيل غرٌّ محجل بين ظهري خيل دهم بهم لا يعرف خيله؟)). قالوا: بلى يا رسول اللهِ!. قال:(( فإنهم يأتون غرًّا محجلين مِن الوضوءِ؛ وأنا فرطهم على الحوضِ؛ ألا ليذادن رِجال عن حوضِي؛ كما يذاد البعير الضال أنادِيهم ألا هلم. فيقال: إنهم قد بدلوا بعدك فأقول سحقا سحقا))

''میں چاہتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو دیکھوں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''تم میرے صحابہ ہو؛ میرے بھائی ابھی تک نہیں آئے۔'' کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو کیسے پہچانیں گے جو ابھی تک نہیں آئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بھلا تم دیکھو اگر کسی شخص کی سفید پیشانی والے سفید پاؤں والے گھوڑے سیاہ گھوڑوں میں مل جائیں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو ان میں سے پہچان نہ لے گا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''وہ لوگ جب آئیں گے تو وضو کے اثرات کی وجہ سے ان کے چہرے؛ ہاتھ اور پاؤں چمکدار اور روشن ہوں گے اور میں ان سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا۔ اور سنو بعض لوگ میرے حوض سے اس طرح دور کیے جائیں گے جس طرح بھٹکا ہوا اونٹ دور کر دیا جاتا ہے؛ میں ان کو پکارونگا ادھر آؤ تو مجھ سے کہا جائیگا کہ: انہوں نے آپ ﷺ کے وصال کے بعد دین کو بدل دیا تھا تب میں کہوں گا دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ۔''[1]

مذکورہ صدر حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ جو شخص وضو کرتے وقت اپنا منہ اور ہاتھ پاؤں دھوتا ہے وہ بروز قیامت ان لوگوں میں سے ہوگا جن کے ہاتھ پاؤں سفید ہوں گے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان جمہور مسلمانوں کے آگے آگے ہوں گے۔

اس کے مصداق شیعہ کے سوا آپ کی جمہور امت ہے، چونکہ شیعہ وضوء کرتے وقت پاؤں نہیں دھوتے۔ لہٰذا ان

[1] مسلم۔ کتاب الطهارة، باب استحباب اطالة الغرة (ح:٢٤٩) سنن نسائی (١٥٠)، سنن ابن ماجة (٤٣٠٦)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



کے پاؤں سفید نہیں ہوں گے۔اس لیے سرور کائنات ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بروز قیامت ان کی قیادت بھی نہیں کریں گے۔ اور نہ ہی انہیں سفید پاؤں والوں کے ساتھ چلایا جائے گا۔اس لیے کہ [حدیث میں مذکور] تحجلہ [سفید نشان] پاؤں کی پشت میں ہوتا ہے۔ پاؤں میں یہ نشان ایسے ہی ہوتا ہے جیسے ہاتھ میں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''ایڑیوں اور پاؤں کی اندرونی جانبوں کو آگ کی وجہ سے بڑی تکلیف کا سامنا ہوگا۔'' [1]

[حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وضو کرتے وقت پاؤں کا جو حصہ خشک رہے وہ آگ میں جلے گا]۔

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ محجّل گھوڑا وہی ہوتا ہے جس کے ہاتھ پاؤں پر سفیدی کا نشان ہو ورنہ اسے محجل نہیں کہتے۔ ثابت ہوا کہ محجل پاؤں اور ہاتھ کی سفیدی والے کو کہتے ہیں۔ بنابریں جو شخص اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک نہیں دھوتا۔ بروز قیامت اس کے پاؤں سفید نہیں ہوں گے۔پس سفید نشان والوں کے قائد بھی ان لوگوں سے برأت کا اظہار کریں گے؛ بھلے یہ کوئی بھی لوگ ہوں۔

نیز جس حقیقت واقعی سے اس روایت کا جھوٹ واضح ہوتا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں کا امام؛ سردار اور قائد قرار دینا ہے۔حالانکہ آپ ﷺ اعلانیہ اور واضح طور پر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل قرار دیا کرتے تھے اس کی حد یہ ہے کہ خاص و عام [اہل ایمان ہی نہیں] بلکہ مشرکین بھی اس سے آگاہ تھے۔

احد کے موقع پر ابوسفیان نے تین مرتبہ کہا کہ: کیا تم لوگوں میں محمد (ﷺ) ہیں؟ کیا تم لوگوں میں محمد (ﷺ) ہیں؟ کیا تم لوگوں میں محمد (ﷺ) ہیں؟ جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو اس کا جواب دینے سے منع کر دیا تھا۔ پھر ابوسفیان نے تین مرتبہ کہا کہ:'' کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہیں؟ کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہیں؟ کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہیں؟ (یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ)۔ اور پھر تین مرتبہ کہا کہ: کیا تم میں عمر بن الخطاب ہیں؟ کیا تم میں عمر بن الخطاب ہیں؟ کیا تم میں عمر بن الخطاب ہیں؟ اور پھر اس کے بعد اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ:'' یہ تو سب مارے گئے۔'' جس پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو نہ روک سکے اور کہا:

''اے اللہ کے دشمن اللہ کی قسم! جن لوگوں کا تو نے نام لیا ہے وہ سب زندہ ہیں۔ اور جس بات سے تم رنجیدہ ہو وہ برقرار ہے۔'' [2]

---

[1] مسند احمد (٤/ ١٩١)، موقوفاً و مرفوعاً۔ صحیح ابن خزیمة(١٦٣)، مرفوعاً وعلقه الترمذی فی کتاب الطهارة، باب ما جاء ''وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ'' (تحت الحدیث:٤١)۔

[2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة احد(حدیث:٤٠٤٣) امام بخاری اور دوسرے محدثین نے پوری تفصیل کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے [صحیح بخاری: ح 293] یہ امر قابل غور ہے کہ ابوسفیان نے صرف تینوں حضرات کے بارے میں سوال کیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ کفار صرف انہی تینوں کو اہمیت و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے دوسروں کو نہیں۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



یہ کفار کا سالار اعلی ہے ؛اس انتہائی خطرناک موقع پر صرف نبی کریم ﷺ ' حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہی پوچھتا ہے۔اس لیے کہ اس کو علم ہے اور ہر خاص و عام جانتا ہے کہ یہی تین شخصیات اس سارے معاملے کا بنیادی کردار ہیں اور یہ معاملہ ان ہی کی وجہ سے قائم ہے۔اس سے یہ بھی دلیل سامنے آتی ہے کہ کفار کے ہاں بھی یہ بات صاف ظاہر تھی کہ آپ ﷺ کے وزیر یہی دو شخص ہو سکتے ہیں ۔اوراس معاملہ [یعنی دعوت اسلام کی تبلیغ ] کو یہی حضرات اس کی آخری حدوں تک لے کر جاسکتے ہیں۔اور باقی تمام لوگوں میں انہیں ایک خاص مقام حاصل ہے۔اوراسلام کی نشرو اشاعت میں ان حضرات کی وہ خدمات ہیں جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں ۔اتنی بات مسلمان تو کجا' کفار تک بھی جانتے تھے۔اس طرح کی احادیث بھی بہت زیادہ کثرت کے ساتھ اور تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

''جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نعش لوگوں کے سامنے لائی گئی تو جنازہ اٹھانے سے لوگوں نے اس کو گھیر لیا؛ وہ آپ کے حق میں دعا کرنے اور آپ کی مدح وستائش کرنے لگے۔میں بھی ان لوگوں میں موجود تھا؛ مجھے کوئی خیال ہی نہیں آرہا تھا کہ اچانک ایک شخص نے میرا کندھا تھام لیا۔ میں نے پیچھے مڑکر دیکھا تو وہ علی رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں رحمت کی دعا کی اور فرمایا تو نے اپنے پیچھے کسی آدمی کو نہیں چھوڑا کہ جس کے اعمال کو لے کر بارگاہ ایزدی میں حاضر ہونا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہو۔ہاں اللہ کی قسم ! میرا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں ساتھیوں ( نبی کریم ﷺ اور ابوبکر) کے ساتھ ملا دے گا۔کیونکہ میں اکثر سرور کائنات کو یہ فرماتے سنا کرتا تھا کہ میں اورابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما آئے ،میں اورابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما داخل ہوئے ، میں اورابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نکلے ۔'' مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کوان دونوں ساتھیوں کی ملاقات نصیب کرے گا۔''[1]

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی عظمت وفضیلت کسی سے پوشیدہ نہ تھی یہی وجہ ہے کہ متقدمین شیعہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا؛ وہ آپ کے ساتھ انتہائی الفت و محبت رکھنے کے باوجود حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو ان سے افضل قرار دیا کرتے تھے۔سوائے چند ایک ملحدین کے کوئی آپ کو شیخین پر فضیلت نہیں دیتا تھا، البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں افضل تصور کرتے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (ح:۳۶۸۵، ۳۶۷۷)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (ح:۲۳۸۹)۔

عبدالرزاق کا قول ہے کہ:'' میرے لیے یہی جرم کافی ہے کہ میں علی سے محبت کا دعویٰ کروں اوران کے اس قول کی خلاف ورزی کروں کہ نبی ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔'' اور اگر میں تیسرے خلیفہ کا نام لینا چاہوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لوں گا۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



**[شیعہ کا اشکال]**: اسی طرح شیعہ کا یہ قول: ''هُو وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِيْ۔''

**[جواب]**: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے بعد ہر مومن کے دوست ہیں۔'' نبی کریم ﷺ پر جھوٹ اور بہتان ہے۔ بلکہ نبی ﷺ جب بقید حیات تھے اور بعد از وفات بھی آپ ہر مومن کے دوست ہیں، اسی طرح ہر مومن زندگی میں اور بعد از وفات آپ کا دوست ہے۔ خلاصہ یہ کہ ولایت جو عداوت کی ضد ہے کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اور اگر مراد وِلایت ہوتی جو امارت کے معنی میں آتی ہے؛ تو آپ یوں فرماتے:

''هُو وَالِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِيْ۔''

''وہ میرے بعد ہر مومن کے امیر ہیں۔''

جیسا کہ نماز جنازہ کے بارے میں اختلاف وارد ہوا ہے کہ جب والی اور ولی جمع ہو جائیں تو اس صورت میں نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کسے امام بنایا جائے گا؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: والی [امیر] کو امام بنایا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: میت کے ولی کو امام بنایا جائے گا۔

قائل کا یہ قول کہ: ''هُو وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِيْ'' ''وہ میرے بعد ہر مومن کے دوست ہیں۔''

یہ ایسا کلام ہے جس کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنا ناجائز ہے۔ اس لیے کہ اگر اس سے مراد موالات [دوستی کے معنی میں] ہے' تو پھر میرے بعد کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اگر اس سے مراد امارت ہے تو پھر آپ کو یوں فرمانا چاہیے تھا کہ: ''هُو وَالٍ علی كُلِّ مُؤْمِنٍ'' ''میرے بعد ہر مومن پر امیر ہوں گے۔''

نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق: ''اَنْتَ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْكَ''، ''تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں'' بالکل صحیح ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی کئی احادیث ثابت ہیں۔ آپ نے یہ کلمات اس وقت فیصلہ کرتے ہوئے فرمائے جب آپ کے سامنے حضرت جعفر، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین؛ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی بچی کی تربیت کے بارے میں جھگڑا کرتے ہوئے پیش ہوئے۔ آپ نے اس کا فیصلہ اس کی خالہ کے حق میں کیا؛ اور یہ خالہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ آپ نے فرمایا: ''خالہ ماں کی منزلت پر ہوتی ہے۔''

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تم اخلاق میں اور شکل وصورت میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اَنْتَ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْكَ''، ''تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں'' اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: ''اَنْتَ اَخُوْنَا وَ مَوْلَانَا''

''تم ہمارے بھائی اور ہمارے دوست ہو۔''[1]

صحیحین میں ہے کہ: ''قبیلہ اشعری [حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ والوں] کی یہ عادت تھی کہ جب جنگ کے موقع پر زادِ راہ ختم ہو جاتا تو جو کچھ ان کے پاس ہوتا اس کو جمع کرتے پھر تقسیم کر لیا کرتے تھے یہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة احد (حدیث:٤٠٤٣)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



''ھُمْ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْھُمْ۔''❶ ''وہ مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔''

جیسے نبی کریم ﷺ نے اشعریین کے لیے فرمایا:''ھُمْ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْھُمْ۔''اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:''اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْكَ''''تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں''۔حضرت جُلَیْبِیْب رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا:

''ھٰذَا مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْهُ۔''❷ ''یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔''

مندرجہ بالا بیانات اس حقیقت کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ ان الفاظ سے مدح کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ الفاظ نہ ہی امامت پر دلالت کرتے ہیں' اور نہ ہی جن اصحاب کے بارے میں یہ کلمات کہے گئے ہیں وہ ان کی بنا پر دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے افضل ہو سکتے ہیں۔

## فصل:......امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دسویں دلیل: حدیث غدیر خم اور حدیث سفینہ نوح

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے:''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثبات میں دسویں حدیث جو کہ جمہور علماء نے ذکر کی ہے کہ آپ نے فرمایا:''میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے تھامے رکھو گے تو گمراہ نہ ہو گے، یعنی اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر وارد ہوں گے۔''

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''میرے اہل بیت کشتی نوح کی طرح ہیں کہ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو پیچھے رہا وہ ڈوب گیا۔''

چونکہ یہ حدیث اہل بیت کے اقوال کے ساتھ تمسک کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل بیت کے سردار تھے، لہٰذا سب پر ان کی اطاعت واجب ہوگی اور وہی امام ہوں گے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**جواب:** اس کے جواب کے کئی پہلو ہیں:

❀ پہلا جواب: صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان خُمّ نامی چشمہ کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اما بعد:''اے لوگو! بیشک میں بھی بشر ہوں؛ ممکن ہے کہ میرے پاس میرے رب کا پیامبر آجائے اور میں اپنے رب کی دعوت قبول کرلوں؛ اور بیشک میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں: ایک اللہ کی کتاب' اس میں ہدایت اور نور ہے؛ کتاب اللہ کو تھام لو اور اسے مضبوطی سے پکڑ کر رکھو۔'' آپ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی ترغیب دی؛ اور اس پر ابھارا۔ پھر فرمایا:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الشرکة، باب الشرکة فی الطعام والنھد (حدیث: ۲٤۸٦)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل الاشعریین، (حدیث: ۲۵۰۰)۔

❷ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل جلیبیب رضی اللہ عنہ (حدیث: ۲٤۷۲)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''اور میرے اہل بیت؛ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔'' ❶

یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس چیز کو مضبوطی سے پکڑے رکھنے کا حکم دیا' اور اس کیساتھ چمٹے رہنے والے کو گمراہ نہ ہونے کی ضمانت دی؛ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

اس کے علاوہ بھی کئی احادیث میں اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے خطبہ حجۃ الوداع نقل کیا گیا ہے۔ اس خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اور میں تم میں ایک چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے۔ وہ ہے: اللہ کی کتاب۔ [قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا] اور تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ انہوں نے کہا کہ: ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے ہمیں اللہ کے احکام کی تبلیغ کر دی؛ اپنا فرض ادا کر دیا؛ اور آپ ﷺ نے خیر خواہی کی۔''

''یہ سن کر آپ ﷺ نے شہادت والی انگلی کو آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے اور لوگوں کی طرف منہ موڑتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا۔''

آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ کلمات کہے۔'' اور آپ کے یہ الفاظ:

''وَعِتْرَتِی (اهل بيتي) وأنهما لن يفترقا حتّٰى يردا عليَّ الحوض۔''

''اور میرے اہل بیت؛ اور بیشک یہ دونوں اس وقت جدا نہ ہوں گے یہاں تک حوض پر میرے پاس پہنچ جائیں۔'' یہ الفاظ ترمذی کی روایت میں پائے جاتے ہیں۔ ❷

ان کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے اسے ضعیف کہا۔ ایسے ہی آپ کے علاوہ بھی بہت سارے اہل علم محدثین نے ان الفاظ کو ضعیف کہا ہے۔ ان کا کہنا ہے: یہ الفاظ صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔ اور بعض لوگوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ: تمام اہل بیت کبھی بھی گمراہی پر جمع نہ ہوں گے۔ اور ہم بھی یہی کہتے ہیں؛ جیسا کہ قاضی ابویعلی سے بھی منقول ہے۔ ❸

---

❶ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (حدیث:۲۴۰۸)۔
پھر آپ نے فرمایا (دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں، میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تم لوگوں کو اللہ یاد دلاتا ہوں، حضرت حصین نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے عرض کیا اے زید! آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن آپ کے اہل بیت میں سے ہیں، اور وہ سب اہل بیت میں سے ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ (زکوٰۃ، صدقہ وخیرات وغیرہ) حرام ہے، حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ کون ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خاندان، حضرت عقیل کا خاندان، آل جعفر، آل عباس، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ان سب پر صدقہ وغیرہ حرام ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں! ان سب پر صدقہ، زکو وغیرہ حرام ہے۔

❷ سنن ترمذی، کتاب المناقب۔باب مناقب اهل بیت النبی ﷺ (حدیث:۳۷۸۶)

❸ سنن ترمذی، حوالہ سابق (حدیث:۳۷۸۸) عن ابی سعید و زید بن ارقم رضی اللہ عنہما)۔ ⇦⇦⇦

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



لیکن الحمد للہ کہ اہل بیت رافضی مذہب کی کسی ایک بات پر بھی کبھی متفق نہیں ہوئے۔ بلکہ وہ ان کے مذہب اور ان کی من گھڑت شریعت سے بالکل بری ہیں۔

رافضی کا کہنا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے اہل بیت کشتی نوح کی طرح ہیں کہ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو پیچھے رہا وہ ڈوب گیا۔''

یہ روایت صحیح نہیں اور نہ ہی حسن درجہ کی سند کے ساتھ کسی قابل اعتماد کتاب میں موجود ہے۔ [1]

اگر چہ اسے بعض رات کے لکڑہاروں نے روایت بھی کیا ہو جو کہ من گھڑت اور ضعیف روایات کی تمیز کا کوئی اہتمام نہیں کرتے' تو ایسے لوگوں سے روایت کا نقل کرنا الٹا ان کے مذہب کے بودے پن کی نشانی ہے۔

❀ دوسرا جواب [الزامی]: رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل بیت کے بارے میں فرمایا: ''میرے اہل بیت اور کتاب اللہ اس وقت تک جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ میرے پاس حوض پر آجائیں۔ آپ صادق و مصدوق ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ''لَنْ یَتَفَرَّقَا'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہل بیت کا اجماع حجت ہے۔ ہمارے اصحاب میں سے ایک جماعت کی یہی رائے ہے۔ قاضی نے المعتمد میں ذکر کیا ہے کہ عِتْرت سے سب بنو ہاشم؛ مثلاً اولاد علی؛ واولاد عباس و اولاد حارث بن عبدالمطلب اور تمام بنی ابو طالب مراد ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف اکیلے ہی عترت نہیں ہیں۔ اور اہل بیت کے سردار نبی ﷺ تھے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اہل بیت کے علماء جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما [اہل بیت میں سے فقیہ تر تھے اور بعض مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا کرتے تھے] اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے فتاویٰ کو کسی پر واجب نہیں ٹھہرایا کرتے تھے۔ اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ہر فتوی کو لوگوں پر مسلط کیا کرتے تھے۔ اور نہ ہی ائمہ سلف - بنی ہاشم اور دوسرے اہل بیت - میں سے کسی ایک سے یہ ثابت ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہر قول میں ان کی اطاعت کو واجب کہتے ہوں۔

❀ تیسرا جواب: یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اہل بیت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت یا امامت و خلافت پر اجماع منعقد نہیں کیا تھا۔ بلکہ ائمہ اہل بیت جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو امامت و افضلیت

⇦⇦⇦ اس روایت کے نقل کرنے میں زید بن حسن انماطی متفرد ہوا ہے۔ محدث ابو حاتم نے انماطی کو منکر الحدیث کہا ہے۔ ترمذی نے ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں تم میں وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر اسے تھامے رکھو گے تو گمراہ نہ ہو گے ایک چیز دوسری سے بڑھ کر ہے۔ اللہ کی کتاب جو اللہ کی رسی ہے اور آسمان سے زمین تک لٹک رہی ہے۔ اور میرے اہل بیت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر وارد ہوں گے۔ غور کرو کہ تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔ ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔

[1] مستدرك حاكم (٣/ ٣٤٣) طبراني في الكبير (٢٦٣٧) والصغير (١/ ١٣٩)، و سنده ضعيف۔ اس کی سند میں مفضل بن صالح ضعیف راوی ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



میں آپ پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ یہی حال تمام بنی ہاشم: عباسیہ' جعفریہ اور اکثر علویہ کا تھا۔ وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی امامت کا اقرار کرتے تھے۔اوران میں سے کئی ایک ایسے بھی ہیں جو امام مالک' ابوحنیفہ شافعی اور احمد رحمہم اللہ کے ساتھی رہے ہیں۔ان کی تعداد ان لوگوں سے بہت زیادہ ہے جنہوں نے امامیہ مذہب اختیار وایجاد کیا۔

بنی ہاشم کے تمام علماء اہل بیت تابعین اور تبع تابعین جیسے حضرت حسن وحسین نیز علی بن حسین اور دوسرے حضرات بلا شک وشبہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے محبت کا دم بھرتے تھے اور انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیا کرتے تھے۔[حضرت زید بن علی ان کے بیٹے امام باقر اور پوتے جعفر صادق سب یہی عقیدہ رکھتے تھے] ان سے بتواتر نقل ہو کر یہ عقیدہ ہم تک پہنچا ہے۔امام حافظ ابوالحسن دارقطنی رحمہ اللہ نے اس ضمن میں ایک کتاب ''ثناء الصحابه على القرابه " و ثناء القرابه على الصحابه'' نامی تصنیف کی ہے۔جس میں اس کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔

ایسے ہی محدثین کرام رحمہم اللہ میں سے جن لوگوں نے بھی عقیدہ پر کتابیں تحریر کی ہیں' جیسے ''السنة'' از عبداللہ بن احمد؛ ''السنة'' از ابوبکر الخلال؛ ''السنة'' از ابن بطہ؛ ''الشريعة'' از علامہ آجري؛ ان کے علاوہ علامہ لالکائی؛ بیہقی؛ ابن ذر الہروی؛ طلمنكى؛ ابن حفص بن شاہین؛ اوران سے کئی زیادہ کتابیں جن کی طرف نسبت کیا جانا حجت رکھتا ہے' جیسے کتاب " فضائل الصحابة " از امام احمد بن حنبل؛ اور ابونعیم؛ تفسیر ثعلبی وغیرہ؛ ان کتابوں میں اصحاب ثلاثہ کے اتنے زیادہ فضائل بیان ہوئے ہیں جو ان پر قائم حجتوں سے کئی گنا زیادہ ہیں۔اگر رافضی کے ذکر کردہ دلائل حجت ہیں تو باقی دلائل بھی اس پر اور اس کے لیے حجت ہونے چاہییں۔اور اگر ایسا نہیں تو پھر اسے ان کتابوں سے استدلال نہ کرنا چاہیے۔

❀ چوتھا جواب: یہ اعتراض اپنے سے قوی ادلہ کے معارض ہے۔یہ امر پیش نظر رہے کہ کتاب وسنت اور اجماع کی روشنی میں پوری امت کا اجماع بلانزاع حجت ہے۔اہل بیت امت کا ایک حصہ ہیں۔امت کے اجماع سے اہل بیت کے اجماع کا ثابت ہونا لازم آتا ہے۔اور اہل بیت کا اجماع اس بات پر منعقد ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل الصحابہ تھے۔جیسا کہ اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے' اور آگے بھی بیان آئے گا۔وہ گروہ جس کا اجماع حجت ہے؛ اس میں سے افضل ترین شخص کی اطاعت مطلق طور پر واجب ہے؛ اور اگر وہ [قابل اطاعت انسان ]امام نہیں بن سکا [اور اس نے اپنی جگہ اپنے سے افضل کی بیعت کی ] تو ثابت ہوا کہ پھر واجب الاطاعت امام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔اور اگر ایسا نہیں ہے تو امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر شیعہ کا استدلال باطل ٹھہرا۔اس لیے کہ اس قول کی بنیاد پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پوری امت میں وہی نسبت حاصل ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل بیت میں حاصل ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



# فصل:......[امامت علی رضی اللہ عنہ کی گیارھویں دلیل: آپ کی محبت کا وجوب]

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثبات میں گیارہویں روایت وہ ہے جو جمہور نے آپ کی محبت اور موالات کے وجوب پر نقل کی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''جس نے ان دونوں سے اور ان دونوں کے والد سے اور ان دونوں کی والدہ سے محبت رکھی؛ وہ قیامت والے دن جنت میں میرے درجہ میں ہوگا۔'' [1]

❀ ابن خالویہ رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے؛ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص یاقوت کی ٹہنی کو پکڑنا چاہتا ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا پھر اسے عالم وجود میں آنے کا حکم دیا اور وہ ظہور پذیر ہوگئی تو اسے چاہیے کہ وہ میرے بعد علی رضی اللہ عنہ سے دوستی لگالے۔''

❀ ابوسعید سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تمہاری محبت علامت ایمان ہے اور تمہارا بغض نفاق کا موجب ہے۔ تیرے محبّ سب سے پہلے جنت میں جائیں گے اور تجھ سے عداوت رکھنے والے سب سے پہلے جہنم واصل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قابل بنایا ہے۔ سو آپ مجھ سے ہیں اور میں آپ سے ہوں۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا''۔

❀ حضرت شقیق بن سلمہ حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور یہ فرمارہے تھے: ''یہ میرا دوست ہے' اور میں اس کا دوست ہوں'' میں اس سے دشمنی کا اعلان کرتا ہوں جو اس سے دشمنی رکھے؛ اور جو اس سے صلح کرے' اس سے صلح کا اعلان کرتا ہوں۔''

❀ اور خطیب خوارزمی نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابھی ابھی جبریل میرے پاس ایک سبز ورقہ لے کر آئے؛ جس میں سفید خط کے ساتھ لکھا ہوا تھا: ''بیشک میں نے اپنی مخلوق پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کو فرض کردیا ہے؛ آپ ان کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچادیں۔''

---

[1] الحدیث عن علِي بنِ حسین عن أبِیهِ عن جدِهِ فِی کِتابِ:"فضائِلِ الصحابة ' 2/963؛ برقم 1185؛ بِألفاظ مقارِبة وقال المحقِق فِی تعلِیقِهِ: "فِی إسنادِهِ علِی بن جعفرِ بنِ محمد الصادِقِ۔" لم یذکر بِجرح ولا تعدِیل ، والباقون ثِقات . قال الذهبِی فِی المِیزانِ (3: 117)فِی ترجمةِ علِی:" ما هو مِن شرطِ کِتابِی ، لأنِی ما رأیت أحدا لیَّنه ، ولا من وثقه۔ ولکِن حدیث منکر جِدا ، أما صححه التِرمِذِی ولا حسنه ، ثم ذکر الحدیث۔ وقال فِی سِیرِ النبلاءِ : إِسناد ضعِیف والمتن منکر ، وأخرجه التِرمِذِی (5: 641)وقال: هذا حدیث حسن غرِیب لا نعرِفه إِلا مِن حدِیثِ جعفرِ بنِ محمد إِلا مِن هذا الوجهِ . وقد رأینا أن الذهبِی أنکر أن یکون التِرمِذِی حسنه . قال أحمد شاکِر فِی تعلِیقِهِ عل المسندِ : (2: 25) والتحسِین ثابِت فِی بعضِ نسخِ التِرمِذِی دون بعض۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اس باب میں احادیث کثرت تعداد کی وجہ سے شمار سے باہر ہیں' ان کی اسناد کثرت کے ساتھ ہیں۔اور یہ احادیث آپ کی افضلیت پر اور امامت کے استحقاق پر دلالت کرتی ہیں۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]**:اس کے جواب کے کئی پہلو ہیں:

❀ پہلا جواب: ہم ان سے ان روایات کی صحیح اسناد کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہائے افسوس! انہیں یہ اسناد کہاں سے میسر ہوں گی؟

❀ دوسرا جواب:''شیعہ کا یہ کہنا کہ: امام احمد نے روایت کیا ہے۔'' ہم کہتے ہیں کہ: امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب مسند احمد اور فضائل صحابہ مشہور ہیں۔فضائل صحابہ میں آپ نے وہ احادیث نقل کی ہیں جو مسند میں نہیں لا سکے۔ ان میں ضعیف روایات بھی ہیں؛ اس لیے یہ روایات مسند میں نقل کرنے کے قابل نہیں تھیں۔اس لیے کہ یہ روایات یا تو مرسل تھیں' یا پھر مرسل نہیں تھیں مگر بہت ہی ضعیف تھیں۔ پھر اس کتاب میں آپ کے بیٹے عبد اللہ نے بھی کچھ روایات زیادہ کی ہیں۔ پھر ان کے بعد ان کے بیٹے کے شاگرد قطیعی نے بھی اس میں کچھ روایات اپنے شیوخ سے زیادہ کی ہیں۔اہل معرفت محدثین کا اتفاق ہے کہ اس میں موضوع احادیث بھی موجود ہیں۔

پس یہ رافضی اور اس کے امثال دوسرے شیوخ الرافضہ جہالت کی انتہاء کو پہنچے ہوئے ہیں۔ وہ اس کتاب سے روایت کرتے ہوئے یہ تمیز نہیں کر پاتے کہ عبد اللہ اور قطیعی کی روایات کونسی ہیں؟ وہ ان کو بھی امام احمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔امام احمد اور قطیعی کے شیوخ کے مابین تمیز بھی نہیں کر پاتے۔ پھر ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ مسند میں جو بھی روایت ہے وہ امام احمد کی ہی روایت ہے۔ میں نے ان کی بہت ساری کتابوں میں دیکھا ہے کہ ایسی روایات امام احمد رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو امام احمد نے کبھی بھی سنی ہی نہ ہوں گی۔ جیسا کہ ابن بطریق اور''الطرائف'' کے مصنف کے علاوہ دوسروں نے بھی کیا ہے۔اس کی سب سے بڑی وجہ ان کی جہالت ہے۔ یہ ان کے من گھڑت جھوٹوں کے علاوہ ہے؛ ان کے جھوٹ تو بے شمار اور لاتعداد ہیں۔

❀ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔تو امام احمد رحمہ اللہ کے کسی روایت کو نقل کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صحیح بھی ہے؛ اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ بلکہ امام احمد رحمہ اللہ نے بہت ساری روایات ایسی نقل کی ہیں جن کے جمع کرنے کا مقصد لوگوں کو ان کی پہچان کروانا اور ضعف بتانا ہوتا ہے۔آپ کے کلام اور جوابات میں یہ بات اتنی وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ اس میں مزید کسی تفصیل یا بیان کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں۔خصوصاً اس عظیم الشان اصل کے باب میں۔ مگر یہ روایت ہرگز امام احمد رحمہ اللہ نے ذکر نہیں کی، بلکہ القطیعی نے کتاب الفضائل میں اس کا اضافہ کیا ہے۔اس نے یہ روایت نصر بن علی الجھضمی سے؛ اس نے علی بن جعفر سے' اس نے اپنے بھائی موسیٰ بن جعفر سے نقل کیا۔ دوسری حدیث کو امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں موضوع قرار دیا ہے۔اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ روایت من گھڑت اور جھوٹ ہے۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جب کہ اہل علم محدثین کا اتفاق ہے کہ ابن خالویہ کی روایت سے بھی حدیث کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہوتا۔یہی حال خطیب خوارزمی کی روایات کا ہے۔اس کی روایات من گھڑت جھوٹ ہوتے ہیں۔اہل علم کا اتفاق ہے کہ سب سے برے اور ناروا جھوٹ اسی کے ہوتے ہیں۔

❀ دوسری وجہ: ابن خالویہ کی روایات کے جھوٹ اور من گھڑت ہونے پر اہل علم محدثین کا اتفاق ہے۔وہ علم ضروری کے طور پر یہ بات جانتے ہیں' اور دوٹوک یقین کے ساتھ اس کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ گھڑا گیا ہے۔حدیث کی وہ قابل اعتماد کتب جیسے: صحاح ؛ مسانید؛ سنن ؛معجمات اور اس طرح کی دوسری کتب جن پر علماء حدیث کا اعتماد و اتفاق ہے ان میں اس روایت کا نام ونشان تک بھی نہیں۔

❀ تیسری وجہ: جو انسان اس روایت کے الفاظ پر غور کرے گا اس پر واضح ہوجائے گا کہ یہ روایت نبی کریم ﷺ پر جھوٹ گھڑی گئی ہے۔مثال کے طور پر یہ الفاظ کہ [نبی کریم ﷺ نے فرمایا]:''جو شخص یاقوت کی ٹہنی کو پکڑنا چاہتا ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا پھر اسے عالم وجود میں آنے کا حکم دیا اور وہ ظہور پذیر ہوگئی۔'' یہ خرافات قسم کا کلام ہے۔گویا کہ جب انہوں نے یہ بات سن لی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' اور پھر اس سے کہا: ہوجا؛ تو وہ ظہور پذیر ہوگیا۔تو اس یاقوت والی بات کو خلق آدم پر قیاس کرلیا۔آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا' اور پھر کہا گیا:''ہوجا۔'' تو آپ [زندہ شکل میں] پیدا ہوگئے [ظہور پذیر ہوگئے]۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں روح پھونک دی تھی۔جب کہ یہ ٹہنی صرف پیدا کرنے سے ہی مکمل ہوگئی۔اس کے بعد کوئی ایسا حال نہیں تھا جس کے لیے کہا جاتا کہ ہوجا؛ اور وہ ہوجاتی۔اور اہل علم میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یاقوت کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔بلکہ بہت ساری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے صرف تین چیزیں پیدا کی ہیں: ۱۔آدم۔۲۔قلم ۳۔جنت عدن۔پھر باقی ساری مخلوق سے فرمایا:''ہوجا'' تو وہ ہوگئی۔اس میں یاقوت کا کہیں پر کوئی تذکرہ نہیں۔پھر یاقوت کے امساک میں کون سی ایسی چیز ہے جس پر اتنے بڑے انعام کا وعدہ کیا جارہا ہو؟

**[اشکال]** : شیعہ مصنف نے نبی کریم ﷺ کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:
''تجھ سے بغض رکھنے والے سب سے پہلے جہنم میں جائیں گے۔''

**[جواب]** : ہم کہتے ہیں کہ یہ صریح جھوٹ ہے،کوئی مسلمان یہ بات کہہ سکتا ہے کہ خوارج ونواصب فرعون وابوجہل بن ہشام؛ ابولہب اور ان کے امثال دوسرے مشرکین سے پہلے دوزخ میں جائیں گے؟

ایسے ہی یہ قول کہ:''تیرے محبّ سب سے پہلے جنت میں جائیں گے اور تجھ سے عداوت رکھنے والے سب سے پہلے جہنم واصل ہوں گے۔''

**[جواب]** : کیا کوئی عقلمند یہ کہہ سکتا ہے کہ انبیاء کرام اور مرسلین علیہم السلام کے سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے کا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



سبب اللہ اور اس کے رسول اور دوسرے تمام انبیاء و مرسلین کی محبت کو چھوڑ کر صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت ہے۔ جب کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اور کیا نیک بختی اور بدبختی میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو چھوڑ کر صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا اتنا ہی کردار نہیں ہے جتنا حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہما کی محبت کا ہے؟ اگر کوئی انسان یوں کہے کہ: جو کوئی حضرت عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہما سے محبت کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا' اور جو کوئی انسان ان سے بغض رکھے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا؛ تو اس کا یہ کلام بھی شیعہ کے کلام کی جنس سے ہی ہوگا۔

[یا کوئی مسلم یہ الفاظ اپنی زبان پر لاسکتا ہے کہ غالی اسماعیلیہ جھوٹے روافض اور فاسق امامیہ حبّ علی کی بنا پر انبیاء کرام سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے؟ یہ بات تو اسی طرح ہے جیسے کوئی ناصبی کہے جو شخص یزید و حجاج سے محبت رکھتا ہو یا خارجی کہے جو ابن ملجم کو چاہتا ہو وہ جنت میں جائے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا][1]

## فصل:......[امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارھویں دلیل: دیگر احادیث]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''خطیب خوارزمی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ناپسند کرتا ہو وہ کافر ہے اور اللہ و رسول کے خلاف جنگ آزمائی کر رہا ہے۔ اور جو کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ میں شک کرتا ہو وہ بھی کافر ہے۔''

---

[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ شیعہ علماء کے نزدیک ایمان امام کی معرفت اور اس سے محبت کا نام ہے۔ اس لیے انہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام لگاتے ہوئے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا:''علی رضی اللہ عنہ کی محبت ایسی نیکی ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی برائی نقصان دہ نہیں ہے۔ اور بغض علی ایسی برائی ہے جس کی موجودگی میں کوئی نیکی بھی فائدہ مند نہیں ہے۔''

[الفضائل/ شاذان بن جبرائیل القمی: ۹۶ (فی فضائل الامام علی علیہ السلام)۔]کتاب الفضائل ص ۹۵؛ فی بعض فضائل الإمام علی . کشف الغمۃ فی معرفۃ الأئمۃ 1/ 123؛ فی فضل مناقبہ لأبی الحسن علی بن عیسی الأربلي]

نیز آپ کی طرف یہ بھی منسوب کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: (حالانکہ آپ اس الزام سے بری ہیں):''اگر تمام مخلوق علی بن أبی طالب کی محبت پر جمع ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ جہنم کو پیدا نہ فرماتے۔''[الفضائل/ ص 110 شاذان بن جبرائیل (خبر المقدسی)]

آپ پر افتراء پردازی کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:''اگلے اور پچھلے لوگوں میں سے صرف وہی شخص جنت میں داخل ہوگا جو علی سے محبت کرتا ہوگا۔ اگلے اور پچھلے لوگوں میں سے جس نے بھی علی سے نفرت کی وہ جہنم میں داخل ہوگا۔''

[علل الشرائع/ ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ القمی: ۱/ ۱۶۲، حدیث نمبر:۱ (باب العلۃ التي من أجلها صار علی بن أبی طالب قسیم اللہ بین الجنۃ والنار)۔ الأمالی للطوسی ص 330ح 107/ المجلس الحادی عشر؛کشف الغمۃ 2/23 فصل فی ذکر مناقب شتی وأحادیث متفرقۃ]

اور ایک بہتان یہ بھی تراش کر آپ کی جانب منسوب کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:''اولین و آخرین میں سے جنت میں صرف وہی لوگ داخل ہوں گے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہوں گے۔ اور اولین و آخرین میں سے صرف وہی لوگ جہنم میں داخل ہوں گے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہوں گے۔''[علل الشرائع ۱/ ۱۶۲؛ح:۱؛باب ۱۳۰۔''العلۃ التي من أجلها صار علی بن ابی طالب قسیم اللہ بین الجنۃ والنار۔ مختصر بصائر الدرجات ص ۴۸۵؛ح:۵۷۶۔ بحار الأنوار ۳۹/ ۱۹۵۔ح:۵؛باب أنہ قسیم الجنۃ والنار وجواز الصراط]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



❀ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:''میں اور علی رضی اللہ عنہ بروز قیامت اپنی امت پر حجت ہوں گے۔''

❀ معاویہ رضی اللہ عنہ بن حَیدہ القُشیری کہتے ہیں:

''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے سنا:''جو شخص آپ سے عداوت رکھتے ہوئے مر جائے تو پرواہ نہ کریں وہ یہودی مرا ہے یا نصرانی۔'' [انتھی کلام الرافضی]

**[جواب]**:اس کے جواب میں کئی پہلو ہیں:

اُولاً: ......ہم شیعہ سے ان روایات کی صحت ثابت کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ بر سبیل تنزل کے۔ اس لیے کہ خطیب خوارزمی کا کسی روایت کو نقل کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ یہ تو اس صورت میں ہے اگر کسی کو یہ علم نہ ہو کہ اس کی جمع کردہ کتاب میں کتنی ہی جھوٹی اور من گھڑت روایات ہیں؛ کیونکہ اس کی تصانیف موضوعات کا پلندہ ہیں؛ جنہیں دیکھ کر ایک حدیث دان شخص حیرت کا اظہار کرنے لگتا ہے اور بے ساختہ پکار اٹھتا ہے "سبحانك هذا بهتان عظيم۔"

ثانیاً: ...... ہر وہ انسان جسے حدیث سے شغف ہو' وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ روایات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ ہیں۔

ثالثاً: ...... وہ حقیقت شناس شخص جو واقعات سے آگاہ ہو اور آثار و اقوال میں مہارت رکھتا ہو اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اس قسم کی احادیث کذاب راویوں نے عصر صحابہ و تابعین کے اختتام کے بعد وضع کر لی تھیں۔ ان روایات میں صحابہ و تابعین کا ذکر کہاں ہے؟ اور کس کتاب میں انہوں نے یہ روایت کیا ہے؟ پس یہ بات اضطراری طور پر معلوم ہوتی ہے کہ یہ روایات خیر القرون کے بعد اپنی طرف سے گھڑ کر [ان کی طرف منسوب کر] لی گئی ہیں۔

رابعاً: ......ہم کہتے ہیں کہ ہمیں ان موضوع روایات کی نسبت اس بات کا قطعی وحتمی علم حاصل ہے کہ مہاجرین و انصار اللہ و رسول کو چاہتے تھے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چاہتے تھے۔ ہم بہ اذعان و ایقان جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باتفاق صحابہ آپ کے بعد امام قرار پائے تھے، پھر ہم ان یقینی اور متواتر روایات کو چھوڑ کر شیعہ کی ان روایات کاذبہ کی بنا پر کس طرح جھٹلا سکتے ہیں جو اس قابل بھی نہیں ہیں کہ انہیں خبر واحد قرار دیا جا سکے۔ خصوصاً جب کہ ہمیں ان روایات کے کاذب ہونے کا بخوبی علم بھی ہے۔ بلکہ اہل علم محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ روایات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے بڑا جھوٹ ہیں۔ اس لیے کہ یہ روایات کسی معتمد کتاب میں باسناد صحیح موجود نہیں۔ بلکہ تمام محدثین انہیں جھوٹ کا پلندہ قرار دیتے چلے آئے ہیں۔

## [شیعہ مرویات ناقابل اعتماد]:

خامساً: ......اس پر مزید یہ کہ قرآن کریم جگہ جگہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار سے رضا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



مندی کا اظہار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ [التوبة ۱۰۰]

''اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ [الحدید ۱۰]

''تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں بلکہ ان کے بہت بڑے درجے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے، ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ [الفتح ۲۹]

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں، آپ انہیں دیکھیں گے رکوع اور سجدے کر رہے ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح:۱۸)

''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے۔''

نیز فرمایا:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا﴾ (الحشر:۸)

''ان تنگدست مہاجرین کے لیے جن کو اپنے گھر بار سے نکالا گیا وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں۔''

اس قسم کی دیگر آیات قرآنیہ۔ پس جو چیز ہمیں قرآنی دلائل کی روشنی میں یقینی طور پر معلوم ہے؛ اسے ہم ان جھوٹی روایات کی وجہ سے کیسے رد کر سکتے ہیں کہ جن روایات کا گھڑنے والا نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے وقار و عزت کا خیال رکھتا ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



سادساً:...... ظاہر ہے کہ ان نصوص قطعیہ کو شیعہ کی جھوٹی روایات کی بنا پر کیوں کر ترک کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ شیعہ کی بعض مرویات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں قدح وارد ہوتی ہے اوران سے وجوباً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ و رسول کی تکذیب کرنے والے تھے۔ ان روایات کو درست تسلیم کرنے کی صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام کا مجروح ہونا بھی لازم آتا ہے۔

[یعنی] جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دعوائے خلافت کی مخالفت کی تھی؛ وہ اس حدیث کی روشنی میں کافر ٹھہرے۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان نصوص کے موجب عمل نہیں کیا۔ مثلاً نواصب؛ [جنہیں شیعہ کافر قرار دیتے ہیں جبکہ] حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو مسلم اور اہل ایمان تصور کرتے تھے۔

خوارج جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا؛ وہ آپ کے بدترین دشمن تھے، مگر اس کے باوجود آپ نے ان پر کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا۔ بلکہ آپ نے ان کو لونڈی غلام بنانے سے روکا اور ان کے مالوں کو حرام قرار دیا تھا۔ بلکہ آپ ان سے قتال کرنے سے پہلے ان سے یوں فرمایا کرتے تھے: ''تمہارا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم تمہیں اپنی مساجد میں آنے سے نہ روکیں۔ اور ہمارے مال فئے میں تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اور جب ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زخمی کردیا تو انھوں نے فرمایا: ''اگر میں زندہ رہا تو جیسے چاہوں گا اپنے خون کا فیصلہ کروں گا۔'' آپ نے ابن ملجم کو اپنے اوپر قاتلانہ حملہ کرنے کی وجہ سے فوری مرتد قرار دے کر قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ [اگر وہ مرتد ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے فی الفور قتل کرنے کا حکم صادر کرتے]۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بتواتر نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے اہل جمل کا تعاقب کرنے سے منع کیا تھا۔ نیز اس بات سے بھی روکا تھا کہ ان کے زخمیوں کو قتل کیا جائے یا ان کا مال لوٹا جائے؛ یا ان کے بچوں کو جنگی قیدی بنایا جائے۔ اگر شیعہ کی ذکر کردہ روایات؛ جن کی روشنی میں یہ لوگ کافر تھے؛ ان کو ترک کرنے سے اگر کوئی شخص کافر ہو جاتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اوّلین شخص تھے جنھوں نے ان احادیث کو جھٹلایا اور اس کے تقاضوں پر عمل نہ کیا؛ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کافر ہوئے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کا جنازہ پڑھا تھا جنھوں نے جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔

آپ فرمایا کرتے تھے: ''ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تھی تلوار نے ان کو پاک کردیا۔''

اگر یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک کافر ہوتے تو آپ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھتے؛ اور نہ ہی انہیں اپنے بھائی قرار دیتے اور نہ ہی ان کے قتل کیے جانے کو ان کے گناہوں کی طہارت قرار دیتے۔

بالجملہ ہم اضطراری طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت سے یہ بات جانتے ہیں کہ آپ ان لوگوں کو کافر قرار نہیں دیتے تھے جو آپ کے خلاف جنگ آزما ہوئے۔ بلکہ نہ ہی جمہور مسلمین' نہ ہی خلفاء ثلاثہ اور نہ ہی حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان میں سے کسی ایک کو کافر قرار دیا۔ اور نہ ہی علی بن حسین نے اور نہ ہی ابوجعفر نے ایسا کیا۔ اگر یہ لوگ کافر تھے تو ان نصوص

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کی سب سے پہلے مخالفت کرنے والے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت ہیں۔ان کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ ایسے کریں جیسے خوارج نے کیا تھا کہ اگر خود ان کے قتال سے عاجز آ گئے ہیں تو دار الاسلام کو چھوڑ کر کہیں پڑاؤ ڈال دیتے۔ اور اہل دار اسلام پر کفر اور ارتداد کا حکم لگا دیتے۔ جیسا کہ بہت سارے رافضی شیوخ کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب ہوتا تھا کہ وہ دیکھ رہے تھے کہ جب کفار ایمان نہیں لا رہے تو پھر اپنے اور اپنے شیعہ کے لیے دار ارتداد و کفر کو چھوڑ کر ایک اور دار قائم کر لیتے۔ اور ان سے ایسے جدا ہو جاتے جیسے مسلمان مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں سے جدا ہو گئے تھے۔

یہ اللہ کے نبی [محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ] ہیں ۔آپ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین مکہ مکرمہ میں انتہائی کمزور تھے۔ مگر اس کے باوجود کفار سے علیحدہ رہتے تھے۔ اور کفار سے ایسے جدا اور ممتاز رہتے تھے کہ مسلمان اور کافر کی پہچان ہو سکتی تھی۔ ایسے ہی ان لوگوں میں سے کتنے ہی ایسے تھے جنہوں نے کمزور ہونے کے باوجود حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اور وہ وہاں پر نصاری سے جدا رہتے تھے۔ اور عیسائیوں کے سامنے اپنے دین کا اظہار کیا کرتے تھے۔

یہ دار اسلام ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں سے بھرا ہوا ہے؛ مگر اس کے باوجود یہ لوگ مسلمانوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے دین و مذہب کا کھل کر اظہار کرتے ہیں۔

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شک کرنے والا ہر انسان حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کے نزدیک کافر ہوتا؛ اور ان کے نزدیک صرف وہی شخص مؤمن ہوتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امام معصوم ہونے کا عقیدہ رکھنے والا ہوتا؛ اور جو شخص یہ عقیدہ نہ رکھتا وہ حضرت علی اور اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کے نزدیک مرتد ہوتا؛ تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے دین کو بدل ڈالا؛ اور کافروں اور مؤمنوں کے درمیان کوئی فرق نہ کیا اور نہ ہی مرتدین اور مسلمانوں کے مابین کوئی تمیز کی۔

مان لیجیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے قتال کرنے سے عاجز آ گئے تھے تو انہیں اپنے حلقہ اطاعت میں داخل نہ کر سکتے تھے؛ تو آپ کم از کم ان سے جداگانہ حیثیت ثابت کرنے سے تو عاجز نہیں تھے۔ آپ خوارج سے بڑھ کر عاجز تو نہیں تھے جو کہ آپ کے لشکر میں بہت ہی کم تعداد میں تھے؛ مگر خوارج نے جماعت مسلمین کے دار کو چھوڑ کر اپنے لیے علیحدہ دار بنا لیا تھا؛ وہ ان سے جدا ہو گئے اور ان پر کفر کا حکم لگایا۔ وہ صرف اپنے ساتھیوں کو ہی مؤمن قرار دیتے تھے۔

پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے کیونکر یہ حلال ہوتا کہ وہ مسلمانوں کی زمام کار ایسے مرتد کے سپرد کر دیتے جو یہود و نصاری سے بھی برا ہو؟ جیسا کہ ان لوگوں کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دعوی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان پر رکھنے والا کوئی انسان ایسی حرکت کر سکتا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ممکن تھا کہ آپ کوفہ میں ہی رہتے؛ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ سے جنگ نہ کرتے ۔اس لیے کہ انہوں نے آپ سے اپنی مراد طلب کی تھی۔ اگر آپ اپنے باپ کی جگہ پر رہتے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ سے جنگ ہرگز نہ کرتے۔[ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقا حضرت حسن کے نزدیک کافر ہوتے تو آپ بخوشی ان کے حق میں سلطنت و حکومت سے دست بردار نہ ہوتے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



خصوصاً جب کہ آپ قوت وشوکت سے بہرہ ور تھے اور لشکر جرار آپ کی پشت پناہی کے لیے بھی موجود تھا]۔اور پھر نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کا کیا بنے گا جو آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا:

''بیشک میرا یہ بیٹا سردار ہے،عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان مصالحت کرائے گا۔''[1]

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت -بشمول حضرت حسن رضی اللہ عنہ - یہ کہتے کہ:''اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اہل ایمان اور مرتدین کے درمیان صلح کرائی ہے؛ تو پھر معاملہ ویسے ہی ہوتا جیسے رافضی کہتے ہیں؛ اور یہ حدیث خود شانِ حسنی اور شان نبوی پر بہت بڑی جرح ہوتی۔[اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دونوں جماعتوں کو مسلم قرار دیا ہے،مگر شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رفقاء مومن تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعوان وانصار مرتد تھے۔بنا بریں یہ مصالحت مومنین ومرتدین کے مابین وقوع پذیر ہوئی تھی]

پس اس سے ظاہر ہوا کہ اہل بیت پر سب سے بڑا طعن اور جرح کرنے والے خود رافضی ہیں۔اور یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں اہل بیت سے دشمنی رکھتے ہیں؛ اور اہل بیت کی طرف ایسے برائیاں منسوب کرتے ہیں جن کا ارتکاب کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔رافضیوں کی جہالت وحماقت میں یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔

پھر طرفہ تماشہ یہ کہ: ایک طرف شیعہ کا دعویٰ ہے کہ امام معصوم بندوں پر الٰہی لطف وکرم کا آئینہ دار ہوتا ہے،تاکہ لوگ اس کی اطاعت کریں اور ان پر رحم کیا جائے۔مگر ان کے بیانات سے اس کی تردید ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ امام علی رضی اللہ عنہ کے وجود سے بڑھ کر اہل زمین پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مظہر کوئی اور نہیں رہا۔اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین بقول شیعہ کافر اور مرتد ہوگئے تھے۔اور جو لوگ آپ کے ہم نوا تھے وہ ہر طرح سے مجبور وشکست خوردہ اور مقہور رہے ہیں۔جن کے پاس نہ ہی کوئی طاقت تھی اور نہ ان کی بات کی کوئی قدر واہمیت تھی۔[تو پھر اس امام کا فائدہ کیا ہوا؟]

اس کے دوش بدوش شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ: امام کو پیدا کرنا مصلحت اور مہربانی ہے۔بندوں کے حق میں مفید وسود مند کام انجام دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔اور امام کے بغیر دین ودنیا کی کوئی مصلحت پوری نہیں ہوسکتی۔تو رافضیوں کے قول کے مطابق یہ کون سی صلاح ہے؟

پھر ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ: بیشک اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ ایسے امور سرانجام دے جو بندوں کے لیے ان کے دین ودنیا کی مصلحت میں ہوں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ خوارج کو شیعہ پر مسلط کرتا ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرکے آپ کے خلاف صف آراء ہوتے ہیں۔انہیں وہاں پر اپنے دشمن کے خلاف جنگ کے لیے غلبہ اور استحکام نصیب ہوتا ہے۔جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ [اہل بیت اور] شیعہ کے ائمہ معصومین یہود ونصاریٰ اور دوسرے اہل ذمہ سے بڑھ کر خائف وہراساں ہو جاتے ہیں۔

ڈر کے مارے ذمیوں کی طرح تقیہ کر لیتے ہیں] بلکہ اہل ذمہ تو بعض اوقات اپنے مذہب کا اظہار اعلان بھی کرتے

[1] صحیح بخاری ، کتاب الصلح ، باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی رضی اللہ عنہ (حدیث:۲۷۰۴)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہیں؛ جب کہ یہ ائمہ جن کے بارے میں شیعہ کا دعوی ہے کہ یہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت اور شہروں پر اس کا لطف و کرم ہیں ۔ ان کے بغیر کوئی ہدایت نہیں مل سکتی۔ اور ان کی اطاعت کے بغیر کوئی نجات نہیں؛ اور ان کی اتباع کے بغیر کوئی سعادت نہیں۔ ان کا آخری امام ساڑھے چار سو سال [اب گیارہ سو سال] سے غائب ہے؛ کوئی بھی اپنے دینی یا دنیاوی امور میں اس سے کوئی فائدہ نہ حاصل کر سکا۔ اور اس کے لیے دین کا اتنا اظہار کرنا بھی ممکن نہیں ہے جتنا یہود و نصاری کے لیے ممکن ہے۔

[اس لیے ہم شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ لطف و مصلحت کیا ہوئی جو شیعہ کے نزدیک اللہ پر واجب ہے؟]

یہی وجہ ہے کہ اہل علم ہمیشہ سے کہتے چلے آرہے ہیں کہ: رافضیت زنادقہ اور ملحدین کی ایجاد ہے جو چاہتے ہیں کہ دین اسلام کو خراب کریں، [مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے]: ﴿وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [توبہ۳۲]

''اور اللہ تعالیٰ انکار کرتے ہیں مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے گو کافر نا خوش رہیں۔''

## [ائمہ سے متعلق شیعہ کے بلند بانگ دعوے]:

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی تمام باتوں کا انجام کار جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تکفیر کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی تکفیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باطنی مذہب کی دعوت ان اصولوں پر قائم ہے۔

[شیعہ اس زعم فاسد میں مبتلا ہیں کہ ائمہ اللہ کے بندوں پر اس کی حجت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہدایت انہی کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے اور ان کی اطاعت کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ آخری امام ہنوز پردۂ غیب میں ہے اور کسی نے بھی ان سے دینی یا دنیوی فائدہ نہیں اٹھایا، اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ عقیدہ رفض زنادقہ کا اختراع کردہ ہے، یہی وجہ ہے کہ فرقہ باطنیہ والے] سب سے پہلے اپنے دام میں پھنسنے والوں کو شیعیت کی دعوت دیتے ہیں۔ جب کوئی شخص اس کا قائل ہو جاتا ہے تو پھر وہ یوں کہنے لگتے ہیں کہ علی دیگر خلفاء کی طرح تھے، چنانچہ وہ شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جرح و قدح کا نشانہ بنانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ جب اس میں پختہ ہو جاتا ہے تو پھر باطنیہ اسے رسول پر اعتراضات وارد کرنا سکھاتے ہیں یہاں تک کہ وہ منکر رسول ہو جاتا ہے پھر اسے باری تعالیٰ کی ہستی کا منکر بناتے ہیں خلاصہ یہ کہ تدریجاً وہ پوری شریعت کا منکر ہو جاتا ہے۔ ان کی کتاب کی یہی ترتیب ہے۔ اس کتاب کا نام ''البلاغ الاکبر'' ہے' اور اسے ''الناموس الاعظم بھی کہتے ہیں۔ اس کے مصنف نے یہ کتاب قرمطی کو بھیجی تھی جس نے بحرین سے خروج کیا تھا؛ اور پھر مکہ پر غلبہ پا کر وہاں حجاج کرام کا قتل عام کیا' اور حجر اسود اکھاڑ کر لے گئے؛ اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کیا' اور فرائض کو ساقط قرار دیا۔ ان لوگوں کے عقائد و اخلاقیات علمائے کرام رحمہم اللہ میں بڑے معروف ہیں۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ بات کیسے منسوب کی جاسکتی ہے کہ آپ یہ فرمادیں کہ: ''جو کوئی علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہوئے مر جائے؛ وہ یہودی مرے یا عیسائی؛ اس میں کوئی حرج نہیں۔ جب کہ حال یہ ہے کہ تمام خوارج آپ کی تکفیر کرتے اور آپ سے بغض رکھتے ہیں۔ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں یہود و نصاری کی طرح نہیں سمجھتے تھے؛ بلکہ انہیں

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اہل قبلہ میں شمار کرتے تھے۔ اور ان پر یہود و نصاریٰ کے حکم سے ہٹ کر حکم لگایا کرتے تھے۔ اور آپ کا یہی معاملہ بنوامیہ اور ان کے متبعین میں سے ان لوگوں کے ساتھ تھا جو آپ سے بغض رکھتے تھے۔ تو پھر ان لوگوں کو یہود و نصاریٰ کی طرح کیسے قرار دیا جا سکتا ہے جو نمازیں پڑھتے ہوں؛ رمضان کے روزے رکھتے ہوں' بیت اللہ کا حج کرتے ہوں' اور زکوۃ ادا کرتے ہوں؟ اس کی آخری حد یہ ہوسکتی ہے کہ اس انسان پر یا تو آپ کا امام ہونا مخفی رہا یا پھر اس نے معرفت حاصل ہونے کے بعد بھی آپ کی نافرمانی کی۔

ہر صاحب عقل و خرد اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ جمہور اہل اسلام کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عداوت ہے نہ کسی اور سے۔ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور آپ کے احکام کی خلاف ورزی سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔ نظر بریں اگر مسلمانوں کو معلوم ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریحاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا ہے تو اس کی تصدیق کرنے میں انھیں پس و پیش کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کا پتہ نہ چل سکا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کو دین کی کسی بات کا علم نہ ہو وہ یہود و نصاریٰ کی طرح کیوں کر ہوسکتا ہے؟

یہاں پر تکفیر میں کلام کرنا مقصود نہیں' بلکہ اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ: یہ وہ جھوٹی احادیث ہیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ ہونا اضطراری طور پر معلوم ہے' اور یہ روایات دین اسلام کے متناقض ہے۔ اور ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی مخالفت کرنے والوں کی تکفیر لازم آتی ہے۔ یہ باتیں کوئی ایسا انسان بھی نہیں کہہ سکتا جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو؛ چہ جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کچھ فرمایا ہو۔ العیاذ باللہ؛ ایسی باتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا بھی آپ کی ذات پر بہت بڑی قدح اور طعن کا موجب ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اسی ملحد اور زندیق کا فعل ہوسکتا ہے جو دین اسلام میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنا چاہتا ہو۔ ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو جو اس کے رسول پر جھوٹ گھڑ لاتے ہیں۔ شیعہ کی روایات موضوعہ کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی قابل غور ہے:

آپ فرماتے ہیں: ''جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنا گھر دوزخ میں بنا لے۔'' [1]

[البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو شخص نص رسول کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے نقطۂ خیال سے چھپا لے وہ یقیناً جہنمی ہے۔]

## [قبولِ احادیث کا وجوب]:

**[اشکال]** : شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''جب امامیہ نے دیکھا کہ ہمارے مخالفین ایسی احادیث روایت کر رہے ہیں تو ہم نے اپنے ثقہ راویوں سے نقل کرکے اہل سنت کی ذکر کردہ روایات سے کئی گنا زیادہ احادیث بیان کی ہیں۔ ہم پر واجب ہوتا ہے کہ ان کی طرف رجوع کریں۔ اور ان سے ہٹنا ہم پر حرام ہے۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم۔ باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ح: ۱۰۷، ۱۰۸)، صحیح مسلم۔ المقدمۃ۔ باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ح: ۲، ۳)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



**[جواب]** : ہم کہتے ہیں کہ: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارے وہ راوی جن کی تم توثیق کرتے ہو' وہ حد سے زیادہ ان راویوں کی جنس سے ہی ہوسکتے ہیں جو جمہور سے روایات نقل کرتے ہیں؛ لیکن [ایسا ہرگز نہیں] ۔اہل علم اضطراری طور پر جانتے ہیں کہ یہ راوی جھوٹے کذاب تھے ؛ اورتم ان سے بڑے کذاب اور پرلے درجہ کے جاہل ہو۔تم پر ان حدیث کے موجب عمل کرنا اوران کے مطابق فیصلے دینا حرام ہے۔اس اعتراض پر کئی طرح سے کلام کیا جاسکتا ہے:

❀ پہلی وجہ: شیعہ سے یہ پوچھا جائے کہ: آپ کو یہ علم کیسے حاصل ہوگیا کہ قدیم زمانے میں جن لوگوں نے یہ روایات نقل کی ہے؛ وہ ثقہ راوی ہیں۔ کیونکہ آپ نے تو ان لوگوں کونہیں پایا اور نہ ہی ان کے احوال جانتے ہو۔اور نہ ہی تمہارے پاس کوئی ایسی قابل اعتماد کتابیں ہیں جن پر اعتماد کرتے ہوئے ضعیف اورثقہ کے مابین فرق کرسکو۔اور نہ ہی تمہارے ہاں اسناد ہیں جن کی بنا پر تم راویوں کی معرفت حاصل کرسکو۔ بلکہ تمہارا بہت سارا وہ علم جو کہ تمہارے سامنے موجود ہے' وہ یہود و نصاری کے ہاں موجود علم سے بھی برا ہے۔ بلکہ یہود کے ہاں تو ہلال اورشماس کی وضع کردہ کتابیں موجود ہیں' مگر شیعہ کے ہاں کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے جس کی روشنی میں وہ جمہور پر رد کرسکیں۔

جب کہ تمہارا یہ عالم ہے کہ جمہور اہل سنت والجماعت ہمیشہ تمہارے راویوں پر ایسی کڑی تنقید کرتے رہے ہیں،[ جس سے شدید تر تنقید کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا]۔جب کہ تمہیں ان کے احوال کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ پھر تواتر کے ساتھ اس بات کا علم بھی حاصل ہے جس کا جھٹلانا کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ تمہارے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے لے کر آج تک جھوٹ کی کثرت ہے۔

تمہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ محدثین خوارج سے بغض رکھتے ہیں اوران کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول بہت ساری صحیح احادیث بھی روایت کرتے ہیں۔جن میں سے بعض احادیث امام بخاری نے نقل کی ہیں ۔ دس روایات امام مسلم نے نقل کی ہیں۔ اورمحدثین اس چیز کو دین کا حصہ سمجھتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو۔مگر اس کے باوجود خوارج کے ساتھ ان کا بغض انہیں اس بات پر نہیں ابھار سکا کہ یہ لوگ خوارج پر جھوٹ لگائیں۔ بلکہ انہوں نے خوارج کو آزمایا تو انہیں سچا پایا۔تمہارا یہ حال ہے کہ محدثین' فقہاء؛ عام مسلمان ؛ تاجر؛ عوام الناس ؛ اورلشکری وغیرہ جن لوگوں نے بھی تمہارے ساتھ میل جول رکھا؛ اورتمہیں جدید یا قدیم دور میں آزمایا؛ اس نے تمہارے گروہ کوتمام گروہوں سے بڑا جھوٹا اورکذاب گروہ پایا۔ اگران میں کوئی ایک سچا ہوبھی تو دوسرے فرقوں میں ان سے زیادہ سچے موجود ہوتے ہیں۔ اگر دوسرے فرقوں میں کوئی ایک جھوٹا ہوتو شیعہ میں سب سے زیادہ جھوٹے ہوتے ہیں۔ یہ بات کسی بھی عقلمند منصف پر مخفی نہیں ہے۔ ہاں جو کوئی اپنے خواہش نفس کی پیروی کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے دلوں کو اندھا کردیا ہوتا ہے۔اورجن کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے انہیں کوئی راہ ہدایت پر لانے والا رہبر نہیں ملتا۔

یہ باتیں جو ہم نے ذکر کی ہیں؛ قدیم و جدید میں اہل علم کے ہاں معروف رہی ہیں۔جیسا کہ ہم نے اس سلسلہ میں بعض اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ یہاں تک کہ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



’’ دین اہل حدیث [محدثین ] کے ہاں ہے؛ جھوٹ رافضیوں کے ہاں ہے؛ کلام معتزلہ کے ہاں ہے؛ حیلے اصحاب فلاں اہل رائے کے ہاں ہیں۔ اورسوئے تدبیر آل ابی فلاں کے ہاں ہے۔‘‘

یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے کہ انہوں نے فرمایا ہے۔ اس لیے کہ دین وہ چیز ہے جسے دیکر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تھا۔ آپ کی سنتوں اور احادیث کو سب سے زیادہ جاننے والے محدثین ہیں۔ جب کہ علم کلام میں سب سے زیادہ مشہور گروہ معتزلہ کا ہے۔ اسی لیے خواص کے ہاں معتزلہ بدعات میں بڑے مشہور تھے۔ جب کہ رافضی اپنی بدعات میں خواص وعوام کے مابین بہت مشہور ومعروف ہیں؛ یہاں تک کہ اکثر عوام الناس انہیں متضاد اقوال کی وجہ سے جانتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات سے متناقض ہیں؛ خواص وعوام کو اس کا علم ہے۔ خود ان کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف ہونے کی ایک بڑی دلیل ہیں۔ یہاں تک کہ وہ گروہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے کوئی زیادہ شناسائی نہیں؛ مگر انہیں مختلف فرقوں کی کسی قدر معرفت حاصل ہے؛ اگر ان لوگوں سے رافضی کہتے ہیں کہ: ہم مسلمان ہیں؛ تو وہ کہتے ہیں: نہیں تم کوئی دوسری جنس ہو؛ [تمہارا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ]۔ یہی وجہ ہے کہ رافضی لوگ دین سے دشمنی رکھنے والے ہر گروہ سے دوستی رکھتے ہیں؛ جیسے کہ یہود و نصاری اور مشرکین؛ مشرک ترک۔

ان اولیاء اللہ سے دشمنی رکھتے ہیں جو اہل دین میں سے بہترین لوگ اور اہل تقوی کے سردار ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس دین کی تبلیغ کی؛ اسے قائم کیا اور اس کی نصرت کی۔ یہی وجہ ہے کہ کافر تاتاریوں کے بلاد اسلام میں داخل ہونے کا سب سے بڑا سبب رافضی ہی تھے۔ عباسی وزیر ابن علقمی اور اس جیسے دوسرے لوگ جیسے نصیر طوسی کے مسلمانوں کے خلاف کفار سے اتحاد کو خواص وعوام سبھی جانتے ہیں۔ ایسے ہی ان میں سے جو لوگ شام میں تھے انہوں نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کا ساتھ دیا اور ان کی مدد کی؛ یہ بات تمام لوگ جانتے ہیں۔

جب مسلمانوں کا لشکر ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا؛ اور غازان اسلامی ممالک پر حملہ آور تھا؛ تو ان لوگوں نے نصرانی کافروں اور دوسرے مسلمان دشمنوں کا ساتھ دیا۔ اور مسلمانوں کے بچوں اور اموال کو ان کے ہاتھوں بیچ ڈالا۔ اور خوب کھل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی۔ ان میں سے بعض نے تو صلیبیوں کا جھنڈا بھی اٹھایا ہوا تھا۔ قدیم دور میں بیت المقدس پر نصاری کے قبضہ کا ایک بڑا سبب شیعہ تھے۔ یہاں تک مسلمانوں نے بیت المقدس کو دوبارہ حاصل کر لیا۔

رافضی مذہب انہوں نے ہی اختیار کیا ہے جو لوگوں میں سب سے بڑے منافق تھے؛ جیسے: نصیریہ؛ اسماعیلیہ اور دیگر گروہ۔ یہ ایسے لوگ تھے جو باطنی طور پر سب سے بڑے کافر؛ یہود ونصاری سے بڑھ کر اللہ اور اس کے رسول کے دشمن تھے۔

یہ اور اس جیسے دیگر امور جو کہ ظاہر ومعروف ہیں؛ جنہیں عام وخاص سبھی جانتے ہیں؛ ان کے موجب اور ان کی دین سے مفارقت اور کفار ومنافقین کے زمرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کو مسلمانوں سے جدا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے احوال کو دیکھنے والا ہی سمجھ جائے کہ یہ لوگ مسلمانوں سے علیحدہ ایک جنس ہیں۔ اس لیے کہ

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com



بلا ریب جو لوگ قدیم و جدید دور میں اسلام کو قائم کرتے چلے آئے ہیں وہ جمہور مسلمان ہیں۔ جب کہ رافضیوں نے تو ہمیشہ دین اسلام کو مٹانے اور اس کی رسی کو توڑنے' اور اس کی بنیادوں کو ڈھانے کی کوشش کی ہے۔ اور جس قدر ان میں دین کا کچھ حصہ باقی ہے' وہ جمہور مسلمانوں کی کوششوں کی وجہ سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان میں قرآن کی تلاوت کرنے والے بہت کم ہیں۔ اور ان میں سے جو لوگ اچھی طرح قرآن پڑھنا جانتے ہیں انہوں نے اہل سنت والجماعت سے اس کی تعلیم حاصل کی ہے۔ یہی حال حدیث میں بھی ہے؛ حدیث کی معرفت وتصدیق اور اخذ وقبول میں اہل سنت کا قول ہی معتبر ہے۔ ایسے ہی فقہ وعبادت؛ زہد و جہاد اور قتال میں بھی لوگ حقیقت میں اہل سنت والجماعت کے لشکر میں شامل ہیں۔ اور اہل سنت والجماعت ہی وہ لوگ ہیں جن کے علماء و مجاہدین عباد و زہاد کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس دین کی علماً اور عملاً حفاظت فرمائی ہے۔ رافضی دین اسلام سے پرلے درجے کے جاہل لوگ ہیں۔ اور انسان کے لیے ان کے پاس کوئی خاص چیز نہیں ہے سوائے اس چیز کے جس سے دشمن خوش ہوں اور اہل اسلام کو تکلیف پہنچائے۔ اسلام میں ان لوگوں کے لیل ونہار انتہائی سیاہ ہیں۔ ان کے عیوب اور بھلائیوں کو سب سے زیادہ جاننے والے اہل سنت ہیں۔ آپ ہمیشہ ان سے کچھ دیگر اچھنبے امور بھی دیکھتے رہیں گے جن سے ان کی پہچان حاصل ہو جائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ﴾ [المائدۃ ۱۳]

''اور آپ ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت کی خبر پاتے رہیں گے، سوائے ان میں سے بہت تھوڑے۔''

اگر میں ان کی بعض ایسی باتیں نقل کرنی شروع کر دوں جو میں نے خود دیکھی ہیں اور جو ثقہ لوگوں سے نقل کی ہیں؛ اور جو کچھ ان کی کتابوں میں پڑھا ہے؛ تو اس کے لیے ایک بہت بڑی کتاب چاہیے۔

یہ لوگ انتہائی درجہ کی جہالت اور کم عقلی کا شکار ہیں۔ ایسی باتوں سے نفرت کرتے ہیں جن سے نفرت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ لوگ حق پر ہیں تو پھر بھی ایسے کام کرتے ہیں جن میں ان کے لیے کوئی منفعت نہیں۔ مثال کے طور پر مرغی کے پر نوچنا؛ گویا کہ وہ اس سے انتقام لے رہے ہوں۔ [وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ] وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بال نوچ رہے ہیں۔ -العیاذ باللہ-۔ اور ایسے ہی زین کے نیچے رکھے ہوئے ٹھڑے کو درمیان سے پھاڑ ڈالنا؛ اور یہ کہنا کہ ہم نے عمر رضی اللہ عنہ کا پیٹ پھاڑ ڈالا۔ تو کیا مسلمان فرقوں میں سے کسی ایک نے اپنے مخالفین کے ساتھ ایسا کیا ہے؟

اگر ایسا کرنا مشروع ہوتا تو ابو جہل اور اس جیسے دوسرے لوگ اس کے زیادہ حق دار تھے۔ اور جیسا کہ ان لوگوں کا عشرہ مبشرہ کے بغض کی وجہ سے دس کے عدد سے بغض ونفرت رکھنا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کئی مقامات پر دس کا ذکر بطور مدح کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ [الفجر]

''اور قسم ہے فجر کے وقت کی اور دس راتوں کی۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نیز فرمایا: ﴿وَ اَتۡمَمۡنٰهَا بِعَشۡرٍ﴾ [الاعراف ۱۴۲]

''اور ہم نے مزید دس راتوں سے اسے پورا کر دیا۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ [البقرۃ ۱۹۶]

''اور وہ ہیں گنتی کے پورے دس۔''

جب کہ نو کے عدد کو بطور مذمت کے ذکر کیا ہے؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَكَانَ فِي الۡمَدِيۡنَةِ تِسۡعَةُ رَهۡطٍ يُّفۡسِدُوۡنَ فِي الۡاَرۡضِ وَلَا يُصۡلِحُوۡنَ﴾ [النمل ۴۸]

''اور شہر میں نو گروہ تھے جو کہ فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔''

تو کیا کبھی بھی ایسا ہوا ہے کہ مسلمانوں نے نو کے عدد کو زبان پر لانے کو ناپسند کیا ہے۔ جب کہ شیعہ کا یہ حال ہے کہ وہ دس کے بجائے نو کے لفظ کو ترجیح کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

ایسے ہی شیعہ کا ان اسماء [ناموں] کو ناپسند کرنا جو ان کے ناپسندیدہ لوگوں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں۔ جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں ایسے لوگ موجود تھے جن کے نام اسلام دشمنوں کے ناموں پر تھے۔ جیسا کہ ولید؛ جسے قرآن نے وحید کے لقب سے ذکر کیا ہے؛ اس کا بیٹا بہترین مسلمانوں میں سے تھا؛ اس کا نام بھی ولید رضی اللہ عنہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قنوت نازلہ پڑھ کر اس کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات عطاء فرما۔'' [متفق علیہ]

جیسا کہ ابی بن خلف جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا تھا۔ جبکہ مسلمانوں میں اس نام کے کئی افراد موجود تھے جیسے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ اور جیسا کہ عمرو بن عبد ود العامری؛ اور صحابہ میں بھی اس نام کے لوگ تھے جیسے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی ایک کا نام بھی اس وجہ سے تبدیل نہیں کیا کہ اس نام کا کوئی کافر بھی موجود ہے۔

❀ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ جن لوگوں سے شیعہ نفرت رکھتے ہیں' وہ کافر ہیں؛ پھر بھی ان کا ان ناموں سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا جہالت کی انتہاء ہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان صحابہ کو ان ہی ناموں سے پکارا کرتے تھے۔

❀ ان کے جواب میں کہا جائے گا کہ: ''اہل علم و دین میں سے جن لوگوں نے بھی جمہور کا تجربہ کیا ہے؛ وہ جانتے ہیں کہ جمہور کبھی بھی جھوٹ پر راضی نہیں ہوتے؛ بھلے وہ ان کی اغراض کے موافق ہی کیوں نہ ہو۔ خلفاء ثلاثہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل میں کتنی ہی روایات ایسی ہیں جن کی اسناد شیعہ کی روایات سے زیادہ بہتر ہیں۔ مثال کے طور پر ابونعیم اور ثعلبی؛ ابوبکر النقاش اور اَہوازی اور ابن عساکر کی روایات؛ اور ان جیسے دوسرے لوگوں کی مرویات۔ مگر علماء حدیث ان میں سے کسی ایک روایت کو بھی ایسے ہی قبول نہیں کر لیتے۔ بلکہ ان کے ہاں جب کسی روایت کا راوی مجہول ہوتا ہے؛ تو اس کی روایت میں توقف اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ رافضی گروہ کی حالت یہ ہے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کہ جو روایت بھی ان کی خواہشات کے اور رائے کے مطابق ہو' اسے قبول کر لیتے ہیں ؛ اور اس میں سے صحیح یا غلط کسی بھی چیز کا رد نہیں کرتے ۔

❀ جب جمہور کے ہاں وہ صحیح اور معروف احادیث موجود ہیں جن کی صحت وصداقت کا ہر مسلمان کو علم ہے ۔ اور آپ بھی یہ بات جانتے ہیں کہ ان احادیث کو قبولیت حاصل ہے ۔ بلکہ یہ احادیث متواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں' جو کہ علم ضروری کا فائدہ دیتی ہیں' اور دل سے ان کا انکار کرنا بھی ممکن نہیں ۔ اور یہ ان دلائل کے متناقض ہیں جن کو روایت کرنے والا مجہول لوگوں کا ایک گروہ ہے ؛ یا پھر وہ لوگ ہیں جو جھوٹ بولنے میں مشہور ہیں خواہ وہ تم میں سے ہوں یا جمہور میں سے ۔ تو پھر کیا یہ بات ممکن ہے کہ جس چیز کو لوگ ضرورت کے تحت جانتے ہوں' اور جو ایسے ثقہ راویوں کی صحیح اسناد سے ثابت ہو جن کی سچائی اور علم کی پختگی معروف ہے ؛ ان کی روایات کو رد کر دیا جائے ؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ ان روایات کو ان روایات سے رد کیا جائے جو کہ من گھڑت ہیں اور جن کی کوئی نہ ہی زمام ہے نہ لگام ؟

❀ اگر کوئی انسان یہ روایت کرے کہ نمازیں پانچ سے زیادہ واجب ہیں اور دو ماہ کے روزے واجب ہیں اور مسلمانوں پر دو بار بیت اللہ کا حج کرنا واجب ہے ۔ پس جس طرح سے ان روایات کا رد کیا جائے گا' اسی طرح سے ان دوسری روایات کا رد بھی کیا جائے گا ۔ اس رد میں ہم نے ان طرق کی طرف بھی توجہ دلائی ہے جن سے ان لوگوں کا جھوٹ واضح ہو جاتا ہے جو محدثین کے طریقہ سے ہٹ کر روایات نقل کرتے ہیں ۔ اور ہم نے ان لوگوں کا جھوٹ بھی طشت ازبام کیا ہے ۔ کبھی قرآن سے' کبھی علم متواتر سے اور کبھی لوگوں کے اجماع سے ۔ اور یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ وہ روایات جو قرآن ومتواتر احادیث اور اجماع کے خلاف ہوں' اور عقل کے بھی مخالف ہوں ان کا باطل ہونا معلوم ہو جاتا ہے ۔ یہ ان جملہ طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جن سے ان روایات کا علم ہوتا ہے جو اہل سنت والجماعت کے مذہب کی مخالفت میں گھڑ لی گئی ہیں ۔ اس لیے کہ یہ لوگ اپنی روایات میں تین چیزوں میں سے کسی ایک پر انحصار کرتے ہیں :

۱۔ یا تو وہ کسی جھوٹے سے روایت نقل کرتے ہیں ۔
۲۔ یا پھر ان کی دلیل مجمل اور متشابہ ہوتی ہے ۔
۳۔ یا پھر فاسد قیاس ہوتا ہے ۔

یہی حال ان تمام لوگوں کا ہے جو فاسد دلائل سے حجت پکڑتے ہیں اور پھر اسے شریعت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں ۔ اس لیے کہ بنیادی چیزیں یا تو نص ہے' یا پھر قیاس ۔ نص کے لیے صحیح سند اور دلالت متن کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ نص رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو ۔ اور لازمی طور پر اپنے مطلوب پر دلالت کرتی ہو ۔ جب کے [ان لوگوں کے ] باطل دلائل یا تو سنی سنائی جھوٹی باتیں ہیں ؛ یا پھر اگر روایت صحیح بھی ہو تو وہ اپنے مقصود پر دلالت نہیں کرتی ۔ یا پھر فاسد قیاس ہوتا ہے ۔ رافضہ اور دوسرے اہل باطل کے ہاں اس جنس کے علاوہ کوئی بھی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



دوسری دلیل سمعی موجود نہیں ۔

❀ جب ہم کہتے ہیں: ''نقل کرتے ہوئے'' تو اس میں کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ﷺ دونوں شامل ہوتے ہیں؛ اور اہل اجماع کا کلام بھی ان لوگوں کے ہاں شامل ہوتا ہے جو اسے حجت مانتے ہیں ۔ بلاشبہ رافضی اجماع کو حجت ہی نہیں مانتے ۔ ایسے ہی افعال واقرار اور خاموشی بھی اسی طریقہ پر ہے ۔

## فصل: ......حدیث میں مہارت کی ضرورت

[اہل نظر واستدلال میں ہر کوئی منقولات کا خبیر اور جھوٹ اور سچ اور صحیح اور سقیم کے مابین فرق کا ماہر نہیں ہوتا]

جان لیجیے کہ: اہل نظر واستدلال میں ہر کوئی منقولات کا خبیر اور جھوٹ اور سچ اور صحیح اور سقیم کے مابین فرق کا ماہر نہیں ہوتا؛ عوام الناس کی تو بات ہی کیا ہے ۔ اور اجمالی طور پر یہ بات معلوم شدہ ہے کہ منقولات میں سچ بھی ہوتا ہے اور جھوٹ بھی ۔ اور ان حضرات کو علم حدیث کے ماہر علماء کی طرح کا علم اور تجربہ نہیں ہوتا ۔ پس انہیں حضرات کو جھوٹ اور سچ پر استدلال کرنے کے لیے دوسرے طریقوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ہے؛ اور انسان کو وہ کچھ سکھایا ہے جو وہ نہیں جانتا تھ ۔ اور اسے پیدا کیا؛ پھر برابر کیا؛ جس نے تقدیر مقرر کی اور ہدایت دی ۔ اور ہر چیز کو اس کے مناسب حال پر پیدا کیا اور پھر اس کو ہدایت دی ۔ وہ ہستی جس نے لوگوں کو ان کی ماؤں کے پیٹوں سے نکالا؛ اور وہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے؛ اور پھر ان کے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنادیے؛ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے ان دلائل کی طرف آسانی سے ہدایت دیتا ہے جن کی وجہ سے حق اور باطل اور سچ اور جھوٹ کے درمیان تمیز کرنا ممکن ہو ۔

جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے:

''اے میرے بندو! تم سارے گمراہ ہو سوائے اس کے جسے میں ہدایت دیدوں ۔ پس تم مجھ سے ہدایت طلب کرو؛ میں تمہیں ہدایت دوں گا ۔''

یہی وجہ ہے کہ جھوٹ سے سچ کی معرفت کے مختلف طریقے ہیں ۔ حتی کہ کوئی خبر دینے والا اپنی ذات کے بارے میں یہ خبر دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے ۔ یعنی وہ نبوت کا دعوی کرتا ہے ۔ پس وہ طرق جن کے ذریعہ سچے کی سچائی اور جھوٹے کذاب متنبّی کی معرفت ہو؛ بہت زیادہ اور مختلف ہیں ۔ اس مسئلہ پر ہم کئی ایک مواقع پر تنبیہ کر چکے ہیں ۔ یہی حال رسولوں سے منقول پیغام کا بھی ہے ۔ ان میں سے سچ اور جھوٹ کے جاننے کے طریقے متعدد اور متنوع ہیں ۔ اور یہی حال ان لوگوں کی صداقت جاننے کا بھی ہے جو اس علم نبوت کے حاملین ہیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل علم سچوں کی سچائی کو جانتے ہیں ۔ جیسا کہ امام مالک، اور الثوری، شعبہ، یحی بن سعید؛ عبدالرحمن بن مہدی؛ أحمد بن حنبل، البخاری، مسلم، ابو داود، اور ان کے امثال علماء کے متعلق علم یقینی کے طور پر جانتے ہیں؛ اور پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ: یہ حضرات

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جان بوجھ کر حدیث میں جھوٹ نہیں بولتے ۔اوران کے مقابلہ میں محمد بن سعید المصلوب ، ابوالبختری القاضی ، واحمد بن عبد اللہ الجویباری ، وعتاب بن براہیم بن عتاب ، ابوداود النخعی ،اوران جیسے دوسرے لوگوں کے متعلق جانتے ہیں کہ یہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں ۔

لیکن جہاں تک خطاء کا تعلق ہے ؛تو اس پر نبی کو باقی نہیں رہنے دیا جاتا؛ ان کے علاوہ کوئی بھی خطا سے معصوم نہیں ۔ لیکن محدثین کرام جانتے ہیں کہ ائمہ جیسا کہ زہری ؛ ثوری ؛ مالک اور ان کے امثال بہت معمولی چیزوں میں سب لوگوں سے کم غلطی کرنے والے ہیں ۔اور یہ چیزیں بھی ایسی معمولی ہیں کہ اس سے حدیث کے مقصود میں فرق نہیں آتا ۔اوروہ ان سے کم مرتبہ کے ان لوگوں کو بھی جانتے ہیں جن سے کبھی کبھار غلطی ہو جاتی ہے ؛مگر اکثر طور پر ان پر حفظ اور ضبط کا غلبہ رہتا ہے ۔اوران کے پاس ایسے دلائل ہوتے ہیں جن سے غلطی کرنے والے کی غلطی پر استدلال کرتے ہیں ۔

ان کے علاوہ کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں جو بہت زیادہ کثرت کے ساتھ غلطی کرتے ہیں ۔ یہ لوگ جب کسی روایت کے نقل کرنے میں منفرد ہوں تو ان سے استدلال نہیں کیا جاتا ۔لیکن ان کی روایت کردہ حدیث کو بطور شاہد اور اعتبار کے تسلیم کیا جاتا ہے ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی روایت میں دیکھا جاتا ہے ۔کیا ان کے علاوہ کسی اور نے بھی روایت کیا ہے یا نہیں ؟

جب اس کی اسناد متعدد ہوں ' اور الفاظ ایک ہوں ؛ اور یہ بھی علم ہو کہ انہوں نے آپس میں ملاقات یا عمداً ایسا نہیں کیا ۔اور عام طور پر اس جیسے معاملات میں خطا ناممکن ہو تو یہ اس حدیث کے سچا ہونے کی دلیل ہوتی ہے ۔

اسی لیے امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں : بسا اوقات کسی آدمی سے حدیث کی روایت میں اعتبار [ وشاہد ] کے لیے لکھ لیتا ہوں ۔ جیسا کہ ابن لھیعہ اوران جیسے دوسرے لوگ ۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عالم و فاضل ؛ دیندار قاضی تھا ۔لیکن اس کی کتابیں جل گئی تھیں ۔ پھر اس کے بعد جو حدیث بیان کرتا ؛ان میں بہت کچھ غلطی کر جاتا ۔لیکن اس کی اکثر روایت صحیح ہوتی ہیں جن پر دوسرے ثقہ علماء جیسے لیث رحمہ اللہ اوران کے امثال موافقت کا اظہار کرتے ہیں ۔

اہل الحدیث [ محدثین کرام ] رحمہم اللہ صحیحین کے متون کی سچائی کو جانتے ہیں ۔ اورمن گھڑت روایات کے جھوٹ کو بھی جانتے ہیں جن کے بارے میں وہ یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ جھوٹ ہیں ۔اس کی وجہ وہ اسباب ہیں ؛ جن کی وجہ سے وہ اس علت کو جانتے ہیں ۔اور وہ لوگ بھی جانتے ہیں ؛ جو اس علم میں ان کے ساتھ شریک ہیں ۔اور جو لوگ اس علم میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہیں وہ ان علتوں کو نہیں جانتے ۔جیسا کہ وہ گواہ جو گواہی دیتے ہیں ۔جس کو ان لوگوں کا تجربہ اور خبر ہو ؛ وہ ان کے سچے کی سچائی ؛ اور جھوٹے کے جھوٹ کو جانتے ہیں ۔یہی حال تجارتی معاملات خرید وفروخت اور کرایہ داری میں تجربہ اور علم رکھنے والے جھوٹے کا جھوٹ ؛ سچے کی سچائی اور امانت دار اور خائین کو جانتے ہیں ۔ یہی حال ان واقعات کا بھی ہے جن میں بعض کے سچ ہونے کو اور بعض کے جھوٹ ہونے کو لوگ اچھی طرح جانتے ہیں ۔ اور بعض معاملات میں وہ شکوک وشبہات کا شکار ہوتے ہیں ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



نبی کریم ﷺ کے اخبار واحوال کی معرفت؛ آپ کے اقوال وافعال؛ آپ کی بیان کردہ توحید؛ امر و نہی؛ وعد و وعید اوراعمال واقوام اور زمان ومکان کے فضائل ومثالب [نقص وعیب] کا حال بھی ایسے ہی ہے۔ان کا سب سے زیادہ علم ان لوگوں کو ہے جنہیں آپ کی احادیث کا علم ہے؛ اورانہوں نے اس علم کے حاصل کرنے میں ہر طرح کی جدو جہد؛ محنت ومشقت سے کام لیا ہے۔ اوراس علم کے نقل کرنے والوں کے احوال کی معرفت حاصل کی ہے۔ اور پھر کئی اعتبار و وجوہ سے نبی کریم ﷺ کے احوال کو جانا۔اوران سب روایات کو جمع کیا۔ اور سچے کی سچائی ؛ غلط کار کی غلطی اور جھوٹے کے جھوٹ کی معرفت حاصل کی۔

اس علم کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگ پیدا کیے جنہوں نے اس امت میں ان علوم کی حفاظت کی جن کی وجہ سے یہ دین محفوظ رہا۔اور دوسرے لوگ اس علم میں ان کے تابع ہیں: یا تو ان سے استدلال کرنے والے ہیں؛ یا پھران کے مقلد ہیں۔ جیسا کہ احکام میں اجتہاد کا معاملہ ہے؛ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو پیدا کیا؛ حتی کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ان کے دین کو محفوظ کیا۔تو ان کے علاوہ جتنے لوگ ہیں؛ وہ ان کے تابع ہیں۔ یا تو ان سے استدلال کرنے والے ہیں؛ یا پھران کے مقلد ہیں۔

مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ کے خاص الخواص اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان لوگوں کی نسبت احوال نبی کریم ﷺ کی معرفت زیادہ رکھتے تھے جنہیں اختصاص میں ان سے کم مرتبہ ملا تھا۔خواص کی مثال: جیسا کہ حضرت أبوبکر وعمر،عثمان، علی،طلحہ، الزبیر،عبدالرحمن بن عوف، سعد، أبي بن کعب، معاذ بن جبل، ابن مسعود، بلال، وعمار بن یاسر، ابوذر الغفاری، وسلمان، وأبو الدرداء، وابو یوب الأنصاری، عبادة بن الصامت، وحذیفہ، وأبوطلحہ،اوران کے امثال مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین ؛۔رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ جنہیں ان لوگوں کی نسبت زیادہ اختصاص حاصل تھا جو کہ ان کے ہم پلہ و ہم مثل نہیں ہیں۔لیکن بعض صحابہ کرام دوسروں کی نسبت زیادہ یادداشت اور سمجھ وفقہ رکھتے ہیں۔اگر چہ ان میں سے کسی دوسرے کو لمبی صحبت کی سعادت ملی ہو۔ اور بعض سے ان کی لمبی عمر کی وجہ سے لوگوں نے زیادہ علم حاصل کیا ہوتا ہے؛ بھلے کوئی دوسرا اس سے بڑا عالم کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ؛ حضرت ابن عمر؛ حضرت ابن عباس؛ حضرت عائشہ؛ حضرت جابر؛ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم اجمعین سے ان لوگوں کی نسبت زیادہ علم حدیث حاصل کیا گیا ہے جو ان سے زیادہ افضل تھے۔ جیسے حضرت طلحہ؛ حضرت زبیر؛اوران کے امثال رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ جب کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کوکلیات دین کی تبلیغ ؛ دین کے اصولوں کی نشرو اشاعت اورلوگوں کے ان سے علم دین کے حصول میں وہ مقام حاصل ہے جو ان کے علاوہ کسی دوسرے کے نصیب میں نہیں۔ اگر چہ بعض صغار صحابہ سے احادیثِ مفردہ اتنی کثرت سے روایت ہیں جو کہ خلفاء سے بھی روایت نہیں کی گئیں۔ پس خلفائے راشدین کو عموم تبلیغ اور دین کو قوت دینے میں وہ مقام حاصل ہے جس میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں۔پھر جب یہ لوگ اس دعوت وتبلیغ کے لیے کھڑے ہوئے تو ان کے علاوہ دوسرے بھی اس بابرکت کام میں ان کے شریک ہوگئے۔ پس اس طرح اس کام کو تواتر کا درجہ حاصل ہوگیا؛ جیسا کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا مصاحف کی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



شکل میں قرآن جمع کرنا؛ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے ایک مصحف کی شکل میں جمع کیا۔ اور پھر مختلف شہروں میں ارسال کیا۔ پس اس وقت قرآن جمع کرنے اور اس کی تبلیغ کا اہتمام دوسرے تمام امور کی نسبت بہت زیادہ رہا ہے۔

یہی حال مختلف شہروں میں شرائع اسلام کی تبلیغ کا بھی رہا ہے۔ اور اسی چیز پر ان کے ساتھ قتال بھی ہوتا رہا۔ اور امراء و علماء اس معاملہ میں نیابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اور یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آپ کے اقوال و افعال لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ پس یہ تبلیغ ان اہل علم تک پہنچی جنھوں نے اس دین کو قائم کیا؛ اور یہ نقل متواتر ظاہر اور ایسی معلوم شدہ ہوگئی جس سے حجت قائم ہو سکے۔ اور راہِ حق بالکل واضح ہو جائے۔ اور اس سے بالکل یہ بھی واضح ہوگیا یہ حضرات ہدایت یافتہ خلفائے راشدین تھے جو علم و عمل کے لحاظ سے اس امت میں نبی کریم ﷺ کے جانشین بنے۔

رسول اللہ ﷺ؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ○ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ○﴾ [والنجم ۱۔۴]

’’قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے! کہ تمھارا ساتھی (رسول) نہ راہ بھولا ہے اور نہ غلط راستے پر چلا ہے۔ اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔‘‘

پس آپ ﷺ نہ ہی راہ سے ہٹے؛ اور نہ ہی بہکے۔ یہی حال خلفائے راشدین کا بھی تھا۔ جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((علیکم بسنتي و سنة خلفاء الراشدين المهديين من بعدي تمسكوا بها و عضوا عليها بالنواجذ. و إيّاكم ومحدثات الأمور؛ فإن كل بدعة ضلالة.))

’’تم پر میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔ اس کے ساتھ چمٹے رہو؛ اور اسے اپنے کنچلی کے دانتوں سے مضبوطی سے پکڑ لو۔ خبردار! اپنے آپ کو نئے کاموں سے بچا کر رکھنا؛ اس لیے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔‘‘ ❶

بلا شک و شبہ خلفائے راشدین اس مہم میں نبی کریم ﷺ کے جانشین تھے؛ بنابریں ہدایت کی وجہ سے ان سے گمراہی کی نفی کی گئی ہے اور رشد و کامیابی کی وجہ سے کجی اور بے راہ روی کی نفی کی گئی ہے۔

یہ علم و عمل کا کمال ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ گمراہی علم نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور کجی اتباع نفس [خواہشات نفس کی پیروی] کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پس اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم نمازوں میں یوں کہیں:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۵) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (۶) غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

❶ سنن أبي داؤد ٤/ ٤٨٠٠؛ وابن ماجة ١/ ١٥۔ والدارمي ١/ ٤٤.]وقد سبق تخريجه

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com



وَ لَا الضَّآلِّیْنَ﴾[الفاتحہ ٦۔٧]

’’ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ’’مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں اور الضالین سے مراد نصاری ہیں۔‘‘

پس ہدایت یافتہ اور کامیاب وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیدیں۔ اور وہ اہل ضلال جاہلوں میں سے نہ ہو۔ اور نہ ہی ان سرکش اور باغیوں میں سے ہو جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔

یہاں پر مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بعض دوسرے صحابہ کرام کی نسبت نبی کریم ﷺ کے احوال کی معرفت زیادہ رکھتے تھے۔ اور بعض نے دوسروں سے سیکھ کر تبلیغ میں زیادہ کردار ادا کیا۔ پھر بسا اوقات مفضول کے پاس کسی خاص مسئلہ میں وہ علم ہوتا ہے جو افضل کے پاس نہیں ہوتا؛ سو وہ افضل اس علم میں مفضول سے مستفید ہوتا ہے۔ اس سے یہ واجب نہیں ہوتا کہ مفضول فاضل سے مطلق طور پر بڑا عالم ہو۔ اور نہ ہی یہ فاضل جو مفضول سے علم حاصل کر رہا ہے؛ اس وجہ سے اعلم و افضل اور ممتاز ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین بعض ان مسائل میں جن کا علم ان کے پاس نہ ہوتا؛ عام صحابہ کرام سے مستفید ہوا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دادی کی میراث کے علم میں محمد بن مسلمہ، اور مغیرہ بن شعبہ سے استفادہ کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنین کی دیت؛ استئذان ؛ اور شوہر کی دیت سے بیوی کی میراث کے بارے؛ اور کچھ دوسرے مسائل میں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے استفادہ کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیوہ کی عدت گزاری؛ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلاۃ توبہ کے بارے میں دوسرے صحابہ کرام سے استفادہ کیا۔

بسا اوقات علم فاضل پر مخفی رہتا ہے؛ اور اس کی موت تک اسے اس کا علم نہیں ہوتا۔ لیکن علم کی اس بات کی تبلیغ وہ لوگ کرتے ہیں جو اس عالم و فاضل سے کم مرتبہ ہیں۔ اور ایسا بہت زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ موقع ان چیزوں کو بیان کرنے کا نہیں۔ لیکن یہاں پر مقصود علم کے طرق کا بیان کرنا ہے۔ پس خلفائے راشدین کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے: حضرت أبی بن کعب، اور ابن مسعود، اور معاذ بن جبل، اور ابو الدرداؤ، اور زید بن ثابت، وحذیفہ، وعمران بن حصین، و أبوموسیٰ وسلمان، وعبداللہ بن سلام، اور ان کے امثال و ہم پلہ حضرات سے لوگوں نے علم حاصل کیا۔

پھر ان کے بعد جیسا کہ حضرت عائشہ، ابن عباس، ابن عمر، عبد اللہ بن عمرو ابوسعید، وجابر رضی اللہ عنہم اجمعین، اور دوسرے حضرات کا مرتبہ آتا ہے۔

تابعین میں سے فقہاء کرام اور دوسرے تابعین جیسا کہ سعید بن مسیب، عروہ بن الزبیر، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، القاسم بن محمد، وسالم بن عبد اللہ، ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام، علی بن الحسین، وخارجہ بن زید بن ثابت، اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ، اور جیسا کہ علقمہ، أسود، شریح القاضی، عبیدہ السلمانی، والحسن البصری، ومحمد بن سیرین رحمہ اللہ، اور

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com



ان کے أمثال.

پھران کے جیسے الزہری، وقتادہ، یحی بن أبی کثیر؛مکحول الشامی، اورایوب السختیانی، یحی بن سعید الأنصاری، یزید بن أبی حبیب المصری رحمہم اللہ ،اوران کے أمثال.

پھران کے بعد جیسے:امام مالک ،ثوری، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، اللیث، أوزاعی، شعبہ، اورزائدہ، اورسفیان بن عیینہ،اوران کے أمثال. رحمہم اللہ

پھران کے بعد جیس: یحی القطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، ابن المبارک، عبداللہ بن وہب، وکیع بن الجراح، اسماعیل بن علی، ہشیم بن بشیر رحمہم اللہ۔

پھران کے بعد : امام بخاری، مسلم، أبو داود، أبو زرعہ، أبو حاتم، عثمان بن سعید الدارمی، وعبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی، ومحمد بن مسلم بن وارہ، أبوبکر الأثرم، ابراہیم الحربی، وبقی بن مخلد أندلسی، ومحمد بن وضاح. رحمہم اللہ

پھر جیسا کہ: ابوعبدالرحمٰن النسائی، الترمذی، ابن خزیمہ، ومحمد بن نصر المروزی، ومحمد بن جریر الطبری، وعبداللہ بن أحمد بن حنبل، وعبدالرحمٰن بن أبی حاتم رحمہم اللہ۔

پھران کے بعد جیسے: ابوحاتم البستی، اورأبوبکر النجاد، وأبوبکر نیساپوری، وأبوقاسم الطبرانی، أبوالشیخ الأصفہانی، أبوأحمد العسال الأصفہانی، اوران کے امثال۔ رحمہم اللہ

پھران کے بعد جیسے :ابوالحسن الدارقطنی ، ابن مندہ، الحاکم أبوعبداللہ، عبدالغنی بن سعید، رحمہم اللہ اوران کے امثال ؛اتنے لوگ ہیں کہ ان کا اعداد وشمار ہی ممکن نہیں۔

یہ حضرات اوران کے امثال لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کی معرفت رکھتے ہیں۔اگر چہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جن کی روایات دوسروں سے بہت زیادہ تھیں۔اوران میں ایسے بھی تھے جنہیں دوسروں کی نسبت صحیح اور ضعیف حدیث کی معرفت زیادہ تھی۔اورایسے بھی تھے جو دوسروں سے بڑھ کر فقیہ تھے۔

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''حدیث کی معرفت اوراس کی سمجھ حاصل کرنا میرے نزدیک حدیث کوزبانی یاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''متون الحدیث سے علم فقہ اور راویوں کے احوال کی معرفت حاصل کرنا تمام علوم سے بہتر علم ہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ یحی بن معین اورعلی المدینی اوران کے امثال صحیح اور سقیم حدیث کی معرفت میں ابوعبیداور ابوثور سے بڑے عالم ہیں۔جب کہ ابوعبیداورابوثور علم فقہ میں ان سے بڑے عالم ہیں۔اورامام احمد بن حنبل ان دونوں قسم کے افراد کے ساتھ ان کے علوم میں شریک ہیں۔ان دونوں قسم کے علوم کے ائمہ امام احمد سے محبت کرتے تھے؛اورامام صاحب ان سے محبت کرتے تھے۔جیسا کہ امام شافعی اورابوعبید رحمہما اللہ اوران کے امثال اہل فقہ فی الحدیث کے ساتھ آپ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کا عالم تھے؛ اور جیسا کہ یحی بن معین اور علی بن المدینی رحمہما اللہ اور ان کے امثال علوم حدیث کی معرفت رکھنے والوں کے ساتھ ان کا سلوک رہا ہے۔

مسلم بن حجاج رحمہ اللہ اپنی کتاب صحیح مسلم میں ابو داؤد رحمہ اللہ کی نسبت احادیث کی صحت کا زیادہ اہتمام کیا ہے۔ جب کہ ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''السنن'' میں فقہ کا اہتمام زیادہ کیا ہے۔ جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان دونوں چیزوں کا خیال رکھا ہے۔

یہاں پر مقصود ان باتوں میں کلام کو وسعت دینا نہیں۔ بلکہ مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ علم حدیث رکھنے والے علماء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کی معرفت دوسروں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ وہ اس میدان کے امام ہیں۔ بیشتر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی انسان سچا ہوتا ہے؛ اور اس کی روایاتِ حدیث بھی بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے ہاں صحیح اور سقیم کی معرفت کا اہتمام نہیں پایا جاتا۔ پس اس کی نقلِ روایت سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے؛ کیونکہ سچا اور بات کو یاد رکھنے والا ہے۔ جب کہ صحیح اور سقیم کی معرفت ایک دوسرا علم ہے۔ اور بیشتر اوقات کوئی ایک اس کے ساتھ ہی فقہی اور مجتہد ہوتا ہے اور کوئی انسان نیک اور اچھے مسلمانوں میں سے ہوتا ہے لیکن اس کی معرفت اتنی زیادہ نہیں ہوتی۔

لیکن یہ لوگ اگرچہ علم میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں؛ اور ان میں جھوٹ کو ایسے پذیرائی نہیں ملتی جیسے ان لوگوں میں اسے پذیرائی مل جاتی ہے جنہیں علم نہ ہو۔ لیکن یہاں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جس کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کی معرفت جتنی زیادہ ہوگی؛ اسے سچ اور جھوٹ کے مابین تمیز کرنے کی صلاحیت بھی اتنی ہی زیادہ حاصل ہوگی۔ کبھی اہل تفسیر؛ اہل فقہ و زہد اور مناظرین کے مابین بہت سی احادیث مشہور ہوتی ہے؛ جن کو یا تو وہ خود سچ کہتے ہیں یا پھر ان کے سچا ہونے کو جائز سمجھتے ہیں۔ جب کہ علم حدیث کے ماہرین علماء [محدثین] کے ہاں وہ روایت جھوٹ ہوتی ہے۔

بسا اوقات یہ حضرات ایسی حدیث کو صحیح کہتے ہیں جو محدثین [ماہرین حدیث] کے نزدیک جھوٹ ہوتی ہے۔ مثلاً وہ حدیث جسے فقہاء کرام کا گروہ نقل کرتا چلا آیا:

((لا تفعلِي يا حميراء فإنه يورِث البرص . ))

''اے حمیرا! ایسے نہ کرنا؛ بیشک اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔''

اور حدیث: ((زكاة الأرضِ نبتها . ))

''زمین کی زکات اس کی نباتات [پیداوار ہیں]۔''

اور حدیث: (( نهي عن بيع وشرط ، ونهى عن بيعِ المكاتبِ والمدبرِ وأمِ الولدِ . ))

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم خریدنے اور شرط لگانے سے منع کیا؛ اور منع فرمایا کہ مکاتب اور مدبر یا ام ولد کو بیچا جائے۔

اور حدیث: ((نهى عن قفيزِ الطحان))۔

''چکی والے کی کمائی لینے سے منع فرمایا۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اورحدیث: (( لا یجتمِع العشر والخراج علی مسلِم . ))

''ایک مسلمان پرخراج اورعشر جمع نہیں ہو سکتے۔

اورحدیث:(( ثلاث ھن علی فرِیضۃ ، وھن لکم تطوع: الوِتر والنحر ورکعتا الفجرِ . ))

''تین چیزیں مجھ پرفرض ہیں اورتمہارے لیےنفل ہیں؛ وتر کی نماز؛قربانی کرنا؛فجر کی دوسنتیں۔''

اورحدیث: ((کان رسول اللہِ ﷺ فِی السفرِ یتِم ویقصر . ))

''رسول اللہ ﷺ سفر میں پوری نماز بھی پڑھتے تھےاورقصر بھی کرتے تھے۔''

اورحدیث: (( لا تقطع الید إلا فِی عشرۃِ دراھِم . ))

''دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔''

اورحدیث: ((لا مھر دون عشرۃِ دراھِم . ))

''دس درہم سے کم مہر نہیں ہوتا۔''

اورحدیث: ((الفرق بین الطلاقِ والعِتاقِ فِی اِلاستِثنا...... . ))

''طلاق اورآزادکرنے میں فرق استثناء کا ہے۔''

اورحدیث: (( أقل الحیضِ ثلاثۃ وأکثرہ عشرۃ . ))

''حیض کی کم سے کم مدت تین دن اورزیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔''

اورحدیث: (( نھی عنِ البتراءِ . ))

''آپ نے دم کاٹنے سے منع فرمایا۔''

اورحدیث: (( یغسل الثوب مِن المنِیِ والدمِ . ))

''منی اورخون سے کپڑا دھولیا جائے گا۔''

اورحدیث: ((الوضوء مِما خرج لا مِما دخل . ))

''وضوءاس چیز سے ہے جو خارج ہو؛ نہ کہ اس پر جو داخل ہو۔''

اورحدیث: ((کان یرفع یدیہِ فِی ابتِداءِ الصلاۃِ ثم لا یعود . ))

''نماز کے شروع میں رفع الیدین کیا کرتے تھے؛ پھرنہیں کرتے تھے۔''

اس طرح کی دیگر احادیث بھی ہیں جنہیں فقہاء کرام کے ایک گروہ نے صحیح کہا ہے؛ اوروہ ان کی تصدیق کرتے ہیں اوران پرحلال وحرام کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔ جب کہ حدیث کا علم رکھنے والے اس بات پر متفق ہیں کہ یہ روایات جھوٹ ہیں اور اپنی طرف سے گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ اوراہل فقہائے کرام رحمہم اللہ بھی یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہیں۔اوریہی حال ان روایات کا بھی ہے جنہیں نساک وعبّاد روایت کرتے ہیں؛ اورخیال کرتے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہیں کہ یہ احادیث سچی ہیں۔مثال کے طور پر یہ روایت:

((إِن عبد الرحمنِ بن عوف يدخل الجنة حبواً . ))

''بیشک عبدالرحمٰن بن عوف سرینوں کے بل چلتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔''

اس فرمان الٰہی کے بارے میں ان کا یہ کہنا کہ:

﴿وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾[الانعامِ: 52]

''اوران لوگوں کو دور نہ ہٹا جو اپنے رب کو پہلے اور پچھلے پہر پکارتے ہیں،اس کی رضا چاہتے ہیں۔''

اوراللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾[الكهفِ: 28]

'اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ روکے رکھ جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں۔''

ان کا کہنا ہے کہ یہ آیات اہل صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور مثال کے طور پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے غلام کے متعلق یہ روایت:

((غلام المغِيرةِ بنِ شعبة أحد الأبدالِ الأربعِين . ))

''مغیرہ بن شعبہ کا غلام چالیس ابدالوں میں سے ایک ہے۔''

یہی حال ان روایات کا بھی ہے جن میں ابدال ؛ اقطاب ؛غواث ؛ اوراولیاء کی تعداد کا ذکر ہے۔اوران کے امثال دوسری روایات ؛ جن کے متعلق ماہرین علم حدیث جانتے ہیں کہ یہ روایات جھوٹ ہیں۔

ان کی امثال دوسری روایات ؛ ان احادیث کے بارے دوسرے کئی طریقوں سے بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ جھوٹ ہیں۔مثلاً ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ:

﴿وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾[الانعامِ: 52]

اوراللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾[الكهفِ: 28]

یہ آیات سورۃ انعام اور سورت کہف میں ہیں۔اور یہ دونوں سورتیں بالاتفاق مکی ہیں۔اور صفہ مدینہ میں تھا۔اور ایسے ہی وہ حدیث معراج جس میں کہا گیا ہے کہ آپ نے معراج کی رات اپنے رب کو ایسی صورت میں دیکھا۔جب کہ معراج کی وہ احادیث جو صحاح کی کتابوں میں ہیں؛ ان میں رؤیت نام کی کوئی چیز نہیں؛ رویت کی احادیث مدینہ کی ہیں۔جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے:

((أتانِي البارِحة ربِي فِي أحسنِ صورة...... إِلى آخِرِهِ . ))

''میرے رب تعالیٰ رات میرے پاس خوبصورت شکل میں آئے......''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



یہ خواب آپ نے مدینہ طیبہ میں دیکھا تھا۔ اور یہی حال اس کے متشابہ دوسرے خوابوں کا ہے؛ وہ تمام کے تمام آپ نے مدینہ طیبہ میں دیکھے تھے۔ جبکہ واقعہ معراج مکہ مکرمہ میں پیش آیا تھا؛ اس پر نصوص قرآن کی روشنی میں تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

بسا اوقات کوئی حدیث کسی گروہ کے ہاں رواج پاتی ہے؛ جس کا جھوٹ ہونا انتہائی ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً یہ روایت کہ: نبی کریم ﷺ وجد میں آ گئے حتی کہ بردہ آپ سے گر گیا۔'' اس روایت کے من گھڑت جھوٹ ہونے پر تمام اہل معرفت کا اتفاق ہے۔ جبکہ ایک گروہ اسے سچ سمجھتا ہے۔ یہ روایت محمد بن طاہر المقدسی نے نقل کی ہے۔ وہ مسئلہ سماع میں اس روایت کو لیکر آیا ہے۔ اور ابو حفص سہروردی نے بھی اسے روایت کیا ہے؛ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ: ''میری ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ یہ حدیث نبی کریم ﷺ کے اپنے صحابہ کے ساتھ اجتماع کے بارے میں نہیں ہے۔''

یہ بات جو اس کے ذہن میں آئی ہے۔ دوسرے علماء کے ہاں یہ بات یقینی ہے؛ جو کہ اس کی دل میں آئی ہے۔ اور حدیث کا علم رکھنے والے ماہر اس بات پر متفق ہیں کہ یہ روایت نبی کریم ﷺ کی جھوٹ گھڑ کر منسوب کی گئی ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر [جھوٹ] ان لوگوں کا گمان ہے جو کہتے ہیں کہ: اہل صفہ نے نبی کریم ﷺ سے جنگ کی تھی۔ اور یہ کہ اولیاء کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ جنگ کرنا جائز ہے۔ جب کہ غدر ان کی طرف سے ہو۔ یہ روایت بہت بڑا کفر اور جھوٹ ہونے کے باوجود اس گروہ کے ہاں مروج ہے جو اپنے آپ کو احوال و معارف اور حقائق کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ درحقیقت ان لوگوں کے کچھ شیطانی احوال ہوتے ہیں۔ اور جو شیاطین ان سے ملتے رہتے ہیں؛ وہ انہیں بعض غیبی امور کے متعلق خبر دیتے ہیں؛ اور ان کے بعض کام کر دیتے ہیں۔ اور کچھ ضرورتیں پوری کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بہت سارے لوگ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ یہ بہت بڑے اولیاء اللہ ہیں۔ جب کہ وہ اولیاء شیطان ہوتے ہیں۔

ایسے ہی کچھ احادیث ان لوگوں کے ہاں مروج اور مشہور ہیں جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ اور وہ ان احادیث کو سنت خیال کرتے ہیں؛ جبکہ وہ جھوٹ ہوتی ہیں۔ جیسا کہ روزہ کے علاوہ فضائل عاشوراء محرم؛ اس دن سرمہ لگانے اور غسل کرنے؛ مہندی اور خضاب لگانے کی فضیلت؛ اور مصافحہ کے فضائل؛ اور اس دن میں جو اہل و عیال کے اخراجات میں وسعت دینے کی روایت ہے۔ [یہ تمام روایات رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ ہیں]۔ عاشوراء کے دن روزہ کے علاوہ اس دن کی فضیلت کے بارے میں کوئی بھی صحیح روایت موجود نہیں۔

ایسے ہی جو کچھ بعض متعین نمازوں کے بارے میں روایت کیا جاتا ہے؛ یہ تمام روایات باتفاق اہل علم من گھڑت اور جھوٹ ہیں۔ اور ائمہ حدیث میں سے کسی ایک نے بھی ان روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ نہیں دی۔

ایسے ہی جب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس روایت کے متعلق پوچھا کہ: ''جو کوئی عاشوراء کے دن اپنے اہل خانہ کے کھانے میں وسعت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ سارے سال کے لیے اس کے رزق میں وسعت پیدا کر دیتے ہیں۔ تو آپ نے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



فرمایا: اس روایت کی کوئی اصل [بنیاد] ہی نہیں ہے۔''

جیسا کہ رجب کے روزوں کے بارے میں جو احادیث بیان کی جاتی ہیں اہل علم کے ہاں وہ تمام ضعیف ہی نہیں بلکہ جھوٹی ہیں۔

ایسے ہی وہ روایات جو بطور خاص رجب کی فضیلت کے بارے میں نقل کی گئی ہیں؛ یا پھر اس کے روزوں کے بارے میں؛ یا رجب کے کسی ایک روزہ کے بارے میں؛ یا مخصوص نماز کے بارے میں؛ جیسے [صلاۃ رغائب جو] رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو پڑھی جاتی ہے؛ اور نصف شعبان کا الفیہ؛ اور فضائل عاشوراء محرم کے بارے میں جو اہل وعیال کے اخراجات میں وسعت دینے کی روایت ہے؛ اور مصافحہ کے فضائل؛ اور مہندی اور خضاب کے فضائل؛ غسل وغیرہ کے فضائل؛ عاشوراء کے دن کی نماز۔ یہ تمام روایات رسول اللہ ﷺ پر من گھڑت جھوٹ ہیں۔

ایسے ہی جو کچھ ہفتہ وار نمازوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے: جیسے اتوار اور پیر کے دن کے علاوہ باقی ایام کی مخصوص نمازیں؛ ایسی تمام روایات جھوٹ ہیں۔ اور یہی حال نصف شعبان کا الفیہ؛ اور رجب کے پہلے جمعہ کی نماز۔ یا ستائیسویں شب کی نماز کے بارے میں تمام روایات من گھڑت اور جھوٹ ہیں۔

یہی حال ان تمام نمازوں کا بھی ہے جن میں آیات کی تعداد یا سورتیں یا تسبیح متعین کی گئی ہے۔ ان کے جھوٹ ہونے پر تمام اہل علم محدثین کا اتفاق ہے۔ سوائے نماز تسبیح کے۔ اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ ان میں سے بھی زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ یہ جھوٹ اور من گھڑت بات ہے۔ اگرچہ اہل علم کا ایک گروہ اسے سچ سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ائمہ میں سے کسی نے اس روایت کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ احمد بن حنبل اور ائمہ صحابہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے اور اس حدیث پر طعن کرتے تھے۔ امام مالک؛ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ حدیث مطلق طور پر سنی ہی نہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے اصحاب میں سے جن لوگوں نے اس کو مستحب کہا ہے وہ ان کا اپنا اختیاری کلام ہے؛ یہ ائمہ کرام سے منقول نہیں ہے۔

جہاں تک امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو انہوں نے اس کو مشہور مذکور طریقہ کے مطابق مستحب نہیں سمجھا؛ جس میں قیام سے پہلے تسبیح پڑھی جاتی ہے۔ بلکہ آپ نے اسے دوسرے مشروع اور مستحب طریقہ کے جائز کہا ہے۔ تاکہ کسی بھی سنت کی بنیاد کسی ایسی روایت پر نہ رکھی جائے جس کی کوئی اصل ہی ثابت نہ ہو۔

یہی حال تفسیر کی کتابوں کا بھی ہے؛ جن میں نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب بہت ساری چیزیں ایسی منقول ہیں جن کے بارے میں ماہرین علم حدیث یقینی طور پر کہتے ہیں کہ یہ نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ہر سورت کے فضائل کی احادیث جنہیں ثعلبی اور کلبی نے ہر تفسیر کے شروع میں اور ذکر کیا ہے؛ اور زمخشری ہر صورت کے آخر میں بیان کرتا ہے۔ اور محدثین یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ سورتوں کے فضائل میں نبی کریم ﷺ سے منقول چند احادیث ہی صحیح ہیں۔ ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جس میں سورت اخلاص کے فضائل بیان کیے گئے ہیں؛ اسے اہل صحاح نے روایت کیا ہے۔ اور حافظ ابو محمد الخلال اور کچھ دوسرے حفاظ حضرات محدثین نے اس کے فضائل میں منفرد

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کتابیں تحریر کی ہیں۔

وہ جانتے ہیں کہ وہ احادیث جو کہ سورت فاتحہ؛ آیت الکرسی؛ سورت بقرہ کی آخری آیات اور معوذتین کے فضائل میں منقول احادیث صحیح احادیث ہیں۔ اور اس تفریق کے لیے ان کے پاس وہ فرقان اور علم موجود ہے جس کی روشنی میں وہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کرتے ہیں۔

جہاں تک احادیث اسباب نزول کا تعلق ہے؛ تو ان روایات کی اکثریت مرسل ہے؛ ان کی کوئی سند نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تین قسم کے علوم ایسے ہیں جن کی کوئی سند نہیں ہوتی۔ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ ان کی کوئی اصل نہیں ہوتی: علم تفسیر؛ علم المغازی؛ اور علم ملاحم۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تین قسم کے علوم میں مرسل احادیث ہوتی ہیں۔

[مرسل روایات پر بحث:]

جہاں تک مرسل احادیث کا تعلق ہے تو ان کے قبول اور رد کے بارے میں اختلاف ہے۔ ان میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ: مرسل روایات میں مقبول بھی ہوتی ہیں اور مردود بھی؛ اور موقوف بھی۔ پس جس کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ صرف ثقہ سے ہی ارسال کرتا ہے؛ تو اس کی مرسل روایت قبول کی جائے گی۔ اور جس کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ وہ ثقہ اور غیر ثقہ ہر ایک سے ارسال کرتا ہے: اور اس کی یہ مرسل روایت ایسی ہو جس میں مرسل عنہ کے حال کا پتہ نہ ہو تو یہ روایت موقوف ہوگی۔ اور وہ مراسیل جو ثقہ راویوں کی روایات کے مخالف ہوں تو وہ مردود ہوں گی۔

جب مرسل دو طرح سے روایت کی گئی ہو؛ اور دونوں راویوں کے مشائخ کے مختلف ہوں۔ تو یہ اس روایت کی صداقت کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ عمومی طور پر ایک جیسی غلطی میں تماثل یہ عمداً جھوٹ بولنا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت سچ ہے۔ اس لیے کہ خبر دینے والے پر جھوٹ کا امکان دو طرح سے ہوسکتا ہے؛ یا تو وہ جان بوجھ کر جھوٹ بول رہا ہے؛ یا پھر اس سے غلطی کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ پس جب قصہ ایسا ہو جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ دونوں خبر دینے والے آپس میں ایک جگہ پر جمع نہیں ہوئے۔ اور عادتاً ان دونوں کے مابین جھوٹ میں تماثل عمداً یا خطا سے محال ہو۔ مثال کے طور پر ایک لمبا قصہ ہو؛ اور اس میں بہت سارے اقوال ہوں۔ اور ان میں سے دوسرا راوی بالکل ایسے ہی روایت کر رہا ہو جیسے پہلے راوی نے بیان کیا ہے؛ تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خبر سچی ہے۔

یہ وہ طریقہ ہے جس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت بھی معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں نبیوں نے اللہ تعالیٰ؛ اس کے رسولوں؛ اور اس کی تخلیق عالم؛ حضرت آدم اور حضرت یوسف علیہما السلام کے قصے: اور ان کے علاوہ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے قصے۔ بالکل جیسے ایک پیغمبر علیہ السلام نے بتایا؛ دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے بارے میں ویسے ہی خبر دی۔ حالانکہ انہوں نے ایک دوسرے سے استفادہ نہیں کیا۔ اور عادتاً ایسی دو باطل خبروں کا متماثل ہونا محال ہوتا ہے۔ اس لیے کہ بلا شک و شبہ جو کوئی لمبے اور متعین تفصیلی احوال کی خبر انتہائی باریک بینی سے دیتا ہے؛ تو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اگر وہ اس خبر کے دینے میں جھوٹا ہو تو اس کی خبر میں اختلاف پایا جائے۔ اس لیے کہ جھوٹ بولنے والے کا ایک لمبے واقعہ کی تفصیل بغیر کسی اختلاف کے بیان کرنا ممتنع ہے۔ خصوصاً ان امور میں جن کی طرف عقل ہدایت پاتی ہے۔ بلکہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں خبر دینے والوں نے علم پر مبنی سچی خبر دی ہے۔

لوگوں کے احوال اسی طریقہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ پس اگر کوئی انسان کسی دوسرے شہر سے آتا ہے اور وہ وہاں پر پیش آنے والے کچھ واقعات کے بارے میں تفصیلی خبر دیتا ہے۔ جس میں مختلف قسم کے اقوال و افعال کو انتہائی منتظم انداز میں بیان کرتا ہے۔ پھر ایک دوسرا آدمی آتا ہے جس کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ ان دونوں کا جھوٹ پر اتفاق نہیں ہے؛ اور پھر وہ بھی پہلے آدمی کی طرح خبر دیتا ہے۔ تو اس سے قطعی طور پر یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ واقعہ بالکل ایسے ہی پیش آیا ہے۔ اس لیے کہ ایسے واقعات میں کبھی کبھار جھوٹ بھی سامنے اس وقت آتا ہے جب دونوں کا جھوٹ پر اتفاق ہوا ہو؛ اور وہ انہوں نے یہ معلومات ایک دوسرے سے حاصل کی ہوں۔ جس طرح کہ اہل باطل ؛ باطل عقائد ایک دوسرے سے وراثت میں نقل کرتے چلے جاتے ہیں؛ جیسے نصاری ؛ جہمیہ اور رافضہ؛ اور ان کی مانند کے دوسرے لوگ۔ اس میں کوئی شک نہیں اگرچہ ان کا باطل ہونا عقلی ضرورت کے تحت معلوم ہوتا ہے لیکن پھر بھی یہ ایک دوسرے سے ایسے ہی نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ جب اس پر ان کی آپس میں ایک دوسرے سے موافقت ہے تو ان کا باطل پر اجماع بھی جائز ٹھہرا۔

بہت ساری جماعتیں ایسی ہیں جن کا علی سبیل التواطؤ [بطور اتفاق] ضروریات کے انکار پر اتفاق جائز ہے؛ خواہ ایسا عمداً جھوٹ بولنے کی وجہ سے ہو یا پھر عقیدہ میں خطا کی وجہ سے ہو۔ جب کہ اس سے کم دوسری ضروریات کے انکار پر ان کا اتفاق ممتنع ہے۔

## فصل: جھوٹ کی پہچان کے ذرائع:

یعنی: ان طریقوں کے بیان میں جن سے منقولات میں جھوٹ کا ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔

ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ اس مشہور اور متواتر طریقہ سے معلوم واقعہ کے خلاف نقل کیا جائے۔ مثال کے طور پر ہم جانتے ہیں کہ: مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعوی کیا تھا۔ اور بنی حنیفہ کی بہت بڑی تعداد نے اس کی اتباع کی تھی؛ اس وجہ وہ لوگ مرتد ٹھہرے تھے کہ وہ اس جھوٹے نبی پر ایمان لے آئے تھے۔

اور یہ کہ ابو لؤلؤ ؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاتل ؛ مجوسی کافر تھا۔ اور ابو ہرمزان مجوسی تھا؛ پھر مسلمان ہوگیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے دوران حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین رہے اور لوگوں کو اس ساری مدت میں نمازیں پڑھاتے رہے۔

یہ کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں دفن کیا گیا ہے۔ جیسا کہ جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان غزوات کے بارے میں معلوم ہوتا ہے جن میں جنگ کی نوبت آئی تھی ؛ جیسا کہ غزوہ بدر؛

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



غزوہ احد؛ غزوہ خندق؛ غزوہ خیبر؛ غزوہ فتح مکہ؛ غزوہ طائف؛ اور وہ غزوات جن میں قتال کی نوبت نہیں آئی جیسے :؛ غزوہ تبوک اور اس کے علاوہ دوسرے غزوات ۔ اور جو کچھ قرآن کا حصہ ان غزوات میں نازل ہوا ہے ؛ جیسا کہ سورت انفال کے نزول کا سبب غزوہ بدر تھا۔ اور سورت آل عمران کا آخری حصہ؛ غزوہ احد کے بارے میں ؛ اور اس کا پہلا حصہ نجران کے عیسائیوں کے بارے میں ؛ اور سورت حشر غزوہ بنی نضیر کے بارے میں ؛ اور سورت احزاب غزوہ خندق کے بارے میں ؛ اور سورت فتح صلح حدیبیہ کے بارے میں ؛ اور سورت توبہ غزوہ تبوک اور اس کے امثال دیگر واقعات کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

جب غزوات کے بارے میں کوئی ایسی چیز روایت کی جائے جس کا خلاف واقع ہونا معلوم ہو تو اس سے اس روایت کا جھوٹ ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس رافضی مصنف نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کے امثال دوسرے روافض اور دوسرے لوگ بھی غزوات کے بارے میں ایسی چیزیں روایت کرتے ہیں جن کا جھوٹ ہونا ظاہری طور پر معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل اس پر تنبیہ گزر چکی ہے۔ اور مثلاً یہ معلوم ہو جائے کہ نزول قرآن کا وقت معلوم ہو جائے کہ [ کونسی آیات ] کب [ اور کہاں ] نازل ہوئی ہیں؟ جیسا کہ یہ معلوم ہے کہ سورت بقرہ ؛ آل عمران ؛ مائدہ اور انفال اور برأت [ توبہ ] ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اور یہ کہ انعام ؛ اعراف ؛ یونس ؛ ہود ؛ یوسف ؛ کہف اور طہٰ ؛ مریم ؛ اور اقتربت الساعہ ؛ اور ھل اتی علی الانسان اور دوسری سورتیں ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اور یہ کہ معراج کا واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا تھا۔ اور اصحاب صفہ مدینہ طیبہ میں تھے۔ اور اہل صفہ جملہ طور پر ان صحابہ میں سے تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کوئی جنگ نہیں لڑی۔ یہ کوئی متعین لوگ نہیں تھے۔ بلکہ صفہ ایک جگہ تھی جہاں پر یہ غریب الدیار اجنبی لوگ جمع ہوا کرتے تھے جن کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوا کرتا۔ اور جو لوگ ان میں داخل ہوئے تھے ان میں حضرت سعد بن ابی وقاص ؛ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اور دوسرے نیکوکار اہل ایمان شامل تھے۔ اور جیسا کہ قبیلہ عرینہ کے لوگ جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے ؛ اور نبی کریم ﷺ نے ان کے پیچھے لوگ بھیجے ؛ [ جو انہیں پکڑ لائے ]۔ پھر ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے گئے اور ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی گئیں۔ اور انہیں حرہ کے پتھروں میں پھینک دیا گیا۔ وہ پانی مانگتے ؛ مگر انہیں پانی نہ دیا جاتا۔ اور اس طرح کے دوسرے واقعات بھی ہیں جو کہ معلوم شدہ ہیں۔

جب کوئی جاہل ان کے خلاف روایت کرے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

مزید جن طرق سے جھوٹ معلوم ہو سکتا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس روایت کو نقل کرنے میں ایک یا دو افراد منفرد ہوں۔ حالانکہ حالات و واقعات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ اگر ایسا کچھ ہوا ہوتا تو اسباب اور ہمتیں اس کو نقل کرنے میں کمی نہ کرتے۔ اس لیے کہ یہ بات معلوم شدہ ہے کہ کوئی ایک جب کسی بڑے شہر کی [ اچھوتی ] خبر دے ؛ جیسے بغداد ؛ اور شام اور عراق وغیرہ ؛ تو ہمیں اس کا جھوٹ ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا کچھ ہوا ہوتا تو باقی لوگوں کو اس کی خبر ہوتی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ایسے ہی اگر کوئی یہ کہے کہ: حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے درمیان میں کوئی ایک دوسرا آدمی بھی خلیفہ بنا تھا؛ یا حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان میں خلیفہ بنا تھا۔ یا کوئی یہ بتائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عید کے دن اذان دی جاتی تھی؛ یا نماز کسوف؛ یا نماز استسقاء کے لیے اذان دی جاتی تھی۔ یا یہ کہ آپ کے شہر مدینہ میں جمعہ کے دن ایک سے زیادہ جمعہ کے خطبات ہوا کرتے تھے۔ یا یہ کہے کہ: عید کے دن ایک سے زیادہ عید کی نمازیں ہوا کرتی تھیں؛ یا کوئی یہ کہے کہ: آپ منیٰ میں عید کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔ یا یہ کہے کہ: اہل مکہ آپ کے پیچھے منیٰ اور عرفات اور مزدلفہ میں نمازیں پوری پڑھا کرتے تھے۔ یا کوئی یوں کہے کہ آپ منی میں دو نمازیں جمع کر کے پڑھا کرتے تھے؛ جیسا کہ آپ قصر بھی کیا کرتے تھے۔ یا یہ کہ آپ نے رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینے میں روزے فرض کیے تھے۔ یا یہ کہ آپ نے ایک چھٹی نماز فرض کی تھی وہ چاشت کے وقت کی نماز تھی یا تہجد کی۔ یا آپ نے کعبہ کے علاوہ کسی اور گھر کا حج فرض کیا تھا۔ یا یہ کہ عربوں کے ایک گروہ نے یا کسی دوسرے گروہ نے قرآن کے مقابلہ میں اس کے مشابہ کوئی کلام پیش کر کے قرآن سے مقابلہ کیا تھا۔ اور اس طرح کے دیگر جتنے بھی امور ہیں؛ ہم ان کے بیان کرنے والے کا جھوٹا ہونا جانتے ہیں۔ اس لیے کہ ہم ان امور کے لازم کے انتفاء کی وجہ سے ان امور کا انتفاء یقینی طور پر جانتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا کچھ ہوتا تو ہمتیں اور اسباب موجود تھے کہ ایسے واقعات کو عام بنی آدم کے لیے نقل کیا جائے۔ اور خصوصاً ہماری امت کے لیے بطور شریعت۔ پس جب اہل علم میں سے کسی ایک نے ایسی کوئی بات نقل نہیں کی؛ کجا کہ ایسی باتوں کو تواتر کی حیثیت حاصل ہو؛ تو اس سے ان واقعات کا جھوٹ ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی نصوص کا تعلق بھی اسی باب سے ہے۔ ان کا جھوٹ ہونا کئی طریقوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان نصوص کو اہل علم میں سے کسی ایک نے بھی صحیح اسناد کے ساتھ نقل نہیں کیا۔ چہ جائے کہ یہ نصوص متواتر ہوں۔ اور نہ ہی یہ نقل کیا گیا ہے کہ کسی ایک نے عہد خلفائے راشدین میں مسئلہ خلافت پر کوئی جھگڑا یا تنازعہ نقل کیا ہو۔ اور یوم سقیفہ میں مشورہ کے وقت اور پھر حضرت عمر کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا؛ جس وقت آپ نے خلافت کے لیے چھ افراد کی شوری بنادی تھی۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ یہ بات معلوم شدہ ہے کہ اگر اس قسم کی نصوص کا کوئی وجود ہوتا جیسا کہ روافض کا دعوی ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ایسی واضح اور قطعی نص جلی ہے جس سے مسلمانوں کا عذر ختم ہو جاتا ہے؛ اگر ایسی بات ہوتی تو پھر ضرورت کے تحت یہ معلوم شدہ تھا کہ لوگ اسے نقل کرتے؛ جیسا کہ اس جیسی دوسری روایات نقل کی گئی ہیں۔ اور یہ بھی ضروری تھا کہ لوگوں کی ایک کثیر تعداد اسے روایت کرتی۔ بلکہ اکثر لوگوں کو اس کا علم ہوتا۔ اس جیسے مواقع پر ایسی باتیں نقل کرنے کے لیے ہمتیں خوب ساتھ دیتی ہیں؛ اور ان میں انتہاء درجہ کی چستی اور تندہی پائی جاتی ہے۔ پس لازم کے انتفاء کا تقاضا ہے کہ ملزوم بھی منتفی ہو۔ اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

خلاصہ کلام! جھوٹ سچائی کی نقیض [الٹ] ہے۔ کسی ایک نقیض کا انتفاء یا تو اس کے نقیض کے اثبات سے ہو جاتا ہے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اور کبھی اس کی خصوصیات کی نفی بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

شیعہ کے ساتھ اکثر کلام نقل پر مبنی ہوتا ہے۔ جس کو واقعات کی خبر ہو؛ اوران سچی روایات کا بھی علم ہو جن سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے؛ تو اسے یقینی طور پر اس کی نقیض کا علم بھی ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث نبویہ کا علم رکھنے والوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو کہ شیخین کی فضیلت اور ان کی امامت کے درست ہونے کے عقیدہ کو واجب نہ کہتا ہو اور روافض کے دعووں کو جھوٹ کہہ کر رد نہ کرتا ہو۔

پھر جو کوئی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے احوال کا خوب علم رکھتا ہو؛ وہ زیدیہ اور دوسرے ان مذاہب کے دعووں کے باطل ہونے کو اچھی طرح جانتا ہے جو نص خفی کا دعوی کرتے ہیں۔ اور یہ کہ حضرت علی خلفائے ثلاثہ سے افضل تھے۔ یا پھر جو کوئی ان کی فضیلت میں توقف کرتا ہو۔ بیشک یہ لوگ اپنے کمزور علم اور اور جہالت کی وجہ سے جہل مرکب یا جہل بسیط کا شکار ہیں؛ ان کے پاس وہ علم نہیں ہے جو حدیث و آثار کے ماہرین کے پاس ہے۔

## فصل:......وہ احادیث جن کا رافضی نے ذکر نہیں کیا

یہ ایسی احادیث ہیں جو کہ اس کی ذکر کردہ روایت سے زیادہ دلالت کرتی ہیں۔

اور پھر یہ بات جان لینی چاہیے کہ ان کے علاوہ دیگر بھی کئی ایک احادیث ہیں جن کا ذکر اس رافضی مصنف نے نہیں کیا۔ اگر وہ احادیث صحیح ہوتیں تو اپنے مقصود پر دلالت کرتی تھیں۔ کیونکہ ان میں سے بعض روایات میں مصنف کی ذکر کردہ روایت سے زیادہ واضح دلائل تھے مگر یہ تمام روایات جھوٹ پر مبنی ہیں۔ ایسے ہی لوگوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے؛ حضرت عثمان وعلی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے فضائل میں بھی جھوٹی احادیث روایت کی ہیں۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں من گھڑت روایات زیادہ ہیں۔ کیونکہ نواصب کی نسبت شیعہ زیادہ جرأت کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں۔

ابوالفرج ابن جوزی فرماتے ہیں: حضرت علی کے فضائل کثرت کے ساتھ ہیں بس اتنی بات ہے کہ روافض نے ان پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی طرف سے ایسی روایات گھڑ لیں جن سے آپ کے مقام و مرتبہ میں کمی ہی آئی ہے کچھ اضافہ نہیں ہوا۔ اور ایسے خاموش طریقے سے ان میں حواشی داخل کیے جنہوں نے اسے کو باطل کی طرف دھکیل دیا۔

یہ جان لینا ضروری ہے کہ روافض کی تین اقسام ہیں: ایک قسم: جنہوں نے کچھ احادیث سن لیں اور پھر اپنی طرف سے احادیث گھڑ کر ان میں کمی اور زیادتی کر دی۔

دوسری قسم وہ ہے جنہوں نے کوئی حدیث نہیں سنی آپ انہیں دیکھیں گے کہ امام جعفر صادق پر جھوٹ بولتے رہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں: امام جعفر نے یہ کہا اور فلاں نے یہ کہا۔ اور تیسری قسم جہلا عوام الناس ہیں وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کی دل میں آتی ہیں خواہ وہ عقلاً ممکن ہو یا ناممکن ہو۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اس طرح کی جھوٹی روایات کی ایک مثال جو ابن جوزی نے نسائی کے حوالے سے اپنی کتاب میں نقل کی ہے نسائی نے اسے خصائص علی میں عبید اللہ بن موسیٰ سے روایت کیا ہے وہ کہتا ہے ہم سے علا بن صالح نے حدیث بیان کی وہ منہال بن عمرو سے روایت کرتا ہے وہ عباد بن عبد اللہ سدی سے روایت کرتا ہے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں میرے بعد صرف جھوٹا ہی اس چیز کا دعوی کرے گا۔ میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔ یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے الفضائل میں روایت کی ہے۔ اور اسی سے منقول ایک دوسری روایت میں ہے: میں نے باقی لوگوں سے سات سال پہلے اسلام قبول کیا ہے۔

یہ روایت علا بن صالح نے منہال بن عباد سے بھی روایت کی ہے۔

ابو الفرج رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ من گھڑت روایت ہے۔ اس میں جھوٹ بولنے والا عباد بن عبد اللہ ہے۔

علی بن مدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث میں بہت کمزور تھا۔

ابو الفرج رحمہ اللہ نے کہا ہے: حماد الازدی نے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن کی متابعت میں کوئی دوسری روایت نہیں ملتی۔ جب کہ منہال سے روایت کو شعبہ نے ترک کیا ہے۔ ابو بکر الاثرم رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ابو عبد اللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے متعلق پوچھا: کہ میں عبد اللہ ہوں میں رسول اللہ کا بھائی ہوں تو آپ نے فرمایا: یہ روایت اس کے منہ پر دے مارو وہ حدیث کا منکر تھا۔

میں کہتا ہوں: عباد اپنی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسی چیزیں روایت کرتا ہے جن کے جھوٹ ہونے کے بارے میں قطعی اور یقینی علم حاصل ہے۔ جیسا کہ یہ حدیث۔ ہم یقین طور پر جانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نیک سیرت اور سچے انسان تھے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف تھا؛ وہ ایسا جھوٹ ہرگز نہیں بول سکتے۔ ان کے تقوی سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایسا کھلا ہوا جھوٹ بولیں جس کی دروغ گوئی صاف ظاہر اور ضرورت کے تحت معلوم شدہ ہے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے جس میں شک و شبہ نہیں۔ اور ہمیں یہ بھی یقینی علم ہے کہ حضرت علی نے کوئی ایسی بات نہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے۔ آپ جان بوجھ کر ایسا قبیح جھوٹ نہیں بول سکتے۔ اور یہ کوئی ایسا مشتبہ معاملہ نہیں ہے جس میں خطاء ہو جائے۔ پس یہ واقعات نقل کرنے والا یا تو جان بوجھ کر جھوٹ بول رہا ہے یا پھر بہت بڑی غلطی اور خطا کا مرتکب ہو رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والے خوارج اور بنی مروان کے لیے تعصب رکھنے والوں کی قدح ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صداقت؛ نیکی و بھلائی اور تقوی کے بارے میں کسی شک میں نہیں ڈال سکتی۔ ایسے ہی روافض کا حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر قدح کرنا؛ بلکہ شیعہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر قدح کرنا ہمیں ان حضرات رضی اللہ عنہم کی صداقت؛ تقوی اور نیکی کے بارے علم میں کسی شک و شبہ میں نہیں ڈال سکتا۔ بلکہ ہم یقینی طور پر دوٹوک الفاظ میں کہتے ہیں کہ: ان میں سے کوئی ایک بھی جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یا آپ کے علاوہ کسی بھی دوسرے انسان پر جھوٹ نہیں بولتا تھا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



جب آپ سے ایسی روایت منقول تھی کہ اس جیسی چیزوں کے نقل کرنے غلطی نہیں کی جاتی تو اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ یہ جان بوجھ کر جھوٹ بولا گیا ہے۔ اوراس کے ناقل کے بارے میں ہمیں یقین ہوگیا کہ یا تو وہ جھوٹ بول رہا ہے یا پھر غلطی سے ایسی حرکت کررہا ہے۔

جیسے کہ عبداللہ نے ''المناقب'' میں نقل کیا ہے؛ وہ کہتا ہے:

(( حدثنا یحی بن عبدِ الحمِیدِ ، حدثنا شرِیك ، عنِ الأعمشِ ، عنِ المِنهالِ بنِ عمرو ، عن عبادِ بنِ عبدِ اللهِ ، عن علِي .

وحدثنا أبو خیثمة ، حدثنا الأسود بن عامِر ، حدثنا شرِیك ، عنِ الأعمشِ ، عنِ المِنهالِ بنِ عمرو ، عن عبادِ بنِ عبدِ اللهِ الأسدِيِ ، عن علِي . ))

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ فرماتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وأنذِر عشِیرتك الأقربِین﴾ [الشعراء:21]

''اورآپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل بیت کے مردوں کو بلایا؛ اوران میں سے ایک آدمی ایسا تھا کہ پورا ایک بکرا کھا لیتا۔؛ اور پورا ایک ٹب پی لیتا............''الخ

یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ ہے؛ آپ نے کوئی ایسی چیز روایت نہیں کی۔ اوراس کا جھوٹ ہونا کئی وجوہات کی بنا پر ظاہر ہے۔ یہ حدیث امام احمد نے "الفضائل" میں روایت کی ہے۔[اس کی سند یہ ہے]

((حدثنا عثمان ، حدثنا أبو عوانة ، عن عثمان بنِ المغِیرةِ ، عن أبِی صادِق ، عن ربِیعة بنِ ناجِز ، عن علِي...... . ))

ان کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ لوگ باطل حکایات روایت کرتے ہیں۔

اجلح کی سند سے ابو الفرج نے سلمہ بن کہیل سے روایت کیا ہے؛ وہ حبہ بن جوین سے روایت کرتا ہے؛ وہ کہتا ہے: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا آپ فرمارہے تھے:

''میں نے اس امت کس کسی بھی آدمی سے سات سال قبل یا پانچ سال قبل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے۔''

ابو الفرج رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حبه لا یساوی حبة''حبہ کی قیمت ایک دانے کے برابر بھی نہیں ہے؛ اس لیے کہ وہ بہت ہی کذاب ہے۔

یحی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''کوئی چیز نہیں۔'' سعدی رحمہ اللہ نے کہا ہے:''ناقابل اعتماد ہے۔''

ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے:''شیعیت میں بڑا غالی اور حدیث میں بہت کمزور تھا۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جب کہ پہلے راوی اجلح کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''منکر روایات روایت کرتا ہے۔''
ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کی روایت سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔''
ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کیا کہتا ہے۔''

امام ابو الفرج ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور جن امور سے ان احادیث کا بطلان ثابت ہوتا ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہ؛ حضرت ابوبکر اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے متقدم الاسلام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سن چھ نبوی میں اسلام لائے۔ اس وقت تک ابھی چالیس لوگ اسلام لائے تھے۔ تو پھر یہ روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔؟

پھر اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''أنا الصدیق الاکبر'' میں صدیق اکبر ہوں۔ یہ حدیث احمد بن نصر الذراع نے اپنی طرف سے گھڑی ہوئی ہے۔ یہ انسان بہت بڑا جھوٹا تھا اور احادیث گھڑا کرتا تھا۔

ایسے ہی ایک اور حدیث بھی ہے جس میں ہے:

''میں ان سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں؛ اور میں اللہ کے ساتھ عہد کو سب سے بڑھ کر پورا کرنے والا ہوں' اور میں اللہ تعالیٰ کے اوامر کو سب سے زیادہ قائم کرنے والا ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر انصاف کے ساتھ تقسیم کرنے والا ہوں۔ اور رعایا میں سب سے زیادہ عدل کرنے والا ہوں۔ اور قضایا و مسائل میں سب سے زیادہ بصیرت رکھتا ہوں۔''

یہ بھی ایک من گھڑت روایت اور حکایت ہے۔ اس کے بارے میں بشر بن ابراہیم پر الزام ہے۔ ابن عدی اور ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے: ''یہ ثقات کے نام لیکر ان کے نام پر احادیث گھڑا کرتا تھا۔'' اور ابزاری حسین بن عبید اللہ نے ابراہیم بن سعید الجوہری سے؛ اور اس نے مامون سے اس نے رشید سے روایت کیا ہے؛ وہ کہتے ہیں: ''ابزاری انتہائی جھوٹا انسان تھا۔''

یہ حدیث بھی بیان کی ہے جس میں ہے: ''تم سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائے ہو؛ اور بروز قیامت تم سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کرو گے۔ اور تم ہی صدیق اکبر ہو؛ اور تو وہ فاروق ہو جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرتا ہے۔ اور تم یعسوب المؤمنین ہو......''

فرماتے ہیں: ''یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کی پہلی سند میں عباد بن یعقوب ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ مشاہیر علماء کے نام لیکر منکر روایات روایت کیا کرتا تھا؛ اس لیے ترک کیے جانے کا مستحق ٹھہرا ہے۔'' اور اس کی سند میں علی بن ہاشم بھی ہے۔ اس کے بارے میں ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ کچھ بھی نہیں ہے؛ یہ مشاہیر علماء کے نام لیکر منکر روایات روایت کیا کرتا تھا؛ اور انتہائی غالی شیعہ تھا۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اس کی سند میں محمد بن عبداللہ بھی ہے۔اس کے بارے میں یحی بن معین کہتے ہیں:'' کچھ بھی نہیں ۔''

اس کی دوسری سند میں ابوصلت ہروی ہے۔ جو کہ انتہائی جھوٹا اور خبیث قسم کا رافضی تھا۔اس روایت میں ابوصلت اور عباد دونوں جمع ہوگئے ہیں۔اب اللہ جانتا ہے کہ کس نے دوسرے سے یہ روایت چوری کی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس آفت کا سہرا محمد بن عبداللہ کے سر ہے۔

یہ روایت ابن عباس کے طریقہ سے بھی مروی ہے۔اس میں عبداللہ بن زاہر ہے۔ابن معین کہتے ہیں:'' یہ کچھ بھی نہیں ہے اور نہ ہی اس کی روایتکوئی ایسا انسان لکھ سکتا ہے جس میں کوئی ذرہ بھر بھی خیر و بھلائی ہو۔''

ابوالفرج ابن جوزی کہتے ہیں: انتہائی غالی قسم کا رافضی تھا۔

## فصل:.......جن کو اخبار کی معرفت نہ ہو؛ ان کے لیے ممکنہ طریقہ

جن کو اخبار کی معرفت نہ ہو؛ ان کی معرفت حاصل کرنے کے لیے دیگر بھی کئی ممکنہ طریقے ہیں۔ کیونکہ بلاشک وشبہ عوام تو کجا خواص بھی ایسے ہیں جن پر اسنادی اعتبار سے سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس باب میں اخبار اور روایات بہت زیادہ ہیں۔ بیشک ان کی معرفت علمائے حدیث کو حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے اہل کلام اور مناظرین ان اخبار کی اسناد اور ان کے راویوں کے احوال کی معرفت سے محروم رہے ہیں۔ کیونکہ وہ اس علم کے نہ ہونے کی وجہ سے عاجز آگئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دوسرے راہ پر چل پڑے۔لیکن یہ طریقہ ان اہل علم کا طریقہ ہے جو حدیث کے ماہرین ہیں۔ جنہیں ان علوم کا علم ہے جو علوم دیکر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو تمام جہانوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔لیکن یہاں پر ہم ایک دوسرا طریقہ ذکر کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں: کچھ دیر کے لیے فرض کریں کوئی متنازعہ روایات نہیں پائی جاتیں۔ یا اس بات کا پتہ نہ چلتا ہو کہ ان میں سے کون سی روایت صحیح ہے۔ تو ہم ان دونوں روایتوں سے استدلال ترک کردیتے ہیں۔ اور اس روایت کی طرف رجوع کرتے ہیں جو کہ اس کے علاوہ تواتر کے ساتھ معلوم ہو۔ اور اس کی صحت کا علم عقل اور عادت اور نصوص صحیحہ کی دلالت کی روشنی میں ہوتا ہو۔

پس ہم کہتے ہیں کہ: خواص وعوام کو یہ بات تواتر کے ساتھ معلوم ہے؛ اور منقولات کا علم رکھنے والے علماء اور سیرت نگاروں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اتنا مال نہیں تھا کہ لوگوں کو دیکر ان کے دل موہ لیتے؛ نہ ہی آپ کا قبیلہ بہت بڑا تھا اور نہ ہی آپ کے موالین تھے جو آپ کی مدد کرتے۔ اور اس خلافت کو قائم کرنے میں آپ کی مدد کرتے۔ اور نہ ہی آپ نے لوگوں کو اپنی بیعت کرنے کو کہا؛ نہ ہی کسی کو ڈرایا دھمکایا اور نہ ہی کوئی لالچ دی۔ جیسا کہ بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے کہ ان کے قریبی اور موالی ان کی مدد کرتے ہیں۔ اور نہ ہی آپ نے اپنی زبان سے منصب خلافت طلب کیا۔ اور نہ ہی کسی سے کہا کہ میری بیعت کرو۔ بلکہ آپ نے تو یہ کہا تھا کہ: ابوعبیدہ اور عمر رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو۔ اور جو کوئی آپ کی بیعت سے پیچھے رہا؛ جیسے حضرت سعد بن عبادہ وغیرہ؛ تو ان کو بھی آپ نے کوئی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تکلیف نہیں دی۔ اور نہ ہی آپ کو بیعت کرنے پر مجبور کیا؛ اور نہ ہی آپ سے آپ کا کوئی حق روکا۔ اور نہ ہی کسی ساکن کو حرکت دی۔ یہ لوگوں کو اپنی بیعت پر مجبور نہ کرنے میں آپ کی کشادہ دلی کی انتہا ہے ۔ پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے آپ کی بیعت کی اور آپ کی اطاعت گزاری میں داخل ہوگئے۔ اور آپ کی بیعت کرنے والے وہی لوگ تھے جنھوں نے ببول کے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی۔ یہ حضرات مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین تھے۔ اور پھر جو کوئی ان کے بعد اور انہوں نے احسان کے ساتھ ان کی اتباع کی؛ یہی وہ اہل ایمان تھے جن کے نصیب میں ہجرت اور جہاد جیسی سعادتیں تھیں۔ آپ کی بیعت سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی ایک بھی پیچھے نہیں رہا۔

جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے بنو ہاشم کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں لوگوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کی بیعت کر لی تھی۔ ان میں سے صرف وہی لوگ پیچھے رہ گئے تھے جو خود خلافت حاصل کرنا چاہتے تھے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پھر آپ اپنی مدت خلافت میں ان لوگوں کو ساتھ لیکر مرتدین اور مشرکین سے جہاد کرتے رہے۔ آپ نے مسلمانوں سے کوئی جنگ نہیں لڑی۔ بلکہ آپ نے معاملات کو ویسے ہی درست راہ پر قائم کیا جس پر ارتداد سے پہلے تھے۔ اور اب اسلام کی فتوحات میں اضافہ ہونے لگا۔ اور آپ کے عہد مبارک میں ہی اہل فارس اور اہل روم سے جہاد شروع ہوگیا تھا۔ اور کئی مسلمانوں کا محاصرہ دمشق کے دوران انتقال ہوگیا تھا۔ اور آپ اس دنیا سے ایسے تشریف لے گئے کہ آپ ایک زاہد ترین انسان تھے۔ آپ نے جو کچھ بیت المال میں داخل کیا اس سے بالکل بے نیاز و بے پرواہ تھے۔ اور نہ ہی کوئی چیز اپنے لیے خاص کی اور نہ ہی کسی قریبی کو کوئی امارت یا منصب دیا۔

پھر ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ آپ نے شہروں کے شہر فتح کیے۔ کفار کو مغلوب کیا۔ اہل ایمان کو عزت ملی اور اہل نفاق و عدوان ذلت سے دوچار ہوئے۔ اور دین اسلام کی خوب نشر و اشاعت اور تبلیغ ہوئی۔ اور آپ نے اپنی خلافت کے کونے کونے میں عدل و انصاف کو پھیلا دیا۔ خراج کے دیوان مقرر کیے۔ اہل دین کے لیے عطاء کے دیوان مقرر کیے۔ اور مسلمانوں کے نئے شہر بسائے۔ اور آپ اس دنیا سے اس طرح تشریف لے گئے کہ آپ اس دنیا سے بالکل بے رغبت اور زاہد تھے۔ نہ ہی کسی مال میں متلوث ہوئے؛ اور نہ ہی اپنے کسی قریبی کو کسی عہدے پر فائز کیا۔ یہ بات ہر ایک جانتا ہے۔

جہاں تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو آپ نے اپنی خلافت کی بنیاد اسی معاملہ پر رکھی جس پر لوگوں کو اس سے پہلے استقرار حاصل ہو چکا تھا۔ سکون و وقار؛ ہدایت و رحمت اور کرم گستری۔ لیکن آپ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی قوت اور سیاست نہ تھی۔ اور نہ ہی ان جیسا کمال زہد و عدل آپ کو حاصل تھا۔ اسی وجہ سے بعض لالچی لوگ آپ میں طمع کرنے لگے اور انہوں نے دنیا کو وسعت دی۔ اور اپنے اقارب کو ولایات اور اموال میں داخل کیا۔ اور آپ کے اقارب کی وجہ سے ولایات اور اموال میں کچھ ایسی باتیں پیش آئیں جن کا انکار کیا جانے لگا۔ پس لوگوں کی دنیا میں رغبت؛ اور اللہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



تعالیٰ کے خوف میں کمی؛ اور پھر آپ کے خوف کی کمی کی وجہ سے بعض ایسے معاملات احوال بھی پیدا ہو گئے ؛ اور آپ کے اپنے اہل قرابت کو اموال اور ولایات پر فائز کرنے کی وجہ سے ایک فتنہ پیدا ہوا؛ اور آخر کار آپ مظلومیت کی حالت میں شہید ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو یہ فتنہ اپنی جگہ پر موجود تھا۔ اور بہت سارے لوگوں کے نزدیک آپ خون عثمان میں ملوث تھے؛ مگر اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے آپ کی برأت کو جانتے ہیں جو جھوٹے اور بغض رکھنے والے لوگوں نے آپ کی طرف منسوب کر رکھی ہیں۔ جیسا کہ ہم ان چیزوں سے بھی آپ کی برأت جانتے ہیں جو آپ کے حق میں غلو کرنے والوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بغض رکھنے والوں نے آپ کی طرف منسوب کر رکھی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے میں کوئی مدد کی اور نہ ہی آپ اس پر راضی تھے۔ جیسا کہ آپ سے بھی ثابت ہے؛ اور آپ اپنی بات میں بالکل سچے تھے۔ لیکن پھر بھی ان میں سے بہت سارے لوگوں کے دل آپ کے متعلق صاف نہ ہوئے۔ اور نہ ہی آپ کے لیے ان کی مغلوب کرنا ممکن تھا تاکہ وہ آپ کی اطاعت کریں۔ اور نہ ہی آپ کی رائے کا تقاضا یہ تھا کہ وہ جنگ سے رک کر انتظار کریں اور دیکھیں کہ معاملہ کیا رخ اختیار کرتا ہے۔ بلکہ آپ کی رائے یہ تھی کہ ان سے جنگ لڑی جائے۔ اور آپ کا خیال یہ تھا کہ اس سے لوگ آپ کی اطاعت گزاری میں داخل ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی جماعت قائم رہے گی۔ مگر معاملہ پہلے سے بہت زیادہ سخت بگڑ گیا۔ اور آپ کی طرف سے اس میں کمزوری ہی آتی گئی۔ اور آپ کے مخالفین زور پکڑتے گئے۔ اور امت میں افتراق بڑھتا ہی گیا۔ حتی کہ آخر میں آپ اپنے ساتھ لڑنے والوں سے جنگ بندی کی اپیلیں کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلے وہ آپ سے جنگ نہ کرنے کی درخواستیں کیا کرتے تھے۔

خلافت نبوت اتنی کمزور ہوگئی کہ اب بادشاہی قائم ہونا ضروری ہوگئی۔ یہ بادشاہی حضرت امیر معاویہ نے نرمی کے ساتھ اور عفو و درگزر پر قائم کی۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

(( تکون نبوۃ ورحمۃ ثم تکون خِلافۃ نبوۃ ورحمۃ، ثم یکون ملك و رحمۃ ، ثم یکون ملك . ))[1]

''پہلے نبوت اور رحمت ہوگی۔ پھر خلافت نبوت اور رحمت ہوگی۔ پھر بادشاہی اور رحمت ہوگی۔ پھر صرف بادشاہی ہوگی۔''

بادشاہوں میں کوئی بادشاہ ایسا نہیں آیا جو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر ہو۔ آپ اسلام کے تمام بادشاہوں سے بہتر تھے۔ اور آپ کی سیرت بعد میں آنے والے تمام بادشاہوں کی سیرت سے بہت بہتر اور اعلی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آخری خلیفہ راشد تھے۔ خلفائے راشدین وہ حضرات تھے جن کی ولایت خلافت نبوت اور رحمت تھی۔ اور ان چاروں

---

[1] مجمع الزوائد؛ في كتاب الخلافة؛ باب كيف بدأت الإمامة و تصير إليه والخلافة والملك عدة أحاديث مقاربة لهٰذا الحديث...... مجمع الزوائد ٥/ ١٨٩ . رواه الطبراني و رجاله ثقات ـ سلسله الأحاديث الصحيحة ١/ ٨-٩ ؛ ح: ٥ .

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق گواہی دی جاسکتی ہے کہ یہ حضرات اولیاء اللہ المتقین میں سب سے افضل تھے۔ بلکہ یہ چار حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے افضل ترین ہستیاں ہیں۔لیکن جب کوئی قدح کرنے والا آئے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ کہے کہ:''یہ دونوں حضرات ظالم اور سرکش تھے؛ ریاست اور حکومت کی ہوس کے مارے ہوئے؛ لوگوں کے حقوق غصب کرنے والے تھے۔اور تمام لوگوں سے بڑھ کر حکومت کی لالچ رکھتے تھے۔اور یہ کہ ان دونوں نے نصوص شریعت کی روشنی میں خلافت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے متعین کردہ مستحق خلیفہ پر ظلم کیا۔اور اہل بیت کو ان کی میراث سے محروم کردیا۔اور یہ اصحاب تمام لوگوں سے بڑھ کر حکومت اور ریاست کے حریص اور باطل کے لالچی تھے۔حالانکہ جن کو ان حضرات کی سیرت معلوم ہے وہ جانتے ہیں کہ اگر یہ بدگمانی درست ہے تو پھر اس کے حق میں زیادہ درست ہے جس نے خلافت کے لیے جنگ لڑی اور پھر مغلوب ہوگیا۔اور آپ کے اور فریق منازعہ کے درمیان لڑائی میں مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔لیکن اس جنگ و جدل اور قتال سے نہ ہی کوئی دینی مصلحت پوری ہوئی اور نہ ہی دنیاوی مصلحت ۔ اور نہ آپ کے عہد خلافت میں کوئی کافر قتل ہوا۔ پس بیشک اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے مابین فتنہ برپا کرنے پر خوش نہیں ہوئے؛ اور نہ ہی آپ کے شیعہ اس پر خوش ہوئے تھے۔اس لیے کہ آپ کو غلبہ نصیب نہیں ہوا تھا۔اور جن لوگوں سے آپ نے جنگ لڑی تھی ؛ وہ ویسے ہی قوت اور طاقت سے بہرور حفاظت میں رہے۔

جب ہم خوارج کے طعن و تنقید سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہیں۔حالانکہ یہاں پر شبہ ظاہر اور موجود ہے؛ تو پھر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر طعن و تنقید کرنے والوں سے ان کا دفاع کرنا زیادہ اولی اور مناسب ہے۔اور اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق ایسا گمان رکھنا جائز ہے کہ آپ جاہ و مرتبہ کے اور حکومت کے طلبگار تھے: حالانکہ آپ سے جو کچھ معلوم ہے؛ وہ اس کے خلاف ہے۔تو پھر جس نے اپنی ولایت اور خلافت کے لیے جنگ لڑی؛ مگر اسے مقصود پھر بھی حاصل نہ ہوا؛ تو پھر وہ اس گمان کا زیادہ ہوں۔

جب اس کے لیے دو مسجدوں کے ائمہ سے ضرب المثال بیان کی جائے؛ یا کسی جگہ کے دو مشائخ سے مثال بیان ہو؛ یا کسی مدرسہ کے دو اساتذہ سے مثال بیان کریں۔تو تمام عقول ایک ہی بات کہیں گے کہ: یہ پہلا انسان ریاست اور حکومت کی طلب سے بہت دور تھا۔اور دین اور خیر کی بھلائی کے ارادہ کے بہت قریب تھا۔

جب ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ یقین و ایمان رکھتے ہیں کہ آپ دین اور حق کے قاصد اور طلبگار تھے۔اور آپ زمین میں سرکشی اور فساد ہرگز نہیں پھیلانا چاہتے تھے۔تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ ایمان و یقین رکھنا زیادہ اولی اور مناسب ہے۔

اگر کوئی بدگمانی رکھنے والا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ گمان رکھے کہ آپ زمین میں سرکشی اور فساد پھیلانا چاہتے تھے۔تو یہی بدگمانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بدگمانی زیادہ اولی اور معقول ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



یا تو پھر یہ کہا جائے کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو زمین میں فساد اور سرکشی چاہتے تھے؛ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ فساد فی الارض اور سرکشی نہیں چاہتے تھے؛ حالانکہ دونوں حضرات کی سیرت صاف ظاہر ہے؛ تو یہ کھلم کھلا تکبر اور حق بات کا انکار ہوگا۔ دونوں حضرات کی سیرت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس مؤقف پر دلالت کرتی ہو۔ بلکہ تواتر کے ساتھ خبریں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیرت افضل واولی واعلی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اس قسم کا دعوی کرنے والے ایسی محال چیزیں بیان کرتے ہیں جن کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم ہی نہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ: آپ کی خلافت پر نصوص موجود تھیں مگر انہیں چھپا دیا گیا۔ مگر اس کے باوجود وہ باطنی دشمنی کہیں پر ظاہر نہ ہوئی جس کی وجہ سے ان کا حق چھینا گیا۔

اب یہاں پر ہمارا مقصود وہ چیز بیان کرنا ہے جو کہ عوام وخواص میں تواتر کے ساتھ علم یقینی کے طور پر معلوم ہے۔ رہ گئے وہ امور جو بیان تو کیے جاتے ہیں مگر جمہور ان کا انکار کرتے ہیں اور وہ بدگمانیاں جن کی کوئی دلیل نہیں ہے؛ بلکہ ہم ان کے فساد اور بطلان کو بہت اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ پس ایسی چیزوں کو بطور دلیل پیش کرنے والا صرف بدگمانی اور خواہشات نفس کا پجاری ہے۔ اس کا تعلق کفار اور اہل باطل کی جنس سے ہے۔ یعنی احادیث کے مقابلہ میں دوسری ادھر ادھر کی چیزیں پیش کرنا۔

ہم نے تو ان اخبار سے بھی احتجاج نہیں کیا جو طرفین نے روایت کی ہیں؛ تو پھر اس بدگمانی کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے جو حق کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہ آئے۔

یہ بات عوام وخواص کو تواتر کے ساتھ علم یقینی کے طور پر معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر وعثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کی نسبت فساد فی الارض اور علو وسرکشی کے ارادہ سے بھی بہت دور تھے؛ کجا کہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات کی جائے۔ اور آپ بعد میں آنے والے تینوں خلفاء کی نسبت زیادہ اور بدرجہ اولی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے حصول اور اصلاح فی الارض کے متمنی اور طلبگار تھے؛ کجا کہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات کی جائے۔ اور یہ کہ آپ سیاست اور عقل میں؛ اور دین داری میں ان تینوں حضرات کی نسبت زیادہ کامل تھے۔ اور یہ کہ امت پر آپ کی ولایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کی نسبت بہت زیادہ بہتر تھی۔ اور مسلمانوں کو آپ کی وجہ سے حاصل ہونے والی دین و دنیا کی منفعت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حاصل ہونے والی منفعت کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین ۔

جب ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ مجتہد تھے؛ اور اپنے فعل میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے طلب گار تھے۔ اور یہ کہ جو مصلحت کے کام آپ نے ترک کر دیے تھے؛ حقیقت میں آپ ان کو بروئے کار لانے سے عاجز آ گئے تھے۔ اور جو کچھ خرابیاں آپ کے دور میں پیش آئیں؛ آپ ان کو روکنے سے عاجز اور معذور تھے۔ اور یہ کہ آپ زمین میں فساد اور سرکشی نہیں پھیلانا چاہتے تھے۔ تو یہی عقیدہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے متعلق رکھنا زیادہ اولی اور مناسب ہے۔ کوئی ایک بھی اس توجیہ سے ٹکراؤ کی قدرت نہیں رکھتا؛ سوائے اس کے جو یہ خیال کرتا ہو کہ یہ نقل صرف نقل خاص میں سے ہے؛ جیسا کہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل منقول ہیں۔ جن کا تقاضا ہے کہ آپ امامت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اور یہ کہ آپ کی امامت منصوص علیہ تھی۔ تو دریں صورت اس کے مقابلہ میں وہ خاص منقولات پیش کی جائیں گی؛ جو کہ ان سے زیادہ سچی اور کثرت تعداد میں ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل پر دلالت کرتی ہیں اور ان کا تقاضا ہے کہ آپ خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اور نصوص اس چیز پر دلالت کرتی ہیں۔

کوئی بھی حجت ایسی نہیں ہے جو کوئی شیعہ پیش کرے؛ مگر اس کے مقابلہ میں سنی کے پاس اس جیسی دلیل ہوگی جو اسی جنس سے ہوگی اور اس سے زیادہ اولی اور بہتر ہوگی۔ اس لیے کہ اسلام میں سنت ایسے ہی ہے جیسے باقی ملتوں میں اسلام۔ پس کوئی دلیل اور حجت ایسی نہیں ہے جس پر کوئی کتاب عمل پیرا ہو مگر مسلمان کے پاس اس کے مقابلہ میں ایسی دلیل ہوگی جو اس کی نسبت اتباع کی زیادہ حق دار ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾ [الفرقان: 33]

''اور وہ تیرے پاس کوئی مثال نہیں لاتے مگر ہم تیرے پاس حق اور بہترین تفسیر بھیج دیتے ہیں۔''

لیکن خواہشات کے پجاری کی اس کی جہت میں کوئی غرض نہیں ہوتی۔ جب اس کا مخالف کوئی ایسی چیز بیان کرتا ہے جو اس کی خواہشات کے خلاف ہو تو اس پر اس کی سماعت اور اتباع بہت گراں گزرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ﴾ [المؤمنون 71]

''اور اگر حق ان کی خواہشوں پر چلے تو یقیناً سب آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے، بگڑ جائیں''

یہاں پر ایک دوسرا طریقہ بھی ہے۔ وہ یہ کہا جائے گا کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کی طبیعتیں اتباع حق کی طرف متوجہ تھیں۔ اور انہیں اس راہ سے ہٹانے والی کوئی چیز نہ تھی۔ اور وہ ایسا کرنے پر قادر بھی تھے۔ جب حق کا داعی موجود ہو؛ اور [صارف یعنی] اس سے ہٹانے والا بھی کوئی نہ ہو؛ تو فعل کا حصول واجب ہو جاتا ہے۔''

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ مسلمانوں نے جو کچھ کیا؛ اس میں انہوں نے حق کی اتباع کی ہے۔ اور یہ کہ بلاشبہ وہ تمام امتوں میں سے بہترین لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کا دین مکمل کر دیا تھا۔ اور ان پر اپنی نعمتیں تمام کر دی تھیں۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تک کوئی ان کی دنیاوی غرض بھی نہیں تھی جس کی وجہ سے انہیں ترجیح دیتے۔ اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی ایسی دنیاوی غرض یا معاملہ تھا جس کی وجہ سے انہیں پیچھے کرتے۔ بلکہ اگر وہ اپنی طبیعت کے حساب سے بھی کوئی فیصلہ کرتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ترجیح دیتے۔ اور انصار کا بھی یہ عالم تھا کہ اگر وہ اپنی خواہشات نفس کی وجہ سے کسی کو ترجیح دیتے تو ان کے نزدیک بنی ہاشم کے کسی آدمی کی اتباع کرنا بنی تیم کے آدمی کی اتباع کی نسبت زیادہ محبوب ہوتا۔ یہی حال اکثر قریشی قبائل کا تھا؛ بالخصوص بنو عبد مناف اور بنو مخزوم کا۔ اس لیے کہ بنو مناف کے کسی آدمی کی اطاعت کرنا ان کے نزدیک بنی تیم کے آدمی کی اطاعت سے زیادہ محبوب تھی؛ اگر یہ لوگ خواہشات نفس کے پجاری ہوتے تو۔ اور ابوسفیان بن حرب اور اس کے امثال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم کو زیادہ چاہتے تھے۔ اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ ابو

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



سفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا تھا کہ قرابت داری کی وجہ سے انہیں خلیفہ بنایا جائے۔ اور جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو ان کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ سے جب یہ کہا گیا کہ آپ کا بیٹا خلیفہ بنا ہے؛ تو اس نے کہا: کیا بنومخزوم اور بنوعبدمناف رضا مند ہیں؟'' لوگوں نے کہا، ہاں! ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے اس پر تعجب کا اظہار کیا [اور کہا: ''یہ خاص عنایت ایزدی ہے۔''][طبقات ابن سعد (۳/ ۱۸٤)]

اس لیے کہ ابوقحافہ کو علم تھا کہ بنوتیم تمام قبائل سے کمزور قبیلہ ہے۔ اور اشراف قریش کا تعلق ان دو قبیلوں سے تھا۔

یہ بات ہوگئی۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے امثال و ہمنوا؛ اگر کوئی عقل منداس پر غور وفکر کرے؛ تو اسے یقین ہو جائے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صرف اس لیے مقدم کیا اللہ اوراس کے رسول نے آپ کو تقدیم بخشی تھی۔ کیونکہ آپ ان تمام لوگوں میں سے بہتر؛ ان کے سردار اور اللہ اور اس کے رسول کے محبوب تھے۔ اس لیے کہ اسلام کسی کو بھی تقوی کی بنیاد پر ترجیح وتقدیم دیتا ہے۔ اورابوبکران سب سے بڑے متقی تھے۔

یہاں پر تاریخی روایت کی تحقیق اور چھان بین کا ایک دوسرا طریقہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

((خیر القرونِ قرنی، ثم الذِین یلونھم ثم الذِین یلونھم ؛ ثم الذِین یلونھم))

''بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے؛ پھر جو اس کے بعد ہے؛ پھر جو اس کے بعد؛ پھر جو اس کے بعد۔''

یہ امت تمام امتوں سے بہترین امت ہے۔ جیسا کہ کتاب وسنت کے دلائل سے واضح ہوتا ہے۔

مزید برآں جو کوئی بنو امیہ کے دور میں مسلمانوں کے احوال پر غور وفکر کرے گا؛ -خلفائے راشدین کا زمانہ تو بہت بڑی بات ہے-؛ تو اسے یقینی علم حاصل ہوگا کہ وہ لوگ اس زمانہ کے لوگوں سے بہت بہتر تھے۔ اوران کے زمانہ میں اسلام زیادہ مضبوط اور غالب تھا۔ اگر قرن اول کے لوگوں نے ان پر متعین کردہ منصوص علیہ امام کی امامت سے انکار کردیا تھا؛ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے ان کی وراثت کا حق روک دیا تھا۔ اور ایک فاسق اور ظالم کو خلیفہ مقرر کرکے ایک عادل اور عالم کو اس کے حق سے محروم کردیا؛ حالانکہ انہیں اس حق کا علم بھی تھا؛ تو پھر یہ سب سے بدترین مخلوق ٹھہرے بہترین نہیں۔ اور یہ امت پھر سب سے بدترین امت ہوئی۔ کیونکہ اگر ان کے بہترین لوگوں کے یہ کرتوت ہیں تو ان کے بدترین لوگوں کا کیا عالم ہوگا۔

یہاں پر ایک دوسری چیز بھی ہے؛ وہ یہ کہ یہ بات تواتر کے ساتھ معلوم ہے؛ اورعوام وخواص میں سے کسی ایک پر بھی مخفی نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے خاصانِ خواص میں سے تھے۔ اورلوگوں میں سب سے زیادہ خصوصی مقام انہی حضرات کو حاصل تھا۔ صحبت میں بھی؛ قربت میں بھی؛ اور آپ کے ساتھ تعلق میں بھی۔ آپ نے ان تمام سے سسرالی رشتے بھی قائم کیے۔ اور کبھی آپ سے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ آپ نے ان کی مذمت کی ہو؛ یا ان پر لعنت کی ہو۔ بلکہ مشہور ومعروف بات یہی ہے کہ آپ ان سے محبت کرتے تھے اوران کا ذکر

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



خیر کیا کرتے تھے۔

تو دریں صورت یہ حضرات یا تو ظاہری اور باطنی طور پر استقامت پر ہوں گے؛ آپ کی زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔ یا پھر ان کا معاملہ اس کے خلاف ہوگا؛ آپ ﷺ کی زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی؛۔ پس اگر اس قربت کے باوجود بھی وہ استقامت پر نہ تھے تو پھر دو باتوں میں سے ایک لازم آتی ہے:

۱۔ یا تو آپ کو ان کے احوال کا علم نہیں تھا۔

۲۔ یا پھر آپ ان کے ساتھ مداہنت کیے ہوئے تھے۔

ان میں سے جو بھی بات ہو؛ وہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں بہت بڑی قدح اور تنقید ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

((إن كنت لا تدرى فتلك مصيبة و إن كنت تدرى فالمصيبة أعظم))

''اگر آپ نہیں جانتے تو یہ ایک مصیبت ہے اور اگر جانتے ہیں تو پھر مصیبت اس سے بھی بڑی ہے۔''

اگر یہ لوگ استقامت کے بعد منحرف ہوگئے تھے؛ تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف رسول اللہ ﷺ کے لیے ان کے خواص امت اور اکابر صحابہ میں بہت بڑی ذلت و رسوائی تھی - معاذ اللہ - اور ان لوگوں کے سامنے بھی جن کو آپ نے خبر دی تھی کہ آپ کے بعد کیا ہوگا۔ تو پھر آپ کو ایسی چیزوں کا علم کیوں نہ ہوسکا۔ اور پھر وہ احتیاط کہاں گئی کہ اس امت پر کسی ایسے ویسے کو والی نہ بنایا جائے۔ اور وہ لوگ کہاں گئے جن سے وعدہ کیا گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا دین باقی تمام ادیان پر غالب آئے گا۔ اور آپ کی امت کے اکابر اور خاص الخواص لوگ کیسے مرتد ہوگئے؟

یہ بات؛ اور طرح کی دیگر کئی ایسی ہی باتیں جن کے ذریعہ روافض رسول اللہ ﷺ کی ذات پر قدح کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ:

''ان رافضی لوگوں کا ارادہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر طعن زنی کریں؛ تاکہ لوگ کہہ سکیں کہ یہ کتنا ہی برا آدمی تھا جس کے ساتھی اتنے برے ہیں۔ اگر وہ کوئی اچھا آدمی ہوتا تو اس کے ساتھی بھی اچھے لوگ ہوتے۔''

یہی وجہ ہے کہ اہل علم لوگ فرماتے ہیں: ''بیشک روافض زندیقوں کی دسیسہ کاریوں کا نتیجہ ہیں۔ اور ان کی بنیاد ان ہی پر رکھی گئی ہے۔

ایک دوسرے لحاظ سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ: ''اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مستحق ہوتے؛ تو اس کے اسباب قوی تھے؛ اور کوئی ایسی رکاوٹ والی چیز بھی نہیں تھی۔ اور قدرت بھی حاصل تھی ۔ اور اس کے ساتھ ہی دواعی اور اسباب بھی موجود تھے۔ قدرت اور انتفاء صارف کی صورت میں فعل کا حاصل ہونا واجب ہوجاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد تھے اور نسب کے اعتبار سے ان سب میں سے افضل لوگوں میں سے تھے۔ اور آپ کی کسی ایک کیساتھ دشمنی بھی نہ تھے۔ نہ ہی نسب کی عداوت اور نہ ہی اسلام کی وجہ سے۔ کوئی کہنے والا یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ نے جاہلیت میں اپنے اقارب میں سے کسی ایک کو قتل کیا ہو۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



اس طرح کی کوئی بات انصار میں بھی نہیں پائی جاتی تھی۔ کیونکہ آپ نے ان کے اقارب میں سے کسی ایک کو قتل نہیں کیا تھا۔ اور یہاں پر شوکت اور غلبہ حاصل تھا۔ اور نہ ہی بنی تیم یا بنی عدی میں سے کسی ایک کو قتل کیا۔ اور نہ ہی دوسرے بہت سارے قبائل میں سے کسی ایک کو قتل کیا۔ اور جن قبائل میں سے لوگ قتل ہوئے جیسے بنو عبد مناف؛ تو وہ آپ کے موالین میں سے تھے۔ اور وہ آپ کی ولایت چاہتے تھے۔ اس لیے کہ آپ ان لوگوں کے زیادہ قریب تھے۔ پس اگر رسول اللہ ﷺ سے کوئی نص آپ کی خلافت پر کوئی نص ہوتی؛ یا آپ افضل اور ولایت وخلافت کے مستحق ہوتے؛ تو پھر یہ معاملہ کوئی ایسا نہیں تھا کہ مخفی رہ جاتا ہے۔ اور اس بات کا علم ہونا اس بات کو واجب کرتا تھا کہ یہ لوگ خلافت حاصل کرنے کے ارادہ سے اٹھ کھڑے ہوں۔ کیونکہ یہاں پر کوئی ایسا معاملہ نہیں تھا جو کہ رکاوٹ بن جاتا۔ اور اس وقت میں احوال واسباب بھی اس چیز کے مددگار ثابت ہوتے اور کوئی ان سے ٹکرانے کی کوشش بھی نہ کرتا۔ اصل میں حقیقت تو یہ ہے کہ ان کے ساتھ ٹکرانے والا کوئی نہیں تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت بہت تھوڑے سے کچھ لوگ ایسے تھے جو کہ رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کر سکتے تھے؛ تو پھر بھی جمہور مسلمین میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو کہ اس راہ میں رکاوٹ بنتا۔ بلکہ وہ اس بات پر قادر تھے کہ آپ کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ اور اگر انصار یہ بات کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما کی نسبت خلافت کے زیادہ حق دار ہیں؛ تو پھر مہاجرین کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ ان کو روک سکیں۔ اور اکثر لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑے ہو جاتے۔ خاص طور پر ان لوگوں کی اکثریت جن کے دلوں میں کچھ کمزوری تھی؛ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شدت کی وجہ سے انہیں ناپسند کرتے تھے۔ اور کفار اور منافقین کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نفرت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نفرت کی نسبت اتنی سخت اور زیادہ تھی کہ ان کے مابین کوئی مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہیں بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ کفار بطور خاص آپ سے بغض رکھتے ہیں۔ آپ سے اتنا ہی بغض تھا جتنا دوسرے مسلمانوں سے۔ بخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے؛ اس لیے کہ آپ ان کے خلاف بہت سخت تھے۔ تو اس کا تقاضا تھا کہ وہ اس طرف سے نفرت کریں جس طرف حضرت عمر ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو خلیفہ متعین کیا تو ایک گروہ نے اس معاملہ پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ حتی کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''ہم پر آپ نے اتنے تند خو اور سخت مزاج انسان کو خلیفہ مقرر کر دیا ہے؛ آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دیں گے؟ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا تم اللہ تعالیٰ سے مجھے ڈرا رہے ہو؟ تو میں کہوں گا: تیرے بندوں میں سے سب سے بہتر بندے کو خلیفہ بنا آیا ہوں۔''

جب اہل حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے؛ اور اہل باطل بھی آپ کے ہمراہ۔ تو پھر آپ کو کون مغلوب کر سکتا تھا جب حق آپ کے ساتھ تھا۔ اور تصور کیجیے کہ وہ آپ کے ساتھ کھڑے تو ہوئے تھے؛ مگر غالب نہ آسکے تو کیا ایسے مواقع کے معروف اسباب اس بات کو واجب نہیں کرتے تھے کہ اس موقع پر قیل وقال ہو؛ اور ایک قسم کا جھگڑا کھڑا ہو جائے۔ تو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کیا اس سلسلہ میں کلام کرنا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کلام کرنے کی نسبت زیادہ اولی نہ ہوتا؟ اور جب انصار کو ایسا شبہ تھا؛ جس کی اصل میں کوئی حقیقت نہیں تھی؛ بلکہ ان کی خواہش تھی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو امیر بنا دیا جائے؛ تو پھر اس صورت میں حق دار کون ہوا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نص جلی کی موجودگی میں آپ کے اعوان وانصار اس حق کو پانے کی طمع کیوں نہیں کر سکتے تھے؟ جب ان میں سے کسی ایک بات کرنے والے ایک لفظ تک اس معاملہ میں نہیں بولا۔ اور نہ ہی کسی دعوت دینے والے نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی دعوت دی۔ نہ ہی آپ کی بیعت کی دعوت نہ ہی کسی دوسرے کی بیعت کی دعوت۔ اور یہ معاملہ یونہی چلتا رہا حتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کی بیعت کی گئی۔ اس وقت آپ اور آپ کے اعوان وانصار اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بیعت کا مطالبہ کیا؛ اور اس پر جنگ وقتال بھی کیا؛ خاموش نہیں رہے۔ حتی کہ قریب تھا کہ غالب آ جاتے۔ تو اس سے یہ بات اضطراری طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ شروع میں ان حضرات کی خاموشی کی وجہ مقتضی کا عدم وجود تھا؛ نہ کہ کوئی مانع۔ اور ان لوگوں کے ہاں اس علم نام کی کوئی چیز نہیں تھی کہ نص جلی کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اور جب آپ کے استحقاق کا مرحلہ آیا تو یہی حضرات آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے؛ حالانکہ اس وقت مانع اور رکاوٹ موجود تھی۔

یقیناً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے انکار کرنے یا رکاوٹ بننے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نسبت بہت زیادہ دور تھے۔ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوئی حق ہوتا تو آپ کبھی اپنی بیعت کی طرف نہ بلاتے۔ نہ ہی کسی ترغیب کے ساتھ اور نہ ہی کسی ترہیب کے ساتھ۔ اور نہ ہی آپ کسی بھی اعتبار سے حکومت اور منصب کے طلبگار تھے۔ اور نہ ہی شروع میں کسی ایک کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں طعن وتنقید کرے۔ جیسا کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد ممکن ہوا۔ کیونکہ اس وقت بہت سارے حامیان عثمان رضی اللہ عنہ آپ پر یہ الزام دھرنے لگے کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں ملوث تھے۔ اور بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ آپ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذلیل کرنے میں کردار ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل آپ کے لشکر میں تھے۔ یہ ایسے امور تھے جن کی وجہ سے بہت سارے لوگوں نے آپ کی بیعت نہ کی تھی۔

یہ رکاوٹیں شروع شروع میں موجود نہیں تھیں۔ اس وقت آپ کا لشکر بہت بڑا تھا۔ اور اگر آپ خلافت کے حق دار ہوتے تو یہ حق زیادہ ظاہر ہوتا۔ اور اس وقت میں آپ کے مخالفین کا دعوی بھی کمزور ہوتا اور طاقت کے لحاظ سے بھی کمزور ہوتے۔ اور کوئی ایسا مضبوط دعوی نہیں تھا جس کی بنیاد پر آپ کی خلافت کی راہ میں روڑے اٹکائے جاتے۔ جیسا کہ یہ رکاوٹیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کے بعد پیدا ہو گئی تھیں۔ اور نہ ہی آپ سے لڑنے کے لیے لشکر ایسے جمع ہو سکتا جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد جمع ہو گئے تھے۔

یہ امور ان کے امثال؛ پر جو کوئی غور وفکر کرے گا تو اس کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے استحقاق کی نفی واضح ہو جائے گی کیونکہ یہ ایک ایسا واضح بیان ہے جس کا اپنی طرف سے انکار کرنا ممکن نہیں۔ اور اگر یہ واضح ہو جائے کہ حق حضرت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا؛ اور حضرت ابوبکر نے اس کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ تو پھر حضرت ابوبکر یہ حق یا تو آپ کو تفویض کر دیتے یا پھر اس معاملہ میں مجالمت سے کام لیتے ؛ یا پھر آپ کے سامنے کوئی عذر پیش کرتے ۔ اور اگر حضرت ابوبکر اس پر بضد قائم رہتے تو پھر آپ ظالم ہوتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے اپنا دفاع کرتے اور آپ حق پر ہوتے ۔ اور شریعت اور عقل اور عادت اس چیز کو واجب کرتی تھی کہ لوگ حضرت ابوبکر کی سرکشی اور بغاوت کے خلاف حضرت علی امام معصوم اور امام برحق کے ساتھ ہوتے ۔ اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو ۔ خصوصاً جب کہ نفوس بڑی ولایت کی بیعت کے لیے قابل اطاعت لوگوں کی نسبت ایسے لوگوں کی بیعت سے متنفر تھے جو کہ اس کا اہل نہ ہو۔ پس اسباب ہر لحاظ سے حضرت علی کے حق میں زیادہ اور بڑے تھے۔ اگر آپ ہی حق دار ہوتے ۔ اور یہ اسباب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہر لحاظ سے کمزور اور دور کے تھے اگر آپ باطل پر ہوتے۔

لیکن جب ہر طرح کے تقاضے حضرت ابوبکر کے حق میں تھے ۔ اور یہ اللہ کا مضبوط دین ہے۔ اسلام کی حلاوت و طراوت اور اس کا اقبال اور سنجیدگی ہے؛ آپ ان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے۔ تو پھر واجب ہو گیا تھا کہ حق دار کو اس کے حق سے محروم نہ کیا جائے اور کسی دوسرے کو اس حق پر مسلط نہ کیا ہے۔ اگرچہ بعض کی خواہشات دوسروں کے ساتھ ہوں۔ جب کہ حضرت ابوبکر تک کسی کی کوئی خواہش نہیں تھی سوائے اس دین کی خواہش کے جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اور اسے پسند کرتے ہیں۔

جو کوئی ان باتوں پر اور ان جیسی دوسری باتوں اور اسباب پر غور و فکر کرتا ہے تو اسے اضطراری طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ خلافت نبوت کے سب سے بڑے حق دار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ اور آپ کی ولایت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ راضی کرنے والی ہے؛ تو انہوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر لازم آتا تھا کہ وہ اس کی پہچان کروائیں یا اس میں تحریف کریں۔ یہ دونوں باتیں عادت اور دین کے اعتبار سے ممتنع تھیں۔ اور اسباب متعدد تھے۔ پس یہ یقین طور پر معلوم شدہ امور ہیں جنہیں ایسی روایات کے مقابلہ میں رد نہیں کیا جا سکتا جن کے درست ہونے کا کوئی علم ہی نہیں۔ اور پھر اس وقت کیا عالم ہو گا جب ان روایات و حکایات کا جھوٹ ہونا معلوم بھی ہو جائے۔ یا ایسے الفاظ کے مقابلہ میں کیسے رد کیا جا سکتا ہے جن کی دلالت کا ہی معلوم نہ ہو؛ اور پھر اس وقت کیا عالم ہو گا جب ان الفاظ کی دلالت کی نفی معلوم ہو جائے۔ اور پھر ایسے قیاسات جن کا کوئی نظام ہی نہیں۔ اور جن سے معقولات اور ثابت شدہ منقولات اور معلوم شدہ مدلولات بھی ٹکراتے ہوں تو پھر کون سی چیز حق کے زیادہ قریب اور اتباع کے لائق ہے۔

## [ردِ حق میں روافض کا طریقہ:]

یہ روافض یقین طور پر معلوم شدہ حق کا انکار ایسے شبہات کی بنیاد پر کرتے ہیں جو کسی انتہائی کمزور شبہ کو بھی قبول نہیں کر سکتے۔ تمام گروہوں سے بڑھ کر گمراہی اور کجی ان کے دلوں میں پائی جاتی ہے جو متشابہات کی پیروی کرتے ہیں اور محکم کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جیسے نصاری؛ جہمیہ؛ اور ان کے امثال و ہمنوا اہل بدعت اور ہوا پرست جو ایسی صحیح نصوص کو چھوڑ دیتے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ہیں جو علم کو واجب کرتی ہیں اور ان کے مقابلہ میں ایسے شبہات پیش کرتے ہیں جن سے صرف شک ہی پیدا ہوتا ہے اور کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اور ان کی بھی اگر چھان بین ہو تو کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ یہ منقولات بھی ایسے ہی دھوکہ ہیں جیسے عقلیات میں دھوکہ ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ ان چیزوں میں شبہ کی وجہ سے قدح اور تنقید ہے جو کہ حس اور عقل کی روشن میں معلوم ہوں۔ پس جو کوئی چاہتا ہو کہ دلوں میں متسقر علم یقین کو شبہات کی بنیاد پر رد کرے تو یقیناً وہ دھوکہ باز فلاسفہ کی راہ پر چلتا ہے۔ اس سفسطہ کی کئی اقسام ہیں:

اول:......حقائق اور ان سے متعلق علم کی نفی انکار اور تکذیب۔

دوم:......شک اور شبہ: یہ فرقہ لا ادریہ کا طریقہ ہے۔ جو ہر بات میں کہتے ہیں: لا أدری۔ یعنی ہم نہیں جانتے۔ وہ نہ ہی کوئی چیز ثابت کرتے ہیں اور نہ ہی کس چیز کی نفی کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ علم کی نفی کرتے ہیں۔ اور یہ بھی نفی کی ہی ایک قسم ہے۔ پس یہ وہ مغالطہ بازی کی عادت ہے؛ جس میں معلوم شدہ حق یا اس کے متعلق علم کا انکار کیا جاتا ہے۔

سوم:......ان لوگوں کا عقیدہ جو حقائق کو عقائد کا تابع بناتے ہیں۔ پس کوئی انسان کہتا ہے: جو کوئی یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ عالم قدیم ہے؛ تو پھر وہ قدیم ہی ہے؛ اور جو کوئی اعتقاد رکھتا ہو کہ عالم محدث ہے؛ تو وہ محدث ہی ہے۔ اور اگر اس سے مراد یہ لی جائے کہ اس کے نزدیک قدیم ہے اور دوسرے کے نزدیک محدث ہے؛ تو پھر یہ بات درست ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اس انسان کا عقیدہ ہے۔ لیکن یہاں پر مغالطہ بازی یہ ہے کہ وہ خارج میں بھی ایسے ہی مراد لیتے ہیں۔

اگر معاملہ ایسے ہی ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ خلفائے ثلاثہ کے جو احوال معلوم ہیں؛ اور جو کچھ ان کی سیرت بعد میں ان روایات کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے جنہیں رافضی روایت کرتے ہیں؛ جن میں وہ جمہور امت کی تکذیب کرتے ہیں؛ تو یہ بہت بڑی دھوکہ بازی ہے۔ اور جن لوگوں نے حضرت امیر معاویہ کے وہ فضائل بیان کیے ہیں جن کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب پر ان کی تقدیم واجب ہوتی ہے؛ تو وہ بھی بہت بڑا جھوٹا؛ باطل پرست اور مغالطہ بازی ہے۔

مگر اس کے باوجود رافضیوں کی نقل کردہ وہ روایات جن کی بنا پر وہ خلفائے ثلاثہ کے ایمان پر جرح و تنقید کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت کو واجب کرتے ہیں وہ ان روایات سے بڑا جھوٹ ہیں جن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تقدیم واجب ہوتی ہے۔ اور ان کی مغالطہ بازی ان سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ کئی وجوہات کی بنا پر خلفائے ثلاثہ کے ایمان کا ظہور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر فضیلت کے ظہور سے زیادہ بڑھ کر اور واضح ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت کا اثبات حضرت امیر معاویہ کی فضیلت کے اثبات کی نسبت حق سے بہت زیادہ دور ہے۔

پھر یہ کہ بیشک حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کے کمالات میں سے ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ رسول برحق تھے۔ اور دنیا کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ نہیں تھے۔ کیونکہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے قریب رشتہ داروں کو ترجیح دیتے ہیں۔اور انہیں ولایات سونپتے ہیں۔اس کی کئی وجوہات ہیں:

اول:......انہیں دوسرے لوگوں کی نسبت اپنے اقارب سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔جیسا کہ انسان کی طبیعت میں اپنے قرابت داروں کی طرف میلان ہوتا ہے۔

دوم:......اس لیے کہ بادشاہوں کے قرابت دار اپنی بادشاہت کو جس طرح قائم رکھنا چاہتے ہیں؛ دوسرے لوگوں کو اس چیز سے کوئی ایسی غرض نہیں ہوتی۔اس لیے کہ انسان کے قرابت دار کی عزت وشان شوکت میں اس کی اپنی عزت اور شان وشوکت ہوتی ہے۔اور بادشاہوں میں سے جس کے قرابت دار نہ ہوں وہ اپنے غلاموں اور موالیں سے مدد لیتا ہے۔وہ انہیں اپنے قریب کرتا ہے؛ اوران سے مدد حاصل کرتا ہے۔اور یہ چیز بادشاہوں میں پائی جاتی ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا کفار۔

پس یہ وجہ ہے کہ جب بنو امیہ اور بنو عباس کے بادشاہ؛ بادشاہ تھے تو وہ اپنے اقارب اور موالین کو زیادہ چاہتے تھے؛ اورانہیں دوسروں سے زیادہ ولایات اور مناصب سونپتے تھے۔اوراس طرح انہوں نے اپنی بادشاہ قائم رکھی ہوئی تھی۔ یہ حال دوسرے گروہوں کے بادشاہوں کا بھی تھا؛ جیسے بنو بویہ؛ بنو سلجق ؛ اور مشرق ومغرب اور شام اوریمن کے دیگر تمام بادشاہ۔

یہ حال کافر بادشاہوں کا بھی ہوتا ہے خواہ وہ مشرک ہوں یا اہل کتاب۔جیسا کہ افرنگی بادشاہوں اوران کے علاوہ دوسروں میں بھی پایا جاتا ہے۔اورجیسا کہ آل چنگیز خان میں بھی ہے۔اس لیے کہ بادشاہی بادشاہ کے قریب رشتہ داروں میں باقی رہتی ہے۔اور کہتے ہیں: یہ عظیم ہے اور یہ عظیم نہیں؛ یعنی یہ بادشاہ کا قرابت دار ہے۔

جب نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو ولایت سونپی گئی؛ آپ کے چچا حضرت عباس؛ آپ کے چچا زاد حضرت علی؛ حضرت عقیل؛ اور ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب اور ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب اور دوسرے تمام لوگوں کو چھوڑ دینا؛ اور سارے بنی عبد مناب کو چھوڑ دینا جیسے حضرت عثمان بن عفان خالد بن سعید بن ابن العاص اور ابان بن سعید بن العاص اور دوسرے لوگ جن کا تعلق بنو عبد مناف سے تھا؛ اور قریش میں انہیں بہت بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔اور نسب کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کے زیادہ قریب تھے۔یہ اس بات کی بہت بڑ دلیل ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول تھے۔اور بلاشبہ آپ کوئی بادشاہ نہیں تھے۔کیونکہ آپ نے خلافت میں اپنے کسی قریب رشتہ دار کو خلافت یا منصب کے لیے آگے نہیں بڑھایا۔نہ قرابت نسبی کی وجہ سے نہ ہی گھرانے کے شرف ومنزلت کی وجہ سے۔بلکہ آپ نے صرف اورصرف ایمان اورتقوی کو ہی تقدیم بخشی تھی۔

یہ اس بات کی بھی دلیل تھی کہ محمد ﷺ اور آپ کے بعد آپ کی امت صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں گے اوراس کی اطاعت بجالائیں گے۔اور وہ ایسے کچھ بھی نہیں کریں گے جیسے دوسرے لوگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اور نہ وہ ایسے بادشاہی چاہیں گے جیسے بعض انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے مباح تھا۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو اختیار دیا تھا کہ آپ بندے اور رسول بنیں یا پھر نبی اور بادشاہ بنیں۔ تو آپ نے بندے اور رسول بننے کو پسند فرمایا۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا آپ کے بعد منصب خلافت سنبھالنا درحقیقت اس نعمت کا اتمام تھا۔ بے شک اگر آپ اپنے اہل بیت میں سے کسی ایک کو خلافت کے لیے مقدم کرتے تو بدگمان لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا کہ آپ بادشاہ ہیں۔ جیسا کہ اگر آپ اپنا مال اپنے بعد وارثوں کے لیے چھوڑتے تو یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا کہ آپ اپنے وارثوں کے لیے مال جمع کرتے تھے۔ جب آپ نے اپنے بعد اپنے اہل بیت میں سے کسی ایک کو خلیفہ نہ بنایا؛ اور نہ ہی ان کے لیے کوئی مال چھوڑا تو اس سے واضح ہوگیا کہ آپ جاہ و مرتبہ اور حکومت و منصب کی طلب سے سب لوگوں سے بڑھ کر دور تھے۔ اگرچہ ایسا کرنا مباح بھی تھا۔ اور یہ کہ آپ بادشاہ نبی نہیں تھے بلکہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( إِنِی واللّٰہِ لا أعطِی أحدا و لا أمنع أحدا، وإنما أنا قاسِم أضع حیث أمِرت . ))

[سبق تخریجه فی المجلد الأول]

''اللہ قسم! بیشک میں کسی کو کچھ نہیں دیتا۔ اور نہ ہی کسی سے کچھ روکتا ہوں۔ بیشک میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں۔ وہیں پر چیز رکھتا ہوں جہاں کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔''

اور ارشاد فرمایا:

(( إن ربِی خیرنِی بین أن أکون عبدا رسولا و نبیا ملِکاً، فقلت: بل عبدا رسولا )) [1]

''بیشک میرے رب نے مجھے اختیار دیا کہ میں بندہ رسول بنوں یا پھر بادشاہ اور نبی بنوں۔ تو میں نے کہا: نہیں بلکہ میں بندہ اور رسول بننا چاہتا ہوں۔''

اور جب بات ایسے ہی تھی تو یہ آپ کے بادشاہ انبیائے کرام میں سے ہونے سے نزاہت پر دلالت کرتی ہے۔ پس اس سے آپ کی نبوت اور جھوٹ اور ظلم سے نزاہت پر بہت بڑی اور عظیم ترین دلیل ہے۔ بھلے آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنیں یا پھر اہل بیت میں سے کوئی ایک اس منصب پر فائز ہو جائے؛ پھر بھی وہ عظیم تر مہربانیاں اور مصلحتیں حاصل نہ ہو پاتیں۔

یہ بات بھی معلوم شدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت کی نسبت اسلام زیادہ پھیل چکا تھا اور اسے غلبہ حاصل تھا۔ اور جن لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگیں لڑیں وہ کفر سے بہت دور تھے بہ نسبت ان لوگوں کے جن سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے جنگیں لڑیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت

[1] المسندِ ط. المعارِف 1/ 12/142 رقم 7160؛ صحیح الاسناد.

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اہل کتاب اور مرتدین سے جنگیں لڑیں۔ حالانکہ اس وقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی وجہ سے مسلمان بہت زیادہ کمزور پڑ گئے تھے۔ اور اکثر بستیوں والے مرتد ہو گئے تھے۔ اور شہر لوگوں کے دلوں میں بہت کمزور آ گئی تھی۔ اور بہت سارے لوگ مانعین زکواۃ سے جنگ کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار تھے۔

پھر آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ انہوں نے وقت کی دو بڑ طاقتوں [سپر پاورز] سے جنگیں لڑیں۔ اور ایسا کبھی بھی نہیں ہوا تھا کہ اہل حجاز اور اہل یمن ان لوگوں سے جنگیں لڑیں اور انہیں مغلوب کر دیں۔ یہ طاقتیں روم اور فارس کے ملک تھے۔ آپ نے ان کو مغلوب کیا اور ان کے شہر فتح کیے۔ اور پھر جو کچھ فتوحات باقی رہ گئی تھیں مشرق و مغرب میں وہ فتوحات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مکمل کر دیں۔ پھر اس کے بعد بنو امیہ کی خلافت میں مشرق و مغرب میں مزید فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ جیسا کہ ماوراالنہر اور اندلس وغیرہ کے علاقے فتح ہوئے۔ یہ فتوحات عبدالملک کے دور میں ہوئیں۔

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کس اور کو خلیفہ بنایا جاتا؛ مثلاً حضرت عثمان یا حضرت علی رضی اللہ عنہما؛ تو ان حضرات کے لیے وہ کچھ کرنا ممکن نہ تھا جو قبل الذکر حضرات نے کارنامے دکھائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے دور میں قوت اور کثرت کے باوجود وہ کچھ نہ کر سکے جو حضرات شیخین نے کر دکھایا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ عاجز آ گئے تھے۔ آپ کے مددگار و اعوان حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اعوان و مددگاران کی نسبت زیادہ کثرت کے ساتھ تھے۔ اور دشمن کم تھے۔ اور حضرات شیخین کے دشمنوں کی نسبت اسلام کے زیادہ قریب تھے۔ مگر اس کے باوجود آپ اپنے دشمن کو مغلوب نہ کر سکے۔ تو پھر آپ کے لیے مرتدین کو مغلوب کرنا کیسے ممکن ہوتا۔ اور پھر انہوں نے اپنی کم تعداد اور دشمن کی شوکت و سطوت کے باوجود روم اور فارس کو مغلوب کیا۔

اس سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے بعد تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمام نعمت واضح ہوتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑ نعمتوں میں سے ایک نعمت تھی۔ اس لیے کہ ان کے بجائے اگر کوئی دوسرا خلیفہ بنتا تو وہ وہ کام نہ کر سکتا جو ان دو حضرات نے کیا۔ انہیں یا تو ان چیزوں پر قدرت ہی نہ ہوتی یا پھر ان کے ذہن و ارادہ میں ہی یہ بات نہ آتی۔

جب یہ کہا جائے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر غلبہ کیوں نہ حاصل ہوا؟ لازمی طور پر اس کا کوئی سبب ہونا چاہیے۔ یا تو اس پر کمال قدرت نہ ہو؛ یا پھر کمال ارادہ نہ ہو۔ کیونکہ جب کمال قدرت کے ساتھ کمال ارادہ پائے جائیں تو فعل کا وجود واجب ہو جاتا ہے۔ اور تمام قدرت میں متبعین [پیروکاروں] کی اطاعت بھی شامل ہے۔ اور تمام ارادہ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ چیز زیادہ مناسب؛ فائدہ مند اور اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنے والی ہو۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قدرت و امکان کمال درجہ کے تھے اور ان کا ارادہ بھی بہت افضل و عمدہ تھا۔ پس اللہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



تعالیٰ نے ان کے ذریعہ سے اسلام کی ومدد ونصرت فرمائی اور کفر ونفاق کو ذلیل کیا۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نصیب میں وہ کمال قدرت وامکان اور ارادہ نہیں آئے تھے جو ان دو حضرات کے نصیب میں تھے۔

اللہ تعالیٰ نے تو بعض انبیائے کرام علیہم السلام کو بعض پر فضیلت دی ہے۔اور بعض خلفا کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ کچھ نہیں دیا تھا جو حضرات شیخین پر انعام فرمایا تھا تو پھر ان کے لیے اپنی خلافت میں وہ کچھ کرنا ممکن نہ تھا جو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے دور خلافت میں کر دیا۔پس دریں صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے وقت وہ بہت ہ زیادہ عاجز اور کمزور تھے۔خواہ اس بات کو جس طرح سے بھی تسلیم کر لیا جائے۔بس اس میں آخری درجہ کی بات یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی شیعہ زیادہ سے زیادہ یہ کہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیروکار آپ کی بات نہیں مانتے تھے۔

پس اس سے کہا جائے گا: جب وہ لوگ بھی آپ کی اطاعت نہیں کرتے تھے جنہوں نے آپ کی بیعت کی تھی تو پھر وہ لوگ کیسے آپ کی بات مان سکتے تھے جنہوں نے آپ کی بیعت ہی نہیں کی تھی۔ اور جب یہ کہا جائے کہ: اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد لوگ آپ کی بیعت کر لیتے تو آپ اس سے زیادہ کام کر سکتے تھے جو کچھ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کیے۔

تو ان کے جواب میں کہا جائے گا کہ: آپ کی بیعت کرنے والے لوگوں کی تعداد ان لوگوں کی نسبت دوگنا سے بھی زیادہ تھی جنہوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت کی تھ۔اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور کی نسب آپ کے دور میں دشمن بہت کمزور ہوگئے اور اسلام کے زیادہ قریب تھے۔تو پھر بھی آپ نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے ان دونوں حضرات کے کام کی کوئی بو تک آتی ہو [یا ان کی مشابہت ہی ہوتی ہو] کجا کہ وہ ان حضرات کے اعمال سے افضل واکثر عمل کرتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اتباع کار ایمان وتقوی میں بڑھ کر تھے؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت فرمائی۔

تو ان سے کہا جائے گا کہ: یہ بات رافضی عقیدہ کے فساد پر دلالت کرتی ہے۔کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما مرتد ہوگئے تھے۔ یا یہ دونوں حضرات فاسق و فاجر تھے۔ جب ان کی تائید ونصرت ان کے ایمان اور تقوی کی وجہ سے تھی؛ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جن صحابہ کرام نے ان دو حضرات کی بیعت کی تھی وہ ان لوگوں سے افضل تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی امامت کا اقرار کرنے والے ان لوگوں کی نسبت افضل تھے جو حضرت علی کی امامت کا اقرار کرتے تھے۔تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما حضرت علی سے افضل تھے۔اگر وہ کہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نصرت اس لیے نہیں ہوئی کہ آپ کے پیروکاران آپ سے بغض رکھتے تھے اور آپ کے ساتھ اختلاف کرتے رہتے تھے۔

تو ان سے کہا جائے گا کہ: یہ بات بھی شیعہ کے اس عقیدہ کی خراب کی دلیل ہے کہ جن لوگوں نے حضرت

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور آپ کی امامت کا اقرار کیا وہ ان لوگوں کی نسبت افضل تھے جنہوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت کی؛ اور ان کی امامت کا اعتراف و اقرار کرتے تھے۔ جب وہ شیعہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ امام معصوم کی بیعت کی تھی وہ سب لوگوں سے برے تھے۔ تو پتہ چلا کہ اس گروہ میں کوئی قابل تعریف بات سرے سے پائی ہی نہیں جاتی اور نہ ہی یہ ایسا گروہ ہیں جنہیں دشمن پر فتح و نصرت حاصل ہو۔ تو یہ بات ممتنع ہو جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیعہ کے ساتھ کفار کو مغلوب کرنے پر قادر ہوں۔ پس جملہ طور پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے پیروکاران کے کمال کا اعتراف بہت ضرور ہے۔ اور اس کم کا جاننا بھی ضرور ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیش آئی؛ خواہ اس کو حضرت علی کی طرف منسوب کیا جائے یا آپ کے پیروکاروں کی طرف یا پھر ان سب کی طرف۔

پس ہر اعتبار سے لازم آتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے اتباع کار حضرت علی اور ان کے اتباع کاروں سے افضل ہوں۔ پس اس میں اگر کمال یا کم کا سبب امام کی طرف سے ہو تو وہ پھر بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اور اگر اس کا سبب ان کے اتباع کار ہوں جو کہ ان کی امامت کے معترف اور اقرار کرنے والے تھے تو پھر بھی یہ لوگ حضرت علی کے شیعان سے افضل اور بہتر ٹھہرے۔ پس ہر اعتبار سے اہل سنت و الجماعت شیعہ سے افضل ٹھہرتے ہیں۔ اس سے حضرات شیخین کی افضلیت لازم آتی ہے۔ اس لیے کہ جس چیز کی وجہ سے افضل ممتاز و جداگانہ ٹھہرتا ہو وہ اس چیز سے افضل ہوتی ہے جس کی وجہ سے مفضول کو افضلیت ملی ہو۔

یہ بات غور و فکر کرنے والوں کے لیے انتہائی واضح ہے۔ پس بیشک جن لوگوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی؛ اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کیا؛ وہ ان لوگوں کی نسبت افضل تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور آپ کے ساتھ مل کر جنگیں لڑیں۔ بلاشک وشبہ ان میں وہ لوگ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حیات رہے۔ اور ان کا تعلق مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین سے تھا۔ اور پھر وہ لوگ تھے جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اکثر سابقین اولین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حیات رہے؛ ان میں سے جن لوگوں نے آپ کی زندگی میں وفات پائی یا شہید ہوئے ان کی تعداد بہت کم تھی۔ اور جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی؛ ان میں ان سابقین اور تابعین کا ایک جزء تھا جنہوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی۔ جب کہ باقی تمام میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے آپ کی بیعت ہی نہیں کی تھی۔ اور نہ ہی آپ کے ساتھ مل کر جنگیں لڑی تھیں۔ جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص؛ اسامہ بن زید اور ابن عمر؛ اور محمد بن مسلمہ؛ زید بن ثابت اور ابو ہریرہ اور ان کے امثال سابقین اور جنہوں نے ان احسان کے ساتھ ان کی اتباع کی۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جن لوگوں نے آپ سے جنگ کی؛ مثلاً وہ لوگ جو سابقین اور تابعین میں سے حضرت طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے ساتھی تھے۔

جب وہ لوگ جنہوں نے خلفا ثلاثہ کی بیعت کی؛ وہ ان کے ساتھ مل کر جنگیں لڑیں وہ ان لوگوں کی نسبت افضل تھے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور آپ کے ساتھ مل کر جنگیں لڑیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ یہ تینوں خلفا افضل ہوں۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان خلفا ثلاثہ کے عہد میں موجود تھے۔ اور اگر دوسروں کو چھوڑ کر آپ امامت کے مستحق ہوتے جیسا کہ رافضی کہتے ہیں ؛ یا پھر آپ ان سے افضل اور خلافت کے زیادہ حق دار ہوتے ؛ جیسا کہ شیعہ میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں۔ اور اس سے لازم آتا کہ افضل ترین مخلوق نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے روگردانی کر لی۔ اور وہ کام کیا جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا ؛ بلکہ اس سے منع کیا گیا تھا۔ اور پھر جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور آپ کے ساتھ مل کر قتال کیا ؛ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی جو ان کے لیے جاری ہوا تھا۔

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل کرنے والا اس انسان سے افضل ہوتا ہے جو ان کے احکام کی تعمیل نہ کرے۔ اور ایسے کام کرے جن سے اللہ اور رسول نے منع کیا ہو۔ پس اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ : اگر شیعہ کا عقیدہ برحق ہوتا تو حضرت علی کے پیروکاران افضل ہوتے۔ اور جب یہ لوگ افضل ٹھہرے اور ان کا امام خلفائے ثلاثہ کی نسبت افضل ٹھہرا ؛ تو اس سے لازم آتا ہے کہ جو کچھ آپ نے کیا ہو وہ خلفائے ثلاثہ کے افعال سے افضل ہو۔ حالانکہ یہ بات تواتر کے ساتھ معلوم شدہ اخبار و احوال کے خلاف ہے ؛ اور یہ سارے بادیہ نشین اور شہروں کے مقیم جانتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ حضرات خلفائے ثلاثہ کے عہد میں ہوا ؛ اسلام کو غلبہ اور شوکت نصیب ہوئے ؛ اس کے مدد گاروں میں اضافہ ہوا۔ اسلام خوب پھلا پھولا ؛ پھیلا ؛ اسے عزت نصیب ہوئی۔ مرتدین کا قلعہ قمع ہوا۔ اور اہل کتاب اور مجوس اور دوسرے کفار کو مغلوب کیا گیا۔ ایسا کچھ ان حضرات کے بعد نہیں ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے کئی سوابق حمیدہ اور متعدد فضائل کی بنا پر فضل و شرف سے سرفراز کیا تھا۔ آپ کے شرف و فضل کی وجہ وہ واقعات اور حوادث نہیں تھے جو آپ کے عہد خلافت میں پیش آئے۔ بخلاف حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ان کی فضیلت سابقہ خصائل حمیدہ اور فضائل عدیدہ کے ساتھ ساتھ وہ اعمال بھی تھے جو ان حضرات کے عہد میں پیش آئے جیسے جہاد فی سبیل اللہ ؛ اور قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ اور ان کے علاوہ دیگر لائق صد شکر و تحسین واقعات اور نیکیوں کے کام۔ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سیرت و کردار اور اپنے باطن کے لحاظ سے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی نسبت بہت زیادہ افضل و اشرف تھے۔ یہ وجہ ہے کہ یہ حضرات ملامت سے بہت زیادہ دور تھے۔ اور عموم ثنا کے زیادہ مستحق تھے۔ حتی کہ ان کے دور میں کوئی فتنہ پیش نہیں آیا۔ ان حضرات کے زمانہ میں خوارج کی نہ ہی کوئی بات تھی۔ اور نہ ہی انہیں طاقت یا غلبہ حاصل تھا۔ بلکہ تمام مسلمانوں کی تلواریں کفار کے خلاف آویزاں تھیں۔ اور اہل ایمان آگے بڑھ رہے تھے جب کہ اہل کفر پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے۔

پھر یہ کہ روافض میں سے اکثر لوگ جہالت اور گمراہ کا شکار ہیں۔ وہ [ان خلفا کے متعلق ] کہتے ہیں : بیشک یہ خلفا اور ان کے ماننے والے کفار اور مرتدین تھے۔ اور یہ کہ یہود و نصاریٰ ان سے زیادہ بہتر تھے۔ اس لیے کہ اصل کافر مرتد کی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



نسبت زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اور میں نے یہ بات ان کی کئی ایک کتابوں میں دیکھی ہے۔ اور یہ قول اللہ کے نیک بندوں اور اللہ تعالیٰ کی کامیاب جماعت اوراس کے غالب لشکر پر بہت بڑا بہتان ہے۔

اس کے فساد کے دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے کہا جائے گا کہ: یہ بات اضطراری طور پر اور متواتر اخبار کی روشنی میں معلوم ہے کہ بلا شک وشبہ مہاجرین نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ اور جس گروہ نے ہجرت کی ان میں سے حضرت عثمان ؛ جعفر بن ابی طالب نے دو ہجرتیں کیں ایک حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ کی طرف۔ اس وقت مسلمان بہت تھوڑے تھے اور کفار کا رئے زمین پر غلبہ تھا۔ وہ ان مسلمانوں کو مکہ میں اذیت سے دوچار کرتے تھے۔ اور مسلمان اپنے قریبی مشرک رشتہ داروں اور دوسرے لوگوں سے اتنی تکالیف اٹھاتے جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ وہ ان تمام تر مصائب اور اذیتوں پر صبر کے پیکر رہے۔ اور تکالیف کا یہ کڑوا گھونٹ پیتے رہے۔ حتی کہ اس راستے میں انہوں نے اپنے گھر بار دوست واحباب ہر چیز کو اللہ اوراس کے رسول کی محبت میں جہاد فی سبیل اللہ میں چھوڑ دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا وصف بیان کیا ہے کہ:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ (الحشر:۸)

''(یہ مال) ان محتاج گھر بار چھوڑنے والوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال باہر کیے گئے۔ وہ اللہ کی طرف سے کچھ فضل اور رضا تلاش کرتے ہیں اور اللہ اوراس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔''

یہ سب کچھ ان کے اپنے اختیار اور رضامندی سے تھا۔ اس پر انہیں کسی نے مجبورا نہیں کیا۔ اور نہ ہی کسی نے اس مقصد کے لیے ان پر کوئی سختی کی۔ بس اس وقت اسلام کمزور تھا ان کے پاس کوئی قوت نہیں تھی کہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرتے۔ اس وقت میں نبی کریم اور آپ کے اتباع کار اللہ کے حکم سے قتال سے روک دیے گئے تھے۔ اور انہیں حکم تھا کہ عفو و درگزر اور صبر سے کام لیں۔ اس دور میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا انہوں نے اپنے اختیار سے قبول کیا اور جنہوں نے ہجرت کی انہوں نے اپنے اختیار سے ہجرت کی۔

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور دوسرے علمائے کرام فرماتے ہیں: مہاجرین میں کوئی ایک بھی منافق نہیں تھا۔ نفاق انصار کے بعض قبائل میں تھا۔ ایسا اس وقت ہوا جب مدینہ طیبہ میں اسلام کو غلبہ نصیب ہوا۔ تو مدینہ کے گردونواح کے کچھ لوگ تقیہ کرتے ہوئے خوف کے مارے اسلام کا اظہار کرنے لگے یہ لوگ منافق تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ﴾[توبة: 101]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''اوران لوگوں میں سے جوتمھارے اردگرد بدویوں میں سے ہیں، کچھ منافق ہیں اور کچھ اہل مدینہ میں سے بھی جونفاق پر اڑ گئے ہیں،تو انھیں نہیں جانتا،ہم ہی انھیں جانتے ہیں۔عنقریب ہم انھیں دوبار عذاب دیں گے۔''

یہی وجہ ہے کہ نفاق کا ذکر صرف مدنی سورتوں میں آیا ہے۔ جب کہ مکی سورتوں میں منافقین کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مکہ مکرمہ میں جولوگ ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے تھے ان میں سے کوئی ایک بھی منافق نہیں تھا۔اور نہ ہی مہاجرین میں کوئی ایک منافق تھا۔ بلکہ سارے کے سارے اللہ اوراس کے رسول پر سچا اور خالص ایمان رکھنے والے اور اللہ اوراس کے رسول سے سچی محبت کرنے والے تھے۔اور اللہ اوراس کا رسول ان کے نزدیک اپنی جان و مال اوراپنے اہل وعیال ہر چیز سے بڑھ کر محبوب تھے۔

اگر ایسا ہوتا تو ان میں سے اکثر پر یا کسی ایک پر یا بعض لوگوں پر یہ تہمت ضرور لگتی اوراس کے بارے میں علم بھی ہوجاتا۔جیسا کہ رافضہ میں سے ایسی باتیں کہنے والے کہتے ہیں۔حالانکہ یہ اتنا بڑا بہتان ہے جوکہ درحقیقت خود رافضہ اور ان کے بھائیوں یہود کی صفت ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ رافضہ اوران کے بھائیوں یہود میں نفاق بہت زیادہ اور ظاہر و غالب ہے۔اورکوئی دوسرا فرقہ ایسا نہیں جس میں اتنا زیادہ اور کھلم کھلا غالب نفاق پایا جاتا ہو۔حتی کہ ان میں نصیریہ اسماعیلیہ اوران کے امثال وہمنوا وہ فرقے پائے جاتے ہیں جو تمام گروہوں سے بڑے منافق وزندیق اور اللہ اوراس کے رسول سے دشمنی رکھنے والے ہیں۔یہی حال ان کے صحابہ کرام کے متعلق مرتد ہونے کے دعوی کا ہے۔یہ سب سے بڑا جھوٹ اور بہتان ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مرتد یا تو شبہ کی وجہ سے مرتد ہوتا ہے یا پھر شہوت کی وجہ سے۔اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ شبہات اور شہوات شروع اسلام میں زیادہ اور طاقتور تھے۔پس جن لوگوں کا ایمان اسلام کی کمزوری کے وقت پہاڑ جیسا ہوتو پھر ان کے ایمان کے بارے میں اسلام کے غالب ہونے اور پھیل جانے کے بعد کیا تصور کیا جا سکتا ہے؟

جہاں تک شہوت کا تعلق ہے تو یہ شہوت خواہ حکومت کی ہو یا مال کی یا نکاح کی یا اس طرح کی دوسری چیز۔تو اسلام کے شروع میں یہ امور اتباع کے زیادہ لائق تھے جب یہ لوگ اپنے گھر بار اور اموال چھوڑ کر اوراپنے جاہ و مرتبہ کو ٹھوکر مار اپنی رضامندی سے بغیر کسی جبر واکراہ کے اللہ اوراس کے رسول کی محبت میں نکل کھڑے ہوئے تو پھر ان کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ مال وہ جاہ کی وجہ سے اللہ اوراس کے رسول سے دشمنی رکھتے تھے۔پھر یہ لوگ دشمن رکھنے پر قدرت رکھنے کی صورت میں؛ اس کے باوجود دشمن کے مقتضیات اوراسباب موجود تھے؛ مگر انہوں نے اللہ اوراس کے رسول سے دشمنی نہیں کی۔ بلکہ یہ لوگ اللہ اوراس کے رسول سے دوست رکھتے تھے۔اور اللہ اوراس کے رسول سے دشمن رکھنے والوں سے دشمن رکھتے تھے۔پس جب اللہ تعالیٰ سے دوستی کے اسباب و مقتضیات مضبوط ہوگئے اور دشمنی رکھنے پر قدرت کے اسباب وامکانیات کمزور پڑ گئے تو اب اس کا الٹ کریں گے۔کیا ایسا گمان بھی کوئی انسان کرسکتا ہے سوائے اس کے جو پرلے درجے کا گمراہ ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب فعل کے ساتھ کمال قدرت اور کمال ارادہ بھی موجود ہوتو اس فعل کا حاصل ہونا واجب

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ہو جاتا ہے۔ شروع اسلام میں رسول اللہ ﷺ سے دشمنی کے ارادہ کے اسباب و تقاضے زیادہ قوی تھے۔ اس لیے کہ اس وقت میں آپ کے دشمن بہت زیادہ تھے اور آپ کے دوست و مددگار بہت کم تھے۔ اور آپ کے دین کو غلبہ بھی حاصل نہیں تھا اور اس وقت آپ کے ساتھ دشمنی کے امکانیات بہت قوی تھے۔ حتی کہ کوئی بھی انسان اپنی زبان سے یا ہاتھ سے تکلیف دینا چاہتا تو وہ براہ راست ایسا کر سکتا تھا۔ لیکن جب اسلام کی نشر و اشاعت ہوئی۔ دشمنی کے تقاضے کمزور ہو گئے۔ اور دشمنی پر قدرت اور امکان بھی کمزور پڑ گیا۔ اور یہ بات تو معلوم شدہ ہے کہ جس نے شروع میں دشمن ترک کی ہو؛ اور پھر بعد میں دشمنی کرنے لگ جائے تو ایسا صرف اس کے ارادہ اور امکان و قدرت میں تبدیلی کی وجہ سے ہوا ہوگا۔ اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ شروع شروع میں دشمنی پر قدرت زیادہ قوی ہو سکتی تھی۔ اور اس وقت دشمن کے ارادہ کے موجبات بھی زیادہ اور اولی تھے۔ اور ان کے پاس کوئی ایسی نئی چیز بھی نہیں آئی جو ان کے ارادہ اور قدرت کی تبدیلی کو واجب کر دے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے ارادہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی جو ان کے لیے دین سے ارتداد کو واجب کرتی ہو۔ اور جو لوگ آپ ﷺ کی موت کے بعد مرتد ہوئے وہ وہ لوگ تھے جو تلوار کے خوف سے مسلمان ہو گئے تھے جیسے مسیلمہ کذاب کے ساتھی اور اہل نجد وغیرہ۔ جب کہ مہاجرین جو کہ اپنی خوشی اور رضامندی سے مسلمان ہوئے تھے ان میں سے کوئی ایک بھی مرتد نہیں ہوا۔ وللّٰہ الحمد۔

اہل مکہ جو کہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے؛ ان میں سے ایک گروہ نے مرتد ہونے کا ارادہ کر لیا تھا؛ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت سہیل بن عمرو کی وجہ سے انہیں ثابت قدم رکھا۔ اہل طائف جن کا محاصرہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد کیا تھا۔ جب انہوں نے اسلام کو غالب ہوتے دیکھا تو وہ بھی مغلوبیت میں مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے بھی مرتد ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان بن ابی العاص کے ذریعہ سے انہیں بھی اسلام پر ثابت قدم رکھا۔

جب کہ اہل مدینہ نبویہ کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ انہوں نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔ اور ان میں مہاجرین بھی تھے اور انصار بھی۔ اور یہ تو وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام کی خاطر لوگوں سے جنگیں لڑیں۔ یہ وجہ ہے کہ اہل مدینہ میں سے کوئی ایک بھی مرتد نہیں ہوا۔ بلکہ ان میں سے غالب لوگ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کمزور پڑ گئے تھے اور ان کے دلوں میں جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں کچھ کمزوری آ گئی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ثابت قدمی دی۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ان کو قوت بخشی۔ اور لوگ اسی ایمان و یقین اور جہاد مع الکفار پر لوٹ آئے۔ پس تمام تر تعریفات اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہیں جس نے اسلام اور اہل اسلام پر صدیق امت کے ذریعہ احسان فرمایا۔ وہ صدیق جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زندگی میں بھی اس دین کی تائید فرمائی اور آپ کی وفات کے بعد بھی اس دین کی حفاظت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے بہترین بدلہ دیں۔ آمین۔

❀❀❀❀

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



## چوتھا منہج :

# احوال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے امامت پر استدلال

## فصل :...... آپ بہت بڑے عابد و زاہد اور حد درجہ عالم و شجاع تھے

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''منہج چہارم: وہ دلائل جو کہ آپ کی امامت پر دلالت کرتے ہیں، اور وہ آپ کے احوال سے مستنبط ہیں، ان کی تعداد بارہ ہے۔''

[پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے احوال سے آپ کی امامت پر استدلال کرتے ہوئے کہتا ہے]: ''آپ بہت بڑے عابد و زاہد اور حد درجہ عالم و شجاع تھے۔'' شیعہ مصنف نے اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چند خوارقِ عادات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور آپ کے کئی فضائل کا ذکر بھی کیا ہے، جن پر رد گزر چکا ہے۔

چنانچہ شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑے زاہد تھے۔''

**[جواب]** : ہم کہتے ہیں: یہ بات بالکل ممتنع ہے۔ جو لوگ حضرات صحابہ کے احوال جانتے ہیں، انہیں علم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑے زاہد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ اس لیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے مالدار اور تاجر تھے؛ اور آپ نے اپنا تمام تجارتی سرمایہ اللہ کی راہ میں دے دیا تھا۔

جب آپ مسند آرائے خلافت ہوئے تو فروخت کے لیے چادریں اپنے کندھے پر ڈالے بازار جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی؛ آپ اپنے بازو پر چادریں رکھے جا رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟

تو آپ نے فرمایا: ''تمہارا کیا خیال ہے کہ میں اپنے بچوں کے لیے رزق کمانا چھوڑ دوں؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی خبر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور مہاجرین صحابہ کو دی۔ انھوں نے آپ کا وظیفہ مقرر کیا۔ آپ نے حضرت عمر و ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما سے قسم لی [کہ کیا ان کے لیے یہ مال لینا حلال ہے؟]۔ تو انہوں نے حلف اٹھا کر بتایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ دو درہم یومیہ لینے کے مجاز ہیں۔ [1]

---

[1] ابوداؤد نے بسند صحیح ہشام بن عروہ سے روایت کیا ہے کہ میرے والد نے بتایا جب ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے تو آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ (طبقات ابن سعد:۳/ ۱۷۲، تاریخ الاسلام للذھبی، (عھد الخلفاء، ص:۱۰۷) عروہ کہتے ہیں مجھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو انھوں نے کوئی درہم و دینار پیچھے نہیں چھوڑا تھا۔ (طبقات ابن سعد:۳/ ۱۹۵)، اسامہ بن زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تجارت میں مشہور تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ ان میں سے آپ غلام آزاد کرتے اور مسلمانوں کی امداد کیا کرتے تھے۔ جب مدینہ پہنچے تو ان میں سے کل پانچ ہزار درہم بچے تھے۔ آپ یہ سرمایہ نیک کاموں پر صرف کیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد(۳/ ۱۷۲)، من طریق الواقدی)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



پھر آپ نے اپنا مال بیت المال میں چھوڑ دیا۔ پھر جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''ان کا مسلمانوں کے بیت المال سے لیا ہوا مال بیت المال کو واپس کر دیا جائے۔''

بعد میں جب اس کی تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ ایک مشک تھی جس کی قیمت پانچ درہم بھی نہیں بنتی تھی۔ اور ایک حبشن لونڈی تھی جو کہ اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ اور ایک حبشی غلام تھا اور ایک اونٹ۔ آپ نے یہ سامان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عیال سے یہ مال بھی واپس لے لیا جائے گا؟

نہیں رب کعبہ کی قسم! ایسا نہیں ہوگا؛ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں بھی بڑی تکالیف اٹھائی ہیں۔ اب ان چیزوں کی قیمت میں ادا کر دوں گا [اور یہ مال ابوبکر کے گھر واپس بھیج دیا جائے]۔

بعض علمائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ تو بڑے زاہد تھے؛ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ سے بڑے زاہد تھے۔ اس لیے کہ اسلام کے شروع میں آپ کا بہت بڑا مال اور بڑی وسیع تجارت تھی؛ جسے آپ نے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا؛ اور خلافت کے دروان آپ کی یہ حالت تھی۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس جو بیت المال کا مال باقی بچ گیا تھا وہ بھی آپ نے واپس کر دیا۔ ابن زنجویہ [ان کا نام حمید بن مخلد ہے یہ بڑے ثقہ راوی اور حافظ حدیث تھے۔ ۲۴۷ھ میں وفات پائی] فرماتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ آغاز اسلام میں تنگ دست تھے۔ آپ پر خرچ کیا جاتا تھا؛ آپ کسی پر خرچ نہیں کر سکتے تھے۔ پھر آپ نے مال سے فائدہ اٹھایا؛ زرعی اراضی، مکانات اور کھجور کے باغات اور اوقاف خرید لیے تھے۔ وفات کے وقت آپ کے ہاں چار بیویاں اور انیس لونڈیاں تھیں۔''

یہ تمام چیزیں آپ کے لیے مباح تھیں۔ وللہ الحمد۔ اور جو مال آپ نے چھوڑا تھا اسے بیت المال میں واپس کرنے کا حکم بھی نہیں دیا۔ آپ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کوئی سونا اور چاندی نہیں چھوڑا۔ سوائے سات سو درہم کے جو کہ آپ کے عطایا میں سے باقی بچ گئے ہیں۔''

اسود بن عامر کہتے ہیں: ہم سے شریک نخعی نے حدیث بیان کی؛ اس نے عاصم بن کلیب سے نقل کیا؛ آپ محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں عہد رسالت میں بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے رہتا تھا۔ اور آج میری ثروت کا یہ عالم ہے کہ میرے مال کی زکوٰۃ چالیس ہزار تک پہنچتی ہے۔'' [رواہ احمد عن حجاج]

ابراہیم بن سعید جوہری روایت کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرے مال کی زکوٰۃ چار ہزار دینار تک پہنچتی ہے۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیشک بہت بڑے زاہد تھے ؛ مگر ان کے زہد کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زہد سے نسبت ہی کیا ہے؟ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کہنے والے کہتے ہیں : ''حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت بڑے زاہد تھے' ۔ یہ کسی جاہل نے جھوٹ بولا ہے۔ زہد کے معنی ہیں: انسان کا دل شہرت و مال ؛ لذات وعیش اور خدم و حشم کی خواہش سے روگردانی کرنا اور اسکے سوا زہد کا اور کوئی مطلب نہیں ۔ زہد کا معنی اسی انسان پر صادق آتا ہے جسکے اندر یہ اوصاف موجود ہوں ۔ مال کی محبت سے بیگانگی کے بارے میں اگر بات ہو تو ہر انسان جسے صحیح روایت کی ذرا بھر بھی اطلاع ہو تو وہ جانتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے بہت بڑے مال دار تھے۔ آپ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ: ''آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے؛ جو سب کے سب اللہ کی راہ میں خرچ کیے۔ اور اللہ کی رضا کے لیے ان مساکین اور کمزور مسلمانوں کو خرید کر آزاد کیا جنہیں ایمان لانے کے جرم میں سزا دی جاتی تھی۔ آپ نے کوئی ایسا سخت کوش غلام آزاد نہیں کیا جو آپ کی حفاظت کرے' بلکہ وہ لوگ آزاد کیے جو کمزور تھے اور انہیں اللہ کی راہ میں تکلیف دی جاتی تھی ۔ یہاں تک کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس صرف چھ ہزار درہم باقی بچ گئے تھے۔ وہ سب آپ نے اپنے ساتھ رکھ لیے [ تا کہ سفر میں کام آئیں گے ]۔ ان میں سے ایک درہم بھی اپنے بچوں کے لیے نہیں چھوڑا۔ اور پھر یہ سارے درہم اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالے۔ اور ان میں سے ایک درہم بھی آپ کے پاس باقی نہیں بچا۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس صرف ایک جبہ باقی بچ گیا تھا۔ جب آپ کہیں پر پڑاؤ ڈالتے تو اسے اپنے لیے بطور بستر بچھا لیتے ؛ اور جب اٹھ جاتے تو اسے اپنے جسم پر پہن لیتے۔ جب کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے مال بھی جمع کیا اور بڑی بڑی جائدادیں بھی خریدیں۔ کئی لوگوں کی یہ جائدادیں ضائع بھی ہوگئیں؛ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اللہ کی رضا کو ترجیح دی اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ اور وہ لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کیے جانے والے مال کی نسبت اپنے پاس بچ جانے والے مال سے زیادہ بے رغبت تھے۔ پھر جب آپ خلافت پر متمکن ہوئے تو نہ ہی آپ نے کوئی لونڈی رکھی اور نہ ہی مال کو وسعت دی۔

اللہ کے مال [ بیت المال ] میں سے جو کچھ اپنے نفس اور اولاد پر خرچ کیا تھا مرتے وقت اس کا شمار کیا؛ تو اس سے آپ کے حق کا کچھ حصہ ہی پورا ہوسکتا تھا۔ مگر پھر بھی آپ نے حکم دیا کہ آپ کو جو حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد اور غزوات کے مال غنیمت اور دیگر تقسیم میں سے ملا ہے' اس سے یہ مال نکال کر بیت المال میں واپس جمع کرا دیا جائے۔

مال و دولت اور لذات سے یہ وہ حقیقی زہد تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے بھی کوئی ایک اس کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا۔ نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نہ ہی کوئی دوسرا صحابی ۔ ہاں مہاجرین [ اور سابقین ] اولین میں سے حضرت ابوذر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما اس کے کسی قدر قریب ہیں ؛ اس لیے کہ وہ اسی راہ پر چلتے رہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں گامزن تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد زہد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ تھا پھر حضرت ابوعبیدہ اور ابوذر کا۔ مال و دولت سے زہد

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کے باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بلند مقام پر فائز تھے۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مالِ حلال کو وسعت دی ۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو اس وقت آپ کی چار بیویاں تھیں اور انیس لونڈیاں۔ خدام اور غلام ان کے علاوہ تھے۔اوروفات کے وقت آپ کی اولاد بچوں اور بچیوں کی تعداد چوبیس تھی۔ اور ان کے لیے اتنی تعداد میں باغات اور زمینیں چھوڑیں جن کی وجہ سے ان کا شمار خاندان کے دولت منداورخوش حال ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔ یہ بات اتنی مشہور ہے کہ تاریخ وحقائق کا ادنی علم رکھنے والا انسان بھی اس سے انکارنہیں کرسکتا۔آپ کی جملہ جاگیروں میں سے ینبع کی جاگیر بھی تھی۔[امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں]:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اراضی میں سے ایک ینبع کی جاگیر تھی، جوکہ آپ نے صدقہ کردی تھی؛ جہاں سے باقی غلہ کے علاوہ ایک ہزار وَسق کھجور کی آمدنی ہوتی تھی۔''

جب کہ بچوں اور خدام وحشم کی طرف آپ کا میلان بھی اتنا ظاہر ہے کہ بیان کی ضرورت نہیں۔اور یہ اس قدر مشہور بات ہے کہ کسی ادنی علم رکھنے والے کو بھی اس سے مجال انکارنہیں۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اقارب میں حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ شامل تھے جوکہ سابقین اولین ومہاجرین [اورعشرہ مبشرہ] میں شمار ہوتے تھے۔آپ کو فضائل اسلام کے ہر باب میں فضیلت حاصل تھی۔اورآپ کے بیٹوں میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ جیسے ہونہار بھی تھے۔جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحبت؛ ہجرت اورسابق اسلام ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔آپ کی فضیلت صاف ظاہر ہے۔مگراس کے باوجود آپ نے ان میں سے کسی کو بھی کسی علاقہ کا عامل مقررنہیں کیا تھا۔حالانکہ آپ کے عہد خلافت میں یمن اپنی پوری وسعت اور کثرت مال کے ساتھ؛ مکہ ومدینہ وخیبر وبحرین وحضرموت وعمان وطائف ویمامہ اورحجاز کے تمام علاقے آپ کے زیر تسلط تھے۔اگرآپ ان میں سے کسی ایک کو عامل مقرر کرتے تو وہ اس کے اہل بھی تھے۔لیکن آپ کے دل میں محبت کا خوف تھا؛کہیں وہ ذرا بھر بھی خواہشات کی طرف مائل نہ ہوجائیں۔

پھرحضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے نقش قدم پر چلے اوراپنے قبیلہ بنی عدی میں سے کسی کو بھی اتنے وسیع اور بڑے ملک میں کسی عہدہ پر مقررنہیں کیا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام ومصر اورعراق سے لے کرفارس کی تمام شاہی اورخراسان تک تمام علاقے فتح کر لیے تھے۔ آپ نے اپنے قبیلہ کے نعمان بن عدی کومیسان کا عامل مقرر کیا تھا مگر جلد ہی اسے اس منصب سے معزول کردیا۔

حالانکہ بنی عدی میں اتنے مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین موجود تھے کہ قریش کی کسی دوسری شاخ میں اتنے مہاجر نہیں تھے۔اس لیے کہ بنی عدی میں سے کوئی ایک بھی مکہ میں باقی نہیں بچا تھا؛ سارے لوگ مدینہ ہجرت کر گئے تھے۔ان میں سعید بن زید بھی تھے جوکہ سابقین اولین اورمہاجرین صحابہ میں سے تھے۔اورابوجہم بن حذیفہ وخارجہ بن حذیفہ ومعمر بن عبداللہ اوران کے بیٹے اورحضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے لوگ موجود تھے۔

پھرحضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے بعد اپنے بیٹے کو منصب خلافت پر فائز نہیں کیا تھا؛ حالانکہ اس کا شمار صحابہ کرام

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



میں ہوتا ہے۔اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے عبداللہ کو یہ منصب عطا کیا؛ حالانکہ آپ کا شمار فاضل صحابہ کرام میں ہوتا ہے ۔ اور بعض لوگ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو خلافت کا اہل تصور کرتے تھے؛ اور آپ ایسے تھے بھی۔ اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ انھیں خلیفہ مقرر کردیتے تو کسی شخص کو بھی اس پر اعتراض نہ ہوتا۔ تاہم آپ نے اس سے احتراز کیا۔

## [حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صلہ رحمی]:

بخلاف ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اقارب کو عہدہ ہائے جلیلہ تفویض کیے تھے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا' عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو یمن کا' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹوں قثم و معبد کو مکہ و مدینہ کا حاکم بنایا۔ اپنے بھانجے جعدہ بن ہبیرہ [ام ہانی بنت ابی طالب کے بیٹے ہیں] کو خراسان اور اپنے لے پالک اور بیٹے کے بھائی محمد بن ابی بکر کو حاکم مصر مقرر کیا تھا۔ آپ نے اپنے بعد اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اظہار خوشنودی کیا تھا۔ [1] ہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اہلیت و صلاحیت اور استحقاق خلافت کا انکار نہیں کرتے اور نہ ہی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے استحقاق خلافت کا انکار کرتے ہیں۔ تو پھر کوفہ کی امارت کیا چیز ہے؟ البتہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ: زہد یہ بھی تھا کہ عبد اللہ بن عمر اور عبد الرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرح؛ جن پر لوگ متفق بھی تھے؛ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے بھی اسی طرح کا زہد ہوتا۔ اور جس طرح طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو عامل مقرر نہیں کیا گیا تھا؛ [ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اقارب کو بھی عہدے تفویض نہ کرتے]۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ دنیا اور اس کی ہر قسم کی لذات سے ہر طرح سے بے نیاز و زاہد تھے۔ دلائل و براہین سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آپ سے بڑھ کر زاہد اور تارک دنیا تھے۔ ان کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مباحات سے استفادہ کیا کرتے تھے۔

## [حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زہد]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دنیا کو تین طلاقیں دے رکھی تھیں۔ آپ جو کا دلیا کھاتے؛ اور اسے ختم کیا کرتے تھے تاکہ آپ کے بیٹے اس میں سالن نہ ڈال دیں۔ آپ کھردرا اور چھوٹا لباس پہنا کرتے تھے۔ آپ کے کوٹ کو پیوند لگے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے بیٹوں کو اس پیوند کی وجہ سے حیاء آتی تھی۔ آپ کی تلوار کی پیٹی اور نعل کھجور کی چھال سے بنے ہوئے تھے۔ یہی حال آپ کے نعلین کا بھی تھا۔ خطیب خوارزمی نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے سنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے فرما رہے تھے:

[1] یہ شیعہ کا دعویٰ ہے۔ شیعہ کا مذہب و مسلک ائمہ کے بارے میں اسی پر مبنی ہے۔ بخلاف ازیں مسند احمد (۱/۱۳۰)، حدیث نمبر: ۱۰۷۸، میں بروایت عبداللہ بن سبع منقول ہے کہ میں نے سیدنا علی سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ مجھے قتل کیا جائے گا۔ لوگوں نے کہا: ''پھر ہم پر خلیفہ مقرر فرمائیے۔ فرمایا:''نہیں میں تمھیں اسی طرح چھوڑ کر جا رہا ہوں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے۔ اسی طرح مسند احمد (۱/ ۱۵۶)، حدیث: ۱۳۳۹ ، میں تحریر ہے۔ البدایہ والنہایۃ (۵/ ۲۵۰۔ ۲۵۱) پر شقیق بن سلمہ تابعی نیز کتاب مذکور (۷/۳۲۳) پر ثعلبہ بن یزید رافضی سے اسی طرح مروی ہے۔ نیز ملاحظہ فرمائیے۔ السنن الکبریٰ بیہقی (۸/ ۱۴۹)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



''اے علی! اللہ تعالیٰ نے تجھے ایسی زینت سے مزین کیا ہے کہ اس سے بڑھ کر اپنے نزدیک محبوب زینت سے کسی دوسرے انسان کو مزین نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے زہد سے نوازا ہے؛ دنیا کو تمہاری نگاہ میں [بے وقعت اور] مبغوض کر دیا ہے۔ آپ کے لیے فقراء کو محبوب بنا دیا گیا اور تم ان میں سے اپنے متبعین پر راضی ہو گئے۔ اور وہ تجھے اپنا امام ماننے پر رضامندی ظاہر کرتے ہیں۔ اے علی! اس شخص کے لیے بشارت ہو جو تجھ سے محبت رکھے اور تیرے بارے میں سچی بات کہے۔ اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جو تجھ سے بغض رکھے اور تجھ پر جھوٹ باندھے۔''

سُوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ میں عصر کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے سامنے کھٹا دودھ پڑا ہے جس میں سے کھٹی بُو آ رہی تھی۔ آپ کے ہاتھ میں روٹی تھی جس پر جَو کے چھلکے لگے تھے جو میں آپ کے چہرہ پر دیکھ رہا تھا۔ کبھی آپ اسے اپنے ہاتھ سے توڑتے اور اگر ایسا نہ کر سکتے تو اپنے گھٹنے سے توڑتے اور پھر اس دودھ میں ڈال دیتے۔ آپ نے فرمایا: ''آگے آؤ اور ہمارے ساتھ یہ کھانا کھاؤ۔ میں نے کہا: میں روزہ سے ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے: ''جس انسان کو روزہ اس کے پسندیدہ کھانے سے روک دے' اللہ تعالیٰ اسے جنت سے کھانا کھلائیگا اور پانی پلائے گا۔''

آپ کہتے ہیں: میں نے آپ کی ایک لونڈی سے کہا جو کہ وہاں قریب کھڑی تھی؛ اے فضہ! تمہارے لیے ہلاکت ہو! کیا تم اس شیخ کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتیں؟ کیا آپ ان کے لیے آٹا چھان نہیں لیتیں؟ تو اس نے جواب دیا: ''آپ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم آپ کے لیے آٹا نہ چھانیں۔ آپ نے مجھ سے پوچھا: تم نے لونڈی سے کیا کہا؟ تو میں نے آپ کو وہ بات بتا دی۔ آپ فرمانے لگے: ''میرے ماں باپ اس ہستی پر قربان ہوں جس کے لیے کبھی آٹا نہیں چھانا گیا اور نہ ہی کبھی تین دن تک گندم کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا کھایا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔''

ایسے ہی آپ نے ایک دن دو موٹی قمیصیں خریدیں؛ اور اپنے غلام قنبر کو ان میں سے ایک قمیص چن لینے کا اختیار دیا۔ اس نے ایک قمیص اٹھا لی اور دوسری آپ نے پہن لی۔ آپ نے دیکھا کہ اس کے بازو آپ کی انگلیوں سے آگے تک لمبے ہیں تو آپ نے بازو کاٹ کر چھوٹے کر دیئے۔''

ضرار بن ضمرہ کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف بیان کیجیے۔ میں نے کہا:

''مجھے اس سے معاف رکھیئے۔ انہوں نے دوبارہ کہا: آپ کو لازمی ایسا کرنا ہوگا۔

میں نے کہا: اگر ایسا کرنا ضروری ہی ہے تو سنو! حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے دور اندیش اور عالی ہمت اور طاقتور

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تھے۔آپ فیصلہ کن بات کہتے اور عدل وانصاف کی روشنی میں فیصلہ صادر کرتے تھے۔آپ کے پہلوؤں سے علم پھوٹتا اورآپ کی ذات سے حکمت کے چشمے ابلتے تھے۔دنیا کی سرسبزی وشادابی سے نفرت کرتے۔رات اور اس کی وحشت انھیں عزیز تھی۔آپ زیادہ روتے اور اکثر سوچ بچار میں مصروف رہا کرتے تھے۔موٹے جھوٹے لباس کو پسند کرتے اورخشک کھانا کھایا کرتے تھے۔ہمارے ساتھ اس طرح بے تکلف ہوا کرتے تھے جیسے ہم میں سے کوئی شخص ہو۔جب ہم آپ سے کوئی سوال کرتے تو اس کا جواب دیتے؛اور جب ہم دعوت دیتے تو اسے قبول کرتے۔اور اللہ کی قسم! آپ کے ہمارے قریب ہونے اور ہمیں اپنے قریب کرنے اور آپ کی ہیبت و جلال کے باوجود ہم آپ سے بات نہیں کر سکتے تھے۔آپ اہل دین کی تعظیم کرتے اور مسکینوں کو اپنے قریب کرتے۔قوی باطل میں طمع نہ کرسکتا اور کمزور آپ کے ہاں عدل سے مایوس نہ ہوتا۔میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے تھے:''اے دنیا! میرے علاوہ کسی دوسرے کو دھوکہ دینا۔کیا تم میرے سامنے پیش ہونا چاہتی ہو یا میرا شوق رکھتی ہو۔ہائے ہلاکت ہو' میں نے تجھے تین بار طلاق بائنہ دیدی ہے۔میں تمہاری طرف رجوع نہیں کرسکتا۔تیری عمر بہت کم ہے' اور تیرا خطرہ بہت بڑا ہے؛ اور تیری زندگی بڑی حقیر ہے۔آہ! سامان سفر کی کمی اور سفر کی دوری؛ اور راستے کی وحشت!۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ابوالحسن پر رحم فرمائے،اللہ کی قسم! وہ ایسے ہی تھے۔''

پھر پوچھا ضرار! حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تمھیں کس قدر صدمہ ہوا؟

ضرار نے کہا:''اتنا ہی غم جتنا اس شخص کو ہوتا ہے جو اپنی گود میں اپنے بچے کو ذبح کردے نہ تو اس کے آنسو خشک ہوتے ہیں اور نہ غم ہلکا ہوتا ہے۔''(شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا)

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زہد وتقویٰ:

**[جواب]**: بلاشک وشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زہد میں کوئی کلام نہیں۔تاہم یہ کہنا کہ آپ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر زاہد تھے؛ شیعہ کے پیش کردہ دلائل میں اس کے ثبوت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ بلکہ رافضی نے زہد علی رضی اللہ عنہ میں جو دلائل پیش کیے ہیں [وہ جھوٹ کا طومار ہیں] ان میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو اس حق بات پر دلالت کرے جو حضرت میں موجود تھی۔شیعہ کی روایات یا تو جھوٹ کا پلندہ ہیں یا پھر ان میں مدح علی سے متعلق کوئی بات موجود نہیں۔

❀ دنیا کو طلاق دینے والی روایت کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا تھا:

''اے زرد اور گوری چٹی دنیا! میں نے تجھے طلاق دے دی اب جا کر کسی اور کو مبتلائے فریب کر، میں تجھے دوبارہ اپنے گھر میں آباد نہیں کروں گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ان لوگوں سے زاہد تر ہیں جنھوں نے یہ بات نہیں کہی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تھی۔ ہمارے نبی کریم ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے انبیاء سے بھی یہ الفاظ منقول نہیں ہیں؛ حالانکہ یہ لوگ بلا ریب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑے زاہد تھے۔اس لیے کہ جب کوئی انسان زہد اختیار کرے تو اس پر واجب نہیں ہوتا کہ وہ اپنی زبان سے بھی کہے کہ: میں نے زہد اختیار کرلیا ہے۔'' اور زہد کے ہر دعویدار کے لیے ضروری بھی نہیں کہ وہ زاہد ہی ہو۔اور نہ ہی اس کلام کا نہ ہونا زہد کے نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔اور نہ ہی ان الفاظ کا وجود زہد کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔[ایسے الفاظ کہنے کی نسبت خاموش رہنا مناسب تر اور دلیل اخلاص ہے]۔اس لیے کہ ان الفاظ میں شیعہ کے دعوی پر کوئی دلیل موجود نہیں۔

**[اشکال]**:''شیعہ کا یہ قول کہ:''حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ سالن کے بغیر جَو کی روٹی کھایا کرتے تھے۔''

**[جواب]**:''اس میں مذکورہ دعوی پر کوئی دلیل بھی نہیں۔اس کی دو وجوہ ہیں:

پہلی وجہ:...... یہ صاف جھوٹ ہے۔

دوسری وجہ:......اس میں مدح کی کوئی بات نہیں۔نبی کریم ﷺ امام الزہاد تھے،اس کے باوصف آپ کو جو مل جاتا کھا لیا کرتے تھے؛ اور جو چیز موجود نہ ہوتی آپ اس کی تلاش نہیں کیا کرتے تھے۔بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے بکرے اور مرغ کا گوشت کھایا۔آپ شیریں کھانے اور شہد کو پسند فرمایا کرتے تھے،پھل کھایا کرتے تھے۔موجود کھانے کو واپس نہ کرتے،اگر کوئی چیز نہ ملتی تو تکلف نہ کرتے۔ [1] جب کھانا پیش کیا جاتا تو اگر ضرورت ہوتی کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے،غیر موجود کی طلب میں تکلف نہ فرماتے۔بعض اوقات بھوک کی شدت سے شکم پر پتھر بھی باندھ لیا کرتے تھے۔اور بسا اوقات دو دو مہینے گزر جاتے مگر آپ کے گھر میں آگ تک نہ جلتی۔''

بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ مسجد نبوی میں کچھ لوگ جمع تھے۔ان میں سے ایک صحابی کہنے لگے،میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا،دوسرے نے کہا، میں قیام میں مشغول رہوں گا اور آرام نہیں کروں گا۔تیسرے نے کہا میں شادی نہیں کروں گا۔چوتھے نے کہا میں گوشت کھانا ترک کردوں گا۔نبی کریم ﷺ نے یہ باتیں سن کر فرمایا:

''میں تو روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔بیویوں سے نکاح بھی کرتا ہوں اور گوشت بھی کھاتا ہوں جس نے میری سنت سے انحراف کیا اس کا مجھ سے کچھ تعلق نہیں۔'' [2]

---

[1] دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الاطعمة و کتاب الاشربة نیز صحیح مسلم، کتاب الاشربة، وغیرہ۔

[2] البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح(حدیث:٥٠٦٣)، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح، (حدیث:١٤٠١)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا مجھے یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم کہتے ہو کہ میں جب تک زندہ ہوں ہمیشہ رات کو قیام کروں گا۔اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: کیا مجھے خبر نہیں دی گئی تو رات عبادت کرتا ہے اور دن کو روزہ رکھتا ہے میں نے کہا جی ہاں. یا رسول اللہ!اس سے میں صرف خیر اور بھلائی ہی چاہتا ہوں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: آپ کے لیے مہینے میں صرف تین دن روزہ رکھ لینا ہی کافی ہے۔تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ!میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔تو⇦⇦⇦

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے منحرف ہو گئے تھے؟ اور یہ انحراف آپ کے مناقب میں بھی شمار ہونے لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بے رغبتی کرنے میں مدح کا کون سا پہلو ہے؟ پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق میں تھے؛ اس وقت بھی آپ بغیر سالن کے جو کی خشک روٹی ہی کھایا کرتے تھے؛ گندم کی روٹی یا گوشت نہیں کھایا کرتے تھے۔ جب کہ متواتر نقول اس کے خلاف ہیں۔ پھر کیا دیگر صحابہ کرام میں سے بھی کسی ایک نے ایسے کیا ہے؟ یا ان میں سے کسی ایک نے ایسا کرنے کو مستحب کہا ہے؟[ بخلاف ازیں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ کی ذکر کردہ یہ بات غلط ہے]۔

**[اشکال]** : شیعہ کا یہ قول کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کی پیٹی اور نعل کھجور کی چھال سے بنے ہوئے تھے۔''

**[جواب]** : یہ بھی صاف جھوٹ ہے، اوراس میں مدح کا کوئی پہلو بھی نہیں ہے۔ پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک چمڑے کی؛ اور تلوار کا نیام چاندی کا بنا ہوا تھا؛ جس پر سونے کی زرکاری کی گئی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو خوش حالی و فارغ البالی سے نوازا تھا۔ تلوار کے لیے چمڑے کی پیٹی بنانے میں کیا مضائقہ تھا۔ خصوصاً جب کہ حجاز میں چمڑے کی فراوانی ہے، یہ بات قابل تعریف تب ہوتی اگر چمڑا نایاب ہوتا۔

جیسے حضرت ابوامامہ الباھلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب مختلف بلاد و امصار کو اس قوم نے فتح کیا تو ان میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے گھوڑوں کی باگ ڈور رسیوں سے بنی ہوتی تھی اور جن کی رکابیں پٹھوں سے تیار کی جاتی تھیں۔''[1]

حدیث عمار ایک موضوع روایت ہے؛ جبکہ سوید بن غفلہ کی روایت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں ہے۔

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کپڑے خریدے............''

**[جواب]** : یہ حدیث معروف ہے۔ ایسے ہی ضرار بن ضمرہ والی روایت بھی نقل کی گئی ہے۔ ان میں سے کسی ایک روایت میں بھی کوئی ایک ایسی چیز نہیں ہے جس سے آپ کا حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر زاہد ہونا ثابت ہوتا ہو۔ بلکہ جو انسان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی منقول سیرت کا جانکار اور آپ کے زہد و عدل؛ ولایت سے اپنے اقارب کی دوری؛ اور اپنے

⇦⇦ آپ نے فرمایا: تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے رکھ کیونکہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت داد علیہ السلام کے روزے کس طرح تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مہینے ایک قرآن مجید ختم کیا کر میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں تو اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا بیس دنوں میں ایک قرآن مجید پڑھ لیا کر میں نے عرض کیا میں تو اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ دس دن میں ایک قرآن مجید پڑھ لیا کر میں نے عرض کیا میں تو اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تو سات دن میں ایک قرآن مجید پڑھ لیا کر اور اس سے زیادہ اپنے آپ کو مشقت میں مت ڈال. اور ایسے ہی روزہ کے بارے میں کہا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ [صحیح بخاری:ج3:ح 1087]

[1] البخاری، کتاب الجھاد۔ باب ما جاء فی حلیۃ السیوف (حدیث:۲۹۰۹)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بیٹے کا حصہ ان کے ہم مثلوں سے کم رکھنے ؛ اور آپ کے خشک وسوکھی روٹی کھانے کے بارے میں بھی جانتا ہے اسے پتہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی وہ ہستی تھے جنہوں نے قیصر وکسری کے خزانے تقسیم کیے۔ جو کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ تقسیم کرتے تھے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فتوحات کا ایک جزء تھا۔او ر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ پر اسی ہزار درھم قرض تھا۔ یہ معلومات رکھنے والا جانتا ہے کہ کئی وجوہات کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑے زاہد تھے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی بڑے زاہد تھے۔

## فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ عدیم المثال تھے

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے:'' خلاصہ کلام ! حضرت علی رضی اللہ عنہ زہد میں عدیم المثال تھے، نہ ہی کوئی آپ کے مقام کو پاسکا اور نہ ہی کوئی آپ سے سبقت حاصل کرسکا؛ جب آپ ہی سب سے بڑے زاہد تھے تو آپ ہی خلیفہ ہوں گے؛اس لیے کہ مفضول کو تقدیم دینا ممتنع ہے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]**:ہم کہتے ہیں کہ:'' یہ دونوں احتمال باطل ہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بڑھ کر زاہد نہ تھے۔اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جوکوئی زاہد تر ہو وہ امام وخلیفہ بننے کا زیادہ حق دار ہو۔اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اوران کے اہل خانہ کے پاس اتنا مال اور غلام تھے جو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے پاس نہیں تھا۔

عبداللہ بن احمد نے روایت کیا ہے' وہ کہتے ہیں : ہم سے علی بن حکیم نے بیان کیا' ان سے شریک نے حدیث بیان کی ؛ وہ عاصم بن کلیب سے روایت کرتے ہیں؛ آپ حضرت محمد بن کعب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا:'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا؛ اور اپنے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پتھر باندھا کرتا تھا۔اور آج میرے مال کی زکوٰۃ چالیس ہزار تک پہنچتی ہے۔'' [سبق تخریجہ ]۔

یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے؛ لیکن اس روایت کے مقابلہ میں بہتر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آپ عراق میں بھی جو کی سوکھی روٹی کے علاوہ کچھ بھی نہیں کھایا کرتے تھے۔اس لیے کہ اس روایت کی تو کوئی سند ہی نہیں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مال حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے مال سے بہت زیادہ تھا۔ اگر صرف اسی چیز میں مقابلہ کیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کو کیا دیتے اور اہل بیت کو کیا دیتے تھے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ تمام قریش سے زیادہ حضرات اہل بیت کو دیا کرتے تھے۔آپ بنی عدی یا بنی تیم یا قریش کی کسی دوسری شاخ میں اتنا مال تقسیم نہیں کرتے تھے جتنا اہل بیت نبوت میں تقسیم کیا کرتے تھے۔بس صرف یہی ایک بات بھی اس دلیل کے لیے کافی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس وسیع مال موجود تھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوقاف مشہور تھے۔کیا جس انسان کے پاس کچھ بھی موجود نہ ہو وہ وقف کرسکتا ہے؟ [نیز یہ کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت بہت سے غلام لونڈیاں اور کثیر جائداد چھوڑی تھی۔البتہ نقدی صرف سات سو درہم تھی]۔ دوسری طرف حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ فتح خیبر کے موقع پر مال غنیمت سے جو حصہ ملا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تھا وہ اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔[آپ کی کوئی زرعی اراضی نہیں تھی۔ جب شہادت پائی تو اس وقت اسّی ہزار کے مقروض تھے۔]اس کے علاوہ آپ کی کوئی زمین یا جائیداد نہیں تھی۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زمین و جائیداد ینبوع میں بھی تھی۔

## فصل:......[حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کثرت عبادت]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:......

دوم: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں سے بڑھ کر عبادت گزار تھے۔ دن بھر روزہ رکھتے اور راتوں کو قیام کیا کرتے تھے۔ نماز تہجد اور دن کے نوافل لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سیکھے تھے۔ آپ سارا وقت عبادات و وظائف میں بسر کیا کرتے تھے۔ شب و روز میں آپ ایک ہزار رکعات پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے انتہائی ٹھنڈی راتوں میں بھی کبھی قیام اللیل ترک نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے حالت جنگ میں آپ کو دیکھا کہ سورج کا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا: اے امیر المؤمنین ! کیا ہو رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: زوال کا انتظار کر رہا ہوں تاکہ نماز پڑھ لوں۔ میں نے کہا: اس وقت میں نماز؟ تو آپ نے فرمایا: ''ہم تو نماز کی وجہ سے ان سے قتال کرتے ہیں۔ سو آپ ان سخت اوقات و حالات میں بھی پہلے وقت میں نماز پڑھنے سے غافل نہیں ہوئے۔'' اور جب آپ اپنے جسم سے تیر وغیرہ نکالنا چاہتے تو اسے چھوڑ دیتے یہاں تک کہ نماز شروع کرتے؛ پھر آپ باقی تمام چیزوں سے غافل ہو کر صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اور آپ کو کسی قسم کی تکلیف کا کوئی احساس نہ ہوتا۔ آپ نے نماز اور زکوۃ کو جمع کیا۔ آپ نے حالت رکوع میں صدقہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں قرآن نازل کیا جو قیامت تک پڑھا جاتا رہے گا۔ اور آپ نے تین دن تک اپنی اور اپنے بچوں کی روزی صدقہ میں دی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ﴾ ''کیا انسان پر ایسا وقت گزرا ہے۔''[الدھر ۱]

آپ نے دن اور رات میں ؛ خفیہ اور اعلانیہ طور پر صدقہ کیا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کی تو اس سے پہلے صدقہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں قرآن نازل کیا۔ اور آپ نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے ایک ہزار غلام آزاد کیے، آپ مزدوری کر کے جو کچھ کماتے وہ شعب ابی طالب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کیا کرتے تھے۔ جب آپ لوگوں میں سب سے بڑے عابد تھے؛ تو آپ ہی افضل ہوئے؛ لہٰذا آپ ہی امام بھی ہوں گے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: اس کلام میں اتنی من گھڑت اور جھوٹی باتیں ہیں جو صرف اس انسان پر مخفی رہ سکتی ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے احوال سے پرلے درجے کا جاہل ہو۔ حالانکہ یہ سب جھوٹ ہے۔ اور اس میں مدح کا کوئی پہلو بھی نہیں؛ اور نہ ہی اس طرح کی عام جھوٹی کہانیوں میں کوئی فائدہ ہوتا ہے۔

شیعہ مصنف کا یہ کہنا کہ: '' آپ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو قیام کرتے تھے۔'' یہ محض جھوٹ اور آپ پر الزام ہے۔ اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گزر چکا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''لیکن میں تو روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کرتا ہوں ۔ قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں ۔ بیویوں سے نکاح بھی کرتا ہوں ؛ جس نے میری سنت سے انحراف کیا اس کا مجھ سے کچھ تعلق نہیں ۔'' ❶

بخاری و مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دروازے پر دستک دے کر مجھ سے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''کیا تم دونوں بیدار نہیں ہوتے اور نماز نہیں پڑھتے ؟ تو میں نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ! ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں ، جب وہ جگانا چاہتا ہے تو ہمیں جگا دیتا ہے ۔''

یہ سن کر آپ ازراہ افسوس اپنی ران پر ہاتھ مارتے اور یہ کہتے ہوئے واپس تشریف لے گئے کہ: ﴿وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا﴾ ''انسان بڑا جھگڑالو واقع ہوا ہے ۔'' ❷

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رات کو سویا کرتے تھے ۔ نیز یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جگایا ؛ اور آپ کے اسلوب کلام کو پسند نہیں فرمایا تھا ؛ اور آپ یہ کہتے ہوئے واپس پلٹے :

﴿وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا﴾ ''انسان بڑا جھگڑالو واقع ہوا ہے ۔''

**[اشکال]** : شیعہ مصنف کا یہ قول ہے کہ ''لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رات کی نمازیں اور دن کے نوافل سیکھے ۔''

**[جواب]** : اگر شیعہ کی مراد یہ ہے کہ بعض مسلمانوں نے یہ باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سیکھیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ۔ تمام صحابہ نے کچھ نہ کچھ لوگوں کو تعلیم دی ہے ۔ [لوگ ہمیشہ اپنے اکابر سے اچھی باتیں سیکھتے چلے آئے ہیں] اور اگر شیعہ مصنف یہ کہنا چاہتا ہے کہ اکثر [یا سب] لوگوں نے یہ آداب آپ سے سیکھے تو یہ بڑا مکروہ [اور بھونڈا] جھوٹ ہے ۔ [اس لیے کہ صحابہ نے یہ باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی تھیں ، جہاں تک تابعین کا تعلق ہے] ان میں سے اکثر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تک نہ تھا ۔ [ان سے آداب عبادت سیکھنا تو درکنار] ۔ مگر وہ راتوں کے شب بیدار دن کو نمازیں پڑھنے والے تھے ۔ اکثر بلاد اسلامیہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دور میں فتح ہوئے ۔ جیسے شام ' مغرب ' خراسان [وغیرہ] ۔ ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا بھی نہیں تھا ' کچھ سیکھنا تو درکنار رہا ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی حال تھا ۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کی تعلیم پائی ۔ اس قسم کے دعوی صرف اہل کوفہ کے متعلق ممکن ہے ۔ اور ان کے بارے میں بھی سبھی جانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کوفہ آنے سے پہلے ان لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تعلیم پائی تھی ۔ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوفہ آمد سے قبل لوگوں میں علم و عمل کے لحاظ سے سب سے کامل لوگ تھے ۔ یہی حال باقی صحابہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا ہے ۔

**[اشکال]** : شیعہ کا یہ قول کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سب وقت ادعیہ ماثورہ پڑھتے ہوئے گزرتا تھا ۔''

---

❶ البخاری ، کتاب الصوم ۔ باب حق الجسم (ح:۱۹۷۵) مسلم کتاب الصیام ، باب النهی عن صوم (ح:۱۱۵۹) ۔

❷ صحیح مسلم ۔ کتاب صلاۃ المسافرین باب الحث علی صلاۃ اللیل (حدیث:۷۷۵) ۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



**[جواب]**: ہم کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ادعیہ زیادہ تر موضوع ہیں۔ [1]

ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان اور صحابہ کرام کی شان اس سے بہت بلند تھی کہ وہ اس قسم کی دعائیں پڑھا کرتے ۔ ان میں سے کسی دعا کی کوئی سند ہی نہیں ۔ سب سے افضل دعائیں وہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اور ثابت ہیں ۔اوراس امت کے اولین و آخرین میں سے بہترین لوگ یہی دعائیں کیا کرتے تھے۔

**[اشکال ]**: شیعہ کا یہ قول کہ'' حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن اور رات میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے۔''

**[جواب]** : یہ ایسا باطل جھوٹ ہے جس میں مدح کا کوئی پہلو نہیں ۔ بیشک شب و روز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجموعی فرض و نفل نماز چالیس رکعت تھی ۔ ایک امیرِ امت جو لوگوں کے امور متنازعہ فیصلے کرتا اور ان کے سیاسی مصالح میں مشغول رہتا ہو' وہ ایک ہزار رکعت ادا کرنے پر اسی صورت میں قادر ہوسکتا ہے جب وہ کوّے کی طرح ٹھونگے مارنے والی نماز ادا کرتا ہو۔ یہ منافقین کی نماز ہے؛ ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دامن ایسی بے کار نماز سے پاک ہے۔

❀ جہاں تک صفین کی راتوں میں ذکر کا تعلق ہے تو صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:'' وہ اذکار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے سکھائے تھے ؛ جب سے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنے ہیں ؛ کبھی انہیں ترک نہیں کیا۔'' آپ سے پوچھا گیا:''صفین کی راتوں میں بھی؟ تو آپ نے فرمایا:''صفین کی راتوں میں بھی انہیں ترک نہیں کیا؛ سحر کے وقت مجھے یاد آ گیا تو میں نے وہ اذکار پڑھ لیے تھے۔'' [مسند احمد ح:۸۳۸]

❀ جہاں تک آپ کے جسم سے لوہا نکالنے کی بات ہے تو یہ سفید جھوٹ ہے۔کبھی آپ کو ایسے لوہا لگا ہو؛ کسی بھی صحیح روایت سے ثابت نہیں ۔

**[اشکال]**: شیعہ کا یہ قول کہ'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز کے دوران زکوٰۃ ادا کردی تھی۔'' [یعنی نماز اور زکوٰۃ کو جمع کیا]

**[جواب]**: یہ بھی صریح جھوٹ ہے، جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا؛ نیز اس میں مدح کی کوئی بات نہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ایسا کرنا مستحب ہوتا تو اسے مسلمانوں کے لیے مشروع کیا ہوتا۔اور اگر مسلمان نماز میں صدقہ دینے کو مستحب سمجھ رہے ہوتے تو وہ ضرور ایسا کرتے ۔ جب مسلمانوں میں سے کسی ایک نے بھی اس چیز کو مستحب نہیں سمجھا تو پتہ چلا کہ شرعاً نماز میں ایسی حرکت کرنا ناروا [مکروہ] ہے۔

❀ یہی حال نذر ماننے اور چار درہم صدقہ کرنے والے قصہ کا ہے؛ یہ تمام جھوٹ ہے ۔ نیز اس میں مدح کا کوئی پہلو نہیں ۔

---

[1] محمد باقر اصبہانی(۱۰۳۷۔۱۱۱۰ ) نے ادعیہ ماثورہ پر مشتمل ایک کتاب'' زاد المعاد'' نامی ۱۱۰۷ھ میں شاہ حسین صفوی کے لیے تصنیف کی تھی۔ یہ کتاب خلاف دین اکاذیب کا مجموعہ ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



❀ شیعہ مصنف کہتا ہے کہ ’’حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے ایک ہزار غلام آزاد کیے تھے۔‘‘

یہ صریح کذب ہے اور اسے ایک جاہل شخص ہی تسلیم کر سکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار تو کیا ایک سو غلام بھی آزاد نہیں کیے تھے۔ بلکہ اپنی کمائی سے آپ اس کا عشر عشیر بھی انجام نہیں دے سکتے تھے۔ اس لیے کہ آپ کوئی فن نہیں جانتے تھے کہ آپ کمائی کرتے ہوں۔ آپ زیادہ تر یا تو جہاد میں مشغول رہتے تھے یا بعض دوسرے امور میں۔ [آپ کوئی تجارت بھی نہیں کرتے تھے۔ صنعت و حرفت سے نا آشنا تھے، پھر ایک ہزار غلام آزاد کرنا آپ کے لیے کیوں کر ممکن تھا]؟

**[اشکال]** : شیعہ کا یہ قول کہ ’’علی رضی اللہ عنہ مزدوری کر کے شعب ابی طالب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کیا کرتے تھے۔‘‘

**[جواب]**: یہ کئی وجوہات کی بنا پر صریح کذب ہے۔

پہلی وجہ:......بنو ہاشم شعب ابی طالب سے باہر نہیں نکلا کرتے تھے۔ اور وہاں اندر ایسا کوئی شخص نہ تھا جو اجرت دے کر ان سے کام لیتا۔

دوسری وجہ:......حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب بھی گھاٹی میں موجود تھے؛ وہ ان پر خرچ کیا کرتے تھے۔

تیسری وجہ:......حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بڑی مال دار خاتون تھیں، وہ اپنا مال خرچ کرتی تھیں۔

چوتھی وجہ:......حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے کبھی بھی مکہ میں مزدوری نہیں کی۔ مزید براں شعب ابی طالب کی محصوری کے زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ چھوٹے تھے؛ اس وقت ان کی عمر پندرہ سال کے لگ بھگ تھی؛ یا تو ابھی بالغ ہوئے تھے؛ یا پھر حد بلوغت کو بھی نہیں پہنچے تھے [اور آپ کسی مزدوری کے قابل نہ تھے] بلکہ وہاں آپ پر خرچ کیا جاتا تھا۔ یہ خرچ یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے یا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد محترم۔ اس وقت آپ اس مرحلہ میں بھی نہیں پہنچے تھے کہ اپنے آپ پر خرچ کرتے تو پھر کسی دوسرے پر کیسے خرچ کر سکتے تھے۔ نقل متواتر سے ثابت ہے کہ شعب ابی طالب میں حصار کا واقعہ ابو طالب کی زندگی میں پیش آیا تھا۔ اور ابو طالب کا انتقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف جانے سے پہلے ہوا تھا۔ اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موت کے واقعات قریب قریب کے اوقات کے ہیں۔ جبکہ شعب ابی طالب میں دخول شروع اسلام کا واقعہ ہے۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی پیدائش شعب ابی طالب میں حصار کے دوران ہوئی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو ابھی ابن عباس بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد چالیس سال تک زندہ رہے۔ اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ بعث نبوی ہجرت سے تیرہ سال پہلے ہوئی تھی۔ بوقت وفات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیادہ سے زیادہ عمر تریسٹھ سال تھی۔ پس اسلام کے وقت آپ کی حد سے زیادہ عمر دس سال ہو سکتی ہے۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com



# فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ اَعلَمُ النَّاس تھے

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے:''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اعلم الناس تھے۔''

**[جواب]** : ہم کہتے ہیں: اہل سنت والجماعت اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ اہل سنت والجماعت کے علماء کرام رحمہم اللہ کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد''اعلم الناس حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے۔''

کئی علماء کرام نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے عالم تھے۔ اس مسئلہ میں اپنی جگہ پر بڑے وسیع اور مضبوط دلائل ہیں۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی شخص فیصلہ صادر کرتا نہ فتویٰ دیتا اور نہ وعظ کہہ سکتا تھا۔ جب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی دینی معاملہ میں شبہ ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شبہ کا ازالہ کیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات لوگوں پر مشتبہ ہوگئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ شبہ دور کیا تھا۔ پھر انھیں آپ کی تدفین میں شبہ لاحق ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کا ازالہ کیا۔ پھر مانعین زکوٰۃ سے نبرد آزما ہونے کے بارے میں تنازع بپا ہوا تو آپ نے نص کی روشنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس کی حقیقت واضح کی۔ پھر [عمرہ کے لیے مسجد الحرام داخلے کے بارے میں شبہ ہوا؛ کیونکہ] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ﴾ (الفتح:۲۷)

''اگر اللہ نے چاہا تو تم خانہ کعبہ میں کامل امن وامان سے داخل ہوگے۔'' [تو سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شبہ کو رفع کیا]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی تشریح کی تھی کہ:''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اختیار دیا تھا کہ دنیا و آخرت میں سے جسے چاہو پسند کرلے۔''❶

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو بتایا کہ کلالہ کسے کہتے ہیں؛ پھر اس بارے میں کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا۔❷

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے بھی آپ سے [روایت حدیث میں] استفادہ کیا تھا۔ جیسا کہ سنن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں:''جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو جتنا فائدہ اللہ تعالیٰ چاہتے مجھے پہنچاتے؛ اور جب کوئی اور دوسرا شخص مجھے حدیث سناتا تو میں اس سے حلف لیتا؛ جب وہ حلف اٹھاتا تو میں اس کی تصدیق کرتا؛ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے حدیث سنائی اور انھوں نے سچ کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص بھی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر وضوء کرکے دو رکعت نماز ادا کرتا اور اللہ سے اپنے گناہ کی مغفرت طلب کرتا ہے تو اسے بخش دیا جاتا ہے۔''❸

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سدوا الابواب الا باب ابی بکر (ح:۳۶۵٤)، مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (ح:۲۳۸۲)

❷ مصنف عبد الرزاق، (۱۹۱۹۰)، سنن الدارمی (۳/ ۳۶۵-۳۶۶)، سنن کبریٰ بیهقی (٦/ ۲۲٤)

❸ سنن ابی داؤد۔ کتاب الوتر۔ باب فی الاستغفار (ح:۱۵۲۱)، سنن ترمذی کتاب الصلاة، ۔باب ما جاء فی الصلاة عند التوبة (ح:٤٠٦)، سنن ابن ماجة۔ کتاب اقامة الصلوات، باب ما جاء فی صلاة کفارة (ح:۱۳۹۵)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی ایک فتوی بھی ایسا منقول نہیں جو نص کے خلاف ہو۔ جبکہ حضرت عمر، حضرت علی کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ایسے فتاوی منقول ہیں جو نصوص کے خلاف ہیں۔ حتیکہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے حضرت علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف پر ایک مجلد کتاب لکھی ہے۔ اور امام محمد بن نصر المروزی نے ان اختلافات پر ایک بڑی کتاب لکھی ہے۔ صحابہ کرام کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کیساتھ دادا کی میراث میں اختلاف ہوا ہے، مگر حق بات وہی ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمائی ہے۔ ہم نے یہ مسئلہ ایک مستقل کتاب میں بیان کر دیا ہے۔ اس میں ہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول کے صحیح ہونے کی دس وجوہات بیان کی ہیں۔ جب کہ جمہور صحابہ میں سے دس سے زائد حضرات اس مسئلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں۔ جن لوگوں سے اختلاف نقل کیا گیا ہے، ان میں حضرت زید اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما شامل ہیں اور ان کے اقوال بھی اضطراب کا شکار ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

## [فضائل شیخین]:

بہت سے علماء نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑے عالم تھے۔ ان اجماع نقل کرنے والوں میں شافعیہ کے ایک بڑے امام منصور بن عبد الجبار سمعانی مروزی کا نام بھی شامل ہے۔ آپ اپنی کتاب ''تقویم الادلہ'' میں کہتے ہیں: ''علماء اہل سنت کا اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑے عالم تھے۔'' اور ایسے ہوتا بھی کیوں نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فتوی دیتے؛ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے؛ برائی سے منع کرتے؛ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے۔ آپ ایسا اس وقت کیا کرتے جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے نکلتے۔ اور جب آپ نے ہجرت کی۔ اور حنین کے موقعہ پر اور دیگر مغازی میں بھی ایسا ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور آپ کے فرمودات کو برقرار رکھا۔ یہ مرتبہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل فقہ و رائے سے مشورہ کرتے وقت شوری میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو دوسروں پر مقدم رکھا کرتے تھے۔ یہی وہ دو شخصیات تھیں جو علمی مسائل میں گفتگو کیا کرتے تھے؛ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو باقی تمام صحابہ پر مقدم کیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر بدر کے جنگی قیدیوں کے متعلق اور دیگر امور میں مشورہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں فرمایا:

''جب تم دونوں کسی بات پر متفق ہو جاؤ گے تو میں تمہاری مخالفت نہیں کیا کروں گا۔''❶

سنن میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرو۔''❷

---

❶ مسند احمد(٤/ ٢٢٧) ❷ سنن ترمذی، کتاب المناقب باب (١٦/ ٣٥) (حدیث:٣٦٦٢)، سنن ابن ماجۃ۔ المقدمۃ۔ باب فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (حدیث:٩٧)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



یہ مقام ان دو حضرات کے علاوہ کسی کو نہ مل سکا۔ بلکہ آپ نے فرمایا:

''تم پر میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔'' [تخریج گزر چکی ہے]۔

اس میں خلفاء اربعہ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے' اور ان میں سے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اقتداء کے ساتھ بطور خاص ذکر کیا ہے۔ مسلمانوں کے لیے اقوال و افعال کی سنت میں متقدی کا مرتبہ متبع کے مرتبہ سے اوپر ہوتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ دوران سفر بہت سے مسلمان تھے...... ایک لمبی حدیث ہے؛ جس میں آپ نے فرمایا: ''اگر لوگ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اطاعت کریں تو راہ راست پر قائم رہیں گے۔'' [مسلم ۱/۴۷۲]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ وہ کتاب اللہ سے فتوی دیا کرتے؛ جب وہاں کوئی بات نہ ملتی تو سنت میں حل تلاش کرتے؛ اگر وہاں بھی کوئی نص نہ پاتے تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔ یہ معاملہ حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ نہیں کیا کرتے تھے۔ ابن عباس حبر امت تھے؛ اور اپنے زمانہ کے صحابہ میں سب سے بڑے عالم تھے۔ آپ ترجیحاً حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی:

''اے اللہ! اسے دین کا فہم عطا کر اور قرآن کی تفسیر سکھا دے۔'' ❶

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو باقی تمام صحابہ میں خصوصیت حاصل تھی۔ ان میں بھی زیادہ خصوصیت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تھی۔ اس لیے کہ آپ عام طور پر رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ کر علوم دین اور مصالح مسلمین کے بارے میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے؛ آپ فرماتے ہیں: ہم سے ابومعاویہ نے حدیث بیان کی؛ ان سے اعمش نے اور ان سے ابراہیم نے؛ ان سے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختلف امور کے سلسلہ میں بات چیت کیا کرتے تھے، میں بھی ان کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔''

صحیحین میں حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اصحاب صفہ غریب لوگ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا:

''جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو ان میں سے لے جائے۔ اور اگر چار کا ہو تو پانچواں اور چھٹا ان میں سے لے جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین آدمی لے گئے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمی لے گئے۔''

حضرت عبدالرحمن کہتے ہیں: ''......ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کھانا کھایا اور وہیں عشاء کی نماز ادا کی اس کے بعد بھی اتنی دیر ٹھہرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی۔ اس کے بعد اپنے گھر میں آئے ان سے ان کی بی بی

❶ صحیح مسلم، کتاب المساجد۔ باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ (ح:٦٨١)، مطولاً۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نے کہا کہ تمھیں تمہارے مہمانوں سے کس نے روک لیا؟ یا یہ کہ تمہارے مہمان انتظار کر رہے ہیں۔ وہ بولے: کیا تم نے انہیں کھانا نہیں کھلایا؟ انہوں نے کہا: آپ کے آنے تک ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا؛ کھانا ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا مگر انہوں نے نہ مانا......۔'' ❶

ایک روایت میں آپ فرماتے ہیں: ''میرے والد رات کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔ اور ایک موقع پر آپ نے فرمایا: ''ہجرت کے موقع پر میرے اباجی کے سوا آپ ﷺ کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔'' اور جنگ بدر میں سائبان کے نیچے نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔''

[نبی کریم ﷺ نے مرض الموت میں] فرمایا:

''میں سب لوگوں سے زیادہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال اور رفاقت کا ممنون ہوں۔ اگر میں کسی کو گہرا دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔ البتہ اسلامی اخوت و مودّت کسی شخص کے ساتھ مختص نہیں۔'' ❷

یہ سب سے صحیح ترین اور مشہور حدیث ہے جسے کئی صحیح اسناد سے صحاح ستہ میں روایت کیا گیا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، اسی دوران ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے کا کنارہ پکڑے ہوئے اور اپنے دونوں زانوں ننگے کیے ہوئے آئے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگو! تمہارا ساتھی کسی سے جھگڑ پڑا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سلام کے بعد عرض کیا: میرے اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ تنازع تھا۔ میں نے جلد بازی سے کام لیا، پھر مجھے ندامت کا احساس ہوا تو میں نے کہا: ''معاف کر دیجیے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے لیے تیار نہ ہوئے، میں اس مقصد سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا: اے ابوبکر! اللہ تمھیں معاف فرمائے۔''

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نادم ہوئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کو آئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہ پا کر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ڈر کر دوبار کہا: اے اللہ کے رسول! مجھ سے زیادتی سرزد ہوئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا تھا۔ تم نے مجھے جھٹلایا، مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے میری ہمدردی کی۔ اب کیا تم میرے رفیق کو میرے لیے رہنے دو گے یا نہیں؟'' آپ نے دو مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔ اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کسی نے رنج نہ پہنچایا۔'' ❸

---

❶ صحیح بخاری:حدیث نمبر ٥٧٥

❷ بخاری (ح:٣٦٥٤)مسلم، (ح:٢٣٨٢)

❸ البخاری، (ح:٣٦٦١)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آپ خیر کے کام میں سبقت لے گئے تھے۔''

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ابوسفیان نے احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؛ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں سوال کیا تھا؛ اس کے لیے وہ خود اور دیگر تمام لوگ جانتے تھے کہ یہی لوگ اسلام کے اصل سردار ہیں ؛ اور اسلام ان لوگوں کے ساتھ قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے منصب و مقام کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: ''ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو جو درجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حاصل تھا، وہ آپ کی وفات کے بعد بھی اسی مرتبہ پر فائز ہیں۔'' یہ سن کر ہارون نے دوبار کہا: ''اے مالک! آپ نے مجھے تشفی بخش جواب دے دیا۔''

صحبت میں کثرت کے ساتھ اختصاص ؛ کمال مودت و الفت و محبت ؛علم اور دین میں مشارکت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ دوسروں لوگوں سے بڑھ کر اس معاملہ کے حق دار تھے۔ جو کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے احوال سے واقف ہے؛ اس کے لیے یہ بات کھلی ہوئی اور واضح ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ علم و فقہ کے حصول میں اس طرح سے قائم تھے کہ دوسرے لوگ اس سے عاجز آ گئے تھے: آپ باقی لوگوں کے لیے مسائل کی وضاحت کرتے ۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی ایسا قول منقول نہیں جو خلاف نص ہو۔ یہ بات علم میں آپ کے تبحر و مہارت کی نشانی ہے [اس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی علمی فوقیت کا اظہار ہوتا ہے ]۔ جب کہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے کئی اقوال نصوص کے خلاف منقول ہیں اس لیے کہ ان لوگوں تک یہ نصوص [ شرعی دلائل ] نہ پہنچ پائی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نصوص [ شرعی دلائل ] سے موافقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موافقات سے زیادہ ہیں۔ یہ بات ہر وہ انسان جانتا ہے جسے علمی مسائل؛ ان میں علماء کے اقوال اور شرعی ادلہ اور ان کے مراتب کی معرفت ہو۔ اس کی مثال بیوہ کی عدت کو لیجیے۔ اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہی نص کے موافق ہے کسی دوسرے کا نہیں۔ ایسے ہی حرام کا مسئلہ بھی ہے۔ اس مسئلہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام کا قول نصوص [ شرعی دلائل ] کے زیادہ موافق ہے۔ اور ایسے ہی وہ عورت جسے اس کے شوہر نے طلاق کا اختیار دے رکھا ہو؛ اور ایسے ہی وہ عورت جس کا مہر اس کے سپرد کر دیا گیا؛ اور خلیہ؛ بریہ؛ بائین؛ اور طلاق البتہ؛ اور دوسرے بہت سارے فقہی مسائل کا یہی حال ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اُمم سابقہ میں مُلہم موجود تھے، اگر میری امت میں کوئی ملہم من اللہ ہوا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔'' [1]

بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے خواب میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں دودھ تھا، وہ میں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ، (ح:۳۶۸۹)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (ح: ۲۳۹۸)، عن عائشة، رضی اللہ عنہا۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نے پی لیا، یہاں تک کہ سیری کا اثر میرے ناخنوں میں ظاہر ہونے لگا، پھر جو بچ گیا میں نے وہ عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ صحابہ نے عرض کیا: ''پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی؟ فرمایا: ''دودھ سے علم مراد ہے۔'' ❶

ترمذی کی ایک روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں مبعوث نہ کیا گیا ہوتا تو عمر مبعوث ہوتے۔''

ترمذی میں ہی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتے۔'' ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ❷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں پڑھانے کے لیے؛ جو کہ اسلام کا اصلی ستون ہے؛ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنایا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کرنے سے پہلے مناسک حج ادا کرانے کے لیے بھی آپ کو ہی امیر بنایا گیا؛ اور مکہ میں منادی کرائی گئی کہ: اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔

پھر آپ کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو آپ نے پوچھا: کیا امیر بن کر آئے ہو یا مامور بن کر؟ تو عرض کی: مامور بن کر۔ پس اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر امیر مقرر کیا۔ آپ کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات سننے اور حکم ماننے کا حکم دیا تھا۔ یہ اس غزوہ تبوک کے بعد کا واقعہ ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں جانشین مقرر کیا گیا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مرتب کردہ کتاب صدقات سب سے آخری اور صحیح ترین کتاب ہے؛ اسی لیے فقہاء کا اس پر عمل رہا ہے۔ اس کے علاوہ جو کتابیں تھیں؛ وہ متقدم اور منسوخ تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ناسخ ومنسوخ میں بھی دوسروں سے زیادہ علم رکھتے تھے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا:

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ واقف تھے۔'' ❸

ایسے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں کسی بھی مسئلہ میں اختلاف نہیں ہوا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کا فیصلہ کر دیا؛ اور جھگڑا ختم ہو گیا۔ آپ کے زمانے میں کسی ایک بھی ایسے مسئلہ کا علم نہیں ہو سکا جس میں اختلاف ہوا ہو اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے وہ جھگڑا اور اختلاف ختم نہ ہوا ہو۔ مثال کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر آپ کی تدفین؛ میراث؛ لشکر اسامہ کی روانگی؛ مانعین زکوۃ سے جنگ؛ اور ان کے علاوہ دوسرے کئی بڑے مسائل بھی ہیں۔

---

❶ صحيح بخاری، حواله سابق(حديث:٣٦٨١)، صحيح مسلم، حواله سابق (حديث: ٢٣٩١)

❷ سنن ترمذی، كتاب المناقب، باب(١٧/ ٥٢)، (حديث:٣٦٨٦)

❸ صحيح بخاری۔ كتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "سدوا الابواب الا باب ابی بكر" (ح:٣٦٥٤)، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بكر الصديق رضی اللہ عنہ (ح:٢٣٨٢)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



آپ صحیح معنوں میں لوگوں میں رسول اللہ ﷺ کے سچے خلیفہ تھے۔انہیں تعلیم دیتے؛ ان کی اصلاح کرتے ؛ انہیں آشیر باد دیتے؛ اور مسائل کو ایسے دلائل سے واضح کرتے کہ شبہ اٹھ جاتا اور جھگڑا ختم ہو جاتا۔

آپ کے بعد کوئی دوسرا ایسا نہیں آیا جو علم و کمال میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کو پہنچ سکتا ہو۔پس وہ لوگ بعض مسائل میں اختلاف کیا کرتے تھے ؛ جیسا کہ دادا اور بھائی کی میراث میں؛ حرام میں؛ تین طلاق کے مسئلہ میں ؛ متعۃ الحج میں اختلاف ؛ طلاق بائین والی عورت کے نان ونفقہ اور رہائش کے بارے میں اختلاف۔اوران کے علاوہ دیگر ایسے بہت سارے مسائل ہیں جن میں عہدِ ابوبکر رضی اللہ عنہ میں اختلاف نہیں ہوا تھا۔جب کہ حضرت عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ ان کے بہت سارے اقوال میں مخالفت کیا کرتے تھے۔لیکن کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فتوی دیا ہو؛ یا فیصلہ کیا ہو؛ اور لوگوں نے اس میں آپ کی مخالفت کی ہو۔ یہ آپ کے سب سے بڑے عالم ہونے کی نشانی ہے۔

آپ رسول اللہ ﷺ کے قائم مقام بنے' اور آپ نے صحیح معنوں میں اسلام کو قائم کیا ؛ اور کسی چیز میں خلل نہیں ڈالا ؛ بلکہ لوگوں کو اسی دروازہ سے واپس اسلام میں داخل کیا جس سے وہ نکل گئے تھے ؛ حالانکہ اس وقت بہت بڑی تعداد میں آپ کے مخالفین موجود تھے جو کہ مرتد ہو چکے تھے۔ بہت سارے رسوائی چاہنے والے تھے۔مگر آپ کی وجہ سے ان لوگوں کا دین وایمان مکمل ہوا؛ اس باب میں کوئی دوسرا آپ کے برابر نہیں ہوسکتا۔

لوگ آپ کو خلیفہء رسول ﷺ کا خطاب دیا کرتے تھے۔ پھر آپ کی موت سے یہ اتصال لفظی منقطع ہو گیا۔ ابو القاسم سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس وقت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے اسرار لفظی اور معنوی طور پر ظاہر ہوئے:

﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ [التوبۃ ۴۰]

''جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اس لیے کہ لوگوں نے آپ کو خلیفہء رسول اللہ ﷺ کا خطاب دیا تھا جو کہ آپ کی موت کے ساتھ ہی منقطع ہو گیا۔

مزید برآں یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بعض سنتوں کی تعلیم پائی۔ جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سیکھا۔اس کی وضاحت اس چیز سے ہوتی ہے کہ وہ علمائے کوفہ جنہوں نے حضرت عمرو علی رضی اللہ عنہما کی صحبت پائی ؛ جیسے: علقمہ ؛ الاسود؛ شریح وغیرہم ؛ یہ حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ جبکہ مکہ و مدینہ اور بصرہ کے تابعین کے ہاں تو یہ بات اتنی زیادہ ظاہر و مشہور تھی کہ اس کے ذکر کی ضرورت ہی نہیں۔ بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم کوفہ میں آپ کی مدت خلافت کے قیام کے لحاظ سے ظاہر ہوا۔وہ تمام شیعان علی رضی اللہ عنہ جو آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے؛ ان میں سے کسی ایک سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ آپ کو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر علم وعمل ؛ فقہ اور دین میں سے کسی ایک چیز میں بھی ترجیح دیتا ہو۔ بلکہ وہ تمام شیعہ جو آپ کے ساتھ مل کر شریک جنگ تھے ؛ ان کا عام مسلمانوں کے ساتھ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت وتقدیم پر اتفاق تھا۔سوائے ان چند

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



لوگوں کے جو آپ کی بات بھی نہیں مانتے تھے ؛ بلکہ آپ کو برا بھلا کہتے ؛ حقیر جانتے اور مذمت کرتے تھے۔اس وقت یہ قلیل تعداد چند ایک حقیر قسم کے اوباش تھے جن کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔

یہ تین قسم کے لوگ تھے:ان میں سے ایک گروہ وہ تھا جنہوں نے آپ کی شان میں غلو کیا' اور آپ کے رب ہونے کا دعوی کرنے لگے۔ان لوگوں کو آپ نے آگ میں جلا ڈالا تھا۔

ان میں سے ایک دوسرا گروہ ایسا بھی تھا جنہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کا اظہار کیا ؛ ان کا سرغنہ عبداللہ بن سباء تھا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے قتل کرنا چاہتے تھے ؛ مگر وہ مدائن کی طرف بھاگ گیا۔

ایک گروہ آپ کی فضیلت کا قائل تھا ؛ جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا:

''جس شخص کے متعلق مجھے پتہ چلا کہ وہ مجھے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس پر حد قذف قائم کروں گا۔''[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تقریباً اسی مختلف طرق سے مروی ہے انھوں نے کوفہ میں اپنے منبر پر فرمایا:

''لوگو آگاہ ہو جاؤ! اس امت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہستیاں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔''

امام بخاری اور دوسرے محدثین نے ہمدان کے کچھ لوگوں سے روایت کیا ہے ؛ جو کے آپ کے خواص سمجھے جاتے تھے ؛ جن کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''اگر میں جنت کا دربان ہوتا تو ہمدانیوں سے کہتا: سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔''

ان لوگوں نے محمد بن حنفیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا بیٹا! کیا تجھے یہ بات معلوم نہیں؟ میں نے کہا: ''نہیں'' فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ '' میں نے عرض کیا ان کے بعد کون ؟ فرمایا: عمر۔میں نے کہا: پھر اسکے بعد آپ ہیں ؟ فرمایا: ''بیشک تمہارا باپ تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہے۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((حدثنا محمد بن کثیر؛ حدثنا سفیان الثوری ، حدثنا جامِع بن شداد ، حدثنا أبو یُعلی منذِر الثوری ، عن محمدِ ابنِ الحنفِیۃِ ، قال: قلت لِأبِی: یا أبتِ من خیر الناسِ بعد رسولِ اللہِ صلی اللہ علیہِ وسلم ؟ فقال: یا بنی! أوما تعرِف؟ فقلت: لا ، فقال: أبو بکر ، قلت: ثم من؟ قال: ثم عمر۔ ))

''محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں کہ:''میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے میرے اباجی! نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] المحلی لابن حزم (۱۱/ ۲۸۶)۔

[2] البخاری ، ...... باب قول النبی ﷺ ''لو کنت متخذاً خلیلاً'' (ح:۳۶۷۱)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا بیٹا! کیا تجھے یہ بات معلوم نہیں؟ میں نے کہا: ''نہیں'' فرمایا:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ '' میں نے عرض کیا: ان کے بعد کون؟ فرمایا: ''عمر رضی اللہ عنہ ۔''

یہ باتیں آپ اپنے بیٹے سے کہہ رہے ہیں جس سے کوئی تقیہ بھی نہیں کر رہے۔ اور اپنے خواص لوگوں کو بتا رہے ہیں اور اس انسان کو سزا دینے کا اعلان کرتے ہیں جو آپ کو حضرات شیخین پر فضیلت دیتا ہے؛ آپ کی نظر میں وہ تہمت باز ہے۔ جب کہ متواضع کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان لوگوں کو سزا دے جو آپ کو حضرات شیخین پر فضیلت دیتا ہو؛ اس لیے کہ وہ حق بات کہہ رہا ہے؛ اور نہ ہی اسے مفتری [تہمت باز] کہنا جائز ہوتا۔''

جو کوئی بھی آپ سے افضل تھا؛ خواہ وہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہو یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے؛ وہ آپ سے بڑا عالم بھی ہے۔ اس لیے کہ فضیلت کی اصل بنیاد علم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [الزمر ۹]

''فرما دیجیے: کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ جو نہیں جانتے۔''

اس مسئلہ پر دلائل بھی بہت زیادہ ہیں اور علماء کرام کا کلام بھی بہت زیادہ ہے۔

### [حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے بڑے قاضی؟]:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ"۔''

''سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔'' اور فیصلہ کرنا علم خصومات و دین کو مستلزم ہے۔''

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں حدیث: "اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ" ثابت نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کی کوئی اسناد معلوم ہیں تاکہ اس سے احتجاج کیا جا سکے۔ اس سے یہ حدیث صحیح تر ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حلال و حرام کے بہت بڑے عالم ہیں۔''[1]

حلال و حرام کا علم دین اسلام میں بڑی اہمیت رکھتا ہے؛ یہ علم حلال و حرام سے زیادہ علم قضاء کو شامل ہے۔ شیعہ کی ذکر کردہ حدیث سنن مشہورہ اور معروف مسانید میں سے کسی ایک میں بھی صحیح یا ضعیف سند کے ساتھ مندرج ہی نہیں۔ یہ جس اسناد کے ساتھ مروی ہے اس میں متہم بالکذب راوی پائے جاتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "عَلِیٌّ اَقْضَانَا" ''حضرت علی رضی اللہ عنہ صحابہ میں ایک بڑے قاضی تھے۔''

بیشک قضاء فصل خصومات کو کہتے ہیں۔ یہ ظاہر کے اعتبار سے ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ فیصلہ حقیقت حال کے برعکس صادر کیا جاتا ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میرے پاس فصل خصومات کے لیے آتے ہو۔ اس بات کا احتمال ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنا نقطہ نظر زیادہ وضاحت سے بیان کر سکتا ہو اور میں جس طرح سنوں اس اعتبار سے اس کے حق میں فیصلہ صادر

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل و زید بن ثابت رضی اللہ عنہما (ح:۳۷۹۰، ۳۷۹۱)، سنن ابن ماجة، المقدمة۔ باب فضائل خباب رضی اللہ عنہ (ح:۱۵۴)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کردوں۔پس یادرکھو جس شخص کے لیے میں نے اس کے مسلمان بھائی کے حق میں سے کچھ فیصلہ کر دیا؛ تو وہ اسے نہ لے۔ بیشک میں نے اسے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دیا ہے۔'' [1]

اس حدیث میں سالار رسل ﷺ نے واضح کیا کہ آپ کے فیصلہ کر دینے سے حلال چیز حرام ہو جاتی ہے نہ حرام چیز حلال ٹھہرتی ہے۔حلال وحرام کا علم ظاہر و باطن دونوں کو شامل ہے۔ جو حلال وحرام کا بڑا عالم ہو وہ دین کا بڑا عالم ہے۔

مزید برآں یہ کہ قضا کی دو اقسام ہیں: ۔ان میں سے ایک قسم یہ ہے کہ دو فریق جھگڑ رہے ہوں ان میں فیصلہ کیا جائے۔ یعنی ایک انسان کسی چیز کا دعوی کر رہا ہے اور دوسرا اس کا منکر ہے؛ تو ان دونوں کے مابین فیصلہ ثبوت کے اعتبار سے ہوگا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ: اس میں کسی کو انکار نہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کے حق کا اعتراف کر رہے ہیں؛ لیکن ان کو علم نہیں کہ دوسرے کا کیا استحقاق ہے۔ مثلاً وراثت میں جھگڑا؛ یا زوجین کا آپس میں حقوق کا جھگڑا یا دو شریک کاروں کا باہمی معاملہ۔

پس یہ علم بھی علم حلال وحرام کا ایک باب ہے۔ جب انہیں کوئی ایسا آدمی فتوی دیدے جس کی بات پر دونوں فریق راضی ہوں تو یہ ان کے لیے کافی ہے۔ پھر ان کے درمیان فیصلہ کرنے کی نوبت نہیں آتی۔فیصلہ کرنے والے کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب وہ اس کا انکار کر رہے ہوں۔ غالب طور پر یہ فسق و فجور کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی نسیان کی وجہ سے بھی۔

پس جن لوگوں کا قضاء کے ساتھ تعلق نہیں ہے؛ انہیں اس علم کی ضرورت بھی نہیں ؛ سوائے چند نیک افراد کے۔جب کہ حلال وحرام کے علم کی ضرورت تمام لوگوں کو ہوتی ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد۔یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فیصلے کرنے کے لیے قاضی بنایا تو ایک سال تک آپ کے پاس دو آدمی بھی اپنا جھگڑا لے کر نہیں آئے۔ اگر اس قسم کے نبی کریم ﷺ کے تمام فیصلوں کو جمع وشمار کیا تو ان کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچتی۔تو پھر اس کی اُس حلال وحرام کے سامنے کیا اہمیت ہے جو دین اسلام کی اصل بنیاد ہے۔ جب کہ خود نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حلال وحرام کے بہت بڑے عالم ہیں۔'' [اس کی تخریج گزر چکی ہے]۔

اس کی سند صحیح تر اور دلالت میں صاف واضح ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ دوسری روایت سے یہ استدلال کرنے والا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بڑے عالم تھے؛ جاہل انسان ہے۔تو پھر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی بڑے عالم تھے۔ حالانکہ وہ حدیث جس میں حضرت معاذ اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے بعض علماء اسے ضعیف کہتے ہیں اور بعض اسے حسن کہتے ہیں۔اور جس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الشهادات باب من اقام البينة بعد اليمين(ح:٢٦٨)، صحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب بيان ان حكم الحاكم لا يغير الباطن، (ح: ١٧١٣)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ذکر ہے، وہ سرے سے ضعیف اور باطل ہے۔

## [حدیث "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ" کی حیثیت]:

شیعہ کی پیش کردہ حدیث "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا" حد درجہ ضعیف اور واہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ اسے ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ تاہم یہ موضوعات میں شمار کی جاتی ہے۔[1]

ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس کے جملہ طرق موضوع ہیں۔"

اس کا متن خود اس کے موضوع ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات علم کا شہر ہوئی اور اس کا دروازہ صرف ایک (حضرت علی رضی اللہ عنہ) ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و ارشادات کے مبلغ صرف علی رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ اس سے دین اسلام کا فساد لازم آتا ہے۔ اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم پہنچانے کے لیے صرف ایک شخصیت کا ہونا جائز اور کافی نہیں؛ بلکہ آپ کے اقوال و ارشادات کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے اتنے کثیر التعداد لوگ ہونے چاہئیں کہ جن سے غائب لوگوں تک خبر متواتر حاصل ہو۔ اس لیے کہ خبر واحد سے قرائن کے بغیر علم حاصل نہیں ہوتا۔ اور کبھی خبر واحد اکثر لوگوں سے منتفی یا مخفی ہوتی ہے۔ پس انہیں وہ علم حاصل نہیں ہوتا جو قرآن اور احادیث [وسنن] متواترہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اگر شیعہ کہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگرچہ واحد ہیں، مگر معصوم ہیں، اس لیے آپ کی خبر سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ شیعہ پہلے آپ کا معصوم ہونا ثابت کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معصومیت ان ہی کے قول سے ثابت نہیں ہو جائے گی؛ اس دعوی سے پہلے عصمت کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ اس طرح کرنے سے دور لازم آتا ہے۔

اجماع سے بھی آپ کا معصوم ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ آپ کی معصومیت پر اجماع منعقد نہیں ہوا۔ اگرچہ امامیہ کے ہاں اجماع اس لیے حجت ہے کہ اس میں امام معصوم کی رائے بھی شامل ہے۔ مگر بات پھر وہیں پہنچتی ہے کہ صرف اس دعوی کرنے سے کام نہیں بنے گا اس پر معصوم ہونے کے لیے ثبوت بھی چاہیے۔ پس معلوم ہوا کہ اگر دعوی عصمت حق ہوتا تو امام معصوم کے خبر دینے کے علاوہ بھی کسی ذریعہ سے اس کا علم ہونا ضروری تھا۔

پھر یہ بھی ہے کہ اگر اس شہر علم کا آپ کے علاوہ کوئی دروازہ نہ بھی ہوتو تب بھی اس سے نہ ہی عصمت ثابت ہوگی اور نہ ہی باقی امور دین۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت کسی زندیق نے گھڑ لی ہے؛ جسے جاہل لوگ مدح خیال کرتے ہیں؛ حالانکہ اس سے اسلام میں قدح لازم آتی ہے؛ اس لیے کہ دین اسلام صرف ایک فرد واحد سے نہیں پھیلا۔

پھر یہ بات متواتر حقائق کے بھی خلاف ہے۔ یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب و سنت کا جو علم اکناف عالم پر محیط اسلامی شہروں میں پھیلا تھا اور اس سے سب کرۂ ارضی معمور ہو چکا تھا؛ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ

---

[1] سنن ترمذی کتاب المناقب، باب (۲۰/ ۷۳)، (حدیث:۳۷۲۳)، بلفظ "انا دار الحکمۃ و علی بابھا" و سندہ ضعیف، شریک قاضی راوی مدلس ہے۔ مستدرك حاکم(۳/ ۱۲۶، ۱۲۷) باسناد أخر ضعیفۃ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



دوسرے لوگوں کا بڑا کردار ہے۔ اہل مکہ اور اہل مدینہ کے احوال تو صاف ظاہر ہیں [کسی بیان کی ضرورت نہیں]۔ یہی حال اہل بصرہ اور شام کا بھی ہے۔ ان شہروں کے علماء کی نبی کریم ﷺ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منفرد روایات حد درجہ قلیل ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم کی غالب روایات اہل کوفہ کے ہاں ہیں۔

اہل کوفہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مسند خلافت پر متمکن ہونے سے بھی پہلے قرآن وسنت جانتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو بہت بعد میں آئے۔

[پھر یہ بات کیوں کر صحیح ہوسکتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی نبی کریم ﷺ کے علم کا واحد دروازہ تھے]۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فقہاء مدینہ [میں اجلہ التابعین وہ تھے] جنہوں نے خلافت فاروقی میں اکتساب علم کیا۔ [جو خلافت عثمانی سے بھی پہلے کے تربیت یافتہ تھے نہ کہ علوی خلافت کے۔ ایسے ہی] حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اہل یمن کو جو تعلیم دی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعلیمات سے بہت بڑھ کر تھی؛ اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ عرصہ یمن میں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل یمن کی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایات سے بڑھ کر ہیں۔ حضرت شریح اور دوسرے اکابر تابعین نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ وارد کوفہ ہوئے تو [وہاں جلیل القدر تابعین کی خاصی تعداد موجود تھی۔ مثلاً] شریح وہاں کے قاضی تھے: انہوں نے اور عبیدہ سلیمانی [اور دوسرے فقہاء جیسے علقمہ، مسروق اور ان کے نظائر و امثال] نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہاتھوں پر تربیت حاصل کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کوفہ آنے سے پہلے کوفہ اور دوسرے شہروں میں اسلام اور اسلامی تعلیمات پھیل چکے تھے۔

امام محمد بن حزم رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''روافض میں سے بہت سارے لوگ یہ کہتے ہیں کہ:'' حضرت علی رضی اللہ عنہ اعلم الناس تھے'' حالانکہ یہ جھوٹ ہے۔ کسی صحابی کے علم کا پتہ دو باتوں میں سے کسی ایک بات سے چلتا ہے؛ ان کے علاوہ کوئی تیسری بات نہیں:
>
> پہلی بات: اس کے فتاویٰ وروایات کی تعداد کس قدر ہے۔
>
> دوسری بات: نبی کریم ﷺ نے کس حد تک اسے مختلف کاموں پر مامور کیا۔''

یہ بات انتہائی محال اور باطل ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی ایسے انسان کو ذمہ داری سونپیں جسے کوئی علم ہی نہ ہو۔ یہ [حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی] وسعت علم کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس لیے کہ جب ہم اس بات کو جانچ پرکھ کر دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی پوری بیماری کے دوران نمازوں کا امام مقرر کیا تھا۔ حالانکہ اس وقت حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابی ابن کعب اور دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین موجود تھے۔ یہ غزوہ تبوک کو جاتے وقت جب آپ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کرنے سے مختلف ہے۔ اس لیے کہ مدینہ میں اس وقت صرف [معذور لوگ اور] بچے اور عورتیں تھیں۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام مقرر کرنے سے یہ بات ضرورت کے تحت

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



وجوباً معلوم اور واضح ہوتی ہے کہ آپ دیگر صحابہ کی نسبت نماز کے مسائل سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے اور نماز دین اسلام کا رکن رکین ہے۔ مزید برآں کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ وصدقات کی وصولی پر بھی مقرر فرمایا تھا؛ تو یہ بھی ضرورت کے تحت وجوباً معلوم ہوگیا کہ آپ کو زکوٰۃ وصدقات کے احکام کا بھی علم تھا۔ جیسے کہ آپ کے علاوہ دوسرے کافی تعداد میں صحابہ اس علم سے بہرہ ور تھے۔ ان صحابہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا علم زیادہ ہی ہوسکتا ہے کم نہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے لوگوں کو بھی زکوٰۃ کی وصولی پر عامل مقرر کیا تھا۔ اور نبی کریم ﷺ صرف اسی انسان کو ذمہ داری تفویض کرتے تھے جسے اپنی ذمہ داری سے متعلق شرعی مسائل کا علم ہوتا تھا۔ زکوٰۃ نماز کے بعد اسلام کا ایک اور بڑا رکن ہے۔

ہمارے اس دعوی پر کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مسائل زکوٰۃ کا پورا پورا علم تھا؛ دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں وارد صحیح احادیث جن کے خلاف کرنا جائز نہیں' وہ حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی روایات ہیں۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے منقول روایات میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ اور ان میں ایسی چیزیں بھی ہیں جنہیں جملہ طور پر فقہاء نے ترک کردیا ہے۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ پچیس اونٹوں پر ایک بکری زکوٰۃ ہے۔

علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کیا تھا۔ اس سے ضرورت کے تحت وجوباً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ حج کے مسائل کو دیگر صحابہ کی نسبت بہتر طور پر اور زیادہ جانتے تھے۔ حج بھی اسلام کا ایک رکن ہے۔

علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لشکر کا سپہ سالار بھی بنایا تھا۔ اس سے صحت کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ دیگر تمام سالار مجاہدین کی طرح جہاد کے احکام و مسائل سے بھی آگاہ تھے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ ذمہ داری صرف اہل علم کو تفویض فرمایا کرتے تھے۔ اور اس ضمن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پایہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا دیگر سالاران لشکر سے کسی طرح بھی فروتر نہ تھا۔ جب علمی مسائل صلوٰۃ وزکوٰۃ اور حج کے احکام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تفوق ثابت ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد کے مسائل جاننے میں آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پیچھے نہ تھے تو اس سے آپ کا علمی پایہ واضح ہوجاتا ہے۔

جہاں تک روایت اور فتوی کا تعلق ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بعد زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ نے صرف دو سال چھ ماہ کا عرصہ مہلت پائی۔ اس عرصہ میں آپ حج اور عمرہ کے علاوہ مدینہ طیبہ سے باہر نہیں نکلے۔ اور لوگوں کو آپ کے پاس موجود نبی کریم ﷺ کی روایات کی ضرورت بہت ہی کم پیش آئی۔ اس لیے کہ آپ کے گرد ونواح میں جتنے بھی لوگ تھے انہوں نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا تھا۔ پس یہی وجہ ہے کہ آپ سے منقول روایات کی تعداد دو سو بیالیس ہے۔ جو کہ سند کے ساتھ منقول ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول روایات کی تعداد پانچ سو اڑسٹھ مسند حدیث ہے۔ ان میں سے پچاس احادیث صحیح ہیں۔ حالانکہ آپ نبی کریم ﷺ کے بعد تقریباً تیس سال کا عرصہ زندہ رہے۔ اس عرصہ میں آپ صفین سے بھی گزرے اور کئی سال کوفہ میں بھی گزارے۔ بصرہ بھی گئے اور مدینہ میں بھی لمبا عرصہ گزارا۔ اگر ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی کی نسبت آپ کی زندگی اور شہر شہر اور بستیوں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



میں آمد و رفت کو شمار کریں کہ آپ سے احادیث سننے والے کس کثرت سے تھیاور پھر ان کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایات سے مقابلہ کریں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتاوی کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فتاوی سے تقابل کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ہر اعتبار سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایات اور فتاوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ بنتے ہیں۔ اور ہر ذی علم پر یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت کئی گنا زیادہ علم تھا۔

اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام میں سے جس نے کم عمر پائی ہے اس سے منقول روایات کی تعداد بھی بہت کم ہے۔ اور جس نے طویل عمر پائی اس سے روایات بھی کثرت کے ساتھ منقول ہیں۔ سوائے ان چند صحابہ کے جن کی طرف سے دوسروں نے لوگوں کو تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد سترہ سال اور چند ماہ تک زندہ رہے۔ مسند عمر میں پانچ سو تہتر احادیث ہیں۔ ان میں سے تقریباً پچاس احادیث صحیح ہیں۔ یعنی جتنی صحیح احادیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ تو اتنے بڑے عرصہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیادہ روایات کی تعداد صرف انچاس ہے۔ اور جب کہ صحیح میں صرف ایک یا دو احادیث زائد ہیں۔

جب فقہ کے ابواب کو دیکھا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فتاوی ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتاوی کے برابر ہیں۔ اور جب ہم ان کے درمیان مدت کی نسبت نکالتے ہیں اور مختلف شہروں میں گردش کو دیکھیں اور پھر احادیث کا مقابلہ کریں اور فتاوی کے مقابلہ میں فتاوی کو دیکھیں تو ہر باشعور اور عقل مند کو اس بات کا علم ضروری حاصل ہو جائے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت کئی گنا زیادہ علم تھا۔

ہم مسند عائشہ میں دیکھتے ہیں کہ دو ہزار دو سو دس مسند احادیث ہیں۔ اور حضرت ابوہریرہ کی مسند میں پانچ ہزار تین سو چوہتر مسند احادیث ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ مسند ابن عمر میں اور مسند انس میں مسند عائشہ کے قریب قریب احادیث ہیں۔ اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مسند جابر اور مسند ابن عباس میں سے ہر ایک میں پندرہ سو سے زیادہ احادیث ہیں۔ اور حضرت ابن مسعود سے آٹھ سو سے کچھ زیادہ مسند احادیث مروی ہیں۔

یہ جتنے لوگوں کا بھی ہم نے تذکرہ کیا ہے ان میں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی سب کے فتاوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتاوی سے زیادہ ہیں۔ اس سے اس جاہل کا یہ قول باطل ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے بڑے عالم تھے۔

یہاں تک کہ اس نے کہا ہے: اگر وہ یہ کہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خمس پر اور یمن میں قضا پر عامل بنایا تھا؟ تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے: ہاں! حضرت ابوبکر کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کا مشاہدہ علم میں بہت زیادہ قوی اور ثابت تھا اس علم کی نسبت سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس یمن میں تھا۔ ایسے رسول اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کئی سرایا پر عامل بنایا تھا جن میں مال خمس بھی حاصل ہوا۔ اس حکم کے اعتبار سے بغیر کسی شک و شبہ کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم کے مساوی ہوا۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو کوئی ذمہ داری اسی وقت تفویض کرتے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



تھے جب اسے مطلوبہ ذمہ داری کے متعلق علم بھی ہوتا۔ اور یہ بھی صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہد مسعود میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فتوی دیا کرتے تھے۔ اور رسول اللہ کو اس چیز کا علم بھی تھا۔ اور محال ہے کہ ان دونوں حضرات سے بڑھ کر کوئی دوسرا عالم موجود ہو مگر پھر بھی اس اہم منصب پر یہ دو حضرات کام کرتے رہیں۔ جہاں تک یمن کی قضا کا تعلق ہے تو رسول اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو بھی قاضی بنا کر روانہ فرمایا تھا۔ اور اس میں منصب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شریک کار کئی دوسرے لوگ بھی ہیں ان میں سے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غالب طور پر پوری جمہور امت سے علم میں منفرد ہیں۔

## [خلفاء اربعہ کے مسائل و فتاویٰ میں موازنہ]:

پھر یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سفر و حضر میں؛ نشست و برخاست گفت وشنید و قیام میں نبی کریم ﷺ کی صحبت و رفاقت میں رہا کرتے تھے۔ اور اس طرح نبی کریم ﷺ کے فتاوی و احکام سے بذات خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ آگاہ تھے۔ تو صحت کے ساتھ بطور ضرورت معلوم ہوا کہ آپ احکام و مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے۔ علم کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دوسروں پر فائق نہ ہوں یا کم از کم اس میں دوسروں کے برابر نہ ہوں۔ اس سے روافض کا یہ دعوی باطل ثابت ہوگیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام لوگوں سے بڑے عالم تھے۔ وللّٰہ الحمد۔

## [نیوش پر گوش علی رضی اللہ عنہ]:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ﴾ (الحاقة 12)

''اور یاد رکھنے والا کان اسے یاد رکھے۔''

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: یہ حدیث اہل علم کے ہاں بالاتفاق موضوع ہے۔ اور یہ بات بھی اضطراری طور پر معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ صرف ایک کان کے علاوہ کوئی دوسرا اسے یاد نہ رکھے؛ اور نہ ہی اس سے کسی متعین شخص کے کان مراد ہیں۔ یہاں پر مقصود صرف نوع ہے۔ اس میں ہر یاد رکھنے والا کان شامل و داخل ہے۔

## [فطانتِ علی رضی اللہ عنہ]:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نہایت ذہین و فطین اور علم کے بہت بڑے حریص تھے؛ آپ نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہے؛ دن رات میں ہر وقت آپ کی صحبت میں رہتے۔ بچپن سے لے کر تا وفات نبی کریم ﷺ کی سب سے زیادہ کامل صحبت کا شرف حاصل ہوا۔''

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: یہ بات کیسے ثابت ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ ذہین اور ان سے زیادہ شائق علم تھے؟ اور آپ نے ان دونوں حضرات سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ سے استفادہ کیا۔ بخاری و مسلم میں

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اُمم سابقہ میں مُلہَم موجود تھے، اگر میری امت میں کوئی ملہم من اللہ ہوا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔''
ملہم یا محدث وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف الہام ہو؛ یہ بشری تعلیم سے زائد ایک قسم کی تعلیم ہے۔

[بخاری و مسلم کی متعدد احادیث سے بھی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے علم و فضل پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً] متفق علیہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے خواب میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں دودھ تھا، وہ میں نے پی لیا، یہاں تک کہ سیر ہونے کا اثر میرے ناخنوں میں ظاہر ہونے لگا، پھر جو بچ گیا میں نے وہ عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ صحابہ نے عرض کیا: ''پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی؟ فرمایا: ''دودھ سے علم مراد ہے۔''

ایسی کوئی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نہیں ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ انھوں نے قمیصیں پہن رکھی ہیں، بعض کی قمیص سینہ تک پہنچتی ہے اور بعض کی اس سے نیچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب پیش کیے گئے تو وہ قمیص کا دامن کھینچتے ہوئے گزرے۔ لوگوں نے پوچھا: ''پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر کی؟ فرمایا۔ قمیص سے دین مراد ہے۔''[1]

یہ دونوں احادیث صحیح ہیں جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم و دین کی شہادت دیتی ہیں۔ ایسی کوئی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے منقول نہیں ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:

''علم کے نو حصے رخصت ہو گئے اور ایک حصہ باقی رہا، جس میں سب لوگ شریک ہیں۔''[2]

اور اس میں کوئی شک و شبہ والی بات نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام صحابہ سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا التزام کیا کرتے تھے۔ ان کے بعد پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ آتا ہے۔ آپ دیگر تمام صحابہ کی بہ نسبت بشمول حضرت علی رضی اللہ عنہ کے؛ زیادہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں بیٹھا کرتے۔ [اور مسلمانوں کے معاملات میں مشاورت کرتے]

صحیحین میں ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

''جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نعش کو چارپائی پر رکھا گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک جماعت نے اس کا احاطہ کر لیا اور آپ کے لیے دعائے خیر کرنے اور توصیفی کلمات کہنے لگے۔ اتنے میں ایک شخص نے اچانک آ کر میرا کندھا تھام لیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے رحم کی دعا فرمائی اور کہا: ''اے عمر! تو نے اپنے پیچھے کوئی آدمی نہیں چھوڑا جس کے اعمال کو لے کر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال(ح:۲۳)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (ح:۲۳۹۰)

[2] اسد الغابة(٤/ ١٦٦)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا مجھے تجھ سے عزیز تر ہو۔'' ہاں اللہ کی قسم! میرا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں ساتھیوں (نبی کریم ﷺ اور ابوبکر) کے ساتھ ملا دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اکثر سرور کائنات ﷺ کو یہ فرماتے سنا کرتا تھا کہ میں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آئے، میں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما داخل ہوئے؛ میں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نکلے۔'' مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان دونوں ساتھیوں کی ملاقات نصیب کرے گا۔''❶

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رات کو بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کیساتھ مسلمانوں کے مسائل میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

جن مسائل میں حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہوا ہے؛ اکثر طور پر ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہی راجح ہوا کرتا تھا۔ مثلاً حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت کا مسئلہ (عدتِ وفات اور وضع حمل میں سے جس کی مدت بعید تر ہو)؛ اور حرام کا مسئلہ۔ جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اہل مدینہ کا مذہب اہل عراق کے مذہب کی نسبت زیادہ راجح ہے۔

اہل مدینہ غالب طور پر حضرت عمر اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کی اتباع کرتے ہیں جبکہ اہل عراق حضرت ابن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی اتباع کرتے ہیں۔ صورت حال یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو بات بھی کہتے تو اس میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو فتوی ان لوگوں کیساتھ تھا؛ وہ ان کے انفرادی فتوی سے زیادہ قوی ہے۔ جیسا قاضی عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ نے آپ سے کہا تھا:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفقہ رائے آپ کے انفرادی قول سے ہمیں زیادہ عزیز ہے۔'' [تخریج گزر چکی ہے]

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمارے لیے دروازہ کھول دیتے تو ہم اندر داخل ہو جاتے۔ ہم آپ کو سہل و نرم پاتے۔ آپ کے پاس ایک مسئلہ پیش ہوا کہ: ایک آدمی اپنے والدین اور بیوی اور اس کے والدین کو چھوڑ کر مر گیا ہے (اس کی میراث کا کیا حکم ہے؟)۔ تو آپ نے فرمایا: ''لِلأمِ ثلث الباقِی۔'' ''ماں کے لیے باقی کا تیسرا حصہ ہے۔'' پھر حضرت عثمان و علی و ابن مسعود و زید رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی [اس مسئلہ میں] آپ کی اتباع کی۔''

مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تابعین میں سب سے بڑے عالم تھے۔ آپ کے فقہ کی اصل بنیاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان سے اس بارے میں سوال کیا کرتے تھے۔

ترمذی میں [ہی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی] ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتے۔'' ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ [سبق تخریجه]

یہ بھی جان لیجیے کہ اہل کوفہ اور صحاب ابن مسعود، جیسے کہ علقمہ، الاسودِ، شریح، والحارِث بن قیس، وعبیدہ السلمانی، ومسروق، وزِر بنِ حبیش، ابی وائل رحمہم اللہ، اور ان کے علاوہ دیگر بہت سارے علماء ایسے تھے جو عبداللہ بن مسعود اور حضرت

❶ یہ روایت بھی صحیح ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں: البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (ح:۳۶۷۷-۳۶۸۵) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة- باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ (ح:۲۳۸۹)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



عمر رضی اللہ عنہما کے علم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم پر فضیلت دیتے تھے۔ اور ہمیشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے برعکس حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔

## فصل:...... [بچپن کا علم]

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''بچپن میں جو علم حاصل کیا جائے وہ پتھر پر لکیر ہوتا ہے۔ بنا بریں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علوم دوسروں کے علوم سے بڑھ کر ہوں گے۔ نیز اس لیے بھی کہ آپ کے استاد (نبی) ہر لحاظ سے کامل تھے اور شاگرد (علی) میں قبول علم کی استعداد موجود تھی۔'' [انتہیٰ کلام الرافضی]

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: یہ رافضی کے حدیث سے جاہل ہونے کی نشانی ہے۔ یہ ایک عامیانہ کلام ہے، اور حدیث رسول نہیں ہے۔ اس حکایت کے عین برخلاف اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تائید فرمائی تھی؛ انہوں نے امور ایمان کتاب وسنت کا علم [بڑی عمر میں] سیکھا تھا، تاہم اللہ تعالیٰ نے ان پر اس کی تحصیل آسان کر دی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال ہے۔ ابھی وحی تکمیل پذیر نہیں ہوئی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر تیس سال کو پہنچ گئی۔ آپ نے قرآن بڑی عمر میں یاد کیا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پورا قرآن یاد تھا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔

- انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بڑے عالم ہوتے ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کے علاوہ کسی بھی نبی کو چالیس سال کی عمر سے پہلے مبعوث نہیں کیا۔ [یہ علمی و عقلی پختگی کا دور ہوتا ہے]۔
- دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سب کے لیے عام ہوا کرتی تھی۔ اس مقصد کے لیے آپ نے کسی کو خاص نہیں کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھیے انھوں نے صرف تین سال کے عرصہ میں وہ کچھ یاد کر لیا تھا جو دوسرے صحابہ طویل عرصہ میں بھی یاد نہ کر سکے تھے اور آپ دوسرے تمام صحابہ کی نسبت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ زیادہ بیٹھا کرتے تھے۔

## فصل:...... [علوم علی رضی اللہ عنہ سے استفادہ]

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علوم سے استفادہ کیا۔''

**[جواب]** : ہم کہتے ہیں: یہ باطل ہے۔ اس لیے کہ کوفہ جو کہ آپ کا گڑھ تھا وہاں کے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کوفہ آنے سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایمان' قرآن' تفسیر' فقہ' اور سنت سیکھے۔ جب [روایت حدیث میں] کہا جائے کہ: ابوعبدالرحمٰن نے ان پر پڑھا'' اس کا معنی ہے کہ انہیں حدیث پیش کی [اور سکھائی]۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کوفہ آنے سے پہلے قرآن حفظ کر لیا تھا۔[1]

---

[1] ابوعبدالرحمٰن بن حبیب بن ربیعہ السلمی الکوفی القاری۔ ابن سعد نے طبقات ۶/۱۷۲ میں لکھا ہے: آپ نے حضرت علی؛ اور حضرت عبداللہ اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایات نقل کی ہیں۔ سن بہتر ہجری میں نوے سال کی عمر میں کوفہ میں انتقال ہوا۔ آپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



یہ ابو عبدالرحمٰن اور دوسرے علماء اہل کوفہ جیسا کہ علقمہ، الاسود، شریح، والحارث [بن قیس] التیمی ، وزر بن حبیش ، عاصم بن ابی نجود رحمہ اللہ - جس پر قرآن پڑھا گیا - ان لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن سیکھا۔ یہ لوگ مدینہ جاتے تو حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے علم سیکھا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں نے ایسے اکتساب علم نہیں کیا جیسے حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے کیا تھا۔

❀ شریح رحمہ اللہ آپ کے دور کے قاضی تھے جنہوں نے یمن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے تعلیم حاصل کی۔ آپ فقہی مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مناظرہ کیا کرتے تھے' آپ کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ یہی حال قاضی عبیدہ سلمانی کا بھی تھا؛ وہ فرمایا کرتے تھے: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیساتھ آپ کی اجتماعی رائے آپ کی انفرادی رائے سے زیادہ محبوب ہے۔

❀ اہل مکہ و مدینہ نے بھی آپ سے [اتنا زیادہ] علم حاصل نہیں کیا۔ یہی حال اہل شام اور بصرہ کا ہے۔ یہ پانچ بڑے شہر دونوں حجاز؛ دو عراقی شہر اور شام؛ یہاں سے علوم نبوت پھوٹا ہے۔ ایمان و قرآن اور شریعت کے علوم یہاں سے نکلے ہیں۔ ان شہروں کے باسیوں نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اکتساب فیض نہیں کیا۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان شہروں میں ایسے لوگ بھیج دیئے تھے جو انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دیتے۔ اہل شام کے پاس معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ اور اہل عراق کی طرف حضرت عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کو روانہ کیا۔

## فصل :...... [حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علم نحو]

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ علم نحو کے واضع تھے۔ آپ نے ابوالاسود سے کہا تھا۔ کلام کی تین قسمیں ہیں۔ اسم، فعل، حرف۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوالاسود کو اعراب کے اقسام بھی بتائے تھے۔''

**[جواب]** : ہم کہتے ہیں: ''علم نحو، علوم نبوت میں شمار نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک استنباطی علم ہے۔ جو کہ قوانین زبان کی حفاظت کا ایک وسیلہ ہے۔ اس زبان میں قرآن نازل ہوا۔ خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں لوگ اعراب پڑھنے میں غلطی کا ارتکاب نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اس کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے تو وہاں عجمی لوگ بود و باش رکھتے تھے جو اکثر اعراب میں غلطیاں کیا کرتے تھے اس لیے آپ نے علم نحو کی ضرورت محسوس کی۔ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوالاسود سے کہا تھا: اُنحُ ھٰذَا النَّحوَ'' (اسی طریقہ پر چلیے)۔ بنا بریں اس علم کو نحو کے نام سے موسوم کیا گیا۔ جس طرح دوسرے لوگوں (حجاج بن یوسف ثقفی) نے ضرورت کے پیش نظر نقطے' خط نیز مدّ و شدّ وغیرہ علامات ایجاد کیں؛ اور اس طرح کے دیگر علوم بنا بر ضرورت ایجاد کیے۔ پھر اہل کوفہ و بصرہ نے علم نحو کی آبیاری کی اور خلیل نے علم عروض وضع کیا۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



## فصل:...... [فقہاء کی مراجعت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ]

**[اشکال]**: شیعہ لکھتا ہے: ''فقہ میں سب فقہاء حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: ''یہ صاف جھوٹ ہے، ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء میں سے کوئی بھی فقہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع نہیں کرتا تھا۔ جہاں تک امام مالک رحمہ اللہ کا تعلق ہے آپ اہل مدینہ سے اخذ کرتے ہیں اور اہل مدینہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے احتجاج نہیں کرتے، بلکہ وہ فقہاء سبعہ کے اکتساب فیض کرتے تھے جیسے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ و زید وابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے امثال۔ [ان کے اقوال اہل مدینہ کے ہاں سند کا درجہ رکھتے ہیں]۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے آغاز کار میں اہل مکہ مثلاً اصحاب ابن جریج رحمہ اللہ؛ سعید بن سالم القداح؛ مسلم بن خالد الزنجی وغیرہ سے استفادہ کیا۔ اور ابن جریج رحمہ اللہ اصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے عطاء رحمہ اللہ اور دوسرے اصحاب سے اخذ و استفادہ کیا کرتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ مجتہد مطلق تھے۔ اور جب آپ صحابہ کرام میں سے کسی کے قول کے مطابق فتوی دیتے تو وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال ہوا کرتے تھے؛ نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق۔ بلکہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہت ساری باتوں پر رد کیا کرتے تھے۔

پھر امام شافعی رحمہ اللہ نے مدینہ پہنچ کر امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور بعد میں اہل عراق کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا۔ پھر مذہبِ محدثین کی تعلیم پائی اور اسے اپنے لیے اختیار کرلیا۔ جب کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استاذ خاص ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے شاگرد حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ ہیں۔ نخعی علقمہ رضی اللہ عنہ کے تربیت یافتہ تھے اور علقمہ رحمہ اللہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساختہ پر داختہ تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مکہ میں عطاء [ابن ابی رباح] رحمہ اللہ سے بھی استفادہ کیا تھا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ محدثین کے مسلک پر گامزن تھے۔ آپ نے [سفیان] ابن عیینہ سے تعلیم پائی۔ ابن عیینہ عمرو بن دینار کے شاگرد تھے۔ وہ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پروردہ و تربیت یافتہ تھے۔ نیز آپ نے ہشام بن بشیر سے بھی اکتساب فیض کیا تھا۔ ہشام کا شمار حسن بصری اور ابراہیم نخعی کے اصحاب میں ہوتا ہے۔ نیز آپ کے اساتذہ میں سے عبدالرحمن بن مہدی؛، وکیع بن جراح؛ اور ان کے امثال بھی ہیں؛ رحمہم اللہ۔ امام شافعی رحمہ اللہ کیساتھ بھی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے بھی اکتساب علم کیا؛ اور ان کے قول کو پسند فرمایا کرتے تھے۔ ایسے ہی محدث اسحق بن راہویہ اور ابوعُبید رحمہما اللہ بھی اسی شاہ راہ پر گامزن رہے۔

یہی حال امام لیث اور اوزاعی رحمہما اللہ کا بھی ہے؛ ان کی فقہ و علوم اہل مدینہ سے ماخوذ تھے اہل کوفہ سے نہیں۔

## فصل:...... [امام مالک رحمہ اللہ اور علوم حضرت علی رضی اللہ عنہ]

**[اشکال]**: شیعہ لکھتا ہے: ''مالکیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد سے استفادہ کیا۔'' [انتہی کلام الرافضی]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



**[جواب]** : ہم کہتے ہیں: یہ صریح جھوٹ ہے۔[1] موطا امام مالک موجود ہے۔اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد سے چند روایات نقل کی گئی ہیں۔اس میں زیادہ غیر اہل بیت راویوں کی مرویات پائی جاتی ہیں۔اس میں حضرت جعفر سے صرف نو احادیث منقول ہیں۔اور امام مالک نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے امام جعفر کے علاوہ کسی سے بھی حدیث روایت نہیں کی۔اسی طرح کتب حدیث وسنن ومسانید میں زیادہ تر غیر اہل بیت راویوں کی مرویات پائی جاتی ہیں۔

## فصل :......[امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور جعفر صادق رحمہ اللہ علیہ کی شاگردی]

**[اشکال]** : شیعہ مصنف کا یہ قول کہ:''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ نے جعفر صادق رحمہ اللہ علیہ کی شاگردی اختیار کی تھی۔''

[جواب]: یہ ایسا صاف جھوٹ ہے جسے ادنی علم رکھنے والا انسان بھی جانتا ہے۔اس لیے کہ یہ دونوں حضرات معاصر تھے۔امام جعفر رحمہ اللہ علیہ نے [امام صاحب رحمہ اللہ علیہ سے دو سال پہلے] ایک سو اڑتالیس ہجری میں وفات پائی۔جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ نے ایک سو پچاس ہجری میں وفات پائی۔[البتہ ان کا سن ولادت ایک ہی ہے]۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ نے جعفر صادق رحمہ اللہ علیہ کے والد کی زندگی میں فتوی دیا کرتے تھے۔آپ نے حضرت جعفر اور ان کے والد سے ایک مسئلہ بھی نہیں سیکھا تھا۔البتہ ان سے زیادہ معمر لوگوں سے آپ نے استفادہ کیا تھا۔مثلاً عطاء بن ابی رباح،اور ان کے شیخ حماد بن ابی سلیمان اور جعفر بن محمد؛ جو کہ مدینہ میں تھے۔

## فصل :......[امام شافعی رحمہ اللہ علیہ اور محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ علیہ کی شاگردی]

**[اشکال]** : شیعہ مصنف کا یہ قول کہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ علیہ سے استفادہ کیا تھا۔''

**[جواب]** : یہ غلط ہے،ایسا بالکل نہیں؛ بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ محمد بن حسن رحمہ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے؛ان کے طرز فکر ونظر کو جانچا۔ان سے مناظرے کیے [اور ان کی تردید میں کتابیں لکھیں]۔آپ پہلے انسان تھے جنہوں نے محمد بن حسن کے ساتھ کھل کر اختلاف کیا۔اس لیے کہ محمد بن حسن رحمہ اللہ علیہ نے امام مالک رحمہ اللہ علیہ اور اہل مدینہ پر رد کیا تھا[اور الحجة علی أهل المدنية کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی]۔محمد بن حسن رحمہ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اپنے مخالفین پر رد لکھا۔سو امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے ان کی باتوں کو اچھی طرح دیکھا۔اور جو چیز آپ کے سامنے حق تھی کہ اہل مدینہ کا مذہب حق پر ہے' آپ نے اس کی

---

[1] اہل بیت کی مرویات میں چونکہ جھوٹ کا عمل دخل ہو گیا تھا،اس لیے روایت حدیث میں عدالت وضبط کا لحاظ رکھنے والے محدثین اہل بیت علماء سے روایات اخذ کرنے میں احتیاط کیا کرتے تھے۔اہل بیت کے متعصب شیعہ اپنے علماء سے جھوٹی روایات بیان کرنے میں عام طور سے بدنام تھے۔جو احادیث اس عیب سے پاک ہوں ان کے ذکر و بیان میں محدثین کوئی باک نہیں سمجھتے تھے۔اسماء الرجال کے فن کا طالب جو راویان حدیث کے کوائف واحوال معلوم کرنے کا خواہاں ہوں کہ وہ علم حدیث کے علماء وائمہ کے عدل وانصاف سے بخوبی آگاہ ہے۔اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے دیکھیے مقالہ جس کا عنوان ہے:"تسامح اهل السنة فی الروایة عمن یخالفونهم فی العقیدة"(مجلة الازهر، مجلد: ٢٤، ص: ٣٠٦-٣١٢)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



نصرت کی ۔آپ اکثر طور پر اہل حجاز اور محدثین کے مذہب کی تائید کیا کرتے تھے۔ پھر عیسی بن ابان نے امام شافعی رحمہ اللہ کے رد پر ایک کتاب لکھی ؛ اور ابن سریج نے عیسی بن ابان پر رد لکھا۔

ایسے ہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے تعلیم نہیں پائی ۔لیکن آپ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے۔جس طرح کہ امام شافعی رحمہ اللہ محمد بن حسن رحمہ اللہ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے۔ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے استفادہ بھی کیا ہے۔

امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ اصول میں متفق تھے۔ یہ اتفاق محمد بن حسن رحمہ اللہ کے ساتھ اتفاق سے زیادہ تھا۔ امام شافعی احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دس سال سے زیادہ بڑے تھے۔ امام شافعی پہلی بار ۱۸۰ھ کے کچھ عرصہ بعد امام ابو یوسف کی موت کے بعد اور محمد بن حسن کی زندگی میں بغداد تشریف لائے ۔پھر دوسری بار ۱۹۰ھ کے بعد تشریف لائے۔ اس بار آمد کے موقع پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی۔

بہر کیف ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک نے بھی امام جعفر رحمہ اللہ سے مسائل و اصول اخذ نہیں کیے تھے۔ مانا کہ انھوں نے امام جعفر رحمہ اللہ سے چند روایات نقل کی ہیں تو اس سے کئی گنا روایات انھوں نے غیر اہل بیت راویوں سے بھی اخذ کی ہیں۔امام زہری رحمہ اللہ اور امام جعفر رحمہ اللہ کی مرویات کے درمیان کوئی نسبت ہی نہیں ؛ نہ ہی قوت حدیث کے اعتبار سے اور نہ ہی کثرت تعداد کے اعتبار سے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کو بعض احادیث میں اس وقت شک گزرا جب انہیں یہ بات پتہ چلی کہ یحی بن سعید القطان کو ان روایات میں کلام ہے؛ پھر آپ نے وہ احادیث اپنی کتاب ''صحیح بخاری'' میں نقل نہیں کیں۔

یہ حقیقت ہے کہ امام جعفر صادق پر جس قدر بہتان طرازی کی گئی ہے اور کسی پر نہیں کی گئی۔ تاہم ان کا دامن ان اتہامات سے پاک ہے۔[1] چنانچہ شیعہ نے یہ علوم امام جعفر صادق کی طرف منسوب کیے ہیں:

(۱) علم البطاقه۔(۲) علم الهفت۔ (۳) الجدول ۔(٤) اختلاج الاعضاء۔(٥) علم الجفر۔(٦) منافع القرآن۔(٧) الرعود والبروق۔(٨) احكام النجوم۔(٩) القرعه۔(١٠) استقسام بالازلام۔(١١) ملاحم۔كلام على الحوادث؛ اور تفسیر قرآن میں کئی قسم کے اشارات ؛ اور خواب میں سورت پڑھنے کی تعبیر۔ یہ تمام کتابیں آپ کی طرف جھوٹ سے منسوب کی گئی ہیں۔

امام جعفر الصادق رحمہ اللہ نے اپنے والد اور دوسرے لوگوں سے اکتساب فیض کیا تھا؛ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔آپ کے والد نے علی بن الحسین سے علم حاصل کیا تھا۔علی بن حسین نے اپنے والد حسین سے اور ان سے زیادہ دوسرے علماء کرام سے اکتساب فیض کیا تھا۔اس لیے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ سن ۶۱ھ میں شہید کر دیئے گئے تھے ؛ اس وقت حضرت علی رحمہ اللہ چھوٹے تھے۔ جب آپ واپس مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے علماء کرام سے علم حاصل کیا۔ نیز آپ نے امہات المؤمنین حضرت عائشہ ؛ام سلمہ ؛صفیہ ؛ اور حضرت ابن عباس؛ مسور بن مخرمہ ؛ اور ابو رافع مولی النبی ؛ رضی اللہ عنہم اجمعین ؛ مروان بن الحکم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اور سعید بن میسیب رحمہ اللہ وغیرہ سے بھی علم حاصل کیا تھا۔ ایسے ہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد کے علاوہ دوسرے صحابہ اور تابعین تک سے علم حاصل کیا کرتے تھے۔ یہ آپ کا علم و دین تھا۔

علماء کرام رحمہم اللہ نے حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ کی بہت تعریف کی ہے اور بڑے مناقب بیان کیے ہیں۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے علی بن حسین رحمہ اللہ سے افضل مدینہ میں کسی کو نہیں پایا۔''

یحی بن سعید انصاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مدینہ میں سب سے افضل ہاشمی میں نے آپ کو ہی دیکھا ہے۔''

حماد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مدینہ میں میں نے سب سے افضل ہاشمی آپ کو ہی پایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے: اے لوگو! ہم سے اسلام کی محبت کرو۔ تم ہم سے محبت کا مسلسل دعوی کرتے رہے یہاں تک کہ تمہاری محبت ہمارے لیے عار ہوگئی۔'' یہ کلام محمد بن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے۔[۲۱۴/۵]۔

ابن سعد لکھتے ہیں: [علماء نے ] کہا ہے: ''علی بن حسین رحمہ اللہ ثقہ اور مامون تھے؛ کثرت احادیث والے' رفیع الشان اور عالی منزلت کے انسان تھے۔ آپ نے شیبہ بن نعامہ سے روایت نقل کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: علی بن حسین رحمہ اللہ بخل کیا کرتے تھے۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو پتہ چلا کہ چپکے سے اہل مدینہ کے ایک سو گھرانوں کی کفالت کیا کرتے تھے۔

## فصل:......[حضرت امام مالک رحمہ اللہ اور کلام رافضی پر ردّ]

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''امام مالک سے منقول ہے کہ انھوں نے ربیعہ سے پڑھا۔ ربیعہ نے عکرمہ سے عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن عباس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]** : ہم کہتے ہیں: یہ جھوٹ ہے۔ ربیعہ نے عکرمہ سے کچھ نہیں پڑھا تھا؛ بلکہ امام مالک نے اپنی کتاب میں عکرمہ سے ایک دو روایات کے علاوہ کوئی بھی روایت نقل نہیں کی۔ اور نہ ہی اپنی کتاب میں عکرمہ کا کوئی ذکر کیا ہے۔ اس لیے کہ آپ کو یہ بات پتہ چلی تھی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سعید بن میسیّب رحمہ اللہ کو عکرمہ پر کچھ کلام تھا؛ اس لیے آپ نے ان سے روایت نقل کرنا ترک کر دیا تھا۔ ایسے ہی امام مسلم نے بھی ان سے کوئی روایت نقل نہیں کی۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ عکرمہ سعید بن میسیّب رحمہ اللہ اور ان کے امثال فقہاء اہل مدینہ کے شاگرد ہیں۔ سعید رحمہ اللہ نے حضرت عمر، زید بن ثابت

---

1 امام جعفر صادق کے بارے میں شیعہ نے جو جھوٹ تصنیف کیے ہیں، ان میں سے مضحکہ خیز جھوٹ وہ ہے جسے شیعہ کے فخر العلماء محمد بن محمد نعمان المفید نے اپنی کتاب ''الارشادفی تاریخ حجج الله علی العباد'' مطبوعہ ایران، ص: ۱۰۴، پر جعفر بن محمد کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ''امام جعفر صادق نے فرمایا: میرے پاس سیدنا موسیٰ کی تختیاں ہیں، جن پر تورات مکتوب تھی۔ میرے پاس عصائے موسیٰ اور خاتم سلیمان بھی ہے۔ نیز میرے پاس وہ طشتری بھی ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام قربانی دیا کرتے تھے۔'' ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ امام جعفر فی الواقع صادق تھے، مگر شیعہ آپ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین ان کی روایات پر اعتماد نہیں کرتے۔ آج کل کے لوگ امام بخاری پر طعن کرتے ہیں کہ وہ اہل بیت سے بہت تھوڑی روایات نقل کرتے ہیں کیا لوگ یہ چاہتے ہیں کہ امام بخاری اس بات پر مہر تصدیق ثبت کریں کہ عصائے موسیٰ اور قربانی کی طشتری فی الواقع امام جعفر کے پاس موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ ایسے عقائد سے بچائے۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے استفادہ کیا تھا۔اور قضایا میں آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال تلاش کرتے تھے۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ سے سوال کیا کرتے تھے۔

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ موطا امام مالک کے اصول امام ربیعہ کی سند سے سعید ابن مسیّب سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے لیے ہیں۔خلیفہ رشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے کہا تھا: ''آپ نے موطا میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ روایات لی ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بہت کم ہیں''،تو آپ نے جواب میں فرمایا: ''اے امیر المؤمنین آپ ان دونوں میں سے زیادہ صاحب ورع تھے۔'' [یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما]۔

یہ موطا پکار پکار کر بتا رہا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے متعلق اس قسم کی من گھڑت روایات کھلا ہوا جھوٹ ہیں۔

## [ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت علی کی شاگردی رضی اللہ عنہ ]:

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کیا تھا۔''

**[جواب]** : یہ بات بھی غلط ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت کم روایات نقل کی ہیں۔ ان کی اکثر روایات حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہما اکثر امور میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اور بہت سے مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے۔جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس زنادقہ کی ایک جماعت لائی گئی۔آپ نے انہیں جلادیا۔ جب یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو میں کبھی بھی انہیں نہ جلاتا۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے عذاب دینے سے منع فرمایا ہے۔میں انہیں صرف قتل کر دیتا۔اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جو اپنے دین کو بدل ڈالے' اسے قتل کر ڈالو۔'' جب اس بات کی خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے افسوس ہے۔'' [تخریج گزر چکی ہے]

## فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علم کلام

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ علم الکلام کی اصل و اساس ہیں۔آپ کے خطبات سے لوگوں نے علم الکلام حاصل کیا۔لہٰذا لوگ اس فن میں آپ کے شاگرد ہیں۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]** : ہم کہتے ہیں: یہ جھوٹ ہے؛ علاوہ ازیں اس میں فخر کی کوئی بات نہیں۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس علم الکلام سے پاک رکھا تھا جو کہ کتاب و سنت کی تصریحات کے منافی ہے۔صحابہ و تابعین کے زمانہ میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو حدوثِ اجسام سے حدوث عالم پر استدلال کرتا ہو۔نیز حدوثِ اجسام کو اعراض اور حرکت و سکون کی دلیل سے ثابت کرتا اور کہتا ہو کہ اجسام اس کو مستلزم ہیں۔اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔اور جس سے پہلے کوئی حوادث نہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



گزر ہوں وہ خود حادث ہے۔اور اس پر ان حوادث کی بنیاد رکھتے ہیں جن کی کوئی انتہاء ہی نہیں۔ بخلاف ازیں پہلی مرتبہ اس کا اظہار پہلی صدی کے بعد جعد بن درہم اور جہم بن صفوان کی طرف سے ہوا۔ پھر عمرو بن عبید اور[ واصل بن عطاء]ابو ہذیل العلاف اور ان کے امثال نے اس میں حصہ لیا۔عمرو بن عبید اور واصل بن عطاء ان دونوں نے جب انفاذ و عید میں علم کلام کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جو انسان جہنم میں داخل ہو گیا تو پھر وہ وہاں سے کبھی بھی نہیں نکلے گا۔اور تقدیر کا انکار کرنے لگے۔ان سب باتوں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پاک رکھا تھا۔

جو خطبات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہیں، ان میں معتزلہ کے اصول خمسہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو بھی باتیں منقول ہیں' وہ سب آپ پر جھوٹ ہیں۔ متقدمین معتزلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعظیم نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت و ثقاہت کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کرتے تھے۔ جنگ جمل کے لڑنے والوں کے بارے میں وہ کہا کرتے تھے:

> ''فریقین میں سے ایک فاسق ہے، مگر متعین طور پر یہ نہیں معلوم کہ وہ کون ہے۔'' یا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں یا پھر حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما۔اور جب ان میں سے کوئی ایک گواہی دے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ جب کہ اکیلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گواہی کے بارے میں ان کے دو قول ہیں۔ یہ قول عمرو بن عبید اور ان جیسے دوسرے معتزلہ کے ہاں معروف ہے۔''[1]

متأخرین شیعہ کے برعکس تمام متقدمین شیعہ ہاشمی اور دوسرے لوگ ؛ صفات الٰہی اور مسئلہ تقدیر کے قائل تھے۔ متاخرین شیعہ نے صراحت کے ساتھ تجسیم کے عقیدہ کا اظہار کیا تھا؛ اور اس بارے میں ان سے انتہائی برے اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ جب کہ ان کا دعوی ہے کہ انہوں نے یہ عقیدہ اہل بیت سے اخذ کیا ہے۔[2]

---

[1] ابن طاہر بغدادی اپنی کتاب '' اصول الدین ''ص ۲۹۰ میں فرماتے ہیں: واصل بن عطاء' عمرو بن عبید اور نظام اور اکثر قدریہ کہتے ہیں کہ : ہم انفرادی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انکے اصحاب سے محبت کرتے ہیں؛ اور طلحہ و زبیر اور ان کے متبعین سے بھی انفرادی طور پر ولاء کا اظہار کرتے ہیں۔اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کیساتھ انکی جماعت کا ایک آدمی گواہی دے تو اس کی گواہی مان لیں گے' اور ایسے ہی طلحہ و زبیر کے ساتھ بھی اگر ان کی جماعت کا کوئی آدمی گواہی دیدے تو ہم مان لیں گے۔لیکن اگر طلحہ اور علی رضی اللہ عنہما اکیلے باگلے کی ایک بالی پر بھی گواہی دیں تو تب بھی اسے نہیں مانیں گے۔اس لیے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک فاسق ہے۔ فاسق دائمی جہنمی ہوتا ہے' وہ نہ ہی مومن ہے اور نہ ہی کافر۔دیکھیں: ابوالحسن أشعری کی کتاب: مقالات اسلامیین ۲/ ۱٤٥۔

[2] علامہ اشعری نے اپنی کتاب '' مقالات الاسلامیین '' ۱/ ۱۰٦ میں مسئلہ تجسیم میں روافض کے عقائد ذکر کیے ہیں اور انہیں چھ اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ پھر ان کے بارے میں کہا ہے:'' توحید میں یہ لوگ معتزلہ اور خوارج کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ ان کے متأخرین شیعہ کا عقیدہ ہے۔ جب کہ ان کے اولین تشبیہ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ جب کہ اعمال العباد کے بارے میں ایک گروہ ہشام بن حکم کا عقیدہ رکھتا ہے کہ انسان کی افعال ایک طرح سے اختیاری ہیں اور ایک طرح سے اضطراری۔اور دوسرا گروہ جہمیہ کا عقیدہ رکھتا ہے کہ: اعمال میں کوئی جبر نہیں؛ اور نہ ہی تفویض ہے جیسے کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے۔ جب کہ تیسرے گروہ کا عقیدہ ہے کہ اعمال اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں ہیں۔ یہ لوگ معتزلی بھی ہیں اور امامت کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے جب پوچھا گیا کہ: قرآن خالق ہے یا مخلوق؟ تو انھوں نے فرمایا:

''وہ نہ ہی خالق ہے اور نہ ہی مخلوق؛ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ اللہ کا کلام ہے۔''

## [واصل بن عطاء اور محمد بن حنفیہ کی شاگردی]

رہا رافضی کا یہ قول کہ: ''واصل بن عطاء نے ابو ہاشم بن محمد بن الحنفیہ سے علم حاصل کیا تھا۔''

[اس کا جواب یہ ہے کہ]: اس میں کوئی شک نہیں کہ حسن بن محمد بن حنفیہ [1] نے معتزلہ کے قول کے برعکس ''ارجاء'' کے مسئلہ پر ایک کتاب تالیف کی تھی۔ کئی اہل علم نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ یہ اس معتزلی مذہب سے متناقض ہے؛ جس کا اظہار واصل بن عطاء کیا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: اس نے ابو ہاشم سے علم حاصل کیا تھا۔ [2]

اس ابو ہاشم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نے ایک کتاب تصنیف کی تھی جس پر انکار کیا گیا؛ نہ ہی اس کے بھائیوں نے اس پر موافقت کی اور نہ ہی اہل بیت نے۔ اور نہ ہی اس نے اپنے والد سے علم حاصل کیا تھا۔

خواہ کچھ بھی ہو، وہ کتاب جو حسن کی طرف منسوب کی گئی ہے وہ اس کتاب کے متناقض ہے جو ابو ہاشم کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اس نے اس کتاب سے رجوع کر لیا تھا۔ اور یہ بات ممتنع ہے کہ ان دونوں نے یہ متناقض علوم اپنے والد محمد بن الحنفیہ سے حاصل کیے ہوں۔ محمد کی طرف ان دو میں سے ایک کتاب کی نسبت زیادہ مناسب ہے۔ پس اس سے قطعی طور پر یہ باطل ثابت ہو گیا محمد بن حنفیہ ایک ہی وقت میں دو مختلف عقائد کے قائل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہ بات دوٹوک اور قطعی یقینی ہے کہ محمد مرجئہ کے عقیدہ سے برأت کے ساتھ ساتھ معتزلہ کے عقیدہ سے بھی اس سے بڑھ کر بری ہیں۔ اور ان کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ مرجئہ اور معتزلہ سے اس سے بڑھ کر بری ہیں۔

جب کہ ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ وہ علی جبائی کے شاگرد تھے؛ مگر انھوں نے جبائی کو چھوڑ دیا تھا؛ اور اس کے مذہب سے جملہ طور پر رجوع کر لیا تھا۔ اگرچہ آپ کے ہاں ان کے مذہب کے اصولوں کی کچھ بقایا رہ گئی تھیں۔ لیکن آپ نے نفی صفات کے مسئلہ میں ان کی مخالفت کی؛ اور ابن کلاب کے مذہب پر گامزن ہو گئے۔ اور قدر، ایمان اور اسماء و احکام کے مسائل میں ان کی مخالفت کی؛ اور حسین بن نجار اور ضرار بن عمرو کے رد سے بڑھ کر ان کا رد کیا؛ حالانکہ یہ دونوں حضرات اس باب میں جمہور فقہاء اور جمہور محدثین کی طرح متوسط شمار کیے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس مسئلہ میں جہم کے عقیدہ کی طرف مائل ہو گئے، مگر وعید کے مسئلہ پر ان کی مخالفت کی۔ پھر اہل سنت والجماعت کا مذہب

[1] حسن بن محمد بن حنفیہ نے سب سے پہلے مسئلہ ارجاء پر کتاب لکھ کر قدریہ وغیرہ کا رد کیا ہے۔ [سزکین م ۱/ ج ٤/ ص ۱۵]۔

[1] ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن علی بن ابی طالب۔ ابن حجر رحمہ اللہ تهذيب التهذيب ٦/ ١٦ پر آپ کے حالات زندگی تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: امام زہری فرماتے ہیں: ''عبداللہ اور حسن دونوں محمد بن علی [المعروف ابن حنفیہ] کے بیٹے ہیں۔ ان دونوں میں سے حسن زیادہ ثقہ راوی تھا۔ ابو اسامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان میں سے ایک مرجئی تھا اور دوسرا شیعہ۔'' اور ابن حجر نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ: حضرت زبیر فرماتے ہیں: ''ابو ہاشم شیعوں کا ساتھی تھا۔'' اور یہ بھی کہا ہے کہ: ''عبداللہ سبائیت کی روایات جمع کیا کرتا تھا۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اختیار کیا اور اپنے آپ کو اہل سنت و محدثین کے مذہب کی طرف منسوب کرنے لگے جیسے احمد بن حنبل اور ان کے امثال رحمہم اللہ ؛ اور اسی عقیدہ کی مناسبت سے لوگوں میں مشہور بھی ہوئے۔آپ کے مذہب میں سے جس قدر عقیدہ کی تعریف کی گئی ہے' وہ وہی ہے جو اہل سنت محدثین کے موافق ہے؛ جیسا کہ جامع جملے۔اور جس قدر عقیدہ کی مذمت کی گئی ہے؛ وہ جو مخالفین محدثین اہل سنت معتزلہ' مرجئہ اور جہمیہ وقدریہ کے مذہب کے موافق ہے۔

آپ نے بصرہ میں زکریا بن یحییٰ ساجی [1] سے حدیث وسنت کا علم حاصل کرنا شروع کیا تھا۔پھر بغداد میں امام احمد حنبل رحمہ اللہ کے اصحاب اور دوسرے لوگوں سے علم حاصل کیا۔امام اشعری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب'' مقالات الاسلامیین '' میں لکھا ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت محدثین کے مشرب ومسلک پر ہیں اور کہا ہے:''ہم نے جتنے بھی اعتقادات ذکر کیے ہیں ہم بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں اور اس مذہب پر عمل پیرا ہیں۔''

یہ مذہب جہمیہ اور قدریہ کے مذہب سے بہت دور ہے۔

## [معجون مرکب شیعہ مذہب]:

جب کہ رافضہ شیعہ -جیسا کہ ابن مطہر اور اس کے امثال متاخرین امامیہ- کا مذہب ایک اچھا خاصہ معجون مرکب ہے۔انکار صفات باری میں انھوں نے جہمیہ کا مذہب اختیار کیا ہے۔افعال العباد کے مسئلہ میں وہ قدریہ کے پیرو ہیں۔ امامت وتفضیل کے مسائل میں وہ روافض کے زاویہ نگاہ کے متبع ہیں۔اس سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ علم کلام آپ پر صاف جھوٹ ہے؛مزید براں اس میں مدح کا کوئی عنصر شامل نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر عظیم ترین افتراء تو یہ ہے کہ قرامطہ واسماعیلیہ اپنے عقائد وافکار کو آپ کی جانب منسوب کرتے اور کہتے ہیں کہ آپ کو باطنی علم دیا گیا تھا؛ جو کہ علم ظاہر کے خلاف تھا۔صحیح سند کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:''اس ذات کی قسم جس نے نباتات کو اگایا اور سب مخلوقات کو پیدا کیا! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایسا کوئی عہد نہیں لیا جو باقی لوگوں سے نہ لیا ہو۔سوائے اس کے جو کچھ آپ نے فرمایا تھا وہ میرے اس صحیفہ میں درج ہے۔اس کتاب میں : دیت' قیدیوں کی رہائی کا مسئلہ تھا اور یہ کہ کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا؛ البتہ اللہ تعالیٰ اگر اپنے کسی بندے کو کتاب اللہ کا فہم عطا کردے تو وہ ایک الگ بات ہے۔'' [2]

اب لوگوں میں سے بعض ''الحوادث'' کو آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں'اور بعض دوسرے ''جفر'' کو۔کچھ دوسرے ''بطاقہ'' اور دیگر علوم کو آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔جن کے بارے میں یہ بات یقینی علم کیساتھ معلوم ہے کہ حضرت

[1] ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ بن عبدالرحمن بن محمد بن الضبي البصری الساجي اپنے زمانہ میں بصرہ کے سب سے بڑے محدث تھے۔حافظ اور ثقہ تھے۔۲۲۰ ہجری میں پیدا ہوئے ۳۰۷ ہجری میں وفات پائی۔ الاعلام ۳/ ۸۱۔

[2] البخاری ۔ کتاب الجهاد۔ باب فكاك الاسير(ح:۳۰۴۷)، مسلم، كتاب الحج، باب فضل المدينة (ح:۱۳۷۰)۔الترمذي كتاب الديات 'باب: ماجاء لا يقتل مسلم بكافر۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



علی رضی اللہ عنہ ان سے بری ہیں۔ ایسے ہی حضرت جعفر صادق پر اتنے جھوٹ باندھے گئے ہیں جن کی حقیقت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ کی طرف علم نجوم کے احکام' رعود' بروق اور قرعہ منسوب کیے گئے ہیں جو حقیقت میں پانسہ بازی کی ہی ایک قسم ہے۔ آپ کی طرف ''منافع سور القرآن'' نامی کتاب بھی منسوب کی گئی ہے۔ اوران کے علاوہ بھی دیگر بہت ساری چیزیں ہیں جن کے بارے میں علماء جانتے ہیں کہ حضرت جعفر رحمہ اللہ علیہ اس سے بری ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی طرف مختلف انواع کی تفسیر بھی منسوب کی گئی ہے جو کہ باطنیہ کے طریقہ پر ہے۔ جیسا کہ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے اپنی کتاب ''حقائق التفسیر'' میں ذکر کیا ہے۔ اوراس نے وہاں پر اس تفسیر کے کچھ قطعات بھی بطور نمونہ ذکر کیے ہیں۔ یہ حقیقت میں کلمات قرآن میں تحریف؛ اور اللہ تعالیٰ کی مراد کو تبدیل کرنا ہے۔ آپ کے علوم کی معرفت رکھنے والا ہر انسان جانتا ہے کہ آپ ان اقوال و عقائد اور کتاب اللہ کی تفسیر میں جھوٹ سے بری تھے۔ اور ایسے ہی بعض لوگوں نے آپ کی طرف ایک اور کتاب بھی منسوب کی ہے جسے ''رسائل إخوان الکدر'' کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ علیہ کے دوسو سال بعد سے زیادہ عرصہ بعد لکھی گئی ہے۔ جعفر صادق کا انتقال سن ایک سو اڑتالیس ہجری میں ہوا ہے۔ اور یہ کتاب ''عبیدی باطنی اسماعیلی'' دور حکومت میں اس وقت لکھی گئی جب یہ لوگ مصر پر غالب آگئے اور قاہرہ شہر آباد کیا۔ یہ ایسے لوگوں کی تصنیف ہے کہ فلسفہ و شریعت اور شیعیت کو ایک ہی جگہ جمع کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ ان عبیدیوں کا مسلک تھا۔ جن کا دعوی تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ نسب کے ماہرین اہل علم جانتے ہیں کہ یہ نسب باطل [اور جھوٹ] ہے۔

جب کہ ان کا دادا ظاہری اور باطنی طور پر یہودی تھا؛ ان کا سوتیلا دادا مجوس میں سے تھا۔ اس نے ایک یہودیہ عورت سے شادی کرلی تھی۔ یہ ان کا یہودی دادا اس مجوسی کے پاس لے پالک تھا۔ ان کی نسبت باہلہ کی طرف تھی۔ حالانکہ یہ لوگ باہلہ کے موالین میں سے تھے۔ پھر انہوں نے یہ دعوی کیا کہ وہ محمد بن اسماعیل بن جعفر کی اولاد میں سے ہے۔ اسماعیلیہ کو اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ان کا دعوی ہے کہ حق ان کے ساتھ ہے اثنا عشریہ کے ساتھ نہیں۔ اس لیے کہ اثنا عشریہ موسیٰ بن جعفر کی امامت کے دعویدار ہیں۔ جب کہ یہ لوگ اسماعیل بن جعفر کا کہتے ہیں۔

ان کے ائمہ باطن میں زندیق اور ملحدین ہیں جو کہ غالیہ فرقہ میں سے سب سے برے لوگ ہیں۔ اثنا عشریہ کی جنس میں سے نہیں ہیں۔ لیکن انہیں اس فاسد مذہب اور نسبت پر لگانے والے اثنا عشریہ اوران کے امثال کے کرتوت ہیں۔ ان لوگوں نے اس فرقہ پر جھوٹ بولے تو جواب میں انہوں نے وہی جھوٹ بلکہ اس سے زیادہ ان پر بہتان گھڑے۔ اثنا عشریہ نے ان کو ملحد کہا تو انہوں نے جواب میں انہیں جہمیہ اور قدریہ وغیرہ کہا۔

جب یہ اسماعیلیہ و نصیریہ ملاحدہ اوران کے امثال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں' حالانکہ وہ طرقیہ عشریہ اور دوسرے لوگوں کی طرح ہیں ؛ تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ایسی باتیں بھی منسوب کرنے لگے جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو منزہ و مبرا رکھا ہے۔ [اہل بیت پر جو جھوٹ باندھا گیا ہے وہ بیان سے باہر ہے]۔ یہاں تک کہ شیعہ چور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خط میں ان کو لوگوں کے اموال چوری کی اجازت دی ہے۔ جس طرح

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



یہود خیابرہ اس بات کے مدعی تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک خط کے ذریعہ ان کا جزیہ معاف کر دیا تھا۔ اوران کے اموال کا عشر ان کے لیے مباح کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ بھی دیگر ایسے امور ہیں جو دین اسلام کے خلاف ہیں۔[ کیا اس سے زیادہ گمراہی کا بھی امکان ہے؟]

تمام علماء کرام رحمہم اللہ کا اجماع ہے کہ یہ تمام باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ باندھی گئی ہیں۔ آپ ایسی باتوں سے لوگوں میں سب سے زیادہ بری ہیں۔ پھر اس پر بھی حد یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر گھڑے گئے بہتانوں کو اپنے تئیں ان کی مدح شمار کرتے ہیں۔ اوران کی وجہ سے انہیں سابقہ خلفاء راشدین پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور ان خلفاء کے ان خرافات سے پاک ہونے کو ان کی ذات میں عیب شمار کرتے ہیں۔ اوراس وجہ سے ان سے بغض رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ باطنیہ کے سرغنے جو اپنے عقائد کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب کرتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ اسلام کا مقصد و غایت صرف اس بات کا اقرار ہے کہ افلاک ربوبیت کے مرتبہ پر فائز اور مدبر عالم ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی ان کا بنانے اور پیدا کرنے والا نہیں۔ ان کے خیال میں یہ دین اسلام کا باطنی پہلو ہے جس کو دے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا یہ باطنی پہلو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سکھایا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خواص کو اس کی تعلیم دی۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ محمد بن اسماعیل بن جعفر تک پہنچا جن کو وہ ''القائم'' کہتے ہیں۔ انکے ہاں اسکی حکومت اب بھی قائم ہے۔ اور یہ کہ محمد بن عبداللہ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم] کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے۔ اب امام پر ان خفیہ تاویلات کو ظاہر کرنا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لیکر امام تک راز ہی چلی آ رہی ہیں۔

یہ لوگ اپنے خاص اصحاب سے نماز' زکواۃ' روزہ اور حج کو ساقط قرار دیتے ہیں۔ اور محرمات' فواحش اور منکرات کو مباح سمجھتے ہیں۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے علماء مسلمین نے مختلف معروف کتابیں تألیف فرمائی ہیں جن سے ان کی حقیقت بیان ہوتی ہے اور تمام رازوں سے پردے اٹھتے ہیں۔ اس لیے کہ ان علماء پر ان لوگوں کے دین و دنیا کا فساد ظاہر ہو گیا تھا۔ جن علماء کرام نے ان کے بارے میں کتابیں لکھیں اور ان کے اسرار ظاہر کیے ان میں قاضی ابوبکر رضی اللہ عنہ بن الطیب و قاضی عبد الجبار بن احمد و قاضی ابویعلی و غزالی و ابن عقیل و ابو عبداللہ شہرستانی رحمہم اللہ کے نام شامل ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی اس کام میں حصہ لیا ہے۔

یہ وہی ملحدین کا گروہ ہے جو مشرق و مغرب؛ شام اور یمن کے علاوہ دیگر متعدد مواقع پر ظاہر ہوئے۔ قلعہ الموت [1]

---

[1] اصحاب الموت چند ملحد شخص تھے۔ ان میں آخری شخص رکن الدین تھا۔ انھوں نے ۴۷۳ھ سے ۶۵۴ھ تک قلعہ الموت میں اسماعیلی فرقہ کی بنیاد رکھی اوراس کی نشر و اشاعت میں لگے رہے، یہ قلعہ طہران و نیشا پور کے درمیان واقع تھا۔ اسماعیلی ملاحدہ کے ہاں دو اور قلعے بھی تھے۔ ان کا نام کردکوہ۔ میمون ذرتھا۔ حاکم الموت کو شیخ الجبل کہا کرتے تھے، ہلاکو خاں نے ۶۵۴ھ میں اسماعیلیہ کا خاتمہ کر دیا تھا۔ ملحد اسماعیلیہ کا آخری شیخ الجبل اٹلی کے مشہور سیاح مارکو پولو کے زمانہ تک بقید حیات تھا۔ مارکو پولو نے شیخ الجبل کی جنت اوراس کے جرائم کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ ''مواقف حاسمۃ'' ص: ۲۲۱۔۲۲۳۔ نیز ملاحدہ کی تفصیلات کے لیے دیکھیے ''الحوادث الجامع لابن الفوطی''ص: ۳۱۲۔ ۳۱۳، نیز ''مختصر الدول لابن العبری'' (ص:٤٦٢)، و عمدۃ الطالب (ص:٢١١)، تاریخ العراق بین احتلالین (١/ ١٥٠۔١٥٤)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



والے باطنیہ ہی میں سے تھے۔[سنان ان کا داعی تھا]۔

[یہ بظاہر شیعہ مگر باطن میں ملحد و زندیق ہوتے ہیں]۔ یہ شیعہ کی راہ سے مسلمانوں میں داخل ہوئے اور دین اسلام میں سب سے بڑا بگاڑ پیدا کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باطنیہ حد درجہ جاہل خواہش پرست اور دین اسلام سے بیگانہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنے داعیوں کو نصیحت کی تھی کہ تشیع کے دروازے سے مسلمانوں کے یہاں داخل ہوں۔ یہ شیعہ کے اکاذیب و اہواء سے فائدہ اٹھاتے اور وقت یا جگہ کی مناسب سے ان پر خاطر خواہ اضافہ کیا کرتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے مسلمانوں کو جو نقصان پہنچایا وہ بت پرست اور عیسائی بھی نہیں پہنچا سکتے تھے۔ حقیقت میں ان کا دین فرعون کا دین ہے جو کہ یہود و نصاری اور بت پرستوں کے دین سے بھی برا ہے۔

ان کی دعوت کی ابتداء شیعیت سے ہوتی ہے اور انتہاء اسلام کے مسخ کرنے پر۔ بلکہ انسان کو تمام ملتوں سے نکال دیتے ہیں۔ جو انسان اسلام کے احوال اور اس میں لوگوں کے مذاہب و مسالک کے بارے میں سے کچھ جانتا ہو وہ لازمی طور پر ان لوگوں کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہی ہے۔

یہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی تصدیق ہے جو کہ صحیح بخاری و مسلم میں مذکور ہے۔[حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ]: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کی (ایسی زبردست پیروی کرو گے) حتی کہ (ایک ایک بالشت اور ایک ایک گز پر) یعنی ذرا سا بھی فرق نہ ہوگا۔ حتی کہ اگر وہ لوگ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی داخل ہو گے ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہود و نصاری مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا:''نہیں تو پھر اور کون مراد ہو سکتا ہے۔'' [1]

ایک دوسری متفق علیہ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میری امت ایک ایک بالشت اور ایک ایک گز پر سابقہ امتوں کی راہوں پر چلے گی۔'' صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا اہل فارس اور اہل روم کی راہوں پر؟ تو آپ نے فرمایا:'' کیا ان کے علاوہ کوئی دوسرے لوگ بھی ہیں۔''[سبق تخریجه]

یہ بات بعینہ ان لوگوں میں ہے جو اپنے آپ کو شیعیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بلا ریب اسماعیلیہ نے اپنا مذہب اہل فارس سے لیا ہے۔ جن کے عقیدہ کے دو اصول ہیں: نور اور ظلمت۔ انکے علاوہ دیگر واہیات باتیں بھی ہیں۔ اور کچھ چیزیں اہل روم نصاری کے مذاہب سے لی ہیں۔ اور کچھ نصرانیت سے پہلے اہل یونان کے مذہب کی چیزیں ہیں؛ جیسا کہ نفس اور عقل کا عقیدہ اور اس طرح کے دوسرے امور۔ انہوں نے ان سب چیزوں کو آپس میں ملا کر اس کے لیے ایک نیا اصطلاحی نام رکھا:''السابق والتالی۔''[یعنی گزشتہ اور آنے والا]۔ اور پھر اسے لوح و قلم قرار دیا۔

[1] صحیح بخاری:ح 684

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کہتے ہیں: قلم ہی عقل ہے۔ اور یہی سب سے پہلی تخلیق ہے۔ اس پر وہ اس حدیث نبی سے دلیل پیش کرتے ہیں کہ: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا پھر اس سے کہا حاضر ہو جا تو وہ حاضر ہو گیا۔ پھر کہا: پلٹ جا تو وہ پلٹ گیا۔ پھر فرمایا:

''مجھے اپنی عزت کی قسم! میں نے کبھی اپنے نزدیک تجھ سے مکرم کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ پس میں تجھ سے ہی (حساب) لوں گا۔ اور تیرے سبب سے ہی دوں گا۔ اور ثواب و عقاب بھی تجھ پر ہی منحصر ہوگا۔''

یہ حدیث بعض ان لوگوں نے روایت کی ہے جنہوں نے عقل کے متعلق کتابیں لکھی ہیں جیسے داد بن محبر اور دوسرے لوگ۔ یہ موضوع روایت ہے جو کہ نبی کریم پر جھوٹ گھڑ لیا گیا ہے۔ محدثین اس بات کو اچھی طرح سے جانتے ہیں جیسا ابوحاتم بن حبان البستی دارقطنی ابن جوزی [1] اور دوسرے علما کرام رحمہم اللہ نے وضاحت کیساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن یہ روایت ان لوگوں کی خواہشات کے موافق تھی تو اپنی عادت کے مطابق اس سے استدلال کرنے لگے۔ حالانکہ احادیث کے الفاظ ان کے مذہب کے خلاف ہیں۔ اس لیے کہ حدیث کے الفاظ میں ول حرف لام پر زبر کیساتھ وارد ہوا ہے۔ اور ایک روایت یوں بھی ہے کہ: ''لما خلق الله العقل۔'' یعنی: ''جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا'' تو اس سے یہ بات اس کی پیدائش کی بعد شروع کے اوقات میں ہی کہی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو جب پیدا کیا تو اس وقت اسے مخاطب بھی کیا۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ عقل سب سے پہلے پیدا کی گئی۔ ہی وجہ ہے کہ اس سے خطاب میں یہ بھی کہا گیا کہ: ''ما خلقت خلقاً أکرم عليَّ مِنك۔''

''میں نے اپنے لیے تجھ سے بڑھ مکرم مخلوق نہیں پیدا کی۔''

اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے دوسری مخلوقات بھی پیدا کی تھیں۔ اور پھر اس کا وصف بیان فرمایا کہ: عقل آگے بڑھتی ہے اور پیچھے ہٹتی ہے۔ زنادقہ کے ہاں عقل اول پر یہ بات ممتنع ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے:

''بكِ آخذ ، وبكِ أعطِي ، وبِك الثواب بك العقاب۔''

''پس میں تجھ سے ہی (حساب) لوں گا۔ اور تیرے سبب سے ہی دوں گا۔ اور ثواب و عقاب بھی تجھ پر ہی

---

[1] ابن جوزی نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' ۱/ ۱۷٤ پر اس روایت کو مختلف اسانید سے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: ''یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کیساتھ ثابت نہیں ہوتی۔ یحیی بن معین فرماتے ہیں: ''فضل انتہائی برا انسان تھا۔'' اور ابن حبان فرماتے ہیں: ''حفص بن عمرو جھوٹی احادیث روایت کیا کرتا تھا۔ اس کی روایات سے استدلال کرنا حلال نہیں ہے۔ جب کہ سیف نامی راوی کے جھوٹا ہونے پر سب کا اجماع ہے۔ پھر انہوں نے ۱/ ۱۷۵ پر ایک دوسری سند سے یہ روایت نقل کرتے ہوئے کہا ہے: یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اور پھر امام دار قطنی کا قول نقل کیا ہے؛ آپ فرماتے ہیں: عقل پر چار لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے پہلا انسان میسرہ بن عبدربہ ہے۔ پھر اسی سے مواد چرا کر اور اس کے ساتھ اسناد ملا کر داؤد بن محبر نے تالیف کی۔ پھر اس سے عبدالعزیز بن ابی رجاء نے مواد چرایا اور اس کے ساتھ ایک دوسری قسم کی اسناد ملا کر روایت کیا۔ پھر یہی کام سلیمان بن عیسی سجزی نے کیا۔ دیکھیں: المقاصد الحسنة للسخاوی ص ۱۱۸۔ الموضوعات للقاری ۳۷۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



منحصر ہوگا۔''

ان کے نزدیک تو عقل تمام جہان کی پروردگار اور رب عالم ہے۔ اور وہی تمام چیزوں کو بغیر کسی مثال سابق کے پیدا کرنے والی ہے۔ یہی پہلی علت ہے۔ اعراض اربعہ اس کے ساتھ خاص نہیں ۔ بلکہ عقل ان کے نزدیک تمام جواہر: علویہ و سفلیہ حسیہ اور عقلیہ کی مبدع ہے۔

جبکہ مسلمانوں کی زبان میں: عقل وہ عرض ہے جو دوسری چیز کیساتھ قائم ہے۔ یا پھر عقل قوت نفس کا نام ہے۔

عقل کا مصدر: عقل یعقل عقلاً ہے؛ جبکہ عاقل کو ان کی زبان میں عقل نہیں کہا جاسکتا۔ ان (زنادقہ) کی اصطلاح میں عقل ایسا جوہر ہے جو بذات خود قائم ہے۔ ہم نے اس نکتہ پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔ اور معقول ومنقول میں ان کی واضح کی ہے۔ یہ لوگ عند التحقیق مفارقات میں سب سے پہلے جس چیز کو ثابت کرتے ہیں وہ اعیان واذہان میں نفس ناطقہ کا وجود ہے۔ اور اس کی بعض صفات بیان کرنے میں بھی خطا کے مرتکب ہوئے ہیں۔

ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ: عالم علت ازلیہ قدیمہ واجب الوجود سے معلول ہے۔ اور بلاریب اس عالم کے لوازم بھی ہیں۔ لیکن ان کے عقیدہ کی حقیقت یہ ہے کہ: یہ ایک علت غایت ہے۔ اور افلاک کی حرکت اس سے مشابہت کے لیے ارادی وشوقی حرکت ہے۔ اور یہی شوق اس کا محرک ہے۔ جیسا کہ محبوب اپنے محبّ کی مشابہت میں حرکت میں آتا ہے تاکہ اسے محبّ سے تشبیہ حاصل ہوجائے۔ ایسی چیز کا اس کے تصور وارادہ اور حرکت کے مطابق محدث ہونا واجب نہیں ہوتا۔ حرکت فلک میں ان کا عقیدہ قدریہ کے افعال حیوانات میں عقیدہ کی جنس سے ہے۔ لیکن یہ لوگ کہتے ہیں: فلک کی حرکت ہی حوادث کا سبب ہوتی ہے۔ ان کے اس قول کی حقیقت یہ ہے کہ: اصل میں یہ تمام حوادث بغیر کسی محدث کے وجود میں آتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کچھ بھی نہیں کرتے اور ہر مقام کے لیے اس کے مناسب مقال بھی ہوتا ہے۔

ان لوگوں نے وجود اور اس کے لواحق میں علم باطن کو علم اعلیٰ اور فلسفہ اولی قرار دیا ہے۔ اور وجود کو جوہر وعرض میں تقسیم کیا ہے۔ پھر اعراض کو نو اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ اور ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو انہیں صرف پانچ اقسام قرار دیتے ہیں۔ اور بعض نے صرف تین اقسام تسلیم کی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے صحیح اعداد وشمار پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ نیز انہوں نے جواہر کو بھی ان پانچ انواع میں تقسیم کیا ہے:

1۔ عقل　　2۔ نفس　　3۔ مادہ　　4۔ صورت　　5۔ جسم

واجب الوجود کو کبھی کبھی جوہر کا نام دیتے ہیں۔ یہ ان کی قدما کا عقیدہ ہے۔ جیسے ارسطو وغیرہ۔ اور کبھی یہ نام نہیں بھی دیتے جیسا کہ ابن سینا کا عقیدہ ہے۔ جیسا کہ ابن سینا کا عقیدہ ہے۔ ان کے قدما اپنے دل میں عقلی امور میں تصور کرتے تو پھر خارج انہیں ثابت بھی خیال کرنے لگتے۔ جیسا کہ فیثاغورس اور افلاطون کی جماعت سے نقل کیا گیا ہے۔ ان لوگوں نے خارج میں کچھ مجرد اعداد کو ثابت مانا ہے۔ اور اول الذکر لوگوں نے افلاطونی امثال کو ثابت کیا ہے۔ یہ اعیان سے خالی کلیات ہیں اور ایسے ہی انہوں نے مجرد مادہ کو ثابت مانا ہے۔ اسے ہیولی اولی کہتے ہیں۔ اور پھر مجرد مدت کو ثابت مانا ہے۔ یہ عقلی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



زمانہ ہے جو کہ جسم اوراعراض سے خالی ہے۔ایسے ہی جسم و اعراض سے خالی فضا کو بھی یہ لوگ تسلیم کرتے ہیں۔

اس مسئلہ میں ارسطو اور اس کے متبعین نے اپنے اسلاف کی مخالفت کی ہے۔انہوں نے ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی مجرد نہیں۔لیکن اس کے برعکس صورت کے لیے مادہ مقارنہ کو تسلیم کیا اور ثابت مانا ہے۔اور اعیان کے مقارن کلیات کو بھی ثابت مانتے ہیں۔ نیز انہوں نے دس عقول کو ثابت مانا ہے۔ جب کہ خود اکثر فلکیہ اسے جسمانی قوت مانتے ہیں۔ان میں سے بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ جوہر ہے جو بذات خود ایسے ہی قائم ہے جیسے انسانی نفس۔

لفظ صورت سے کبھی تو ان کی مراد عرض (اصل جسم) ہوتی ہے اور کبھی وہی مصنوعی صورت۔ جیسے کا چار پائی انگوٹھی اور تلوار کی شکل ۔ یہ عرض اپنی جگہ پر قائم ہے۔اور مادہ سے بھی یہاں پر مراد جوہر ہے جو کہ بذات خود قائم ہے ۔اور کبھی صورت سے مراد قدرتی صورت اور مادہ سے قدرتی مادہ مراد لیتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ حیوانات معادن اور نباتات کی بھی ایک صورت ہوتی ہے اس لیے کہ وہ مادہ سے پیدا کیے گئے ہوتے ہیں۔لیکن صورت سے ان لوگوں کی مراد بذات خود قائم جوہر ہوتا ہے۔اور مادہ سے مراد ایک دوسرا جوہر ہوتا ہے جو کہ اس پہلے جوہر کے قریب تر ہوتا ہے۔ جب کہ ان کے مقابلہ میں اہل کلام جو کہ منفرد جوہر کا عقیدہ رکھتے ہیں ۔ان کا خیال یہ ہے کہ کوئی بھی حادث ایسا نہیں ہے جس کا ظہور پذیر ہونا مشاہدہ سے معلوم ہوا ہو مگر وہ عرض ہوتا ہے۔اور یہ کہ وہ جواہر میں سے کسی بھی جوہر کے حدوث کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ دونوں قول خطا پر مبنی ہیں اور اس بارے میں ہم اپنی جگہ پر تفصیل سے کلام کر چکے ہیں۔

کبھی مادہ سے مراد مادہ کلیہ ہوتا ہے جو کہ اجسام کے مابین مشترک ہوتا ہے۔اور صورت سے مراد بھی صورت کلی ہوتی ہے جو کہ اجسام میں مشترک ہوتی ہے۔اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ دونوں عقلی جوہر ہیں ۔حالانکہ ایسا کہنا غلط ہے۔ اس لیے کہ اجسام کے مابین مشترک چیز امر کلی ہے۔ اور کلیات تو صرف اذہان میں پائے جاتے ہیں اعیان میں نہیں ہوتے۔ اور ہر وہ چیز جو خارج میں اپنا وجود رکھتی ہو اور وہ اپنی ذات کے اعتبار سے دوسروں سے ممیّز اور جدا اور اس میں کوئی دوسرا شریک بھی نہیں مگر وہ جب کلیہ کے اعتبار سے اخذ کی جائے تو ذہن میں بھی موجود ہوتی ہے۔

اجسام میں اتصال اور انفصال پایا جاتا ہے۔یعنی ان میں اجتماع اور افتراق ہوتا ہے۔اور وہ دونوں اعراض ہیں۔ انفصال کوئی ایسی چیز نہیں جو بذات خود قائم ہو۔جیسا کہ حرکت بذات خود قائم کوئی چیز نہیں سوائے اس محسوس جسم کے جس پر اتصال و انفصال واقع ہوتا ہے۔اسے ہیولیٰ اور مادہ کا نام دیتے ہیں۔ان امور کو دوسرے مقامات پر تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو ان کے اور دوسرے لوگوں کے اقوال کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اور نہ ہی انہیں رسولوں کے لائے ہوئے پیغام کی کوئی سمجھ ہوتی ہے کہ وہ اس میں حق اور باطل میں تمیز کر سکیں۔اور انہیں علم ہو سکے کہ کیا وہ صریح معقول کے مخالف ہیں یا موافق۔جب ان میں سے کوئی اسلام کا اظہار کرتا ہے تو وہ اسے اسلامی عبارات سے تعبیر کرتا ہے۔پس وہ عالم الملک کو جسم اور عالم النفس کو ملکوت سے تعبیر کرتا ہے۔عالم جبروت کو عقل سے تعبیر کرتا ہے؛ یا پھر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اس کے برعکس۔

کہتے ہیں: بیشک نفوس اور عقول ملائکہ ہیں۔اور بسا اوقات وہ نفسانی قوت جو فعل الخیرات کا تقاضا کرتی ہے اسے ملائکہ قرار دیتے ہیں۔اور وہ قوت جو شر کا تقاضا کرتی ہے اسے شیاطین قرار دیتے ہیں۔اور یہ کہ جو ملائکہ رسولوں پر نازل ہوتے ہیں اور وہ کلام جو موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے سنا تھا بلاشبہ وہی چیز انبیاء کرام علیہم السلام کے نفوس میں موجود ہوتی ہے خارج میں نہیں ہوتی۔اس کی وہی حیثیت ہے جیسے کوئی سویا ہوا انسان خواب دیکھتا ہے۔اور جیسا کہ بہت سارے ریاضت و مشقت کرنے والے لوگوں کے لیے حاصل ہو جاتا ہے۔اس طرح سے کہ اس کے جی نورانی اشکال کا تخیل پیدا ہوتا ہے۔اور وہ اپنے جی میں کچھ آوازیں بھی سنتا ہے۔زنادقہ کے نزدیک یہ اللہ کے فرشتوں اور کلام اللہ کی حقیقت ہے۔ان کے نزدیک کلام منفصل نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کسی نے یہ بھی دعوی کر دیا کہ اللہ تعالی نے اس سے ایسے ہی کلام کیا جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا۔ یا اس سے بھی بڑھ کر کلام کیا۔اس لیے کہ ان کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حروف اور اصوات کی صورت میں کلام کیا گیا تھا جو آپ اپنے جی میں محسوس کر رہے تھے۔اور وہ مجرد عقلی معانی سے کلام کرتے ہیں۔

مشکاۃ الانوار اور ''الکتب المضنون بھا علی غیر أھلھا'' کے کلام میں اس طرح کے کلام کا ایک قطعہ واقع ہوا ہے۔اور اس وجہ سے دوسرے مقامات ان کی تکفیر کی گئی ہے۔مگر اس نے اس عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا۔اور آخر میں وہ بخاری و مسلم اور دوسری کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔

خلع النعلین کے مصنف ابن قسی اور ان کے امثال اور فصوص الحکم اور الفتوحات المکیۃ کے مصنف ابن عربی بھی اسی ڈگر پر چلے؛ اسی لیے انہوں نے یہ دعوی کر ڈالا کہ وہ بھی اسی معدن سے علم پاتے ہیں جس سے فرشتہ لیتا ہے اور جو انبیا کرام علیہم السلام کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ان کے نزدیک نبی فرشتہ سے وہی وحی حاصل کرتا ہے جو مرسلین کی طرف وحی کی گئی ہوتی ہے۔اس لیے کہ ان کے نزدیک نبی ان خیالات سے لیتا ہی جو اس کے نفس میں متمثل ہوتے اور پھر عقلی معانی خیالی صورت میں ڈھل جاتی ہے۔یہی صورت ان کے ہاں ملائکہ کی ہوتی ہے۔ان کے نزدیک نبوت محض عقل سے تصور کے خیال بننے سے پہلے اخذ کی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ نبوت پر ولائت کو ترجیح دیتا ہے۔اور کہتا ہے: برزخ میں نبوت کا مقام رسول سے تھوڑا اوپر اور ولی سے تھوڑا کم ہوتا ہے۔

اس کے فاسد اصول کے مطابق نبی بغیر کسی واسطہ کے براہ راست اللہ تعالی سے احکام حاصل کرتا ہے۔اس لیے کہ وہ عقل سے اخذ کرتا ہے۔اس کے نزدیک یہی بلاواسطہ اللہ تعالی سے اخذ کرنا ہے۔اس کے ان کے نزدیک ملائکہ کوئی منفصل چیز نہیں ہیں جو وحی لیکر نازل ہوں۔اور ان کے نزدیک رب مخلوقات سے جدا کسی وجود کا نام نہیں۔بلکہ وہ ایک وجود مطلق ہے یا اللہ تعالی کے متعلق بعض امور ثبوتیہ کی نفی کا نام ہے۔یا پھر بعض امور ثبوتیہ اور سلبیہ کی نفی کا نام ہے۔اور کہتے ہیں: وہ وجود مخلوقات کا نام ہے۔یا پھر ان میں حال کا نام ہے۔یا پھر نہ یہ ہے اور نہ ہی وہ۔ان کے نزدیک ہر نبی و

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



رسول کی انتہا و غایت یہی ہے۔

نبوت ان کے نزدیک اس قوت تخیلہ کا سے اخذ کرنے کا نام ہے جو عقلی معانی کو خیالی تمثیل میں ڈھالتی ہے۔ اسے وہ قوت قدسیہ کا نام دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ولایت کو نبوت سے بلند مقام دیا ہے۔

ان ہی کی جنس سے ملحد قرامطہ بھی ہیں۔ لیکن یہ لوگ تصوف عبادت گزاری تحقیق و الوہیت کے دعوی کے لبادہ میں ظاہر ہوئے۔ اور دوسرا گروہ شیعیت اور موالات کے روپ میں ظاہر ہوا۔ پہلا گروہ اپنے مشائخ کی اتنی تعظیم کرتے ہیں کہ انہیں انبیا کرام علیہم السلام سے بلند مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور ولایت کی اتنی تعظیم کرتے ہیں کہ اسے نبوت سے افضل قرار دیتے ہیں۔ اور یہ دوسرا گروہ امامت کی اتنی تعظیم کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک ائمہ انبیا کرام علیہم السلام سے بھی افضل ہوتے ہیں اور امام نبی سے افضل ہے۔ جیسا کہ اسماعیلیہ کا عقیدہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک گروہ فلاسفہ کا ستوں شمار ہوتا ہے جو نبی کو فلسفی قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں: نبوت قدسی قوت کے ساتھ مختص ہے۔ پھر ان میں سے بعض ایسے ہیں جو نبی کو فلسفی پر ترجیح دیتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو فلسفی کو نبی پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ نبوت ایک کسبی چیز ہے۔ جب کہ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ: نبوت تین صفات سے عبارت ہے۔ جس میں یہ تین صفات پائی جائیں وہ نبی ہے۔

۱۔ اس کے پاس انتہائی طاقتور قوت قدسیہ ہوتا کہ وہ بغیر سیکھنے کے علم حاصل کر سکے۔

۲۔ ہیولی عالم میں اس کی نفس کی تاثیر قوی ہو۔

۳۔ اس کی پاس قوت تخیل ہو جس سے وہ عقل حاصل کرے اور اپنے نفس میں دیکھ سکے اور اپنے نفس کے اندر سن سکے۔

نبوت کے متعلق یہ کلام ابن سینا اور اس کے امثال کا ہے۔ اور اس سے یہ عقیدہ امام غزالی نے اپنی کتاب میں کتب مضنون بھا علی غیر اھلھا میں لیا ہے۔

یہ جس قدر چیزیں انہوں نے ذکر کی ہیں تو اہل ایمان اور عوام الناس میں سےبھی کسی ایک ایسکو حاصل ہوسکتی ہیں جو عموم اہل ایمان سے افضل بھی نہ ہو چہ جائے کہ وہ نبی ہو۔ اس مسئلہ پر ہم نے اپنی جگہ پر تفصیل کے ساتھ کلام کر دیا ہے۔

جب ان لوگوں کو مسئلہ نبوت میں کلام کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے اپنے اسلاف دہریہ کے عقیدہ کے مطابق اس امر کا اظہار کیا۔ وہ دہریہ جن کا عقیدہ ہے کہ افلاک قدیم اور ازلی ہیں۔ اور فاعل کے لیے کوئی مفعول اس کی اپنی قدرت اور اختیار سے نہیں ہوتا۔ نیز انہوں نے اللہ تعالی کی متعلق جزئیات کے علم کا انکار کیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر بھی ان کے مذہب کے فاسد اصول ہیں۔ مگر اس گروہ نے ان کی راہ پر چلتے ہوئے ان کے اصولوں کے مطابق نبوت میں کلام کیا۔

جب کہ قدما جیسے ارسطو اور اس کے امثال ان کے نبوت میں کوئی سیر حاصل کلام نہیں ہے۔ ان میں سے بعض لوگ نبی بننا چاہتے تھے جیسا کہ سہروردی مقتول بھی کوشش کر رہا تھا کہ وہ نبی بن جائے۔ اس نے نظر اور الوہیت کے مابین جمع کیا تھا اور باطنیہ کے طریق کار پر گامزن تھا۔ نیز اہل فرس اور اہل یونان کے فلسفہ کو بھی جمع کیا تھا۔ روشنیوں کی بڑی تعظیم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کرتا تھا۔اور پرانے مجوسیوں کے دین کے زیادہ قریب تھا۔ یہ بھی اسماعیلیہ باطنیہ کی کاپی تھا۔ جادوگری اور پانسہ بازی میں ید طولی رکھتا تھا۔ صلاح الدین رحمہ اللہ کے زمانہ میں مسلمانوں نے اسے شہر حلب میں زندیقیت کی وجہ سے قتل کردیا تھا۔

یہی حال ابن سبعین کا ہے جو مغرب سے مکہ آیا تھا۔اس کی بھی چاہت یہ تھی کہ وہ نبی بن جائے۔اس نے اس غار حراء کی تجدید کی جہاں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع میں وحی نازل ہوئی تھی۔

اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کہا کرتا تھا: آمنہ کے بیٹے نے جھوٹ بولا اور کہا:''لا نبی بعدِی۔''
میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ یہ انسان فلسفہ اور متصوفین کے متفلسفہ اور اس سے متعلقہ علوم کا ماہر تھا۔

یہ اور ابن عربی اور ان کے امثال جیسے صدر قونوی؛ ابن فارض تلمسانی وغیرہ کا منتہائے امر وحدۃ الوجود کا عقیدہ تھا۔ اور یہ کہ بلاشبہ خالق قدیم واجب الوجود وہی وجود ممکن محدث مخلوق ہے۔اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ پھر جب دیکھا کہ مخلوقات متعدد ہیں تو کبھی یہ کہنے لگے کہ: مظاہر اور مجالی۔ جب ان سے کہا جاتا کہ: اگر مظاہر امر وجودی تعدد الوجود ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ یا اس طرح کا کلام کیا جاتا جس سے واضح ہوتا ہو کہ وجود کی دو قسمیں ہیں: خالق اور مخلوق۔ تو اس کے جواب میں کہتے: ہم اپنے ہاں کشف میں اس چیز کو ثابت مانتے ہیں جو صریح عقل کے خلاف ہوتی ہے۔اور جو کوئی ہماری طرح محقق بننا چاہتا ہے اس کے لیے جمع بین النقیضین کرنا لازم ہے۔اور یہ ایک جسم ایک وقت میں دو جگہ پر ہوسکتا ہے۔

ان اصناف کے بارے دوسرے مقامات پر تفصیل کیساتھ کلام گزر چکا ہے۔ بلاشبہ ان لوگوں کی کثرت جہالت میں مبتلا علاقوں میں پائی جاتی ہے۔ان میں سے اکثر لوگ شیعیت کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ابن عربی ابن سبعین اور ان کی مانند دوسرے لوگوں کا حال تھا۔ پس لوگوں کو ان کے حقائق سامنے لانے اور ان امور کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جن کی وجہ سے حق اور باطل میں پہچان حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ان لوگوں کا اپنے متعلق دعوی ہے کہ وہ روئے زمین کے سب سے افضل لوگ ہیں۔اور لوگ ان کے اشارات کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ جب اللہ تعالی نے میرے لیے یہ چیز آسان کردی تو میں نے ان کے حقائق کو بیان کردیا۔اور ان کے متعلق کتابیں لکھیں جن سے ان کو بھی علم ہوگیا کہ ان کے عقیدہ کی حقیقت یہ ہے۔اور نقل صحیح اور عقل صریح اور کشف مطابق سے اس کا بطلان بھی ثابت ہوگیا۔ جس کی وجہ سے ان کے علماء وفضلاء نے حق کی طرف رجوع کیا۔اور پھر یہی حضرات لوگوں کے سامنے ان کا تناقض ثابت کرنے اور انہیں حق کی طرف واپس بلانے لگے۔ ان کی گمراہی کے اصولوں میں سے یہ بھی تھا کہ: وجود مطلق خارج میں بھی پایا جاتا ہے۔ یا تو وہ مطلق بغیر کسی شرط کے ہوتا ہے یا پھر مطلق مشروط ہوتا ہے۔ مطلق غیر مشروط وہ ہے جسے وہ کلی طبیعی کا نام دیتے ہیں۔ جب کہا جائے کہ یہ تو خارج میں موجود ہے۔اور جو معین مقید خارج میں موجود ہو وہ ذہن میں مطلق ہوتا ہے اور خارج میں مقید۔ رہے وہ لوگ جن کا یہ خیال ہے کہ جو چیز ذہن میں مطلق ہوتی ہے وہ خارج میں بحالت تحقق مطلق ہوتی ہے تو یقیناً ایسا انسان بہت بڑی ایسی غلطی کا ارتکاب کررہا ہے جس میں بہت سارے اہل منطق وفلسفہ گمراہ ہوگئے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



رہ گیا مطلق بشرط اطلاق وہ ایسا مقید وجود ہے جس سے تمام ثبوتی اور سلبی امور سلب کر لیے گئے ہیں۔ جیسا کہ انسان ہر قید سے خالی سے ہوتا ہے۔ جب آپ یہ کہیں کہ: وہ موجود ہے یا معدوم۔ ایک ہے یہ اکثر یا پھر ذہن میں ہے یا خارج میں۔ تو یہ شرط اطلاق کی حقیقت مطلقہ سے زائد ایک قید ہوگی۔ اور اس طرح اس وجود کو ہر ثبوتی وسلبی قید سے مجرد قبول کرنا ہوتا ہے۔ آپ اس کی ثبوتی یا سلبی کوئی صفت نہیں بیان کر سکتے۔ ائمہ باطنیہ جیسے الاقالید الملکوتیہ کے مصنف ابو یعقوب سجستانی اور اس کی امثال کے ہاں اسے واجب الوجود کہتے ہیں۔ لیکن ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو رفع نقیضین کو نہیں پہچانتے۔ وہ کہتے ہیں: نہ ہی موجود ہے اور نہ ہی معدوم۔ اور ان میں سے کوئی کہتا ہے: میں نقیضین میں سے ایک کے اثبات میں توقف کرتا ہوں۔ میں نہیں کہتا موجود ہے معدوم نہیں۔ جیسا کہ ابو یعقوب کا عقیدہ ہے۔ یہ وحدالوجود کے قائلین کی انتہا ہے۔

ابن سینا اور اس کے اتباع کہتے ہیں: وجود واجب وہ وجود ہے امور سلبیہ کو چھوڑ کر امور ثبوتیہ کی نفی کے ساتھ مقید ہو۔ اگرچہ یہ بات وجود اور عدم میں ممتنع بھی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی خارج میں وجود عدمی وسلبی کے ساتھ مقید وجود کے تصور سے بہت دور کی بات بھی ہے۔ میں نے تحقیق کے ان دعویداروں سے کہا: تم نے اپنے عقیدہ کی بنیاد مناطقہ کے قوانین پر رکھی ہے۔ یہ وجود مطلق جس میں اطلاق کی شرط لگائی گئی ہے یہ سلب نقیضین کے ساتھ مقید ہے۔ اہل عقل و دانش کا اتفاق ہے کہ خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ بلکہ اسے ذہن میں مقدر مانا جاتا ہے۔ وگرنہ اگر ہم انسان مطلق کو مقدر مانیں اور اس میں یہ شرط لگا دیں کہ نہ ہی وہ معدوم ہو اور نہ ہی موجود ہو نہ ہی ایک ہو نہ ہی زیادہ تو خارج میں کوئی ایسا وجود نہیں پایا جاتا۔ بلکہ ہم اسے ذہن میں فرض کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم ذہن میں جمع بین النقیضین کو فرض کر لیتے ہیں ایسے ہی رفع نقیضین کو فرض کرنا بھی جمع بین النقیضین کو فرض کرنے کی طرح ہے۔ یہی وجہ ہی کہ لوگ کبھی اسے جمع بین النقیضین کا نام دیتے ہیں تو کبھی ان دونوں سے امساک کا۔ جیسا کہ ابن عربی اور دوسرے بہت سارے لوگوں نے کیا ہے۔ اور کبھی ان دونوں چیزوں کو جمع کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب البطاقہ کے مصنف اور دوسرے لوگوں کے ہاں ملتا ہے۔

مگر اس کے ساتھ ہی کہتے ہیں وہی ذات اس عالم کو بغیر کسی سابقہ مثال کے پیدا کرنے والی ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ وہ ذات کی کوئی مثبت یا منفی صفت نہیں بیان کی جاسکتی۔ یہ ان کے عقیدہ میں تناقض ہے۔ اس لیے کہ اس کا مبدع ہونا ہی ان دونوں صفات سے خالی نہیں ہے۔

ایسے ہی جب کہتے ہیں: موجود واجب ہے تو اس میں نقیضین سے مجرد ہونے کی شرط لگاتے ہیں۔ یہ بھی ان کے ہاں تناقض ہے۔

ان کے عقیدہ کی حقیقت یہ بنتی ہے کہ موجود موجود نہیں اور واجب واجب نہیں۔ یہاں پر ان کی انتہا ہو جاتی ہے۔ یہ یا تو جمع بین النقیضین ہے یا پھر رفع النقیضین۔

یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ حیرانگی میں سرگرداں پھرتے ہیں اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ ان کے ہاں انبیا و اولیا ائمہ وفلاسفہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کی معرفت کی منتہا یہی ہے۔

ان کی گمراہی کی اصل یہ ہے کہ یہ لوگ اس چیز کو تشبیہ سے تنزیہ شمار کرتے ہیں۔ان کے نزدیک جب بھی کوئی مثبت یا منفی صفت بیان کی جائے تو اس میں تشبیہ کا عنصر پایا جاتا ہے۔اور ان کو یہ پتہ نہ چل سکا کہ جس تشبیہ کی اللہ تعالی سے نفی کی گئی ہے وہ وہ تشبیہ ہے جس میں اسے مخلوق کے خصائص میں سے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جائے یا اس کی کسی صفت کو مخلوقات میں سے کسی کی صفت کی مانند قرار دیا جائے ۔وہ بھی اس طرح سے کہ یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالی کے لیے بھی وہ چیز جائز ہے جو مخلوقات کے لیے جائز ہے۔یا اس کے لیے بھی وہ چیز واجب ہے جو مخلوقات کے لیے واجب ہے۔یا اس پر بھی وہ چیز ممتنع ہے جو مخلوقات پر مطلق طور پر ممتنع ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شرع کیساتھ ساتھ عقلاً بھی یہ مثال ممتنع ہے۔پس یہ ممتنع ہے کہ اللہ تعالی کے لیے کچھ بھی نقائص کے اوصاف بیان کیے جائیں۔اور یہ بھی ممتنع ہے کہ صفات کمال میں کوئی دوسرا اس کے مماثل ہو۔اللہ تعالی کی تنزیہ کے لیے یہ دو جامع اصول ہیں۔جیسا کہ ہم نے کئی مواقع پر بیان کیا ہے۔اس پر دلیل یہ فرمان الٰہی ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾

''فرما دیجیے: وہ اللہ ایک ہے۔اللہ ہی بے نیاز ہے۔نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔''

ہم اس سورت کی تفسیر میں ایک منفرد کتاب میں تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے۔

رہا اسما میں موافقت کا مسئلہ؛ جیسے حي اور حي ؛ موجود اور موجود اور علیم اور علیم ؛ تو ایسا ہونا ضروری ہے۔اور جس نے اس کی نفی کی ہے اس پر تعطیل محض لازم آتی ہے۔اس لیے کہ موجودین میں سے ہر ایک بذات خود قائم ہے۔پس اس وقت ضروری ہو جاتا ہے کہ ایک ایسا اسم عام ان دونوں کو جمع کرے جو عام معانی پر دلالت کرتا ہو۔لیکن معنی عام صرف ذہن میں ہی پائے جاتے ہیں خارج میں ان کا وجود نہیں ہوتا۔

جب یہ کہا جائے کہ: یہ بھی موجود ہے اور یہ بھی موجود ہے تو یہ دونوں مسمی وجود میں مشترک ہوئے۔جس چیز میں یہ دونوں شریک ہیں وہ مشترک صرف ذہن میں ہے خارج میں نہیں۔اور ہر موجود جو اپنی ذات اور صفات کے ساتھ مختص ہے اس میں کوئی چیز باہر سے اس کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتی۔بلکہ یہ اشتراک ایک قسم کی مشابہت اور اتفاق ہے۔اور اس میں مشترک کلی بھی صرف ذہن میں پایا جاتا ہے۔سو جب یہ خارج میں پایا جائے تو وہ اپنے نظیر سے متمیز اور جدا نہیں ہوا۔اور نہ ہی وہ وہی ہوتا ہی۔اور نہ ہی وہ دونوں خارج میں کسی خارجی چیز میں مشترک ہوتے ہیں۔پس جب خالق کا نام مخلوق کے نام سے مشابہ ہو جیسے موجود اور حي۔تو کہا جائے گا کہ یہ اسم عام کلی ہے۔یہ متواطی یا متشکک اسماء میں سے ہے۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس مسمی اسم کے اعتبار سے رب کی جو صفات ہیں مخلوق بھی ان میں شریک ہو۔بلکہ مخلوق میں سے جس کسی دوسرے کا اگر ایسا نہ ہو تو وہ بھی اس کے ساتھ مواصفات میں شریک نہیں ہوسکتا۔بلکہ اس کا وجود اس کے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ساتھ خاص ہے۔ اور اس کا وجود اس کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن جو مخلوق کی صفات ہیں وہ کبھی دوسرے مخلوق کی صفات کے مماثل ہوسکتی ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک مثل کے لیے وہ امور جائز ہوتے ہیں جو دوسرے کے لیے جائز ہیں۔

جب کہ رب سبحانہ وتعالیٰ کی صفات میں کوئی چیز اس کے مماثل نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اللہ اور مخلوق کی صفات میں دو فرق اور تباین ہے وہ مخلوق کی صفات میں تباین وفرق سے بہت بڑا ہے۔ جب کہ اس میں معنی مشترک کلی عام جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ یہ کلی طور پر صرف ذہن میں ہوسکتا ہے۔

جب دو موصوف میں اس لحاظ سے موافقت و مشارکت اور مشابہت کی ایک نوع پائی جاتی ہے اور اس میں کوئی محذور (ممانعت) والی بات نہیں۔ اس لیے کہ اس قدر مشترک کی وجہ سے وجوب یا جواز یا امتناع لازم نہیں آتا۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھی اس صفت کے ساتھ متصف ہے۔ پس وہ موجود اپنے موجود ہونے کے اعتبار سے ہے ایسے ہی علیم اور حی کی صفات کا معاملہ بھی ہے۔ سو جتنا بھی کہا جائے کہ اس سے وجوب یا جواز یا امتناع لازم آتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ جن صفات سے موصوف ہے وہ مخلوق کی صفات موجود وحیات اور علم کے خلاف ہیں۔ اس لیے کہ مخلوق کے لیے جو امتناع جواز اور وجوب اور استحالہ کی صفات بیان کی جاتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیان نہیں کی جاسکتیں۔ اور نہ ہی جو صفات وجوب و جواز اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں وہ مخلوقات کے لیے بیان کی جاسکتی ہیں۔ جو انسان اس بات کو سمجھ لیتا ہے اس کے بہت سارے اشکالات ختم ہوجاتے ہیں۔ بہت سارے اذکیا جو علوم الکلیہ اور معارف الٰہیہ میں نظر رکھتے ہیں وہ اسی چیز کے قائل ہیں۔ واجب الوجود میں ان کے اقوال میں سے ایک قول یہ بھی ہے۔ یہ اطلاق نفی و اثبات کی شرط کیساتھ مطلق ہے۔ اور تعطیل و الحاد سے زیادہ کامل و اکمل ہے۔

دوسرا قول ابن سینا اور اس کے متبعین کا ہے کہ: بیشک وہ وجود قیود سلبیہ کیساتھ مقید ہے ثبوتیہ کے ساتھ نہیں۔ اور کبھی اسے یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ وجود مقید ہے۔ کبھی ماہیات میں سے کوئی بھی چیز اس کا معارضہ نہیں کرسکتی۔ یہ تعبیر ابن رازی وغیرہ کی ہے۔ ان عبارات کی بنیاد ان کا یہ عقیدہ ہے کہ: وجود کا ماہیات ممکنہ سے اعراض ہوسکتا ہے۔ امام احمد کے اصحاب میں سے بعض مناظرین و متکلمین اور کچھ دوسرے لوگوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: (ایسا نہیں) بلکہ خارجی وجود کی خارج میں ایک ثابت حقیقت ہوتی ہے۔ یہ دو چیزیں نہیں۔ اہل اثبات میں سے جمہور کا یہی قول ہے۔ اور دوسرا قول مذاہب اربعہ میں سے اور دوسرے مناظرین کا ہے جو اثبات صفات کے قائل ہیں۔ لیکن شہرستانی؛ رازی اور آمدی وغیرہ رحمہم اللہ کا خیال یہ ہے کہ اس قول کا قائل کہنا چاہتا ہے کہ: لفظ وجود اشتراک لفظی کے لیے بنایا گیا ہے۔ انہوں نے یہ کلام اشعری وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ جب کہ یہ ان کے متعلق غلط بیانی ہے۔ اس لیے کہ اولین و آخرین میں سے جمہور کا یہی قول ہے۔ سوائے ایک چھوٹے سے طائفہ کے۔ ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو یہ کہتا ہو کہ لفظ وجود اشتراک لفظی کے لیے بنایا گیا ہے۔ یہ اشعری اور اس کے اصحاب کا قول نہیں۔ بلکہ ان کا اتفاق ہے کہ وجود کی دو قسمیں ہیں: قدیم اور محدث۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اسم وجود ان دونوں اقسام کو شامل ہے۔ لیکن اشعری ان احوال کی نفی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: عموم و خصوص کئی ایک اقوال کی طرف لوٹتا ہے۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ خارج میں کلی عام کا کوئی معنی نہیں اس کا مقصود یہ نہیں ذہن میں کلی عام کا معنی قائم نہیں ہوسکتا۔

ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ہر چیز کا وجود وہ بذات خود اس کی موجودہ حقیقت ہوتی ہے۔ بیشک یہی قول اشتراک لفظی کا ہے۔ اس لیے کہ ان کا کہنا ہے کہ: جب اگر ہم وجود کو متساوی و متواطی (ہم پلہ و ہم معنی) الفاظ سے عام قرار دیدیں یہ ان الفاظِ متافضلہ کے لیے عام کردیں جنہیں متشککہ کہا جاتا ہے اور ہم نے کہا ہے کہ: وجود واجب اور ممکن اور قدیم و محدث میں منقسم ہے تو یہ انواع مسمی وجود میں مشترک ہوتے ہیں۔ یہی کلی مطلق ہے۔ ان میں سے ہر ایک کیلیے اپنی خصوصیت کے ساتھ دوسرے سے ممتاز (وجدا) ہونا ضروری ہے اسے حقیقت کہتے ہیں۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے وجود کے علاوہ حقیقت بھی ہوتی ہے۔

یہ ایسی غلط ہے جس میں کئی لوگ گمراہ ہوگئے جیسے امام رازی اور اس کے امثال۔

اس کا بیان تین طرح سے ہے: پہلی وجہ: یہ کہا جائے گا کہ لفظ موجود بھی لفظ حقیقت اور لفظ ماہیت اور لفظ ذات اور نفس کی طرح ہے۔ جب آپ کہتے ہیں کہ وجود واجب و ممکن یا قدیم اور محدث میں تقسیم ہوتا ہے۔ یہ تمہارے اس قول کی منزلت پر ہے کہ: حقیقت بھی واجب اور ممکن یا قدیم اور محدث میں تقسیم ہوتی ہے۔ یا پھر آپ یوں کہہ لیں کہ ذات بھی ان ہی اقسام میں تقسیم ہوتی ہے۔ اور ماہیت کی بھی تقسیم ایسے ہی ہوتی ہے۔ اور اس طرح کے دیگر عام اسما کا بھی یہی حال ہے۔ اور جیسا کہ یہ کہہ دیں: چیز واجب اور ممکن اور قدیم اور حادث میں تقسیم ہوتی ہے۔

پس اس صورت میں جب آپ یہ کہیں گے کہ یہ دونوں وجود یا وجوب میں مشترک ہیں تو ان میں سے ایک اپنی ماہیت یا حقیقت کے اعتبار سے دوسرے سے جداگانہ ہوگا تو اسکی منزلت بھی یہی ہوگی؛ گویا کہ یوں کہا جائے: یہ دونوں ماہیت اور حقیقت میں مشترک ہیں۔ اور ان میں سے ایک دوسرے وجوب یا وجود کی وجہ سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ دونوں وجود عام کلی میں مشترک ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی اپنی خاص حقیقت ہے۔

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: ایسے ہی یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ: بیشک یہ دونوں اپنی عام کلی حقیقت میں مشترک ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے خاص وجود کے ساتھ جدا اور ممتاز ہے۔ پس اس صورت میں جس چیز کو آپ کلی عام قرار دیتے ہوں جیسا کہ جنس و عرض عام اور جس چیز کو آپ خاص ممیز جزئی قرار دیتے ہو۔ جیسا کہ فصل اور خاصیت۔ لیکن آپ نے عموم و خصوص میں دو متساوی چیزوں کا ارادہ کیا ہے۔ اور ایک کو آپ نے حال عموم میں مقدر مانا ہے اور دوسری کو حال خصوص میں۔ یہ سب آپ کی بنائی ہوئی تقدیریں اور قیاسات ہیں۔ وگرنہ ان میں سے ہر ایک میں اسے ہی تقدیر ممکن ہے جیسے کہ دوسری چیز میں آپ نے مقرر کی ہے۔ اور نفس امر میں ان میں سے ہر عموم و خصوص میں اور مشترک اور ممیّز ہونے میں دوسری چیز کے برابر ہے۔ تو اس صورت میں تمہارے بنائے ہوئے جنس اور عرض عام اور

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



فصل اور خاص میں حقیقت میں کوئی فرق نہیں۔ سوائے اس کے کہ تم متساوین میں سے ایک کو عام قرار دیتے ہو اور دوسرے کو خاص۔

دوسری وجہ:...... ان سے کہا جائے کہ: جب آپ کہتے ہیں: دو موجود مسمی وجود میں مشترک ہیں۔ تو اس صورت میں ان میں کسی ایک کا دوسرے سے کسی امر کی بنا پر ممتاز ہونا لازمی ہے۔

اس کے جواب میں آپ سے کہا جائے گا کہ: ممیّز کے لیے اس کا خاص وجود ہوتا ہے۔ تو پھر آپ نے یوں کیوں کہا: کہ یہ مسمی کے وجود سے خارج میں ایک چیز ہوتی ہے تا کہ تم ایک دوسری حقیقت ثابت کر سکو۔ یہ ویسے ہی ہے جیسے ہم نے کہا ہے: دو انسان مسمی انسانیت میں مشترک ہیں۔ مگر ان میں سے ایک اپنی کسی خصوصیت کی وجہ سے دوسرے سے ممتاز اور جدا ہے۔ تو اس ممتاز کی اپنی انسانیت ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے۔ تو اس کے لیے یہ حاجت نہیں ہے کہ ممیّز کو غیر کو انسانیت قرار دیا جائے جس سے انسانیت کا اعراض ہوتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کا خیال ہے کہ کلی میں مشترک انواع میں دوسرے مواد کے بغیر جدائی و فصل ممکن نہیں۔ اس جگہ پر اہل منطق کی ان غلطیوں پر بڑا طویل کلام ہے جو انہوں نے کلیات اور تقسیم کلیات ترکیب حدود ذاتیات اور دوسرے امور میں قیاس کے مواد اور یقینی اور غیر یقینی چیزوں میں کی ہیں۔ یہ تمام باتیں دوسرے مواقع پر درج ہیں۔

تیسری وجہ:...... ان سے کہا جائے کہ: جب ہم کہتے ہیں: دو موجود مسمی وجود میں مشترک ہیں۔ اور ان میں سے ایک کا کسی چیز کی وجہ سے دوسرے سے ممتاز و جدا ہونا ضروری ہے۔ تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ یہ کسی ایسی چیز میں مشترک ہیں جو کہ بعینہ خارج میں بھی موجود ہے۔ بلاشبہ ایسا ہونا ممتنع ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس جہت سے یہ دونوں آپ میں موافق اور متشابہ ہیں۔

نفس مشترک فیہ صرف ذہن میں مشترک ہوتا ہے خارج میں نہیں۔ وگرنہ نفس وجود میں ان کا اشتراک نہ ہوتا۔ پس اس لیے جب ہم کہتے ہیں کہ لفظ وجود عام کلی اور متشکک الفاظ میں سے اور اس کے معانی میں تفاضل پایا جاتا ہے۔ مگر ان کے اصل مسمی میں اتفاق کے باوجود مماثلت نہیں پائی جاتی۔ جیسا کہ لفظ سفید۔ برف کی سفیدی بہت زیادہ ہوتی ہے کہ برص کی سفیدی اس سے کم ہوتی ہے۔ یہی حال کالے رنگ کا بھی ہوتا ہے۔ کوے میں کالا رنگ زیادہ ہوتا ہے اور حبشی میں کم ہوتا ہے۔ اور یہی حال لفظ بلند کا بھی ہے۔ چھت بھی بلند ہوتی ہے اور آسمان بھی بلند ہوتا ہے۔ مگر دونوں کی بلندی میں بہت بڑا فرق ہے۔ اور لفظ واسع کا اطلاق سمندر پر بھی ہوتا ہے اور بڑے گھر کو بھی واسع کہتے ہیں۔ ایسے ہی وجود کا لفظ بذات خود واجب الوجود کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور دوسرے کی وجہ سے ممکن الوجود پر بھی بولا جاتا ہے۔ بذات خود قائم پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور دوسرے کی وجہ سے قائم پر بھی۔ اور قدیم پہلی کے چاند کو بھی کہتے ہیں اور اسے بھی کہتے ہیں جس کی کوئی ابتدا ہی نہیں ہو۔ اور محدث اس کو بھی کہتے ہیں جو آج ہی کے دن ایجاد کر لیا گیا ہو اور اسے بھی کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی دن عدم سے وجود بخشا ہو۔ اور لفظ حی انسان حیوان اور نباتات کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ اور اس

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



حیی وقیوم کے لیے بھی بولا جاتا ہے جسے کبھی بھی موت نہیں آئے گی۔ بلکہ اللہ تعالی کے اسماء حسنی مخلوقات کے ان ہی اسماء سے بہت بلند و بالا ہیں۔جیسا کہ الملك؛ السميع البصير العليم؛ الخبير اوراس طرح کے دیگر اسماء کا شمار بھی اسی باب میں ہوتا ہے۔

جب یہ کہا جائے کہ: تمام عام الفاظ اور تمام عام معانی -خواہ وہ متماثل ہوں یا متفاضل- بیشک جن کے افراد آپس میں ایک دوسرے کے شریک یا موافق ہوتے ہیں۔اس میں کہیں بھی یہ نہیں آیا کہ خارج میں عام کا کوئی ایسا معنی ہے جو کہ عام ہے۔اس لیے کہ لفظ عام اور اس کا معنی خود مشترک ہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض معین موجودات اس عام میں مشترک ہیں ۔اور یہ عام صرف عالم کے علم میں ہوتا ہے۔جیسا کہ لفظ عام صرف بولنے والے کے الفاظ میں عام ہوتا ہے۔اور عام خط صرف کاتب کے خط میں ہی عام ہوسکتا ہے۔اس کے عام ہونے سے مراد بیرونی افراد کے لیے اس کا شامل ہونا ہے۔ نہ یہ کہ بذات خود موجود چیز خود اس کے ساتھ بھی متعین ہوگی اور خود ہی اس کے ساتھ بھی متعین ہوگی۔اس لیے کہ بلا ریب یہ بات حس اور عقل کے خلاف ہے۔

یہاں پر مقصود یہ ہے کہ ابن سینا کا مذہب یہ ہے کہ اپنی ذات کے لیے واجب الوجود ہی تمام ثبوتی امور کے سلب کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔سلب النقیضین یا امساک عن النقیضین کے ساتھ مقید کرنے سے نہیں ہوتا۔جیسا کہ قرامطہ میں سے سجستانی اور اس کے امثال نے کیا ہے۔ابن سینا نے ان کے قول: وجود مقید کو یوں تعبیر کیا ہے کہ حقائق یا ماہیات میں سے کوئی بھی چیز سے سامنا نہیں کرسکتا۔اس لیے کہ ان کا اعتقاد ہے کہ وجود ممکنات سے سامنا کرسکتا ہے۔یہی ان کا قول ہے کہ واجب کا وجود خود اس کی ماہیت ہے۔

جمہور اہل سنت یہی کہتے ہیں۔لیکن ان دونوں کے مابین فرق یہ ہے کہ ان کے نزدیک وجود مطلق جو کہ سلب ماہیات کے ساتھ مشروط ہو تو اس کی کوئی ماہیت وجود مقید سلبی کے علاوہ نہیں ہوتی۔

جب کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے ماننے والے تمام عقلاء جانتے ہیں کہ اللہ تعالی کی حقیقت اسی کے ساتھ خاص ہے اور موجود بھی ہے؛ مگر مخلوقات میں سے کسی بھی حقیقت کے متماثل نہیں۔معتزلہ اور ان سے موافقت رکھنے والے ایک گروہ کا کہنا ہے: ''یہ حقیقت اپنی اصل حقیقت پر زائد وجود کے ساتھ موجود ہے۔''

جب کہ جمہور کہتے ہیں: خارج میں مخلوق حقائق کی بھی وہی حقیقت ہے جو کہ موجود کی حقیقت ہے۔ان دونوں کے مابین فرق یہاں سے پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک کو ذہنی قرار دیا جائے اور دوسرے کو خارجی۔ جب حقیقت یا ماہیت کو اس چیز کا نام قرار دیا جائے جو ذہن میں موجود ہے۔یہ خارج میں موجود چیز سے ہٹ کر ہوتی ہے۔اور جب یہ کہا جائے کہ ''الوجود الذهنی'' تو اس سے مراد ذہنی ماہیت ہوتی ہے۔اور جب کہا جائے: خارجی ماہیت تو اس سے مراد خارجی وجود ہوتا ہے۔اگر جب مخلوق میں ایسا جائز ہے تو خالق میں بالاولی جائز ہے۔

ابن سینا کے مذہب کا فاسد ہونا مکمل تصور کے بعد عقلی ضرورت کے تحت معلوم شدہ ہے۔اس لیے کہ جب دو موجود

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



مسمی وجود میں مشترک ہوں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے مجرد سلب کے علاوہ کسی وجہ سے ممیّز نہ ہو کیونکہ بلاشبہ نفس الامر خالی عدم محض ہونے سے دو مشترکین میں تمیز کا سبب نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ عدم محض کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ اور جو خود کچھ بھی نہ ہو اس کی وجہ سے نفس الامر میں امتیاز ممکن نہیں ہوتا۔ اور دو موجود چیزوں کے مابین فاصل جو کہ ان دو میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص ہو صرف امر ثبوتی یا متضمن بالامر ثبوتی ہی ہوسکتا ہے۔ یہ بات ان کے ہاں منطق میں طے شدہ ہے۔ سو پھر اللہ سبحانہ وتعالی رب کائنات کا وجود وجود ممکنات کے ساتھ مسمی وجود میں کیسے مماثل ہوسکتا ہے؟ اور عدم محض کے علاوہ کسی امر ثبوتی کی بنا پر مخلوقات سے ممتاز نہیں ہوسکتا۔

بلکہ اس تقدیر کی بنا پر جس بھی موجود کو مقدر مانا جائے وہ اس موجود سے زیادہ کامل ہوگا۔ اس لیے کہ وہ موجود ان کے نزدیک اپنے وجود میں امر ثبوتی کے ساتھ مختص ہے۔ جب کہ ان کے نزدیک یہ بھی ہے کہ واجب الوجود مسمی الوجود میں مماثلت کے باوجود محض امر عدمی کے ساتھ ہی مختص ہوسکتا ہے۔ یہ قول ہر ممکن الوجود کی واجب الوجود کے ساتھ مماثلت فی الوجود کو مستلزم ہے۔ اور ان سے اس کا امتیاز صرف امور ثبوتیہ کے سلب کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ جب کہ کمال تو وجود میں ہوتا ہے عدم میں نہیں ہوتا۔ پھر عدم محض میں تو کوئی کمال ہے ہی نہیں۔ سو اس بنا پر وہ ممکنات سے صرف تمام کمالات کے سلب کی وجہ سے ہی ممتاز ہوگا جب کہ ممکنات اس سے تمام کمالات کے اثبات کی بنا پر ممتاز ہونگی۔ یہ ممکنات کی کمال اور وجود میں تعظیم کی آخری حد ہوگی جس میں واجب الوجود نقص اور عدم سے موصوف ہوگا۔

نیز یہ وجود جو کہ اپنے غیر سے صرف عدمی امور کی بنا پر ممتاز ہوتا ہے خارج میں اس کا وجود ناممکن ہوگا۔ بلکہ ذہن کے بغیر اس کا امکان بھی نہیں رہے گا۔ اس لیے کہ جب یہ ساری موجودات کے ساتھ مسمی وجود میں شریک ہے تو یہ کلی ہوا۔ اور وجود کلی صرف ذہن میں ہوسکتا ہے خارج میں نہیں۔ نیز یہ کہ محض عدمی امور خارج میں ان کے ثبوت کو واجب نہیں کرتے۔ اس لیے کہ جو کچھ ذہن میں ہوتا ہے وہ خارجی حقائق کے سلب ہونے سے سلب خارج کا زیادہ حق دار تھا اگرچہ خارج میں یہ ممکن بھی ہوتا تو پھر اس وقت کیا عالم ہوگا جب کہ یہ ممتنع ہو۔

پس جب کلی صرف ذہن میں ہی ہوتا ہے۔ اور عدمی قیود اس کو کلی ہونے سے خارج نہیں کرسکتی تو ثابت ہوا کہ خارج میں بھی یہ نہ ہو۔ مزید برآں کہ جو کچھ خارج میں ہے وہ صرف معین ہی ہوسکتا ہے۔ اس کا اپنا وجود ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے۔ جو اس طرح نہ ہو وہ صرف ذہن میں ہی ہوسکتا ہے۔ پس ان تین وجوہات اور دیگر وجوہ کی بنا پر ثابت ہوا کہ اس نے جو کچھ واجب الوجود کے متعلق ذکر کیا ہے وہ صرف ذہن میں متحقق ہوسکتا ہے خارج میں نہیں۔ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اسے امور عدمیہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔

ان کا ایک تیسرا قول بھی ہے: وجود مطلق شرط اطلاق کے بغیر جسے یہ کلی طبعی کا نام دیتے ہیں خارج میں اس کا وجود صرف معین طور پر ہی ہوسکتا ہے۔ یہ قول بھی اپنے سے پہلے دو اقوال کی جنس سے ہے۔ ان میں سے بعض خیال کرتے ہیں کہ خارج میں وہ ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ معینات کا ایک جز ہے۔ پس اس صورت میں ہر مبدع واجب الوجود یا تو مخلوقات

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کے ساتھ قائم عرض ہوگا یا پھر ان میں سے ایک جز ہوگا۔ پھر یہ واجب عرض میں ممکن کا محتاج ہوگا یا اس میں سے ایک جز کا۔ جیسے حیوانات میں حیوانیت کی منزلت ہوتی ہے۔ یہ خود حیوانات کی خالق نہیں۔ اور نہ ہی انسانیت انسان کو پیدا کرنے والی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ کسی چیز کے جز یا عرض کا اس چیز کا خالق ہونا ممکن نہیں۔ بلکہ خالق اس سے جدا اور منفصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جز اور عرض اس (اصل چیز) میں داخل ہوتے ہیں۔ داخل چیز کے لیے اپنے کل کا خلق اور مبدع ہونے ممکن نہیں ہوتا۔

یہ لوگ جو کچھ اللہ رب العالمین کی صفات بیان کرتے ہیں ان کی موجودگی میں اس کے لیے ممتنع ہے کہ وہ موجودات میں سے کسی ایک چیز کا خالق ہو چہ جائے کہ وہ تمام مخلوقات کا خالق ہو؛ ان امور کی مکمل تفصیل دوسری جگہ پر موجود ہے۔

یہاں پر مقصود یہ ہے کہ ان ملاحدہ کے عقیدہ کی حقیقت خالق کا انکار کرنا نبوت کی حقیقت معاد اور شرائع کا انکار کرنا ہے۔ اس چیز کو یہ لوگ موالات علی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس عقیدہ پر تھے۔ جیسا کہ قدریہ جہمیہ اور رافضہ دعوی کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے عقیدہ پر تھے۔ اور یہ عقیدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ماخوذ ہونے کا دعوی بھی کرتے ہیں۔ یہ تمام باتیں باطل اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹا الزام ہیں۔

## فصل:...... حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علم تفسیر

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''علم تفسیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ اس لیے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے شاگرد تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ''بسم اللہ'' کی ''با'' کی تفسیر پوری رات بھر میں بیان کی۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]** : پہلی بات: [ہم کہتے ہیں: یہ صاف جھوٹ ہے]۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے ثبوت کی سند کہاں ہے؟ منقولات سے استدلال کرنے والے پر واجب ہوتا ہے کہ وہ کم از کم اس سند کا ذکر کرے جس سے منقول کی صحت کا علم ہو سکے۔ وگرنہ کتابوں میں منقولات میں سے جو کچھ خالی ذکر کیا گیا ہوتا ہے' اس سے استدلال کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ یہ بات معلوم شدہ ہے کہ ایسی روایات میں بہت ساری جھوٹی روایات بھی ہیں۔

دوسری بات:...... محدثین کرام جانتے ہیں کہ یہ روایت جھوٹ ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول یہ اثر آپ پر جھوٹ ہے۔ اس کی کوئی معروف سند نہیں۔ اس قسم کی حکایات بلا اسناد ہی ذکر کی جاتی ہیں۔ اور ان کو روایت کرنے والے بھی مجہولات کے دلدادہ لوگ ہوتے ہیں؛ جو ایسا کلام کرتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ اور پھر اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کلام قرار دیتے ہیں؛ یہ بھی اسی جنس سے ہے۔ [اس قسم کی روایات بیان کرنا جاہل صوفیا کا کام ہے۔ جیسے صوفیاء روایت کرتے ہیں کہ]: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق باتیں کیا کرتے تھے اور میں ان کے پاس یوں بیٹھا رہتا جیسے کوئی حبشی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہو۔'' اس روایت کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جھوٹ ہونے پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔

❀ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی سے صرف اس لیے نکاح کیا تھا تا کہ اس سے دریافت کریں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ خلوت میں کیا کام کیا کرتے تھے؟ اس نے کہا: '' میں آپ سے جلی ہوئی کلیجی کے کباب کی خوشبو سونگھا کرتی تھی۔'' یہ صریح کذب ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیوی اسماء بنت عمیس کیساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح ہی نہیں کیا ؛ بلکہ ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تھا ؛ اور ان کے ساتھ ان کا بیٹا محمد بن ابی بکر بھی تھا ؛ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیر کفالت تربیت پائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جتنا اللہ کو منظور تھا اتنی تفسیر صحیح اور ثابت شدہ اسناد کے ساتھ منقول ہے۔ ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام تک نہیں۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے متعدد صحابہ کرام جیسے: حضرت عمر' ابو ہریرہ ؛ عبدالرحمٰن بن عوف' زید بن ثابت' ابی بن کعب' اسامہ بن زید' اور دیگر مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم اجمعین سے استفادہ کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کی تفسیری روایات بہت کم ہیں۔ اصحاب صحیح نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کی کوئی روایت نقل نہیں کہ جب کہ حضرت عمر ؛ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت ابوہریرہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے آپ کی روایات منقول ہیں۔ نیز یہ کہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام سے بھی منقول ہے۔ یہ علم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے ایسے صحابہ کرام سے منقول ہیں جنھوں نے یہ علم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ علم حاصل نہیں کیا۔ اور نہ ہی مسلمانوں کے ہاں آپ سے منقول کوئی تفسیر موجود ہے۔ کتب احادیث و تفاسیر صحابہ و تابعین کے آثار سے بھری پڑی ہیں ؛ ان میں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول روایات بہت کم ہیں۔

تفسیری اقوال آپ نے حضرت ابن مسعود اور صحابہ و تابعین کی ایک کثیر جماعت سے اخذ کیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ تفسیری اقوال کسی کتاب میں موجود نہیں۔ آپ سے بہت کم تفسیری اقوال نقل کیے گئے ہیں، ابوعبدالرحمٰن سلمی نے ''حقائق التفسیر'' میں جو اقوال جعفر صادق رحمہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں وہ بالکل جھوٹ ہیں ؛ جیسا کہ دوسرے لوگوں نے بھی حضرت جعفر رحمہ اللہ علیہ پر جھوٹ بولا ہے۔ ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں۔

## فصل :...... حضرت علی رضی اللہ عنہ اور علم تصوف

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''علم طریقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ تمام صوفیہ خرقہ کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]** : پہلا جواب : ہم کہتے ہیں: تمام اہل معرفت اور حقائق ایمان کے جانکار جو کہ امت میں سچائی و امانت کے ساتھ مشہور ہیں ؛ وہ تمام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تقدیم پر متفق ہیں۔ اور یہ کہ آپ اس امت میں حقائق ایمان اور احوال عرفان کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ تو پھر وہ ان حقائق سے۔ جنہیں شیعہ بھی افضل امور میں سے مانتے

www.KitaboSunnat.com



ہیں- کتنے دور ہیں جو آپ کی طرف لوگوں کے منسوب کردہ ایک لباس کی وجہ سے آپ کو تقدیم [اور فضیلت] دیتے ہیں۔

❀ صحیحین میں مروی ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِن اللهَ لا ینظر إِلی صورِکم وأموالِکم، وإِنما ینظر إِلی قلوبِکم وأعمالِکم))۔

''بیشک اللہ تعالیٰ نہ ہی تمہاری صورتوں کو دیکھتے ہیں اور نہ ہی تمہارے امول کو دیکھتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔'' [سبق تخریجه]

دوسری بات: خرقہ جات کی تعداد بہت ہے، مگر مشہور دو خرقے ہیں:

۱۔ایک خرقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہے۔

۲۔دوسرے خرقہ کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کی جاتی ہے۔

جو خرقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہے اس کی دو اسناد ہیں ایک اُویس قرنی تک اور دوسری سند ابو مسلم خولانی تک پہنچتی ہے۔

جس خرقہ کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کی جاتی ہے اس کی اسناد حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تک پہنچتی ہے۔ متاخرین اسے معروف کرخی رحمہ اللہ تک پہنچاتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جنید سری سقطی کی صحبت میں رہے ہیں اور سری سقطی بلا ریب معروف کرخی کی صحبت میں رہے ہیں۔ اس سے آگے سند کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔بعض اوقات وہ کہنے لگتے ہیں کہ معروف کرخی رحمہ اللہ علی بن موسیٰ رضا رحمہ اللہ کی صحبت میں رہے تھے۔ یہ بات قطعی طور پر باطل ہے۔وجہ بطلان یہ ہے کہ معروف کرخی کے حالات نقل کرنے والے مصنفین اس کی کوئی متصل سند ذکر نہیں کرتے۔جیسے ابونعیم اور ابو الفرج ابن جوزی رحمہ اللہ جس نے معروف کرخی کے فضائل میں کتاب بھی لکھی ہے۔معروف اپنے شہر کرخ میں منقطع ہو کر رہ گئے تھے۔[آپ کرخ سے باہر کہیں نہیں گئے تھے]۔ جب کہ علی بن موسیٰ خلیفہ مامون کے یہاں خراسان میں سکونت گزین تھے۔جنہیں مامون نے اپنے بعد ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔اس نے اپنا شعار [مونو] سبز لباس بنا لیا تھا۔پھر اس سے رجوع کر لیا اور دوبارہ کالا لباس پہننا شروع کر دیا تھا۔

معروف کرخی [عمر میں علی بن موسیٰ سے بڑے تھے، بنا بریں] کسی ثقہ راوی سے یہ ثابت نہیں کہ دونوں کبھی باہم ملے یا ایک دوسرے کو دیکھا اور استفادہ کیا۔معروف رحمہ اللہ علی بن موسیٰ کے دربان بھی نہ تھے کہ انھیں موسیٰ کا شرف صحبت حاصل ہوا ہو اور ان کے ہاتھ پر اسلام بھی نہیں لائے تھے۔یہ تمام کہانیاں اور جھوٹ ہیں۔

اس کی دوسری اسناد یوں بیان کی جاتی ہے کہ: معروف کرخی مشہور بزرگ داؤد طائی کی صحبت میں رہ چکے تھے۔ یہ بھی بے اصل بات ہے۔آپ کے مشہور و معروف حالات زندگی میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی۔[اس لیے کہ ان دونوں حضرات کی ملاقات ثابت نہیں]۔

خرقہ کی روایت میں یہ بھی کہتے ہیں کہ: ''داؤد طائی حبیب عجمی سے ملے تھے۔اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ وہ مزید

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کہتے ہیں کہ: ''حبیب عجمی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ تھے؛ یہ درست ہے۔اس لیے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے کثیر اصحاب و تلامذہ تھے؛ مثلاً ایوب سختیانی ؛ یونس بن عبید ؛ عبد اللہ بن عوف ؛ محمد بن واسع و مالک بن دینار و حبیب عجمی و فرقد سنجی اور بصرہ کے دیگر عابد و زاہد لوگ۔ رحمہم اللہ۔

صوفیاء کا یہ قول کہ: حسن بصری رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صحبت سے فائدہ اٹھایا تھا۔ یہ باتفاق اہل معرفت باطل ہے۔ کیونکہ اہل علم کا اجماع ہے کہ حضرت حسن رحمہ اللہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہم نشینی کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے علم حاصل کیا تھا۔ آپ نے احنف بن قیس' قیس بن عباد اور دوسرے لوگوں سے استفادہ کیا تھا۔ اہل صحیح نے ایسے ہی روایت کیا ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ کی پیدائش خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے خاتمہ سے دو سال پہلے ہوئی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو اس وقت آپ مدینہ میں تھے۔ آپ کی والدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا تو آپ کو بصرہ لے جایا گیا۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں تھے۔ اور اس وقت حضرت حسن بچوں کے ساتھ بچے تھے۔ نہ ہی آپ کی کوئی پہچان تھی اور نہ ہی تذکرہ۔ [1]

باقی رہی یہ روایت کہ علی جب بصرہ میں داخل ہوئے تھے تو وہاں جتنے بھی افسانہ گو تھے سب کو نکال دیا صرف حسن کو رہنے دیا۔ تو اس کے صریح جھوٹ ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں پر ایک قصہ گو کو پایا جو قصہ بیان کر رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: ابو یحی۔ آپ نے پھر پوچھا: کیا تم ناسخ اور منسوخ بھی جانتے ہو؟ کہنے لگا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

''خود بھی ہلاک ہوئے اور لوگوں کو بھی ہلاک کر دیا۔ بیشک تم صرف ابو 'اعرفونی'' [یعنی مجھے پہچانو] ہو۔ پھر آپ نے اس کا کان پکڑ کر اسے مسجد سے باہر نکال دیا۔''

ابو حاتم نے اپنی کتاب ''الناسخ والمنسوخ'' میں [یہ واقعہ ایسے] نقل کیا ہے:

حدثنا الفضل ابن دکین [2] حدثنا سفیان 'عن ابی حصین ' عن ابی عبد الرحمن السلمی ' قال: إنتھی عليٌ إلی قاص و ھو یقص؛ فقال: أعلمت الناسخ والمنسوخ ؟ قال: لا۔ قال: ھلکت و أھلکت۔''

[1] حسن ابن ابی الحسن ابن یسار ابو سعید البصری؛ مولی زید بن ثابت۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دو سال باقی تھے کہ آپ پیدا ہوئے۔ اور ۱۱۰ ہجری میں وفات پائی۔ حسن بصری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد تحصیل علم کا آغاز کیا تھا حالانکہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ ابن ابی حاتم نے ان صحابہ کا ذکر کیا ہے جن سے صحیح سند کیساتھ آپ کا سماع ثابت ہے۔ ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوئی ذکر نہیں۔ دیکھیں: الجرح و التعدیل م ۱ ص ٤٠۔ تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۷۱۔ میزان الاعتدال ۱/ ٥٢٧۔

[2] ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کا ذکر اپنی کتاب ''تھذیب التھذیب'' ۸/ ۲۷۰ میں کیا ہے۔ فضل ابن دکین ان کا لقب ہے' جب کہ ان کا نام: عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم التیمی ہے۔ آپ آل ابی طلحہ کے موالی تھے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



’’حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک قصہ گو کے پاس پہنچے جو کہ قصہ بیان کر رہا تھا۔آپ نے پوچھا: کیا تم ناسخ اور منسوخ بھی جانتے ہو؟ کہنے لگا نہیں۔فرمایا: خود بھی ہلاک ہوئے اور لوگوں کو بھی ہلاک کر دیا۔

اور فرمایا: زہیر بن عباد الرواسی نے ہم سے حدیث بیان کی‘ ان سے اسد بن حمران نے‘ وہ جویبر سے اور وہ ضحاک سے روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کی ایک مسجد میں داخل ہوئے وہاں پر ایک قصہ گو کو پایا جو قصہ بیان کر رہا تھا۔آپ نے پوچھا: کیا تم ناسخ اور منسوخ بھی جانتے ہو؟ کہنے لگا نہیں۔فرمایا: کیا مکی اور مدنی بھی جانتے ہو؟ کہنے لگا نہیں۔فرمایا: خود بھی ہلاک ہوئے اور لوگوں کو بھی ہلاک کر دیا۔پھر فرمایا:’’لوگو! جانتے ہو یہ کون ہے؟ یہ کہتا ہے: لوگو مجھے پہچانو‘ لوگو مجھے پہچانو‘ لوگو مجھے پہچانو۔‘‘

ابن الجوزی نے حسن بصری کے فضائل و مناقب کے بارے میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔[1]

ابو عبداللہ محمد بن عبدالواحد المقدسی نے بھی ایک کتاب ان لوگوں کے بارے میں لکھی ہے جن کی صحابہ کرام سے ملاقات ہوئی ہے۔حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اخبار تاریخ البخاری‘ اور اسانید خرقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔چونکہ ہمارے پاس بھی اس کی کچھ اسناد ثابت ہیں تو میں نے ان کو بیان کر دیا تاکہ حق اور باطل واضح ہو جائے۔

## خرقہ پوشی کی ابتداء کی حقیقت:

خرقہ کی ایک دوسری اسناد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہے،مگر وہ منقطع ہے۔ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ اپنے مریدین کو خرقہ پہناتے تھے نہ ان کے بال ترشوایا کرتے تھے۔تابعین نے بھی ایسا نہیں کیا تھا۔یہ فعل مشرق کے بعض متأخر پیروں کا ہے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات صحیح اور ثابت اسناد کے ساتھ بہت ساری کتابوں میں موجود ہیں۔اس کا اندازہ ان واقعات سے بھی ہو سکتا ہے جو ہم نے ذکر کیے ہیں۔ابن جوزی نے آپ کے حالات و واقعات پر مستقل ایک کتاب لکھی ہے۔اس سے بھی ضعیف سند حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ’’فتوۃ‘‘ کی ہے۔اس کی سند میں ایسے مجہول راوی پائے جاتے ہیں جن کے سچا یا جھوٹا ہونے کا ہمیں علم نہیں۔

ہر وہ انسان جسے صحابہ کرام اور تابعین کے احوال کا علم ہے‘ وہ جانتا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین شلوار نہیں پہنا کرتے تھے اور نہ ہی نمکین چیزیں پیا کرتے تھے۔اور نہ ہی ’’فتوۃ‘‘ نامی کوئی طریقہ کسی کے ساتھ خاص تھا۔لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ صحابہ کی صحبت میں بیٹھے اور ان کے آداب و علوم سے بہرہ ور ہوئے تھے۔اور ان کے ہاتھوں پر ان کی تربیت ہوئی۔اور ان کی صحبت میں رہے۔تابعین کے ہر گروہ نے ان صحابہ سے استفادہ کیا جو ان کے شہر میں بود و باش رکھتے تھے۔اصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر‘ حضرت علی اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایات لیا کرتے تھے۔اور ایسے ہی

[1] اس کتاب کا نام ہے:’’فضائل الحسن البصری : أدبه و حكمته و نشأته ......‘‘ یہ کتاب قاہرہ میں چھپ چکی ہے۔

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com



حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ سے روایات اخذ کیا کرتے تھے۔ اور ایسے ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھی حضرت ابن عمر' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ سے علم حاصل کیا کرتے تھے۔ ایسے ہی اصحاب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کرتے تھے۔[اہل مدینہ نے حضرت عمر؛ واُبی؛ وزید؛ وابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایات اخذ کیں]

ان میں سے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیئت کے مطابق لوگوں کو نفع دیا۔ ان سب کا ایک دین اور ایک طریقہ پر اتفاق تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کیا کرتے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیا کرتے تھے۔ اور سچے راویوں کے ذریعہ جو بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان تک پہنچتی؛ اسے قبول کر لیتے۔ بعض لوگوں نے کتاب و سنت اور ان کے مدلولات کا علم سیکھا یا اور بعض نے لوگوں کو اس چیز کی طرف بلایا جسے اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے تھے اور انہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا تھا۔ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اپنے مشائخ کو رب بناتا اور ان سے مدد کا طلب گار ہوتا۔ گویا کہ وہ معبود ہے جس سے سوال کیا جاتا ہے اور اس کی طرف رغبت رکھی جاتی ہے۔ اور اس کی بندگی کی جاتی ہے اور اس پر توکل کیا جاتا ہے۔ اور اس سے زندگی میں اور موت کے بعد مدد طلب کی جاتی ہے۔ اور نہ ہی اس نبی کی طرح بناتے تھے جس کے ہر حکم میں اس کی اطاعت واجب ہو۔ اور جس چیز کو وہ حلال کہہ دے وہ حلال اور جس کو حرام کہہ دے وہ حرام ہے۔ یہی ڈگر تو عیسائیوں کی تھی جن کے بارے میں فرمان الٰہی ہے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [التوبۃ ۳۱]

''انھوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا تھا کہ ایک معبود کی عبادت کریں، کوئی معبود نہیں مگر وہی، وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔''

وہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا کرتے تھے؛ برائی اور بدی کے کام پر نہیں۔ اور ایک دوسرے کو حق بات اور صبر کی تلقین کیا کرتے تھے۔ امام اور شیخ ان کے ہاں نماز کے امام کی منزلت پر ہوتا تھا۔ یا حج کے لیے رہنماء کی طرح۔ پس مقتدی نماز میں امام کی اقتداء کرتے ہیں اور اس کی طرح وہ نماز پڑھتے ہیں' اس کی طرف سے نماز نہیں پڑھتے۔ اور اس امام کے ساتھ وہ نماز ادا کرتے ہیں جس کا حکم انہیں اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے۔ اگر امام جان بوجھ کر یا بھول کر اس اطاعت سے ذرا بھی پھر جائے تو لوگ اس کی اطاعت نہیں کرتے۔

حج کا رہنما لوگوں کو بیت اللہ کے راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے تاکہ لوگ خود وہاں پہنچ کر حج کریں؛ وہ لوگوں کی طرف سے حج نہیں کرتا۔ اور اگر یہ رہنماء کہیں خطأ کا مرتکب ہو جائے تو اس کی اطاعت نہیں کی جاتی۔ اگر دو ائمہ یا دو حج رہنماؤں کے مابین اختلاف ہو جائے تو دیکھا جاتا ہے کہ حق کس کے ساتھ ہے تاکہ اس کی اتباع کی جائے؛ اور ان کے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



درمیان فیصلہ کرنے والی چیز اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾[النساء ۵۹]۔

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔''

صحابہ کرام میں سے ہر ایک سے ؛ جو کہ مختلف شہروں میں جا کر آباد ہو گئے تھے؛ لوگوں نے دین و ایمان اخذ کیا۔ مشرق و مغرب کے اکثر مسلمانوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی استفادہ نہیں کیا۔ اس لیے کہ آپ مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔ اور اہل مدینہ آپ کے علوم کی طرف اتنے زیادہ محتاج نہ تھے جتنے آپ سے پہلے خلفاء کے علوم کے محتاج تھے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ والے قصہ اور اس طرح کے دیگر واقعات سے صاف ظاہر ہے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ وارد کوفہ ہوئے تو اہل کوفہ حضرت ابن مسعود و سعد بن ابی وقاص و عمار ابو موسیٰ و حذیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے علمی فیوض حاصل کر چکے تھے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ روانہ فرمایا تھا۔

اہل بصرہ نے حضرت عمران بن حصین ؛ ابو بکرۃ ؛ عبدالرحمٰن بن سمرۃ اور انس رضی اللہ عنہم اجمعین سے اخذ و استفادہ کیا۔ اہل شام نے کتاب و سنت کا علم حضرت معاذ و ابو عبیدہ و ابو الدرداء و عبادہ بن صامت و بلال رضی اللہ عنہم اجمعین سے سیکھا۔

ان شہروں کے عباد و زہاد نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے علوم حاصل کیے جن کو انہوں نے دیکھا تھا۔ پھر ان بیانات کی روشنی میں یہ بات کہنا کس حد تک درست ہے کہ اہل زہد و تصوف کا طریقہ دیگر صحابہ کو چھوڑ کر صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ماخوذ ہے؟ زہد کے بارے میں متعدد کتب تصنیف کی گئی ہیں۔ چند کتب کے نام ملاحظہ ہوں۔

۱۔ امام احمد کی کتاب الزھد ۲۔ ابن المبارك کی کتاب الزھد

۳۔ کتاب الزھد وکیع بن جراح ۴۔ کتاب الزھد ھنادبن السری

اور وہ کتابیں جن میں زہاد و عباد کے حالات و واقعات ہیں' ان میں:

۵۔ حلیۃ الاولیاء ۶۔ صفۃ الصفوۃ اور دیگر کتابیں۔

مذکوہ بالا کتب میں مہاجرین و انصار صحابہ نیز تابعین کے بہت سارے اقوال مذکور ہیں۔ ان کتب میں زہد سے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو اقوال و احوال مذکور ہیں وہ کسی طرح بھی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما و معاذ و ابن مسعود و ابی بن کعب و ابو ذر و ابو امامہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے اقوال سے زیادہ نہیں ہیں۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



# فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فصاحت و بلاغت

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے:''حضرت علی رضی اللہ عنہ فصاحت کا سرچشمہ تھے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ:''آپ کا کلام مخلوقات کے کلام سے بہتر اور کلام خالق سے کم تر تھا۔ خطباء نے آپ سے ہی خطابت سیکھی تھی۔''

**[جـــواب]** : ہم کہتے ہیں: بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صحابہ میں بہت بڑے خطیب تھے۔ علاوہ ازیں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما و ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھی فن خطابت میں مہارت رکھتے تھے؛ آپ خطیب رسالت کے لقب سے معروف تھے۔ جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کے شعراء تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رو برو اور آپ کی عدم موجودگی دونوں حالات میں خطبہ دیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب موسم حج میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے نکلتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کیساتھ ہوتے؛ اور تقریر کیا کرتے۔ آپ اپنے خطاب میں لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی دعوت دیا کرتے تھے؛ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہ کر سنتے اور اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تائید فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے پہلے تمہید اور مقدمہ کے ہوا کرتا تھا؛ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد [اور لوگوں میں آپ کا تعارف] مقصود ہوتا تھا۔ نہ کہ آپ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سبقت لیتے۔

جس طرح شماس بن قیس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطبہ دیا کرتے؛ تبھی تو آپ کو خطیب رسول کا لقب ملا۔

ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں میں بڑے خطیب تھے۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ سے بڑے خطیب تھے جیسا کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا اعتراف تھا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایسا بلیغ خطبہ دیا تھا، جس سے مسلمانوں کے دل اسلام پر ثابت رہے۔ حالانکہ اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے لوگوں میں سخت اضطراب پایا جاتا تھا۔ اس لیے کہ یہ مصیبت ہی اتنی بڑی تھی جس نے انہیں گھیر لیا تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر لوگوں میں خطبہ دینا شروع کردیا۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کو یہ خیال گزرا کہ آپ ہی اللہ کے رسول ہیں؛ یہاں تک کہ بعد میں معلوم ہوگیا کہ بیٹھی ہوئی ہستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفود کی ملاقات کے لیے نکلتے؛ اور ان سے خطاب کرتے؛ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں بھی خطاب کیا کرتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو آپ نے اس وقت بھی ایک خطبہ دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ کے دن بڑا بلیغ خطبہ دیا تھا جس سے تمام حاضرین کو فائدہ ہوا۔ حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے سقیفہ کے دن بڑا اعمدہ خطبہ تیار کیا تھا۔ جسے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے پیش کرنا چاہتا تھا۔ میں آپ کے ساتھ کسی حد تک مدارت سے کام لیتا تھا۔ جب میں نے گفتگو کا آغاز کرنا چاہا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:''ذرا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ٹھہریے! چنانچہ میں نے انھیں ناراض کرنا پسند نہ کیا۔ میرے جذبے قدرے تیز وتند تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب گفتگو کی تو وہ مجھ سے زیادہ حلیم اور باوقار ثابت ہوئے۔ اللہ کی قسم! آپ نے میرے تیار کردہ خطبہ کا ایک بھی پسندیدہ جملہ باقی نہ چھوڑا بلکہ وہ فی البدیہ کہہ سنایا اور اس سے کچھ بہتر ہی کہا ہوگا۔ ❶

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب ہمیں خطاب کیا تو ہم لومڑی کی طرح بزدل تھے' آپ کی مسلسل حوصلہ افزائی نے ہمیں شیر بنا دیا۔

حضرت زیادہ بن ابی لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ خطیب تھے۔ یہاں تک کہ امام شعبی فرماتے ہیں:

''کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے جس نے بات کی ہو' مگر میں اس ڈر سے اس کے خاموش ہونے کی تمنا کیا کرتا تھا کہ کہیں بات بڑھانے میں وہ غلطی نہ کر جائے ؛ سوائے زیاد کے۔آپ جتنی بھی لمبی گفتگو کرتے اتنی ہی زیادہ عمدہ ہوا کرتی تھی۔''

لوگوں نے حضرت زیاد کے خطبات لکھے ہوئے ہیں۔

ایسے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خطیب تھے ؛ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لوگوں میں سب سے بڑی خطیب تھیں۔ یہاں تک کہ احنف بن قیس نے کہا ہے کہ: ''میں نے ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے خطبات سنے ؛ لیکن میں مخلوق میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کا مسکت اور دل اندوز خطاب نہیں سنا۔'' ❷

اسلام سے پہلے بھی اور اسلام کے بعد بھی عربوں میں بہت سارے خطباء اور فصحاء تھے۔ ان میں سے اکثر تعداد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی خطابت نہیں سیکھی۔ نہ انھوں نے اس باب میں ان سے کچھ استفادہ کیا تھا۔

پھر کسی کی یہ بات کہ'' آپ فصاحت کا منبع تھے'' سوائے جھوٹ کے اور کیا ہوسکتی ہے؟ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی نہ ہوتا تو بھی آپ لوگوں میں سب سے بڑے خطیب تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک لفظ تک نہیں سیکھا۔

[ قوتِ خطابت اللہ داد ہے ]۔ فصاحت منہ پھاڑ کر بولنے' اور کلام کی گہرائی میں جانے کا نام نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر خطباء عرب صحابہ اور دوسرے لوگوں کے کلام میں سجع اور تجنیس کا التزام نہیں ہوا کرتا تھا۔ جو علم البدیع کی مشہور اصطلاحات ہیں، بلکہ ان کے خطبات میں آمد ہوا کرتی تھی اور یہ سجع کا تکلف نہیں کیا کرتے تھے۔ یہ تکلفات متاخرین شعراء وخطباء اور مراسلین کی ایجاد ہیں۔ قرآن نے اس جیسی چیزوں کو ہی بیان کیا ہے' فرمایا:

﴿وَ هُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا﴾۔[الکهف ۱۰۴]

''اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔''

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الحدود۔ باب رجم الحبلی فی الزنا (حدیث:۶۸۳۰)۔

❷ مستدرك حاكم(٤/ ١١)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نیز فرمایا: ﴿إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ [ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ]﴾ [عادیات ۱۱]

''بیشک ان کا رب اس دن ان سے خبر دار ہوگا۔''

اور اس طرح کی دیگر آیات بھی ہیں۔ پس آپ نے کبھی بھی مجانست کے لیے تکلف نہیں کیا۔ بلکہ تابع بغیر قصد کے خود ہی آتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں شعری اوزان تو موجود ہیں لیکن ان سے مقصود شعر نہیں؛ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُورٍ رَّسِيٰتٍ﴾ [سباء ۱۳]

''اور حوضوں جیسے لگن اور ایک جگہ جمی ہوئی دیگیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿نَبِّئْ عِبَادِيٓ اَنِّيٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ [الحجر ۴۹]

''میرے بندوں کو خبر دے دے کہ بے شک میں ہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہوں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ❀ الَّذِيٓ اَنقَضَ ظَهْرَكَ﴾ [انشراح ۲-۳]

''اور ہم نے تجھ سے تیرا بوجھ اتار دیا۔ وہ جس نے تیری پیٹھ توڑ دی۔''

جب کہ بلاغہ مامور بہ علم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ قُلْ لَّهُمْ فِيٓ اَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا﴾ [النساء ۶۳]

''ان سے ایسی بات کہہ جو ان کے دلوں میں بہت اثر کرنے والی ہو۔''

یہ علم بیان و معانی پر مشتمل ہے۔ پس اس کے ایسے معانی ذکر کیے جاتے ہیں جو مطلوب کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوں اور وہ الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں جو ان معانی کے بیان کرنے میں زیادہ کامل ہوں۔

بس بلاغت غایت مطلوب یا غایت ممکن تک پہنچنے کا نام ہے۔ یعنی ان معانی میں بیان کیا جائے جن میں زیادہ سے زیادہ بیان ہونا ممکن ہو۔ پس بلیغ انسان دو چیزوں کو جمع کرتا ہے: معانی مقصودہ کی تکمیل اور ان کا اچھے انداز میں بیان۔ بعض لوگوں کی ساری ہمت علم معانی کی طرف ہوتی ہے' مگر وہ بیان کے الفاظ میں اس کا حق پورا نہیں کرسکتا۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے نفس میں معانی کو تو بیان کر لیتے ہیں۔ مگر ان معانی سے وہ مقصود حاصل نہیں ہوتا جو اس مقام پر مطلوب ہے۔ پس مخبر کا مقصد تو مخبر بہ کی تحقیق ہے۔ جب وہ اسے بیان کرے' اور اس چیز کو بھی بیان کرے جس سے اس کا ثبوت محقق ہوسکتا ہو' تو اس کی یہ منزلت نہیں ہوگی جس سے مخبر بہ محقق ہو سکے۔ یا وہ اس طرح سے بیان نہیں ہوگا جس سے اس کے ثبوت کا علم ہو سکے۔

حکم دینے والے کا مقصود مطلوبہ حکمت کا حاصل ہونا ہے۔ پس جو کوئی حکم دے اور اچھی طرح حکم نہ دے سکے' یا اس میں موجود حکمت کو نہ بیان کر سکے' وہ اس انسان کی طرح نہیں ہوسکتا جو حکمت کے ساتھ حکم دے اور حکمت کی وجہ کو بھی بیان کرے۔

گلا پھاڑنا فصاحت نہیں اور نہ ہی تجنیس اور مسجع اوزان کو بلاغت کہتے ہیں۔ یہ سب کچھ متأخر شعراء و ادباء اور وعاظ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کی اور لے لگانے والوں کی ایجاد ہے۔صحابہ اور تابعین میں سے خطباء کرام کی یہ عادت نہیں تھی۔حالانکہ ان میں بڑے بڑے فصحاء موجود تھے۔اور نہ ہی عرب لوگ ایسی باتوں کا اہتمام کیا کرتے تھے۔اکثر طور پر جو لوگ ایسی حرکت کرتے ہیں وہ معانی مطلوبہ کے بغیر صرف الفاظ کو ہی خوبصورت بناتا ہے۔اس کی مثال اس مجاہد کی جو اپنے اسلحہ پر تو نقش و نگار کرتا ہو مگر خود وہ بڑا بزدل ہو۔'' [بخلاف ازیں بلاغت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کم از کم الفاظ میں اپنا مافی الضمیر واضح کردیا جائے۔چنانچہ ایک بلیغ آدمی معانی مقصودہ کو بطریق احسن سامعین پر واضح کردیتا ہے]۔

اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ ایسے شاعر بھی ہیں جب وہ مدح یا ہجو میں زیادہ گہرائی میں جاتے ہیں تو حقیقت سے ہٹ کر افراط و تفریط اور جھوٹ کا شکار ہوجاتے ہیں؛ اور تخیلات و تمثیلات سے مدد لینے لگتے ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نہج البلاغۃ کے اکثر خطبات من گھڑت ہیں [1] وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کلام نہیں ہوسکتے۔بلکہ آپ پر جھوٹ گھڑا گیا ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان و منزلت اور قدر اس سے بہت بلند ہے کہ وہ اس قسم کا کلام کریں۔مگر شیعہ نے مدح گوئی کے نقطہ خیال سے ان کو وضع کیا تھا حالانکہ ان میں صداقت و مدح دونوں کا کوئی عنصر شامل نہیں ہے۔

[[**اشکال**]: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کلام کلام مخلوق سے بالا ہے۔'']

[**جواب**]: یہ قول [نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی پر مشتمل ہے اور] بہت بڑی غلط بیانی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہر کلام سے بلند و بالا ہے۔اور یہ دونوں کلام مخلوق ہیں۔یہ اسی طرح ہے جیسے ابن سبعین نے کہا تھا: یہ کلام ایک لحاظ سے انسانی کلام سے ملتا جلتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی کلام کو کلام الٰہی کے مماثل قرار دیا جائے، ظاہر ہے کہ ایک مسلم اس طرح نہیں کہہ سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ کلام حضرت علی رضی اللہ عنہ میں جو باتیں صحیح ہیں، وہ دوسروں کے کلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔مگر صاحب نہج البلاغۃ کی ستم ظریفی پر ہے کہ اس نے بہت سارے دوسرے لوگوں کے کلام کو آپ کی طرف منسوب کردیا ہے۔بعض باتیں جو آپ کی طرف منسوب ہیں وہ درست ہیں۔نہج البلاغۃ میں مندرج بعض باتیں بجائے خود صحیح ہیں اور وہ کلام علی ہوسکتی ہیں، مگر دراصل وہ آپ کی فرمودہ نہیں ہیں، بلکہ دوسروں کا کلام ہے۔مشہور ادیب جاحظ کی کتاب ''البیان والتبیین'' میں کثرت سے دوسرے ادباء کا کلام نقل کیا گیا ہے۔مگر صاحب نہج البلاغۃ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔نہج البلاغۃ کے خطبات اگر فی الواقع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمودہ ہوتے تو نہج البلاغۃ کے مصنف سے پہلے ان کا با اسناد یا بے اسناد پایا جانا ضروری تھا۔حالانکہ ان میں سے اکثر کا نہج البلاغۃ کے مصنف سے قبل کہیں پتہ نہیں ملتا۔اس سے ان خطبات کا جھوٹا ہونا واضح ہوتا ہے۔ورنہ ناقل ہمیں بتائے کہ یہ خطبات کس

[1] ان خطبات کا جامع محمد بن حسین رضی المتوفی ۴۰۶ھ ہے۔یہ قطعی بات ہے کہ رضی نے اپنے بھائی علی بن حسین مرتضیٰ المتوفی ۴۲۶ھ کے اشتراک سے ان خطبات میں اضافہ کیا تھا۔خصوصاً وہ جملے جو صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کی گستاخی سے متعلق ہیں وہ یقیناً بے اصل اور من گھڑت ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کتاب میں مذکور ہیں؟ کس نے ان کو نقل کیا اور ان کی اسناد کیا ہے؟ ورنہ صرف دعویٰ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے، ہر کوئی دعویٰ کرسکتا ہے۔ جو شخص محدثین کے طریق کار سے آشنا ہے اور اخبار و آثار کو اسانید کے ساتھ پہچاننے کا سلیقہ رکھتا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی باتیں نقل کرتے ہیں، وہ منقولات سے بے بہرہ ہیں اور صدق و کذب میں تمیز نہیں کر سکتے۔

## فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آسمانوں کے راستہ کا علم

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے:''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے گم ہو جانے سے پہلے جو پوچھنا چاہو، پوچھ لو، مجھ سے آسمان کے راستوں کے بارے میں پوچھو مجھے زمین کے راستوں سے ان کا زیادہ علم ہے۔''

**[جواب]** : ہم کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ یقیناً یہ بات مدینہ میں ہرگز نہیں کہا کرتے تھے جہاں ان کی طرح اور بھی مہاجر و انصار اہل علم صحابہ موجود تھے۔ جنہوں نے ویسے ہی علم حاصل کیا تھا جیسے آپ نے علم حاصل کیا تھا۔ اور ویسے ہی معرفت حاصل کی جس طرح آپ نے معرفت حاصل کی تھی۔ بلکہ آپ نے یہ الفاظ اس وقت فرمائے جب آپ عراق چلے گئے۔ وہاں بہت سارے لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے جو دین کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ آپ میں ان لوگوں کے درمیان اقامت گزیں تھے جو علم دین سے بے بہرہ تھے، آپ وہاں ایک امام کی حیثیت رکھتے تھے جس پر رعایا کی تعلیم و تربیت اور فتوی دینا واجب ہوتا ہے۔ آپ یہ بات ان لوگوں سے اس لیے فرمایا کرتے تھے کہ: لوگ علم حاصل کریں' اور فتوی پوچھیں۔ جس طرح وہ صحابہ کرام جو بہت بعد تک زندہ رہے؛ اور لوگ ان کے علوم کی طرف محتاج ہوئے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ احادیث روایت کی ہیں جو خلفاء اربعہ یا دوسرے اکابر صحابہ کرام نے روایت نہیں کیں۔ اس لیے کہ پہلے کے لوگ ان کو نقل کرنے سے مستغنی تھے۔ اس لیے کہ اس دور میں تمام لوگوں نے ایک ہی مصدر سے تعلیم پائی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عمر؛ ابن عباس' عائشہ' انس و جابر' ابوسعید رضی اللہ عنہم اجمعین اور اس طرح کے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ روایات نقل کی گئی ہیں وہ جو حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے منقول نہیں ہیں۔ جب کہ حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما ان بقیہ صحابہ کرام سے زیادہ بڑے عالم تھے۔ لیکن لوگوں کو ان کے علوم کی ضرورت محسوس ہوئی؛ اور اس لیے بھی کہ ان کی تاریخ وفات متأخر ہے۔ انہیں ان تابعین نے پایا جو ان سے پہلے لوگوں کو نہیں پا سکے تھے۔ پس انہیں سوال کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور وہ لوگ یہ سمجھے کہ انہیں سمجھائیں اور حدیث بیان کریں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوفہ میں یہ ارشاد فرمانا کہ:''مجھ سے پوچھ لو'' یہ بھی اسی باب سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسی بات حضرت عبداللہ بن مسعود' ابی بن کعب' معاذ' ابی درداء؛ اور سلمان اور ان کے امثال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی ارشاد نہیں فرمائی۔ چہ جائے کہ حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے ایسی بات کہتے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحابہ کرام عام طور پر سوال نہیں کیا کرتے تھے۔ حضرت معاذ؛ حضرت ابی بن کعب' اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین اور دوسرے ان سے کم مرتبہ کے صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی آپ سے اس طرح کا کوئی سوال نہیں کیا۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جب کوئی فتوی لینے والا آپ سے کرتا تو وہ ویسے ہی ہوتا تھا جیسا کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی سوال کیا جاتا ہو۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اپنے امور میں آپ جیسے دوسرے لوگوں سے بھی مشورہ کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشیران میں حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر؛ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' ابن مسعود' زید بن ثابت' اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام کے نام بھی آتے ہیں۔ یہاں تک حضرت ابن عباس صغرسنی کے باوجود مشاورت میں شامل ہوا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو باہم مشورہ کرنے کا حکم دیا اور اس بات پر ان کی مدح فرمائی ہے؛ ارشاد فرمایا:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (الشوری:۳۸)

''وہ اپنے امور باہم مشورہ سے طے کرتے ہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدبیر و سیاست صحت وصواب کی آئینہ دار ہوا کرتی تھی۔ آپ کے بعد آپ جیسا کوئی عبقری پیدا ہی نہیں ہوا۔ اور جیسا آپ کے دور میں اسلام پھیلا تھا؛ اور اسے غلبہ وعزت اور قدرت نصیب ہوئے؛ بعد کے کسی بھی دور میں ایسا نہ ہوسکا۔ آپ نے ہی کسری کا غرور توڑ کر رکھا؛ روم اور فارس کی سپر پاورز کو خاک میں ملایا۔ شامی لشکر پر آپ کے امیر عام حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے اور عراقی لشکر پر حضرت سعد بن ابی وقاص۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آپ جیسے امراء لشکر' لشکر اور اہل مشاورت کسی دوسرے کو میسر نہ آئے۔

پس یہ کہنا کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ فرمائے تھے کہ''أَنَا أَعْلَمُ بِطُرُقِ السَّمَآءِ من طرق الأرض''

''میں زمین کے راستوں سے زیادہ آسمانی راستوں کو جانتا ہوں۔''[1]

یہ باطل کلام ہے۔ کوئی عاقل ایسی بات نہ کہہ سکتا ہے [اور نہ ہی آپ جیسی شخصیت کی طرف منسوب کرسکتا ہے]

نہ ہی صحابہ کرام اور تابعین میں سے کوئی ایک اپنے بدن کے ساتھ آسمانوں پر چڑھا ہے۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے بارے میں کلام کیا ہے۔ کیا آپ کو بدن کے سمیت معراج ہوئی تھی یا صرف روح کے ساتھ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کے متعلق سلف میں یہ اختلاف نہیں رہا کا کسی کو بدن کے ساتھ معراج ہوئی ہو۔

غالی شیعہ میں سے جو کوئی اپنے مشائخ یا اہل بیت میں سے کسی ایک کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں حقیقت میں وہ

---

[1] اگر فی الواقع حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ فرمائے تھے کہ ''أَنَا أَعْلَمُ بِطُرُقِ السَّمَآءِ'' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں جانتا ہوں کہ آسمان والے کن اوامر ونواہی پر عمل کرکے تقرب حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ کہ میں عبادت کرنے کے طریقہ اور جنت و ملائکہ سے بخوبی آگاہ ہوں، جب کہ زمین پر مجھے ان چیزوں کا علم حاصل نہیں۔ یہ مراد نہیں کہ آپ بجسد عنصری آسمان پر چڑھ گئے ہیں۔ کوئی مسلم یہ بات نہیں کہتا۔ یہ روایت موضوع ہے اور اس کی اسناد کا کچھ پتہ نہیں۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



لوگ گمراہی کا شکار ہیں۔ یہ بالکل اسی کلام کی جنس میں سے ہے جو کہ غالی شیعہ ان میں سے کسی ایک کے نبی ہونے یا اس سے بھی افضل یعنی خدا ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

یہ تمام عقائد ایسا کھلا ہوا کفر ہیں جس میں کسی بھی مسلمان عالم کو ذرا بھر بھی شک نہیں ہوسکتا۔ یہ بالکل وہی عقیدہ ہے جو کہ میمون قداح کی اولاد اسماعیلیہ کا عقیدہ تھا۔ان کا دادا ایک یہودی کے پاس لے پالک تھا۔ان کا خیال ہے کہ یہ لوگ محمد بن اسماعیل بن جعفر کی اولاد ہیں۔ ان کے بہت سارے پیروکاران ان کے خدا یا نبی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔اور ان کا عقیدہ ہیکہ محمد بن اسماعیل بن جعفر نے رسول اللہ ﷺ کی شریعت کو منسوخ کر دیا تھا۔

یہی حال اس گروہ کا بھی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ یا بعض دیگر اہل بیت کے خدا ہونے یا نبی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔خواہ یہ لوگ اثنا عشریہ میں سے ہوں یا دوسروں میں سے۔

یہی حال جھوٹے صوفیاء اور زہاد کے ایک گروہ کا ہے جو اپنے مشائخ اور پیروں کے خدا ہونے یا نبی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یا پھر ان کے انبیاء کرام سے بھی افضل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ: خاتم الاولیاء خاتم الانبیاء سے افضل ہے۔ اور ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اولیاء کو انبیاء کرام سے افضل مانتے ہیں۔

ابن عربی اور اس طرح کے بعض دوسرے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ خاتم الانبیاء خاتم الاولیاء سے استفادہ کیا کرتے تھے۔اور بعض لوگ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ: ''ایک کامل فلسفی نبی سے بڑھ کر علمی حقائق اور معارف الٰہیہ کا جانکار و شناسا ہوتا ہے۔

اہل اسلام کا اتفاق و اجماع ہے کہ یہ عقائد کفر اور دین اسلام کے مخالف ہیں۔اور جو کوئی انسان اس قسم کا عقیدہ رکھتا ہو اس سے توبہ کروائی جائے گی۔ جیسا کہ ان جیسے دوسرے کفریہ کلمات کہنے والے اور کھلم کھلا مرتدین سے توبہ کروائی جاتی ہے۔ اگر ان عقائد کا کھل کر اظہار نہ کیا جا رہا ہو تو پھر بھی یہ عقیدہ رکھنے والوں کا شمار اہل نفاق اور زندیق لوگوں میں سے ہوتا ہے۔

اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ بعض لوگوں پر ایسے عقائد کا دین اسلام کے مخالف ہونا مخفی رہ جاتا ہے اس کی وجہ یا تو ان لوگوں کا نیا نیا مسلمان ہونا ہے' اور پھر ایسے لوگوں میں ان کا موجود ہونا ہے جو بالکل جاہل ہوں اور اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہوں۔ تو یہ انسان بھی اسی انسان کی طرح ہوگا جو نماز کے واجب ہونے سے لاعلم ہو؛ یا اس کا نظریہ ہو کہ واجبات عوام الناس پر عائد ہوتے ہیں خواص پر نہیں۔

## [صحابہ اور فتاویٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع ]:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''صحابہ مشکل مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہت سے فیصلے مسترد کر دیے تھے؛ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اگر علی نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



**[جواب]**: ہم کہتے ہیں کہ: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دینی امور میں صرف آپ کی طرف ہی؛ یا کسی دوسرے فرد واحد کی طرف ہی رجوع نہیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ جب کوئی نیا مسئلہ پیش آتا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت علی، عثمان، ابن عوف، ابن مسعود، زید بن ثابت اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ مشورہ فرمایا کرتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما صغیر السن ہونے کے باوجود اس مشورہ میں شرکت فرماتے۔ اور سوال کرنے والا کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کرتا اور کبھی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اور کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ مسائل دریافت کیے گئے۔ اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ مشکل مسائل کے جوابات دیے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑے عالم تھے؛ بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ سے بڑے عالم تھے؛ مگر اس کا سبب یہ ہوا کہ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پا سکے تھے؛ انہیں اس چیز کی ضرورت پیش آئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق کسی ایک نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ علمی استفادہ کیا ہو۔ بلکہ یہ منقولات موجود ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے علمی استفادہ کیا ہے جیسا کہ نماز توبہ کی حدیث (اور اس طرح کے دیگر مسائل)۔ [سنن الترمذی، و أبوداؤد و ابن ماجة]۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کثیر العلم ہونے کے باوصف مشکل مسائل میں مشورہ لینے کے عادی تھے۔ لوگ اکثر آپ کے قول کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ مثلاً عمریتین اور ''عول'' کے مسئلہ میں صحابہ نے آپ کے قول پر عمل کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اوّلین شخص تھے جنھوں نے یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ جب میت کا خاوند اور والدین یا بیوی اور والدین موجود ہوں تو میت کی ماں کو باقی ماندہ ترکہ کا ایک تہائی ملے گا۔ اکابر صحابہ وفقہاء مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، ابن مسعود، علی، زید اور ائمہ اربعہ نے اس مسئلہ میں آپ کا اتباع کیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا پتہ نہ چل سکا اور انھوں نے یہ فتویٰ دیا کہ میت کی ماں کو پورے ترکہ کا ایک تہائی ملے گا۔ صحابہ کی ایک جماعت نے آپ کے قول کو اختیار کیا ہے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول اقرب الی الصحت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق نے صرف ایک مسئلہ میں فرمایا تھا کہ: ''اگر علی نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا۔''

بشرطیکہ اس روایت کی صحت ثابت ہو جائے، اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قسم کے الفاظ ان لوگوں کے حق میں بھی کہہ دیا کرتے تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فروتر درجہ کے لوگ ہوا کرتے تھے۔ جس عورت نے مہر کے مسئلہ میں آپ سے تکرار کی تھی اس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا: ''آدمی نے غلطی کھائی اور عورت کی بات صحیح نکلی۔''[1]

اس کی اصل یہ ہے کہ آپ کی رائے یہ تھی کہ عورت کے مہر کی شریعت میں مقدار مقرر ہونی چاہیے۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور بیٹیوں کے مہر سے زیادہ مہر نہیں ہونا چاہیے۔ جیسا کہ بہت سارے فقہاء کا خیال ہے کہ عورت کے

[1] المقصد العلی فی زوائد ابی یعلی الموصلی (۷۵۷)، مجمع الزوائد (۴/ ۲۸۴)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



مہر کی کم ازکم مقدار اتنا مال ہے جس کے چوری کرنے پر حد لازم آتی ہو۔ جب اسے شریعت میں مقدر مانا جائے اور جو اس سے زیادہ ہوگا وہ شوہر کی طرف سے خرچ ہوگا' اور وہ اس کا بدلہ پالیتا ہے۔ عورت اس کی مستحق نہیں ہوتی۔ لہٰذا اسے بیت المال میں رکھا جائے۔ جیسے کہ اگر کوئی مسلمان شراب بیچ دے تو اس سے وہ رقم وصول کر کے مسلمانوں کے بیت المال میں شامل کر لی جائے گی۔ اور اس مزدور کی مزدوری بھی ضبط کر کے بیت المال میں شامل کر لی جائے گی جو خود کو شراب اٹھانے پر مزدور بنائے۔ اور اس طرح کے دیگر اقوال بھی ہیں جن پر علماء کرام کا فتوی ہے۔

بلا شک وشبہ جو انسان عوض کے بدلے حرام چیز سے منفعت حاصل کرلے؛ جیسا کہ وہ انسان جو کسی چیز کے بدلے زنا کرتا ہے' یا پھر حرام گانے وغیرہ سنتا ہے' یا شراب پیتا ہے' تو اس کی غرض پوری ہونے کے بعد یہ مال اسے واپس نہیں کیا جائے گا' اس لیے کہ اس میں معصیت ونافرمانی پر تعاون اور اسے فروغ دینا ہے۔ اگر چہ وہ دوبارہ اپنی چیز کو معاوضہ کے بدلہ میں ہی حاصل کرنا چاہے۔ اور اگر یہی چیز بیچنے والے یا مزدور کو دی جائے تو گویا کہ اس کے لیے خبیث چیز کو مباح کیا گیا ہے' لہٰذا اس مال کو مسلمانوں کی مصلحت کے امور میں صرف کیا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک عادل حکمران تھے۔ آپ کا نکتہ نظر یہ تھا کہ زیادہ مہر شرعی کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے۔ تو ایک عورت آئی اور اس نے کہا: ''آپ ہم سے وہ چیز کیوں روکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمارے لیے حلال کی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''کتاب اللہ میں کہاں ہے؟ وہ کہنے لگی: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا﴾ [النساء ۲۰]

''اور تم ان میں سے کسی کو ایک خزانہ دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔''

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس عورت نے آپ سے یہاں تک کہا: ''کیا ہم آپ کی بات سنیں یا قرآن کی بات سنیں۔ تو آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ کتاب اللہ کی بات سنو۔ تو اس نے یہ آیت پڑھ کر سنائی؛ اس پر آپ نے فرمایا تھا: ''مرد نے؛ غلطی کھائی اور عورت کی بات صحیح نکلی۔''❶

اس کے باوجود کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں علم ودین کے الہام کی خبر دی تھی؛ ایسی خبر حضرت عثمان' علی؛ طلحہ زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک کے بھی حق میں وارد نہیں ہوئی۔

سنن ترمذیِ میں حضرتِ ابن عمر سے روایت ہے: بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( إِن اللہ جعل الحق علی لِسانِ عمر وقلبِہِ ))۔[سبق تخریجہ]

''بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل وزبان پر حق کو جاری کردیا ہے۔''

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایاہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں::

❶ تفسیر ابن کثیر ۲/ ۲۱۲۔ مسند احمد برقم ۲۸۵۔ اس کی سند جید اور قوی ہے۔ نیز دیکھیں: سنن الترمذی' ابن ماجہ ' اور ابوداؤد اور سنن کبری۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



((ما نزل بالناسِ أمر قط ، فقالوا فِيهِ، وقال عمر فِيهِ ، إلا نزل فِيهِ القرآن على نحوِ ما قال عمر)) [ترمذی ٥/ ٢٨٠]

''لوگوں کو کوئی بھی مسئلہ ایسا پیش نہیں آیا جس کے بارے میں لوگوں نے بھی کوئی بات کی ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہو' مگر قرآن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق نازل ہوا۔''

سنن أبي داود میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں:

(( سمِعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول:"إن الله وضع الحق على لِسانِ عمر يقول بِهِ))[1]

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:'' بیشک اللہ تعالیٰ نے حق عمر کی زبان پر رکھ دیا ہے' اور آپ وہی حق بولتے ہیں۔''

سنن ترمذی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لو كان بعدِي نبی لكان عمر )) [سبق تخريجه]

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔''

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لقد كان فِيمن كان قبلكم مِن الأممِ ناس محدثون مِن غيرِ أن يكونوا أنبِياء ، فإن يكن فِي أمتِی أحد فعمر))

''اُمَم سابقہ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں' ان میں مُلہم من اللہ ہوا کرتے تھے؛ جو کہ انبیاء نہیں ہوا کرتے تھے، اگر میری امت میں ایسا کوئی شخص ہوا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔'' [سبق تخريجه]

ابن وہب رحمہ اللہ محدثون کی کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ملہمون ؛ یعنی جن کی طرف الہام کیا جاتا ہو۔ صحیحین میں ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((سمِعت النبِی صلی اللہ علیہ وسلم يقول:" بينا أنا نائِم رأيت الناس يعرضون وعليهِم قمص ، فمِنها ما يبلغ الثدِی ، ومِنها ما يبلغ دون ذلك ، وعرِض على عمر وعليهِ قمِيص يجره ۔قالوا: فما أولته يا رسول اللهِ؟ قال:"الدِين)) [سبق تخريجه]

''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:'' میں نے خواب دیکھا کہ مجھ پر لوگ پیش کیے جا رہے ہیں' اور انہوں نے قمیص پہن رکھے ہیں۔ ان میں سے کسی کی قمیص چھاتی تک پہنچتی ہے تو کسی کی اس سے کم ہے۔ اور میرے سامنے عمر کو لایا گیا' ان پر قمیص تھے؛ اور آپ اسے کھینچتے ہوئے جا رہے تھے۔'' لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی؟ آپ نے فرمایا:'' دین سے تعبیر کی ہے۔''

[1] سنن أبی داؤد من حديث أبي ذر الغفاري رضی اللہ عنہ: ٣/ ١٩١

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



صحیحین میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((سمِعت النبِی ﷺ یقول:" بینا أنا نائِم أتِیت بِقدحِ لبن فشرِبت مِنہ، حتی إِنِّی لأری الرِّیَّ یخرج مِن تحتِ ظفارِی، ثم أعطیت فضلِی عمر بن الخطابِ؛ قال من حولہ: فما أوَّلت ذلك یا رسول اللہِ؟ قال: "العِلم"")) [سبق تخریجہ]

میں نے سنا کہ نبی کریم ﷺ فرمارہے تھے: ''مجھے خواب میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں دودھ تھا، وہ میں نے پی لیا، یہاں تک کہ سیری کا اثر میرے ناخنوں میں ظاہر ہونے لگا، پھر جو بچ گیا میں نے وہ عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ صحابہ نے عرض کیا: ''پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی؟ فرمایا: ''دودھ سے علم مراد ہے۔''

صحیحین میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((یا ابن الخطابِ! والذِی نفسِی بِیدِہِ ما لقِیك الشیطان سالِکاً فجاً إِلا سلك فجاً غیر فجِّك)) [سبق تخریجہ]

''اے ابن خطاب! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب بھی شیطان تمہیں کسی وادی میں ملتا ہے تو وہ تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسری وادی میں بھاگ جاتا ہے۔''

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((وافقت ربِی فِی ثلاث: قلت: "لو اتخذت مِن مقامِ إِبراھِیم مصلی" فنزلت: ﴿ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ﴾[البقرۃ: 125]۔وقلت: یا رسول اللہِ: یدخل علی نِسائِكَ البر والفاجِر، فلو أمرتھن یحتجِبن؛ فنزلت آیۃ الحِجابِ. واجتمع نِساء النبِیِ- صلی اللہ علیہِ وسلم -فِی الغیرۃِ، فقلت:﴿عسی ربہ إِن طلقکن أن یبدِلہ أزواجا خیرا مِنکن﴾-[التحریم:۵]فنزلت ذلِكَ. )) [سبق تخریجہ]

''میں نے اپنے پرودگار سے تین باتوں میں موافقت کی (ایک مرتبہ) میں نے کہا کہ: یا رسول اللہ ﷺ کاش! ہم مقام ابراہیم کو مصلی بناتے، پس اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ﴾ [البقرۃ ۱۲۵]

''اور مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو۔''

حجاب کی آیت بھی میری خواہش کے مطابق نازل ہوئی۔ کیونکہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کاش آپ اپنی بیویوں کو پردہ کرنے کا حکم دیں، اس لیے کہ ان سے ہر نیک و بد گفتگو کرتا ہے۔ پس حجاب کی آیت نازل ہوئی۔ اور ایک مرتبہ نبی ﷺ کی بیویاں آپ پر نسوانی جوش میں آکر جمع ہوئیں، تو میں نے ان سے کہا کہ اگر تم باز نہ آئیں تو آپ ﷺ تم کو طلاق دے دیں گے، تو عنقریب آپ کا پروردگار تم سے اچھی بیویاں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



آپ کو بدلے میں دے گا، جو مسلمان ہوں گی، تب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿عَسٰی رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ﴾ [التحریم ۵]

''اگر آپ انہیں طلاق دے دیں تو بہت جلد آپ کا رب تمہارے بدلے تم سے بہتر بیویاں عنایت فرمائیگا۔''

اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت زیادہ ہیں۔

❀❀❀❀

جب کہ روٹیوں میں فیصلہ کا قصہ [1]؛ اور اس سے بھی زیادہ باریک مسائل ایسے امور ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت ادنی مرتبہ کے لوگ بھی فیصلہ کر لیتے ہیں۔ فقہاء کرام کے ہاں فروعی مسائل اور قضاء میں اس سے زیادہ باریک و دقیق مسائل میں وہ لوگ بھی درست فیصلے کر لیتے ہین جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مانند بھی نہیں ہوتا۔

قرعہ کا قصہ [2] امام احمد اور ابو داود نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ لیکن جمہور فقہاء اس کے قائل نہیں ۔ امام احمد رحمہ اللہ سے اس روایت کا ضعیف ہونا نقل کیا گیا ہے۔ اور آپ نے اس روایت کو قبول نہیں کیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: کہ بعد میں آپ اسی قول کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ قرعہ کے مسئلہ میں زیادہ وسیع علم رکھتے ہیں۔ نیز آپ نے زبیہ کے مسئلہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔ [3]

---

[1] ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہاں پر روٹیوں کا قصہ ذکر نہیں کیا جیسا کہ ابن مطہر نے ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: آپ نے دیگر کئی مشکل مسائل حل کیے۔ آپ کے پاس دو آدمی حاضر ہوئے۔ ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین۔ جب دونوں کھانے کے لیے بیٹھ گئے تو ایک تیسرا آدمی بھی آ گیا۔ اور کھانے میں ان کے ساتھ شریک ہو گیا۔ جب کھانا کھا چکے تو وہ ان کی طرف آٹھ درہم پھینک کر چلا گیا۔ زیادہ روٹیوں والے نے ان میں سے پانچ درہم طلب کیے مگر کم روٹیوں والا نہ مانا۔ یہ دونوں اپنے جھگڑے کا فیصلہ کروانے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس آدمی نے کہا: ''اے امیر المؤمنین! میرا حق زیادہ بنتا ہے؛ اور میں تمہارے پاس انصاف کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: ''اگر ایسا ہی ہے تو ایک درہم لو اور اپنے دوسرے ساتھی کو باقی دراہم دے دو۔''

[2] ابن مطہر نے لکھا ہے کہ: دو مالک ایک لونڈی پر ایک ہی طہر میں واقع ہوگئے۔ لونڈی حاملہ ہوگئی۔ پس مسئلہ میں اشکال پیدا ہو گیا۔ یہ معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا گیا۔ تو آپ نے قرعہ اندازی کرنے کا حکم دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلہ کو درست قرار دیا۔ اور فرمایا: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم اہل بیت میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا جو حضرت داؤد علیہ السلام کی سنتوں کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ یعنی ان کے فیصلے الہام پر مبنی ہوتے ہیں۔'' یہ قصہ دیکھیں: '' سنن ابی داؤد' کتاب الطلاق' باب: من قال بالقرعة إذا تنازعوا في الولد۔ یہ حدیث ضعیف اور نا قابل استدلال ہے۔ اس کی سند میں یحی بن عبداللہ الکندی نامی ایک راوی ہے جسے اجلح کہا جاتا ہے۔ یحیٰ بن معین اور عجلی نے اسے ثقہ کہا ہے۔ علامہ منذری کہتے ہیں: اس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ابن عدی فرماتے ہیں: اس کا شمار شیعہ میں سے ہوتا ہے؛ مستقیم الحدیث ہے۔ امام نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ امام خطابی کہتے ہیں: حضرت زید بن ارقم والی حدیث کی سند میں کلام کیا گیا ہے۔ علامہ منذری فرماتے ہیں: یہ روایت مرسل سند سے نقل کی گئی ہے۔'' ابو داؤد نے یہ روایت دو سندوں سے نقل کی ہے۔ ایک روایت عبداللہ بن خلیل نے زید بن ارقم سے نقل کی ہے اور دوسری سند میں عبد خیر نے زید سے روایت کیا ہے۔

[3] زبیہ کا مسئلہ امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں نقل کیا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا۔ ہم ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جنہوں نے شیر کو مارنے کے لیے ایک گڑھا کھودا تھا۔ وہ لوگ ایسے ہی شیر سے اپنا دفاع کر رہے تھے کہ ان میں ⇦⇦⇦

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



یہ حدیث دوسری حدیث کی نسبت زیادہ ثابت ہے؛ جسے سماک بن حرب روایت کیا ہے؛ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قبول کیا ہے۔ جب کہ وہ تین جو کہ اپنی منزل کو نہ پا سکے؛ ان کی روایت یا تو آپ تک پہنچی نہیں' یا پھر آپ کے نزدیک وہ روایت ثابت نہیں ۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بہت زیادہ علم اور صحیح و سقیم کی معرفت حاصل تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عادل قاضی ہونا آپ کی فضیلت کی دلیل ہے ۔ اس میں کسی کو کوئی جھگڑا ہی نہیں۔لیکن اس میں یہ دلیل کہیں بھی نہیں پائی جاتی کہ آپ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بڑھ کر عادل تھے۔

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے:''حضرت علی رضی اللہ عنہ مسائل کا حل الہام کے ذریعے معلوم کرلیا کرتے تھے۔''

**[جـواب]** : ہم کہتے ہیں کہ:'' یہ غلط بات ہے۔اس لیے کہ صرف الہام کی بنا پر فیصلہ کرنا؛ یعنی اس طرح سے کسی انسان کے بارے میں الہام ہوگیا کہ وہ حق پر ہے؛ صرف اس الہام کی اساس پر دین اسلام میں کوئی فیصلہ کرنا حلال و جائز نہیں ہے۔صحیح حدیث میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''بیشک تم میرے پاس اپنے جھگڑے پیش کرتے ہو؛ اور بسا اوقات ایک انسان اپنی بات پیش کرنے میں دوسرے کی نسبت زیادہ تیز زبان والا ہوتا ہے؛ اور اس میں اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں جس طرح سنتا ہوں۔پس جس کے لیے میں اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا فیصلہ کردوں' اسے چاہیے کہ وہ نہ لے؛ بیشک میں اس کے لیے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیتا ہوں۔''

اس حدیث میں آپ نے خبر دی ہے کہ میں خود سن کر فیصلہ دیتا ہوں' صرف الہام کی بنیاد پرنہیں ۔ اور اگر الہام کے ذریعہ شرعی احکام ثابت ہو جاتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سب سے زیادہ حق دار تھے۔اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ آپ کو مطلع کرتے کہ حق دار کون ہے اور اس طرح آپ کو شہادت کی ضرورت بھی لاحق نہ ہوتی؛ اور نہ ہی مجرم سے اقرار کروانے

---

⇦⇦⇦ سے ایک آدمی اس گڑھے میں گر گیا۔اس نے گرتے گرتے دوسرے آدمی کو پکڑ لیا؛ دوسرے نے تیسرے کو اور تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا۔ یہ چاروں انسان اس گڑھے میں گر گئے اور شیر نے انہیں زخمی کر دیا۔ پھر ایک آدمی بھالا لیکر آیا اور اس نے شیر کو مار ڈالا۔ مگر یہ چاروں زخمی بھی مر گئے۔ پہلے انسان کے رشتہ دار کھڑے ہوگئے تاکہ وہ دوسرے مرنے والے کے رشتہ داروں سے دیت وصول کریں۔ یہاں تک کہ یہ لوگ اسلحہ نکال لائے ۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس پہنچے ۔ آپ نے فرمایا:'' کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک دوسرے سے جنگ کرو گے؟ میں تمہارے درمیان ایک فیصلہ کرتا ہوں ؛ اگر تم اس پر راضی ہو جاؤ تو ٹھیک ہے؛ ورنہ تمہیں بند کردوں گا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے فیصلہ کروالاؤ۔اس کے علاوہ کوئی تیسری چیز نہیں ہوسکتی۔ فیصلہ یہ ہے کہ: جن لوگوں نے گڑھا کھودا تھا؛ ان سے دیت جمع کرو۔ دیت ایک چوتھائی ؛ ایک تہائی نصف اور پوری دیت ہونی چاہیے۔ پہلے انسان کے لیے چوتھائی دیت ہے۔اس لیے کہ اس نے اپنے اوپر والے کو بھی ہلاک کیا ہے۔ دوسرے انسان کے لیے ایک تہائی دیت ہے۔ اور تیسرے کے لیے آدھی دیت ہے۔ان لوگوں نے یہ فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے ۔ آپ اس وقت مقام ابراہیم کے پاس تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا قصہ سنایا۔ ......ان میں سے ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ ! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے درمیان یہ فیصلہ کیا تھا۔ اور پھر پورا قصہ سنایا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو باقی رکھا۔ مجمع الزوائد ٦/ ٢٨٧۔ صحح أحمد شاكر سنده في أربعة مواقع۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



کی ضرورت پیش آتی۔اور نہ ہی جس کے حق میں فیصلہ کردیا ہوتا اسے وہ چیز لینے سے منع فرماتے۔ اور نہ ہی زوجین میں لعان کے ذریعہ تفریق کی جاتی۔اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:''اگر یہ عورت اس شکل وصورت کا بچہ پیدا کرے تو وہ اس کے شوہر کا ہوگا اور اگر اس شکل وصورت کا ہوا تو اس کا ہوگا جس پر الزام لگایا گیا ہے۔''

پھر جب عورت کو بچہ پیدا ہوا تو وہ ناپسندیدہ شکل وصورت کا تھا؛ تو آپ نے فرمایا:''اگر کتاب اللہ میں اس کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو میں اس کا فیصلہ خود کرتا۔''❶ پس آپ نے قسم کی بنا پر حکم کو نافذ کیا گواہی کی بنیاد پر نہیں۔

اگر شیعہ کہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الہام کے ذریعہ شرعی احکام سے باخبر کیا جاتا تھا تو اس کے اثبات کے لیے کسی شرعی دلیل کی ضرورت ہے؛ صرف الہام کی بنیاد پر فیصلہ کرنا جائز نہیں۔اس لیے کہ جس انسان کے بارے میں نص سے ثابت ہے کہ اسے الہام ہوتا ہے وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں؛ احادیث صحیحہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اُمَم سابقہ میں مُلہم من اللہ ہوا کرتے تھے، اگر میری امت میں ایسا کوئی شخص ہوا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔''[سبق تخریجہ]

اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے دل میں کیے جانے والے الہام کی بنا پر کوئی فیصلہ صادر کرنے ؛فتوی دینے یا عمل کرنے کا حق نہ تھا جب تک کہ وہ اسے کتاب وسنت پر پیش نہ کرتے۔اگر ان کا الہام کتاب وسنت کے معیار پر پورا اترے گا تو اسے قبول کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

**[اشکال]** : شیعہ مصنف ذکر کرتا ہے کہ:''ایک گائے نے ایک گدھے کو مار ڈالا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں فیصلہ صادر کیا تھا۔''

**[جواب]** :[شیعہ نے اس کی کوئی اسناد ذکر نہیں کی ]اور نہ ہی اس کی کوئی معروف سند ہے۔اور نہ ہی کتب حدیث و فقہ میں اس کا کوئی وجود ہے؛ حالانکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ کو اس قسم کے مسائل میں نص کی بہت سخت ضرورت ہوتی ہے۔ تو پھر کسی ایسی چیز سے صحت امر پر کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے؛ جب کہ خود اس میں کوئی صحت نہیں پائی جاتی؛ بلکہ دلائل اس کی تردید کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ جو حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے'اور یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا۔اگر اس کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے تو یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع مسلمین کے خلاف ہوگا۔اس لیے کہ صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جُرْحُ الْعُجَمَاۤءِ جُبَارٌ''❷

❶ البخاري كتاب التفسير، سورة النور، باب ويدرء عنها العذاب۔سنن ابی داود۲/ ۳۷۰:كتاب الطلاق، باب في اللعان۔سنن الترمذي۵/ ۱۲؛ كتاب التفسير، سورة النور۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب المعدن جبار(حدیث:۶۹۱۲)، صحیح مسلم۔ کتاب الحدود۔ باب جرح العجماء جبار(حدیث:۱۷۱۰)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''اگر جانور کسی کو زخمی کر دے تو اس کے مالک سے تاوان نہیں لیا جائے گا۔''

اس حدیث کو امام بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے' اور اس کے صحیح ہونے پر علماء کرام کا اتفاق ہے ؛ اور اسے قبولیت بھی حاصل ہے اور اس پر عمل بھی ہے۔

عجماء اُعجم کی تانیث ہے۔ ہر چوپایہ جیسے : گائے ؛ بھیڑ وغیرہ عجماء کہلاتا ہے۔

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ جب کوئی گائے یا بکری یا گدھا کسی چراگاہ میں چر رہے ہوں اور وہ کسی کے کھیت میں جا داخل ہوں ؛ کھیت کو تباہ کر دے یا گدھے کو مار دے [یا زخمی کر دے]۔ دن کا وقت ہو اور مالک کا اس میں کوئی قصور نہ ہو ؛ تو مویشی کے مالک سے کھیت کا تاوان وصول نہیں کیا جائے گا۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اس لیے کہ اس میں اس چوپائے کے مالک کا قصور نہیں ہے۔

ہاں اگر رات کے وقت کسی کا مویشی کھیت میں داخل ہو کر نقصان کر دے تو بقول اکثر علماء جیسے : امام مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ مویشی کا مالک نقصان کا ضامن ہوگا۔ انکی دلیل حضرت سلمان علیہ السلام کے پاس پیش ہونے والا بکریوں اور کھیت کا معاملہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کا قصہ ہے ؛ جو کہ ایک کھیت میں داخل ہوگئی تھی اور اسے تباہ کر دیا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا : جن کے مویشیوں نے رات کو نقصان کیا ہے' ان پر تاوان ہے ۔ اور باغ والوں کو اس باغ کی حفاظت کرنے کا حکم دیا۔ ❶

جب کہ امام ابوحنیفہ و ابن حزم اور دوسرے علماء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ : '' مالک ضامن نہیں ہوگا۔''

اور اسے بھی جملہ طور پر عجماء کے حکم میں شامل مانا ہے۔ اور ان میں سے بعض نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کے واقعہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ❷

---

❶ سنن أبي داؤد ۳/ ۴۰۳؛ کتاب البیوع و الإجارات ' باب المواشی تفسد زرع قوم؛ (ح: ۳۵۶۹؛ ۳۵۷۰۔ سنن ابن ماجة ۲/ ۷۸۱؛ کتاب الأحکام ' باب: الحکم فیما أفسدت المواشي۔ الموطأ ۲/ ۷۴۷؛ کتاب الأقضیة باب القضاء في الضواري والحریسة ۔ اس روایت کا شمار مراسیل ثقات میں ہوتا ہے۔ اہل حجاز اور اہل عراق علماء کے ہاں اسے قبول حاصل ہے۔ اہل مدینہ کے ہاں اسی پر عمل ہے۔

❷ المحلی ۸/ ۱۴۶۔ ابن حزم فرماتے ہیں : '' رات اور دن میں کسی وقت بھی چوپایہ کوئی جانی یا مالی نقصان کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ لیکن اس کے مالک سے کہا جائے گا کہ اسے باندھ کر رکھے۔ اگر وہ اسے باندھ کر رکھے تو درست ہے۔ اگر دوبارہ ایسی حرکت کا ارتکاب کیا تو جانور بیچ کر تاوان ادا کیا جائے گا۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے : '' اگر جانور کسی کو زخمی کر دے تو اس کے مالک سے تاوان نہیں لیا جائے گا۔'' یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ابوسلیمان رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : '' چوپایہ رات یا دن میں کسی وقت بھی کوئی نقصان کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ قاضی شریح اور امام شعبی رحمہما اللہ کا یہی فیصلہ ہے۔ انہوں نے اسی حدیث براء سے استدلال کیا ہے۔ ابو محمد ابن حزم فرماتے ہیں : اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہوجاتی تو ہم اسے ہی اختیار کرتے۔ مگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ نیز انہوں نے حضرت سلیمان کے فیصلہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ اور کہا ہے : اس کی موجودگی میں اگر کوئی حدیث ہوتی بھی تو اس کا کوئی تاوان نہ ہوتا۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہاں اگر مویشیوں کے مالک نے ظلم کیا ہو؛اور مویشیوں کولوگوں کے کھیتوں کی طرف چھوڑا ہوا؛ یا کھیتیوں کے قریب لے جاکر چھوڑا ہو؛ یا پھر گدھے کے اصطبل میں اسکے مالک کی اجازت کے بغیر داخل کیا ہو؛ اوراس نے گدھے کو ماردیا [یا نقصان پہنچایا] تو اس موقعہ پر مالک اپنے ظلم کی وجہ سے تاوان ادا کرے گا۔

یہ مسئلہ تو گدھے اور گائے کا ہے اور اگر گائے کے مالک نے کوئی کوتاہی نہ کی ہو؛ کوتاہی گدہے کے مالک کی طرف سے ہو؛ تو پھر جیسا کہ اگر دن کے وقت مویشیاں کھیتی میں داخل ہوکر اسے تباہ کردیں' [ویسے ہی یہ فیصلہ بھی ہوگا] اس لیے کہ گدھے کے مالک نے اس کا دروازہ بند نہیں کیا۔جیسا کہ اگر گائے گدھے کے اصطبل میں داخل ہوجائے' اور گدھا سویا ہوا ہو: اور گائے کے مالک نے جان بوجھ کر گائے کو وہاں چھوڑا ہو تو اس صورت میں گائے کے مالک پر تاوان ہوگا۔ مجرد گائے کی گدھے پر زیادتی یا گدھے کی گائے پر زیادتی کو مالک کی کوتاہی کے بغیر ہی اگر تاوان کا سبب قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ چوپاؤں کو بھی انسان کی طرح سمجھا جانے لگا ہے اور اس کے نقصان کا تاوان اس پر لگایا جارہا ہے۔حالانکہ یہ مسلمانوں کا حکم نہیں ہے۔ جوکوئی ایسی باتیں نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرکے نقل کرتا ہے' وہ حقیقت میں آپ پر جھوٹ بولتا ہے۔

ہم کئی بار یہ بات کہہ چکے ہیں: یہ [شیعہ] لوگ جاہل ہیں۔جس چیز کو اپنے تئیں مدح سمجھتے ہیں' وہ اپنی طرف سے تراش کر جھوٹی مدح سرائی شروع کردیتے ہیں۔ پس جھوٹ اور مدح کو جمع کرتے ہیں۔نہ ہی اس میں کوئی مدح ہوتی ہے نہ ہی علم اور نہ ہی عدل۔ وہ اپنی ان حرکات کی بنا پر خیر وعدل کی راہوں سے گمراہ ہوجاتے ہیں۔اس کے بارے میں کلام پہلے اس آیت کی تفسیر میں گزرچکا ہے:﴿یهدِي إِلى الحقِ﴾ [یونس 35]

## فصل:...... [حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری]

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے:چوتھی دلیل:'' حضرت علی رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے زیادہ شجاع تھے۔آپ کی تلوار سے اسلام کے قواعد وارکان ایمان میں پختگی آئی۔آپ کبھی بھی کسی بھی موقع پر پسپا نہیں ہوئے۔اور نہ ہی کبھی اپنے کسی قرابت دار کو تلوار سے قتل کیا اور تلوار ہی سے آپ نے نبی ﷺ سے تکلیفات کو دور کیا۔آپ دوسرے لوگوں کی طرح جنگ سے کبھی نہیں بھاگے تھے۔جب آپ ﷺ کی بستر پر رات گزاری تو اپنی جان پر کھیل کر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت فرمائی۔آپ رسول اللہ ﷺ کی چادر لپیٹ کر سو گئے۔مشرکین نے آپ کو ہی محمد ﷺ گمان کیا۔حالانکہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے پر تمام مشرکین کا اتفاق ہوگیا تھا؛ اورانہوں مسلح ہوکر آپ کا گھیراؤ کرلیا تھا۔وہ [نماز] فجر کا انتظار کررہے تھے تاکہ آپ کو کھلے عام قتل کریں۔اور آپ کا خون قبائل میں بٹ جائے۔اور بنی ہاشم دیکھ لیں کہ قاتلین میں ہر قبیلہ کے لوگ موجود ہیں؛ اوران کے لیے اتنی بڑی تعداد کے قتل میں شریک ہونے کی وجہ سے خون کا بدلہ لینا ممکن نہ رہے۔اور ہر قبیلہ اپنے افراد کی حفاظت کے لیے مستعد رہے۔یہ [تدبیر] رسول اللہ ﷺ کے خون کی حفاظت کا سبب

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بن گئی۔سلامتی پوری ہوئی۔اس غرض نے ان کو ایک ملت کی لڑی میں پرو دیا تھا۔لیکن جب لوگوں نے صبح کی اور انہوں نے آپ کی یہ بہادری دیکھی تو انہیں اپنے آپ پر غصہ آیا' اور آپ کو پہچان لینے کے بعد وہ لوگ بکھر گئے۔وہ اس حالت میں پلٹے کہ ان کے تمام حیلے ناکام ہو چکے تھے اور ان کی تدبیریں الٹ چکی تھیں۔'' [شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا]

**[جواب]** :اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بہادر ترین صحابہ میں سے تھے۔جن کی شجاعت سے اللہ تعالیٰ نے نصرت اسلام کی خدمت لی ہے۔آپ کا شمار مہاجرین وانصار کے بڑے بزرگ سابقین اولین میں سے ہوتا ہے۔آپ ان لوگوں کے سردار ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؛ اور اپنی تلوار سے کئی کفار کو قتل کیا۔مگر یہ آپ کی خصوصیت نہیں، بلکہ متعدد صحابہ اس میں آپ کے سہیم وشریک تھے۔اس وجہ سے دوسرے بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آپ کی فضیلت ثابت نہیں ہوسکتی۔تو پھر چہ جائے کہ باقی خلفاء راشدین پر آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے' خلیفہ کے لیے متعین ہونا تو دور کی بات ہے۔

''شیعہ مصنف کا یہ کہنا کہ:''حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔''

یہ بات جھوٹ ہے۔بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اشجع الناس [تمام لوگوں سے بہادر] تھے۔جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ایک روز اہل مدینہ گھبرا کر جدھر سے آواز آرہی تھی ادھر کو چل پڑے، کیا دیکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو طلحہ کے گھوڑے پر سوار تلوار گلے میں ڈالے اس طرف سے واپس آتے ہوئے ملے؛ آپ پہلے ہی اس آواز کی سمت چل پڑے تھے۔آپ فرما رہے تھے''مت گھبراؤ۔''[1]

امام بخاری فرماتے ہیں: آپ واقعہ کی خبر لیکر واپس آرہے تھے کہ لوگوں سے ملاقات ہوئی۔''

مسند میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سخت خطرہ کا موقع ہوتا تو آپ سب سے آگے آگے دشمن کے قریب تر ہوا کرتے تھے۔[2]

شجاعت [بہادری] کی تفسیر دو چیزوں سے کی جاسکتی ہے:

ا۔قوت قلب اور خطرات میں ثابت قدم رہنے کا نام۔

۲۔جسمانی طور پر سخت جنگ وقتال کرنا' بہت سارے لوگوں کو قتل کرنا؛ تاکہ ایک عظیم مقتل سجا دیا جائے۔

پہلی چیز شجاعت ہے۔جب کہ دوسری چیز جسمانی قوت پر دلالت کرتی ہے اور ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ جس کا بدن قوی ہو اس کا دل بھی قوی ہے' یا اس کے برعکس معاملہ ہو۔یہی وجہ ہے کہ آپ مشاہدہ کرسکتے ہیں کہ کوئی انسان بہت سخت جنگ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد۔ باب الحمائل و تعلیق السیف (حدیث:۲۹۰۸)، صحیح مسلم ۔ کتاب الفضائل باب شجاعته صلی اللہ علیہ وسلم (حدیث:۲۳۰۷)۔

[2] مسند احمد(۱/ ۸۶)۔صحیح۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



وجدال کرتا ہے اور بہت سارے لوگوں کو قتل کرتا ہے؛ لیکن یہ اس وقت جب کوئی اسے حفاظت فراہم کرنے والا ہو۔ اور اگر اسے خوف محسوس ہوجائے تو پھر اس پر بزدلی چھا جاتی ہے۔ اور اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ اور آپ کسی ایسے انسان کو بھی دیکھ سکتے ہیں جو ثابت القلب ہو' مگر اس نے اپنے ہاتھ سے بہت سارے لوگوں کو قتل نہ کیا ہو۔ ایسا انسان خوف کے اوقات میں ثابت قدم رہنے والا اور انتہائی خطرناک موڑ پر پیش قدمی کرنے والا ہوتا ہے۔ جنگی سالاروں اور قیادت میں اور ہراول دستہ کے لوگوں میں اس خصلت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ پیش قدمی کرنے والا جب بہادر اور ثابتِ قلب ہو؛ تو وہ آگے ہی بڑھتا رہتا ہے؛ پیچھے نہیں ہٹتا۔ پس اس کے ساتھی بھی جنگ وقتال کرتے ہیں۔ اور اگر بزدل اور کمزور ڈرپوک ہو تو وہ پسپا ہوجاتا ہے' آگے نہیں بڑھ سکتا' اور نہ ہی ثابت قدم رہ سکتا ہے۔ بھلے اس کا بدن کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو۔ [شدید گرفت اور جنگی مہارت بھی شجاعت میں داخل ہے]۔

نبی کریم ﷺ کی شجاعت ہر لحاظ سے کامل تھی' وہ شجاعت جو میدان جنگ میں سالار لشکر سے مطلوب ہوتی ہے۔ اس انتہائی شجاعت کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے ابی بن خلف کے سوا کسی کو قتل نہیں کیا تھا۔ (1) اسے غزوۂ احد میں قتل کیا تھا۔ اس سے پہلے یا بعد آپ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو قتل نہیں کیا۔ حالانکہ آپ کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ آپ تمام صحابہ سے زیادہ بہادر تھے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ حنین میں منتشر ہوگئے تھے۔ مگر آپ خچر پر سوار ہوکر بدستور دشمن کی طرف بڑھے جا رہے تھے۔ آپ کی خچر نہ بھاگتی تھی اور نہ ہی پیچھے ہٹتی تھی۔ اور اس کیساتھ ساتھ آپ فرماتے جارہے تھے:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ ......اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

''میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں...... میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ (2)

پس آپ اپنا نام لے کر آگے بڑھ رہے تھے' جب کہ صحابہ کرام بکھر چکے تھے۔ اور دشمن مسلسل آپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اور آپ اپنی خچر پر سوار دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے؛ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کی خچر کی لگام تھامی ہوئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگ رسول اللہ ﷺ کی اوٹ لیا کرتے تھے' اس لیے کہ آپ ان سب سے زیادہ بہادر تھے؛ اگرچہ لوگوں میں ایسے بھی تھے جنھوں نے آپ ﷺ سے زیادہ لوگوں کو قتل کیا تھا۔

جب امام میں قلبی شجاعت کی ضرورت ہوتی ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ دلیر و بہادر تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان و علی' طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین سے بڑھ کر بہادر تھے۔ جو انسان بھی صحابہ کرام کے حالات وواقعات جانتا ہے' اسے ان باتوں کا علم ہے۔

---

(1) سیرۃ ابن ھشام (ص:۳۸۹)۔

(2) صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب قول اللہ تعالی ﴿وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ......﴾ (ح: ۴۳۱۵۔ ۴۳۱۷)۔
صحیح مسلم، کتاب الجھاد۔ باب غزوۃ حنین (حدیث:۱۷۷۶)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



آپ آغاز اسلام ہی سے ان خطرات میں گھرے رہے جن میں نبی ﷺ مبتلا تھے۔مگر کبھی بزدلی دکھائی نہ بے قراری کا اظہار کیا اور نہ ہی پیچھے ہٹے۔ بلکہ خطرات و مہالک میں کود کر اپنی جان پر کھیل کر نبی کریم ﷺ کی حفاظت کرتے۔مشرکین سے مال و جان اور زبان سے جہاد میں حصہ لیتے۔ یہ تمام باتیں گزر چکی ہیں۔

جنگ بدر میں سائبان کے نیچے نبی کریم ﷺ کے ہم راہ تھے؛ حالانکہ سب یہ بات جانتے تھے کہ مشرکین کا اصل ہدف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔مگر آپ بالکل ثابت قلب تھے'نبی کریم ﷺ کی مدد و نصرت کر رہے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے لگے تو آپ فرما رہے تھے:

" اللهم أنجزلي ما وعدتني ؛ اللهم إن تهلك هذه العصابة ' لا تعبد؛ اللهم اللهم ۔"

''اے اللہ! جو وعدہ مجھ سے کیا ہے اس کو پورا کر۔اے اللہ! اگر یہ مختصر سی جماعت ہلاک ہوگئی تو دنیا میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا؛ اے اللہ! اے اللہ!......''[1]

ابو بکر رضی اللہ عنہ برابر کہتے جا رہے تھے:

''اے اللہ کے رسول! آپ کی یہ دعا کافی ہے، اللہ تعالیٰ آپ سے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کریں گے۔''

اس سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے یقین کامل؛ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اعتماد اور عزم و ثبات؛ شجاعت و بہادر پر روشنی پڑتی ہے؛ اور قدرتی بہادری پر ایمانی شجاعت و بہادری زیادہ تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی حالت آپ سے زیادہ کامل تھی' اور آپ کا مقام ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مقام سے اعلیٰ تھا۔ یہاں پر مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ [رسول اللہ ﷺ کے بعد] لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا بہادر نہیں تھا۔

معاملہ ایسے نہیں جیسا کہ بعض جاہل لوگ گمان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مقام رسول اللہ ﷺ کے مقام سے اعلیٰ ہے-نعوذ باللہ من ذلک-۔اس موقعہ پر دعا کرنے سے نبی کریم ﷺ کی شان میں کوئی قدح وارد نہیں ہوتی۔جیسا کہ بعض لوگوں نے اس بارے میں گفتگو کی ہے۔ اس میں ابن عقیل اور دوسرے لوگوں نے بھی بحث کی ہے۔[اس موقعہ پر دعا کرنا] یہ آپ کے کمال اور جامعیت کی دلیل ہے۔آپ ہر مقام پر عظمت و رفعت کی انتہائی بلندیوں

---

[1] صحيح مسلم۔ كتاب الجهاد، باب الامداد بالملائكة فى غزوة بدر، (حديث: ١٧٦٣)۔

[دعا کرنے سے نبی کریم ﷺ کی شان میں کوئی قدح وارد نہیں ہوتی، بلکہ یہ آپ کے کمال کی دلیل ہے اسباب پر تکیہ کرنا توحید کے منافی ہے اور اسباب سے بالکلیہ اعراض کر لینا بھی خلاف شرع ہے۔ رسول پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ جہاد کے ذریعہ اقامت دین کی پوری پوری کوشش کرے اور اس راہ میں اپنی جان و مال اور بارگاہ ایزدی میں دعا کرنے اور اس پر مسلمانوں کو آمادہ کرنے سے گریز نہ کرے۔ بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہونا ایک عظیم جہاد ہے اور پیغمبر اس کا مامور ہوتا ہے۔ جب دل پر خوف و ہیبت چھا جائے اور عجز و انکسار کا غلبہ ہو تو بعض چیزیں جو ذہن میں محفوظ ہوتی ہیں یاد نہیں رہتیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کے دست و بازو تھے۔اور آپ کی مدافعت کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔[دراوی جی]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



پر فائز ہیں۔پس اس سے معلوم ہوا کہ صرف اسباب پر تکیہ کرنا توحید کے منافی ہے اور اسباب کو سرے سے ترک کر دینا عقل وخرد میں قدح کا باعث ہے؛ اور اعراض واسباب سے بالکلیہ اعراض کر لینا بھی خلاف شرع ہے۔معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ جہاد کے ذریعہ اقامت دین کی پوری پوری کوشش کریں اور اس راہ میں اپنی جان و مال اور بارگاہ ایزدی میں دعا کرنے اور اس پر مسلمانوں کو آمادہ کرنے سے گریز نہ کریں۔ بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہونا ایک عظیم جہاد ہے؛ اور مرغوب کے حصول اور مکروہ سے نجات کے بڑے اسباب میں سے ایک ہے؛ اور پیغمبر اس کا مامور ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کمزور اور مفلس مہاجرین سے فتح کی دعاء کروایا کرتے تھے۔اور جب بدر کے موقعہ پر قریش آئے ؛ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ [مقام بدر پر] موجود تھے ؛ اور آپ نے اپنے صحابہ کو کفار کے مقتل کی خبر بھی دیدی تھی ؛ آپ نے فرمایا تھا:

''یہاں پر عتبہ بن ربیعہ قتل ہوگا ؛ یہاں پر شیبہ بن ربیعہ قتل ہوگا ؛ یہاں پر امیہ بن خلف قتل ہوگا ؛ یہاں پر ابو جہل بن ہشام قتل ہوگا۔ یہاں پر فلاں انسان قتل ہوگا۔''[1]

پھر اس کے باوجود کہ آپ ﷺ کو علم تھا کہ ایسا ضرور ہوکر رہے گا۔اور آپ جانتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو پھر اس کے ہونے میں اسباب کا ہونا یا نہ ہونا رکاوٹ نہیں بن سکتا۔

یہ کہ بعض اسباب ایسے ہیں جن کے اختیار کرنے کا حکم بندوں کو دیا گیا ہے۔ وہ سب سے بڑا سبب جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دیا ہے' وہ اس سے مدد طلب کرنا ہے۔تو آپ نے وہ فریضہ ادا کیا جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔

حالانکہ آپ جانتے تھے کہ جس چیز کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور ہوکر رہے گی۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت گزاری کرتے تھے ؛ حالانکہ آپ جانتے تھے کہ دنیاء و آخرت کی سعادت آپ قدموں میں ہے۔

جب دل پر خوف و ہیبت چھا جائے اور عجز و انکسار کا غلبہ ہو تو بعض چیزیں جو ذہن میں محفوظ ہوتی ہیں یاد نہیں رہتیں۔ یہ چیز کسی کے عالم ہونے میں مانع نہیں ہوسکتی۔اور نہ ہی اس کے اجتہاد و جہاد میں اسباب کے اختیار کرنے میں کوئی رکاوٹ ہوسکتی ہے۔اور جس انسان کو علم ہو کہ جب وہ مریگا تو جنت میں داخل ہوگا۔لیکن یہ علم موت کی بعض سختیاں

---

[1] مسلم ۳/ ۱٤٠٣'کتاب الجهاد والسير' باب : غزوة البدر۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ ......اے حدیث کے آخر میں ہے: رسول اللہ ﷺ فرماتے: '' یہ فلاں کی قتل گاہ ہے'' اور اپنا دست مبارک اس جگہ زمین پر رکھ دیتے۔ان میں سے کوئی انسان بھی اپنی اس بتائی گئی جگہ کے علاوہ نہیں مرا۔

اس سے ملتی جلتی ایک روایت سیرت نگاروں نے حضرت جہیم بن صلت سے نقل کی ہے: آپ فرماتے ہیں: میں نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا کہ میں نے دیکھا: ایک گھوڑے سوار آکر رکا اور اس کے ساتھ اس کا اونٹ بھی تھا۔ پھر اس نے کہا: عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' ابوالحکم بن ہشام' اور امیہ ابن خلف اور فلاں فلاں لوگ قتل ہوگئے ......'' تفصیل کے لیے دیکھیں: سیرت نبی از ابن کثیر ۲/ ۳۹۸۔ زاد المعاد ۳/ ۱۷۳۔ سیرت ابن ہشام ۲/ ۲٦۷۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



پیش آنے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔اور جب مریض کو خبر دی جائے کہ اس دواء میں شفاء ہے تو یہ بشارت دواء کی ترشی یا کڑواہٹ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔پس رسول اللہ ﷺ بھی اس ماموربہ دعاء کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔یہی چیز تمام معاملات کی اصل اور دین کی چکی کا ایک پاٹ ہے۔آپ پر واجب ہوتا تھا کہ جو واجب دوسرے لوگ ادا کر رہے ہوں وہ زیادہ اچھے طریقہ سے آپ ادا کریں۔دعا کرنا اور مدد طلب کرنا نصرت الٰہی نازل ہونے کے بڑے اسباب میں سے ایک ہے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقام رسول اللہ ﷺ سے کم ہے۔آپ کی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کے دست و بازو تھے۔اور آپ کی مدافعت کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔اور آپ نے یہ بھی عیاں کر دیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی نصرت پر کامل یقین ہے؛ اور آپ دشمن کی طرف دیکھتے تھے کہ کیا وہ مسلمانوں سے کس طرح جنگ کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی صفوں پر نظر ڈالتے تھے کہیں کوئی خلل واقع نہ ہو جائے۔اور اس حالت میں نبی کریم ﷺ جس بات کا حکم دیا کرتے تھے وہ جا کر مسلمانوں تک پہنچایا کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود آپ کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾

''اگر تم ان (نبی ﷺ) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جبکہ انہیں کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔'' [التوبة ٤٠]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد نہیں کی تھی تب بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی اور آپ کے ساتھی کی اس وقت مدد کی جب وہ دونوں غار میں تھے۔اس حالت میں تو خوف نبی کریم ﷺ کے بارے میں تھا کسی اور کے متعلق نہیں۔اس قصہ کے متعلق تفصیلی گفتگو اس کتاب کے آخر میں آئے گی۔وزیر کا بادشاہ کے ساتھ اپنا حال ہوتا ہے اور بادشاہ کا وزیر کے ساتھ اپنا حال ہوتا ہے۔

## وفاتِ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کارنامے:

یہاں پر مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں میں سب سے بہادر تھے۔ان سے زیادہ بہادر کوئی دوسرا نہیں تھا۔جب سالار رُسل ﷺ نے رحلت فرمائی تو مسلمانوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ہر شخص اپنی جگہ بے چین تھا اور ہوش وحواس کھو بیٹھا تھا؛ عقلیں کام نہیں کر رہی تھیں۔ہر طرف اضطراب ہی اضطراب تھا۔کوئی آپ کی موت کا انکار کر رہا تھا۔اور کوئی اپنی جگہ پر بیٹھ کر رہ گیا تھا۔اور کوئی اوسان باختہ ہو چکا تھا اسے کسی گزرنے والے یا سلام کرنے والے کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔کوئی رو رہا تھا اور اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔گویا کہ قیامت تھی۔قیامت صغریٰ بپا ہو گئی۔اکثر بدو عرب دین اسلام سے منحرف ہو گئے۔اس مشکل ترین وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق صبر و یقین کی دولت سے بہرہ ور ہو کر کامل استقلال اور ثابت قلبی و بہادری کے ساتھ کھڑے ہو گئے؛ نہ آپ نے گریہ کیا؛ نہ ہی گھبرائے؛ آپ نے اور صحابہ کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اپنے پاس

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



موجود نعمتوں کا انتخاب کرلیا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا:

’’جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پرستار تھا، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ آپ وفات پا چکے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا، اسے واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اسے موت نہیں آئے گی۔‘‘

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾

’’اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف ایک رسول ہیں، آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر گئے، اگر آپ وفات پا جائیں یا قتل کیے جائیں تو کیا تم دین اسلام سے منحرف ہو جاؤ گے اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا تو اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔‘‘ (آل عمران ۱٤٤)

لوگوں نے جب یہ آیت سنائی تو یوں لگتا تھا کہ انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلاوت سے پہلے کبھی یہ سنی ہی نہ تھی۔ پھر کوئی بھی ایسا نہیں رہ گیا تھا جو اس آیت کی تلاوت نہ کر رہا ہو۔ پھر آپ نے ایک خطبہ کے ذریعہ ان کی ڈھارس بندھائی اور ان میں جرأت وجلادت کے جذبات پیدا کیے۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب ہمیں خطاب کیا تو ہم لومڑی کی طرح بزدل تھے‘ آپ کی مسلسل حوصلہ افزائی نے ہمیں شیر بنا دیا۔‘‘

نیز جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ حالانکہ لوگوں نے اس لشکر کو روکنے کا مشورہ دیا تھا۔ پھر جلد مرتدین کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ لوگ ان کے ساتھ جنگ کے بجائے نرمی سے کام لینے اور انتظار کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔

پھر اس کے بعد آپ نے مانعین زکواۃ سے جنگ چھیڑ دی۔ اس کے ساتھ ہی اگر کوئی صحابی کسی مسئلہ سے لاعلم ہوتا تو آپ اسے تعلیم دیتے‘ اور جب کوئی کمزوری دیکھا تا تو آپ اسے آشیر باد کے ذریعہ طاقتور بناتے۔ اگر لوگ تھک جاتے تو آپ انہیں ترغیب دلاتے۔ پس آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے دین‘ علم اور وقت کو تقویت بخشی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ انتہائی شجاعت اور کمال قوت کے باجود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کرتے تھے: ’’اے خلیفہ رسول! لوگوں سے الفت و محبت کا سلوک کیجیے۔‘‘ تو آپ فرماتے: کس بات پر ان کے ساتھ الفت کا سلوک کروں؟ کیا اپنی طرف سے گھڑے ہوئے دین پر؟ یا بے ڈھب شعروں پر؟ یہ باب بہت وسیع ہے۔ [یہاں اسکی گنجائش نہیں]۔

امام سے مطلوب شجاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کامل کسی میں نہ تھی۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ آتا ہے۔

جہاں تک قتل اور کفار کو تہ تیغ کرنے کا تعلق ہے، بلاشبہ اس ضمن میں دیگر صحابہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سبقت لے گئے

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته (حدیث: ٤٤٥٣، ٤٤٥٤)۔

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com



تھے۔ اگر ہر قتل کرنے والا ہی بہادر ہوتا ہے تو پھر دوسرے بہت سارے ایسے صحابہ بھی ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ لوگوں کو قتل کیا؛ تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ بہادر ہوں گے۔ [جو شخص سیر و مغازی کے احوال و واقعات بہ امعان نظر پڑھتا ہے، وہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے مبارزت طلبی کر کے سو کافروں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ جن کے خون میں ان کے ساتھ اور لوگ بھی شریک تھے وہ اس پر مزید ہیں۔ ❶

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جو کفار واصل جہنم ہوئے ان کا شمار تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ غزوۂ موتہ میں ان کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں۔'' ❷

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت کئی گنا زیادہ لوگوں کو قتل کیا تھا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اندر طبیعی شجاعت کے ساتھ ساتھ دینی شجاعت بھی کمال درجہ کی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ پر یقین کی قوت' اور مؤمنین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی نصرت پر ثقہ اعتماد۔ یہ شجاعت تو ہر قوت قلب والے کو حاصل نہیں ہوتی۔ یہ قوت ایمان و یقین کے زیادہ ہونے سے بڑھ جاتی ہے اور اس کے کم ہونے سے کم ہو جاتی ہے۔ جس انسان کو یقین کو ہو کہ وہ دشمن پر غالب آئے گا تو وہ یقیناً ایسی پیش قدمی کرتا ہے جو عام پیش قدمی کی طرح نہیں ہوتی۔ یہ بات مسلمانوں کی اپنے دشمن کے خلاف پیش قدمی اور ان کی شجاعت کے بڑے اسباب میں سے ایک تھی۔

وہ بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی خبر پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ آخر کار ان لوگوں کو کامیابی ملے گی اور اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں پر دنیا کے شہروں کو فتح کرے گا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شجاعت کی ایک اور مثال جسے صحیحین میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: میں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا وہ سخت ترین بات کون سی تھی جو مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی؟ انہوں نے فرمایا: ''میں نے عقبہ بن ابی معیط کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے اس نے اپنی چادر آپ کی گردن مبارک میں ڈال کر آپ کا گلا بہت زور سے گھوٹنا شروع کیا اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آ گئے اور آ کر اس کو آپ سے ہٹایا اور کہا:

﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآئَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ [غافر ۲۸]

''کیا تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے ''میرا رب اللہ ہے'' حالانکہ یقیناً وہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیلیں لے کر آیا ہے۔'' ❸

❶ مستدرك حاكم(۳/ ۲۹۱)، مصنف عبد الرزاق(۹٤۹٦)، طبقات ابن سعد(۷/ ۲)

❷ صحيح بخاری، كتاب المغازی، باب غزوة موتة من ارض الشام(حديث:٤٢٦٥)۔

❸ البخاری ٥/ ١٠؛ كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ؛ وكتاب مناقب الأنصار، باب: ما لقي النبي ﷺ وأصحابه من المشركين بمكة۔تفسير ابن كثير ۷/ ۲۹۲۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



# فصل:......[حقیقت شجاعت]

اس چیز کا جاننا ضروری ہے کہ دین میں شجاعت کی فضیلت و اہمیت جہاد فی سبیل اللہ کی وجہ سے ہے۔ وگرنہ وہ بہادری و شجاعت جس سے جہاد فی سبیل اللہ کا کام نہ لیا جائے ؛ وہ یا تو خود انسان پر وبال ہے جب وہ اس بہادری سے شیطان کی اطاعت میں مدد لے گا۔ اور یا پھر اگر اسے اللہ تعالیٰ کی قربت و اطاعت کے کاموں میں نہ صرف کرے تو اس کے لیے غیر نفع بخش ہے۔

پس حضرت علی' حضرت زبیر، حضرت خالد اور ابو دجانہ' اور براء بن مالک (رضی اللہ عنہم اجمعین) بڑے بہادر مجاہد صحابہ کرام میں سے تھے۔ اور یہ بہادری ان کے فضائل میں شمار ہونے لگی۔ اس لیے کہ انہوں نے اس بہادری سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد میں مدد لی ؛ اور اس وجہ سے وہ اس حمد وثنا کے مستحق ٹھہرے جو اللہ تعالی نے قرآن میں مجاہدین کی ثنا بیان کی ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ جہاد کی ایک قسم ہاتھ سے قتال کرنا ہے۔ اور دوسری قسم دلیل و بیان اور دعوت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ❀ فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا﴾

''اور اگر ہم چاہتے تو ضرور ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔ پس تو کافروں کا کہنا مت مان اور اس کے ساتھ ان سے جہاد کر، بہت بڑا جہاد۔'' [الفرقان ۵۱۔ ۵۲]

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کفار کو قرآن سنا کر ان کے ساتھ بڑا جہاد کیا جائے۔ یہ مکی سورت کی آیات ہیں جو کہ نبی کریم ﷺ کی ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ اس وقت تک ابھی قتال کرنے کا حکم نہیں ملا تھا۔ اور نہ ہی اس کی اجازت دی گئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ یہ جہاد علم و قلب' اور بیان و دعوت کے ساتھ تھا قتال نہیں تھا۔ اس لیے کہ قتال میں رائے اور تدبیر کے ساتھ شجاعتِ قلب اور زور بازو کی ضرورت ہوتی ہے۔ قوت بدن کی نسبت سے شجاعت قلب اور رائے و تدبیر کی عام مجاہد سے بڑھ کر قائد اور سالار میں بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ سو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جسمانی قتال کے علاوہ بھی جہاد کی جملہ اقسام میں دوسرے صحابہ کرام پر مقدم تھے۔ [بلاشبہ اس جہاد میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی شرکت کی تھی، اگرچہ وہ اس ضمن میں ان مجاہدین تک نہ پہنچ سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ مرتبہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اطراف ملک میں امیر لشکر بنا کر بھیجا تھا۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیبر کے بعض قلعے یقیناً فتح کیے تھے]

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''شیعہ کا قول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جہاد و قتال' کفار پر ضرب و کرب میں دیگر صحابہ پر فائق تھے اور جہاد افضل الاعمال ہے۔'' یہ غلط بات ہے۔ اس لیے کہ جہاد کی تین قسمیں ہیں:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



۱۔ جہاد کی پہلی قسم دین اسلام کی طرف زبان کے ساتھ دعوت دینا ہے [یہ جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم ہے]۔

۲۔ جہاد کی دوسری قسم یہ ہے کہ لڑائی کے وقت رائے و تدبیر سے کام لیا جائے۔

۳۔ تیسری قسم کا جہاد جہاد بالید [ہاتھ کا جہاد] ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد کی قسم اوّل [یعنی دعوت الی اللہ] میں نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی شخص حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا ہم پلہ نہیں۔ اکابر صحابہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت اسلام کی تھی۔ یہ افضل اعمال میں سے ہے۔اس میدان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اتنا بڑا کردار نہیں۔ باقی رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو جس دن آپ اسلام لائے اس دن اور اس وقت سے اسلام زور پکڑ گیا؛ اور اعلانیہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہونے لگی۔ یہ سب سے بڑا جہاد ہے۔[حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے ہم معزز ہو گئے۔''][1]

خلاصہ کلام! حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جہاد کی ان دونوں اقسام میں عدیم النظیر تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس میں بڑا حصہ نہیں تھا۔

دوسری قسم کا جہاد جس میں رائے و مشورہ سے کام لیا جاتا ہے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مختص ہے۔

تیسری قسم کے جہاد میں سرور کائنات نے بہت کم حصہ لیا، مگر اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ بزدل تھے۔ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد کی اس قسم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ منفرد نہ تھے۔ بلکہ دیگر صحابہ اس میں برابر آپ کے سہیم و شریک تھے۔مثلاً یہ صحابہ کرام، حضرت طلحہ، زبیر، سعد، حمزہ، عبیدہ بن حارث، مصعب بن عمیر، سعد بن معاذ اور سماک بن ابی دجانہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) بڑے مجاہد تھے۔ بلاشبہ اس جہاد میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی شرکت کی تھی، اگرچہ وہ اس ضمن میں ان مجاہدین تک نہ پہنچ سکے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ مرتبہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اطراف ملک میں امیر لشکر بنا کر بھیجا تھا۔البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیبر کے بعض قلعے یقیناً فتح کیے تھے۔

## شیعہ کا قول کہ شمشیر علی رضی اللہ عنہ سے ارکان اسلام مضبوط ہوئے:

**[اشکال ]** : شیعہ مصنف کا قول ہے کہ: ''شمشیر علی رضی اللہ عنہ سے قواعدِ اسلام و ارکان ایمان مضبوط ہوئے۔''

**[جواب]** : صاف جھوٹ ہے اور اسلامی غزوات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص اس کے کذب کا گواہ ہے۔البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات بھی ان اسباب و وسائل میں سے ایک تھی جن کے باعث دین اسلام نے تقویت پائی۔جس طرح بدر میں بہت سی تلواریں آپ کی تلوار کے علاوہ اور بھی تھیں۔ نبی کریم ﷺ کے وہ غزوات جن میں قتال کی نوبت آئی تھی کل نو تھے۔سرور کائنات کی وفات کے بعد فارس و روم کی خطرناک لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مطلقاً حصہ نہیں لیا تھا۔عہد رسالت کی لڑائیوں میں جو غلبہ حاصل کیا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی نہ تھی بلکہ وہ

[1] بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (ح:۳۶۸۴)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نبی کریم ﷺ کے فیض کا رہین منت تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جمل وصفین اور نہروان کی لڑائیوں میں جو غلبہ حاصل کیا تھا اس کی وجہ ان کے لشکر کی کثرت تعداد تھی۔ اس کے باوصف آپ نے اہل شام کے خلاف کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کی تھی بلکہ فریقین برابر تھے اور کسی کا پلہ بھی دوسرے سے بھاری نہ تھا۔

[**اشکال**]: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ سے کبھی فرار اختیار نہیں کیا تھا۔''

[**جواب**]: ہم کہتے ہیں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت نہیں، بلکہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ بھی اس وصف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برابر شریک ہیں، اور اگر اس قسم کی کوئی معمولی چیز وقوع میں آئی بھی ہے تو وہ پوشیدہ ہے اور نقل ہوکر ہم تک نہیں پہنچی۔ اس بات کا احتمال ہے کہ احد وحنین میں ایسی لغزش حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی سرزد ہوئی ہو مگر ہم اس سے آگاہ نہ ہوسکے۔

مسلمانوں کو دوبار پسپائی اختیار کرنا پڑی تھی۔ ایک بار احد کے موقعہ پر اور دوسری بار حنین میں۔ اور یہ بات منقول نہیں ہے کہ ان مذکورہ بالا صحابہ کرام میں سے کوئی ایک پسپا ہوا ہو۔ بلکہ سیرت اور مغازی کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما غزوہ احد وحنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ فرار ہونے والوں کے ساتھ فرار نہیں ہوئے تھے۔ جس نے یہ دعوی کیا ہے کہ یہ حضرات حنین کے موقعہ پر فرار ہوگئے تھے' تو اس کا جھوٹ صاف ظاہر اور ہر ایک کو معلوم ہے۔ احد کے موقعہ پر پسپا ہونے والوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شامل تھے؛ [اس لغزش کو] اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا۔ جو کچھ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے متعلق نقل کیا جاتا ہے کہ آپ حنین کے موقعہ پر جھنڈا لیکر فرار ہوگئے تھے؛ یہ محض جھوٹ ہے جو ان لوگوں نے گھڑ لیا ہے جنہیں افتراء پردازی کی عادت اور لت پڑی ہوئی ہے۔

شیعہ مصنف کا دعوی کہ: ''آپ نے اپنی تلوار سے کبھی کسی قریبی رشتہ دار کو قتل نہیں کیا۔''

[**جواب**]: اس کے سچ یا جھوٹ ہونے کے ثبوت معلوم نہیں ہوسکے۔ اور اس مسئلہ میں ہمارے پاس کوئی قابل اعتماد روایت بھی موجود نہیں ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی انسان حضرت خالد بن ولید' حضرت زبیر' براء بن مالک' ابو دجانہ اور ابوطلحہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایسا دعوی کرے کہ انہوں نے کبھی اپنے کسی خونی رشتہ دار کو قتل نہیں کیا۔ یہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق دعوی جیسا دعوی ہے۔ بلکہ یہ مثال حضرت خالد اور براء بن مالک رضی اللہ عنہما پر زیادہ صادق آتی ہے۔

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا:

''آپ مشرکین پر اللہ کی تلواروں میں سے ایک لٹکتی ہوئی تلوار ہیں۔'' [سبق تخریجہ]

پس اگر یہ کہا جائے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تلوار بنایا ہو وہ کبھی اپنے کسی قریبی خونی رشتہ دار کو قتل نہیں کرے گا تو یہ بات سچائی کے زیادہ قریب ہوگی۔ حالانکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے متعلق معلوم ہے کہ آپ نے جنگوں میں کس کثرت سے لوگوں کو قتل کیا۔ اور آپ ہمیشہ کامیاب ہی ہوتے رہے۔

[**اشکال**]: شیعہ کا یہ قول کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی مشکلات کا ازالہ کیا۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



**[جــــواب]**: دعویٰ بلا دلیل ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی ایک تکلیف کو بھی دور نہیں کیا تھا۔ البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس وقت آپ کی امداد کی تھی جب مشرکین نے مکہ میں آپ کو پیٹنا اور قتل کرنا چاہا تھا قرآن کریم میں اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا: ﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ﴾ (غافر: ۲۸)

''کیا تم اس لیے ایک شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔''

مشرکین نے اس جرم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیٹا تھا۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی ایسی خدمت کی انجام دہی کا علم نہیں ہوسکا۔

یہ بات غلط ہے کہ مشرکین نے احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ یا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تلوار کے ساتھ چھڑایا تھا۔ اہل علم میں سے کسی ایک نے بھی یہ واقعہ نقل نہیں کیا' اور نہ ہی اس کی کوئی حقیقت ہے۔ غالباً شیعہ مصنف کا ماخذ قصہ کہانی کے طرز پر لکھی ہوئی مغازی وسیرت کی کتابیں ہیں جو افسانہ گو قسم کے لوگوں نے تصنیف کی ہیں۔ مثلاً البکری کی ''تنقلات الانوار'' نیز سیرۃ البطال وعنترہ واحمد الدنف وغیرہ یا وہ کتابیں جو سکول کے طالب علم پڑھائی میں مہارت حاصل کرنے کے لیے کرایہ پر لے کر پڑھتے ہیں اور ان بے ہودہ کہانیوں کو پڑھ کر وہ رات بھر سو نہیں سکتے۔

کذابین نے مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی کہانیاں گھڑ لی ہیں جو اسی جنس سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی تصدیق وہ جاہل لوگ کرتے ہیں جنہیں سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صحیح روایات کا علم نہ ہو۔ جب کہ اہل علم جانتے ہیں کہ ایسی سب روایات کورا جھوٹ ہیں۔

❀ شیعہ مصنف نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رات گزارنے کا ذکر کیا ہے' ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہاں پر اصل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خوف والی کوئی بات نہیں تھی۔

اہل ایمان کی جانب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کا جو سب سے مشہور واقعہ ومعرکہ ہے وہ احد کے دن کا ہے۔ جس دن مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تھے۔ تو دشمن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے میں بھرپور کوشش کرنے لگا۔

امیہ بن خلف آپ کو قتل کرنے کی کوشش میں آگے بڑھنے لگا۔ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے قتل کیا۔ اس موقعہ پر مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی کردیا؛ آپ کے سر پر خود تھا جس پر وار کیا گیا؛ آپ کے سامنے کے دو اوپر والے دوانت ٹوٹ گئے۔ اس وقت جو صحابہ کرام آپ کے اردگرد باقی رہ گئے تھے وہ بھرپور دفاع کرنے لگے۔ جیسے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تیر چلاتے جارہے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے: ''میرے ماں باپ تجھ پہ قربان! خوب تیر چلاؤ''[2] [البخاری ۴/ ۳۹]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر۔ سورۃ المؤمن (حدیث: ۴۸۱۵، ۳۶۷۸)۔

[2] الحدیث عن علي ابن ابي طالب۔ البخاری ۴/ ۳۹۔ کتاب الجهاد والسیر' باب: المجن ومن یتترس بترس صاحبه۔ مسلم ۴/ ۱۸۷۶؛ کتاب فضائل الصحابة' باب فضل سعد بن ابی وقاص۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حضرت طلحہ نے غزوۂ احد میں نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی تھی۔ ❶ اسی دوران آپ کا ایک ہاتھ کٹ گیا تھا۔ ❷ آپ کے اردگرد مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کا دفاع کرتے ہوئے مقام شہادت پر سرفراز ہوگئی۔

حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یوم احد کے موقع پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی تلوار دھونے کو کہا' اور فرمایا: ''اسے دھونا' اس پر کوئی مذمت نہیں ہے۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم نے کوئی اچھا کام کیا ہے تو فلاں فلاں نے بھی اچھا کام کیا ہے۔'' اور آپ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے نام گنوائے۔ ❸

## فصل:......حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مقتولین بدر

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''غزوہ بدر کے موقع پر؛ جو کہ پہلا غزوہ ہے؛ اور مدینہ طیبہ ہجرت کرکے آنے کے اٹھارہ ماہ بعد پیش آیا؛ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر صرف ستائیس برس کی تھی آپ نے تنہا چھتیس آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ جس قدر کفار کو غزوۂ بدر میں قتل کیا گیا تھا یہ تعداد اس کے نصف سے بھی زیادہ ہے، اس کے علاوہ آپ دیگر کفار کے قتل میں بھی شریک ہوئے تھے۔''

**[جواب]** : ہم کہتے ہیں: باتفاق اہل علم وعارفینِ اہل سیرت ومغازی یہ صریح جھوٹ اور من گھڑت بہتان ہے۔ یہ بات کسی بھی ایسے راوی نے نقل نہیں کی جس کی روایت پر اعتماد کیا جاتا ہو۔ بلکہ یہ جھوٹے اور جاہل لوگوں کی خود ساختہ بات ہے۔ بلکہ روایات صحیحہ سے بہت سے کفار کا بدر میں قتل کیا جانا ثابت ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شرکت نہیں کی تھی۔ مثلاً ابوجہل وعقبہ وعتبہ بن ربیعہ [یا شیبہ بن ربیعہ] وابی بن خلف وغیرہ۔

❀ یہ واقعہ ایسے ہے کہ جب مشرکین کی طرف سے تین آدمی: عتبہ' شیبہ اور ولید نکلے' اور انہوں نے مبارزت طلب کی تو ان کے مقابلہ میں تین انصاری نکلے۔ انہوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ تو انہوں نے نام لیکر اپنا تعارف کروایا۔ تو مشرکین نے کہا: آپ عزت والے ہم پلہ لوگ ہیں؛ مگر ہم اپنے چچازادوں سے لڑنا چاہتے ہیں۔

تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقارب کو نکلنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا: اے حمزہ! کھڑے ہوجاؤ۔ اے عبیدہ! کھڑے ہوجاؤ۔ اے علی! کھڑے ہوجاؤ۔'' اس وقت مشرکین میں سب سے چھوٹا ولید تھا اور مسلمانوں میں حضرت علی؛ تو ان دونوں میں مقابلہ ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے فریق مخالف کو قتل کیا؛ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فریق مخالف عتبہ کو۔ جب کہ حضرت عبیدہ کو ان دشمن نے زخمی کردیا۔ حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے جاکر ان کی مدد کی اور تیسرے

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ......﴾ (حدیث:۴۰۶۳)

❷ صحیح بخاری، حوالہ سابق(ح:۴۰۶۴)، صحیح مسلم۔ کتاب الجهاد۔ باب غزوۃ النساء مع الرجال(ح:۱۸۱۱)، اس میں ہے کہ یہ کہنے والا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ واللہ اعلم۔

❸ سیرۃ ابن ہشام ۳/ ۱۰۶؛ البدایہ والنہایۃ ۴/ ۴۷ .

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کافر کو بھی قتل کر دیا۔

نقل کیا گیا ہے کہ جنگ بدر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دس؛ یا اس سے بھی کم یا اس سے کچھ زیادہ کافروں کو قتل کیا تھا۔

جو کچھ ابن ہشام' اور اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ' اور اموی نے ذکر کیا ہے؛ ان تمام نے زیادہ سے زیادہ آپ کے ہاتھوں سے گیارہ کفار کا قتل ہونا بتایا ہے۔ جب کہ چھ کفار کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کا قتل کرنے والا کون تھا۔ تین کفار کے قتل میں آپ نے شراکت کی ہے۔ اہل صدق وامانت نے یہی نقل کیا ہے۔

## غزوۂ احد اور شیعہ کی افتراء پردازی:

**[الزام]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''احد کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا سب لوگ بھاگ گئے تھے، بعد ازاں چند صحابہ لوٹ آئے سب سے پہلے عاصم بن ثابت و ابو دجانہ و سہل بن حُنیف آئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تین دن کے بعد آئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ نے بہت دیر لگا دی۔'' فرشتوں نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ثبات و استقلال پر تعجب کا اظہار کیا تو جبریل نے آسمان پر چڑھتے ہوئے کہا: ''تلوار ہے تو ذوالفقار اور جوان ہے تو علی۔'' اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اکثر مشرکین کو قتل کیا تھا اور آپ کی وجہ سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہوئے کہا ہے: ''میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا آپ فرما رہے تھے: ''احد کے دن مجھے سولہ زخم پہنچے۔ ان میں سے چار زخم کھا کر میں زمین پر گر گیا تھا۔ تو میرے پاس ایک خوبصورت چہرہ والا خوبصورت زلفوں والا' اور پاکیزہ خوشبو والا ایک آدمی آیا۔ اس نے مجھے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ اور پھر کہا: آگے بڑھو' اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں قتال کرو۔ یہ دونوں تم سے راضی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس واقعہ کی خبر دی۔ تو آپ نے فرمایا: اے علی! کیا تم اسے نہیں جانتے؟ میں نے کہا نہیں؛ لیکن دحیہ کلبی سے مشابہت رکھتا تھا۔'' آپ نے پھر فرمایا: ''اے علی! اللہ تیری آنکھوں کو ٹھنڈی کر دے وہ جبریل امین تھے۔''

**[جواب]**: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ان بڑی جھوٹی روایات میں سے ہے جو صرف ان لوگوں کو جچتی ہیں جنہیں اسلام کی کوئی معرفت نہیں۔ [شیعہ مصنف شرم وحیاء کے جذبات کو بالائے طاق رکھ کر ایسے اکاذیب نقل کرتا چلا آ رہا ہے جن کو چوپائے تو تسلیم کر سکتے ہیں، مگر ایک سلیم العقل انسان کبھی ماننے کے لیے تیار نہیں]۔ گویا کہ وہ یہ باتیں ایسے لوگوں کو بتا رہا ہے جنہیں غزوات کے واقعات کے بارے میں کچھ بھی علم ہی نہ ہو۔''

اس کا یہ قول بڑا حیرت ناک ہے کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے غزوۂ احد میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ: جھوٹ کی اصل بنیادی آفت جہالت ہوتی ہے۔ کیا اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تھی؟ شروع میں تو مسلمانوں نے دشمن کو پسپا کیا تھا؛ مگر جبل الرماۃ پر متعین دستہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حال میں اپنی جگہ پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کی تھی؛ اور فرمایا تھا: خواہ انہیں فتح ہو یا شکست مگر یہ لوگ اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔ پس جب مشرکین پسپا ہوئے تو بعض لوگ چیخ کر آواز لگانے لگے: لوگو! مال غنیمت!۔ انہیں ان کے امیر عبداللہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بن جبیر رضی اللہ عنہ نے منع کیا [ کہ پہاڑ چھوڑ کر نیچے نہ اتریں ؛ مگر انہوں نے اس پر توجہ نہ دی اور پہاڑ چھوڑ کر نیچے اتر گئے ] دشمن نے پلٹ کر اس پہاڑی درّے سے حملہ کر دیا۔ اس وقت مشرکین کے رہنما و قائد خالد بن ولید تھے۔ انہیں پشت کی طرف سے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ اس وقت شیطان نے چیخ لگائی کہ: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے ہیں۔'' ❶

اس دن تقریباً ستر مسلمان شہید ہوئے ؛ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف بارہ افراد ثابت قدم رہے جن میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی شریک تھے۔ ❷

ابوسفیان نے ان لوگوں کے احوال جاننے کے لیے کہا: ''کیا تم میں محمد ہیں' کیا تم میں محمد ہیں؟'' یہ الفاظ پہلے گزر چکے ہیں ؛ اور یہ حدیث صحیحین میں ہے۔ یہ دن سخت آزمائش و ابتلاء و فتنہ کا دن تھا۔ اس دن دشمن کامیاب لوٹا تھا ؛ اور راستہ میں انہوں نے دوبارہ پلٹ کر مدینہ پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا ؛ مگر اس سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا پیچھا کرتے ہوئے چل پڑے۔ [ بڑا تفصیلی واقعہ ہے ]۔ کہا جاتا ہے کہ ان ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ (آلعمران: ۱۷۲)

''وہ جنھوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا، اس کے بعد کہ انھیں زخم پہنچا۔''

[ اس موقع پر ] اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننے والوں میں حضرت ابوبکر حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتی تھیں یہ آیت تمہارے باپ اور دادا کے بارے میں نازل ہوئی ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ (آل عمران: ۱۷۲)

غزوہ احد میں مشرکین کے صرف چند آدمی قتل کیے گئے تھے۔ اس دن مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی کوششوں میں سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ اس دن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آپ کے دفاع میں ثابت قدم تیر چلاتے جا رہے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

''میرے ماں باپ تجھ پہ قربان ! خوب تیر چلاؤ۔'' [البخاری ٤/ ٣٩]

صحیحین میں ہے حضرت سعد بن ابی وقاص فرمایا کرتے تھے: ''اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے اپنے

---

❶ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک زخمی ہو گیا اور اگلے دانت ٹوٹ گئے۔ خُود آپ کے سر میں دھنس گیا اور اس کی کڑیاں آپ کے سر مبارک میں پھنس گئیں۔ اسی حالت میں آپ فرمانے لگے: ''وہ قوم کیسے نجات پائے گی جس نے اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کیا۔'' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ﴾ (آل عمران: ١٢٨) ''اس امر میں آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے۔'' البخاری۔ کتاب المغازی باب ﴿لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ...﴾ تعلیقاً قبل ح (٤٠٦٩)، صحیح مسلم، کتاب الجهاد' باب غزوة احد، (ح: ١٧٩١)۔

❷ سیرة ابن هشام (ص: ٣٨٨) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بہت سے صحابہ نے شہادت پائی۔ رئیس المشرکین نے کہا: ''ہُبل کی جے ! آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔'' [البخاری۔ کتاب المغازی۔ باب غزوة احد، (ح: ٤٠٤٣)] یہ غلط ہے کہ علی غزوۂ احد میں زخمی ہوئے تھے۔ اور جبریل نے آپ کو اٹھایا تھا۔ ہم رافضی مصنف سے پوچھتے ہیں کہ اس کی اسناد کہاں ہے اور اس کا ماخذ موضوعات کی کون سی کتاب ہے؟

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ماں اور باپ کو جمع کیا۔'' حضرت سعد مستجاب الدعاء اور پختہ تیر انداز تھے۔

ان[ثابت قدم رہنے والوں] میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو انتہائی سخت جنگجو اور تیر انداز تھے۔اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ تھے؛ جو اپنے ہاتھ پر وار روک کر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت فرما رہے تھے۔اور آپ کا یہ ہاتھ شل ہوگیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے دو درعیں پہن رکھی تھیں؛ نبی کریم ﷺ کے اردگرد بہت سے صحابہ نے شہادت پائی۔

ابن اسحق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''سیرت'' میں ان لوگوں کے بارے میں لکھا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہوگئے تھے؛ ان میں ابو دجانہ تھے' جنہوں نے اپنی جان پر کھیل کر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی؛ آپ کی پیٹھ دشمن پر کی طرف سے تیر لگتے؛ مگر آپ رسول اللہ ﷺ پر جھک کر آپ کو بچا رہے تھے۔ آپ کو تیروں کے کئی زخم آئے۔حضرت سعد بن ابی وقاص آپ کے سامنے کھڑے تیر چلا رہے تھے؛ رسول اللہ ﷺ خود تیر اٹھا کر انہیں دیتے؛ اور فرماتے جاتے:

''میرے ماں باپ تجھ پہ قربان! خوب تیر چلاؤ۔''

یہاں تک کہ آپ انہیں ایسا تیر بھی تھما دیتے جس کا پھل نہ ہوتا۔اور فرماتے:''یہ تیر بھی چلاؤ۔''

جب دشمنوں نے آپ پر ہلہ بول دیا تو آپ نے فرمایا:''کون ہے جو ہمارے لیے اپنی جان قربان کرے گا؟'' یہ سن کر حضرت زیاد بن سکن انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین پانچ انصاری صحابہ کے ایک گروہ کے ساتھ کھڑے ہوئے؛ بعض نے ان کا نام عمارہ بن زید بن سکن بتایا ہے؛ یہ ایک ایک کر کے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر لڑتے؛ اور شہید ہوتے جاتے۔یہاں تک کہ سب سے آخر میں زیاد یا عمارہ رضی اللہ عنہ آئے؛ اور انہیں زخموں نے بہت بری طرح چور کر دیا تھا؛ مگر آپ ثابت قدم رہے یہاں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک جماعت لوٹ کر آگئی؛ اور آپ کی حفاظت میں لڑنے لگی۔اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ کو اپنے قریب کرنے کا حکم دیا۔آپ نے ان کے سر کو اپنے قدم مبارک پر رکھ کر سہارا دیا۔اور ان کا انتقال اس حال میں ہوا کہ ان کے گال رسول اللہ ﷺ کے پاؤں پر تھے۔''[1]

[آپ فرماتے ہیں]: ہم سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے حدیث بیان کی؛ بیشک رسول اللہ ﷺ نے اپنی کمان سے احد کے دن تیر چلائے' یہاں تک کہ وہ کمان ٹوٹ گئی۔پھر وہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے لے لی؛ جو کہ پھر آپ ہی کے پاس رہی۔اس دن حضرت قتادۃ بن نعمان کی آنکھ نکل گئی تھی۔یہاں تک کہ وہ آپ کے گالوں پر لٹک رہی تھی۔عاصم بن عمر فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے وہ آنکھ واپس اپنی جگہ پر رکھ دی؛ تو وہ دوسری آنکھ سے بھی خوبصورت لگتی تھی۔''

حضرت علی اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی اس وقت دوسرے لوگوں کے ساتھ جنگ و قتال میں مصروف تھے' ان میں سے کوئی ایک بھی اس وقت نبی کریم ﷺ کے دفاع کے لیے موجود نہیں تھا جب آپ کی پیشانی پر زخم آئے۔

[1] السیرۃ لابن ہاشم ۳/ ۸۷

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیشانی تو زخمی نہیں ہوئی۔

❀ ''شیعہ مصنف کا یہ دعوی کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''احد کے دن مجھے سولہ زخم پہنچے۔ان میں سے چار زخم کھا کر میں زمین پر گر گیا تھا۔''

❀ یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔اس طرح کی کوئی روایت اہل علم کے ہاں ان کی معروف کتابوں میں موجود نہیں ہے۔ اس روایت کی سند کہاں ہے؟ اور اہل علم میں سے کس نے اسے صحیح کہا ہے؟ اور جن قابل اعتماد کتابوں سے روایات نقل کی جاتی ہیں ان میں سے کس کتاب میں یہ روایت موجود ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اس موقعہ پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سارے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زخمی ہوئے تھے۔

ابن اسحق فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار کے منہ پر پہنچ گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور مہراس نامی چشمہ سے پانی لے کر آئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پلاسکیں۔لیکن اس پانی سے کچھ بو آرہی تھی؛ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پیا۔ پھر اس پانی سے آپ کا خون دھویا گیا۔اور آپ کے سر کے زخم دھوئے گئے۔اسی حالت میں آپ فرمانے لگے:''اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوا جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون آلود کیا۔''

❀ شیعہ مصنف کا یہ قول کہ:''پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تین دن کے بعد آئے۔'' یہ ایک اور جھوٹ ہے۔

❀ شیعہ مصنف کا یہ قول کہ:''جبریل نے آسمان پر چڑھتے ہوئے کہا تھا:''لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَارِ۔''

**جواب**: شیعہ کے اس قول کے جھوٹ ہونے پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ اس لیے کہ ذوالفقار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کا نام نہیں ہے، بلکہ ابوجہل کی تلوار کا نام تھا۔مسلمانوں نے جنگ بدر میں یہ تلوار مال غنیمت میں پائی تھی۔امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ:''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کی ذوالفقار نامی تلوار بدر کے دن نفل (وہ حصہ جو امیر لشکر باقی مجاہدین کی نسبت زائد وصول کرتا ہے) کے طور پر خود لے لی تھی۔اسی تلوار کے متعلق آپ نے احد کے روز خواب دیکھا تھا کہ اس میں دندانے پڑ گئے ہیں۔''[1]

اس کی تعبیر آپ نے مسلمانوں کی شکست سے فرمائی۔نیز فرمایا کہ میں نے دیکھا میں اپنے پیچھے ایک مینڈھے کو سوار کیے ہوں، اس سے میں نے سالار لشکر مراد لیا۔پھر میں نے دیکھا کہ میں ایک مستحکم قلعہ میں ہوں، میں نے اس کی تعبیر مدینہ سے کی۔پھر میں نے دیکھا کہ ایک بیل کو ذبح کیا جارہا ہے۔اللہ کی قسم! بیل اچھا ہے۔آپ نے یہ الفاظ دہرائے۔

## غزوۂ احزاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:''غزوہ احزاب میں؛ اسے غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے؛ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودنے سے فارغ ہوگئے؛ تو قریش ابوسفیان کی قیادت میں؛ کنانہ اور اہل تہامہ کے دس ہزار کے لشکر کفار نے

---

[1] مسند احمد(۱/ ۲۷۱)، الترمذی، کتاب السیر، باب فی النفل (حدیث: ۱۵۶۱) سنن ابن ماجة، ۔ کتاب الجهاد، باب السلاح(حدیث:۲۸۰۸)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



مدینہ کا محاصرہ کرلیا۔ ایسے ہی غطفان اور ان کے تابعین بھی اہل نجد بھی چڑھ آئے تھے؛ مدینہ کی بالائی اورزریں جانب سے دشمن امڈ پڑے تھے بالکل جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نقشہ کھینچا ہے:

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾

''جب وہ تم پر تمھارے اوپر سے اور تمھارے نیچے سے آ گئے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار صحابہ کے ساتھ مقابلہ کے لیے نکلے اور خندق کو اپنے اور کفار کے درمیان حائل کر دیا۔ مشرکین نے یہود کے ساتھ معاہدہ کرلیا۔ یہودیوں سے معاہدہ اور کفار کی کثرت کے پیش نظر ان لوگوں کی طمع اور بڑھ گئی۔ کفار میں سے عمرو بن عبدوُدّ اور عکرمہ بن ابی جہل نے خندق کے ایک تنگ شگاف میں سے داخل ہو کر مقابلہ کے لیے للکارا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مقابلہ کے لیے کھڑے ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ عمرو ہے'' علی رضی اللہ عنہ چپ رہے۔ پھر عمرو نے دوسری اور تیسری مرتبہ للکارا۔ جب ہر بار حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی مقابلہ کے لیے کھڑے ہوئے تو چوتھی بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی۔ جب عمرو بن عبدود سے سامنا ہوا تو اس نے کہا: ''اے میرے بھتیجے! تم واپس چلے جاؤ میں تمہارے خون سے اپنی تلوار کو رنگین نہیں کرنا چاہتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ جب میں مشرکین سے ٹکراؤں گا تو قریش میں سے جو بھی انسان دو میں سے ایک بات قبول کرلے گا؛ میں اس کی وہ بات مان لوں گا۔ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو نے کہا: ''مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' پھر آپ نے فرمایا: میں تمہیں مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں۔'' عمرو نے کہا: میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لیکن میں تو تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر عمرو کو تپ چڑھ گئی [یعنی وہ گرم ہوگیا اور غصہ میں آ گیا]۔ اس نے گھوڑے سے نیچے چھلانگ لگائی اور داؤ کھیلنے لگا۔ آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو کو قتل کر دیا؛ اور عکرمہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا۔ پھر باقی مشرکین اور یہود بھی شکست کھا کر بھاگ گئے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''علی رضی اللہ عنہ کا عمرو بن عبدود کو قتل کرنا جن و انس کی عبادت سے افضل ہے۔'' [شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا]

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: پہلی بات: اس واقعہ کی سند اور صحت کہاں ہے؟

❀ دوسری بات: اس نے غزوہ کے واقعہ میں چند در چند جھوٹ جمع کر دیے ہیں۔ پہلا جھوٹ کہ: قریش و کنانہ اور اہل تہامہ دس ہزار کی تعداد میں تھے۔ جب کہ احزاب کی تمام جماعتیں: قریش، کنانہ، اہل نجد، تمیم، اسد، غطفان، اور یہود سب ملا کر دس ہزار کے قریب تھے۔

❀ احزاب تین قسم کے لوگ تھے:

۱۔ قریش اور ان کے حلیف۔ یہ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح کی بستیوں کے لوگ تھے۔

۲۔ اہل نجد: تمیم، غطفان، اور ان کے ساتھ شامل باقی کے لوگ

۳۔ یہود بنی قریظہ۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



❀ شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''جب علی رضی اللہ عنہ نے عمرو کو قتل کر دیا تو باقی مشرکین اور یہود بھاگ نکلے۔'' یہ صاف ٹھنڈا جھوٹ ہے؛ کفار بھاگے نہیں تھے، بلکہ انھوں نے یہود کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا محاصرہ جاری رکھا تھا۔ یہاں تک کہ نُعیم بن مسعود غطفانی رضی اللہ عنہ نے ان میں پھوٹ ڈال دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آندھی اور فرشتے بھیج کر کفار کو منتشر کر دیا اور وہ واپس لوٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝ هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا۝ وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا۝ (..... إلى .....) وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا وَ كَفَی اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا﴾ (الاحزاب: ۲۵)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ پر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب تم پر کئی لشکر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر آندھی بھیج دی اور ایسے لشکر جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ اسے خوب دیکھنے والا تھا۔ جب وہ تم پر تمھارے اوپر سے اور تمھارے نیچے سے آ گئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ کے بارے میں گمان کرتے تھے، کئی طرح کے گمان۔ اس موقع پر ایمان والے آزمائے گئے اور ہلائے گئے، سخت ہلایا جانا۔ اور جب منافق لوگ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے، کہتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے محض دھوکا دینے کے لیے وعدہ کیا تھا۔ (......آ گے تک ......) اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو غصہ کی حالت میں لوٹا دیا اور وہ اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے۔ اور اللہ مومنوں کو لڑائی سے کافی ہو گیا اور اللہ ہمیشہ سے بے حد قوت والا، سب پر غالب ہے۔''

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو لڑائی کے ذریعہ واپس نہیں لوٹایا تھا [اور نہ مسلمانوں نے انھیں شکست دی تھی]۔ یہ بات اہل علم محدثین و مفسرین؛ مؤرخین اور سیرت نگاروں کے ہاں تواتر کے ساتھ معروف و معلوم ہے۔ تو پھر یہ کہنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عبد ود کی لڑائی اور عمرو کے قتل ہو جانے سے مشرکین شکست کھا گئے۔

شیعہ نے جو روایت بیان کی ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''علی رضی اللہ عنہ کا عمرو بن عبد ود کو قتل کرنا جن و انس کی عبادت سے افضل ہے۔'' وہ یقیناً جھوٹی ہے۔ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایسی مبالغہ آمیزی سے پاک ہے]۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام میں سے کسی ایک نے بھی یہ روایت اپنی ان قابل اعتماد کتابوں میں نقل نہیں کی جن سے احادیث روایت کی جاتی ہیں۔ اور نہ ہی اس کی کوئی صحیح سند معروف ہے اور نہ ہی ضعیف۔ اس جھوٹ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جائز

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نہیں۔ بھلا ایک آدمی کا قتل جن و انس کی عبادت سے افضل کیسے ہوسکتا ہے؟ کیونکہ انسانوں کی عبادت میں تو انبیاء کرام علیہم السلام کی عبادت بھی داخل ہے۔ اگر اس روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو پھر[ نبی کریم ﷺ کو اذیت پہنچانے والے کفار] ایسے کفار بھی قتل ہوئے جن کا قتل ہونا عمرو بن عبدود کے قتل سے بڑھ کر تھا؛ اس لیے کہ اس عمرو سے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنی دوسرے قریشی سرداروں سے پہنچی تھی؛ یعنی وہ صنادید قریش جو کہ بدر کے موقع پر قتل ہوئے تھے؛ مثلاً ابوجہل؛ عقبہ بن ابی معیط؛ شیبہ بن ربیعہ؛ نضر ابن حارث؛ اور دیگران کے امثال جن کے بارے میں قرآن بھی نازل ہوا۔ جب کہ اس عمرو کے بارے میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی اس کی نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان سے کوئی انفرادی دشمنی معروف تھی۔

اس پر طرہ یہ کہ کسی [بھی صحیح] روایت میں مذکور نہیں کہ عمرو بن عبدود نے غزوہ بدر یا احد میں حصہ لیا ہو۔ اور نہ ہی ان کے علاوہ دیگر مغازی وسرایا جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ پیش آئے تھے؛ ان میں اس کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ اس کا قصہ صرف غزوہ خندق میں مشہور ہوا ہے۔ حالانکہ یہ قصہ صحاح ستہ اور اس طرح کی دوسری کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔ جیسا کہ بدر کے موقعہ پر تین افراد کی مبارزت طلبی کا ذکر روایت کیا گیا ہے کہ حضرت حمزہ' عبیدہ اور علی رضی اللہ عنہم عتبہ' شیبہ اور ولید کے مقابلہ میں نکلے تھے۔

احادیث وتفسیر کی کتابیں ان مشرکین کے تذکرہ سے بھری پڑی ہیں جو نبی کریم ﷺ کو ایذا دیا کرتے تھے' مثلاً ابو جہل' عقبہ بن ابی معیط؛ نضر بن الحارث؛ وغیرہ اور سرداران کفار جیسے: ولید بن مغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی کسی بھی گروہ میں عمرو بن عبدود کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ اور نہ ہی یہ جنگ میں پیش پیش رہنے والوں میں سے تھا۔ تو پھر اس کو قتل کرنا جن و انس کی عبادت سے کیسے افضل ہوسکتا ہے؟ اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ یہ خبر تواتر کیساتھ منقول ہے کہ اس کے قتل سے مشرکین شکست کھا کر نہیں بھاگے تھے؛ بلکہ وہ اپنی جگہ پر محاصرہ کیے رہے جیسا کہ اس سے پہلے تھے۔

## فصل:......غزوہ بنی نضیر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''غزوہ بنی نضیر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کو قتل کر دیا تھا جس نے نبی کریم ﷺ کے دانتوں پر پتھر مارا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے مزید دس یہودیوں کو قتل کر دیا، باقی یہودی بھاگ نکلے۔''

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں کہ: ''اس غزوہ یا دیگر غزوات کے بارے میں جو کوئی بات نقل کی جاتی ہو تو سب سے پہلے اس کے لیے سند کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ وگرنہ انسان اگر یہ چاہے کہ مولی کی ایک جڑ پر بغیر کسی سند کے دلیل پیش کرے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ تو پھر اصولی مسائل میں ان سے استدلال کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟

دوسری بات: ان سے یہ بھی کہا جائے گا کہ: یہ قصہ بالکل واضح جھوٹ ہے۔ سورۂ حشر بالاتفاق بنی نضیر کے بارے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



میں نازل ہوئی تھی؛ یہ لوگ یہودی تھے۔ یہ واقعہ غزوۂ خندق و احد سے قبل پیش آیا تھا۔ [1]

اس میں نہ ہی مصاف کا ذکر ہے اور نہ ہی شکست کا۔ اور نہ ہی کسی نبی کریم ﷺ کے دانتوں پر پتھر مارا۔ پتھر مارنے کا واقعہ غزوہ احد کا ہے۔ جب کہ مسلمانوں نے بنی نضیر کا بہت سخت محاصرہ کر کے ان کے کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالے تھے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ﴾

''جو بھی کھجور کا درخت تم نے کاٹا، یا اسے اس کی جڑوں پر کھڑا چھوڑا تو وہ اللہ کی اجازت سے تھا اور تا کہ وہ نافرمانوں کو ذلیل کرے۔'' [الحشر5]

---

[1] منہاج کے معتمد ترین نسخہ میں اور اس کے اختصارات میں یوں ہی آیا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ غزوہ بنی نضیر غزوہ احد کے بعد اور غزوہ خندق سے پہلے کے درمیانی عرصہ میں پیش آیا تھا۔ دیکھیں: سیرت ابن هشام ؛ الرحیق المختوم و کتب السیرة المعتبرة۔[أبو شفاء]

وہ قتال کے لیے اس وقت تک نہیں نکلتے تھے جب تک ان میں سے کوئی ایک شکست کھا کر بھاگ نہ جاتا۔ وہ پشت کی جانب پر واقع ایک قلعہ سے جنگ لڑ رہے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نقشہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى﴾ [الحشر14]

''وہ اکٹھے ہو کر تم سے نہیں لڑیں گے مگر قلعہ بند بستیوں میں، یا دیواروں کے پیچھے سے، ان کی لڑائی آپس میں بہت سخت ہے۔ تو خیال کرے گا کہ وہ اکٹھے ہیں، حالانکہ ان کے دل الگ الگ ہیں۔''

پھر یہ کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں جلاوطن کر دیا تھا' ان میں سے کسی ایک کو بھی قتل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ..... اِلٰى..... فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ [الحشر2]

''وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا پہلے اکٹھ ہی میں ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔ تم نے گمان نہ کیا تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور انھوں نے سمجھ رکھا تھا کہ یقیناً ان کے قلعے انھیں اللہ سے بچانے والے ہیں۔ تو اللہ ان کے پاس آیا جہاں سے انھوں نے گمان نہیں کیا تھا......، پس عبرت حاصل کرو اے آنکھوں والو!۔''

ابن اسحق رحمہ اللہ نے ان کے نقض عہد کا ذکر کیا ہے۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو اس وقت قتل کرنا چاہتے تھے جب آپ [حسب معاہدہ] عمرو بن امیہ کے ہاتھوں قتل ہونے والے دو مقتولین کی دیت ادا کرنے میں تعاون کے لیے ان کے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



پاس گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے طرف نکلنے اوران کے ساتھ جنگ کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ مدینہ پر آپ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ ابن ہشام نے ایسے ہی ذکر کیا ہے۔ اسی دوران حرمت شراب نازل ہوئی۔

ابن اسحق رحمہ اللہ لکھتے ہیں: بنی نضیر قلعہ بند ہو گئے تھے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ان کے کھجور کے درخت کاٹنے اورانہیں آگ لگانے کا حکم دیا۔ انہوں نے آواز لگائی:

''اے محمد! آپ تو فساد پھیلانے سے منع کرتے تھے؛ اورفسادی انسان پراس کے فساد کوعیب کوشمار کرتے تھے:
تو پھر آپ کو کیا ہوگیا کہ آپ کھجوریں کاٹتے اورانہیں جلاتے ہیں؟''

آپ فرماتے ہیں: بنی عوف بن خزرج میں سے ایک جماعت نے کچھ لوگ بنی نضیر کے پاس بھیجے تھے اوران سے کہا تھا: تم ہرگز ہتھیار نہ ڈالنا؛ بلکہ آپ قلعہ بند اور ثابت قدم رہو۔ ہم تمہیں ہرگز مسلمانوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑیں گے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔ اور اگر تم یہاں سے نکلے تو ہم بھی تمہارے ساتھ یہاں سے نکلیں گے۔ یہ لوگ اپنی نصرت کا انتظار کرنے لگے۔ مگر بنی عوف نے کچھ بھی نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ آخر کار انہوں نے خود یہ پیش کش کی کہ انہیں قتل نہ کیا جائے؛ بلکہ اس بات پر مصالحت ہو گئی کہ ان کو جلا وطن کردیا جائے گا۔ اور انہیں وہ سامان ساتھ لیکر جانے کی اجازت ہوگی جو ان کے اونٹ اٹھاسکیں؛ سوائے حلقات کے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے اپنا وہ تمام سامان ساتھ لے لیا جو ان کے اونٹ اٹھاسکتے تھے۔ جنگی ساز وسامان کے سوا اپنا تمام سامان اونٹوں پر لاد کرلے گئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے کوئی آدمی اپنے ہاتھ سے اپنے مکان کوگراتا اوراس کا ملبہ بھی اونٹوں پر لاد کرلے جاتا۔ یہ یہودی خیبر وشام کی طرف نکل گئے۔ [1]

آپ فرماتے ہیں: ہم سے عبداللہ بن ابی بکر نے حدیث بیان کی؛ ان سے یہ حدیث بیان کی گئی کہ: انہوں نے اپنے بچے عورتیں اوراموال اپنے ساتھ لے لیے۔ ان کے ساتھ دف اور باجے بھی تھے اور کچھ چھوکریاں بھی تھیں جو ان کے پیچھے پیچھے فخر و ناز کیساتھ گاتی جاتی تھیں۔ لوگوں میں کوئی قبیلہ ان جیسا نہیں دیکھا گیا۔ انہوں نے اپنے باقی اموال رسول اللہ ﷺ کے لیے چھوڑ دیے تھے۔ یہ اموال خاص رسول اللہ ﷺ کے لیے ہی تھے؛ آپ جیسے چاہتے ان میں تصرف کرتے۔ آپ نے یہ اموال انصار کوچھوڑ کرمہاجرین اولین میں تقسیم کیے۔ انصاری میں سے حضرت سہل بن حنیف اورابودجانہ [سماک بن خرشہ] رضی اللہ عنہما کوان کی غربت اورفاقہ کی وجہ سے کچھ حصہ دے دیا۔

فرمایا: ''پوری سورت حشر بنی نضیر کے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے۔ اس میں وہ عذاب اورسزا ذکر کی گئی ہے جو بنی نضیر کودی گئی؛ اوراللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کوان لوگوں پر مسلط کیا۔

[1] سیرۃ ابن ہشام (ص: ۴۶۰-۴۶۱)، طبقات ابن سعد (۲/ ۶۹)، مصنف عبد الرزاق (۵/ ۳۶۸-۳۶۹)، دلائل النبوۃ (۳/ ۴۰۴-۴۰۵)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

''بنی نضیر اور بنی قریظہ نے جنگ کی، تو بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا اور بنی قریظہ پر احسان کر کے ان کو رہنے دیا گیا لیکن انہوں نے دوبارہ آپ سے لڑائی کی تو مسلمانوں نے ان کے مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں اور مال واسباب کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا مگر جو لوگ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گئے یعنی مسلمان ہو گئے وہ باقی رہ گئے باقی مدینہ کے تمام یہودیوں کو جو بنی قینقاع یعنی عبداللہ بن سلام کی قوم والے تھے اور بنی حارثہ کے یہودیوں کو جو بھی یہودی مدینہ میں تھے سب کو نکال دیا۔'' [1]

## فصل:......[غزوہ سلسلہ]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''غزوۂ سلسلہ میں ایک اعرابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ کفار مدینہ میں آپ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کون شخص جو میرا جھنڈا لیکر چلے گا؟''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔'' چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سات سو صحابہ کی معیت میں جھنڈا دے کر روانہ کیا۔ جب آپ دشمنوں کی طرف پہنچے تو انھوں نے کہا: اپنے ساتھی کے پاس لوٹ جائیے، ہماری تعداد بہت ہے۔ آپ واپس چلے گئے۔ دوسرے روز آپ نے فرمایا: کون شخص جو میرا جھنڈا لے کر چلے گا؟'' چنانچہ آپ نے جھنڈا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تھما دیا' ان کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا۔

تیسرے روز آپ نے فرمایا: علی کہاں ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں یہ موجود ہوں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دے کر رخصت کیا۔ آپ ان لوگوں کی طرف روانہ ہوئے؛ صبح کی نماز کے بعد آپ وہاں پر پہنچے۔ آپ نے دشمن کے چھ سات آدمی ہلاک کر دیے۔ اور باقی بھاگ گئے اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین کے فعل کی قسم اٹھاتے ہوئے یہ آیت کریمہ نازل کی:

﴿وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا﴾ (العادیات:۱) ''اور قسم ہے سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کی!۔

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں کہ: جاہل ترین انسان بھی آپ سے پوچھ سکتا ہے کہ اس واقعہ کی سند بیان کیجیے تاکہ اس واقعہ کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے۔ جب کہ اہل علم آپ سے یہ کہہ سکتے ہیں: [ایسا کوئی غزوہ سرے سے وقوع پذیر ہی نہیں ہوا]۔ یہ غزوہ - اور جو کچھ تم نے اس کی حکایات بیان کی ہیں - اسی قسم کا جھوٹ ہے جو طرقیہ بیان کرتے ہیں۔ جو کہ کثرت کے ساتھ افسانہ گوئی میں جھوٹ بولتے ہیں جیسے عنترہ اور بطال کے لایعنی افسانے لوگوں میں مشہور ہیں۔ اگرچہ عنترہ کے کچھ مختصر واقعات ہیں بھی۔ اور ایسے ہی بطّال کی کچھ سوانح حیات موجود ہے۔

یہ وہ واقعات ہیں جو بنو امیہ کی حکومت میں اہل روم کے ساتھ غزوات میں پیش آئے۔ لیکن ان کے ساتھ جھوٹوں نے اتنے واقعات ملا لیے کہ ان کی کئی مجلد تیار کر لیں۔ اور ایسے ہی شطّار کی حکایات' احمد دنف' زیبق مصری جو کہ ایسی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حکایات بیان کرتے ہیں جنہیں وہ اپنی طرف گھڑ کر ہارون اور جعفر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ پس ان غزوات کی کہانیاں بھی اسی جنس کی کہانیوں سے ہیں۔ مندرجہ ذیل علماء نے سیر و مغازی کے فن میں بڑی مہارت حاصل کی تھی، مگر ان میں سے کسی نے بھی یہ واقعہ بیان نہیں کیا:

مغازی کے مشہور علماء کے اسماء یہ ہیں: عروہ، زہری، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، ابومعشر سندھی، لیث بن سعد، ابو اسحاق فزاری، ولید بن مسلم، واقدی، یونس بن بکیر، ابن عائذ اور ان کے نظائر و امثال وغیرہ۔ نہ ہی ان کا ذکر حدیث میں ہے اور نہ ہی اس بارے میں قرآن نازل ہوا ہے۔

خلاصۂ کلام! رسول اللہ ﷺ کے مغازی؛ خصوصاً جن میں قتال کی نوبت پیش آئی؛ بہت ہی مشہور و معروف ہیں۔ اور اہل علم کے ہاں ان کے احوال کو تواتر کے ساتھ ضبط بھی کیا گیا ہے؛ اور تفسیر و حدیث' فقہ و سیرت اور مغازی کی کتابوں میں ان کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ یہ وہ واقعات ہیں جن کو نقل کرنے کے دواعی و اسباب موجود تھے۔ یہ بات عادت و شریعت میں ممتنع ہے کہ نبی کریم ﷺ کا کوئی ایسا غزوہ ہوا ہو؛ جس میں اتنا بڑا واقعہ پیش آیا ہو' مگر پھر بھی اہل علم میں سے کوئی ایک بھی اسے نقل نہ کرے۔ بالکل اسی طرح ممتنع ہے جیسے کوئی دن اور رات میں پانچ نمازوں سے زیادہ کو فرض قرار دیدے۔ یا سال میں ایک ماہ سے زیادہ کے روزوں کو فرض قرار دے' جب کہ ایسی کوئی بات منقول نہیں ہے۔ اور جیسا کہ یہ بات ممتنع ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل فارس کے ساتھ عراق میں غزوات کیے ہوں' یا پھر آپ یمن گئے ہوں۔ کسی ایک نے بھی یہ بات نقل نہیں کی۔ اس طرح کی کئی دیگر باتیں بھی ہیں جو اگر رو پذیر ہوئی ہوتیں تو انہیں نقل کرنے کے اسباب موجود تھے۔

مذکورہ صدر سورت کریمہ ﴿اَلْعَادِیَات﴾ کے نزول کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ: یہ سورت مکہ میں اتری ہے۔ یہ قول ابن مسعود' عطاء اور عکرمہ اور دوسرے مفسرین رحمہم اللہ کا ہے۔ اس قول کی بنیاد پر شیعہ مصنف کا بیان کردہ واقعہ صاف ظاہر طور پر جھوٹا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ: یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ یہ قول ان لوگوں کے قول کے ساتھ مناسب ہے جو کہ ﴿اَلْعَادِیَات﴾ کی تفسیر مجاہدین کے گھوڑوں سے کرتے ہیں۔ لیکن اس آیت کی تفسیر میں مشہور اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ﴿اَلْعَادِیَات﴾ سے حاجیوں کے اونٹ مراد ہیں، جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان بھاگتے ہیں۔ یہ تفسیر پہلے قول کے موافق ہے۔ اس کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان خود شیعی دعوی کو جھٹلا رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین اس سے مجاہدین کے گھوڑے مراد لیتے ہیں۔

❀ اس روایت کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ کفار نے مسلمانوں کے لیے خیر خواہی سے کام لیا۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ اپنے ساتھی کے پاس واپس چلے جائیے چونکہ ہم بہت بڑی تعداد میں ہیں۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ بات جنگجو [یا پیش معرکہ] کفار کی عادت کے خلاف ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



❀ پھر یہ کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کبھی بھی پسپا نہیں ہوئے۔ بعض دروغ گو اپنی طرف یہ بات گھڑ لیتے ہیں کہ حنین کے موقعہ پر یہ حضرات فرار ہوگئے تھے؛ حقیقت میں یہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر جھوٹا الزام ہے۔ [1]

❀ نیز یہ کہ احد اور خندق کے علاوہ کسی بھی موقع پر کسی ایک نے بھی مدینہ پر حملہ کا ارادہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان دو غزوات کے علاوہ کبھی کفار مدینہ کے اتنے قریب پہنچے ہیں۔ غزوہ غابہ میں بعض لوگوں نے مدینہ کی چراگاہوں پر حملہ کیا تھا۔ جو کچھ غزوہ سلسلہ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے' وہ ایسا کھلا ہوا جھوٹ ہے کہ جس کا ذکر جہلاء اور کذابین ہی کر سکتے ہیں۔

❀ جب کہ ذات سلاسل ایک سریہ تھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا تھا۔ اس لیے کہ یہاں پر ہدف بنوعذرہ کے لوگ تھے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور بنوعذرہ کے مابین قرابت تھی۔ تو آپ نے انہیں اس لیے روانہ فرمایا کہ شاید یہ لوگ اسلام لے آئیں۔ پھر ان کے پیچھے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو روانہ فرمایا۔ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر تک نہیں۔ یہ جگہ شام کے قریب اور مدینہ سے بہت دور تھی۔

❀ اس غزوہ کی ایک یخ بستہ [ٹھنڈی] رات میں حضرت عمرو بن العاض رضی اللہ عنہ کو احتلام ہوگیا تھا؛ آپ نے تیمّم کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صبح کی نماز پڑھا دی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں خبر دی گئی تو آپ نے پوچھا:

''اے عمرو! تو نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دی؟''

میں نے غسل نہ کرنے کا سبب بیان کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ﴿وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾۔ [النساء ۲۹] ''تم اپنے آپ کو قتل مت کرو اور اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔'' یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور کچھ نہ کہا؛ [بلکہ اسے برقرار رکھا]؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کا عذر واضح ہوگیا تھا۔'' [2]

❀ علماء کرام رحمہم اللہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: تو نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دی؟ کیا یہ سوال کے لیے ہے؛ یعنی کیا تم نے جنابت کی حالت میں ہی نماز پڑھا دی۔ تو جب آپ نے خبر دی کہ آپ نے تیمّم کر کے نماز پڑھائی ہے' جنابت کی حالت میں نہیں؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو برقرار رکھا۔ یا پھر یہ خبر دی جاری ہے کہ: کہ تم جنابت کی حالت میں تھے' اور تیمّم کرنے سے نماز مباح ہوجاتی ہے اس لیے کہ تیمّم جنابت کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ دو قول ہیں۔ زیادہ ظاہر اور قوی پہلا قول ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ۸/ ۴٦۸؛ تفسیر سورة العادیات۔ یہاں پر حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود سے اس کی تفسیر میں اونٹ مراد لیے گئے ہیں جب کہ ابن عباس اس سے مراد گھوڑے لیتے ہیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابن عباس کے قول کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: بدر کے دن تو ہمارے پاس گھوڑے نہیں تھے۔ اس کے بعد ابن عباس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کرلیا تھا۔ دیکھیں: زاد المسیر لابن جوزی ۹/ ۲۰٦؛ ابن جریر ۸/ ۴۸۷۔

[2] سنن ابوداؤد؛ کتاب الطهارة؛ باب: إذا خاف الجنب البرد أیتیمم؟: ح 333۔ مستدرك الحاكم ۱/ ۱۷۷۔ قال: صحیح علی شرط الشیخین' و وافقه الذهبي۔ وصححه الألباني في أرواء الغلیل۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



## غزوۂ بنی مصطلق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت:

**[اشکال]** :شیعہ مصنف لکھتا ہے:''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بنی مصطلق میں سے مالک اوراس کے بیٹے کو قتل کردیا اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنا لیا تھا۔ان جملہ قیدیوں میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث بن ابی ضرار بھی تھیں۔جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے اختیار کرلیا۔آپ کا والد اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اورعرض گزار ہوا: یارسول اللہ! میری بیٹی انتہائی شریف خاتون ہے؛ اسے قیدی نہیں بنایا جاسکتا۔پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ اسے اختیار دیا جائے۔اس کے والد نے کہا: آپ نے بہت اچھی اور خوبصورت بات کہی ہے۔پھر اس نے کہا: اے میری بیٹی اپنی قوم کو رسوا نہ کرنا۔اس پر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے کہا:''میں اللہ اوراس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔''[انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]** :ہم کہتے ہیں کہ:سب سے پہلے جس بھی منقول سے احتجاج کیا جائے' اس کی سند بیان کرنی ضروری ہوتی ہے۔یا پھر اسے ایسی کتاب کی طرف منسوب کیا جائے جس سے حجت قائم ہوسکتی ہو۔وگرنہ اس واقعہ کا علم کیسے ہوگا۔

پھر یہ بھی کہتے ہیں: یہ واقعہ روافض کی بے اصل و بے اسناد من گھڑت مرویات میں شامل ہے۔[ شیعہ کی بیان کردہ روایات یا تو بلا اسناد ہوتی ہیں یا ان کے راوی مجہول، کذاب اور متہم بالکذب ہوتے ہیں]۔یہ واقعہ کسی سیرت نویس نے نہیں لکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بنی مصطلق میں یہ کارنامہ سرانجام دیا ؛اورنہ ہی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بنایا تھا۔ جویریہ رضی اللہ عنہا کو جب قیدی بنایا گیا تو انھوں نے بدل کتابت ادا کرکے آزاد ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رقم ادا کرکے ان کو آزاد کرالیا اور پھر ان کے ساتھ عقد نکاح باندھا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتۂ مصاہرت کے احترام میں سب لوگوں نے اپنے اپنے قیدی رہا کردیے۔اور کہنے لگے : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال ہیں۔[1] نہ ہی ان کا والد آیا اور نہ ہی کسی چیز میں کوئی اختیار دیا۔

سنن ابوداؤد میں ہے:حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث بن المصطلق (جنگ میں پکڑنے کے بعد مال غنیمت کی تقسیم میں )حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ یا انکے چچا زاد بھائی کے حصہ میں آئیں۔انہوں نے اپنے نفس ( کو آزاد کرانے پر) بدل کتابت دینے کا معاہدہ کرلیا۔اور وہ ایک خوبصورت ملاحت والی عورت تھیں جن پر نظریں پڑتی تو نظروں میں بھا جاتی تھیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:'' وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بدل کتابت کے بارے میں سوال کرتی ہوئی آئیں۔جب وہ دروازہ میں کھڑی ہوگئیں تو میں نے انہیں دیکھا اوران کے کھڑے ہونے کو ناپسند کیا۔ اور مجھے معلوم تھا کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ویسے ہی دیکھیں گے جیسے میں نے دیکھا ہے۔حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کہنے لگی: یارسول اللہ! میں جویریہ بنت الحارث ہوں اور جو میرا پہلے حال تھا، وہ آپ پر مخفی نہیں ہے۔اور میں ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئی ہوں؛ اور میں نے اسے اپنے نفس ( کی آزادی پر) معاہدہ کتابت کرلیا ہے۔پس میں آپ کے پاس اپنے بدل کتابت کے بارے میں سوال کرنے آئی ہوں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے

[1] ابی داؤد، کتاب الخراج- باب فی خبر بنی نضیر(ح:٣٠٠٤)، مصنف عبد الرزاق(٩٧٣٣)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



لیے اس سے بہتر کچھ اور نہیں ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ: وہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ فرمایا کہ: ''میں تمہارا بدل کتابت ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں۔'' وہ کہنے لگی میں نے بیشک کر لیا (یعنی میں بخوشی راضی ہوں)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب لوگوں نے یہ سنا کہ نبی کریم ﷺ نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا ہے؛ تو انہوں نے وہ تمام قیدی (بنی مصطلق کے) جو ان کے قبضہ میں تھے، انہیں چھوڑ دیا اور انہیں آزاد کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ: ''یہ تو رسول اکرم ﷺ کے سسرال والے ہیں۔''

[حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں]: ہم نے کوئی عورت اتنی برکت والی نہیں دیکھی اپنی قوم پر جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ بابرکت ہو؛ ان کے سبب سے سو قیدی بنی المصطلق کے آزاد ہو گئے۔'' [سنن ابو داد: ح540؛ صحیح]

## فصل:...... [غزوہ خیبر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''غزوۂ خیبر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائی۔ نبی کریم ﷺ نے باری باری ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہما کو جھنڈا عنایت فرمایا مگر دونوں نے شکست کھائی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم عطا کیا؛ آپ کی آنکھوں میں تکلیف تھی؛ آپ ﷺ نے اپنا لعاب ان کی آنکھوں میں لگایا۔ آپ جب نکلے تو مرحب کو قتل کیا؛ باقی لوگ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ انہوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر دیا۔ امیر المؤمنین نے قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر اس کا پل بنا لیا۔ اس دروازہ کو بیس آدمی بند کیا کرتے تھے۔ مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے اور مال غنیمت حاصل کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! علی رضی اللہ عنہ نے یہ دروازہ پانچ سو افراد کی قوت سے نہیں اکھاڑا جاسکتا تھا یہ صرف تائید ربانی سے اکھاڑا گیا ہے۔ فتح مکہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بسالت کی رہین منت تھی۔''

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: سب سے پہلے تو جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ ان سے پوچھا جائے کہ علماء میں سے کس نے یہ واقعہ نقل کیا ہے؟ اور اس کی سند اور صحت کہاں ہے؟ یہ ایک صریح جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ خیبر کی فتح ایک ہی دن میں حاصل نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ خیبر کے متعدد قلعے تھے؛ بعض جنگ سے فتح ہوئے تھے اور بعض مصالحت سے۔ یہود نے مصالحت کے بعد صلح کی چیزوں میں سے کچھ چیزیں چھپا دیں اور پھر جنگ چھیڑ دی۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ہزیمت نہیں اٹھائی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دروازہ اکھاڑا تھا؛ مگر شیعہ کا یہ بیان کہ اسے پل بنا لیا تھا جھوٹ ہے۔ [یہ بھی بے اصل ہے کہ بیس آدمی اسے بند کیا کرتے تھے]۔

❀ شیعہ کا دعوی کہ: ''فتح مکہ آپ کی ہی رہین منت ہے۔'' یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اتنا ہی حصہ لیا تھا جتنا دیگر صحابہ نے۔ فتح مکہ کی بہت ساری روایات متواترہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ آپ نے اپنی بہن ام ہانی کے دو دامادوں کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی؛ جنہیں ام ہانی رضی اللہ عنہا نے پناہ دے رکھی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس پناہ کو برقرار رکھا؛ [اور فرمایا: جسے ام ہانی نے پناہ دی ہے، ہم بھی اسے پناہ دیتے ہیں]۔ اور پھر آپ نے ابو جہل

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کی بیٹی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا تھا؛ جس پر رسول اللہ ﷺ غضبناک ہوئے تو آپ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ سرور کائنات ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دائیں بازو پر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین کو بائیں بازو اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو لشکر کے پچھلے حصہ اور بطن وادی پر متعین کیا تھا۔ پھر آپ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو بلا کر انصار کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ انصار بھاگتے ہوئے آئے۔ فرمایا: اے انصار کی جماعت! کیا تم قریش کے کمینوں کو دیکھ رہے ہو؟ عرض کیا: ''ہاں۔'' فرمایا: جب میدان جنگ میں کل ان سے ملو تو انھیں تہس نہس کر دو۔'' آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر بتایا کہ یوں انھیں ملیا میٹ کر دو۔ اور فرمایا کوہ صفا کے قریب یہ مقابلہ ہوگا۔ اگلے روز جو شخص بھی نظر آیا انصار نے اسے موت کی نیند سلا دیا۔ نبی کریم ﷺ کوہِ صفا پر چڑھ گئے۔ انصار کوہ صفا کے اردگرد گھومنے لگے۔ اسی دوران ابوسفیان آئے اور کہا: یارسول اللہ! قریش کا نام ونشان مٹ گیا۔ آج کے بعد قریش کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا وہ با امن رہے گا، جو ہتھیار ڈال دے اس سے بھی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ جو اپنا دروازہ بند کر لے گا ہم اسے بھی کچھ نہیں کہیں گے۔'' [1]

صحیحین میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''جب آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے سال روانہ ہوئے تو قریش کو اس کی خبر پہنچ گئی ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء (قریش کی جانب سے) رسول اللہ ﷺ کی خبر لینے کے لیے نکلے یہ تینوں چلتے چلتے (مقام) مرالظہر ان تک پہنچے۔ وہاں بکثرت آگ اس طرح روشن دیکھی جس طرح عرفہ میں ہوتی ہے۔ ابوسفیان نے کہا یہ آگ کیسی ہے؟ جیسے عرفہ میں ہوتی ہے۔ بدیل بن ورقاء نے جواب دیا: بنوعمرو کی آگ ہوگی۔ ابوسفیان نے کہا: بنوعمرو کی تعداد اس سے بہت کم ہے۔ ان تینوں کو آنحضرت ﷺ کے محافظوں نے دیکھ کر پکڑ لیا اور انہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا ابوسفیان تو مسلمان ہو گئے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ روانہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو لشکر اسلام کی تنگ گزرگاہ کے پاس ٹھہرا، تاکہ یہ لشکر اسلام کا نظارہ کر سکیں۔ انہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے وہاں کھڑا کر دیا۔ اب آنحضرت ﷺ کے ساتھ قبائل گزرنے شروع ہوئے تو لشکر کا ایک ایک دستہ ابوسفیان کے پاس سے گزرنے لگا۔ چنانچہ جب ایک دستہ گزرا تو ابوسفیان نے پوچھا اے عباس! یہ کون سا دستہ ہے؟ انہوں نے کہا یہ قبیلہ غفار ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ: ''میری اور قبیلہ غفار کی تو لڑائی نہ تھی۔ پھر

[1] صحیح مسلم (ح:۱۷۸۰)، سنن ابی داؤد (ح:۳۰۲٤)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



قبیلہ جہینہ گزرا تو اسی طرح کہا۔ پھر سعد بن ہذیم گزرا تو اسی طرح کہا۔ پھر سلیم گزرا تو اسی طرح کہا۔ پھر ایک دستہ گزرا کہ اس جیسا دیکھا ہی نہ تھا؛ ابوسفیان نے کہا: یہ کون ہے؟ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ انصار اور ان کے سپہ سالار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کے پاس پرچم ہے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوسفیان! آج کا دن جنگ کا دن ہے؛ آج کعبہ (میں کافروں کا کشت و خون) حلال ہو جائے گا۔ ابوسفیان نے کہا: اے عباس! ہلاکت (کفار) کا دن کتنا اچھا ہے؟ پھر ایک سب سے چھوٹا دستہ آیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے (مہاجر) اصحاب رضی اللہ عنہم تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو ابوسفیان نے کہا: ''آپ کو معلوم ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کیا کہا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا کہا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: ایسا ایسا کہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سعد نے صحیح نہیں کہا؛ لیکن آج کا دن تو وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت و بزرگی عطا فرمائے گا۔ اور کعبہ کو آج غلاف پہنایا جائے گا۔ عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پرچم کو (مقام) حجون میں نصب کرنے کا حکم دیا۔''[1]

## فصل:......[غزوۂ حنین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بسالت]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''غزوہ حنین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کا لشکر لے کر نکلے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں نظر لگائی اور فخریہ انداز میں کہا: آج ہماری کثرت کی وجہ سے ہم پر کون غالب آ سکتا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ صرف نو ہاشمی اور ایمن بن ام ایمن باقی رہ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے تلوار چلا رہے تھے؛ آپ نے مشرکین کے چالیس آدمی قتل کر دیے، باقی مشرک بھاگ گئے۔''

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: اس واقعہ کی کوئی صحیح سند دکھاؤ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نظر لگانے کا قصہ بھی خود ساختہ جھوٹ ہے۔ ہمارے سامنے کتب مسانید اور سِیَر اور تفاسیر پڑی ہیں، کسی ایک کتاب میں بھی یہ مذکور نہیں کہ مسلمانوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نظر لگ گئی تھی۔ جب کہ ماثور الفاظ جو بعض مسلمانوں نے کہے تھے وہ یہ ہیں کہ: ''آج ہم قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔''[2]

❀ ایسے ہی یہ بات بھی جھوٹ ہے کہ: ''آپ کے ساتھ بنی ہاشم کے نو آدمی باقی رہ گئے تھے۔''

ابن اسحاق رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مہاجرین و انصار اور آپ کے اہل بیت کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باقی رہی تھی۔ مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما؛ اہل بیت میں سے حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما و ابوسفیان بن الحارث

---

[1] صحیح بخاری: حدیث نمبر 1448

[2] سیرۃ ابن ہشام (ص:٥٦٥)، طبقات ابن سعد (٢/ ١٥٠)، مجمع الزوائد (٦/ ١٧٨)، دلائل النبوۃ (٥/ ١٢٣)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اور اس کا بیٹا؛ فضل بن عباس؛ ربیعہ بن الحارث؛ اُسامہ بن زید ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہم اجمعین کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں ثابت قدم رہے تھے۔ ❶

بعض لوگوں نے قثم بن عباس رضی اللہ عنہما کو ان میں شمار کیا ہے' ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو شمار نہیں کیا۔ یہ علامہ ابن اسحق رحمہ اللہ علیہ کا کلام ہے۔

**[اشکال]**: شیعہ کا قول کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلوار چلاتے ہوئے چالیس آدمیوں کو قتل کیا تھا۔''

**[جواب]**: یہ صریح کذب ہے۔ اور اس کے جھوٹ ہونے پر تمام اہل معرفت محدثین سیرت نگاران اور اصحاب المغازی کا اتفاق ہے۔ [کسی قابل اعتماد شخص نے یہ بات نہیں کہی]۔ اس قصہ میں اتنی بات ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان بوقت فجر وادی حنین میں پہنچے تو یہ لوگ بڑے تیر انداز تھے؛ انہوں نے یکبارگی تیروں کی برسات کر دی۔ اس وجہ سے لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ساتھ آپ کے چچا عباس اور ابوسفیان بن الحارث ثابت قدم رہے۔ یہ شاعر تھے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتے تھے؛ مگر پھر بعد میں مسلمان ہوئے اور بہترین مسلمان ثابت ہوئے۔ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اور ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چپک گئے تھے' ہم نے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

❀ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو آواز دیکر جمع کریں۔ آپ بلند آواز والے تھے۔ آپ نے آواز لگائی: اے اہل شجرہ! اے اہل سورت بقرہ! یعنی ایسے لوگو جنہوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی۔ آپ نے انہیں بیعت یاد دلائی جس میں انہوں نے پیچھے نہ ہٹنے اور جانیں نثار کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ پھر اس کے ساتھ ہی بقرہ کا تذکرہ کیا کیونکہ گائے اپنے بچے پر بڑی مہربان ہوتی ہے۔ پھر ان لوگوں نے قتال کیا یہاں تک مشرکین کو شکست ہوئی۔'' اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریت کی ایک مٹھی بھر کر مشرکین کے مونہوں پر دے ماری تھی اور فرمایا تھا:

''رب کعبہ کی قسم! یہ لوگ شکست پا گئے۔''

بخاری و مسلم میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خچر پر تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے:

"اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔"

''میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

صحیحین میں حضرت براء سے روایت ہے؛ ان سے ایک شخص نے کہا: اے ابوعمارہ! کیا تم لوگ حنین کے دن بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے کہا نہیں اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بھاگے۔ [بلکہ آپ کے نوعمر اصحاب جن کے پاس ہتھیار نہ تھے

❶ سیرۃ ابن هشام مسند احمد(۱/ ٤٥٣۔٤٥٤)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



وہ چلے گئے تھے]۔ اور وجہ یہ ہوئی کہ ان کا واسطہ قبیلہ ہوازن کے تیراندازوں سے پڑا۔ وہ ایسے مشاق تھے کہ ان کا کوئی تیر خالی نہیں جاتا تھا۔ انہوں نے ان کو تیروں پر رکھ لیا اس وجہ سے وہ ہٹ گئے۔ اسکے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اس وقت آپ اپنے سفید خچر پر سوار تھے، جس کو آپ کے چچا کے بیٹے، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہانک رہے تھے۔ پس آپ اترے اور آپ نے ارحم الراحمین سے مدد مانگی اس کے بعد فرمایا:

" اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔"

''میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

حضرت براء فرماتے ہیں شدید جنگ کی حالت میں ہم نبی کریم ﷺ کی اوٹ میں بچاؤ حاصل کیا کرتے تھے۔ ہم اس شخص کو بہادر سمجھا کرتے تھے جو آپ کے برابر ہوا کرتا تھا۔ ❶

صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ حنین میں جب کفار نے آپ کو گھیر لیا تو آپ نے سواری سے اتر کر مٹی کی ایک مٹھی لی؛ پھر کفار کی طرف متوجہ ہوئے [اور ان پر مٹی پھینکتے ہوئے] فرمایا: ''شَاھَتِ الْوُجُوْہ'' اللہ کرے یہ چہرے ذلیل ہوں۔'' ان میں کوئی بھی انسان اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں پیدا کیا تھا مگر ان سب کی آنکھیں اس ایک مٹی سے بھر گئیں اور وہ پیٹھ پھیر کر چل دیے؛ اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دی؛ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کیے۔'' ❷

## فصل:......[غیبی امور کی خبریں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: پانچویں دلیل: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ غیب کی اور وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے قبل از وقت آگاہ کر دیا کرتے تھے۔ جب حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے جب عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ: ''اللہ کی قسم! آپ کا مقصد عمرہ کرنا نہیں، بلکہ بیشک آپ بصرہ جانا چاہتے ہیں۔ آپ کا ارشاد بجا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ذی قار کے مقام پر بیعت لے رہے تھے تو آپ نے فرمایا تھا: کوفہ کی طرف سے ایک ہزار آدمی آئیں گے۔ نہ کم ہوں گے نہ زیادہ؛ وہ موت پر میری بیعت کریں گے۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔ ان میں سے آخری شخص اُویس قرنی تھے۔ آپ نے پستان والے خارجی کے قتل کی خبر دی تھی۔ چنانچہ ویسے ہی ہوا۔ نہروان کے قصہ میں ایک شخص نے قوم کے نہر کو عبور کر جانے کی خبر دی۔ تو آپ نے فرمایا: ''وہ ہرگز اسے عبور نہیں کر سکیں گے۔'' پھر ایک دوسرے نے آکر یہی خبر دی تو آپ نے فرمایا: ''وہ ہرگز عبور نہیں کر سکیں گے؛ بلکہ یہی جگہ ان کے موت کا گھاٹ ثابت ہوگی'' پس ویسے ہی ہوا۔''

❶ صحیح بخاری، کتاب الجھاد، باب من قاد دابۃ غیرہ فی الحرب(ح:٢٨٦٤)، صحیح مسلم، کتاب الجھاد۔ باب غزوۃ حنین(ح:١٧٧٦)۔

❷ صحیح مسلم۔ کتاب الجھاد، باب غزوۃ حنین(حدیث:١٧٧٧)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



آپ نے قبل از وقت اپنے قتل سے آگاہ کر دیا تھا۔ آپ نے ابن شہر یار ملعون کے بارے میں فرمایا تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں گے؛ اور اسے سولی دی جائے گی۔ چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے سولی چڑھا دیا۔ آپ نے میثم کھجور فروش سے کہا تھا کہ دارِ باب عمرو پر دس آدمیوں کو پھانسی دی جائیگی، ان میں دسواں شخص میثم ہوگا۔'' اور وہ ان کے تختہ سے چھوٹا ہوگا۔ آپ نے اسے وہ کھجور کا درخت بھی دکھایا تھا جس پر اسے پھانسی دی جانے والی تھی اور اسی طرح وقوع میں آیا۔

❀ آپ نے رُشید الہجری کو بتایا تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں گے اور اسے پھانسی دی جائے گی؛ اور اس کی زبان کاٹ دی جائے گی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ آپ نے خبر دی تھی کہ حجاج کُمیل بن زیاد کو قتل کرے گا؛ اور قنبر کو ذبح کرے گا۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔

❀ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ: ''میرے بیٹے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا جائے گا اور تم اس کی مدد نہیں کرو گے؛ اور اسی طرح ہوا۔ اور آپ نے اپنے بیٹے کی قتل گاہ کے بارے میں خبر دی تھی۔

❀ نیز آپ نے فرمایا تھا کہ: ''بنو عباس آسانی سے اقتدار سنبھال لیں گے۔ اور پھر ترک ان سے ملک چھینیں گے۔ آپ نے فرمایا: ''بنی عباس کی شاہی آسان ہوگی؛ اس میں کوئی سختی نہیں ہوگی۔ اور اگر ترک و دیلم اور ہندو سندھ؛ بربر [افریقہ] اور طیلسان [فارس] کے لوگ مل کر ان کی سلطنت چھیننا چاہیں تو اس پر قادر نہ ہوں گے؛ جب تک کہ ان کے موالی اور ارباب دولت ان سے الگ نہ ہو جائیں۔ ترک کا ایک بادشاہ ان پر مسلط ہوگا وہ اس جگہ سے آئے گا جہاں سے ان کی سلطنت کا آغاز ہوا تھا۔ جس شہر پر سے اس کا گزر ہوگا اسے فتح کرے گا۔ اس کے مقابلہ کے لیے جو جھنڈا بلند کیا جائے گا وہ اسے سرنگوں کر دے گا، جو اس کی مخالفت کرے گا اس کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔ وہ برابر ان سب پر کامیابی حاصل کرتا رہے گا۔ پھر یہ کامیابی میرے اہل بیت کے ایک شخص کو سونپ دیگا۔ [یعنی اس کی کامیابی کا انحصار میرے اہل بیت کے ایک شخص پر ہوگا] جو حق کی بات کہے گا اور حق پر عمل پیرا ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس طرح فرمایا تھا اسی طرح ہوا اور ہلاکو خان خراسان کے علاقہ سے نکل کر حملہ آور ہوا۔'' اور آپ سے ہی بنی عباس کے اقتدار کی ابتداء ہوئی۔ یہاں تک کہ ابو مسلم خراسانی نے ان کی بیعت کر لی۔'' (شیعہ مصنف کا بیان ختم ہوا۔)

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: ''بعض غیبی امور کی خبریں دینا تو جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کم درجہ کے صلحاء بھی اس طرح کی خبریں دیا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان تو اس سے بہت زیادہ بلند وارفع ہے۔ حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کے اتباع کاروں میں ایسے لوگ تھے جو اس سے بڑھ کر خبریں دیا کرتے تھے۔ مگر اس کے باوجود یہ لوگ امامت و خلافت کے اہل نہ تھے۔ اور نہ ہی وہ اپنے زمانہ کے باقی لوگوں سے افضل تھے۔ اسی کی مثالیں ہمارے اس دور میں بھی موجود ہیں' اور دیگر ادوار میں بھی ہوتی رہی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ و حذیفہ رضی اللہ عنہما و دیگر صحابہ سے اس سے کئی گنا زیادہ خبریں نقل کی گئی ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً ایسی روایات بیان کرتے اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کبھی مرفوع کرتے اور کبھی موقوف

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



روایت کرتے ہیں۔ مگر اس کا حکم مسند کا ہوتا ہے۔ جن باتوں کی آپ نے خبر دی ہے' یا دوسری اس قسم کی باتیں یا تو انھوں نے نبی کریم ﷺ سے سن کر بیان کی ہیں یا وہ ان کے کشف پر مبنی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس طرح کی کئی خبریں دی ہیں۔

کرامات اولیاء اور ایسی خبروں کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ؛ ان میں : امام احمد کی کتاب الزہد۔ ابونُعیم کی حِلیۃ الاولیاء؛ ابن جوزی کی ''صفوۃ الصفوۃ'' اور ابن ابی الدنیا، ابوبکر بن خلال اور لالکائی کی کتابوں میں کرامات الاولیاء کا بیان ہے۔ ان حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیروکاروں کے قصے بھی ہیں جیسے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نائب تھے ؛ اور ابومسلم خولانی ؛ اور اس کے بعض اتباع کار۔ اور ابی صہباء ؛ عامر بن عبد قیس ؛ اور ان دیگر لوگوں کے قصے ہیں جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہزار درجہ افضل ہیں۔ ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ کہہ سکیں کہ یہ انسان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہے ؛ پھر خلفاء راشدین کی تو شان ہی نرالی ہے۔

شیعہ مصنف نے غیبی خبروں سے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو یہ واقعات تحریر کیے ہیں ؛ ان میں سے کسی ایک واقعہ کی بھی کوئی سند ذکر نہیں کی جس کی وجہ سے اس کی صحت کا پتہ چل سکے۔ ان میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا صحیح ہونا معلوم ہے ؛ اور کچھ چیزوں کا جھوٹ ہونا صاف ظاہر اور واضح ہے۔ اور کچھ باتوں کے سچ یا جھوٹ ہونے کا کوئی پتہ نہیں چل رہا۔

ترک بادشاہ کے بارے میں جو خبر ذکر کی ہے' وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹا الزام ہے۔ اس لیے کہ آپ نے اپنی کامیابی اہل بیت کے کسی شخص کو نہیں سونپی تھی ؛ یہ جھوٹ بعد میں آنے والے شیعہ نے گھڑ لیا ہے۔ [ہلاکو نے کسی علوی کو ضرر نہیں پہنچایا تھا]

غیب کی خبروں پر مشتمل کتب جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا اہل بیت کی طرف منسوب ہیں' یہ تمام جھوٹ ہیں ؛ جیسے کتاب ''الجفر ؛ کتاب البطاقہ وغیرہ دیگر کتابیں۔ اور ایسے ہی جو علوم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں کہ یہ علم رسول اللہ ﷺ نے باقی صحابہ کرام کو چھوڑ کر بطور خاص آپ کو بتایا تھا ؛ [یہ بھی جھوٹی باتیں ہیں]۔

ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ جس کسی دوسرے صحابی کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے باقی صحابہ کرام کو چھوڑ کر انہیں کوئی خاص علم سکھایا تھا : تو یہ سب باتیں جھوٹ ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا : '' کیا آپ کے پاس کوئی چیز ہے جو قرآن میں نہیں۔ اور بعض دفعہ اس طرح کہا گیا کہ جو لوگوں کے پاس نہیں ؟

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو اگایا اور جان کو پیدا کیا، کہ ہمارے پاس وہی چیز ہے جو قرآن میں ہے سوائے اس فہم کتاب کے جو کسی شخص کو دیا جاتا ہے اور اس کے جو صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا صحیفہ میں کیا ہے ؟، انہوں نے کہا کہ : دیت اور قیدی کو آزاد کرنے کے متعلق احکام ہیں اور یہ کہ مسلم کافر کے عوض قتل نہ کیا جائے گا۔'' [1]

[1] صحیح بخاری : ج 3 : ح 1811

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ایسے ہی وہ تمام روایات جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ کے بارے میں روایت کی جاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کوئی خاص علم باطن سکھایا تھا؛ یہ تمام باتیں باطل ہیں۔

یہ اس روایت کے منافی نہیں ہے جسے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے آپ فرماتے ہیں:

((حفظت من رسول الله ﷺ وعائين فأما أحدهما فبثثته وأما الآخر فلو بثثته قطع هذا البلعوم)) ❶

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو ظرف (علم کے) یاد کر لیے ہیں، ان میں سے ایک کو تو میں نے ظاہر کر دیا، اور دوسرے کو اگر ظاہر کروں تو کھانے کی رگ کاٹ لی جائے۔''

بلا ریب یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اس میں کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کوئی خاص علم سکھایا۔ بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے۔ اس لیے آپ نے وہ چیزیں یاد رکھیں جو دوسرے صحابہ یاد نہ رکھ سکے۔

ایسے ہی صحیحین میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! میں لوگوں میں سب سے زیادہ ان فتنوں کو جانتا ہوں جو میرے اور قیامت کے درمیان پیش آنے والے ہیں۔ اور مجھے ان فتنوں کے بتانے سے صرف یہی بات مانع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض راز کی باتیں مجھے بتائی ہیں جنہیں میرے علاوہ کسی سے بھی ذکر نہیں کیا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کے بارے میں فرمایا اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تھے جس میں میں بھی موجود تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کو شمار کرتے ہوئے ...... حذیفہ نے کہا: ''میرے علاوہ باقی سب قوم مجلس اب اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔'' ❷

صحیحین میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے؛ اور اس کھڑے ہونے کے وقت سے لے کر قیام قیامت تک کے تمام حالات کو بیان کر دیا پس جس نے انہیں یاد رکھا اس نے انہیں یاد رکھا؛ اور جو بھول گیا سو بھول گیا۔'' ❸

حضرت ابوزید عمرو بن اخطب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز فجر پڑھائی اور منبر پر چڑھے تو ہمیں خطبہ دیا یہاں تک کہ نماز کا وقت آ گیا؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اترے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر چڑھے اور ہمیں خطبہ دیا؛ یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا۔ پھر اترے اور نماز پڑھائی پھر منبر پر چڑھے اور ہمیں خطبہ دیا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باتوں کی خبر دی جو پہلے ہو چکی ہیں اور جو آئندہ پیش آنے والی تھیں پس ہم

---

❶ البخاري كتاب العلم، باب حفظ العلم ❷ صحيح مسلم: حديث نمبر 2763.

❸ صحيح مسلم: حديث نمبر 2764.

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



میں سے سب بڑا عالم وہی ہے جس نے ہم میں سے ان باتوں کو زیادہ یاد رکھا۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فتح خیبر والے سال اسلام قبول کیا۔آپ کو چار سال سے بھی کم عرصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر آئی۔ان کی اس تھیلی میں علم دین' ایمان؛ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سے کوئی بھی چیز نہیں تھی۔اس میں مستقبل کے امور کی خبریں تھیں۔مثال کے طور پر وہ فتنے جو مسلمانوں کے مابین پیش آئے؛ جیسے جنگ جمل اور صفین کا فتنہ؛ ابن زبیر کا فتنہ؛ مقتل حسین رضی اللہ عنہ اور اس طرح کی دیگر خبریں تھیں۔اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دوسرے لوگوں کے ساتھ فتنوں میں شریک نہیں ہوئی۔یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''اگر ابو ہریرہ تم سے یہ حدیث بیان کرتے کہ تم اپنے خلیفہ کو قتل کروگے' اور تم ایسے ایسے کام کروگے تو تم لوگ کہتے ابو ہریرہ جھوٹ بول رہا ہے۔''

وہ حدیث جسے رازدان نبوت حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے' جسے ان کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا؛ صحیح بخاری میں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے: حضرت علقمہ رحمہ اللہ شام گئے: جب آپ وہاں پہنچے تو ایک مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی کہ یا اللہ ہمیں کوئی اچھا ہم نشین عطا کر۔پھر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گئے۔حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ: کوفہ کا رہنے والا ہوں۔علقمہ رحمہ اللہ نے کہا: کیا تم میں وہ شخص نہیں ہے جو اس راز کا جاننے والا ہے کہ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا؟ یعنی حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ۔کیا تم میں وہ شخص نہیں ہے، یا یہ کہا کہ کیا تم میں وہ شخص نہیں تھا، جس کو اللہ تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر شیطان سے پناہ دیدی ہے یعنی عمار رضی اللہ عنہ؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! ضرور ہیں......[یہ ایک لمبی حدیث کا حصہ ہے۔][2]

یہ راز بعض ان منافقین کی شخصیات کا تعین تھا جو غزوہ تبوک میں شریک تھے۔انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ رات کے اندھیرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی رسی کھول کر آپ کو گرادیں۔مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبردار کردیا۔اس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ قریب تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان لوگوں کے نام بتادیے۔پس جب کوئی مجہول الحال انسان مرجاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تک اس کا جنازہ نہ پڑھتے جب تک حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس جنازہ میں شریک نہ ہوں۔اس لیے کہ آپ کو اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں منافقین کا جنازہ نہ پڑھادیں۔

پس بعض صحابہ اور صالحین کا مستقبل کے بعض امور کو جان لینا اس بات کو واجب نہیں کرتا کہ وہ ان تمام امور کا عالم ہے۔وہ غالی شیعہ جو مطلق طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عالم الغیب ہونے کا دعوی کرتے ہیں؛ یہ دعوی صاف جھوٹ ہے۔جب کہ بعض باتوں کا علم ہونے میں آپ کی کوئی خصوصیت نہیں۔تمام چیزوں کا علم پوری طرح نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھا اور نہ ہی کسی دوسرے کو۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امور مستقبل کے کلی عالم نہ ہونے کی تصدیق اس امر سے ہوتی ہے کہ آپ کی خلافت کے زمانہ میں کئی جنگیں پیش آئیں۔آپ کے ذہن میں بہت ساری چیزیں ایسی ہوتی تھیں کہ حقائق ان کے خلاف ظاہر ہوتے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ بعض اوقات اپنی لڑائیوں اور دیگر معاملات کے بارے میں ایک رائے قائم کرتے

[1] صحیح مسلم:ح 2768. [2] صحیح بخاری:حدیث نمبر 1215.

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اور وہ غلط ثابت ہوا کرتی تھی۔ اگر آپ کو یہ علم ہوتا کہ لڑائیوں میں لا تعداد جانیں ضائع ہونگی اور مقصد بھی حاصل نہ ہوگا تو آپ لڑائی میں حصہ نہ لیتے۔ جنگ آزمائی سے کنارہ کش ہونے کی صورت میں آپ زیادہ کامیاب و کامران ثابت ہوتے۔اس لیے کہ اکثر لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے اور اکثر شہر بھی آپ کے ماتحت تھے۔ جب آپ نے جنگ کی تو کمزور ہوگئے۔ یہاں تک کہ بہت سارے وہ شہر جو آپ کی خلافت میں شامل تھے ؛ جیسے مصر ؛ یمن اور حجاز ؛ وہ آہستہ آہستہ خودمختاری کے خواب دیکھنے لگے۔ اگر آپ جانتے ہوتے کہ میرے مقرر کردہ حکم یہ فیصلہ صادر کریں گے تو آپ تحکیم پر راضی نہ ہوتے۔ اور اگر آپ کو علم ہوتا کہ ان میں سے ایک دوسرے کیساتھ وہی سلوک کرے گا جو کہ بعد میں دیکھا گیا؛ یہاں تک انہیں معزول کردیا گیا؛ تو آپ اپنی معزولی پر موافقت نہ کرتے۔شروع میں آپ کے خیر خواہوں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی امارت پر باقی رہنے دیا؛ یہاں تک کہ معاملات صحیح ڈگر پر آجاتے۔آپ کے محبین اور خیرخواہان کے ہاں یہ رائے زیادہ درست تھی۔

یہ بھی سبھی جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ابوسفیان کو نجران کا والی بنایا تھا۔ وہ وہاں کے والی ہی تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا۔اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کی نسبت زیادہ اچھے مسلمان تھے۔صحابہ اور تابعین میں سے کسی ایک نے بھی معاویہ رضی اللہ عنہ پر منافق ہونے کی تہمت نہیں لگائی؛ جب کہ ان کے والد کے بارے میں اختلاف ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان کو شام کی فتح کے لیے حضرت خالد بن ولید اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ امیر لشکر مقرر کیا تھا۔آپ اپنی امارت پر باقی رہے یہاں تک کہ شام میں ہی آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کا شمار فاضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا تھا۔آپ بہت نیک انسان تھے؛ اپنے بھائی اور والد سے زیادہ اچھے تھے ۔ یہ وہ یزید نہیں ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد جانشین [وخلیفہ ] ہوئے تھے۔اس ثانی الذکر یزید کی پیدائش ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی تھی۔اس کا نام اپنے چچا کے نام پر رکھا گیا تھا۔ جہلاء کا ایک گروہ اس یزید کو صحابی سمجھتا ہے؛ اور بعض غالی لوگ اسے نبی تک کا درجہ دیتے ہیں۔اور ان کے برعکس ایک دوسرا گروہ اسے کافر و مرتد قرار دیتا ہے۔ یہ دونوں باتیں باطل ہیں۔اس کا صرف اتنا ہی مقام ہے کہ وہ بنی امیہ کا ایک خلیفہ ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ - ان کے قاتلوں پر اللہ کی لعنت ہو- اس کی خلافت کے دور میں بعض اختلافات کی بنا پر مظلوم شہید ہوئے۔لیکن یزید نے انہیں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔اور نہ ہی اس پر رضامندی کا اظہار کیا؛ اور نہ ہی ان لوگوں کی مدد کی جنہوں نے آپ کو قتل کیا تھا۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر جب عبیداللہ بن زیاد کے سامنے پیش کیا تو اس نے آپ کے دانتوں پر لاٹھی سے مارا تھا؛ یہ بات صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے [1]۔ جب کہ سر کو یزید کے سامنے لے جا کر پیش کرنے کا

[1] یہ اثر حضرت انس بن مالک سے مروی ہے۔البخاری ٥/ ٢٦ کتاب فضائل اصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم 'باب مناقب الحسن و الحسین؛ وسنن الترمذي ٥/ ٣٢٥ 'کتاب المناقب' باب مناقب الحسن و الحسین۔ البدایة والنهایة ٨ / ١٩٠۔علامہ ابن ⇦⇦⇦

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



واقعہ باطل ہے' اور اس کی سند منقطع ہے۔

اس کے چچا یزید رضی اللہ عنہ کا شمار نیکوکار صحابہ کرام میں سے تھا۔ اس کا انتقال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا۔ اس کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی جگہ دوسرے بھائی معاویہ کو تعینات کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لوگوں سے زیادہ اہل لوگوں کے احوال جانتے تھے۔ اور سیاست میں بڑے ماہر تھے۔ خواہشات نفس سے بڑے دور تھے۔ آپ نے اپنی خلافت میں کسی ایک بھی قریبی رشتہ دار کو کوئی منصب تفویض نہیں کیا۔ آپ ولایت و امارت کے لیے صرف اسی انسان کا انتخاب فرمایا کرتے تھے جسے اس کا اہل سمجھتے تھے۔ آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اسی لیے امیر بنایا تھا کہ ان کے نزدیک آپ اس منصب کے اہل تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی ولایت میں وسعت دیدی۔ یہاں تک کہ سارا شام آپ کے زیر نگین ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شام کے چار حصے تھے: فلسطین، دمشق، حمص اور اردن ۔ پھر اس کے بعد قنسرین اور دوسرے دار الحکومت کو ربع حمص سے علیحدہ کر دیا گیا۔ پھر اس کے بعد حلب آباد ہو گیا اور قِنسرین ویران ہو گیا۔ اور یہ دار الحکومت مسلمانوں اور اہل کتاب کے مابین حکومتیں بن گئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی طرف سے بیس سال تک اس علاقہ میں نائب رہے۔ پھر بیس سال تک امام و خلیفہ رہے۔ آپ کی رعیت آپ کے احسانات اور حسن سلوک کی شکر گزار اور آپ پر راضی رہی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ جیسے معاملہ میں انہوں نے آپ کی اطاعت کی۔

یہ بھی معلوم شدہ بات ہے کہ آپ اپنے والد سے بہتر تھے' اور والد سے بڑھ کر ولایت کے جواز کے حق دار تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ: آپ کو والی بنایا جانا حلال نہیں تھا۔ اگر یہ بات بھی مان لی جائے کہ کوئی دوسرا آپ سے زیادہ ولایت کا حق دار تھا؛ یا آپ ان لوگوں میں سے تھے جن کی وجہ سے ظلم کے کاموں پر تعاون ہوا تھا؛ تو پھر بھی آپ کی ولایت سے جس شر کا خاتمہ ہوا وہ آپ کے عہد میں حاصل ہونے والے شر سے بہت زیادہ ہے۔

مال لینا اور بعض لوگوں کو مناصب تفویض کرنا کہاں ہے؟ اور پھر صفین میں قتل ہونے والوں کو کس نے قتل کیا؟ اس میں نہ ہی کسی کو کوئی کامیابی حاصل ہوئی اور نہ ہی غلبہ ملا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دینے والے لوگ بڑے پکے لوگ تھے' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی امام اور مجتہد تھے' آپ وہی کرتے تھے جس میں مصلحت سمجھتے تھے۔

یہاں پر یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر آپ مستقبل کی خبریں جانتے ہوتے تو آپ کو علم ہوتا کہ جنگ صفین کی نسبت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس امارت پر باقی رکھنا ہی زیادہ مصلحت پر مبنی تھا۔ کیونکہ اس جنگ کی وجہ سے شر اور برائی کے زیادہ ہونے کے علاوہ تو کچھ بھی نہیں ملا؛ اور نہ ہی کوئی مصلحت حاصل ہوئی۔ جب کہ آپ کی ولایت میں خیر کی کثرت تھی

⇦⇦⇦ کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ ۸/ ۱۹۲ پر لکھتے ہیں: اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں علماء کرام رحمہم اللہ کے دو قول ہیں۔ کیا ابن زیاد نے یہ سر یزید کے پاس بھیج دیا تھا یا نہیں؟ زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ اس نے آپ کا سر یزید کے پاس بھیج دیا تھا۔ اس بارے میں بہت سارے آثار وارد ہوئے ہیں۔ حقیقت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اور آپ سے جنگ کی نسبت شر بہت کم تھا۔ جو انسان بھی یہ گمان کرتا ہے کہ آپ کی ولایت میں شر تھا؛ اسے جاننا چاہیے کہ آپ کے ساتھ جنگ کرنے میں شر اس سے زیادہ اور بڑا تھا۔

یہ مثال اور اس جیسی دیگر مثالوں سے ان لوگوں کی جہالت واضح ہو جاتی ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غیبی امور جانتے تھے۔ بلکہ رافضی کا دعوی ہے متناقض ہے۔ان منفی امور کے باوجود آپ کے بارے میں علم الغیب کا دعوی کرتے ہیں۔اور اس کے ساتھ ہی آپ کے لیے انتہائی شجاعت کے دعویدار ہیں ؛ اور ان کا خیال ہے کہ آپ نے ہی غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی تھی۔اور شروع اسلام میں کمزوری کے ایام میں آپ کی تلوار کی وجہ سے اسلام کے قواعد پختہ ہوئے۔اور پھر اس کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں عاجزی و درماندگی اور کمزوری بیان کرتے ہیں۔ یہ متناقض بیانات ہیں۔اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اتنا مال نہیں تھا کہ لوگوں کو دیکر ان کے دل موہ لیتے ؛ نہ ہی آپ کا قبیلہ بہت بڑا تھا اور نہ ہی آپ کے موالین تھے جو آپ کی مدد کرتے۔ اور نہ ہی آپ نے لوگوں کو اپنی بیعت کرنے کو کہا ؛ نہ ہی کسی کو ڈرایا دھمکایا اور نہ ہی کوئی لالچ دی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ سے دفاع پر ان کفار پر قادر ہونے کی نسبت زیادہ قادر تھے جنہوں نے مختلف مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگیں لڑیں اور آپ کو اذیتیں پہنچائی تھیں۔اگر آپ ہی کفار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا کرتے تھے ؛ اور آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی دفاع کرنا چاہتے تھے تو آپ اس بات پر زیادہ قادر تھے۔لیکن شیعہ جمع بین نقیضین ہی کرتے ہیں۔

یہی حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے آپ کی جنگ کا ہے۔اس وقت آپ غالب بھی تھے آپ کے پاس بہت بڑا لشکر بھی تھا اور آپ کے لشکر میں ایسے لوگ موجود تھے جو ان لوگوں سے بدرجہا افضل تھے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو مغلوب کرنا چاہتے تھے۔ پس اگر آپ ہی نے مسلمانوں کی کمزوری اور قتل کے وقت کفار کی کثرت کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت کی تھی تو پھر آپ کے لشکر کی کثرت اور لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قلت کے ساتھ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کو مغلوب کرنے پر ان کفار کو مغلوب کرنے کی نسبت زیادہ قادر تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگیں کیں۔[اہل عقل کے لیے غور کی بات یہ ہے کہ ] اس بہادری و شجاعت اور قوت اور اس عاجزی و کمزوری کے مابین کسی جاہل کے علاوہ کوئی دوسرا بھی جمع کرسکتا ہے؟ بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تمام نصرت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھی ؛ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت سے اور اہل ایمان سے آپ کی تائید و نصرت فرمائی تھی۔معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سب مومنین سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید فرمائی تھی اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل ایمان سب شامل ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس شعر سے ان کے علم غیب کی نفی ہوتی ہے۔فرماتے ہیں:

لَقَدْ عَجِزْتُ عَجْزَۃً لَا اَعْتَذِر     سَوْفَ اَکِیْسُ بَعْدَھَا وَ اَسْتَمِرّ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



وَ اَجْمَعُ الرَّأْیَ الشَّتِیْتَ الْمُنْتَشِرْ

''میں معذرت نہیں کر رہا، بلکہ یہ سچ ہے کہ میں عاجز آ گیا ہوں۔ اس کے بعد میں غور وفکر سے کام لوں گے اور (سیدھی راہ پر) چلتا رہوں گا۔ نیز بکھری ہوئی پراگندہ رائے یک جا کروں گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کی راتوں میں فرمایا کرتے تھے: ''اے حسن! اے حسن! تیرے باپ کا یہ خیال نہ تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچے گا۔ اللہ کے لیے ہی سعد بن مالک اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی عظمت ہے' انہوں نے فتنہ سے الگ رہ کر کتنا اچھا موقف اختیار کیا تھا۔ اگر وہ نیک تھے تو انھیں بڑا اجر ملے گا اور اگر گناہ گار تھے تو اس میں چنداں خطرہ نہیں ہے۔'' مصنفین نے آپ سے یہ کلام ایسے ہی نقل کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بتواتر منقول ہے کہ آپ اپنے اصحاب واحباب کے اختلاف سے بڑے بے چین رہا کرتے تھے۔ اور آپ کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ معاملہ جہاں تک پہنچ گیا تھا وہاں تک پہنچے گا۔ احادیث مبارکہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی رائے کی تصویب آئی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا:

''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا۔''[1]

یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے مابین صلح کرنے پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہیں۔

تمام صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں کہ جنگ سے دور رہنا' اور فتنہ سے اپنے آپ کو بچانا اللہ اور اس کے رسول کے ہاں زیادہ پسندیدہ تھا۔ اکثر ائمہ اہل سنت والجماعت اور ائمہ اسلام کا یہی قول ہے۔ اور اعتبار کے لحاظ سے بھی یہ قول ظاہر ہے۔ اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کسی کام کے ثمرات کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ پس جو چیز مسلمانوں کے لیے ان کے دین و دنیا کے اعتبار سے بہتر ہو وہ اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہوتی ہے۔ واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی رائے مسلمانوں کے دین اور دنیا کے اعتبار سے ان کے لیے نفع بخش تھی؛ اس لیے کہ اس کے نتائج دونوں گروہوں کے حق میں بہتر ثابت ہوئے۔

صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں' تو بھی ان دونوں سے محبت کر۔ اور ان لوگوں سے بھی محبت کر جو ان دونوں سے محبت کریں۔''[2]

یہ دونوں حضرات جنگ کے خلاف تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں نے طلب کیا تھا؛ مگر آپ نے جنگ میں ان میں سے کسی ایک کا ساتھ بھی نہیں دیا۔ [واقعات نے ثابت کر دیا تھا کہ جنگ آزمائی سے باز رہ کر حضرت حسن نے امت پر عظیم احسان کیا تھا]۔ جیسا کہ دوسرے کئی اکابر صحابہ جیسے: حضرت سعد بن ابی وقاص؛ ابن عمر و محمد

[1] صحیح بخاری، حوالہ سابق (ح:۳۶۲۹)۔ [2] صحیح البخاري؛ وکذا في المسند ۵/ ۲۰۵.

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



بن مسلمہ و زید بن ثابت و ابوہریرہ و عمران بن حصین اور ابوبکرہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے ترک قتال کا موقف اختیار کیا تھا۔[یہ اکابر اپنے موقف کے اثبات میں نصوص کتاب وسنت سے استناد کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔]

ایک فتنہ بپا ہوگا جو شخص اس میں بیٹھ رہے گا وہ کھڑا ہونے والے سے افضل ہوگا۔❶

جو کچھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کیا وہ عنداللہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فعل سے زیادہ افضل تھا۔ مگر یہ دونوں بھائی جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مظلومیت کے ساتھ شہید کیا گیا۔

آپ کے قتل ہونے کے بعد لوگ تین گروہوں میں بٹ گئے :

پہلا گروہ: ان کا خیال ہے کہ آپ کو حق پر قتل کیا گیا ہے۔ ان کی دلیل یہ صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من جائکم وأمرکم علی رجلٍ واحدٍ یرید أن یفرِق بین جماعتِکم فاضرِبوا عنقه بِالسیفِ کائِنا من کان))❷

''جو کوئی تمہارے پاس آئے اور تمہارے معاملات کی زمام کار ایک آدمی کے ہاتھ میں ہو؛ وہ تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالنا چاہتا ہو تو تلوار مار دو؛ بھلے وہ کوئی بھی ہو۔''

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ظہور اس وقت ہوا جب لوگ ایک حاکم پر متحد ہو چکے تھے' اور آپ لوگوں کی جماعت میں تفریق ڈالنا چاہتے تھے۔

دوسرا گروہ:......ان کا خیال ہے کہ جن لوگوں نے آپ کو قتل کیا وہ کافر تھے؛ بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ جو کوئی آپ کے امام برحق ہونے کا عقیدہ نہ رکھے وہ بھی کافر ہے۔

تیسرا گروہ:...... یہ اہل سنت والجماعت ہیں- انکا ایمان ہے کہ آپ کو مظلومیت کے ساتھ شہید کیا گیا۔ اور مذکورہ بالا حدیث کسی طرح بھی آپ پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ آپ نے پہلے اپنے چچازاد حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا تھا۔ اور انہیں ایک گروہ کے بیعت کرنے کے بعد قتل کر دیا گیا۔ آپ نے مطالبہ کیا تھا کہ انہیں واپس اپنے ملک جانے دیا جائے۔ لیکن آپ کی راہ میں وہ لوگ آڑے آئے جنہوں نے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ آپ نے ان سے بھی یہی مطالبہ کیا کہ یا تو خود انہیں یزید کے پاس جانے دیا جائے؛ یا پھر انہیں واپس مدینہ جانے دیا جائے؛ یا پھر انہیں کسی محاذ جہاد پر جانے دیا جائے۔ مگر ان ظالموں نے آپ کا ایک مطالبہ بھی تسلیم نہ کیا۔ بلکہ آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ گرفتاری پیش کریں تاکہ آپ قیدی کی صورت میں یزید کے پاس پیش کیا جائے۔

یہ بات باتفاق مسلمین معلوم ہے کہ آپ پر ایسا کرنا واجب نہ تھا؛ بلکہ ان لوگوں پر واجب تھا کہ حضرت کے مطالبات

❶ صحیح بخاری، کتاب الفتن۔ باب تکون فتنة القاعد فیها خیر من القائم (حدیث: ۷۰۸۱)، صحیح مسلم۔ کتاب الفتن۔ باب نزول الفتن کمواقع القطر (حدیث: ۲۸۸۶)۔

❷ صحیح مسلم؛ کتاب الإمارة۔ باب حکم من فرق أمر المسلمین وهو مجتمع؛ ح :3531-

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



تسلیم کریں۔ مگر انہوں نے آپ پر ظلم کرتے ہوئے آپ سے جنگ کی۔ آپ اس وقت لوگوں کی جماعت میں تفریق نہیں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اور نہ ہی خلافت کے طلبگار تھے۔ اور نہ ہی آپ نے خلافت طلب کرنے کے لیے جنگ کی تھی۔ بلکہ آپ نے اپنے نفس کے دفاع میں ان لوگوں سے جہاد کیا جو آپ پر اور آپ کے خاندان پر ظلم کرنا چاہتے تھے۔ اس سے پہلے گروہ کے عقیدہ کا باطل ہونا ثابت ہو گیا۔

جب کہ دوسرے گروہ کے قول کا باطل ہونا کئی وجوہات کی بنا پر معروف ہے: ان میں سب سے ظاہر بات یہ ہے کہ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نبرد آزما ہوئے تھے آپ نے کسی کی تکفیر نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ وہ خوارج کو بھی کافر قرار نہیں دیتے تھے۔ آپ نے ان کی اولاد کو لونڈی غلام نہیں بنایا تھا اور نہ ہی ان میں سے کسی کے مال کو مال غنیمت بنایا تھا۔ اور نہ ہی اپنے خلاف کسی جنگ کرنے والے پر آپ نے مرتد ہونے کا حکم لگایا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور باقی تمام صحابہ نے بنو حنیفہ اور ان کے امثال مرتدین پر حکم لگایا تھا۔ بلکہ آپ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اور اپنے خلاف دوسرے جنگ کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے طالب تھے۔ اور اپنے خلاف نبرد آزما لوگوں اور اصحاب معاویہ کے متعلق عام مسلمانوں کی طرح حکم لگایا کرتے تھے۔ یہ بات آپ سے ثابت ہے کہ: یوم جمل کے موقعہ پر آپ کی طرف سے منادی کرنے والا آواز لگا رہا تھا:

''کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے؛ زخمی کو گرفتار نہ کیا جائے؛ اور مال کو مالِ غنیمت نہ بنایا جائے۔''

آپ کی یہی بات خوارج کو ناگوار گزری تھی؛ یہاں تک کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے اس مسئلہ میں مناظرہ کیا؛ یہ بات دیگر مواقع پر تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔

حضرت علی سے یہ اخبار مشہور ہیں کہ آپ حضرت معاویہ کے لشکر کے مقتولین کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

بلا شبہ یہ تمام مسلمان ہیں۔ کفار یا منافقین نہیں ہیں۔ یہ بات ہم پہلے کئی مواقع پر بیان کر چکے ہیں۔ یہی حال حضرت عمار اور دوسرے صحابہ کرام کا بھی تھا۔

یہ تینوں گروہ عراق میں تھے۔ ان کے علاوہ ایک میں ایک اور گروہ شیعان عثمان نواصب کا تھا جو کہ حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتے تھے۔ اور ایک گروہ شیعان علی رضی اللہ عنہ میں سے بھی ایسا تھا جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے اقارب سے بغض و نفرت رکھتا تھا۔ صحیح مسلم میں یہ حدیث حضرت اسما رضی اللہ عنہا کی روایت سے موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''عنقریب بنو ثقیف میں ایک خونخوار اور ایک جھوٹا ظاہر ہوگا۔''

یہ جھوٹا مختار بن عبید ثقفی تھا جب کہ خونخوار حجاج بن یوسف۔ حجاج شیعان عثمان رضی اللہ عنہ میں سے تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت سے بغض رکھتا تھا۔ جب کہ جھوٹا شیعان علی رضی اللہ عنہ میں سے تھا حتی کہ اس نے عبید اللہ بن زیاد سے جنگ کر کے اسے قتل کر دیا اور بعد میں دعوی کرنے لگا کہ اس کے پاس جبریل امین علیہ السلام آتا ہے۔ چنانچہ اس کا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



یوم عاشورا یعنی مقتل حسین رضی اللہ عنہ کے دن کی وجہ سے بھی لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ شیعہ اس دن ماتم اور دیگر ایسی برائیاں کرتے ہیں جن کا ارتکاب صرف کوئی جاہل اور گمراہ ترین انسان ہی کر سکتا ہے۔ اور ایک گروہ نے اس دن کو عید کے دن کی طرح بنالیا ہے۔ اس دن وہ کھانے پینے اور لباس میں کھلا خرچ کرتے ہیں۔ اور اس بارے میں ایک من گھڑت حدیث روایت کرتے ہیں کہ: آپ نے فرمایا: ''جس نے اس دن اپنے اہل خانہ پر کھلا خرچ کیا اللہ تعالیٰ سارا سال اس پر کھلا خرچ کرتا ہے۔'' یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑ لیا گیا ہے۔

امام حرب رحمہ اللہ کرمانی فرماتے ہیں: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

محدثین کے ہاں مشہور یہ ہے کہ اسے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے ابراہیم بن محمد بن منتشر سے انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ: جس نے اس دن اپنے اہل خانہ پر کھلا خرچ کیا اللہ تعالی سارا سال اس پر کھلا خرچ کرتا ہے۔ امام ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے ساٹھ سال سے اس کا تجربہ کیا ہے اور اسے صحیح پایا ہے۔

میں کہتا ہوں: محمد بن منتشر رحمہ اللہ فضلاء اہل کوفہ میں سے تھا۔ یہ ہر سنی اور پہنچی ہوئی بات نقل کرنے والوں میں سے ہرگز نہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات حضرت حسین پر تعصب رکھنے والے بعض لوگوں نے گھڑ لی ہے تاکہ آپ کی شہادت کے دن کو عید بنایا جائے۔ پس یہ بات اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب جہلا میں مشہور ہوگئی۔ یہاں کہ احادیث گھڑ لی گئیں کہ دس محرم کو یہ یہ واقعات پیش آئے ہیں۔ یہاں تک انبیا کرام کے اکثر واقعات کو بھی اسی دن کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس حضرت یوسف کی قمیص کا پہنچنا اور آپ کی بینائی بحال ہونا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو عافیت ملنا ذبیحہ کی قربانی پیش کرنا اور اس طرح کے دیگر واقعات۔ یہ تمام احادیث جھوٹ اور من گھڑت ہیں۔ ابن جوزی نے انہیں الموضوعات [۲/۱۹۹] میں ذکر کیا ہے۔ اگرچہ آپ اسے اپنی کتاب ''النور فی فضائل أيام و شهور '' میں بھی نقل کیا ہے۔ اور انہوں نے اپنے شیخ ابن ناصر سے اس کا ذکر بھی کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اس کی سند صحیح کی شرائط کے مطابق ہے۔ لیکن درست بات وہی ہے جو ابن جوزی نے الموضوعات میں لکھی ہے۔ یہی آخری قول ہے۔

ابن ناصر پر اس کے راویوں کی حقیقت آشکار نہیں ہوسکی۔ وگرنہ یہ حدیث عقل اور شرع کے منافی ہے۔ اسے مشہور اہل علم محدثین میں سے کسی ایک نے بھی اپنی کسی معتمد کتاب میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ یہ بعض متاخر مشائخ کی تدلیس ہے۔

جیسا کہ بعض دوسرا احادیث ے بارے میں بھی پیش آیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ احادیث جو کہ مسند احمد بن حنبل کی طرف منسوب کی گئی ہیں حالانکہ وہ احادیث مسند احمد میں موجود نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر وہ حدیث جسے عبدالقادر بن یوسف نے ابن المذہب سے اور اس نے قطیعی سے اس نے عبداللہ سے اس نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے وہ عبداللہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



بن المثنی سے وہ عبداللہ بن دینار سے وہ عبداللہ بن عمر سے روایت کرتا ہے آپ رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

''قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں اسی کی طرف سے شروع ہوا اور اسی کی طرف لوٹ کر جائے گا۔''

یہ قول سلف صالحین سے صحیح اور متواتر سند کے ساتھ منقول ہے مگر ان الفاظ کا رسول اللہ سے روایت کرنا جھوٹ ہے۔ اور پھر اسے مسند احمد بن حنبل کی طرف منسوب کرنا ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔[1] بلا ریب امام احمد کی مسند میں ایسی کوئی روایت نہیں پائی جاتی۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آزمائش کے دور میں اہل سنت و الجماعت کے امام تھے۔ آپ کے ساتھ آفاق میں مشہور مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں بہت آزمائشیں پیش آئیں۔ اور آپ دلائل پیش کیا کرتے تھے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔ آپ کے یہ دلائل بہت زیادہ اور مشہور و معروف ہیں۔ مگر آپ نے کسی ایک موقع پر بھی اس روایت سے استدلال نہیں کیا اور نہ ہی اس کا کوئی ذکر تک کیا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ آپ کے پاس یہ حدیث موجود ہو مگر آپ اس سے استدلال نہ کرتے ہوں۔ یہ حدیث اسی شیخ کے ہاں پہچانی گئی ہے اور پھر بعد میں جن لوگوں نے آپ کی شاگردی اختیار کی تھی آپ کی کتاب میں کچھ ملاوٹ کردی۔ تو دوسرے لوگوں ان دونوں چیزوں کے ملا کر پڑھنے لگ گئے۔ اس طرح جو لوگ علم سے ناآشنا تھے ان میں یہ روایت رواج پکڑ گئی۔

یہی حال حدیث عاشورا کا بھی ہے۔ عاشورا کی صحیح اور ثابت شدہ فضیلت اس دن کا روزہ رکھنا ہے۔ یہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ اور اسی دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو غرق ہونے سے بچایا تھا۔ اس مسئلہ پر اپنی جگہ پر ہم نے تفصیل کے ساتھ کلام کردیا ہے۔ اور ہم نے یہ بیان کردیا کہ اس دن میں روزہ رکھنے کی علاوہ جتنے بھی اعمال کیے جاتے ہیں جیسے سرمہ لگانا خضاب لگانا دانے پکانا اور قربانی کا گوشت کھانا نفقہ میں وسعت دینا اور اس طرح کے دیگر امور سب مکروہ بدعت ہیں ائمہ میں سے کسی ایک نے بھی اس کا نہیں کہا۔ اس بدعت کی ابتدا قاتلان حسین کی طرف سے ہوئی ہے۔

ان سے بھی زیادہ قبیح رافضیوں کے کرتوت ہیں۔ جو کچھ وہ ماتم کرتے ہیں اور مرثیے پڑھتے ہیں۔ اور اس میں گریہ وزاری کے قصیدوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس دن اپنے آپ کو پیاسا رکھتے ہیں اور اپنوں چہروں پر تھپڑ مارتے اور گال پیٹتے اور گریبان پھاڑتے ہیں اور جاہلیت کا رونا روتے ہیں۔ جب کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] بعینہ ان الفاظ میں یہ روایت تو نہیں مل سکی؛ لیکن اس کے قریب قریب الفاظ و معانی میں کچھ دوسری روایات کئی صحابہ کرام سے مذکور موجود ہیں۔ ان میں سے بعض کو امام سیوطی نے ''اللآلي المصنوعة ١/ ٤'' پر ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے: حضرت ابو زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے یہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے اس نے کفر کیا۔'' اور ایسے ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں: ''زمین اور آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز مخلوق ہے سوائے اللہ تعالیٰ اور قرآن کے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے؛ اسی کی طرف سے شروع ہوا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جائے گا۔'' دیکھو: تنزیه الشريعة ١/ ١٣٤۔ الأسرار المرفوعة لملاعلي القاري ص ٥٧۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ارشاد فرمایا:

((لیس مِنا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بِدعوی الجاهِلِیةِ.))

''وہ ہم میں سے نہیں ہے جو اپنا گال پیٹے گریباں پھاڑے اور جاہلیت کا رونا روئے۔''

یہ تو اس وقت کے بارے میں ہے جب مصیبت ابھی تازہ دم واقع ہوئی ہو۔ پھر اگر چھ سوستر (اور ہمارے اس عہد میں تیرہ سوستر) سال بعد ماتم کیا جا رہا ہو تو اس کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں۔ وہ لوگ بھی تو قتل ہوئے ہیں جو حضرت حسین سے افضل تھے۔ لیکن مسلمانوں نے اس دن کو یوم ماتم تو نہیں بنایا۔ مسند احمد میں فاطمہ بنت حسین سے روایت ہے۔ یہ اپنے باپ کے قتل کے وقت وہاں پر موجود تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب بھی کسی انسان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور اگر وہ مصیبت پہلے گزر چکی ہے اور وہ اس مصیبت کو یاد کرتا ہے اور اس پر ''إنا للہ و إنا إلیہ راجعون'' پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اتنا اجر عطا فرماتے ہیں جتنا مصیبت پہنچنے کے دن صبر کرنے پر اسے اجر ملا تھا۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ گزری ہوئی مصیبت یاد آنے پر سنت طریقہ یہ ہے کہ انسان انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھے۔ جیسا کہ کتاب و سنت میں اس کی تعلیمات آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَo الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَo اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنو بشر الصابرینo﴾

''اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیجیے۔ وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے کئی مہربانیاں اور بڑی رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔'' [البقرۃ ۱۵۵۔۱۵۷]

اس سے بھی زیادہ بری حرکت دنبی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تشبیہ دیکر اس کے بال نوچنا ہے۔ اور پھر گھی بھری مشک کو حضرت عمر سے تشبیہ دیکر درمیان سے تیز دھار چیز سے پھاڑنا ہے۔ اور پھر ان کے یہ نعرے ہائے ابولؤلؤ کا انتقام۔ اور اس کے علاوہ دیگر منکرات اور برائیاں جو کہ رافضیوں میں پائی جاتی ہیں جن کو طوالت کے خوف سے یہاں درج نہیں کیا جا رہا۔ یہاں پر صرف یہ بیان کرنا مقصود ہیکہ جو کچھ ان لوگوں نے برائیاں اور بدعات ایجاد کر لی ہیں اور پھر بدعت کے مقابلہ میں جو بدعات پیدا کر لی گئی ہیں اور انہیں سنت کی جانب منسوب کیا جانے لگا ہیوہ بھی یقیناً انتہائی بری بدعات ہیں۔ سنت تو صرف وہ چیز ہے جسے رسول اللہ نے سنت قرار دیا ہوسنت ہر قسم کی بدعت سے بری ہے۔ پس جو کچھ عاشورا کے دن کیا جاتا ہے اس کو عید بنانے کی اصل نواصب کی بدعت ہیاور اس دن ماتم و نوحہ کرنا جو کہ انتہائی بری بدعت ہے یہ رافضیوں کی مشہور ترین بدعات میں سے ایک ہے۔ ہم اس موضوع پر اپنی جگہ پر تفصیلی کلام کر چکے ہیں۔ واللہ المستعان۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



## حضرت علی رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے:

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: چھٹی دلیل: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے۔ آپ نے بسر بن ارطاۃ کے حق میں بد دعا کی کہ اللہ اسے پاگل کر دے۔'' چنانچہ اسی طرح ہوا اسکا دماغ خراب ہوگیا۔ عیزار کے حق میں اندھا ہونے کی بددعا کی تو وہ اندھا ہوگیا۔ اورانس نے جب شہادت چھپائی تو اس کے حق میں برص کا عارضہ لاحق ہونے کی دعا کی؛ اوراسے برص کا مرض لاحق ہوگیا۔ اور ایسے ہی آپ نے زید بن ارقم کے حق میں اندھا ہونے کی بد دعا کی جو مقبول ہوئی اور وہ اندھا ہوگیا۔''

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں کہ: یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت نہیں، بلکہ صحابہ وان دیگر صلحاء میں یہ وصف زیادہ کثرت کے ساتھ موجود تھا۔ اور جب تک اہل ایمان موجود رہیں گے یہ وصف بھی باقی رہے گا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی دعاء کبھی خالی نہیں جاتی تھی۔ صحیحین میں ہے کہ ان کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ: ''اے اللہ! ان کا ہر تیر نشانہ پر پڑے' اور ان کی ہر دعا مقبول ہو۔''[1] چنانچہ آپ کی کوئی دعا مسترد نہیں کی جاتی تھی۔

❀ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوفہ میں لوگوں کو بھیجا کرتے ؛ جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کرتے۔ لوگ ان کے بارے میں خیر کی بات کے علاوہ کچھ بھی نہ کہتے۔ یہاں تک کہ جب بنی عبس کے ایک آدمی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا: ''جب آپ ہمیں سعد کے بارے میں حلفیہ پوچھنا ہی چاہتے ہیں تو پھر سنیں: وہ نہ ہی جہاد کے لیے نکلتے ہیں' اور نہ ہی اپنی رعیت میں عدل کرتے ہیں اور نہ ہی برابری کیاتھ تقسیم کرتے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی:

''اے اللہ! اگر یہ جھوٹا ہے تو ریا کاری اور شہرت کے لیے کھڑا ہوا ہے' تو اس کی عمر کو لمبا کر؛ اور اس کی تنگدستی کو زیادہ کر اور اسے کسی فتنہ میں مبتلا کر دے۔''

تو اس آدمی کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ اس کی عمر بہت بڑی ہوگئی تھی؛ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی پلکیں لٹک گئی تھیں؛ لیکن وہ گلیوں میں چھوکریوں کو چھیڑتا اور ان سے آنکھیں لڑایا کرتا تھا۔ اور اپنے بارے میں کہا کرتا تھا:

''بڑی عمر کا بڈھا ہوں جو فتنہ میں مبتلا ہوگیا ہوں' اور مجھے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگ گئی ہے۔''

❀ یہی حال حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا تھا۔ آپ مستجاب دعوات تھے۔ حماد بن زید سے روایت کیا گیا ہے وہ ہشام بن عروہ سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ: اروی بنت اوس نے مروان کے پاس حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے خلاف دعوی کیا کہ: ''انہوں نے میری زمین کا ٹکڑا ناجائز قبضہ کرکے اپنی زمین کے ساتھ ملالیا ہے۔''

تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اس پر ان الفاظ میں بددعا کی: ''اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے' تو اسے اندھا کر دے' اوراسے اس کی زمین میں قتل کر دے۔''

[1] الترمذی، کتاب المناقب ، باب مناقب ابی اسحاق سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (ح:۳۷۵۱)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



چنانچہ ایسا ہی ہوا؛ وہ اندھی بھی ہوگئی؛ اور اپنی ہی زمین میں مردار مرگئی۔''

❀ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ جب کسی بات پر اللہ کا نام لیکر حلف اٹھا لیتے تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیتے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر حلف اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیتے ہیں۔''

حضرت برا بن مالک رضی اللہ عنہ کا شمار بھی اسی قسم کے لوگوں میں سے ہوتا تھا۔ (1) [انھوں نے یکے بعد دیگرے ایک سو آدمیوں سے مبارزت طلبی کی تھی]۔ (2)

❀ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ جو پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد ازاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بحرین کے عامل تھے۔ قبولیت دعا میں مشہور تھے۔ (3)

ابن ابی دنیا رحمہ اللہ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ سہم بن منجاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہم نے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا۔ اس وقت آپ نے تین دعائیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ تینوں دعائیں قبول فرمائیں۔ آپ فرماتے ہیں: ''ہم آپ کے ساتھ سفر میں تھے؛ اور ہم نے ایک منزل پر پڑاؤ ڈالا۔ ہم نے وضوء کے لیے پانی تلاش کیا؛ بسیار تلاش کے باوجود نہ پاسکے۔ تو آپ کھڑے ہوگئے اور دو رکعت نماز پڑھی؛ پھر آپ نے دعا کی:

(( اللہ! یا علیم یا حکیم یا علي العظیم ! إناعبیدك'وفي سبیلك نقاتل عدوك ؛ فاسقنا غیثاً نشرب منه ونتوضأ من الإحداث . وإذا ترکناه فلاتجعل فیه نصیباً لأحد غیرنا . ))

''اے اللہ! اے علیم و حکیم! اے عالیشان اور عظمت والے رب! ہم تیرے بندے ہیں؛ اور تیری راہ میں تیرے دشمنوں سے جہاد کرتے ہیں' ہم پر بارش برسادے جس سے ہم پئیں بھی اور ناپاکی سے طہارت بھی حاصل کریں۔ اور جب ہم اس پانی کو چھوڑ دیں تو اسے کسی بھی دوسرے کے لیے حصہ نہ بنانا۔''

آپ فرماتے ہیں: ابھی ہم تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ ہم نے بارش کے پانی سے بھرا ہوا ایک تالاب دیکھا جس سے پانی اچھل کر بہہ رہا تھا۔ ہم نے وہاں پر پڑاؤ ڈالا؛ خوب سیر ہوکر پیا اور میں نے اپنے برتن بھی بھر لیے۔ اور پھر انہیں تالاب پر ہی چھوڑ دیا۔ میں نے کہا: میں ضرور دیکھوں گا کہ کیا آپ کی دعاء قبول ہوئی ہے؟ جب ہم وہاں سے چل ایک میل یا اس کے قریب فاصلے تک پہنچ گئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''میں اپنے برتن بھول گیا ہوں۔'' جب میں واپس وہاں پر پہنچا تو وہ جگہ ایسے تھی جیسے یہاں پر کبھی بھی پانی نہیں تھا۔ میں نے اپنے برتن اٹھالیے۔ جب میں دارین پہنچا تو ہمارے

---

(1) سنن ترمذی، کتاب المناقب۔ باب مناقب البراء بن مالک رضی اللہ عنہ، (حدیث:٣٨٥٤)

(2) مستدرك حاکم(٣/ ٢٩١)، مصنف عبد الرزاق(٩٤٩٦) طبقات ابن سعد(٧/ ١٠)

(3) البدایة والنهایة(٦/ ٣٢٨)، طبقات ابن سعد(٤/ ٧٨)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اوران کے درمیان سمندر حائل تھا۔تو آپ نے دعا کی:

(( اللہ ! یا علیم یا حکیم یا علي العظیم ! إنا عبیدك ‘وفي سبیلك نقاتل عدوك ؛ فاجعل لنا سبیلاً إلی عدوك . ))

''اے اللہ ! اے علیم وحکیم ! اے عالیشان اورعظمت والے رب! ہم تیرے بندے ہیں؛اور تیری راہ میں تیرے دشمنوں سے جہاد کرتے ہیں' ہمارے لیے اپنے دشمن تک پہنچنے کے راستے بنادے۔''

آپ فرماتے ہیں: پھر حضرت علاء رضی اللہ عنہ ہمیں لیکر سمندر میں داخل ہوگئے ۔اللہ کی قسم ! ہماری سواریوں کی کاٹھیاں تک گیلی نہیں ہوئیں۔پھر ہم دشمن کی طرف جانکلے۔ پھر جب ہم واپس ہوئے تو آپ کو پیٹ میں تکلیف ہوئی ؛ اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوگیا۔آپ کوغسل دینے کے لیے ہمیں پانی نہیں ملا۔ہم نے آپ کوآپ کے کپڑوں میں لپیٹ کر دفن کردیا۔جب ہم تھوڑی دور چلے تو ہمیں بہت زیادہ پانی ملا۔ہمارے بعض ساتھی آپس میں کہنے لگے : چلو واپس چلتے ہیں اور آپ کونکال کرغسل دیتے اور پھر دفن کرتے ہیں ۔ چنانچہ ہم واپس پلٹے تو ہمیں تلاش بسیار کے باوجود آپ کی قبر نہیں ملی ۔ پھر ہمارے ایک ساتھی نے بتایا کہ میں نے آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے:

((اللہ ! یا علیم یا حکیم یا علي العظیم ! اخف حُفرتي و لا تطلع علی عورتي أحداً . ))

''یااللہ ! اے علیم وحکیم ! اے عالیشان اورعظمت والے رب! میری قبر کوخفیہ رکھنا ؛ اورکسی کو میرے ستر پر مطلع نہ کرنا۔'' تو پھر ہم آپ کوایسے ہی چھوڑ کر واپس آ گئے ۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بہت ساری دعائیں کیں جو کہ قبول ہوئیں۔آپ بلال اوراس کے گروہ سے زمین کی تقسیم کے بارے میں تنازعہ ہوگیا تو آپ نے دعا کی:''اے اللہ بلال اوراس کے گروہ کے لیے کافی ہوجاء۔''

ابھی ایک سال کا عرصہ بھی اس دعا کونہیں گزرا تھا کہ اس گروہ میں سے ایک آنکھ بھی کھلی نہیں رہی۔اورآپ نے یہ دعا بھی کی تھی:''اے اللہ ! میری عمر بڑی ہوگئی ہے؛اورمیری رعایا پھیل چکی ہے۔ مجھے حقوق کے ضائع ہونے اورفتنہ میں مبتلا ہونے سے پہلے اپنی طرف بلالے۔'' تو پھر اسی سال آپ کوشہید کردیا گیا۔

اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ابن ابی دنیا نے مستجاب الدعوات لوگوں کے بارے میں ایک مکمل کتاب لکھی ہے۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو قصے مذکور ہیں ؛ ان کی کوئی ایسی سند نہیں ذکر کی گئی جس کی وجہ سے ان کا صحیح ہونا معلو ہو۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں سے بعض باتیں جھوٹی بھی ہیں جیسے حضرت انس کے لیے برص کی اور حضرت زید بن ارقم کے لیے اندھا ہونے کی بد دعا۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



# فصل :......[جنگ حنین]

رافضی نے کہا ہے: ساتواں واقعہ: جب آپ صفین کی طرف نکلے تو آپ کے ساتھیوں کو بہت سخت پیاس لگ گئی۔ آپ وہاں سے تھوڑا آگے نکلے تو آپ کو ایک ڈیرہ[ گرجا] نظر آیا۔ آپ نے صاحب خانہ کو آواز دیکر پانی مانگا۔ اس نے جواب دیا: میرے اور پانی کے درمیان چھ میل سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ اور اگر مجھے ہر مہینے بقدر کفایت چند قطرے نہ دیے جاتے تو میں پیاس سے مر جاتا۔ امیر المؤمنین نے اس ڈیرہ کے قریب ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور اس جگہ کو کھودنے کا حکم دیا۔ (جب کھدائی شروع ہوئی تو) وہاں پر بہت بڑی چٹان نکل آئی۔ لوگ اس چٹان کو ہٹانے سے عاجز آ گئے۔ تو آپ نے اکیلے ہی اس چٹان کو ہٹا دیا۔ پھر لوگوں نے وہاں سے پانی پیا۔ تو وہ راہب اتر کر ان کے پاس آ گیا اور کہا: آپ نبی رسول ہیں یا کوئی مقرب فرشتہ؟ آپ نے فرمایا: نہیں میں رسول اللہ ﷺ کا وصی ہوں۔ تو وہ راہب آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ اور کہا: یہ ڈیرہ ( گرجا گھر) اس چٹان کے طلب گار پر بنایا گیا ہے۔ اس کے نیچے سے پانی کا راستہ ہے۔ مجھ سے پہلے ایک جماعت گزر چکی ہے۔ مگر وہ اس کو نہیں پا سکے۔ یہ راہب بھی ان لوگوں میں سے جو آپ کے ساتھ شہید کیے گئے تھے۔ اس قصہ کو سید حمیری نے اپنے قصیدہ میں نظم بند کیا ہے۔

**جواب** : یہ قصہ بھی اپنے سے ماقبل کے ان جھوٹے واقعات کی جنس سے ہے جنہیں جاہل لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے مناقب میں سے شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ ایسے نہیں ہے۔ بلکہ جس انسان نے یہ قصہ گھڑا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل اور مستحق مدح سرائی سے جاہل ہے۔ اس نے جو منقبت کی بات بنائی ہے کہ آپ نے ایک چٹان کی طرف اشارہ کیا اور اس کے نیچے پانی مل گیا اور آپ نے اکیلے ہی وہ چٹان وہاں سے ہٹا دی۔ ایسا تو باقی مخلوق میں سے بہت سارے لوگوں کے ساتھ پیش آ جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ان سے بہت افضل ہیں۔ بلکہ حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے محبین میں ہزاروں لوگ ایسے ہیں جن کے لیے اس قسم کے کئی گنا زیادہ واقعات پیش آئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سے حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ اگر ایسے واقعات بعض صالحین کے ہاتھوں پر پیش آتے ہیں تو یہ اللہ تعالی کی طرف سے نعمت اور ان کے لیے کرامت ہے۔ اور اس طرح کے واقعات ان لوگوں کے ہاتھوں بھی پیش آ جاتے ہیں جو صالحین میں سے بھی نہیں ہیں۔

باقی جو اس نے یہ گرجا بنانے کا قصہ لکھا ہے کہ: اس چٹان کے طالب پر بنایا گیا ہے اور اس کے نیچے پانی کا راستہ ہے۔

سو یہ چیز مسلمانوں کے دین میں نہیں۔ گرجے کنیسے صومعات اور معبد اپنے پیش رو لوگوں کے نام پر بنانا نصاری کا طریق کار ہے۔ جب کہ مسلمان اپنی مساجد جن کو بلند کرنے اور ان میں اللہ کے نام کا ذکر کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے صرف اللہ کے نام پر بناتے ہیں مخلوق میں سے کسی ایک کے نام پر نہیں بناتے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



راہب کا یہ کہنا: آپ نبی مرسل ہیں یا ملک مقرب اس کی جہالت پر دلالت کرتا ہے نیز یہ کہ وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے جاہل اور گمراہ انسان تھا۔(اس کو اتنا علم نہیں تھا کہ ) فرشتے پانی نہیں پیتے اور نہ ہی اسے چٹان کے نیچے سے پانی نکالنے کی ضرورت پڑتی ہے۔اور یہ کہ محمد کے بعد کوئی بھی نبی نہیں۔اور یہ بھی معلوم شدہ بات ہے کہ اس راہب تک مسلمانوں کی خبر اس علاقے کے فاتحین کے ذریعہ پہنچ چکی ہوگی۔اگر یہ پادری عیسی علیہ السلام کے بعد کسی رسول کے آنے کو جائز سمجھتا ہوتا تو پھر محمد ہی اللہ کے رسول تھے۔اور آپ کے معجزات ظاہری و باطنی موجود تھے۔اگر وہ ان کی تصدیق کرتا تو اسے علم ہوتا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔اور اگر وہ اس کی تصدیق نہیں کرتا تو پھر کسی دوسرے کے متعلق صرف چٹان کے نیچے پانی نکالنے کی بنا پر یہ اعتقاد کیسے رکھ سکتا ہے کہ وہ نبی مرسل ہے۔یا یہ گرجا اسی کے نام پر بنایا گیا ہے۔جب کہ وہ اپنے گرجا گھر بہت سارے ایسے لوگوں کے ناموں پر بناتے ہیں جو نہ ہی نبی ہیں اور نہ ہی رسول۔

نیز اس میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول درج ہے کہ :نہیں؛ لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی ہوں۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کھلا ہوا جھوٹ اور بہتان ہے۔اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی اس طرح کا کوئی دعوی نہیں کیا۔نہ ہی خلفاء ثلاثہ کی خلافت میں اور نہ ہی صفین کے لیل ونہار میں۔ بلکہ آپ اپنے مخالفین کے ساتھ مناظرے کیا کرتے تھے ان کے الزامات کا جواب دیتے۔مگر آپ نے کبھی خود یہ دعوی کیا اور نہ ہی کسی نے آپ کے لیے یہ دعوی کیا۔ جب حکمین کو قاضی اور فیصل بنایا گیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج کیساتھ مناظرہ کے لیے بھیجا تو وہاں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب اور سبقت اسلامی بیان کی گئی مگر کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ اس وقت ہمت اور اسباب اس روایت کو بیان کرنے کے موجود تھے۔اور اگر ان اسباب کے بغیر بھی اسے روایت کیا جاتا تو بھی حق تھا۔تو پھر ان اسباب کی موجودگی اس کے بیان کا فائدہ ہی کچھ اور تھا۔محدثین کرام رحمہم اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب نقل کیے ہیں۔مثلاً: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ:

(( لأعطين الراية غداً رجلاً يحب الله و رسوله و يحبه الله و رسوله . ))

''کل میں یہ جھنڈا ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے' اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔'' [رواه البخاري ٥/ ١٨]

اور تبوک کے موقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

(( ألا ترضى أن تكون مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ إلا أنه لا نبي بعدي))

''کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی؛ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:'' اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْكَ ۔''

''تم مجھ سے ہو' اور میں تجھ سے ہوں۔'' [سبق تخريجه]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



ان کے علاوہ دیگر بھی فضائل ہیں ؛ مگر انہیں انتہائی ضرورت کے باوجود یہاں پر نقل نہیں کیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب جو دعوی ذکر کیا گیا ہے' اس کے بارے میں طے شدہ بات ہے کہ وہ سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔

## فصل :....... [حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جنات سے جنگ]

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: آٹھویں دلیل: ''جمہور سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی المصطلق کی طرف روانہ ہوئے تو ایک دشوار گزار وادی میں سے گزرے۔ وادی وعر کے قریب انہیں رات ہوگئی۔ جبریل نے آ کر اطلاع دی کہ اس وادی میں جنات کا ایک ٹولہ پوشیدہ ہے اور وہ آپ پر حملہ کرنا اور آپ کے اصحاب میں شر پھیلانا چاہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان پر تعوذ پڑھی ؛ اس وادی میں اترنے کا حکم دیا اور آپ نے ان کو تہہ تیغ کر دیا۔''

**[جواب]** ہم کہتے ہیں : پہلی بات تو یہ ہے کہ : جنوں کو ہلاک کرنا اتنا بڑا کارنامہ نہیں ، ہمارا ایمان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام اس سے کہیں بلند تھا ؛ اس قسم کے کام وہ لوگ بھی کر لیتے ہیں جو بہت ادنی درجہ کے ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے جسے تمام اہل علم و محدثین جانتے ہیں کہ یہ واقعہ خود ساختہ اور جھوٹا ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جھوٹ بولا گیا ہے۔ غزوہ بنی مصطلق میں اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

❀ شیعہ مصنف کا یہ دعوی کہ : ''اسے جمہور نے روایت کیا ہے۔'' اگر اس سے مراد یہ ہے کہ ثابت شدہ اسناد کے ساتھ مروی ہے' یا پھر کسی ایسی کتاب میں ہے جس میں نقل شدہ روایات پر اعتماد کیا جاتا ہے ؛ یا پھر کسی ایسے عالم نے اسے صحیح کہا ہو جس کی تصحیح قبول کی جاتی ہو' تو پھر ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اور اگر اس سے مراد یہ ہو کہ جمہور علماء نے اسے روایت کیا ہے تو پھر ایسا کہنا کورا جھوٹ ہے۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ ایسے لوگوں نے روایت کیا ہے جن کی روایت سے حجت قائم نہیں ہوسکتی ؛ تو پھر اس روایت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

❀ یہ اسی قسم کا من گھڑت واقعہ ہے جیسے شیعہ کا ساختہ پرداختہ یہ قصہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چاہ ذات العلم میں جنوں سے لڑائی کی تھی۔'' اہل علم کے ہاں یہ قصہ من گھڑت ہے۔ [اس قسم کے خود ساختہ واقعات ہمارے نزدیک قبول نہیں ہو سکتے۔ ہوسکتا ہے کہ شیعہ انھیں تسلیم کر لیں ]

ہماری نگاہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا منصب و مقام اس سے کہیں بلند تر تھا کہ جنات آپ کے مقابلہ میں ٹھہر سکتے۔ کسی انسان نے کبھی جنوں سے مقابلہ نہیں کیا۔ بلکہ اہل ایمان جنات کفار جنات سے قتال کیا کرتے تھے۔

کسی شیعہ نے مشہور محدث ابو البقاء خالد بن یوسف نابلسی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنوں سے لڑائی کے بارے میں دریافت کیا ؛ تو انھوں نے کہا گروہ شیعہ عقل و خرد سے کس قدر بے گانہ ہے۔ تمھیں اتنی بھی عقل نہیں؟ اچھا یہ بتاؤ، عمر رضی اللہ عنہ افضل تھے یا علی رضی اللہ عنہ ؟ شیعہ نے جواباً کہا ''علی'' وہ کہنے لگے ، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں

www.KitaboSunnat.com



فرمایا تھا کہ جب عمر رضی اللہ عنہ ایک راہ پر چلتے ہیں تو شیطان وہ راستہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرتا ہے۔'' جب شیطان عمر رضی اللہ عنہ سے دم دبا کر بھاگتا تھا تو اس کی اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیوں کر لڑ سکے گی؟

نیز یہ کہ شیاطن اور جنات کے ساتھ مقابلہ کے واقعات حضرات ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین میں بھی بہت کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں؛ جن کا یہاں پر ذکر کرنا کتاب کی طوالت کا باعث بنے گا۔

محدث ابن الجوزی رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنوں سے نبرد آزمائی کے بارے میں ایک طویل روایت بیان کی ہے۔صلح حدیبیہ کے سال حج کے موقع پر یہ واقعہ پیش آیا۔ اور چاہ ذات العلم پر یہ لڑائی ہوئی۔ انہوں نے ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد سامری کی سند سے روایت کیا ہے' وہ عبداللہ بن احمد سکونی سے' وہ عمارہ بن یزید سے ؛ وہ ابراہیم بن سعد سے ؛ وہ محمد بن اسحٰق سے؛ ان سے یحیٰی بن عبیداللہ بن الحارث نے اپنے باپ سے حدیث بیان کی' وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے سال حج کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عازم مکہ ہوئے تو لوگوں کو سخت گرمی اور پیاس لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی لوگ اسی سخت پیاس کے عالم میں جحفہ کے مقام پر اترے اور فرمایا:

> ''جو شخص چند آدمیوں کی معیت میں اپنی مشکیں لے جا کر چاہ ذات العلم سے پانی سے بھر لائے؛ اللہ کا رسول اس کے لیے جنت کا ضامن ہوگا۔''

پھر طویل حدیث بیان کی اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ نے اپنے صحابہ میں سے ایک دوسرے صاحب بھی بھیجے؛ مگر وہ جنوں سے ڈر کر واپس آ گئے، پھر ایک اور صاحب بھیجے؛ اور انہیں کچھ شعر بھی پڑھ کر سنائے' مگر وہ بھی جنات سے خوف کھا کر واپس آ گئے۔ پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا، وہ انتہائی خطرہ کے باوجود پانی کی مشکیں بھر لائے۔ آپ نے فرمایا: ''جس جن نے آپ کو آواز دی تھی وہ سماعہ بن غراب تھا جس نے دشمن اللہ اصنام قریش کے شیطان مسعر نامی کو واصل جہنم کیا تھا۔''

وہ بتوں کے اندر سے قریش سے باتیں کیا کرتا تھا۔ وہ میری آواز سے ڈر گیا تھا۔

ابن الجوزی کہتے ہیں، یہ روایت موضوع اور محال ہے، اس روایت میں الفنید و محمد بن جعفر و سکونی تینوں مجروح راوی ہیں۔ ابوالفتح اودی کہتے ہیں، اس حدیث کی سند میں عمارہ بھی ہے جو حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔

میں کہتا ہوں: ابن اسحٰق جو کہ اسے لوگوں سے روایت کرتا ہے' خود اس کی کتابوں میں اس قسم کی کوئی حدیث نہیں ہے۔

## فصل:...... [حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے رجوع آفتاب اور اس پر ردّ]

**[اشکال]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: نویں دلیل: ''دو مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سورج کو لوٹایا گیا تھا۔ ایک مرتبہ رجوع آفتاب کا واقعہ عہد رسالت میں پیش آیا۔ اور دوسری بار اس کے بعد۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



❀ پہلی بار:...... حضرت جابر و ابوسعید رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ جبرائیل نازل ہو کر اللہ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھے۔ جب وحی نے آپ کو ڈھانک لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ران پر سر رکھے لیٹے رہے، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشارہ سے عصر کی نماز ادا کی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ سورج کو لوٹا دے تاکہ آپ کھڑے ہو کر عصر کی نماز پڑھ سکیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے آفتاب واپس آ گیا اور آپ نے عصر کی نماز پڑھی۔

❀ دوسری مرتبہ:...... رجوع آفتاب کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ بابل کے مقام پر دریائے فرات کو عبور کرنا چاہتے تھے۔ آپ کے رفقا اپنے مویشیوں کے ساتھ مصروف ہو گئے۔ اسی دوران آپ نے چند ساتھیوں کے ساتھ نماز عصر ادا کر لی، جو ساتھی نماز ادا نہ کر سکے تھے جب انھوں نے شکوہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رجوع آفتاب کے لیے دعا کی۔ چنانچہ سورج لوٹ آیا۔ سعید حمیری نے یہ واقعہ نظم میں بیان کیا ہے:

رُدَّتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ لَمَّا فَاتَهٗ ... وَقْتُ الصَّلٰوةِ وَ قَدْ دَنَتْ لِلْمَغْرِبِ
حَتّٰی تَبَلَّجَ نُوْرُهَا فِیْ وَقْتِهَا ... لِلْعَصْرِ ثُمَّ هَوَتْ هُوِیَّ الْكَوْكَبِ
وَ عَلَیْهِ قَدْ رُدَّتْ بِبَابِلَ مَرَّةً ... اُخْرٰی وَ مَا رُدَّتْ لِخَلْقٍ مَغْرِبِ

''جب آپ کی نماز عصر کا وقت فوت ہو گیا اور مغرب کا وقت قریب آ گیا۔ یہاں تک کہ سورج کا نور اپنے وقت عصر کے مطابق چمک گیا۔ پھر ستاروں کی طرح اتر گیا۔ اور آپ کے لیے ہی شہر بابل میں ایک بار پھر سورج کو لوٹایا گیا تھا؛ حالانکہ غروب ہونے کے بعد کسی پر سورج کو لوٹایا نہیں جاتا۔''

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضل و کمال پر جو یقین ہمیں حاصل ہے، وللہ الحمد ۔ اور یہ فضل و منزلت ایسی اسناد کے ساتھ ثابت ہے جو علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں۔ ان اسناد کی موجودگی میں کوئی اس دروغ گوئی کا محتاج نہیں۔ عہد رسالت میں رجوع آفتاب کا واقعہ طحاوی رحمہ اللہ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بالفاظ دیگر نقل کیا ہے اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شمار کیا ہے۔ مگر محققین اہل علم اور ماہرین فن جانتے ہیں کہ یہ واقعہ صحیح نہیں۔ یہ روایت ابن الجوزی رحمہ اللہ نے موضوعات نقل کی ہے' اس نے ابو جعفر العقیلی کی کتاب الضعفاء سے عبید اللہ بن موسیٰ کی سند روایت کی ہے۔ اس نے فضیل بن مرزوق سے اور اس نے ابراہیم بن الحسن بن حسن سے اس نے فاطمہ بنت حسین سے اس نے اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی جارہی تھی اور آپ کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غروب آفتاب تک عصر کی نماز ادا نہ کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''اے علی! کیا نماز پڑھ لی ہے؟''

تو انہوں نے عرض کی: نہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ! بیشک علی تیری اور تیرے رسول کی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اطاعت میں مشغول تھا تو اس کے لیے سورج کو لوٹا دے۔'' حضرت اسماء کا بیان ہے کہ: میں نے دیکھا کہ آفتاب غروب ہو چکا تھا، پھر میں نے دیکھا کہ وہ غروب ہونے کے بعد دوبارہ طلوع ہو گیا۔''

ابن الجوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''یہ روایت بلاشبہ موضوع ہے۔ اس کی سند کے راویوں میں اضطراب ہے۔ سعید بن مسعود نے عبیداللہ بن موسیٰ سے روایت کیا ہے وہ فضیل بن مرزوق سے اور وہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار سے وہ علی بن الحسین رحمہ اللہ سے وہ فاطمہ بنت علی اور وہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں۔

فضیل بن مرزوق کو یحییٰ رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

ابو حاتم بن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: فضیل موضوعات روایت کرتا اور ثقات سے غلط بیانی کا ارتکاب کرتا ہے۔

ابوالفرج رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس روایت کا انحصار عبیداللہ بن موسیٰ پر ہے۔

میں کہتا ہوں: مشہور یہ ہے کہ سعید بن مسعود نے عبیداللہ بن موسیٰ سے روایت کیا ہے وہ فضیل بن مرزوق سے اور وہ ابراہیم بن الحسن سے وہ فاطمہ بنت علی اور وہ اسماء بنت عمیس سے روایت کرتی ہیں۔

دوسری سند سے محمد بن مرزوق نے حسین الاشقر سے روایت کیا ہے وہ علی بن عاصم سے وہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار سے وہ علی ابن حسین وہ فاطمہ بنت علی سے اور وہ اسماء بنت عمیس سے روایت کرتی ہیں۔ جیسا کہ اس کا ذکر آئے گا۔

ابوالفرج رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ: یہ حدیث ابن شاہین نے روایت کی ہے۔ [اس کی سند یہ ہے]:

((حدثنا محمد بن سعيد الهمداني حدثنا احمد بن يحي الصوفي' حدثنا عبد الرحمن بن شريك حدثني أبي؛ عن عروة بن عبد الله بن قشير . ))

عروہ بن عبداللہ بن قُشَیر کہتے ہیں میں فاطمہ بنت علی بن ابی طالب کے پاس گیا، تو انھوں نے مجھے رجوع آفتاب کا واقعہ سنایا

ابوالفرج رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ روایت باطل ہے۔

ابو حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی اسناد میں عبدالرحمٰن ابن شریک انتہائی ضعیف راوی ہے۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرے نزدیک اس کی اسناد میں ابن عقدہ متہم بالکذب ہے، وہ رافضی تھا اور صحابہ کے معائب بیان کیا کرتا تھا۔

ابو احمد ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ابوبکر بن ابی طالب کو یہ کہتے سنا کہ: ''ابن عقدہ حدیث نبوی پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔'' یہ شیوخ [1] کوفہ کو جھوٹی روایات بیان کرنے پر آمادہ کیا کرتا تھا۔ ان کے لیے جھوٹ گھڑتا اور پھر انہیں

---

[1] ابن عقدہ کا نام احمد بن محمد سعید کوفی (۲۴۹-۳۳۳) ہے اس کا ترجمہ میزان الاعتدال (۱/ ٦٤) نیز تذکرۃ الحفاظ (۳/ ٥٥) پر مذکور ہے شیعہ کی تصانیف میں بھی اس کا ترجمہ مندرج ہے۔ (دیکھیں: تنقیح المقال ۱/ ۸۵) شیعہ اس کے امامیہ ہونے کی نفی کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ زیدی جارودی تھا۔ تاہم وہ اسے صرف اس لیے الفت و مودّت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ اس کا سینہ عداوت صحابہ سے معمور تھا۔ وہ مناقب صحابہ سے اعراض کر کے جھوٹے نقائص و معائب بیان کیا کرتا تھا۔ شیعہ کی مشہور کتاب الحادی میں لکھا ہے کہ وہ فاسد المذہب ہونے کے باوجود ثقہ ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



روایت کرنے کا حکم دیتا تھا۔ ہم نے کئی مشائخ سے اس کی تصدیق کر کے اس پر یقین کیا ہے۔ جب امام دار قطنی رحمہ اللہ علیہ سے ابن عقدہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: ''وہ برا آدمی ہے۔''

اس کی اسناد میں داؤد بن فراہیج ہے جس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام شعبہ نے اس داؤد کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ❶

میں کہتا ہوں: ''اس کی سند میں کوئی بھی راوی ایسا نہیں جس سے کسی ادنی مسئلہ میں بھی احتجاج کیا جا سکتا ہو۔

دوسری بار: بابل میں [سورج کی واپسی]۔ اس روایت کے جھوٹ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ حمیری کے شعر کہنے میں کوئی دلیل نہیں۔ اس لیے کہ اس نے خود اس کا مشاہدہ نہیں کیا۔ جھوٹ بہت پرانا ہے۔ اس نے بھی کسی سے یہ [جھوٹ] سن لیا ہوگا اور پر شعر کہہ دیے ہوں گے۔ غالی لوگ مدح و ذم میں ایسی چیزوں کو شعری شکل میں پرو دیتے ہیں کہ ان کی صحت تحقیق کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی۔ خصوصاً جب کہ حمیری ✽ غلو کرنے میں معروف ہے۔

## بعض انبیاء علیہم السلام کے لیے رجوع آفتاب:

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی نے جہاد کیا؛ اور اپنی قوم سے انہوں نے فرمایا: ''جس آدمی نے ابھی شادی کی ہو اور اس نے ابھی تک شب زفاف نہ گزاری ہو اور وہ یہ چاہتا ہو کہ اپنی بیوی کے ساتھ رات گزارے تو وہ آدمی میرے ساتھ نہ چلے۔ اور نہ ہی وہ آدمی میرے ساتھ چلے کہ جس نے مکان بنایا ہو اور ابھی تک اس کی چھت نہ ڈالی ہو۔ اور میرے ساتھ وہ بھی نہ جائے جس نے بکریاں اور گابھن اونٹیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ جننے کا انتظار میں ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ: ''اس نبی علیہ السلام نے جہاد کیا' اور ایک گاؤں کے قریب آئے؛ وہاں عصر کی نماز پڑھی۔ تو انہوں نے سورج سے کہا تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں۔ یا اللہ! اس سورج کو کچھ دیر مجھ پر روک دے پھر سورج کو ان پر روک دیا گیا؛ یہاں تک کہ اللہ نے ان کو فتح عطا فرمائی۔'' ❷

---

❶ المنتقی میں علامہ ذہبی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ''یہ صحیح نہیں کہ داؤد نے یہ روایت بیان کی ہے۔ یزید نوفلی نے یہ روایت داؤد سے نقل کی ہے اور یزید ضعیف راوی ہے۔ یزید سے اس کا بیٹا یحیٰی روایت کرتا ہے وہ بھی ضعیف ہے۔ سیدنا علی کے لیے رجوع آفتاب کے بارے میں دیکھیے مختصر تحفه اثنا عشریه، ص: ۱۸۵۔ ۱۸۷، حوالہ مذکور میں محدث ابن حزم کا کلام قابل ملاحظہ ہے۔

✽......حمیری: اسماعیل بن محمد بن یزید بن ربیعہ حمیری رافضی شاعر تھا' ۱۰۵ ہجری میں پیدا ہوا اور ۱۷۹ ہجری میں وفات پائی۔ ابن حجر کہتے ہیں: انتہائی خبیث رافضی تھا۔ دار قطنی کہتے ہیں: اپنے شعروں میں صحابہ کرام پر طعن کرتا اور حضرت علی کی مدح کیا کرتا تھا۔ شہرستانی نے اسے مختاریہ کیسانیہ میں سے شمار کیا ہے۔ یہ مختار بن ابو عبید ثقفی کے وہ ساتھی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد محمد بن حنفیہ کی امامت کے قائل ہیں۔ اس کے حالات زندگی جاننے کے لیے دیکھیں: لسان المیزان ۱/ ۴۳۶۔ البدایة والنهایة ۱۰/ ۱۷۳۔ الملل والنحل ۱/ ۱۳۳۔

❷ مسند احمد (۲/ ۳۱۸، ۳۲۵)، صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''احلت لکم الغنائم'' (حدیث: ۳۱۲۴)، صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب تحلیل الغنائم لهذه الامة خاصة، (حدیث: ۱۷۴۷)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اگر سوال کیا جائے کہ یہ امت تو بنی اسرائیل سے افضل ہے۔اگر سورج کو یوشع علیہ السلام کے لیے واپس کردیا گیا تھا تو پھراس امت کے فضلاء کے لیے واپس کیے جانے میں کونسا حرج ہے؟

تو ہم جواباً کہیں گے کہ: آفتاب لوٹایا نہیں گیا تھا، بلکہ دن کو لمبا کردیا گیا تھا؛ اوراس طرح آفتاب دیر سے غروب ہوا۔بعض دفعہ لوگوں کے لیے یہ چیز ظاہر نہیں ہوتی۔اس لیے کہ دن کی چھوٹائی ، بڑائی کا احساس نہیں ہوتا۔ یوشع علیہ السلام کے لیے دن ٹھہر جانے کا علم ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نص کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔[اگر نص سے آفتاب کا لوٹ آنا ثابت ہوجائے تو ہمیں اس کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں]۔

مزید برآں کہ دن کے لمبا کیے جانے میں کوئی مانع بھی نہیں ہے۔اگر اللہ تعالیٰ ایسا کرنا چاہے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کو رجوع آفتاب کی ضرورت تھی،اس لیے کہ غروب آفتاب کے بعد ہفتہ کا آغاز ہورہا تھا، جس میں لڑائی حرام تھی۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ہفتہ کی رات اور ہفتہ کا دن کام کرنا حرام کردیا تھا۔[اس لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ سورج لوٹ آئے تو حضرت یوشع اپنے مشن کی تکمیل کرسکیں]۔بخلاف ازیں امت محمدیہ میں اس چیز کی کوئی ضرورت نہیں تھی،اور نہ ہی ایسا کرنے میں کوئی فائدہ ہے۔اس لیے کہ سہل انگاری کی بنا پر جس کی نماز عصر فوت ہوجائے تو اس کا یہ گناہ توبہ سے معاف ہوجائے گا۔اور توبہ کے لیے سورج کے واپس کیے جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی ۔اور اگر اس میں وہ بے قصور ہے مثلاً سویا رہا یا بھول گیا تو وہ بڑی آسانی سے بعد از غروب فوت شدہ عصر ادا کرسکتا ہے۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ غروب آفتاب کے ساتھ عصر کا وقت جاتا رہتا ہے بالفرض اگر سورج لوٹ آئے اور کوئی شخص رجوع آفتاب کے بعد نماز عصر ادا کرے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ اس نے عصر کی نماز اصلی وقت پر ادا کی۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَ قَبۡلَ غُرُوۡبِہَا ﴾

''اور اپنے پروردگار کی تسبیح اور تعریف بیان کرتا رہ،سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے، رات کے مختلف وقتوں میں بھی اور دن کے حصوں میں بھی تسبیح کرتا رہ۔''[طٰہ۱۳۰]۔

اس میں مغرب کا مشہور وقت مراد ہے۔انسان پر لازم ہے کہ اس غروب آفتاب سے پہلے مغرب کی نماز پڑھ لے۔ جب سورج طلوع ہوا اور پھر غروب ہو۔اسی طرح غروب آفتاب کے ساتھ روزہ کا افطار کرنا اور نماز مغرب ادا کرنا درست ہوتا ہے۔اب بار ثانی آفتاب کے طلوع پذیر ہونے سے افطار کرنے والے کا روزہ فاسد نہیں ہوگا[ اور اس کی نماز باطل نہیں ہوجائے گی] یہ ایک فرضی بات ہے جو کبھی وقوع پذیر نہیں ہوئی اور نہ ہی کبھی ہوگی۔پھر اس کو مقدر ماننا ایسی چیز کو مقدر ماننا ہے جس کا کوئی وجود ہی نہیں۔یہی وجہ ہے کہ فروعات میں کلام کرنے والے علماء کے ہاں اس جیسی مثالوں کے بارے میں کوئی حکم نہیں ملتا۔

نیز غزوۂ خندق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عصر فوت ہوگئی تھی۔آپ نے کثیر صحابہ کی معیت میں بصورت قضاء ادا کی تھی۔اور رجوع آفتاب کی دعا نہ فرمائی،[ حالانکہ آپ کو اس سے بڑا دکھ ہوا،اور آپ نے اس سے روکنے والے کفار

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کے حق میں بد دعا بھی فرمائی تھی۔ ❶ اس بات کا احتمال ہے کہ آفتاب بادل کے نیچے چھپا ہوا ہو اور پھر نمودار ہو گیا ہو تو انھوں نے سمجھا کہ دوبارہ طلوع ہوا ہے]۔

صحیح بخاری میں ہے نبی کریم ﷺ نے جب غزوہ خندق کے بعد صحابہ کرام کو بنی قریظہ کی طرف بھیجا تو فرمایا:

''تم میں ہر کوئی نماز عصر بنی قریظہ کے پاس پہنچ کر پڑھے؛ مگر نماز کا وقت راستہ ہی میں آ گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا: ''ہم تو وہیں پہنچ کر نماز پڑھیں گے۔'' بعض نے کہا کہ: ''ہم تو پڑھ لیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا مطلب یہ نہیں تھا کہ نماز قضا کر دی جائے۔'' جب آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بتایا گیا تو آپ ﷺ نے کسی سے کچھ نہیں فرمایا۔'' [سبق تخریجه]

پس یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے جنھوں نے سورج غروب ہونے کے بعد نماز عصر ادا کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے افضل تو نہیں ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے غروب آفتاب کے بعد نماز عصر پڑھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ایسا کرنے کے زیادہ مستحق تھے۔

اگر غروب آفتاب کے نماز جائز نہیں تھی یا ناقص تھی تو رسول اللہ ﷺ اس بات کے زیادہ حق دار تھے کہ آپ کے لیے سورج کو واپس لایا جاتا۔ اور اگر نماز کامل اور جائز تھی تو پھر سورج کی واپسی کی ضرورت نہیں تھی۔

مزید برآں اس جیسے خارج از عادات قضایا اور امور عظیمہ، جن کو نقل کرنے کے اسباب اور ہمتیں موجود ہوں، اگر پیش آئے ہوتے تو لوگ ضرور اسے نقل کرتے۔ جب ایک دو افراد کے علاوہ کسی نے بھی اس کو نقل نہیں کیا تو اس سے اس روایت کا جھوٹ ہونا معلوم ہو گیا۔

انشقاق قمر کا واقعہ رات کو لوگوں کے سونے کے وقت میں پیش آیا، مگر اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے کئی طرح سے نقل کیا ہے۔ اور اس واقعہ کو صحاح، سنن، اور مسانید کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی کئی اسناد کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ اور اس کے بارے میں قرآن بھی نازل ہوا۔ تو پھر سورج کی واپسی، جو کہ دن کے وقت میں پیش آنے والا واقعہ ہے؛ اسے اتنی شہرت نہ ملے اور نہ ہی اہل علم لوگ اسے روایت کریں؟ [عجیب بات ہے] ❷

یہ بات کبھی بھی معلوم نہیں ہو سکی کہ سورج غروب ہونے کے بعد واپس پلٹا ہو۔ اگرچہ بہت سارے فلاسفہ، نیچری اور اہل کلام انشقاق قمر کا اور اس جیسے دیگر معجزات کا بھی انکار کرتے ہیں مگر اس کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔ یہاں پر بیان

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الخندق (حدیث: ۴۱۱۱، ۴۱۱۲)، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب الدلیل لمن قال الصلاة الوسطی ......" (حدیث: ۶۲۷۔۶۳۱)۔

❷ مشرکین کے معجزہ طلب کرنے پر چاند دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ پیش آیا تھا۔ جسے بڑی تعداد میں صحابہ نے روایت کیا ہے۔ البخاری، کتاب المناقب، باب سؤال المشرکین أن یریهم النبی ﷺ آیة۔ وفی هذا الباب عبدالله بن مسعود، وانس بن مالک وابن عباس وغیرهم۔ بخاری کتاب مناقب الانصار، باب انشقاق القمر۔ کتاب التفسیر، سورة اقترب الساعة۔ مسلم کتاب صفات المنافقین و أحکامهم؛ باب انشقاق القمر۔ سنن الترمذی کتاب التفسیر، باب سورة القمر۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ واقعہ افلاک میں سب سے بڑی نشانی اور خارق عادت ہوتا ؛ اور بہت سارے لوگ اس کے امکان کا انکار کرتے ؛ اور اگر ایسا پیش آیا ہوتا تو اس کو نقل کرنے والے اس تعداد سے زیادہ ہوتے جو تعداد اس سے کم درجہ کے واقعات کو نقل کرتی ہے۔ اور پھر اس واقعہ کو قبول بھی کیسے کیا جاسکتا ہے جب کہ اس کی کوئی مشہور سند ہی نہیں۔ اس سے یہ علم یقینی طور پر حاصل ہوجاتا ہے کہ یہ سارا من گھڑت واقعہ ہے جو کہ پیش نہیں آیا۔

ہاں اگر ایسا ہوا تھا کہ سورج بادلوں میں چھپ گیا تھا' اور پھر بادل چھٹ جانے کے بعد نظر آنے لگا تو یہ عام سی بات ہے ؛ شاید لوگوں نے اسے غروب آفتاب گمان کرلیا ہو' اور پھر بادل چھٹ گئے ہوں۔ اور اگر ایسا واقعہ بھی پیش آیا تو تھا تو اس میں صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عیاں کردیا کہ ابھی وقت باقی ہے اور نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ ایسے واقعات تو بہت سارے لوگوں کے لیے پیش آتے ہیں۔

## رجوع آفتاب کی حدیث کی سند پر بحث:

اس حدیث کے بارے میں مصنفین نے کتابیں لکھی ہیں جن میں اس کی اسناد کو جمع کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک تصنیف ابوالقاسم عبداللہ بن عبداللہ ابن احمد الحکانی کی ہے۔ اس کا نام ہے'' مسألة تصحیح رد الشمس و ترغیب النواصب الشمس۔'' انہوں نے کہا ہے: یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے باسناد اسماء بنت عمیس الخعثمیہ ،حضرت علی بن ابی طالب' اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم اجمعین روایت کی گئی ہے۔

اسماء کی روایت محمد بن ابی فدیک نے نقل کی ہے۔ اس نے کہا ہے:

((أخبرني محمد بن موسیٰ -هو القطري- عن عون بن محمد عن أمه -أم جعفر- عن جدتها أسماء بنت عميس أن النبي ﷺ صلى الظهر ثم أرسل علياً في حاجة -رجع وقد صلى النبي ﷺ يعني العصر- فوضع رأسه في حِجر علي ولم يحركه حتّى غابت الشمس......))

اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

'' نبی ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی کام سے بھیجا۔ جب آپ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھ لی تھی۔ سو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں اپنا سر رکھا [اور سو گئے ؛ اور] کوئی حرکت نہیں کی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ ! تیرا بندہ علی تیرے نبی کی وجہ سے رکا رہا اور نماز ادا نہ کرسکا، براہِ کرم آفتاب کو لوٹا دے، تاکہ وہ نماز ادا کرسکے۔ اسماء کا بیان ہے کہ آفتاب دوبارہ نمودار ہوگیا، یہاں تک کہ وہ زمین اور پہاڑوں پر نظر آنے لگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضوء کرکے عصر کی نماز پڑھی۔''

اس کتاب کے مصنف ابوالقاسم نے کہا ہے کہ:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



اس کی اسناد میں ام جعفر[عون کی ماں] محمد بن جعفر بن ابی طالب کی بیٹی ہیں۔اس سے روایت کرنے والا اس کا بیٹا عون بن محمد بن علی ہے؛ جس کا باپ تاریخ میں محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس سے روایت کرنے والا محمد بن موسیٰ المدینی ہے جو کہ القطری کے نام سے معروف ہے۔ یہ اپنی روایات میں ثقہ اور مامون ہے۔اس سے روایت کرنے والا محمد بن اسماعیل بن ابی فدیک مدنی ہے۔ یہ بھی ثقہ ہے۔اس سے محدثین کی ایک جماعت نے روایت نقل کی ہے جن میں سے ایک اس روایت کا راوی احمد بن ولید الانطا کی بھی ہے۔اس سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں احمد بن عمیر بن حوصاء بھی ہے۔اس نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔اس میں یہ بھی ہے کہ:''مقام صہباء میں نبی ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی کام سے بھیجا۔جب آپ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھ لی تھی۔سو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں اپنا سر رکھا[اور سو گئے؛اور] کوئی حرکت نہیں کی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:اے اللہ! تیرا بندہ علی تیرے نبی کی وجہ سے رکا رہا اور نماز ادا نہ کر سکا، براہِ کرم آفتاب کو لوٹا دے،تاکہ وہ نماز ادا کر سکے۔اسماء کا بیان ہے کہ آفتاب دوبارہ نمودار ہو گیا، یہاں تک کہ وہ زمین اور پہاڑوں پر نظر آنے لگا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضوء کر کے عصر کی نماز پڑھی۔'' یہ واقعہ غزوۂ خیبر کے موقع پر مقام صہباء میں پیش آیا۔

ان میں سے ایک راوی احمد بن صالح مصری بھی ہے جو کہ ابو فدیک سے روایت کرتا ہے۔اس کی سند سے ابوجعفر الطحاوی نے اپنی کتاب ''تفسیر متشابہ الاخبار'' میں روایات نقل کی ہیں۔

ان میں ایک راوی حسن بن داؤد ہے جو کہ ابن ابی فدیک سے روایت کرتا ہے؛ جس نے اپنی سند سے یہ واقعہ روایت کیا ہے۔اس میں یہ بھی ہے کہ:''خیبر کے علاقہ مقام صہباء میں نبی ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی کام سے بھیجا۔جب آپ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھ لی تھی۔سو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں اپنا سر رکھا[اور سو گئے؛اور] کوئی حرکت نہیں کی یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔جب نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے تو پوچھا:اے علی! کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا:نہیں۔نبی کریم ﷺ نے دعا کی:......''اور کہا ہے: یہ روایت اسماء سے حضرت فاطمہ بنت حسین الشہید نے نقل کی ہے۔

اس نے ابوجعفر الحضرمی کی سند سے روایت کیا ہے' وہ کہتا ہے:

(( حدثنا محمد بن مرزوق حدثنا حسین الأشقر حدثنا فضیل بن مرزوق عن إبراهیم ابن الحسن عن فاطمة عن أسماء بنت عمیس قالت: نزل جبریل علی النبی ﷺ بعد ما صلی العصر؛ فوضع رأسه أو خده لا أدری أیهما قال؛ فی حجر علی ولم یصل العصر حتی غابت الشمس......))

''......اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جبریل امین عصر کی نماز پڑھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ پر نازل

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہوئے؛ تو آپ نے آپ سر مبارک؛ یا کہا کہ اپنا گال - ان دونوں میں سے پتہ نہیں کون سے الفاظ فرمائے - حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھ دیا۔ اور آپ نے نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ سورج غائب ہو گیا......''

پھر یہ حدیث ذکر کی۔

شیعہ مصنف کہتا ہے: ''اور فضیل بن مرزوق نے ایک جماعت سے یہ روایت نقل کی ہے۔ ان میں عبید اللہ بن موسیٰ عبسی بھی ہیں اور امام طحاوی نے اپنی سند سے بھی اسے روایت کیا ہے؛ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

(( أن رسول الله ﷺ یوحی إلیه ورأسه فی حجر عليٍّ فلم یصل العصر حت غابت الشمس . ))

''بیشک رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی ہو رہی تھی اور آپ کا سر مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا' اور آپ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔

نیز یہ حدیث عمار بن مطر نے فضیل بن مرزوق سیابي جعفر العقیلی صاحب کتاب ''الضعفاء'' کے سے بھی روایت کی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ الفاظ پہلی روایت سے متناقض ہیں۔ اس لیے کہ پہلی روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر میں رکھ کر عصر سے غروب آفتاب تک سوئے رہے۔ اور یہ واقعہ غزوہ خیبر کے موقع پر صہباء نامی مقام پر پیش آیا۔ جب کہ دوسری روایت میں ہے آپ جاگ رہے تھے اور جبریل امین آپ پر وحی نازل کر رہے تھے۔ اور آپ کا سر مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ یہ تناقض دلالت کرتا ہے کہ اس روایت کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں۔ اس لیے کہ اُس روایت میں صراحت ہے کہ اس وقت آپ سوئے ہوئے تھے۔ جب کہ اِس روایت میں ہے کہ آپ جاگ رہے تھے اور وحی نازل ہو رہی تھی۔ یہ دونوں ہی باتیں باطل ہیں۔ اس لیے کہ عصر کے بعد سونا مکروہ و ممنوع ہے۔ جب کہ نبی کریم ﷺ کی آنکھیں سوتی ہیں آپ کا دل نہیں سوتا۔ تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز کیسے فوت ہو سکتی ہے؟

پھر اگر یہ اس جیسے موقعہ پر نماز کا فوت کرنا یا تو جائز تھا یا جائز نہیں تھا۔ اگر نماز کو [اپنے وقت سے] چھوڑ دینا اگر جائز تھا تو پھر اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مغرب کے بعد عصر پڑھنے پر کوئی ملامت نہیں۔ آپ رسول اللہ ﷺ سے افضل نہیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی نماز عصر خندق کے موقعہ پر رہ گئی تھی؛ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے نماز پڑھی مگر آپ کے لیے سورج واپس نہیں لوٹایا گیا۔ اور ایسے ہی جب سلیمان علیہ السلام کے لیے سورج کو چھپ جانے کے بعد دوبارہ نہیں لوٹایا گیا۔ اور ایسے ہی ایک غزوہ کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ اور سارے صحابہ نماز فجر کے وقت سو گئے؛ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا۔ لیکن ان کے لیے سورج کو دوبارہ مشرق کی طرف نہیں لوٹایا گیا۔

اگر نماز کو اس کے وقت سے تاخیر کے ساتھ پڑھنا حرام تھا؛ سو نماز عصر کا وقت فوت کر دینا کبیرہ گناہوں میں سے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''من فاتته صلاة العصر فكأنما وتر أهله وماله۔'' [سبق تخریجه]

''جس کی نمازعصر فوت ہوگئی گویا کہ اس کے اہل و مال تباہ ہوگئے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا علم تھا کہ نماز وسطی سے مراد عصر کی نماز ہے۔آپ نے ہی نبی کریم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے؛ صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(( شغلونا عن الصلاة الوسطى صلاة العصر حتى غربت الشمس ملأ الله أجوافهم وبيوتهم ناراً . ))❶

''انہوں نے ہمیں درمیانی نماز یعنی نماز عصر سے مشغول کردیا؛ یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔''

یہ خندق کا واقعہ ہے۔اور خیبر خندق کے بعد پیش آیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ اس قسم کے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کریں۔اور جبریل امین اور رسول اللہ ﷺ آپ کو اس فعل پر برقرار رکھیں۔اور جو کوئی ایسا کرے تو یہ اس کا عیب ہے منقبت نہیں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسے عیوب سے منزہ و پاک رکھا ہے۔اور پھر اگر نماز فوت ہوگئی تو سورج کے واپس ہونے سے گناہ ساقط نہیں ہوگا۔

نیز یہ کہ اگر یہ قصہ خیبر کی سرزمین پر لشکر کے سامنے پیش آیا ہے؛ اور اس وقت مسلمانوں کی تعداد چودہ سو سے زیادہ تھی اور یہ لشکر جرار اس منظر کو دیکھ رہا تھا؛ ایسے واقعات کو نقل کرنے کی وجوہات اور اسباب و دواعی بھی موجود تھے؛ تو پھر یہ بات ممتنع ہوجاتی ہے کہ اسے ایک دو افراد تو نقل کریں مگر اہل علم اتنے اہم واقعہ کو کوئی اہمیت نہ دیں۔اور پھر اس کے روایت ونقل کرنے والے بھی ایسے مجہول لوگ ہیں جن کی عدالت اور ضبط واتقان کا کسی کو کوئی علم نہیں۔

نیز اس واقعہ کی تمام اسناد میں سے ایک سند بھی ایسی نہیں ہے جس سے اس کے ناقلین کا عدل و ضبط اور سند کا اتصال ثابت ہوسکتا ہو۔حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے موقع پر فرمایا تھا:

(( لأعطين الراية غداً رجلا يحب الله و رسوله و يحبه الله و رسوله))❷

''کل میں یہ جھنڈا ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے ' اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔''

جب کہ سابق الذکر حدیث نہ ہی حدیث کی کسی مستند کتاب میں ہے اور نہ ہی اسے اہل صحاح وسنن اور مسانید نے روایت کیا ہے۔بلکہ اس کے ترک کرنے اور اس سے اعراض کرنے پر سب کا اتفاق ہے۔اور اتنا عظیم واقعہ ہو بھی کیسے سکتا

❶ رواه البخاري كتاب الجهاد والسير۔ومسلم كتاب المساجد ومواضع الصلاة.

❷ رواه البخاري ۵/ ۸۱؛ كتاب المغازي؛ غزوة الخيبر۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہے؟ اگر یہ واقعہ واقعی حق ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے مشہور و کھلے ہوئے معجزات میں سے ہوتا۔ جب کہ اصحاب صحاح ومسانید میں سے کسی ایک نے بھی اسے نقل تک نہیں کیا۔ اور نہ ہی علما اسلام اور حفاظ حدیث میں سے کسی ایک نے اسے روایت کیا ہے اور نہ ہی معتمد کتب احادیث میں اس کا کوئی اتا پتہ ملتا ہے۔

پہلی سند سے قطری نے عون سے اور اس نے اپنی والدہ سے روایت کیا ہے وہ حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں۔ عون اور اس کی ماں کی عدالت اور حفظ کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں اور نہ ہی یہ لوگ علم نقل کرنے میں معروف ہیں۔ اور نہ ہی کسی معمولی سی چیز میں ان کی روایات سے استدلال کیا جا سکتا ہے تو پھر اتنے بڑے مسئلہ میں ان سے استدلال کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اور نہ ہی اس عورت نے خود حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے سنا ہے۔ شاید کہ اس نے کسی ایسے سے سن لیا ہو جو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے اس کو بیان کرتا ہو۔

اس مصنف نے ابن ابی فدیک کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے اسے ثقہ کہا ہے اور قطری کے بارے میں بھی کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے۔ لیکن اس کے بعد والے کو ثقہ کہنا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ بلکہ صرف ان کا نسب بیان کرنے پر گزارہ کر لیا۔ کسی انسان کا صرف نسب معلوم ہونے سے یہ ضروری نہیں ہو جاتا کہ وہ آدمی حافظ اور ثقہ بھی ہو۔

جب کہ اس کی دوسری سند کا مدار فضیل بن مرزوق پر ہے۔ اگرچہ یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا تو پھر بھی یہ ثقہ راویوں کی طرف غلط روایات کا انتساب کرنے میں معروف ہے۔ علامہ ابن حبان رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں: ثقہ لوگوں پر غلط روایات منسوب کرتا ہے۔ اور عطیہ سے موضوع روایات نقل کرتا ہے۔

ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نا قابل استدلال ہے۔ یحیی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضعیف ہے۔

یہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اس قول سے متناقض نہیں ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: میں اس کے متعلق خیر کے علاوہ کچھ بھی نہیں جانتا۔ اور امام سفیان رحمہ اللہ نے اسے ثقہ کہا ہے۔ اور یحیی رحمہ اللہ نے بھی ایک بار اسے ثقہ کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا۔ لیکن غلطی کا ارتکاب کر جاتا ہے۔ جب امام مسلم اس کی متابعات روایت کرتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی منفردات بھی روایت کی جائیں۔ نیز یہ کہ ابراہیم سے اس کا سماع ثابت نہیں۔ اور نہ ہی ابراہیم کا سماع فاطمہ سے ثابت ہے اور نہ ہی فاطمہ کا سماع اسما سے ثابت ہے۔

حدیث کے ثابت ہونے کے لیے لازم ہے کہ ان تمام راویوں کا عدل وضبط معلوم ہو اور یہ کہ راویوں کا آپس میں ایک دوسرے سے سماع ثابت ہو۔ جب کہ ان چیزوں کا علم ہمیں نہیں ہو سکا۔ ابراہیم نامی اس راوی سے صحاح وسنن جیسی معتمد کتابوں میں کوئی روایت منقول نہیں اور نہ ہی ان کتابوں میں اس کا کوئی تذکرہ ملتا ہے بخلاف فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا کے۔ ان کی روایات احادیث معروف ہیں۔ تو پھر ایسی روایت سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے جسے کسی ایک بھی معروف عالم نے اپنی کسی معتمد کتاب میں روایت نہ کیا ہو۔

کسی انسان کے والد کے بڑے عظیم القدر ہونے سے یہ واجب نہیں ہوتا کہ وہ خود بھی رسول اللہ ﷺ سے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



احادیث مبارکہ روایت کرنے میں مامون عالم ہو۔ اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں ۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ اوران میں سے ہرایک کی ان سے اولاد بھی ہے۔ یہ سبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے۔ مگران میں سے کسی ایک نے بھی یہ روایت نقل نہیں کی۔ اسماء رضی اللہ عنہا کے بیٹے محمد جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بیٹے یعنی لے پالک تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی محبت بہت مشہور ہے مگر اس کے باوجود آپ نے تو حضرت اسما رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل نہیں کی۔ مزید برآں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ پہلے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔اوران کے ساتھ حبشہ میں مقیم تھیں۔ آپ فتح خیبر کے بعد حبشہ سے مدینہ وارد ہوئیں۔ اس قصہ میں بیان کیا جارہا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ خیبر کے موقع پر ارض خیبر میں پیش آیا۔ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو خیبر کے بعد کا واقعہ ہوسکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خیبر کے موقع پر اہل حدیبیہ موجود تھے ان کی تعداد چودہ سو تھی۔ لشکر کی یہ تعداد اس وقت بڑھ گئی جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور دیگر لوگ حبشہ سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کشتی میں تشریف لے آئے۔ نیز اہل خیبر میں سے جو لوگ مسلمان تھے اور آپ کے ساتھ مل گئے تھے ان کی وجہ سے بھی لشکر کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ مگران میں سے کسی ایک نے بھی یہ روایت نقل نہیں کی۔ اس سے قطعی طور پر یقین حاصل ہوجاتا ہے کہ یہ قصہ محض من گھڑت اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔

یہاں پر اس قصہ کے راوی فضیل اور اس کے بعد کے راویوں پر اس صورت میں تنقید وارد ہوتی ہے جب یہ یقین ہو جائے کہ انہوں نے یہ واقعہ روایت کیا ہے۔ وگرنہ ان تک اس قصہ کی سند کے موصول ہونے میں نظر ہے۔ [1]

اس لیے کہ پہلا راوی جو کہ فضیل سے روایت کرتا ہے وہ حسین بن حسن الاشقر کوفی ہے۔ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے پاس منکر روایات ہیں۔

امام نسائی اور دارقطنی رحمہم اللہ فرماتے ہیں: قوی راوی نہیں ہے۔

امام ازدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضعیف ہے۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حسین الاشقر غالی شیعہ اور صحابہ کرام کو گالیاں دینے والوں میں سے ہے۔

ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: منکر احادیث روایت کرتا ہے۔ جو کہ میرے نزدیک بہت بڑی آزمائش ہیں۔ کوفہ کے ضعیف راویوں کی ایک جماعت اپنی ضعیف روایات کو اسی کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔

---

[1] فضیل بن مرزوق الاغر الرقاشی الکوفی ؛ اسے سفیان بن عیینہ اور یحیٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں: لا بأس۔ جب کہ امام نسائی اور عثمان بن سعید نے ضعیف کہا ہے۔ یہ شیعہ ضرور تھا مگر صحابہ کرام کو گالیاں نہیں دیا کرتا تھا۔ تھذیب التھذیب ۷/ ۲۹۸۔

[2] اس کا پورا نام حسین بن حسن الاشقر الفرازی الکوفی ہے۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں: امام بخاری نے فرمایا ہے: یہ محل نظر ہے۔ اور ایک بار فرمایا: ''اس کے پاس منکر روایات ہیں۔'' تھذیب التھذیب ۲/ ۳۳۵۔ میزان الاعتدال ۱/ ۵۳۱۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تیسری سند: اس کی تیسری سند میں عمار بن مطر ہے جو کہ فضیل بن مرزوق سے روایت کرتا ہے۔ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقات کے نام پر منکر روایات بیان کرتا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: باطل احادیث بنا کر جھوٹ بولا کرتا تھا۔

ابن عدی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں: متروک الحدیث ہے۔ ❶

اس کی پہلی سند میں عبیداللہ بن موسیٰ العبسی ہے۔ ❷ بعض اسناد میں لفظ عن سے فضیل سے روایت کرتا ہے اور بعض روایات میں حدثنا کہتا ہے۔ اگر اس کا حدثنا کہنا ثابت نہ ہو تو پھر اس بات کا امکان رہتا ہے کہ اس نے فضیل سے سنا ہی نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ شیعہ دعاۃ میں سے تھا اور شیعیت کی احادیث جمع کرنے کا بڑا حریص تھا۔ اس لیے وہ اپنی غرض کی تکمیل کے لیے کذابین سے بھی روایات نقل کر لیا کرتا تھا اور اپنے اس گورکھ دھندے میں بڑا ہی مشہور تھا اس میں کوئی شک وشبہ والی بات نہیں۔ اگرچہ بعض لوگوں نے اس کو ثقہ بھی کہہ دیا ہے؛ اور کہا ہے کہ جھوٹ نہیں بولتا۔ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے یا نہیں؛ لیکن مشہور جھوٹوں سے روایات ضرور نقل کرتا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ علیہ اس کی وہی روایات نقل کرتے ہیں جن کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ وہ کسی دوسری صحیح سند سے ثابت ہے۔ جب کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ نے اس سے ایک روایت بھی نقل نہیں کی۔ مصنف نے کہا ہے: ہماری پیش کردہ روایات کے علاوہ بھی فاطمہ سے اس کی دیگر روایات منقول ہیں۔

پھر یہ روایت بھی ایسی اندھیر سند کیساتھ مروی ہے کہ اس کا جھوٹ ہونا ہر انسان پر ظاہر ہو جاتا ہے جسے معرفت حدیث سے ادنی سی بھی دلچسپی ہو۔ اس نے ابوحفص کتانی کی حدیث روایت کی ہے اور کہا ہے:

(( حدثنا محمد بن عمر القاضِی - هو الجعانِی - حدثنا محمد بن إبراهِيم بنِ جعفر العسكرِی مِن أصلِ كِتابِهِ ، حدثنا حمد بن محمدِ بنِ يزيد بنِ سليم ، حدثنا خلف بن سالِم ، حدثنا عبد الرزاقِ ، حدثنا سفيان الثورِی ، عن أشعث بنِ أبِی الشعثاءِ ، عن أمِهِ ، عن فاطِمة ، عن أسماء أن النبِی ﷺ دعا لِعلِی حتّی ردت عليهِ الشمس...... ))

---

❶ عمار بن مطر کی کنیت ابوعثمان الرھاوی تھی۔ میزان الاعتدال ۳/ ۱۶۹ پر اور لسان المیزان ٤/ ۲۷۵ پر اس کے حالات زندگی تحریر ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے اس کی سند سے رجوع آفتاب کی حدیث نقل کی ہے۔ پھر اس کے بعد فرمایا ہے: ''عمار بن مطر ہلاک ہونے والا انسان تھا۔ بعض لوگوں نے اسے ثقہ بھی کہہ دیا ہے۔ اور بعض نے اس کے حفظ کا کہا ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں: ابن حبان نے کہا ہے: یہ احادیث چرایا کرتا تھا۔ عقیلی فرماتے ہیں: ثقات کا نام لیکر منکر روایات نقل کیا کرتا تھا۔ ابوحاتم الرازی نے ''الجرح والتعدیل م ۳ ص ۳۹٤ پر اس کا ذکر کیا ہے۔ علامہ ذہبی اور ابن حجر اس کے متعلق فرماتے ہیں: ''جھوٹ بولا کرتا تھا۔''

❷ عبیداللہ بن موسیٰ متروک راویوں میں سے ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ علیہ نے اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے اس سے روایت کرنا ترک کر دیا تھا۔ ابن قانع فرماتے ہیں: کوفی ہے؛ اچھا انسان تھا؛ مگر شیعہ تھا۔ علامہ ساجی فرماتے ہیں: ''غالی شیعہ تھا۔'' علامہ ذہبی میزان الاعتدال ۳/ ۱٦ پر فرماتے ہیں: ''انتہائی بگڑا ہوا شیعہ تھا۔''

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



''رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی یہاں تک کہ سورج واپس لوٹایا گیا۔''

یہ روایت صرف اس انسان سے قبول جاسکتی ہے جس کی عدالت وضبط کا علم ہو۔ مجہول الحال سے حدیث قبول نہیں کی جاسکتی۔ تو پھر کیسے یہ ممکن ہوسکتا ہے جب کہ محدثین جانتے ہیں کہ امام سفیان ثوری اور عبدالرزاق صنعانی جیسے محدثین نے اس سے یہ روایت نقل نہیں کی۔ ثوری اور صنعانی کی روایات محدثین کے ہاں معروف ہیں اور ان کے اصحاب ومشائخ بھی محدثین کے ہاں معروف ہیں اور اسے خلف بن سالم نے بھی روایت کیا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ان لوگوں نے اس روایت نقل کیا ہے تو پھر بھی اس کی سند میں ام اشعث مجہول راویہ ہیں ان کی روایت سے حجت قائم نہیں ہوتی۔

اس کی دوسری سند محمد بن مرزوق کی سند سے ہے۔ وہ کہتا ہے:

(( حدثنا حسين الأشقر ، عن علِيِ بنِ هاشِم ، عن عبدِ الرحمنِ بنِ عبدِ اللهِ بنِ دِينار ، عن علِيِ بنِ الحسينِ ، عن فاطِمة بِنتِ علِي ، عن أسماء بِنتِ عميس ...... الحديث . ))

میں کہتا ہوں: حسین اشقر کے بارے میں علما کرام کا کلام پہلے گزر چکا ہے۔ اگر اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہوتے اور سند بھی متصل ثابت ہوتی تو پھر بھی اس روایت سے کوئی مسئلہ ثابت نہ ہوسکتا۔ تو پھر اس وقت کیا کہا جاسکتا ہے جب یہ ثابت ہی نہ ہو۔

علی بن ہاشم بن البرید کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علی اور اس کا باپ دونوں غالی شیعہ تھے۔ ابن حبان فرماتے ہیں: غالی شیعہ تھا اور مشاہیر کا نام لیکر منکر روایات نقل کیا کرتا تھا۔ محدثین کا اس سے وہ روایات نقل کرنا جو کسی دوسری سند سے بھی ثابت ہوں اس سے اس کی انفرادی روایات کا ثابت ہونا واجب نہیں ہوتا۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس رافضی مصنف اور اس کے بعد کے لوگوں نے اسے فاطمہ بنت حسین کی سند سے قرار دیا ہے۔ جب کہ یہ فاطمہ بنت علی ہے فاطمہ بنت حسین نہیں۔

ایسے ہی فاطمہ سے اس کی تیسری سند میں عبدالرحمٰن بن شریک ہے' وہ کہتا ہے:

(( حدثنا أبِي ، عن عروة بنِ عبدِ اللهِ ، عن فاطِمة بِنتِ علِي ، عن أسماء ، عن علِيِ بنِ أبِي طالِب ، رُفِع إلى النبِي ﷺ وقد أوحِي إليهِ فجلله بِثوبِهِ ، فلم يزل كذلِك حتّى أدبرتِ الشمس ، يقول: غابت أو كادت تغِيب ، وأن نبِي اللهِ ﷺ سرِي عنه ، فقال: أصليت يا علِي؟ قال: لا . قال: اللهم رد على علِي الشمس ، فرجعتِ الشمس حتى بلغت نِصف المسجِد . ))

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حدیث کو نبی کریم ﷺ کی طرف مرفوعاً بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی ہورہی تھی؛ تو آپ نے اپنے کپڑے سے آپ ﷺ پر سایہ کرلیا۔ آپ اسی حالت

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



میں رہے یہاں تک کہ سورج واپس پلٹ گیا؛ فرمایا کہ: سورج ڈوب گیا یا قریب تھا کہ ڈوب جائے۔ جب نبی کریم ﷺ سے وحی ختم ہوئی تو آپ نے پوچھا: اے علی! کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ تو عرض کیا: نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: ''اے اللہ! علی کے لیے سورج کو واپس لوٹا دے۔'' تو سورج واپس پلٹ آیا یہاں تک کہ آدھی مسجد تک پہنچ گیا۔''

اس روایت کا تقاضا ہے کہ سورج عصر کے قریب کے وقت پر پلٹ گیا ہو۔اور یہ قصہ مدینہ کا ہے۔جب کہ پہلی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ خیبر کے راستہ میں پیش آیا۔اور سورج پہاڑ کی چوٹیوں پر ظاہر ہوا تھا۔عبدالرحمٰن بن شریک کے بارے میں ابو حاتم رازی فرماتے ہیں: انتہائی بودی روایات نقل کرتا ہے۔نیز ان کے علاوہ بھی دیگر کئی محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔

اس کی چوتھی روایت یوں ہے:

((محمدِ بنِ عمر القاضِی -وهو الجعانِي- عنِ العباسِ بنِ الولِيدِ، عن عباد وهو الرواجِنِي، حدثنا علِي بن هاشِم، عن صباحِ بنِ عبدِ اللهِ بنِ الحسينِ أبِي جعفر، عن حسين المقتولِ، عن فاطِمة، عن أسماء بِنتِ عميس، قالت: كان يوم خيبر شغل علِياً ما كان مِن قسمِ المغانِمِ، حتى غابتِ الشمس أو كادت. فقال رسول اللهِ صلى الله عليهِ وسلم: أما صليت؟ قال: لا. فدعا الله فارتفعت حتى توسطتِ السماء، فصلى علِي فلما غابتِ الشمس سمِعت لها صرِيرا كصرِيرِ المِنشارِ فِي الحدِيدِ.))

حضرت اسماء بنت عمیس فرماتی ہیں: خیبر کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ مال غنیمت کی تقسیم کی وجہ سے مشغول ہوگئے تھے؛ یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا یا غروب ہونے کے قریب ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا تم نے نماز نہیں پڑھی؟ تو عرض کیا: نہیں۔ سو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی؛ پس سورج پھر بلند ہوگیا' یہاں تک کہ وسط آسمان تک آگیا؛ پس حضرت علی نے نماز پڑھی۔ جب سورج غروب ہوا تو اس کی آواز ایسے سنائی دی جیسے آری سے کاٹنے کی آواز ہوتی ہے۔

چوتھی روایت کے یہ الفاظ پہلی تینوں روایات کے الفاظ کے متناقض ہیں۔اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے والا کوئی صادق و عادل و ضابط نہیں۔ بلکہ یہ حقیقت میں کسی انسان نے اپنی طرف روایت گھڑ لی اور پھر اس میں دوسرے ہاتھ بھی اپنا کام دیکھا گئے۔اور ایک دوسرا قصہ اس کے مشابہ اور بھی گھڑ لیا۔ وہ قصہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غنیمت کی تقسیم میں مشغول ہوگئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہیں۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیبر کا مال غنیمت تقسیم ہی نہیں کیا۔اور نہ ہی نماز چھوڑ کر مال غنیمت کی تقسیم میں مشغول ہونا جائز ہے۔

خیبر کا واقعہ خندق کے بعد سن سات ہجری میں پیش آیا۔اس سے پہلے سن چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آچکا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تھا۔ یہ بات اہل علم کے ہاں تواتر کے ساتھ مشہور ہے۔ خندق کا واقعہ اس سے پہلے کا ہے جو کہ سن چار یا پانچ ہجری میں پیش آیا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿حافِظوا علی الصلواتِ والصلاۃِ الوسطی﴾ [البقرۃ: 238]

''نمازوں کی حفاظت کرو' اور درمیان والی نماز کی۔''

خندق میں تاخیر کا حکم منسوخ ہوگیا۔ حالانکہ اکثر اہل علم کے نزدیک یہ حکم قتال کے لیے خاص تھا۔ اور اگرچہ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا بلکہ قتال کے ساتھ خاص ہے جیسے ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ تو پھر بھی علما کرام رحمہم اللہ میں سے کسی ایک نے بھی مال غنیمت کی تقسیم کی غرض سے نماز فوت کر دینے کو جائز نہیں کہا۔ اس لیے کہ تقسیم غنیمت تو فوت نہیں ہوسکتی نماز فوت ہو جاتی ہے۔

اس روایت میں ہے کہ سورج مسجد کے درمیان میں تک واپس آ گیا۔ یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہی نہیں بلکہ دنیا کے بڑے عجوبوں میں سے ایک ہے۔ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا تو لوگوں کا جم غفیر اسے نقل بھی کرتا۔ اس قصہ میں یہ بھی ہے کہ جب سورج غروب ہوا تو اس کی آواز ایسے سنائی دی جیسے آری سے کاٹنے کی آواز ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ کیونکہ اس چیز کا کوئی موجب ہی نہیں۔ نیز سورج کے غروب کے وقت اس کا دوسرے اجسام سے ٹکراؤ بھی نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اتنی بڑی آواز پیدا ہو جو چوتھے فلک سے زمین تک پہنچ جائے۔ پھر اگر یہ بات حق ہوتی تو یہ کائنات کی سب سے بڑی عجیب بات ہوتی جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نقل کرتے جنہوں نے خیبر میں اور دوسرے مواقع کی چھوٹی چھوٹی خبریں بھی روایت کی ہیں۔ اور یہ اسناد بھی ایسی ہیں جن سے اگر کوئی ایسی چیز بھی روایت کی جاتی جس کا ہونا ممکن ہوتا تب بھی کوئی چیز اس سند سے ثابت نہ ہوتی۔ اس لیے کہ علی بن ہاشم بن البرید انتہائی غالی شیعہ تھا۔ وہ ہر ایک سے ایسی روایات نقل کیا کرتا تھا جو اس کی خواہشات کے موافق ہوں اور ان کو مزید تقویت دیں۔ اور وہ صباح سے روایت کرتا ہے جس کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ وہ کون تھا۔ جب کہ اس طبقہ میں صباح بن سہیل کوفی بھی پایا جاتا ہے جو کہ حصین بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتا ہے۔ امام بخاری اور ابو زرعہ اور ابو حاتم رحمہم اللہ نے اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ دار قطنی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مشاہیر کے نام پر منکر روایات نقل کرتا ہے لہٰذا اس کی روایت سے استدلال کرنا جائز نہیں۔

ایک اور آدمی بھی ہے جسے صباح بن محمد بن ابی حازم البجلی الاحمسی کوفی کہا جاتا ہے جو کہ مرہ الہمدانی سے روایت کرتا ہے۔ اس کے بارے میں ابن حبان فرماتے ہیں: ثقات کے نام پر موضوع احادیث روایت کرتا ہے۔

ایک چوتھا آدمی صباح العبدی ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ اس کے بارے میں کہتے ہیں: مجہول انسان ہے۔ ایک صباح بن مجالد ہے جو کہ بقیہ سے روایت کرتا ہے۔ ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غیر معروف انسان ہے۔ اس کا شمار بقیہ کے مجہول مشائخ میں سے ہوتا ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حسین مقتول: اگر اس سے مراد حسین بن علی ہیں۔تو آپ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ کسی ایک سے روایت کریں جو کہ اسماء بنت عمیس سے روایت کر رہا ہو۔خواہ فاطمہ اس کی بہن ہو یا بیٹی۔اور اگر یہ قصہ سچا ہوتا تو انہیں دوسروں سے زیادہ اس کے بارے میں علم ہوتا۔اس نے اپنے والد اور دوسرے لوگوں سے سنا ہوتا۔یا پھر اسما سے سنا ہوتا۔مگر آپ نے نہ ہی ان کی بیٹی سے نہ ہی بہن سے اور نہ ہی اسما سے یہ روایت نقل کی ہے۔مگر یہ راوی حسین بن علی نہیں ہے بلکہ کوئی دوسرا ہے۔یا پھر عبداللہ بن الحسن ابوجعفر ہے۔وہ بھی اپنے پہلے دو ساتھیوں کی طرح ہے۔

حدیث صرف اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اہل علم کے ہاں اس کی روایت ایسے عادل وضابط اور ثقہ راویوں سے ہو جن کو محدثین جانتے ہوں۔صرف اس کی نسبت کا علم ہونا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔بھلے اس کی نسبت کسی کی طرف ہو۔صحابہ اور تابعین کے بیٹوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کی احادیث سے استدلال نہیں کیا جاتا اگرچہ اس کا والد بہترین مسلمانوں میں سے تھا۔

اگرچہ اس نے یہ روایت علی بن ہاشم سے نقل کی ہے۔مگر اس سے نقل کرنے والا عباد بن یعقوب رواجنی ہے۔ابن حبان اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ یہ رافضی داعی تھا۔مشاہیر کا نام لیکر منکر روایات نقل کیا کرتا تھا۔اس لیے ترک کیے جانے کا مستحق ہے۔ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فضائل اہل بیت اور دیگر مثالب میں ایسی روایت نقل کی ہیں جن کا انکار کیا گیا ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ اور دوسرے محدثین نے اس سے ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جن کی صحت معروف ہے۔وگرنہ اس سے قاسم المطرز کی حکایت جس میں اس نے کہا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک سمندر کھودا۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس میں پانی جاری کیا۔یہ ایسی روایت ہے جو کہ کھلم کھلا تنقید اور قدح ہے۔

شیعہ مصنف نے کہا ہے:اس روایت کو اسماء سے ان لوگوں کے علاوہ دوسروں نے بھی روایت کیا ہے۔اور ابو العباس بن عقدہ کی سند سے بھی روایت کی گئی ہے۔یہ اپنے حفظ کے باوجود شیعہ کے جھوٹ جمع کیا کرتا تھا۔ابواحمد بن عدی نے کہا ہے: میں نے بغداد کے مشائخ کو دیکھا ہے وہ اسے برے الفاظ میں یاد کیا کرتے تھے۔اور وہ کہتے تھے: حدیث کو دین نہیں سمجھتا اور کوفہ کے مشائخ پر جھوٹ بولتا ہے۔اور ان کے نام پر نسخے تیار کر کے انہیں روایت کرنے کو کہتا تھا۔

جب امام دارقطنی رحمہ اللہ سے ابن عقدہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا:''وہ بہت برا آدمی ہے۔''

یہ ابن عقدہ کہتا ہے:

(( حدثنا یحی بن زکریا ، أخبرنا یعقوب بن معبد ، حدثنا عمرو بن ثابت ، قال: سألت عبد اللہ بن حسن بنِ حسنِ بنِ علِی عن حدیثِ ردِ الشمسِ علی علِی: ھل ثبت عِندکم؟ فقال لِی: ما أنزل اللہ فِی علِی فِی کِتابِہِ أعظم مِن ردِ الشمسِ . قلت: صدقت جعلنِی اللہ فداك ، ولٰکِنِی أحِب أن أسمعہ مِنك . قال:حدثنِی عبد اللہِ ، حدثنِی أبِی الحسن ، عن أسماء بِنتِ عمیس أنھا قالت: أقبل علِیٌّ ذات یوم وھو یرِید

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



أن يصلِي العصر مع رسولِ الله ﷺ؛ فوافق رسول اللهِ ﷺ قدِ انصرف ونزل عليهِ الوحي، فأسنده إِلى صدرِهِ، فلم يزل مسنِده إِلى صدرِهِ حتى أفاق رسول اللهِ ﷺ فقال: صليت العصر يا علِي؟ قال: جِئت والوحي ينزِل عليك، فلم أزل مسنِدك إِلى صدرِي حتى الساعة. فاستقبل رسول الله ﷺ القِبلة وقد غربتِ الشمس، فقال: اللهم إِن علِيا كان فِي طاعتِك فارددها عليهِ. قالت أسماء: فأقبلتِ الشمس ولها صرِير كصرِيرِ الرحي حتي ركدت فِي موضِعِها وقت العصرِ، فقام علِي متمكِنا فصلى العصر، فلما فرغ رجعتِ الشمس ولها صرِير كصرِيرِ الرحى، فلما غابتِ الشمس اختلط الظلام، وبدأتِ النجوم ))

میں کہتا ہوں: اس پانچویں روایت کے الفاظ پہلی متناقض روایات کے الفاظ سے ٹکراؤ رکھتے ہیں۔اور دیکھنے والے پر یہ مزید عیاں ہوجاتا ہے کہ یہ من گھڑت اور جھوٹ واقعہ ہے۔اس لیے کہ اس روایت میں ہے: سورج واپس عصر کے وقت میں اپنی جگہ پر آگیا۔اس سے پہلی روایت میں ہے: سورج نصف النہار میں واپس آگیا تھا۔دوسری روایت میں ہے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر نظر آنے لگا۔اس روایت میں ہے کہ آپ ان کے سینے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے جب کہ دوسری روایت میں ہے: آپ نے اپنا سر ان کی گود میں رکھا ہوا تھا۔

عبداللہ بن حسن نے یہ روایت ہرگز بیان نہیں کی۔آپ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس قسم کے جھوٹ روایت کریں۔اور نہ ہی آپ کے والد حسن نے اسے حضرت اسماء سے روایت کیا ہے۔اس روایت میں ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے' وہ سورج کی واپسی سے بھی زیادہ اور بڑا ہے۔اور یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی حضرت علی کی شان میں اور نہ ہی کسی دوسرے کی شان میں سورج کی واپسی سے متعلق کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔

یہ روایت اگرچہ عمرو بن ثابت سے ثابت ہے۔یہی وہ انسان ہے جو عبداللہ سے یہ روایت نقل کرتا ہے جس نے اپنی طرف سے یہ حدیث گھڑ لی ہے۔یہ انسان جھوٹ گھڑنے میں بڑا مشہور تھا۔ابو حاتم ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقہ راویوں کا نام لیکر موضوع روایات نقل کرتا ہے۔

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسکی کوئی اہمیت ہی نہیں۔اور دوسری جگہ یہ بھی فرمایا ہے: نہ ہی ثقہ ہے نہ مامون۔"

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "متروک الحدیث ہے۔"

شیعہ مصنف نے کہا ہے: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرح ہے:

((أنبأنا عقِيل بن الحسنِ العسكرِي، حدثنا أبو محمد صالِح بن أبِي الفتحِ الشناسِي، حدثنا أحمد بن عمرِو بنِ حوصاء، حدثنا إِبراهِيم بن سعِيد الجوهرِي،

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



حـدثنا یحی بن یزید بنِ عبدِ الملكِ النوفلِی ، عن أَبِیهِ ، قال: حدثنا داود بن فراهِیج ، عـن عِـمارة بنِ فرو ، عن أَبِی هریرة ـ رضِـی الله عنه ـ ...... وذکره . . قال المصنِف: اختصرته مِن حدیث طوِیل))

میں کہتا ہوں : یہ انتہائی اندھیری سند ہے۔اس سند سے اہل علم کے ہاں کوئی بھی چیز ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا جھوٹ ہونا کئی وجوہات کی بنا پر معروف ہے۔اس کی سند میں داؤد بن فراہیج ضعیف ہے۔امام شعبہ رحمہ اللہ اسے ضعیف کہا کرتے تھے۔اور امام نسائی نے فرمایا ہے:''ضعیف الحدیث ہے۔اس کی سند ثابت نہیں ہوتی۔اس لیے کہ اس میں یزید بن عبدالملک النوفلی ہے۔جو کہ اسے عمار سے روایت کررہا ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی احادیث مشتبہ ہوتی ہیں' ان میں اصل میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔یہ انتہائی ضعیف راوی ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضعیف اور متروک الحدیث ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں...... بہت بڑا منکر حدیث ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے پاس منکر روایات ہیں۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف بھی کہا ہے۔

اگر یہ روایت اس نے ابراہیم بن سعید الجوہری سے نقل کی ہے تو پھر آفت کا اصل سبب یہی ہے۔اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کی سند نہ ہی ابراہیم بن سعید تک ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی ابن حوصاء تک؛ اس لیے کہ اصل میں یہی دونوں [اس روایت کے ] معروف راوی ہیں۔اور ان کی روایات بھی بڑی مشہور و معروف ہیں' ان کے بعد لوگوں کی ایک جماعت نہیں انہیں روایت کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب پہلی سند سے ابن حوصاء روایت کرتا ہے تو اس کے راوی معروف ہیں۔لیکن آفت تو اس کے بعد کے لوگوں میں ہے۔جب کہ یہ دوسری روایت ابن حوصاء سے پہلے معروف ہی نہیں۔ اگر اس کو بالفرض ثابت بھی مان لیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ آفت اس کے بعد واقع ہوئی ہے۔

ابو الفرج ابن جوزی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: ابن مردویہ نے اسے داؤد بن فراہیج کی سند سے روایت کیا ہے۔اور اس نے ابن فراہیج کا ضعف کا بھی ذکر کیا ہے۔

شیعہ مصنف نے کہا ہے:اس حدیث کی روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس سند کے ساتھ ہے:

((فـأخبرنا محمد بن إسماعِیل الجرجانِی كِتابة ، أن أبا طاهِر محمد بن علِی الواعِظ أخبـرهـم ، أنبأنا محمد بن أحمد بنِ منعِم ، أنبأنا القاسِم بن جعفرِ بنِ محمدِ بنِ عبدِ اللـهِ بـنِ مـحمدِ بنِ عمر ، حدثنِی أبِی ، عن أبِیهِ محمد ، عن أبِیهِ عبدِ اللهِ ، عن أبِیهِ مـحـمـد ، عـن أبِیهِ عمر قال: قال الحسین بن علِی : سمِعت أبا سعِید الخدرِی یقول: دخـلـت علی رسولِ اللهِ ﷺ فـإِذا رأسـه فِی حِجرِ علِی ، وقد غابتِ الشمس ، فانتبه

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



النبی ﷺ وقال: یا علی صلیت العصر؟ قال: لا یا رسول اللهِ ما صلیت؛ کرِهت أن أضع رأسك مِن حِجرِی وأنت وجِع . فقال رسول اللهِ ﷺ: ادع یا علِی أن ترد علیك الشمس۔"فقال علِی: یا رسول اللهِ! ادع أنت أؤمِّنُ۔" . قال: یا ربِ! إِن علِیا فِی طاعتك وطاعةِ رسولِك؛ فاردد علیهِ الشمس . قال أبو سعِید: فواللهِ لقد سمِعت لِلشمسِ صرِیرا کصرِیرِ البکرة، حتی رجعت بیضاء نقِی . ))

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔میں نے دیکھا کہ آپ کا سر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں ہے اور سورج غائب ہو چکا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے تو آپ نے پوچھا: اے علی! کیا تم نے عصر کی نماز پڑھی ہے؟انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کا سرمبارک میری گود میں تھا۔اور مجھے یہ بات ہرگز گوارہ نہ ہوئی کہ میں آپ کا سرمبارک اپنی گود سے ہٹاؤں اور آپ کوتکلیف ہورہی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی! دعاء کرو کہ سورج واپس کردیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : بلکہ اللہ کے رسول آپ دعا کریں میں آمین کہوں گا۔تو رسول اللہ نے دعافرمائی: اے اللہ! علی رضی اللہ عنہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا۔ پس سورج کو واپس لوٹا دے۔ حضرت ابوسعیدفرماتے ہیں: اللہ کی قسم! ہم نے سورج کی ایسے آواز سنی جیسے آری کی آواز ہوتی ہے۔اور سورج بالکل سفید اور صاف ہوگیا۔''

میں کہتا ہوں: اس طرح کی اسناد سے کوئی دلیل ثابت نہیں ہوتی۔اس لیے کہ اس کے بہت سارے راوی ایسے ہیں جن کے عدل وضبط کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکتا۔اور نہ ہی وہ ناقلین علم میں سے ہیں۔اور نہ ہی اہل علم کی کتابوں میں ان کا کوئی ذکر ہے۔ یہ تو اس روایت کے بہت سارے راویوں کا حال ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا؛ اور صرف ایک راوی میں بھی یہ صفات پائی جاتیں تو اس سند سے حدیث ثابت نہ ہوسکتی۔تو پھر جب بہت سارے یا اکثر راوی ہی اس بیماری کا شکار ہیں' تو پھراس کے متعلق کیا کہا جاسکتا ہے؛ خصوصاً جب کہ اس سند میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جھوٹ بولنے میں بڑے معروف ومشہور ہیں۔مثال کے طور پر عون بن ثابت۔

نیز اس روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ کو [سردرد کی] تکلیف ہورہی تھی۔اور یہ کہ سورج کے طلوع کے وقت آپ نے ایسی آواز سنی جیسے آرے سے کاٹنے کی آواز ہوتی ہے۔ یہ بات بھی عقلاً باطل ہے۔جب کہ باقی راویوں نے اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت محبت کیا کرتے اور آپ کے فضائل بیان کیا کرتے تھے؛ اگر آپ کے پاس یہ حدیث بھی ہوتی؛ تو آپ کے مشہور ومعروف ساتھی و اصحاب بھی اسے روایت کرتے۔جس طرح انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کی دیگر احادیث روایت کی ہیں۔مثال کے طور پر حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ خوارج کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں: آپ نے فرمایا:''انہیں دوگروہوں میں سے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جوحق کے قریب ہوگا وہ قتل کرے گا۔‘‘

مثلاً حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والی حدیث؛ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بشارت دی تھی: ’’تمہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔‘‘

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ جیسے صحابی سے ثابت شدہ اس صحیح حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کی نسبت حق کے زیادہ قریب تھے۔تو پھر اگر یہ مذکورہ بالا واقعہ بھی صحیح ہوتا تو اسے روایت کیوں نہ کیا جاتا؟ اس قسم کی روایت نہ تو حسین نے بیان کی؛ اور نہ ہی ان کے بھائی عمر نے اور نہ ہی علی نے۔اگر ایسا واقعہ حقیقت میں پیش آیا ہوتا سے پھر اسے آپ سے دیگر روایات نقل کرنے والے معروف شاگرد اسے بھی روایت کرتے۔اس لیے کہ یہ تو بہت بڑا معاملہ تھا۔

شیعہ مصنف نے کہا ہے:جب کہ اس کی امیر المومنین سے روایت اس طرح ہے :ہمیں ابو العباس الفرغانی نے خبر دی انہیں ابو الفضل شیبانی نے خبر دی ان سے رجاء بن یحی سامانی نے حدیث بیان کی۔ان سے ہارون بن مسلم بن سعید نے سامرا کے مقام پر دوسو چالیس ہجری میں حدیث بیان کی ان سے عبداللہ بن عمرو بن اشعث نے وہ داؤد بن الکمیت سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے چچا مستہل بن زید سے وہ ابوزید بن سہلب سے وہ جویریہ بنت مسہر سے وہ کہتی ہے: ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے جویریہ!بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوا کرتی تھی اور ان کا سر میری گود میں ہوا کرتا تھا۔پھر پوری روایت بیان کی۔

میں کہتا ہوں: اس کی سند پہلی سند سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔اس میں ایسے مجہول راوی ہیں جن کی عدالت و ضبط کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔پھر یہ راوی اس کو روایت کرنے میں بھی منفرد ہیں۔اگر حضرت علی نے ایسا کچھ فرمایا ہوتا تو آپ کے معروف ساتھیوں میں سے بھی کوئی ایک اس کو نقل کرتا۔ایسی اسناد اور پھر ایسی عورت سے نقل کرنا جس کے حال کے بارے میں کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی اس سے نقل کرنے والے راویوں کے حالات کوئی جانتا ہے۔ان کی صفات و کردار تو دور کی بات ہے ان کی شخصیات کے بارے میں بھی کوئی نہیں جانتا۔اس طرح کے راویوں کی نقل سے حدیث کی صحت ثابت نہیں ہوتی۔نیز اس روایت میں کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جو اس سے زیادہ بہتر سند کے ساتھ ثابت روایت سے متناقض ہیں۔ حالانکہ دونوں ہی باتیں جھوٹ ہیں۔ اس لیے کہ مسلمانوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں وہ احادیث بھی روایت کی ہیں جو اس سے کم درجہ کی ہیں۔لیکن اہل علم اور محدثین میں سے کسی نے اس روایت کو نقل نہیں کیا۔

محدثین کی ایک جماعت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں تصنیفات لکھی ہیں۔جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی آپ کے فضائل میں کتاب لکھی ہے۔ اور امام ابو نعیم نے بھی آپ کے فضائل مرتب کیے ہیں ۔ اور اس میں بہت ساری ضعیف روایات بھی ذکر کی ہیں۔لیکن یہ روایت انہوں نے ذکر نہیں کی۔اس لیے کہ دوسری رویات کے برعکس

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com



اس میں جھوٹ ہونے کی نشانیاں صاف واضح ہیں۔ ایسے ہی امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس کا ذکر تک نہیں کیا حالانکہ آپ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں احادیث جمع کی ہیں۔ جن میں بہت ساری روایات ضعیف ہیں۔ ایسے ہی امام نسائی اور ابو عمر بن عبدالبر رحمہما اللہ کا حال ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے آپ کے فضائل میں خصائص علی کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

شیعہ مصنف نے کہا ہے: ابو جعفر الطحاوی نے علی بن عبدالرحمن سے حکایت کیا ہے وہ احمد بن صالح المصری سے روایت کرتا ہے وہ کہا کرتا تھا: جو انسان علم کی راہوں پر چلنے والا ہو اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ردشمس کی حدیث کے اسماء حفظ کرنا بھول جائے اس لیے کہ یہ حدیث نبوت کی نشانیوں میں سے ہے۔

میں کہتا ہوں: احمد بن صالح نے اسے پہلی سند سے نقل کیا ہے۔ لیکن اس کی اسناد اور الفاظ جمع نہیں کیے۔ اور بھی کئی چیزیں ایسی ہیں جن سے اس روایت کا جھوٹ۔ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اس سند کے راوی احمد بن صالح کے ہاں مجہول ہیں۔ اس کے لیے ان کا جھوٹا ہونا ظاہر نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اسے روایت کے جھوٹ ہونے کا پتہ چل سکا۔ اور امام طحاوی کی عادت نہیں ہے کہ وہ حدیث پر محدثین کے ضوابط کے مطابق تنقید کریں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے شرح معانی الآثار میں مختلف احادیث جمع کی ہیں۔ آپ غالب طور پر اسی روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو قیاس کی جہت سے ترجیح پاتی ہو۔ اس لیے کہ قیاس ان کے ہاں حجت ہے۔ جبکہ اسنادی اعتبار سے ان کے ہاں اکثر روایات مجروح ہوتی ہیں ان میں سے کسی کی صحیح سند ثابت نہین ہوتی۔ اور نہ ہی آپ اس چیز سے کوئی تعرض کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو اسناد کے علوم کی اتنی معرفت نہیں تھی جتنی معرفت دوسرے اہل علم کو ہوتی ہے۔ اگرچہ آپ نے بہت زیادہ احادیث بھی روایت کی ہیں اور ایک فقیہ عالم بھی تھے۔

شیعہ مصنف کہتا ہے: ابو عبداللہ بصری نے کہا ہے: اس نقل کے تقاضا کے مطابق سورج کے غروب ہونے کے بعد اس کا لوٹ کر آنا متأکد ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اگرچہ امیر المؤمنین کی فضیلت ہے لیکن درحقیقت یہ نبوت کے معجزات میں سے ہے۔ معجزات نبوت میں سے آپ کی فضائل میں یہ واقعہ کئی وجوہات کی بنا پر دوسرے معجزات سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے جھوٹ ہونے کی سب سے بڑی نشانی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل علم محدثین نے فضائل علی میں وہ روایات بھی نقل کی ہیں جو معجزات نبوت میں سے نہیں ہیں۔ اور انہیں صحاح وسنن اور مسانید میں جگہ دی ہے۔ انہیں معروف اور ثقہ اعلام راویوں سے نقل کیا گیا ہے۔ اگر یہ روایت بھی ثقات کی روایات میں سے ہوتی تو وہ محدثین اس کو بھرپور رغبت کے ساتھ روایت کرتے۔ اس لیے کہ وہ لوگ حدیث کی صحت بیان کرنے کے بڑے حریص تھے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی اس روایت کو کسی ایسی سند سے نقل نہیں کیا جس کے راوی مشہور اور ثقہ اہل علم ہوں۔ اور نہ ہی ان راویوں کی عدالت اور ثقاہت کے بارے میں کچھ علم ہوسکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی خود اس روایت میں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



بہت ساری ایسی دلیلیں موجود ہیں جو اس روایت کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

نیز کہتا ہے: ابوالعباس بن عقدہ نے کہا ہے ہم سے جعفر بن محمد بن عمرو نے حدیث بیان کی اس سے سلیمان بن عباد نے اس بشار بن دراع سے سنا اس نے کہا ہے: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ محمد بن نعمان سے ملے اور اس سے پوچھا: آپ نے حدیث ردشمس کس سے روایت کی ہے؟ اس نے کہا: اس سے روایت نہیں کی جس نے حدیث یا ساریہ الجبل روایت کی ہے۔ یہ تمام باتیں اس روایت کے صحیح ہونے کا ثبوت ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ائمہ اہل اس روایت کو سچ نہیں مانتے تھے۔ اور نہ ہی ائمہ مسلمین میں سے کسی ایک امام نے اسے روایت کیا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں جو ائمہ میں سے ایک مشہور امام ہیں۔ آپ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کسی طرح کی کوئی تہمت نہیں لگانا چاہتے۔ اس لیے کہ آپ کا تعلق کوفہ سے ہے جو کہ شیعہ کا گڑھ سمجھا جاتا ہے۔ آپ کئی شیعہ سے ملے بھی اور جتنا اللہ کو منظور تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اتنے فضائل بھی سنے۔ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اور موالات بھی رکھتے تھے۔ مگر اس کے باوجود آپ نے محمد بن نعمان کی اس روایت کا انکار کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ امام طحاوی رحمہما اللہ اور ان کے امثال سے بڑے عالم اور بڑے فقیہ تھے۔ جب کہ ان نعمان نے آپ کے سوال کا صحیح جواب نہیں دیا۔ بلکہ یہ کہہ دیا کہ: اس سے روایت نہیں کی جس نے حدیث یا ساریہ الجبل روایت کی ہے۔

اس سے کہا جائے گا کہ: تصور کرو کہ یہ روایت جھوٹی ہے۔ تو اس روایت کے جھوٹ ہونے میں کون سی ایسی چیز ہے جو اس دوسری روایت کے سچ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اگر مسئلہ ایسے بھی ہو تو پھر بھی ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو حضرت عمر حضرت علی رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات کی کرامات کا انکار کریں۔ بلکہ آپ نے صرف اس روایت کا انکار کیا ہے۔ اس لیے کہ اس روایت کے جھوٹ ہونے پر بہت سارے دلائل موجود ہیں۔ نیز یہ روایت عقل اور شرع کے خلاف ہے۔ اور یہ کہ اس روایت کو معروف اہل علم محدثین اور تابعین و تبع تابعین میں سے کسی ایک نے بھی روایت نہیں کیا۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ بلکہ اس کو نقل کرنے والے صرف کذاب اور جھوٹے لوگ ہیں۔ یا پھر ایسے مجہول ہیں (جن کے سچا یا جھوٹا ہونے کے بارے میں اور) عدالت وضبط کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ تو پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جیسے ائمہ اعلام رحمہم اللہ اس قسم کی روایت کو کیسے قبول کر سکتے ہیں؟

سارے علماء اسلام چاہتے ہیں کہ ایسی روایات صحیح ہوں اس لیے کہ اس میں نبوت کے معجزات اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ہیں جو کہ محبین وموالین علی کے لیے بڑی دلیل ہی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ جھوٹ کی تصدیق کرنے کو جائز نہیں سمجھتے۔ اسی لیے انہوں نے اپنی دینی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے اس روایت کا انکار کر دیا ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



## فصل:...... [کوفہ کا سیلاب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ]

**[اشکال]**: دسویں دلیل: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''کوفہ میں ایک دفعہ اتنا سیلاب آیا کہ ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر سوار ہوئے، لوگ بھی آپ کے ہم راہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ساحل فرات پر اترے، نماز پڑھی اور دعا کی۔ پھر ایک ٹہنی لے کر پانی کی سطح پر دے ماری۔ چنانچہ پانی خشک ہو گیا۔ بہت ساری مچھلیاں آپ کو سلام کرنے لگیں، مگر دو خاص قسم کی مچھلیاں [جرّی اور مرماہی] خاموش رہیں، جب آپ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا جو مچھلیاں پاک تھیں، ان میں اللہ تعالیٰ نے قوت گویائی پیدا کر دی اور جو نجس تھیں انہیں گونگا اور خاموش کر دیا۔''

**[جواب]**: اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

پہلی بات:......ہم شیعہ سے اس کی صحیح اسناد اور ثبوت پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بلا اسناد تو ایسی کہانیاں ہر شخص بیان کر سکتا ہے، مگر ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

دوسری بات:...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خچر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس نہ تھی۔

تیسری بات:...... [ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ واقعہ جھوٹا ہے؛ کیونکہ] اسے کسی بھی قابل اعتماد اہل علم نے اپنی کتابوں میں نقل نہیں کیا، ایسا قصہ اگر صحیح ہوتا تو لوگ کثرت سے اسے بیان کرتے؛ کیونکہ اسے نقل کرنے کے دواعی اور اسباب موجود تھے۔ اس کے نقل کرنے والے نے واقعہ کی کوئی سند بیان ہی نہیں کی تو پھر محض کہانی کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔

چوتھی بات:......مزید برآں سب قسم کی مچھلیاں اجماعاً حلال ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے آپ نے سمندر کے بارے میں فرمایا: ''سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار بھی حلال ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ﴾ [المائدۃ ۹۶]

''تمھارے لیے سمندر کا شکار حلال کر دیا گیا اور اس کا کھانا تمھارے لیے سامان زندگی ہے اور قافلے کے لیے۔''

ائمہ امت اور سلف کا اجماع ہے کہ تمام اقسام کی مچھلیاں حلال ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جب اسے حلال سمجھتے ہیں تو پھر نجس کیسے قرار دے سکتے ہیں۔ مگر رافضی جہالت کی یہ انتہاء ہے کہ ایسی بے بنیاد روایتوں سے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔

پانچویں بات:......مچھلیوں میں قوت گویائی کا پیدا ہونا عادت کے مطابق ان کے بس میں نہیں ہے، مگر یہ ایک خارق عادت چیز ہے، جس چیز میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت پیدا کر دی وہ ناطق ہو گئی اور جس میں یہ قوت پیدا نہ کی؛ اسے خاموش رکھنا چاہا تو وہ حسب معمول خاموش رہی۔ یہ بھی اس صورت میں کہہ سکتے ہیں جب یہ واقعہ پیش آیا ہو۔ اس میں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



مچھلی کا کیا گناہ ہے؟ کہ ہم اسے نجس قرار دیں۔[ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت و فضیلت ان موضوعات سے بے نیاز ہے]۔ جو کوئی بے زبان جانوروں کو اس وجہ سے گنہگار قرار دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت گویائی نہیں بخشی تو حقیقت میں وہ ان جانوروں پر ظلم کر رہا ہے۔

اگر کوئی کہنے والا یہ بات کہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اسے قوت گویائی عطا کی تھی مگر وہ خاموش رہی؛ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: اگر یہ واقعہ حقیقت میں پیش آیا ہے تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کرامت اور آپ کی تعظیم و قدر کی ہے۔ کرامت تو آپ کو سلام کرنے سے ظاہر ہوگئی تھی؛ قدرت حاصل ہونے کے باوجود کلام نہ کرنے میں کوئی کرامت نہیں ہے۔ جب مچھلی نے آپ کو قدرت ہونے کے باوجود سلام نہیں کیا تو اس میں پھر کیا کرامت ہوئی۔ بلکہ اس میں تو پاکیزہ چیزوں کو حرام کرنے والی بات ہے۔ کیونکہ مچھلی پاکیزہ اور حلال چیز ہے' مگر اس قصہ کی رو سے اسے حرام قرار دیا گیا ہے؛ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے عقوبت ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا﴾ [النساء ۱۶۰]

''تو جو لوگ یہودی بن گئے، ان کے بڑے ظلم ہی کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں، جو ان کے لیے حلال کی گئی تھیں اور ان کے اللہ کے راستے سے بہت زیادہ روکنے کی وجہ سے۔''

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس مچھلی کو حرام سمجھنا یہودیوں کے اخلاقیات میں سے ہے۔ اور رافضی چونکہ ان کے بھائی ہیں' اس لیے ان سے اس قسم کی باتیں بعید نہیں ہیں۔

چھٹی بات: ان سے کہا جائے گا کہ: ''یہاں پر مقصود تو پانی کے خشک ہونے سے حاصل ہوگیا تھا۔ تو پھر مچھلی کے آپ کو سلام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اور نہ ہی کوئی ایسا سبب موجود تھا جس کا تقاضا ہو کہ ایمان کی مضبوطی کے لیے کوئی خارق عادت واقعہ [یا کرامت] ظاہر ہو جائے۔ اس لیے کہ پہلی بات سے حجت قائم ہوگئی اور ضرورت پوری ہوگئی؛ جب کہ دوسری بات میں نہ ہی حجت تھی اور نہ ہی ضرورت۔

کیا آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر کے پھٹ جانے میں پانی کے خشک ہو جانے سے بڑا معجزہ تھا۔ لیکن پھر بھی مچھلیوں نے آپ پر سلام نہیں کیا۔ اور جب آپ خضر علیہ السلام کے پاس گئے تو آپ کے پاس توشہ دان میں نمک لگی ہوئی مچھلی تھی؛ اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کیا' اور وہ ڈبے سے نکل کر پانی میں چلی گئی' اور اس کے جاتے ہوئے یوں لگتا تھا جیسا کہ سمندر میں سرنگ بن گئی ہو۔ مگر اسے نہ ہی موسیٰ علیہ السلام کو سلام کیا اور نہ ہی یوشع علیہ السلام۔ سمندر میں ہمیشہ مدو جزر رہتا ہے مگر اس کے بارے میں کہیں بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ کبھی کسی مچھلی نے صحابہ یا تابعین میں سے کسی ایک کو سلام کیا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس جیسی حکایات سے ان کے فضائل و مناقب ثابت کیے جائیں؛ جن کے جھوٹ ہونے کے بارے میں سبھی اہل علم و عقل جانتے ہیں۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



# فصل: ...... [سانپ کا واقعہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ]

**[اشکال]**: گیارہواں واقعہ: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''علماء کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کے منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک سانپ نکلا اور منبر پر چڑھ آیا۔ لوگوں نے ڈر کر اسے مارنا چاہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے روکا، اس کے ساتھ کچھ بات چیت کی تو وہ منبر پر سے اتر گیا۔ جب لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو فرمایا وہ جنوں کا حاکم تھا اور ایک پیچیدہ مسئلہ دریافت کرنے آیا تھا۔ میں نے وہ مسئلہ بتا دیا جس دروازے سے وہ سانپ داخل ہوا تھا اہل کوفہ اسے باب ثعبان (سانپ والا دروازہ) کہا کرتے تھے۔ بنو امیہ نے یہ نام مٹانے کے لیے اس دروازہ پر عرصہ تک بہت سے مقتولوں کو لٹکائے رکھا، اب لوگ اسے ''باب القتلیٰ'' (مقتولوں کا دروازہ) کہہ کر پکارنے لگے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: ''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جنات تو ان دوسرے علماء کے پاس بھی مسائل دریافت کرنے کے لیے آتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہزار درجہ کم مرتبہ کے ہیں؛ قدیم وجدید دور میں یہ بات ثابت ہے [اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، پھر اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کیا خصوصیت ہے]؟ اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام اس سے بہت بلند تھا، اور یہ آپ کے ادنیٰ فضائل میں سے ایک ہوگا۔ اور اگر یہ واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت وجلالت میں کوئی قدح وارد نہیں ہوتی۔ ایسی کہانیوں نے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل وہی لوگ ثابت کرنا چاہتے ہیں جو آپ سے [اور علم سے] بہت دور ہیں۔ رہ گئے وہ لوگ جنہیں اہل علم ودین کی صحبت نصیب ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ دیگر اہل علم کے اس سے بھی بڑے بڑے واقعات ہیں۔ یا انہوں نے اس سے بھی بڑی بڑی کرامات ملاحظہ کی ہوتی ہیں۔ ایسی روایت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

❀ ہم جانتے ہیں کہ وہ صحابہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت کم درجہ کے ہیں؛ لیکن ہم سے وہ درجہا بہتر اور اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ جب ایسے واقعات سے ہم جیسے کسی ایک انسان پر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت نہیں کی جاسکتی تو پھر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر آپ کی فضیلت کیسے ثابت ہوسکتی ہے۔

مگر اس کا کیا علاج کہ شیعہ کی جہالت، ظلم اور اولیاء اللہ متقین سے دوری کی وجہ سے ان کے پاس کوئی قابل اعتماد کرامت موجود نہیں ہے۔ بلکہ ان کے علمی افلاس کی حالت یہ ہے کہ جب کسی خارق عادت واقعہ کا سنتے ہیں تو اس کی اس طرح تعظیم کرتے ہیں جیسے کسی قلاش انسان چند ٹکے مل جائیں تو ان کی تعظیم کرتا ہے۔ اور بھوکے کو روٹی کے ٹکڑے مل جائیں تو وہ انہیں بہت بڑا جانتا ہے۔

رافضی اپنی جہالت اور اولیاء اللہ متقین کی راہ اور تقوی الٰہی سے دوری کی وجہ سے کرامات اولیاء میں اپنا کوئی حصہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ومقام نہیں رکھتے ۔ اسی لیے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قسم کی من گھڑت کہانیاں سنتے ہیں تو یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ بات صرف انسان میں ہوسکتی ہے جو ساری مخلوق میں سب سے افضل ہو۔ بلکہ مذکورہ بالا خوارق ہی نہیں بلکہ اس سے بڑی بڑی خرق عادات امت محمدیہ کے بہت سارے ایسے لوگوں کو حاصل ہیں جن سے ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم اجمعین ہزار درجہ افضل ہیں ۔ جو کہ ان تمام صحابہ کرام سے محبت کرتے اور دوستی رکھتے ہیں ۔ اور جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے تقدیم بخشی ہے وہ ان کو مقدم جانتے ہیں ۔ خصوصاً وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ سے اچھی طرح واقف ہیں ؛ اور انہیں باقی تمام صحابہ پر مقدم سمجھتے ہیں ۔ اس لیے کہ اس امت میں آپ کو تقوی اور ولایت الٰہی میں بہت خاص مقام حاصل تھا۔ ❀

عقلمند انسان ان طرق کو جانتا ہے ۔ اور وہ یہ علم یا تو صالحین کے واقعات و کرامات پر تحریر کردہ کتابوں کا مطالعہ کرنے سے حاصل کرسکتا ہے ؛ جیسے : کرامات الاولیاء أز ابن ابی الدنیا ؛ کتاب الخلال ؛ ابوبکر اللا لکائی کی تصنیف ؛ اور ان کے علاوہ دیگر کتابیں ۔ یا جو کچھ صالحین کے واقعات ابونعیم کی کتاب ''الحلیة '' اور ابن جوزی کی صفوة الصفوة اور دوسری کتابوں میں ہیں ۔

یا پھر وہ خود براہ راست اس کا مشاہدہ بھی کرسکتا ہے ۔ یا پھر کسی سچے انسان کے خبر دینے سے بھی اسے معلوم ہوسکتا ہے ۔ لوگوں کے سامنے ہر دور میں اس قسم کے بہت سارے واقعات پیش آتے رہتے ہیں ۔ اور لوگ انہیں آپس میں ایک دوسرے کے سامنے بیان بھی کرتے ہیں ۔ اور ایسا اکثر و بیشتر ہوتا رہتا ہے ۔ یا پھر کسی انسان کے ساتھ خود بھی اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آسکتا ہے ۔

یہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لشکر اور ان کی عوام و رعیت ہیں ۔ ان کی کرامات اس سے بھی کہیں بڑی ہیں ۔ مثال کے طور پر حضرت علاء حضرمی رحمہ اللہ کا سمندر عبور کرنا ۔ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے ۔ سمندر کا پار کرنا پانی کے خشک ہوجانے سے بڑی کرامت ہے ۔ اور مثال کے طور پر آپ کی اللہ تعالیٰ سے پانی طلب کرنے کے لیے دعا ۔ اور قادسیہ کے واقعہ میں گائے کا حضرت سعد بن ابی وقاص سے کلام کرنا ۔ اور حضرت عمر کا یا ساری الجبل کی آواز لگانا حالانکہ آپ اس وقت مدینہ میں تھے اور ساریہ نہاوند میں تھے ۔ اور جیسے حضرت خالد بن ولید کا زہر پی جانا ۔ اور مثلاً ابومسلم خولانی کو آگ میں ڈالا جانا ۔ آگ آپ پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوگئی تھی ۔ یہ اس وقت کا قصہ ہے جب اسود عنسی کذاب جھوٹی نبوت کا دعویدار یمن پر غالب آ گیا تھا ۔ ابومسلم خولانی نے اس پر ایمان لانے سے انکار کردیا تھا لہٰذا اس نے آپ کو آگ میں ڈالدیا تھا ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والی بنادیا ۔ جب آپ اس آگ سے نکلے تو اپنی پیشانی کو پونچھ رہے تھے ۔ ان کے علاوہ بھی اتنے واقعات ہیں جن کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ۔

❀......جو شخص صلحاء و اولیاء سے صدور کرامات کا انکار کرتا ہے ، وہ مکابرہ کا ارتکاب کرتا ہے ، مگر تقویٰ کا انحصار کرامات پر نہیں ، جو شخص زیادہ متقی ہو اللہ کے نزدیک زیادہ باعزت وہی ہے اگرچہ اس سے ایک کرامت بھی صادر نہ ہوئی ہو۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



یہ جاننا ضروری ہے کہ اولیا اللہ کے لیے خوارق عادات ان کی ضرورت کے مطابق پیش آتی ہیں۔پس ان میں سے جو کوئی کفار ومنافقین یا فاسقین کے درمیان مقیم ہوا ور اسے یقین زیادہ کرنے کی ضرورت ہو تو اس کے لیے اس طرح کے واقعات پیش آتے ہیں۔ جیسا کہ اندھیرے میں روشنی کا ظاہر ہونا وغیرہ۔یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات مفضول کی اتنی کرامات ہوتی ہیں جتنی فاضل کی نہیں ہوتیں لیکن مفضول کی ضرورت اتنی زیادہ ہوتی ہے۔

یہ خوارق بذات خود مقصود ومطلوب نہیں ہوتیں بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا ایک وسیلہ ہوتی ہیں۔ جو کوئی انہیں ہی غایت سمجھ اور اس وجہ سے عبادت کرنے لگے تو پھر شیطان اس سے کھلواڑ کرنے لگتا ہے۔اور اس کے لیے ایسی ہی خوارق کو ظاہر کرتا ہے جو کہ کاہنوں اور جادوگروں کے کرتوتوں کی جنس سے تعلق رکھتی ہیں۔اور جو کوئی کرامت یا خارق عادت تک رسائی صرف اس ذریعہ سے چاہتا ہے اور اسے اس کی ضرورت بھی ہوتی ہے ت واس کے حق میں کرامات ان لوگوں کی نسبت زیادہ کثرت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں جتنی ان سے بے نیاز لوگوں کے حق میں ظاہر ہوتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ تابعین میں کرامات کے واقعات صحابہ کرام کی نسبت زیادہ کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

علم میں اس کی مثال: اسماء اور لغات کا علم ہے۔اس لیے کہ نحو اور لغت کی معرفت سے مقصود کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا فہم حاصل کرنا ہے۔ اور یہ کہ انسان بول چال میں اہل عرب کے کلام کے مطابق چل سکے۔صحابہ کرام علم نحو سے مستغنی تھے۔ان کے بعد آنے والے لوگوں کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چانچہ عربی زبان کے قوانین میں ان کے کلام کو حجت مل گئی۔ ایسی کوئی چیز عصر صحابہ میں نہیں پائی جاتی تھی۔اس لیے کہ اس وقت زبان دانی میں کمی بہت کم تھی اور صحابہ کرام علم کی کمال پر فائز تھے۔ایسے ہی بعد میں آنے والوں کا کلام اسما الرجال اور ان کے واقعات میں حجت سمجھا جانے لگا ایسی کوئی چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہاں نہیں تھی۔ اس لیے کہ یہ وسائل ایک دوسرے مقصد کے لیے طلب کیے جاتے ہیں۔ایسے ہی مناظرہ وبحث کی ضرورت متأخرین میں بہت زیادہ پیش آئی جب کہ صحابہ کرام اس سے مستغنی تھے۔

ایسے ان لوگوں کے لیے قرآن مجید کا ترجمہ کرنا جو عربی میں قرآن نہ سمجھتے ہوں۔ضرورت تھی کہ فارسی ترکی اور رومی زبانوں میں قرآن کا ترجمہ کیا جائے۔ جب کہ صحابہ کرام اس سے مستغنی تھے۔ایسے ہی بہت سارے لوگوں کے لیے تفسیر و معانی کے بیان کی ضرورت پیش آئی جب کہ صحابہ کرام اس سے بے نیاز تھے۔

پس جو کوئی علم نحو؛معرفۃ الرجال اور نظری و جدلی اصطلاحات جو کہ نظر وہ مناظرہ پر متعین ہوتی ہیں انہیں بذات خود مقصود بناتا ہے تو وہ خیال کرتا ہے کہ ان علوم پر عبور رکھنے والے صحابہ کرام سے بڑے عالم ہیں۔جس طرح کہ دوسرے بھی بہت سارے لوگ جن کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے اندھا کر دیا ہے وہ بھی یہی خیال کرتے ہیں۔اور جس کو یہ علم حاصل ہو جائے کہ یہ علوم بذات خود مقصود نہیں (بلکہ دوسرے علوم کو سمجھنے کے لیے بطور وسیلہ کے مقصود ہیں) تو وہ جان لیتا ہے کہ وہ صحابہ کرام جو اصل علوم مقصودہ پر دسترس رکھتے تھے وہ ان لوگوں سے بہت زیادہ افضل ہیں جنہیں ان علوم کی معرفت حاصل ہو خواہ وہ اپنے فن میں کتنا ماہر ہی کیوں نہ ہو۔یہی حال خوارق کا بھی ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



بہت سارے متاخرین کے ہاں خوارق ہی بذات خود مقصود و مطلوب ہوتی ہیں اور وہ اس غرض کے لیے بہت زیادہ عبادت کرتا ہے بھوک برداشت کرتا ہیرات جگے کرتا اور خلوت میں رہتا ہے تا کہ اسے بھی مکاشفات تثیرات وغیرہ حاصل ہوجائیں۔جیسا کہ کوئی انسان کوشش کرکے بادشاہ تک پہنچتا ہے تا کہ وہاں سے کچھ مال وغیرہ حاصل کرسکے۔بہت سارے لوگ اپنے مشائخ کی تعظیم صرف اسی وجہ سے کرتے ہیں۔جیسا کہ بادشاہوں اور امیر طبقہ کی تعظیم ان کی شاہی اور مال کی وجہ سے کی جاتی ہے۔اس قسم کے لوگوں کے بارے میں بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی افضل ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے لوگ اکثر طور پر پیغام رسالت اور اللہ اس کے رسول کے احکام سے خارج ہوجاتے ہیں اور اپنے ذوق وارادہ کے مطابق کام کرتے ہیں۔یہ لوگ سلب احوال کے بعد سلب اعمال اور ادائے فرائض اور پھر ایمان سے محروم ہوجاتے ہیں۔جیسا کہ اگر کسی انسان کو حکومت اور مال مل جائے پس وہ اس مال و ملک کی وجہ سے شریعت اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے خارج ہوجائے اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگ جائے اور لوگوں پر ظلم کرنے لگ جائے تو اس کی سزا اسے یہ ملے گی کہ:یا تو اسے اس کے منصب سے معزول کردیا جائے گا۔یا پھر اس پر دشمن کا خوف مسلط کردیا جائے گا۔یا پھر اسے فقیر وتنگدست کردیا جائے گا یا ان کے علاوہ کوئی اور سزا بھی مل سکتی ہے۔دنیا میں نفس کے لیے ظاہری و باطنی طور پر اللہ تعالی کی محبت و رضامندی پر استقامت مقصود ہوتی ہے۔پس جب بھی انسان اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے زیادہ تابع ہوگا اللہ اور اس کے رسول کا زیادہ اطاعت گزار ہوگا۔وہ اتنا ہی افضل ہوگا۔پس جس انسان کو ایمان و یقین اور اطاعت کا مقصود بغیر کسی خارق یا کرامت کے حاصل ہوجائے تو اسے کسی خارق کی ضرورت نہیں ہوتی۔جیسا کہ صدیق امت حضرت ابوبکر عمر و عثمان وعلی وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے امثال سابقین اولین کے لیے جب واضح ہوگیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو یہ لوگ آپ پر ایمان لے آئے۔انہیں کسی خارق (معجزہ یا کرامت) کی ضرورت نہ رہی۔جیسے کہ ان لوگوں کو ایسی چیزوں کی ضرورت تھی جنہیں ان حضرات جیسی معرفت حاصل نہ ہوسکی تھی۔

معرفت حق کے متعدد اسباب ہیں۔ہم نے ان کے بارے میں کئی ایک مواقع پر آگاہ کیا ہے۔خصوصا عقیدہ رسالت اور دلائل نبوت پر بحث کرتے ہوئے ہم نے بیان کیا تھا کہ رسول کی سچائی کی معرفت حاصل کرنے کے کئی طریقے ہیں۔اور معجزات کا طریقہ بھی ان طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔اور جن مناظرین نے یہ کہا ہے کہ معجزہ کے بغیر رسول کی تصدیق ممکن نہیں؛اس کی یہ بات بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی کہے کہ:''اللہ تعالی کی معرفت صرف کائنات کے پیدا ہونے سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔''❀

یہ بات اور اس طرح کی دیگر باتیں وہ مناظرین کرتے ہیں جو علم کی کسی خاص قسم کو کسی متعین دلیل کے ساتھ خاص کرتے ہیں کہ اس کے بغیر یہ حاصل نہیں ہوسکتا۔جس کی وجہ سے لوگ تفرقہ میں پڑ گئے۔ایک گروہ ان کی موافقت کرتے

❀......(اس مسئلہ میں ابن تیمیہ نے قاعدہ ولی کے نام سے ایک قاعدہ کلیہ ذکر کیا ہے۔دیکھیں:مجموعِ فتاوی ۲/ ۱-۹۷ )

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ہوئے ہر ایک انسان پر ایسی چیز واجب کرتے ہیں جو کہ اللہ اور اس کے رسول نے واجب نہیں کی۔ خصوصا جب کہ ان کا اختیار کردہ طریقہ بھی اپنے مقدمات میں جرح و تنقید وقدح سے خالی نہ ہو۔ جیسا کہ یہ لوگ حدوث عالم پر حدوث اجسام سے استدلال کرتے ہیں۔ اور ایک گروہ ایسا ہے جو اس مناظرانہ طریقہ کار پر کلی طور پر تنقید و جرح کرتا ہے۔ اور نظر و مناظرہ کے تمام ابواب کو بند کرتا ہے۔ ان امور کے مطلق طور پر حرام ہونے اور لوگوں کے اس سے بے نیاز ہونے کا دعوی کرتا ہے۔ پس اس طرح دونوں گروہوں کے حمایتیوں کے درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ علم کے حصول کے بہت سارے طریقے ہیں۔ بسا اوقات اللہ تعالی بہت سارے لوگوں کو ان متعین طرق سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ بلکہ صرف علوم ضروریہ میں ایک نظر سے انہیں یہ علوم حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور اگرچہ اللہ تعالی کی عبادت بھی نفس کو ان ضروری علوم کے لیے مستعد کر دیتی ہے حتی کہ اسے الہام سے یہ علوم حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور لوگوں میں ایک گروہ ایسا بھی ہوتا جسے انتہائی گہری نظر یا ان طرق کی معرفت کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے کہ یا تو جو چیز دوسروں کو حاصل ہے وہ انہیں حاصل نہیں ہوتی یا پھر انہیں کوئی ایسا شبہ پیش آ جاتا ہے جو نظر و مناظرہ کے بغیر ختم نہیں ہو سکتا۔

ایسے ہی سالکین کے ساتھ بہت سارے احوال پیش آتے ہیں جیسے کہ ذکر اور قرآن کی سماعت کے وقت چیخ نکلنا غشی طاری ہونا اور اضطراب کی کیفیت کا پیدا ہو جانا اور شہود مخلوقات سے فنا ہو جانا۔ اور دل میں ایک ایسی خاص کیفیت کا پیدا ہو جانا کہ دل میں اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور چیز کا مشاہدہ باقی نہ رہے۔ (اسے تصوف کی اصطلاح میں اصطلام کہتے ہیں)۔ یہاں تک کہ اس کے نفس سے مشہود بھی غائب ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کیفیت کو ہر سالک کے لیے لازم قرار دیتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض اسے منتہائے مقصود قرار دیتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی اور مقام ہی نہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اس پر تنقید و جرح کرتے ہیں۔ اور اسے ایسی بدعت قرار دیتے ہیں جو کہ عصر صحابہ کے بعد ایجاد کر لی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کیفیت بعض سالکین کے ساتھ ان پر وارد ہونے والی قوت اور تمکین محبت میں ضعف قلب کے اعتبار سے پیش آتی ہے۔ جو کوئی یہ کیفیت نہیں پاتا تو کبھی یہ اس کی کمال قوت اور کمال ایمان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور کبھی کمزور ایمان کی وجہ سے۔ جیسا کہ بہت سارے باطل پرست فساق اور اہل بدعت کیساتھ ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بات اس طریقہ کے لوازمات میں سے نہیں۔ بلکہ بہت سارے سالکین اس سے مستغنی ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ معاملہ خود غایت نہیں ہے۔ بلکہ وہ کمال شہود ہے۔ اس طرح سے کہ خالق اور مخلوق کے مابین تمیز ہو سکے۔ اور اللہ تعالی کے اسما و صفات کے معانی کا مشاہدہ ہو سکے۔ مگر اس میں کوئی ایک امر انسان کو دوسرے امر سے غافل نہ کر دے۔ یہ شہود میں کمال اور قوت ایمانی ہے۔ لیکن یہ بات بھی ضرور ہے کہ جس کے ساتھ یہ احوال پیش آتے ہیں وہ اتنی ہی مناسبت سے پیش آتے ہیں جتنی ضرورت ہو۔ دوسرے مقام پر ان امور کی پوری تفصیل گزر چکی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ ان خوارق کے مراتب کو پہچانا جائے اور یہ کہ بیشک یہ چیزیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو ایسے اولیا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اللہ ہیں جو صرف اللہ کی رضامندی چاہتے ہیں اور اس چیز سے محبت کرتے ہیں جس سے اللہ اور اس کے رسول کو محبت ہو۔ اور ان خوارق کا مرتبہ صرف ان وسائل کا ہے جو کہ معرفت الٰہی میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ان خوارق کے علاوہ دیگر امور بھی مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔ اگر عادت کی چیزوں پر انحصار کرتے ہوئے ان خوارق کی ضرورت پیش نہ آئے تو وہ اس طرف توجہ بھی نہیں کرتے۔ جب کہ بہت سارے خواہشات کے پجاری جو کہ جہلا کے ہاں مقام و مرتبہ کے طلب گار ہوتے ہیں یا اس طرح کے دیگر مقاصد رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں سب سے اعلیٰ مقصد ہی یہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ بہت سارے طلاب العلم ایسے ہوتے ہیں جن کا مقصد مقام و مرتبہ اور مال کا حصول ہوتا ہے۔ اور ہر انسان کو وہ کچھ مل جاتا ہے جس کی وہ نیت کرتے ہیں۔ جب کہ اہل علم و اہل دین جو کہ اس مقام و مرتبہ کے اہل لوگ ہیں ان کے ہاں مقصود صرف علم کی منفعت ہوتی ہے۔ اور اس علم کی انہیں دنیا اور آخرت میں ضرورت ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل علم کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((إِن طـلبه لِلهِ عِبادة ، ومذاكرته تسبِيح ، والبحث عنه جِهاد ، وتعلِيمه لِمن لا يعلمه صدقة ، بِهِ يعرف الله ويعبدونه ، ويمجد الله ويوحد)) . [جامع بيان العلم فضله]

''علم کا اللہ کی رضا کے لیے حاصل کرنا عبادت ہے۔ اس کا مذاکرہ کرنا تسبیح ہے۔ علم کی تلاش میں نکلنا جہاد ہے۔ جاہل کو اس کی تعلیم دینا صدقہ ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور لوگ اس کی بندگی کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور اس کی توحید بیان کی جاتی ہے۔''

اسی لیے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ علم سے صحیح معنوں میں نفع حاصل کرنے والے اپنے نفس کا تزکیہ سب سے پہلے کرتے ہیں۔ اور ان کا مقصد اتباع حق ہوتا ہے نہ کہ اتباع ہویٰ۔ اور وہ اس میں عدل و انصاف کی راہ پر گامزن رہتے ہیں۔ وہ علم سے محبت کرتے اور اس سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ علم اور اہل علم کی کثرت سے محبت کرتے ہیں۔ اور ان کی ہمتیں انہیں اس علم کے موجب و مقتضی کے مطابق عمل کرنے کے لیے آمادہ کرتی ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ علم کی حلاوت کا ذوق ہی نہیں پاتے اور ان کا مقصود صرف کرسی اور مال ہوتا ہے ان لوگوں کو اگر اپنا مقصد کسی دوسرے ذریعہ سے مل جائے تو وہ اسی پر اکتفا کرلیتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات اگر کوئی دوسرا راستہ علم کے راستہ سے آسان ہو تو اسے ہی ترجیح دیتے ہیں۔

جس انسان کو یہ معرفت حاصل ہوجائے اس پر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ وہ مقاصد جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور ان پر راضی ہوتا ہے وہ حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کی نسبت زیادہ کامل انداز میں حاصل تھے۔ اور حضرت عمر کو حضرت عثمان کی نسبت ان میں زیادہ کمال حاصل تھا۔ اور حضرت عثمان کو حضرت علی کی نسبت زیادہ کمال حاصل تھا۔ اور یہ کہ صحابہ تمام مخلوق سے زیادہ حق کا علم رکھتے تھے۔ سب سے بڑے اللہ کے تابعدار تھے اور عدل کے سب سے زیادہ حق دار۔ ہر اہل حق کو اس کا حق دینے والے تھے۔ ان پر تنقید صرف وہی انسان کرسکتا ہے جو ان حقائق سے انتہائی بڑا جاہل ہو جن کی بنا پر یہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



لوگ مدح اور تفضیل کے مستحق ہیں اور جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو راہ حق کی طرف ہدایت دی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو انسان عبادت کرنے میں اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے شرعی طریقہ کار پر نہیں چلتا اور وہ خوارق عادات کی تلاش میں رہتا ہے تو ایسے انسان کو جنات اور شیاطین اپنا شکار کر لیتے ہیں اور اسے کائنات میں ہونے والے چند امور کی خبریں دیتے ہیں یا پھر اسے ہوا میں اڑاتے ہیں یا پھر وہ پانی پر چلتا ہے۔تو وہ اسے کرامات اولیا میں سے شمار کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اللہ کا بہت بڑا ولی ہے۔ یہ بات اس کے مشرک بننے یا کفر کرنے یا فسق و بدعت میں مبتلا ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔

اس طرح کے واقعات تو بعض کفار اہل کتاب اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی پیش آ جاتے ہیں اور بعض اسلام کی طرف نسبت رکھنے والے ایسے ملحدین کے ساتھ بھی پیش آتے ہیں جو نماز کو فرض نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو محمد ﷺ کو اللہ کا نبی اور رسول نہیں مانتے بلکہ آپ سے بغض رکھتے ہیں اور بعض قرآن سے بغض رکھتے ہیں۔ان کے علاوہ بھی اس طرح کے دیگر امور ان لوگوں میں پائے جاتے ہیں جن سے کفر واجب ہو جاتا ہے۔مگر اس کے باوجود شیاطین بعض خوارق عادات دیکھا کر اسے گمراہ کر لیتے ہیں۔جیسا کہ وہ مشرکین کو گمراہ کرتے ہیں۔جیسا کہ یہ شیاطین کاہنوں اور بتوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔اور آج بھی اہل ہند ترک اور حبشہ کے بعض مشرکین کے ساتھ اور بعض بلاد اسلامیہ میں موجود مشہور کفار و فساق اور جہلا و مبتدعین کے ساتھ بعض ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔

## فصل :......[حضرت علی رضی اللہ عنہ جامع فضائل ]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: بارھویں دلیل: ''فضائل کا اثبات ہے۔فضائل کی تین قسمیں ہیں:

۱۔نفسانی ۲۔بدنی ۳۔اور خارجی

پہلی دو اقسام کو اگر تسلیم کیا جائے تو یہ یا خود اس انسان کی ذات کے ساتھ متعلق ہوتی ہیں یا پھر کسی دوسرے کے ساتھ۔امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ان فضائل سہ گانہ کے جامع تھے۔چنانچہ آپ کے وہ نفسانی فضائل جو آپ کی ذات سے متعلق تھے؛ جیسے: آپ کا زہد اور علم؛ کرم اور حلم اعداد وشمار سے زیادہ اور مشہور ہیں۔اور وہ نفسانی فضائل جو دوسروں سے متعلق ہیں ان کا بھی یہی عالم ہے؛ مثلاً آپ سے علم کا ظاہر ہونا؛ اور دوسرے لوگوں کا آپ سے فتوی پوچھنا' وغیرہ۔ اور ایسے ہی آپ کے بدنی فضائل ہیں؛ جیسا کہ عبادت وشجاعت اور صدقہ [وخیرات] کے اوصاف پائے جاتے تھے۔ خارجی اوصاف یعنی حسب ونسب میں آپ عدیم المثال تھے۔ سید البشر ﷺ کی دختر نیک اختر جو سب جہانوں کی خواتین کی سردار ہیں آپ کے نکاح میں تھیں۔خطیب خوارزمی نے اپنی کتاب''السنۃ'' میں اپنی سند سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے؛آپ فرماتے ہیں:''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح ساتوں آسمانوں کے اوپر پڑھا دیا تھا۔خطبہ جبریل نے پڑھا۔میکائیل و اسرافیل دونوں دیگر ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



گواہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے درخت طوبیٰ کو حکم دیا کہ اس پر جتنے جواہرات اور موتی ہیں وہ سب نچھاور کردے۔ چنانچہ طوبی نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر اللہ تعالیٰ حور العین کی طرف وحی کی کہ انہیں اٹھالیں، پس انہوں نے وہ جواہرات قیامت تک کے لیے اٹھالیے۔'' [اس کے علاوہ بھی بہت ساری چیزیں ذکر کی ہیں]۔

آپ کی اولاد رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد لوگوں میں سب سے افضل ترین لوگ تھے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(( رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم أخذ بیدِ الحسینِ بنِ علِی ، فقال: أیھا الناس ھذا الحسین ، ألا فاعرِفوہ وفضِّلوہ ، فواللہِ لجدہ أکرم علی اللہِ مِن جدِ یوسف بنِ یعقوب ، ھذا الحسین جدہ فِی الجنۃِ ، وجدتہ فِی الجنۃ ، وأمہ فِی الجنۃِ ، وأبوہ فِی الجنۃِ ، وخالہ فِی الجنۃِ وخالتہ فِی الجنۃِ ، وعمہ فِی الجنۃِ ، وعمتہ فِی الجنۃِ ، و أخوہ فِی الجنۃِ ، وھو فِی الجنۃِ ، ومحِبوہ فِی الجنۃِ ، ومحِبُّو محِبیھِم فِی الجنۃ)) .

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے لوگو! یہ حسین ہے۔ آگاہ ہوجاؤ؛ اسے پہچانو اور اس کی فضیلت کو سمجھو۔ اللہ کی قسم! اس کا نانا اللہ کے ہاں یوسف بن یعقوب علیہما السلام کے دادا سے زیادہ عزت والا ہے۔ یہ حسین ہے؛ اس کا دادا جنت میں اس کی دادی جنت میں اس کی ماں جنت میں اور اس کا باپ جنت میں اس کے ماموں جنت میں اس کی خالائیں جنت میں۔ اس کے چچا اور پھوپھیاں جنت میں۔ اس کا بھائی جنت میں اور وہ خود اور اس سے محبت کرنے والے اور ان کے محبین سے محبت کرنے والے سبھی جنت میں ہوں گے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(( بِت عِند النبِیِ صلی اللہ علیہِ وسلم ذات لیلۃ ، فرأیت عِندہ شخصاً ، فقال لِی: ھل رأیت ؟ قلت: نعم . قال: ھذا ملك لم ینزِل إِلی منذ بعِثت ، أتانِی مِن اللہِ ، فبشرنِی أن الحسن والحسین سیدا شبابِ أھلِ الجنۃِ )) .

''میں نے ایک رات رسول اللہ کے پاس گزاری۔ میں نے آپ کے پاس ایک شخص کو دیکھا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا: کیا تم نے اس شخص کو دیکھا؟ میں نے عرض کیا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: یہ فرشتہ تھا۔ جب سے اللہ تعالی نے مجھے مبعوث کیا ہے یہ فرشتہ نازل نہیں ہوا آج یہ اللہ کی طرف سے میرے پاس آیا ہے اور مجھے خوشخبری سنائی ہے کہ:

حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ اس مسئلہ میں روایات بہت زیادہ ہیں۔ محمد بن حنفیہ بڑے عالم وفاضل تھے۔ یہاں تک کہ ایک گروہ نے تو آپ کے امام ہونے کا دعوی بھی کیا تھا۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



**[جواب]** : ہم کہتے ہیں: ''جو امور ایمان و تقویٰ سے خارج ہوں صرف ان کی وجہ سے کسی کی عظمت و فضیلت عند اللہ ثابت نہیں ہوتی۔ ان سے فضیلت عند اللہ اس وقت حاصل ہوتی ہے جب یہ امور نیکی اور تقوی کے امور پر معاون اور مددگار ہوں۔ اس لیے کہ یہ چیزیں وسائل کی حیثیت رکھتی ہیں مقاصد کی نہیں۔ جیسا کہ مال اور مقام و مرتبہ؛ قوت اور صحت اور اس طرح کے دیگر امور۔ اس لیے کہ ان امور سے انسان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت تک کوئی فضیلت و کرامت حاصل نہیں ہوتی جب تک یہ امور حسب ضرورت اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر معاون و مددگار نہ ہوں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾[الحجرات ۱۳]

''اے لوگو! بیشک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بیشک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔''

صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ سے جب دریافت کیا گیا کہ سب لوگوں سے زیادہ باعزت کون ہے؟

تو آپ نے فرمایا: ''جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔''

عرض کیا گیا: ہم اس بارے میں سوال نہیں کر رہے۔

فرمایا: ''پھر اللہ کے نبی یوسف بن نبی اللہ یعقوب بن نبی اللہ اسحق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام۔''

عرض کیا: ہم آپ سے اس کے بارے میں بھی سوال نہیں کر رہے

تو فرمایا: کیا تم عرب قبائل کے بارے میں مجھ سے سوال کرتے ہو؟ ان میں سے جو جاہلیت میں بہتر تھا وہ اسلام میں بھی بہتر ہے اگر وہ دین اسلام کی سمجھ حاصل کر لے۔''[1] [اس کی تخریج گزر چکی ہے]۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پہلے واضح کیا کہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو۔ اگرچہ وہ کسی نبی کا بیٹا نہ بھی نہ ہی کسی نبی کا باپ ہو۔ اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام یوسف علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مقام و مرتبہ والے ہیں' اگرچہ ان کا والد آزر ہے؛ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے والد محترم اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ ایسے ہی حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے ہاں بنی اسرائیل سے بڑھ کر باعزت تھے۔ اور اگرچہ یہ انبیاء کرام آپ کی ہی اولاد ہیں؛ اور دوسرے لوگ بھی آپ کی اولاد ہیں جو کہ انبیاء نہیں ہیں۔

لیکن جب لوگوں نے آپ کو یاد دلایا کہ ان مقصود صرف نسب ہے تو آپ نے انہیں بتایا کہ: ''سب سے زیادہ

---

[1] البخاری۔ کتاب أحادیث الانبیاء۔ باب قول اللہ تعالیٰ ﴿لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ......﴾ (ح:۳۳۸۳)، صحیح مسلم، کتاب الفضائل۔ باب من فضائل یوسف ﷺ (ح:۲۳۷۸)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



باعزت نسب والے وہ لوگ ہیں جو کسی انبیاء کے نسب سے تعلق رکھتے ہوں۔ تاہم نسب کے اعتبار سے حضرت یوسف علیہ السلام بنی آدم میں عدیم النظیر تھے۔ اس لیے کہ آپ خود اللہ کے نبی، اللہ کے نبی بیٹے اور نبی کے پوتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جب پھر اشارہ کیا کہ ان کا مقصود ان کی اپنی ذات سے متعلق ہے تو آپ نے فرمایا: کیا تم مجھ سے عرب قبائل کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ بیشک لوگ بھی ایسے کانیں ہیں جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں۔ اور جو ان میں سے جاہلیت میں بہتر ہو وہ اسلام میں بھی بہتر ہوتا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ دین اسلام کی سمجھ حاصل کرے۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جس زمین سے سونا نکلتا ہے وہ اس زمین سے افضل ہوتی ہے جس سے چاندی نکلتا ہے۔ پس ایسے ہی حال ان لوگوں کا حال ہے جن کے ہاں فضلاء جنم لیتے ہوں۔ پس اس کی اولاد ان لوگوں سے افضل ہوگی جو کہ صرف ادنی [مفضول] قسم کے لوگوں کو جنم دیتے ہیں۔ لیکن یہ ایک سبب اور خیال وتصور ہے؛ کوئی لازمی بات نہیں ہے۔ ایسی بھی ہوسکتا ہے کہ زمین سونا اگلنا کم کردے، یا بند کردے۔ تو اس صورت میں وہ زمین جو چاندی دیتی ہے وہ انسان کے نزدیک اس زمین سے افضل و محبوب ہوگی جو بنجر و ویران ہوگئی ہو۔ پس بہت زیادہ چاندی جو تھوڑے سے سونا کی قیمت سے زیادہ ہو وہ انسان کو زیادہ محبوب ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ اچھے نسب والوں سے خیر کی امید کی جاتی رہی ہے۔ اور اس بنا پر ان کی عزت وتوقیر کی جاتی ہے۔ اور اگر کسی سے اس کے خلاف ثابت ہوجائے تو اس صورت میں حقیقت کو خیال پر مقدم رکھا جائے گا۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ خالی وہم وگمان سے یا محض دلائل کی بنیاد پر ثابت نہیں ہوتا؛ اس کی ثبوت ان اعمال صالحہ کی بنیاد پر ہوتا ہے جن کا اسے علم ہے۔ اس کے لیے نہ ہی کسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی ایسی جگہوں پر گمان کفایت کرسکتا ہے۔

پس اس وجہ سے [اللہ کے ہاں] سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے بڑا متقی ہو۔ اگر دو شخص تقوی میں برابر ہوں تو انہیں درجہ میں برابر کیا جائے گا۔ اور اگر ان میں سے ایک کا والد یا بیٹا دوسرے کے والد یا بیٹے سے افضل ہو [تو اس لحاظ سے اسے بھی مقام حاصل ہوگا]۔ لیکن اگر ان میں سے کسی ایک کو کسی سبب کی بنا پر تقوی میں زیادہ نسبت حاصل ہو تو وہ اپنے اس تقوی کی وجہ سے افضل ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو راضی کیا، اور نیک اعمال کیے تو [انہیں یہ بلند مقام نصیب ہوا؛ جو کہ محض] سسرالی رشتہ کی وجہ سے نہیں ملا، بلکہ کمال اطاعت کی وجہ سے ملا تھا۔ جیسا کہ ان میں سے کوئی ایک اگر برائی کا کام کرتی تو انہیں دوہرا عذاب معصیت کی قباحت کی وجہ سے ہوتا۔

پس صاحب شرف انسان جو اپنے آپ پر تقوی کو لازم کرلیتا ہے تو اس کا تقوی دوسروں سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ جیسا کہ جب بادشاہ عدل قائم کرتا ہے تو اس کا عدل وانصاف کرنے انسان کے اپنے گھر میں عدل انصاف سے بہت زیادہ بڑا اور کامل ہوتا ہے۔ اور ایسے ہی جب کوئی انسان کسی خیر کے کام کا پکا ارادہ کرلیتا ہے، تو وہ اس میں سے جس قدر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کام کر پاتا ہے اس کے لیے کامل اجر ہوتا ہے۔ جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا ہے:

''بیشک مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم کوئی بھی منزل طے نہیں کرتے اور نہ ہی کوئی وادی پار کرتے ہو، مگر وہ اجر و ثواب میں تمہارے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مدینہ میں رہ کر بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں مدینہ میں رہ کر بھی، اس لیے کہ انہیں عذر نے روک رکھا ہے۔''❶

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(( من دعا إلى هدًى كان له من الأجر مثل أجور من اتبعه، من غير أن ينقص من أجورهم شيئا، ومن دعا إلى ضلالة كان عليه من الوزر مثل أوزار من اتبعه، من غير أن ينقص من أوزارهم شيئا. ))❷

''جو کوئی انسان ہدایت کی طرف بلاتا ہے تو اس کے لیے اس کے تمام ماننے والوں کے اجر کے برابر اجر ہوتا ہے اور ان میں سے کسی کے اجر میں کچھ کمی نہیں کی جاتی۔ اور جو کوئی گمراہی کی طرف بلاتا ہے، اس اتنا ہی بوجھ ہوتا جتنا اس کے تمام ماننے والوں کا بوجھ ہوتا ہے۔ ان کے بوجھ میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔''

یہ بات کئی دوسرے مقامات پر تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اصلاً کسی ایک انسان کی بھی ثناء اس کے نسب کی بنیاد پر نہیں کی۔ نہ ہی نبی کی اولاد ہونے کی بنیاد پر اور نہ ہی نبی کا باپ ہونے کی بنیاد پر۔ بلکہ لوگوں کی تعریف ان کے اعمال اور ایمان کی بنیاد پر کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی صنف کا ذکر کر کے ان کی تعریف کرتے ہیں تو یہ ان کے ایمان اور عمل کی وجہ سے ہوتا ہے محض نسب کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اٹھارہ انبیاء کرام کا ذکر کیا تو فرمایا:

﴿ وَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ وَ اجْتَبَیْنٰهُمْ وَ هَدَیْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾

''اور ان کے باپ دادا اور ان کی اولادوں اور ان کے بھائیوں میں سے بعض اوروں کو بھی ہم نے انھیں چنا اور انھیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی۔'' [الانعام ۸۷]

یہ فضیلت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے چن لینے اور اختیار کر لینے کی وجہ سے؛ اور انہیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت دینے کی وجہ سے حاصل ہوئی؛ محض قرابت اور نسب کی وجہ حاصل نہیں ہوئی۔

اتنی بات ضرور ہے کہ قرابت کی وجہ سے بعض حقوق واجب ہو جاتے ہیں؛ اور نسب بھی حقوق کو واجب کرتا ہے اور

---

❶ یہ حدیث حضرت انس بن مالک سے مروی ہے۔ البخاري كتاب الجهاد، باب من حبسه العذر عن الغزو ٤/ ٢٦۔ سنن أبي داؤد ٣/ ١٧؛ كتاب الجهاد، باب في الرخصة في القعود من العذر۔ سنن ابن ماجة كتاب الجهاد، باب من حبسه العذر عن الجهاد ٢/ ٩٢٣۔

❷ مسلم ٤/ ٢٠٦٠؛ كتاب العلم، باب من سنّ سنة حسنة أو سيئة۔ وسنن أبي داؤد ٤/ ٢٨١؛ كتاب السنة، باب لزوم السنة۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ان کے ساتھ واجب اور حرام اور اباحت کے احکام بھی معلق ہوتے ہیں۔ لیکن ثواب اور عقاب اور وعد و وعید اعمال کی بنیاد پر ہوتے ہیں نسب کی بنیاد پر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ إِبْرَاهِيمَ وَ اٰلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ﴾ (آل عمران:۳۳)

''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ونوح اور آل ابراہیم و آل عمران کو سب جہانوں سے چن لیا۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ أَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ إِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا﴾ (النساء ٥٤)

''یا وہ لوگوں سے اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا ہے، تو ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور ہم نے انھیں بہت بڑی سلطنت عطا فرمائی۔''

یہاں پر اس پاکیزہ اور نیک نسل کی تعریف و مدح سرائی ان کے نیک اعمال اور ایمان کی بنا پر کی جارہی ہے۔ جو کوئی ان صفات سے متصف نہ ہو وہ اس مدح و توصیف میں شامل نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَّكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ (الحدید: ۲٦)

''ہم نے نوح و ابراہیم کو مبعوث کیا اور ان کی اولاد کو نبوت اور کتاب عطا کی؛ پس ان میں سے ہدایت یافتہ بھی ہیں اور ان میں سے بہت سارے لوگ فاسق بھی ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى اِسْحٰقَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ﴾

''اور ہم نے اس پر اور اسحاق پر برکت نازل کی اور ان دونوں کی اولاد میں سے کوئی نیکی کرنے والا ہے اور کوئی اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والا ہے۔'' (الصافات ۱۱۳)

قرآن کریم کی کئی آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے ایمان اور ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے ان کی تعریف کی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ (التوبة ۱۰۰)

''اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾ [الحدید۱۰]

’’تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں بلکہ ان کے بہت بڑے درجے ہیں جنھوں نے فتح کے بعد صدقہ دیا اور جہاد کیا ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے۔‘‘

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ (الفتح:۱۸)

’’یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوگیا،، جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے، جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اس نے معلوم کرلیا، ان پر اطمینان وسکون نازل کیا اور انہیں قریبی فتح سے نوازا۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ﴾ [الفتح۴]

’’وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون اور اطمینان ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ &وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ .....﴾ [الحشر۸۔۹]

’’ان مہاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی راست باز لوگ ہیں۔اور (ان کے لیے) جنھوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی اور اپنی طرف ہجرت کرکے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کتنی ہی سخت حاجت ہو۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ﴾ (الفتح: ۲۹)

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com



''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں۔''

قرآن مجید میں امت کے اگلے اور پچھلے اہل ایمان؛ اہل تقوی اور محسنین پر؛ مقسطین اور صالحین اور ان جیسے دوسرے لوگوں پر ایسے ثناء بیان کی گئی ہے۔ رہا گیا نسب کا مسئلہ؛ جو کچھ یہ لوگ قرآن کی طرف ذوی القربی کے حقوق منسوب کرتے ہیں جیسا کہ آیت خمس اور فئے میں ہے؛ اور قرآن میں جو اہل بیت سے ناپاکی کو دور کرنے اور انہیں ہر طرح سے پاک کرنے کا بیان ہے؛ اور قرآن میں نبی کریم ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کا بیان ہے۔ اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ آپ پر اور آپ کی آل پر درود پڑھا جائے۔ اور قرآن میں اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا بیان ہے۔ آپ کے اہل خانہ سے محبت آپ کی محبت کا اتمام و کمال ہے۔ قرآن میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات امہات المؤمنین ہیں۔

قرآن مجید میں محض قرابت یا اہل بیت ہونے کی وجہ سے کسی کی مدح نہیں کی گئی اور نہ ہی کسی کی ثنائے خیر اس بنا پر کی گئی ہے۔ اور نہ ہی عند اللہ کسی کی فضیلت کا استحقاق اس بنیاد پر ذکر کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی کسی کی ایسے پر کوئی فضیلت بیان کی گئی ہے جو تقوی میں برابر کا ہم پلہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن میں آل ابراہیم اور آل اسرائیل کو چن لیے جانے کا بیان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے عبرت بنا دیے جانے کے بارے میں بھی خبر دی ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ جزاء اور مدح اعمال کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے چنیدہ لوگوں کا ذکر کیا' اور پھر ان میں سے جو لوگ کافر ہو گئے ان کے کفر اور گناہوں اور سزا کا ذکر کیا تو اس میں دو چیزیں بیان کیں: ثواب اور عقاب۔

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ عالی نسب کے ساتھ کبھی مدح بھی مل جاتی ہے؛ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب صاحب مدح اہل تقوی اور اہل ایمان میں سے ہو۔ وگرنہ صرف نسب والوں کی مذمت کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ ان لوگوں کی مذمت کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل اور اولاد ابراہیم اور ان کے سسرالیوں میں سے مذموم ٹھہرے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِيْنَ ○ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○﴾ [التحریم ۱۰۔۱۱]

''اللہ نے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان کی، وہ ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، پھر انھوں نے ان دونوں کی خیانت کی تو وہ اللہ سے (بچانے میں) ان کے کچھ کام نہ آئے اور کہہ دیا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں آگ میں

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



داخل ہو جاؤ۔اور اللہ نے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی، جب اس نے کہا اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچالے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔''

جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب کہا جاسکتا ہے کہ: جب کوئی ایک انسان عجمی ہو اور دوسرا اعربی ہے۔

ہم مجمل طور پر بالجملہ کہتے ہیں کہ:''عرب عجمیوں کی نسبت افضل ہیں۔'' [ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں میں جو خیر وتقویٰ اور فضائل ومحاسن پائے جاتے ہیں وہ عجمیوں میں موجود نہیں ]۔ابوداؤد میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل ہے نہ عجمی کو عربی پر؛ نہ ہی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے نہ کالے کو گورے پر۔مگر فضیلت صرف تقوی سے حاصل ہوتی ہے۔ ❶ سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے ہوئے تھے۔'' ❷

سالار انبیاء ﷺ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے کبر وغرور اور آباء واجداد پر فخر کرنے کو تم سے دور کردیا ہے۔انسان دو ہی قسم کے ہوتے ہیں (۱) مومن متقی (۲) فاسق وفاجر۔ [دیکھیں سابقہ تخریج]

اسی لیے جب کوئی انسان اگر عرب وعجم میں سے کہیں سے بھی ہو؛ اور دوسرا قریش میں سے ہو۔تو ان دونوں کا مقام اللہ کے ہاں تقوی کے اعتبار سے ہوگا۔اگر وہ طاعت وتقویٰ میں ایک دوسرے کے ہم پلہ ہوں تو جنت میں دونوں کا درجہ مساوی ہوگا۔اور اگر تقوی ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہوں گے تو درجات میں بھی ایک دوسرے پر فضیلت ہوگی۔ایسے ہی اگر ایک انسان بنی ہاشم سے تعلق رکھتا ہو؛ اور کوئی دوسرا انسان عام عرب یا عجم میں سے ہو؛ تو ان دونوں میں سے اللہ کے ہاں افضل وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا متقی ہو۔اگر یہ دونوں تقوی میں برابر ہوں گے تو ان کا مقام ومرتبہ بھی برابر کا ہوگا۔ان دونوں میں سے کوئی ایک اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے باپ' یا بیٹے یا بیوی' یا بھائی' یا چچا کی وجہ سے فضیلت نہیں پائے گا۔

جیسا کہ دو آدمی اگر طب اور حساب کے عالم ہو یا پھر فقہ اور نحو کے' یا کسی دیگر علم وفن کے۔تو ان دونوں میں سے علم میں زیادہ کامل وہ ہوگا جس کے پاس علم زیادہ ہوگا۔اور اگر اس برابر ہونگے تو علم بھی برابر ہوں گے۔ان میں سے کوئی ایک اپنے باپ یا بیٹے کی وجہ سے دوسرے سے بڑا عالم نہیں بن جائے گا۔یہی حال سخاوت؛ بہادری؛ زہد اور دینداری کا بھی ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو پتہ چلا کہ خارجی فضائل کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں ہے؛ ہاں مگر اس وقت جب

---

❶ مسند احمد(۵/ ۴۱۱)۔

❷ سنن ابی داؤد، کتاب الادب۔ باب فی التفاخر بالاحساب(حدیث:۵۱۱۶)، سنن ترمذی کتاب المناقب۔ باب (۷۴)، فی فضل الشام والیمن (حدیث: ۳۹۵۵۔ ۳۹۵۶)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



یہ داخلی فضائل میں بھی اضافے کا سبب بن جائیں۔تو اس وقت فضیلت داخلی فضائل کی وجہ سے ہوگا۔

رہ گیا بدنی فضائل کا مسئلہ تو ان کا کوئی اعتبار اس وقت تک نہیں جب تک ان کا نفسانی فضائل نہ ہوں۔ وگرنہ جو کوئی روزہ رکھے؛ نماز پڑھے، جہاد کرے، صدقہ وخیرات کرے، مگر اس کی نیت خالص نہ ہوتو اسے کوئی فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ یہاں پر معتبر دل [میں نیت ] ہے۔جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( ألا إِن فِی الجسدِ مضغۃ إذا صلحت صلح لھا سائِر الجسدِ، وإذا فسدت فسد لھا سائِر الجسدِ، ألا وھِی القلب. ))[1]

’’آگاہ ہوجاؤ! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔اگر وہ درست ہوجائے تو سارا جسم درست ہوجائے گا؛ اوراگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جائے گا۔آگاہ ہوجاؤ وہ دل ہے۔‘‘

پس دریں طور جو انسان نفسانی فضائل میں کامل ہوگا وہ مطلق طور پر افضل ہوگا۔اہل سنت والجماعت کے ہاں کمال حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ بلا شک وشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کمال کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔

بلکہ نزاع و جدال صرف اس بات پر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ سے افضل واکمل اور امامت وخلافت کے زیادہ حق دار تھے۔شیعہ مصنف نے جو دلائل ذکر کیے ہیں ان سے اس کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

## افضلیت شیخین کے اثبات کے دو طریقے:

فضیلت کے اثبات کے لیے علماء کے ہاں دو طریقے رائج ہیں۔

۱۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ بعض اشخاص کی فضیلت دوسرے بعض پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور صرف نص کے ذریعہ معلوم کی جاسکتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قلبی حقائق ومراتب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہوتا؛ یہ علم اس نے اپنے لیے خاص کر رکھا ہے،[ لہٰذا وہی جانتا ہے کہ دونوں میں سے افضل کون ہے ]۔یا پھر اس کی طرف سے خبر آنے پر معلوم ہوسکتا ہے۔

۲۔ فضیلت معلوم کرنے کا دوسرا طریقہ بعض علماء کے نزدیک نظر و استدلال ہے۔ اہل سنت کے نزدیک مندرجہ بالا دونوں طریقوں سے اگر صحیح حق کے مطابق تحقیق کی جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خلفاء ثلاثہ کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔ہم تو اس طریقہ کار کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی درست مانتے ہیں۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہے تو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت بدرجہ اولیٰ ثابت ہے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کے بارے میں کسی کو کوئی اختلاف ہی نہیں۔ بلکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہما پر صحابہ وتابعین اور ائمہ اہل سنت والجماعت میں سے امت کے کسی بھی شخص نے اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ

[1] البخاری کتاب الإیمان، باب فضل من استبرأ لدینہ ۱/ ۱۶۔مسلم کتاب المساقاۃ، باب أخذ الحلال و ترک الشبھات ۳/ ۱۲۱۹، ابن ماجۃ کتاب الفتن، باب الوقوف عند الشبھات ۲/ ۱۳۱۸۔

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com



صدیوں سے اس پر اجماع چلا آرہا ہے۔اور یہ اجماع اہل کبائر کے لیے نبی کریم ﷺ کی شفاعت؛ گنہگاروں کے جہنم سے خروج؛ حوض ومیزان کے اثبات' خوارج اور مانعین زکواۃ سے قتال؛ کرایہ داری کے جواز' اور خالہ پر بھانجی کے نکاح کی حرمت پر اجماع سے بڑھ کر اور واضح ہے۔ بلکہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ایمان پر خوارج اپنی سرکشی اور تکبر کے باوجود متفق ہیں' حالانکہ یہ لوگ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ایمان کو صحیح نہیں مانتے۔

خوارج کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر پر اجماع ہے۔اوران کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قدح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر قدح سے بڑھ کر ہے۔ جب کہ زیدیہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔جب کہ قدیم معتزلہ کا میلان خوارج کی طرف تھا۔اور متأخرین کا میلان زیدیہ کی طرف ہے۔جیسا کہ قدیم رافضہ صراحت کے ساتھ تجسیم کا عقیدہ رکھتے تھے؛ جب کہ ان کے متأخرین معتزلہ اور جہمیہ کے قول پر چلتے ہیں۔ایسے ہی عصر اول کے شیعہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت اور تقدیم میں شک تک نہیں کرتے تھے۔ جب کہ بہت سارے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے تھے۔ یہ اہل کوفہ اور بعض بہت سارے دوسرے لوگوں کا عقیدہ بھی ہے۔امام ثوری بھی پہلے یہی عقیدہ رکھتے تھے پھر آپ نے اس سے رجوع کرلیا۔جب کہ ایک گروہ ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسرے پر فضیلت نہیں دیتا۔یہ قول ابن القاسم نے امام مالک سے نقل کیا ہے' انہوں نے جن اہل مدینہ کو پایا وہ یہی عقیدہ رکھتے تھے۔لیکن ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ: میں نے کسی ایک ایسے کو نہیں پایا جس کی بات ماننے جانے کے قابل ہو اور وہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہو۔اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ وہ لوگ اس مسئلہ میں گفتگو کرنے پر سکوت کو ترجیح دیتے تھے۔تو اس صورت میں یہ کوئی قول نہیں ہوگا۔ اور یہی بات زیادہ ظاہر لگتی ہے۔اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ وہ ان دونوں حضرات کو مساوی سمجھتے ہوں۔ابن القاسم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ: میں نے کسی بھی ایسے انسان کو نہیں دیکھا جس کی اقتداء کی جاتی ہو اور وہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما پر فضیلت میں شک کرتا ہو۔

جمہور الناس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے ہیں۔اور اہل سنت کے ہاں اسی قول کو استقرار حاصل ہے۔یہی محدثین اور اہل زہد وتصوف اور ائمہ فقہاء جیسے امام شافعی؛ اوران کے اصحاب' امام احمد بن حنبل اور ان کے اصحاب امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔امام مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے اوران کے اصحاب کا یہی عقیدہ ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں خون میں داخل ہونے لوگوں کو ان کے برابر نہیں کرتا جو اس میں داخل نہیں ہوئے۔امام شافعی رحمہ اللہ اور دوسرے علما کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے:''مدینہ کے ہاشمی والی نے اسی وجہ سے امام مالک رحمہ اللہ کو مارا اور ظاہری طور پر مکرہ کی طلاق کو سبب بنایا۔ نیز یہ جمہور اہل کلام کرامیہ کلابیہ اشعریہ اور معتزلہ کا مذہب ہے۔

امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح نہ دی اس نے مہاجرین وانصار صحابہ سے بیوفائی کی۔امام احمد بن حنبل امام دارقطنی اور دوسرے علما کرام رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔اوران کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقدیم پر اتفاق ہے۔اسی وجہ سے ان کے مابین نزاع اس انسان کے بارے میں جو حضرت

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



عثمان رضی اللہ عنہ کو ترجیح و افضلیت نہ دے۔ کیا ایسے انسان کو بدعتی شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی یہی دو روایتیں ہیں۔ اور اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقدیم پر ایسے دلیل مل جائے جیسے ان کے علاوہ دوسری خلفاء کی دلیل ہے تو اس سے مسئلہ زیادہ متأکد ہو جاتا ہے۔ جب کہ توقیفی طریقہ نص اور اجماع کا ہے۔

❀......**نص**: رہا نص کا مسئلہ؛ تو صحیحین میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(( كنا نقول ورسول اللهِ ـصلى الله عليهِ وسلم حيٌّ: أفضل أمةِ النبيِ صلى الله عليهِ وسلم بعده أبو بكر، ثم عمر، ثم عثمان ))[1]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں ہم کہا کرتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے افضل ترین انسان ابوبکر ہیں ان کے بعد عمر اور ان کے بعد عثمان۔''

❀......**اجماع**: اجماع کے بارے میں صحیح روایات میں ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ افراد کی شوری بنائی تھی۔ ان میں سے تین افراد نے تین کے حق میں تنازل کر لیا تھا۔ اور اس بات پر اتفاق ہو گیا تھا کہ اب عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ان دو میں سے کسی ایک کو خلیفہ چنیں گے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تین دن اور تین رات تک مسلمانوں سے اس مسئلہ مشورہ کرتے رہے اور جاگتے رہے آپ قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ وہ تین دن سے نہیں سوئے۔ سو اہل مدینہ کے اہل حل وعقد حتی کہ امراء انصار جمع ہو گئے تھے۔ اس کے بعد بغیر کسی خوف اور بغیر کسی لالچ کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر ان تمام کا اتفاق ہو گیا۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ ہی زیادہ حق دار تھے۔ اور جو زیادہ حقدار ہو وہی افضل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ تمام خلق سے افضل ہی اس بات کا حق دار ہو سکتا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی جگہ پر کھڑا ہو۔

جب ہم کہتے ہیں کہ: اس سے لازم آتا ہے کہ آپ ہی سب سے زیادہ حق دار تھے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس سے لازم آتا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تو جاہل تھے یا پھر ظالم تھے۔ اس لیے کہ جب آپ اس مقام کے حق دار نہیں تھے کوئی دوسرا حق دار تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کو اس کا پتہ نہیں چلا تو وہ جاہل شمار ہوئے اور اگر پتہ چلا ہے اور انہوں نے حق دار آدمی کو چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کیا ہے تو وہ ظالم ٹھہرے۔ تو اس سے واضح ہو گیا کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حق دار نہ تھے (اور پھر بھی آپ کو خلیفہ چنا گیا)؛ تو صحابہ کرام کی جہالت یا ظلم لازم آتا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں منتفی ہیں۔ اس لیے کہ وہ لوگ ہم سے بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے احوال سے واقف تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ان دونوں حضرات کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے اس کے بارے میں بھی ہم سے بڑھ کر علم رکھتے تھے اور ہم سے بڑھ کر قرآن کے مدلولات کے عالم تھے۔ کیونکہ یہ حضرات خیر القرون کے لوگ تھے۔ یہ بات ممتنع ہے کہ ایسے مسائل میں ہم ان لوگوں سے زیادہ علم رکھتے ہوں۔ اس لیے کہ ہم لوگوں سے بڑھ کر انہیں ان باتوں کے علم کی ضرورت تھی۔ اس لیے کہ اگر وہ لوگ اپنے دین کے اصولی مسائل سے جاہل ہوں اور ہم جانتے ہوں تو ہم ان سے افضل

[1] فتح الباري (٤/ ٧٤٩)، بحواله طبراني و اسماعيلي۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ٹھہریں گے۔ اور یہ بات (عقلاً و شرعاً) ممتنع ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حق کا عالم اور عادل نہ ہونا بہت بڑی نازیبا بات ہے؛ اس سے ان کی عدالت پر قدح وارد ہوتی ہے۔ اور اس سے یہ بات ضرورت کے تحت ممتنع ہوتی ہے کہ وہ لوگ خیر القرون سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس لیے کہ قرآن نے ان لوگوں کی ایسے الفاظ میں توصیف و ثنا بیان کی ہے جو مدح و تعریف کی انتہا ہے۔ تو پھر اس صورت میں یہ بات محال ہے کہ ان لوگوں کا کسی ایسے ظلم پر اجماع اور اصرار ہو جس کا ضرر پوری امت کو پہنچے۔ اس لیے کہ یہ ظلم صرف ولایت سے روکنے کی حد تک ہی نہیں رہتا بلکہ یہ ہر اس انسان پر ظلم ہوگا جس ولایت کے حقدار کو ولایت تفویض کرنے سے فائدہ پہنچتا۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ دو چرواہے ہوں ان میں سے ایک نگہبانی اور گلہ بانی کے لیے زیادہ مناسب ہو اور وہ اس کا حق دار بھی ہو تو اس کو گلہ بانی سے روکنے کا ریوڑ کے حق منفعت میں کمی کرنا ہے۔

اس لیے بھی کہ قرآن و سنت کے دلائل سے ثابت ہے کہ امت تمام امتوں سے بہتر ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے اسی عقیدہ پر مصر رہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ یہ امت ساری امتوں سے بری ہو۔ اور امت کے پہلے لوگوں میں بھی کوئی خیر نہ پائی جاتی ہو۔ ہم یہ بات بھی جانتے ہیں کہ متأخرین صحابہ کرام جیسے نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ لوگ ظالم اور ظلم پر اصرار کرنے والے تھے تو پھر ساری امت ظالم ٹھہری اور یہ امت خیر الامم بھی نہیں ہو سکتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لے گئے تو ان سے پوچھا گیا: آپ نے کس کو والی بنایا؟ تو آپ نے فرمایا: ''ہم نے اپنے میں سے سب سے اعلیٰ مرتبہ انسان کو ولایت تفویض کی ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں کی۔'' یہاں پر اعلیٰ مرتبہ سے مراد اسلام اور دین میں اعلیٰ مرتبہ ہے۔

اگر یہ بات کہی جائے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ امامت کا حق دار کوئی دوسرا ہو مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے افضل ہوں۔

تو اس کا جواب یہ ہے: پہلی بات: یہ سوال کسی امامیہ کی طرف سے وارد کیا جانا ممکن نہیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک جو سب سے افضل ہوگا وہی امامت کا حق دار بھی ہوگا۔ اور یہی قول جمہور اہل سنت والجماعت کا بھی ہے۔

یہاں پر دو اہم نکات ہیں: یا تو یہ بات کہی جائے کہ افضل امامت کا زیادہ حق دار ہوتا ہے مگر مفضول کو مطلق طور پر یا کسی ضرورت کے تحت یہ منصب تفویض کرنا جائز ہے۔ یا پھر یہ بات کہی جائے کہ جو کوئی بھی اللہ کے ہاں افضل ہو وہ امامت کا بھی زیادہ حق دار ہوگا۔

یہاں پر دونوں باتیں منتفی ہیں۔ اس لیے کہ مفضول فی الاستحقاق کو ولایت تفویض کرنے کی حاجت منتفی تھی۔ اس لیے کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ولایت تفویض کرنے پر قادر تھے۔ اور وہاں کوئی ایسا بھی نہیں تھا جو اس مسئلہ میں تنازع کرتا۔ نہ ہی ان لوگوں کو لالچ دینے یا ڈرانے دھمکانے کی ضرورت تھی۔ اور نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اتنی قوت و شوکت تھی جس کا خوف ہوتا۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ایسے ہی آسانی سے خلیفہ بنایا جا سکتا تھا جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا۔ تو یہ بات ممتنع ثابت ہوگئی کہ یہ کہا جائے کہ مفضول کے علاوہ کسی کو خلیفہ بنائے جانے کا امکان ہی نہیں تھا۔ جب

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



وہ لوگ ایسا کرنے پر قادر تھے اور وہ کوئی بھی کام کرتے تو امت کی بہتری کے لیے کرتے تھے اپنے نفس کے لیے نہیں۔ تو پھر اس صورت میں یہ جائز نہیں رہتا کہ وہ امت کے مصلحت یعنی افضل کو ولایت کی تفویض کو جان بوجھ کر چھوڑ دیں۔ اس لیے کہ وکیل اور ولی اور غیر کے لیے تصرف کرنے والے کے لیے جائز نہیں جس نے اسے اپنے کام پر امین بنایا ہے اس کی مصلحت کو ترک کر دے۔ اس کے باوجود کہ وہ مصلحت کے حاصل کرنے پر قادر بھی ہو۔ تو پھر اس صورت میں کیا کہا جا سکتا ہے جب وہ دونوں باتوں پر برابر کی قدرت رکھتا ہو۔

دوسری بات: اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق میں سب سے افضل تھے۔ جو انسان بھی آپ سے جتنا مشابہ ہو وہ اس دوسرے سے اتنا ہی افضل ہوگا جو ایسا نہ ہو۔ یہ خلافت خلافتِ نبوت تھی۔ آپ کوئی بادشاہ نہیں تھے۔ پس جو کوئی نبی کریم ﷺ کا خلیفہ بنا اور آپ کا قائم مقام ہوا' وہ آپ سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا۔ اور جو آپ سے مشابہت زیادہ رکھتا ہو وہی افضل بھی ہوگا۔ پس جس کا جانشین دوسروں کی نسبت اس کے زیادہ مشابہ ہو تو مشابہت رکھنے والا افضل ہوگا۔ پس یہ خلیفہ یا جانشین افضل ٹھہرا۔ جب کہ اس میں نظری طریقہ یہ ہے کہ: علما کرام نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن کے بڑے عالم تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سنت کے بڑے عالم تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مال سے بہت بڑا جہاد کیا جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات کیساتھ بہت بڑا جہاد کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حکومت سے بے نیاز اور زاہد تھے۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مال و دولت سے بے نیاز اور زاہد تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خون خرابے سے بہت بچا کرتے تھے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مال سے بچا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جہاد بالنفس میں بھی حصہ لیا اور اس میں صابر و ثابت رہے۔ لیکن آپ نے اس وقت تک قتال نہیں کیا جب تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی مقام نہیں مل گیا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((المجاهِد من جاهد نفسه فِي ذاتِ الله)) [1]

''مجاہد وہ ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان کیساتھ جہاد کرے۔''

حکومت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ اکمل تھا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں اس لیے کہ قرآن کا علم سنت کے علم سے زیادہ معظم اور اہم ہے۔ صحیح مسلم میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يؤم القوم أقرأهم لِكتابِ اللهِ ، فإن كانوا فِي القِرأةِ سواء فأعلمهم بِالسنة)) [2]

---

[1] الحديث- مع اختلاف فِي اللفاظِ-عن فضالة بنِ عبيد رضي الله عنه؛ فِي: سننِ الترمِذِي؛ كتاب فضائلِ الجِهادِ، باب ما جاء فِي فضلِ من مات مرابِطاً۔ وقال الترمِذِي: وفِي البابِ عن عقبة بنِ عامِرٍ وجابِرٍ . حديث فضالة بنِ عبيد حديث حسن صحِيح ۔والحديث أيضا فِي: المسند٦/ ٢٠۔

[2] سبق هذا الحديث فِيما مضى 4/280 .

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''لوگوں کی امامت وہ کرائے جو کتاب اللہ کا سب سے زیادہ پڑھنے والا (ماہر) ہو۔ اور اگر کتاب اللہ میں سبھی برابر ہوں تو جو کوئی سنت کا بڑا عالم ہو۔''

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام قرآن جمع اور حفظ کیا۔ اور کبھی کبھار ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپ کو پورا قرآن یاد تھا یا نہیں تھا؟ اور جہاد بالمال جہاد بالنفس پر مقدم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کے اس فرمان میں ہے:

﴿ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ [التوبة 41]

''اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔''

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ [التوبة 20]

''جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے مرتبہ والے ہیں، اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔''

نیز اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ [الانفال: 72]

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو پناہ دی اور مدد کی؛ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

اس لیے کہ لوگ تو اپنے مال کی حفاظت کے لیے لڑتے ہیں۔ اور جہاد بالمال کرنے والا حقیقت میں اپنا مال اللہ کی راہ خرچ کرتا ہے جب کہ جہاد بالنفس کرنے والے کو اپنی ذات کی نجات کی امید ہوتی ہے۔ کبھی اسے میدان جہاد میں شہادت نصیب ہوتی ہے (اور کبھی وہ غازی بن جاتا ہے)۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے قتال پر قدرت رکھنے والے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لیے بذات خود لڑنا تو بڑا آسان ہوتا ہے مگر وہ مال اتنی ہی آسانی سے نہیں نکال سکتے۔ حالانکہ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ وہ اپنے مال اور جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض کا جہاد بالمال سے بہت بڑا کردار ہوتا ہے اور بعض کا جہاد بالنفس سے بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔

مزید برآں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فتوحات اسلامیہ میں بذات خود ایسی تدابیر کرتے رہے جن کا موقع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نصیب میں نہیں آیا۔ ایسے ہی آپ نے حبشہ کی طرف بھی ہجرت کی جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ شرف نہ مل سکا۔ آپ صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کی وجہ سے بیعت رضوان کی ؛ یہ اس وقت ہوا جب آپ کو یہ اطلاع ملی کہ مشرکین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے۔ اور آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیکر ان کی طرف سے بیعت کی۔ یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کی طرف سے بیعت کی۔

جب کہ منصب و مال میں آپ کے زہد و ورع میں کوئی شک نہیں۔ آپ نے بارہ سال تک حکومت کی۔ پھر خوارج کا ظہور ہوا جو کہ آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے آپ کا محاصرہ کرلیا حالانکہ آپ اس وقت روئے زمین پر خلیفہ تھے اور تمام مسلمان آپ کی رعیت تھے۔ مگر اس کے باوجود آپ نے کسی ایک مسلمان کو بھی قتل نہیں کیا اور نہ ہی اپنے نفس کے دفاع میں جنگ کی۔ بلکہ آپ صابر و ثابت رہے یہاں تک کہ آپ کو قتل کر دیا گیا۔

مگر مال کے بارے یہ ضرور ہے کہ آپ اپنے اقارب کو دوسروں سے زیادہ دیا کرتے تھے۔ اور آپ کے پاس مال کی فراوانی تھی۔ آپ نے جو کچھ کیا وہ تأویل کی بنا پر اپنے اجتہاد سے کیا۔ اس اجتہاد پر فقہاء کی ایک جماعت آپ کے موافق ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے مال خمس اور فیٔ کا حصہ رکھا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی جگہ بننے والے خلیفہ کا حق ہے۔ یہ ابی ثور اور دوسرے فقہا کا قول ہے۔ اور بعض کہتے ہیں: قرآن میں قرابت داروں کا جو حق مذکور ہے اس سے مراد امام (یعنی حاکم وقت) کے قرابت دار ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں: امام صدقات پر عامل ہوتا ہے۔ وہ اپنے مال دار ہونے کے باوجود اس میں سے لے سکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے یہ دلائل اور تأویلات تھیں جو کہ آپ سے منقول بھی ہیں۔ پس آپ نے جو کچھ کیا وہ بھی تویل کی ہی ایک قسم ہے جسے فقہا کرام کی ایک جماعت جائز قرار دیتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اقارب میں سے کسی ایک کو بھی عطا کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ بلکہ آپ نے شروع ہی میں ان لوگوں سے جنگ شروع کردی جنہوں نے آپ سے جنگ شروع نہیں کی تھی۔ یہاں تک ان معرکوں میں ہزاروں مسلمانوں قتل کردیے گئے۔ اگرچہ آپ بھی اپنے اس فعل میں متول تھے اور آپ کی اس تاویل پر فقہا کرام کی ایک جماعت نے موافقت کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ لوگ باغی تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے باغیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فقاتِلوا التی تبغی﴾ [الحجرات ۹] ''جو گروہ زیادتی کرے اس سے جنگ کرو۔''

لیکن اکثر علماء کرام رحمہم اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ جیسا کہ بہت سارے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی اختلاف رکھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاِنۡ طَآئِفَتَانِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰٮهُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ﴾ [حجرات ۹]

''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو پھر اگر ان دونوں میں

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے' اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو۔''

ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باغیوں سے جنگ شروع کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اگر اہل ایمان کے دو گروہوں کے مابین جنگ واقع ہو جائے تو اللہ کا حکم یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان صلح کروا۔ اور پھر اگر ایک جماعت دوسری پر سرکشی کرے تو اس سے قتال کیا جائے۔ مگر یہاں پر تو ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں:

((ترك الناس العمل بِهذِهِ الآية))❶ رواه مالِك بِسنادِهِ المعروفِ عنها

''لوگوں نے اس آیت پر عمل کرنے کو ترک کر دیا۔''

اکثر علماء کرام رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ باغی جب تک امام سے جنگ نہ شروع کریں تو اس وقت تک ان سے قتال کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیساتھ کیا تھا۔ اس لیے کہ خوارج سے آپ کے قتال پر تمام علماء کرام رحمہم اللہ کا اتفاق ہے۔ جس کی فضیلت صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ بخلاف معرکہ صفین کے۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے تو حضرت سے جنگ شروع نہیں کی تھی بلکہ آپ کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ اہل سنت والجماعت جیسا کہ امام مالک امام احمد رحمہما اللہ اور دیگر ائمہ کہتے ہیں:

''خوارج کے ساتھ آپ کی جنگ وقتال مامور بہ تھا جب کہ جنگ جمل اور جنگ صفین فتنہ کی جنگیں تھیں۔''

اگر کچھ لوگ کہیں: ہم نماز پڑھتے ہیں اور زکواۃ ادا کرتے ہیں؛ مگر اپنا مال زکواۃ حاکم وقت کو نہیں دیتے؛ اور دیگر واجبات اسلام بھی ادا کرتے ہیں۔ تو اس صورت میں اکثر علماء کرام کے نزدیک ان لوگوں سے قتال کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکواۃ سے جنگ کی تھی اس لیے کہ انہوں نے زکواۃ ادا کرنے سے مطلق طور پر انکار کر دیا تھا۔ ورنہ اگر وہ لوگ یہ کہتے کہ: ہم اپنے ہاتھوں سے زکواۃ ادا کرتے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیتے تو اس صورت میں اکثر علماء کرام کے نزدیک قتال جائز نہیں تھا۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل اور دوسرے علماء کرام رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مختلف شہروں کے علماء ان (جمل وصفین کی) جنگوں کو فتنہ کی لڑائیاں قرار دیتے تھے۔ لہٰذا جو انسان

---

❶ لا يوجد هذا الأثر مروِياً عن مالكِ، ولكِن جاء فِي سننِ البيهقِي (٨/ ١٧٢) عن عائِشة رضي الله عنها أنها قالت: ما رأيت مِثل ما رغِبت عنه هذِهِ الأمة مِن هذِهِ الآيةِ: ﴿وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِى حَتّٰى تَفِىءَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ﴾۔ وذكر هذا الأثر السيوطِي فِي الدرِ المنثور 6/ 91۔ وقال: أخرجه ابن مردويهِ والبيهقِي فِي سننِهِ۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ان جنگوں میں شریک نہیں ہوا وہ ان لوگوں سے افضل تھا جو ان میں شریک ہوئے۔ یہ امام مالک احمد ابو حنیفہ اوزاعی ثوری رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر اتنے ائمہ و علماء کا مذہب ہے جن کی تعداد کا شمار کرنا ممکن نہیں۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ اور دیگر کوفی فقہاء کے نزدیک امام قدوری کی رحمہ اللہ اور دیگر علماء کی نقل کے مطابق باغیوں سے جنگ کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر وہ خود امام کے خلاف برسر پیکار جنگ ہو جائیں تو پھر ان سے جنگ و قتال کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہ واجب زکواۃ ادا کر رہے ہوں۔ مگر اسے حاکم وقت کے ہاتھوں میں دینے سے انکار کر دیں تو پھر ان سے جنگ جائز نہیں۔

ایسے ہی امام احمد اور دیگر ائمہ اور جمہور ائمہ و فقہا کا مذہب یہ ہے کہ قرآن میں مذکور ذوی القربی سے مراد رسول اللہ کے قریبی رشتہ دار مراد ہیں۔ اور امام کو وہ مقام یا رخصت حاصل نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی۔ یہاں پر مقصود یہ ہے کہ یہ دونوں خلفاء اگر چہ اپنے افعال میں متأول اور مجتہد تھے اور ان علماء کرام کی ایک جماعت نے ان کی موافقت بھی کی ہے جو صرف علم اور دلیل کی روشنی میں بات کرتے ہیں؛ اور ان دونوں کا کوئی کام ایسا بھی نہیں جس کی وجہ سے ان پر کوئی تہمت آتی ہو۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اجتہاد مصلحت کے زیادہ قریب اور فساد سے بہت دور تھا۔ اس لیے کہ خون کا خطرہ اور فتنہ مال کے خطرہ اور فتنہ سے بہت بڑھ کر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بڑی پر امن اور پر سکون تھی۔ تمام امت اس وقت آپس میں متفق و متحد تھی۔ چھ سال تک لوگوں کو آپ کا کوئی برا نہیں لگا اور نہ ہی کسی چیز پر انکار کیا گیا۔ پھر باقی کے چھ سالوں میں کچھ ایسی چیزیں دیکھنے میں آئیں جن پر انکار کیا گیا۔ یہ ان چیزوں سے بہت کم تھی جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منصب خلافت پر فائز ہونے کے وقت موجود تھیں۔ جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا وہ اوباش اور بے راہ رو نوجوانوں کا ایک گروہ تھا۔ جب کہ بہت سارے سابقین اولین نے نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اتباع کی اور نہ ہی آپ کی بیعت کی۔ بلکہ بہت سارے صحابہ اور تابعین نے آپ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ ایسے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں شہروں کے شہر فتح ہوئے کفار کو قتل کیا گیا۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں نہ ہی کوئی نیا شہر فتح ہوا اور نہ ہی کسی کافر کو قتل کیا گیا۔

یہ جو کچھ بھی ہوا اگر یہ سارا رائے کا نتیجہ ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے زیادہ کامل و اکمل ہے۔ اور اگر یہ قصد و ارادہ کی وجہ سے ہے تو آپ کا قصد و ارادہ زیادہ مکمل و اتم تھا۔

نیز یہ بھی کہتے ہیں اگر چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں سے شادی کی تھی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا تھا:

(( لو كان عِندنا ثالِث لزوجناها عثمان)) [سبق تخريجه]

''اگر ہمارے پاس تیسری بیٹی ہوتی تو ہم اس کی شادی بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہی کر دیتے۔''

اسی وجہ سے آپ کا نام ذوالنورین رکھا گیا۔ اس لیے کہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو نبی کی دو بیٹیوں سے شادی کرنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نبی کریم ﷺ نے تو بنی امیہ میں سے ایسے انسان کو بھی اپنا داماد بنایا جس کا مقام و مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہت کم تھا۔ آپ نے ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کو اپنی بڑی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا شادی کر کے دیدی تھی۔ اور اس کے ساتھ سسرالی رشتہ کی شکر گزاری کے الفاظ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بطور حجت کے ارشاد فرمائے جب آپ ابو جہل کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا:

(( إِن بنِي المغِيرة استأذنونِي فِي أن ينكِحوا فتاتهم علِي بن بِي طالِب ، وإِنِي لا آذن ، ثم لا آذن ، ثم لا آذن ، إِلا أن يرِيد ابن بِي طالِب أن يطلِق ابنتِي ويتزوج ابنتهم . واللهِ لا تجتمِع بِنت رسولِ اللهِ وبِنت عدوِ اللهِ عِند رجل بدا ، إِنما فاطِمة بضعة مِنِي ، يرِيبنِي ما رابها ، ويؤذِينِي ما آذاها ، ثم ذكر صِهرا له مِن بنِي عبدِ شمس فأثنى عليهِ وقال: حدثنِي فصدقنِي ، ووعدنِي فوفى لِي )) [سبق تخريجه]

''بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اپنی بیٹی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینے کی اجازت طلب کی ہے۔ واضح رہے کہ میں اس کی اجازت نہیں دیتا، میں اس کی اجازت نہیں دیتا، میں اس کی اجازت نہیں دیتا، [آپ نے تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے]۔ البتہ علی رضی اللہ عنہ اگر میری بیٹی کو طلاق دے دیں تو ان کی بیٹی کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں۔ فاطمہ! میرا جگر پارہ ہے جو اس کو شک میں ڈالتا ہے، وہ مجھے شک میں مبتلا کرتا ہے اور جو چیز اس کو ایذا دیتی ہے وہ مجھے ایذا دیتی ہے۔ پھر آپ نے اپنے ایک داماد کا ذکر کیا جو بنی عبد شمس کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا: اس (آپ کے داماد ابو العاص) نے جب بات کی تو سچ بولا اور جب وعدہ کیا تو اسے پورا کیا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ سسرالی و دامادی کے تعلق کا بھی یہی حال تھا۔ آپ ہمیشہ قابل تعریف ہی رہے۔ آپ سے کوئی ایسی حرکت نہیں ہوئی جو کہ قابل سرزنش ہو۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر ہمارے پاس تیسری بیٹی ہوتی تو ہم اس کی شادی بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہی کر دیتے۔''

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دامادی تعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس تعلق سے زیادہ کامل تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ اور آپ کے بعد بھی کچھ عرصہ حیات رہیں آپ کی جدائی کا صدمہ اٹھایا۔ تو آپ کو وہ فضائل حاصل ہوئے جو دوسری بیٹیوں کو حاصل نہ ہو سکے۔ اور یہ بات عام عادت کے مطابق معلوم ہے کہ چھوٹی سے پہلے بڑی بیٹی کی شادی کی جاتی ہے۔ تو ابو العاص نے پہلے زینب سے مکہ میں شادی کی۔ پھر اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما سے یکے بعد دیگر شادی کی۔

کہتے ہیں: شیعان عثمان رضی اللہ عنہ جو کہ آپ کے ساتھ خاص ہیں۔ وہ خواص شیعان علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ افضل اور زیادہ بہتر ہیں۔ ان کا شر بہت کم ہے۔ اس لیے کہ شیعان عثمان رضی اللہ عنہ پر جو سب سے بڑی تہمت ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



انحراف اور برسر منبر آپ پر سب وشتم کرنا ہے۔اس کی وجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے مابین پیش آنے والے قتال اور جنگ وجدل کے واقعات ہیں۔مگراس کے باوجود وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یا آپ کے محبین میں سے کسی ایک کو کافر نہیں کہتے تھے۔ جب کہ شیعان علی میں ایسے لوگ تھے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت کو کافر کہتے اکابر صحابہ پر لعنت کرتے تھے۔ یہ جرم شیعان عثمان رضی اللہ عنہ کے جرم سے ہزار گنا بڑھ کر ہے۔

شیعان عثمان رضی اللہ عنہ کافروں سے جنگیں لڑا کرتے تھے۔ جب کہ رافضی کفار سے جنگ نہیں لڑتے۔شیعان عثمان میں کوئی ایک بھی زندیق اور مرتد نہیں تھا۔مگر شیعان علی رضی اللہ عنہ میں اتنے زیادہ زندیق اور مرتد داخل ہوگئے کہ ان کی صحیح تعداد کو اللہ تعالی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔شیعان عثمان رضی اللہ عنہ نے کبھی کفار سے موالات نہیں کی۔ جب کہ رافضی یہود و نصاری اور مشرکین سے دوستی کر کے مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں۔اس طرح کے کئی واقعات پیش آ چکے ہیں۔

شیعان عثمان رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک نے بھی نبوت یا الوہیت کا دعوی نہیں کیا۔ جب کہ شیعان علی رضی اللہ عنہ میں داخل ہونے والے بہت سارے لوگوں نے آپ کے معبود برحق اور نبی ہونے کا دعوی کیا ہے۔

شیعان عثمان رضی اللہ عنہ میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس نے آپ کے امام معصوم یا منصوص ہونے کا دعوی کیا ہو۔ جب کہ رافضہ کا یہ ایمان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام منصوص اور معصوم ہیں۔شیعان عثمان رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تقدیم پر اتفاق ہے۔ جب کہ متاخرین شیعان علی رضی اللہ عنہ میں سے اکثر ان حضرات کی مذمت کرتے ہیں اور انہیں گالیاں دیتے ہیں۔دوسری طرف روافض کا ان دونوں حضرات سے بغض رکھنے اور مذمت کرنے پر اتفاق ہے۔ جب کہ ان میں سے بہت سارے انہیں کافر بھی کہتے ہیں۔

جب کہ زیدیہ میں سے بہت سارے لوگ ان دونوں حضرات کی مذمت کرتے ہیں اور ان پر سب وشتم اور لعن وطعن کرتے ہیں۔ جبکہ زیدیہ میں سے جو اچھے لوگ ہیں وہ آپ کو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت و ترجیح دیتے ہیں۔اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مذمت اور آپ پر دشنام طرازی کرتے ہیں۔

ایسے ہی شیعان عثمان میں ایسے لوگ بھی تھے جو نماز کو دیر سے پڑھتے ؛ ظہر اور عصر میں تاخیر کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بنوعباس کی حکومت قائم ہوگئی تو وہ بنوامیہ کی نسبت نماز کے وقت کا بہت اچھا خیال کرنے لگے۔مگر خواص شیعان علی رضی اللہ عنہ ائمہ ثلاثہ یا دیگر میں سے کسی ایک کی بھی امامت کا اقرار نہیں کرتے۔اسی لیے وہ نماز ترک کرنے کے معاملہ میں سب فرقوں سے آگے ہیں۔یہی نہیں بلکہ باقی شرائع کو بھی ترک کرتے ہیں۔اور یہ کہ یہ لوگ نہ ہی جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی باجماعت نماز۔ان کی مساجد ویران پڑی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ عصر اور عشاء کی نماز میں اتنی تقدیم اور مغرب کی نماز میں اتنی تاخیر کرتے ہیں کہ شیعان عثمان رضی اللہ عنہ کی نسبت یہ لوگ دین سے بہت زیادہ منحرف ہیں۔اس پر مصیبت یہ ہے کہ ان کی مساجد تو ویران ہیں مگر درگاہیں آباد ہیں۔مشرکین اور اہل کتاب کے نقش قدم پر چل رہے ہیں ان میں اگر کوئی نیک انسان مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے۔پس یہ سبھی ایک ہی کچھ ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شیعان میں جو شر و فساد پایا جاتا ہے وہ اس شر و فساد سے کئی گنا بڑھ کر ہے جو شیعان عثمان میں پایا جاتا ہے۔ اور جو خیر و صلاح شیعان عثمان رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی ہے وہ شیعان علی میں پائی جانے والی خیر و صلاح سے کئی گنا بڑھ کر ہے۔ بنو امیہ سبھی شیعان عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ بعد والوں کی نسبت ان کے زمانے میں شرائع اسلام غالب اور ظاہر تھیں۔ صحیحین میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا یزال ھذا الأمر عزیزاً إلی اثنی عشر خلیفة کلھم من قریش )) [سبق تخریجه]

''لوگوں کا معاملہ یعنی خلافت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک ان میں بارہ خلفا ان کے حاکم رہیں گے۔''

یعنی دین اس وقت تک غالب رہیگا جب تک ان میں بارہ امام ہوگزریں۔

بخاری کے الفاظ ہیں: اثنی عشر أمیراً۔'' بارہ امیر۔'' ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: '' لا یزال أمر الناس ماضیا ولھم اثنا عشر رجلا ۔'' ''لوگ اس وقت تک خوشحال رہیں گے جب تک ان میں بارہ افراد ہوگزریں۔''

ایک روایت میں ہے: ''لا یزال الإسلام عزیزا إلی اثنی عشر خلیفة کلھم من قریش۔''

''اسلام کا معاملہ اس وقت تک غالب و سربلند رہے گا جب تک بارہ خلیفہ ہوگزریں یہ سب قریش میں سے ہوں گے۔'' [سبق تخریجه]

حقیقت میں ایسے ہی ہوا۔ حضرات خلفاء: ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور پھر ولایت اسے ملی جس پر لوگوں کا اتفاق ہوگا اور دین اسلام کو غلبہ اور حفاظت نصیب ہوئی۔ یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پھر ان کا بیٹا یزید پھر عبدالملک بن مروان پھر اس کے چاروں بیٹے پھر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ۔ پھر اس کے بعد دولت اسلامیہ میں نقص آنا شروع ہوا جو کہ آج تک باقی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بنو امیہ تمام ارض اسلام کے والی تھے۔ اور ان کے زمانے میں ملک کو استحکام حاصل تھا۔ اور خلیفہ کو اس کے نام سے پکارا جاتا تھا جیسے عبد الملک اور سلیمان۔ لوگ اس وقت میں عضد الدولہ اور عزالدین اور بہاء الدین اور فلان الدین کے القاب کو نہیں پہچانتے تھے۔ خلیفہ لوگوں کو پانچ وقت کی نماز پڑھاتا تھا۔ مسجد میں بیٹھ کر اسلامی لشکر تیار ہوتا اور امراء مقرر کیے جاتے۔ اور خلیفہ اپنے گھر میں رہتا تھا قلعوں میں نہیں؛ اور نہ ہی لوگوں کو ان تک رسائی سے روکا جاتا تھا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ اسلام کے شروع میں قرون مفضلہ کے لوگ تھے جو کہ صحابہ کرام تابعین عظام اور تبع تابعین کا دور تھا۔ بنو امیہ پر لوگوں کے جو دو سب سے بڑے الزامات تھے وہ یہی تھے: ایک حضرت علی پر سب و شتم۔ اور دوسرا نماز میں وقت سے تاخیر۔ حضرت عمر بن مرہ جملی رحمہ اللہ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا۔ آپ سے پوچھا گیا: اللہ تعالی نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تو آپ نے فرمایا: نماز کے وقت کی حفاظت اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالی نے میری مغفرت کردی۔ یہ اس انسان کا حال ہے جس نے اختلاف کے ظہور کے وقت ان دوسنتوں کی حفاظت کی۔ تو اللہ تعالی نے اس کی وجہ سے اس کی مغفرت فرمادی۔ اور یہی حال ان تمام

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



لوگوں کا ہو گا جو بدعت کے ظہور و انتشار کے وقت سنت کو اپنے گلے سے لگائیں گے۔ مثلاً جو انسان خلفا ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت کو اس وقت گلے سے لگالے جس وقت اس کے خلاف ہو رہا ہو۔ یا اس طرح کی دیگر کوئی بات ہو رہی ہو۔

پھر یہ بھی اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت اور دین اسلام پر اس کی رحمت ہے کہ جب حکومت بنی ہاشم سے منتقل ہوئی تو بنو عباس میں چلی گئی۔ اس لیے کہ سب سے پہلے جب بنو ہاشم [بنی عباس] کی حکومت بنی تو ان کا نعرہ تھا: رضائے آل محمد۔ اس حکومت کے شیعہ بنو ہاشم سے محبت کرنے والے تھے۔ اور بنی ہاشم میں سے جو خلیفہ بنا وہ خلفا راشدین اور سابقین اولین مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم اجمعین کی قدر جانتا تھا۔ اس لیے ان کے دور حکومت میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعظیم و تکریم ہی ہوتی رہی۔ اور منابر پر ان کا ذکر خیر اور ثنائے جمیل ہوتی رہی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم کے ترانے بجنے لگے۔ وگرنہ اگر کوئی رافضی منصب ولایت پر پہنچ جاتا تو - العیاذ باللہ - تو وہ خلفا راشدین اور سابقین اولین رضی اللہ عنہم اجمعین کو گالیاں دیتا اور سارے اسلام کو الٹ کر رکھ دیتا۔

لیکن اس حکومت میں وہ خود غرض بھی کسی طرح داخل ہو گئے جن کا باطن اچھا نہیں۔ اور انہیں ہٹانا بھی ممکن نہیں تھا جیسا کہ حضرت علی کے لیے اپنے لشکر کے بڑے بڑے امرا کو معزول کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ جیسا کہ اشعث بن قیس اشتر نخعی اور ہاشم مرقال اور ان کے امثال و ہمنوا۔

ایسے ہی وہ مجوسی اہل بدعت اور زندیق بھی ان کی صفوں میں داخل ہو گئے جن کے دل میں اسلام کے خلاف بغض و حسد تھا۔ مہدی نے ان کو تلاش کر کے اور چن چن کر قتل کیا۔ یہاں تک کہ بہت بڑے شر سے حفاظت اور دفاع ممکن ہو گیا۔ یہ مہدی بنو عباس کے بہترین خلفا میں سے ایک تھا۔ ایسے ہی رشید کا معاملہ بھی تھا۔ اس میں علم و جہاد اور دین کی تعظیم کا عنصر بدرجہ اتم موجود تھا یہی وجہ ہے کہ اس کے دور حکومت کو بنو عباس کا سنہری دور کہا جاسکتا ہے۔ بالفاظ دیگر بنو عباس کی سعادت کا سورج اس وقت اپنی اوج تمام پر تھا۔ اس کے بعد بنو عباس کی شیرازہ بندی اس طرح سے ممکن نہیں رہی۔ حالانکہ بنی عباس میں سے ایک بھی اندلس پر حکمران نہیں بنا۔ نہ ہی مغرب کے اکثر علاقے ان کے زیر نگیں آئے۔ ان میں سے بعض امرا کچھ عرصہ کے لیے افریقہ کے بعض علاقوں پر قابض ہوئے تھے پھر ان سے یہ علاقے چھین لیے گئے۔ بخلاف بنو امیہ کے۔ وہ تمام اسلامی مملکت کے حکمران تھے۔ اور انہوں نے دشمنان دین کو مغلوب کر رکھا تھا۔ ان کے کئی لشکر تھے۔ ایک لشکر اگر اندلس فتح کر رہا تھا تو دوسرا لشکر بلاد ترک میں القان سے برسر پیکار تھا۔ تیسرا لشکر بلاد عبید پر حملہ آور تھا تو چوتھا لشکر ارض روم میں جہاد کر رہا تھا۔ اسلام کو روز بروز قوت مل رہی تھی اسلام زمین میں پھیل رہا تھا۔ اور تمام روئے ارض پر غالب و سربلند تھا۔ یہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فرمان کی تصدیق تھی جس میں آپ نے فرمایا تھا:

"لوگوں کا معاملہ یعنی خلافت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک ان میں بارہ خلفاء ان کے حاکم رہیں گے۔"

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



یہی وہ بارہ خلیفہ ہیں جن کا تذکرہ تورات میں کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت میں ہے: اور یہ بارہ عظیم انسانوں کو جنم دے گا۔

جس کا یہ گمان ہو کہ ان بارہ سے مراد وہ بارہ امام ہیں جن کی امامت کا اعتقاد رافضی رکھتے ہیں تو وہ انتہائی جہالت کا شکار ہے۔اس لیے کہ ان بارہ میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں گزرا جسے قوت وشوکت حاصل ہو سوائے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے۔(یعنی صرف آپ ہی حکمران بنے اور آپ کے ہاں لشکر وسطوت اور بیعت حاصل تھی )۔مگر اس کے باوجود آپ اپنے عہد خلافت میں کفار کے ساتھ کوئی جنگ نہ لڑ سکے۔نہ ہی کوئی شہر فتح کیا نہ ہی کسی کافر کو قتل کیا۔بلکہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے میں مشغول ہو گئے۔یہاں تک کہ مشرق میں کفار اور بلاد شام میں مشرکین اور اہل کتاب ان کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے۔یہاں تک کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بعض اسلامی شہروں پر بھی قبضہ کر لیا۔اور بعض کفار کو خیر سگالی کے پیغام بھیجے جانے لگے تا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ نہ کریں۔اس میں اسلام کی کونسی عزت ہے؟ کہ ان کا دشمن انہیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔اور بعض علاقے بھی اس نے قبضہ کر لیے۔

جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی تمام ائمہ میں سے کسی ایک کو بھی قوت وسطوت حاصل نہ تھی خصوصا امام منتظر کو۔بلکہ جو لوگ اس کی امامت کا اعتقاد رکھتے ہیں ان کے نزدیک یہ انتہائی خوفزدہ اور عاجز امام ہیاور ساڑھے چارسو سال سے بھاگ کر کہیں چھپ گیا ہے۔یہ امام نہ ہی کسی کو کوئی ہدایت کی بات بتا سکا۔اور نہ ہی امر بالمعروف کر سکا اور نہ ہی نہی عن المنکر۔نہ ہی کسی مظلوم کی مدد کی اور نہ ہی کسی ایک مسئلہ میں کوئی فتوی دیا۔نہ ہی کسی جھگڑے میں کوئی فیصلہ کیا۔نہ ہی اس کے وجود کا کوئی اتہ پتہ ہے۔اگر اس امام کو موجود مان بھی لیا جائے تو اس سے کونسا فائدہ حاصل ہوا؟ چہ جائے کہ اس کی وجہ سے اسلام کو غلبہ نصیب ہو۔

نبی کریم بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ: اسلام غالب رہے گا۔اور یہ امت صراط مستقیم پر رہے گی یہاں تک کہ بارہ خلفا جانشین ہو جائیں۔اگر ان سے وہ بارہ مراد ہیں جن کا آخری امام منتظر ہے اور ان کے نزدیک وہ ابھی تک موجود ہے۔یہاں تک کہ اس کا ظہور ہوگا۔اسلام بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں غالب اور عزیز تھا۔اور مشرق و مغرب سے کفار کا خروج ہوا اور انہوں نے جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کیا اس کی تفصیل کے بیان کا یہ موقع نہیں اور اسلام آج تک غالب اور عزیز ہے۔یہ تو اس حدیث کی دلالت کے خلاف ہے۔

مزید برآں امامیہ کے ہاں اسلام وہی ہے جس پر وہ لوگ قائم ہیں۔جب کہ یہ فرقہ پوری امت اسلامیہ کے تمام فرقوں سے زیادہ ذلیل اور راندہ درگاہ رہا ہے۔اہل اھوا میں سے کوئی بھی فرقہ روافض سے بڑھ کر ذلیل نہیں ہے ۔ اور نہ ہی کوئی ان سے زیادہ اپنی بات کو چھپانے والا اور بات بات میں تقیہ کر کے دھوکہ دینے والا ہے۔ان کے خیال کے مطابق-حدیث میں وارد بارہ امام-شیعہ کے بارہ امام ہیں۔جب کہ یہ لوگ انتہائی درجہ کی ذلالت ورسوائی کا شکار ہیں۔تو پھر ان کے اس گمان کے مطابق اسلام کو ان بارہ ائمہ کی وجہ سے کونسی عزت اور غلبہ نصیب ہوا۔بہت سارے یہودی جب

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اسلام کا اظہار کرتے ہیں تو وہ شیعہ بن جاتے ہیں۔ اس لیے کہ تورات میں بارہ ائمہ کا ذکر ہے۔ تو یہ نئے اسلام کا اظہار کرنے والے یہ گمان کرتے ہیں کہ یہی شیعہ کے بارہ امام وہ ائمہ ہیں جن کی بشارت تورات میں دی گئی ہے۔ جب کہ معاملہ ایسے نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد قریش کے وہ بارہ امام ہیں جنہیں امت کی عام ولایت نصیب ہوئی۔ اوران کے زمانے میں اسلام غالب اور مستحکم تھا۔ یہ بات بہت مشہور و معروف ہے۔

ابن ہبیرہ نے اس حدیث میں تاویل کی ہے کہ اس سے مراد بارہ ارکان مملکت ہیں مثلاً وزیر قاضی اور اس طرح کے دوسرے لوگ۔ حالانکہ اس کی کوئی اہمیت یا ضرورت نہیں۔ حدیث اپنے ظاہر پر ہے۔ اس میں تکلف کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ بعض دوسرے لوگوں جیسے ابوالفرج ابن جوزی وغیرہ نے بھی اس کی بہت ضعیف تاویل کی ہے۔ اور بعض نے کہہ دیا ہے کہ ہم اس کا معنی سمجھنے سے قاصر ہیں جیسا کہ قاضی ابوبکر ابن العربی۔ جب کہ مروان اور ابن زبیر میں سے کسی ایک کو بھی ولایت عامہ حاصل نہ تھی۔ بلکہ ان کا زمانہ فتنہ کا زمانہ تھا۔ اس دور میں نہ ہی اسلام کو کوئی غلبہ حاصل ہوا اور نہ ہی دشمنان سے جہاد کیا گیا جس کو حدیث شامل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی اسی باب سے قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ: آپ کی خلافت نص اور اجماع سے ثابت نہیں ہوتی۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور بعض دوسرے ائمہ کرام نے ان لوگوں پر رد کیا ہے۔ ان ائمہ کا کہنا ہے: جو کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ شمار نہ کرے وہ گھر کے گدھے سے بھی بدتر ہے۔ انہوں نے خلافت علی رضی اللہ عنہ کے اثبات پر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تکون خِلافۃ النبوۃِ ثلاثِین سنۃ ثم تکون ملکاً۔" [سبق تخریجہ]

"خلافت نبوت تیس سال تک ہوگی۔ پھر اس کے بعد بادشاہی ہوگی۔"

فرمایا: کسی نے راوی سے کہا: بنو امیہ کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ نہ تھے۔ تو آپ نے فرمایا: بنو زرقاء (نیلی آنکھوں والے کی اولاد) نے جھوٹ بولا۔ اس موضوع پر تفصیلی کلام دوسرے مقامات پر گزر چکا ہے۔ یہاں پر مقصود یہ ہے کہ جس حدیث میں بارہ خلفاء کا ذکر ہے خواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان میں داخل مانا جائے یا نہ مانا جائے اس سے مراد قریش کے وہ خلفاء ہیں جو کہ گزر چکے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں دوسرے تمام لوگوں سے بڑھ کر خلافت کے حق دار تھے۔ اس میں کسی ایک عالم کو بھی کوئی ادنیٰ شک بھی نہیں ہے۔

[ سیرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پلڑا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت سے مقابلۃً بھاری ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عمر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس سال زیادہ بڑے تھے۔ اس بات پر صحابہ کا اجماع قائم ہو چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔ ان دلائل سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت واضح ہوتی ہے ]۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو رافضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو ایسے فضائل ذکر کیے ہیں' جو عند اللہ فضائل ہیں تو وہ حق ہیں۔ مگر پہلے تین خلفاء ان فضائل میں آپ سے زیادہ کامل و اکمل تھے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



# فصل: ...... [قرابت داری کی بنا پر فضیلت]

**[اشکال]:** شیعہ کہتے ہیں کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے قرابت داری کی بنا پر افضل تھے۔''

**[جواب]:** ہم کہتے ہیں اس کے کئی جواب ہیں:

پہلا جواب: ......اللہ تعالیٰ کے ہاں فقط قرابت داری کی کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی اسے معتبر مانا جاتا ہے۔ حضرت عباس آپ سے زیادہ قریبی نسب رکھتے تھے۔ اور ایسے ہی سید شہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سابقین اوّلین مہاجرین صحابہ میں شامل تھے؛ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو سید الشہداء کا لقب عطا کیا تھا۔[1] وہ نسب کے لحاظ سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت نبی کریم ﷺ سے قریب تر تھے۔ نظر بریں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہونگے۔

ان کے علاوہ بھی نبی کریم ﷺ کے بہت سارے چچا زاد [مسلمان اور صحابہ میں سے ] ہیں جیسے: حضرت جعفر، عقیل، عبداللہ، عبیداللہ، فضل، اور دوسرے بنی عباس اور جیسے ربیعہ، اور ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب۔ یہ لوگ اہل بدر سے افضل نہیں ہیں اور نہ ہی بیعت رضوان والوں سے افضل ہیں اور نہ ہی ان کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جنہیں اسلام میں سبقت حاصل ہو۔ جیسے حضرت حمزہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما؛ یہ دونوں حضرات سابقین اولین میں سے ہیں۔ ایسے ہی عبیدہ بن الحارث جو کہ جنگ بدر کے موقع پر شہید ہوئے۔

پس اس موقع پر رافضی مصنف نے حضرت فاطمہ اور حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے جو فضائل ذکر کیے ہیں ان میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔ حالانکہ ان لوگوں کے ایسے صحیح فضائل بھی احادیث مبارکہ میں ثابت ہیں جنہیں رافضی مصنف نے ذکر نہیں کیا۔ لیکن اس نے وہ باتیں ذکر کی ہیں جو جھوٹ پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ خطیب خوارزمی کی نقل کردہ روایت کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے ان کی شادی کروائی۔ نکاح کا پیغام لانے والے جبریل امین تھے؛ اور اسرافیل اور میکائیل ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ بطور گواہ موجود تھے۔

اس حدیث کے من گھڑت اور جھوٹ ہونے پر تمام اہل علم کا اتفاق و اجماع ہے۔ اور یہی حال اس روایت کا بھی ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کی گئی ہے۔

دوسرا جواب: ......اگر قرابت داروں کا ایمان لانا فضیلت ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس فضیلت میں باقی لوگوں پر مقدم ہیں۔ اس لیے کہ تمام لوگوں کا اجماع ہے کہ آپ کے والد بھی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تھے۔ جب کہ ابو طالب ایمان نہیں لائے۔ ایسے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ اور ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ صحابہ کرام میں سے یہ شرف کسی کو حاصل نہیں ہوسکا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اقارب میں سے اولاد ابوقحافہ میں مرد و خواتین سے کوئی بھی ایسا نہیں بچا جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لایا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کی بیٹی سے

---

[1] مستدرك حاكم(٣/ ١٩٥)، مجمع الزوائد(٩/ ٢٦٨)، تاريخ بغداد(٦/ ٣٧٧)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



شادی کی ؛ اور یہ رسول اللہ ﷺ کی سب سے محبوب بیوی تھیں۔ اس معاملہ میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی دوسرا صحابی آپ کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ لیکن اس میں بھی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسا مقام و مرتبہ حاصل نہ تھا۔ بلکہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک بار طلاق بھی دی تھی پھر اس سے رجوع کر لیا تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ان کی باری کی دو راتیں ہوا کرتی تھیں۔ ایک ان کی اپنی رات اور ایک رات حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے ان کو ہبہ کی ہوئی تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا سسرالی تعلق اس نوعیت کا تھا کہ اس میں کوئی دوسرا آپ کا شریک و سہیم نہیں تھا۔ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دامادی کے تعلق میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کے ہم پلہ اور برابر کے شریک تھے۔ بلکہ نبی کریم ﷺ نے یکے بعد دیگر اپنی دو بیٹیوں کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ اور فرمایا تھا: ''اگر ہمارے پاس تیسری بیٹی ہوتی تو ہم اس کی شادی بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہی کر دیتے۔''

اسی وجہ سے آپ کا نام ذوالنورین رکھا گیا۔ اس لیے کہ آپ کو نبی کی دو بیٹیوں سے شادی کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور آپ کیساتھ حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ اپنی بڑی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا شادی کر کے دی دی تھی۔ اور اس کے ساتھ سسرالی رشتہ کی شکرگزاری کے الفاظ میں ان کی تعریف بھی کی۔ یہ الفاظ آپ ﷺ نے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بطور حجت کے ارشاد فرمائے جب آپ ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے تھے آپ ﷺ نے ان ابو العاص کے متعلق فرمایا تھا:

''اس (آپ کے داماد ابوالعاص) نے جب بات کی تو سچ بولا اور جب وعدہ کیا تو اسے پورا کیا۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان کے اسلام لانے سے ایک عرصہ پہلے اسلام لا چکی تھیں۔ اور پھر آپ سے علیحدہ ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔ یہاں تک کہ جب ابوالعاص رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو آپ نے پچھلے ہی نکاح پر حضرت زینب ان کو واپس کر دی۔ اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے تجدید نکاح کی۔ صحیح بات یہ ہے کہ پہلے ہی نکاح پر واپس کیا تھا۔ ائمہ حدیث جیسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہاں یہی چیز ثابت ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کرام کے مابین اختلاف واقع ہوا ہے کہ کیا اگر بیوی شوہر سے پہلے اسلام لے آئے تو اس صورت میں نکاح کا کیا ہوگا؟ اپنی جگہ پر اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے۔

❀❀❀❀

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



فصل چہارم:

# ائمہ اثنا عشرہ کی امامت کا اثبات

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''ہم کئی طریقوں سے بارہ اماموں کی امامت ثابت کرتے ہیں۔ اس کا پہلا طریق نص ہے۔ چنانچہ شیعہ تمام بلاد و امصار میں خلفاً عن سلفٍ نقل کرتے چلے آئے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: ''یہ خود امام، امام کا بھائی اور امام کا بیٹا ہے اس کی نسل سے نو امام ہوں گے، امام قائم کا نام میرا نام اور کنیت بھی میرے جیسی ہوگی۔ وہ زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ جور و استبداد سے بھر چکی ہوگی۔''

**[جواب]**: اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

پہلا جواب یہ ہے کہ: یہ شیعہ پر بہتان ہے۔ تمام شیعہ نے یہ بات نہیں کہی، بلکہ یہ مختلف شیعہ گروہوں میں سے بعض شیعہ کا قول ہے۔ اکثر شیعہ خصوصاً تمام زیدیہ اس کو اسی طرح جھوٹا سمجھتے ہیں جیسے اہل سنت۔ زیدیہ کا فرقہ تمام شیعہ فرقوں میں زیادہ دانش مند صاحب علم اور مقابلۃً بہتر ہے۔ تمام اسماعیلیہ کے نزدیک بھی یہ جھوٹ ہے۔ شیعہ کے تقریباً ستر فرقے ہیں جو سب اس روایت کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ روایت اور مذکورہ بالا نظریہ متاخرین شیعہ اثنی عشریہ کی اختراع ہے۔ جملہ طور پر شیعہ کے متعدد فرقے ہیں؛ ان میں سے ان کی بڑی اقسام بیس ہیں؛ ایک فرقہ کے علاوہ باقی تمام لوگ اس کا انکار کرتے ہیں؛ تو پھر شیعہ کے تواتر کا دعوی کرنا کیا معانی رکھتا ہے۔

دوسرا جواب:...... یہ روایت شیعہ اثنا عشریہ کے علاوہ باقی شیعہ فرقوں کی نقل کردہ روایت کے معارض و مناقض ہے۔ مثلاً جو لوگ بارہ ائمہ نہیں مانتے؛ اور راوندیہ کی نقول بھی اسی طرح کی ہیں۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کا دعوی اثنا عشری شیعہ کے دعوی کے برعکس ہے۔

تیسرا جواب:...... متقدمین شیعہ علماء کرام نے اس نص کو اس طرح نہیں سمجھا' اور نہ ہی انہوں نے اپنی کتابوں میں کوئی ایسا ذکر کیا ہے اور نہ ہی انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے۔ جب کہ ان کے واقعات متواتر اور مشہور ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ متاخرین شیعہ کی اختراع ہے۔ یہ روایت اس وقت گھڑ لی گئی جب حسن بن علی عسکری نے (بلا وارث) کا انتقال ہوگیا۔ اور پھر یہ دعوی کیا جانے لگا کہ: امام عسکری کا بیٹا محمد روپوش ہوگیا ہے۔ اس وقت یہ نص بھی ظہور میں آئی۔ یعنی نبی کریم ﷺ کی وفات سے تقریباً دو سو پچاس سال کے بعد کا واقعہ ہے۔

چوتھا جواب:...... دوسری جانب اہل سنت اور علماء اہل سنت اور ناقلین آثار جو شیعہ سے [ہر لحاظ سے] کئی گنا زیادہ ہیں؛ وہ سبھی بغیر کسی شک و شبہ اور تردد کے علم یقینی کے طور پر جانتے ہیں کہ یہ رسول کریم ﷺ پر عظیم بہتان ہے۔ بلکہ اس پر مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اگر شیعہ علماء یہ دعوی کریں کہ وہ اس کے متواتر ہونے کا علم رکھتے ہیں۔ یہ بھی بالکل

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ایسے ہی ہے جیسے علماء اہل سنت اس روایت کے جھوٹ ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔

پانچواں جواب:...... تواتر کی شرط یہ ہے کہ کسی روایت کے ناقلین کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ طرفین اور وسط کے لوگوں کو یقینی علم حاصل ہو جائے۔ حسن عسکری کی موت سے پہلے کوئی بھی شخص امام منتظر کا قائل نہ تھا۔ اور نہ ہی حضرت علی اور بنو امیہ کے دور میں کسی ایسے انسان کے بارے میں علم ہوسکا ہے جس نے بارہ ائمہ اور امام غائب کے عقیدہ کا اعلان یا دعوی کیا ہو۔ اس وقت تو دعوی کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منصوص ہونے کا دعوی کرتے تھے۔ [البتہ شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعد میں آنے والے ائمہ کی امامت کے دعوے دار تھے]۔ بارہ اماموں کی امامت کا دعویٰ جن کا آخری امام ہنوز معدوم ہے؛ متقدمین میں سے کسی نے نہیں کہا تھا اور نہ کسی ناقل نے اسے نقل کیا۔ [پھر تواتر کا دعویٰ کس حد تک صحیح ہے؟]۔

چھٹا جواب:...... اصل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی ایک بھی رافضی نہیں تھا۔ اگرچہ بعض دعوی کرنے والوں نے چند ایک صحابہ کے بارے میں ایسا دعوی کیا بھی ہے' لیکن یہ صحابہ کرام پر محض جھوٹ ہے۔ اس صورت حال میں تو کوئی تواتر ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اگر ایک تھوڑی سی تعداد ایک مذہب پر متفق ہو بھی جائے تو ان کا جھوٹ پر جمع ہونا ممکن ہوتا ہے' [اس لیے تواتر ثابت نہیں ہوسکتا]۔ رافضہ جب جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں تو پھر اس روایت کے ناقلین پر قلت تعداد کے باوجود جھوٹ کو کیسے جائز نہیں سمجھ سکتے ؟ اگر ان میں سے کسی ایک نقل بھی کیا ہو تو۔ پھر اگر صحابہ کرام کے دور میں اتنی تعداد نہیں پائی جاتی جس سے تواتر ثابت ہوسکے تو پھر یہ دعوی شروع سے ہی اپنی جڑوں سے ہی کٹ گیا۔

ساتواں جواب:...... روافض کا دعوی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں چند ایک کے علاوہ جن کی تعداد دس تک بڑی مشکل سے پہنچتی ہے یا اس سے بھی کم رہتی ہے؛ باقی سارے لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ یہ ثابت علی الاسلام رہنے والے صحابہ: سلیمان' عمار؛ ابوذر اور مقداد تھے۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ باقی جمہور صحابہ کرام نے تو یہ نص نقل نہیں کی۔ شیعہ کے نزدیک ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ نص چھپالی تھی۔ تو پھر شیعہ کے لیے یہ ممکن نہیں رہتا کہ وہ اس نص کی روایت کو ان صحابہ کرام کی طرف منسوب کریں۔ جب کہ دوسرے لوگوں کے بارے میں شیعہ کا خیال ہے کہ ان سب کا موالات علی پر اجماع تھا۔ پس اس صورت میں وہ چھوٹی جماعت جن کا ایک بات پر جمع ہونا ممکن ہو' ان کے نقل کرنے سے تواتر حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا ممکن اور جائز ہوتا ہے۔

جب رافضی جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر-ان کی کثرت کے باوجود- جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتے ہیں' اور انہیں اسلام سے مرتد قرار دیتے ہیں۔ اور ایسی باتیں چھپانے کا الزام لگاتے ہیں جن کا عادت کے مطابق چھپایا جانا ممکن نہیں؛ تو پھر ایک چھوٹے سے گروہ پر جھوٹا ہونے کا الزام زیادہ آسان اور اولیٰ ہے۔

جب یہ لوگ اپنی خواہشات کے خلاف کوئی چیز نقل کرتے ہیں تو پھر کھل کر صحابہ کرام کو جھوٹے کہتے ہیں۔ تو پھر ایسے مسئلہ ان کی تصدیق کیسے ممکن ہوسکتی ہے؟ [جب کہ وہ صحابہ کو سچے نہیں مانتے]۔ جب روایت کے نقل کرنے والے ہی اپنی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



خواہشات کے مطابق نقل کر رہے ہوں۔

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نصرت میں اتباع ہوی سے کام لیتے ہیں۔تو پھر آپ کے بارے میں نص نقل کرنے میں کیسے ان لوگوں کی تصدیق کی جاسکتی ہے؟ جب کہ تمام اہل علم وعقل جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے فرق شیعہ سے بڑھ کر عمداً جھوٹ بولنے اور حق بات کو جھٹلانے والا کوئی دوسرا فرقہ نہیں۔جب باقی فرقوں کا معاملہ ان کے برعکس ہے۔خوارج اگرچہ دین سے نکل چکے ہیں؛ مگر وہ عمداً جھوٹ نہیں بولتے۔معتزلہ سچائی کو دین سمجھتے ہیں۔لیکن شیعہ پر ان کے ظہور کے وقت سے ہی جھوٹ غالب ہے۔

آٹھواں جواب :...... کہا گیا ہے کہ شیعہ امامیہ نے پہلی مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے اثبات میں بالنص کا دعویٰ خلافت راشدہ کے آخری دَور میں کیا۔عبدللہ بن سباء [1] اور اس کے ہم نواء کذابین کے ایک گروہ نے اس عقیدہ کا اختراع کیا تھا۔اس بارے میں ہم حتمی طور پر جانتے ہیں کہ وہ اس سے پہلے اس دعوی اوران لوگوں کا کوئی وجود نہیں تھا۔تو پھر تواتر کا دعوی کہاں سے آگیا؟ [اوراس کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے ]۔

نوواں جواب:...... وہ احادیث مبارکہ جو حضرات ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے فضائل پر دلالت کرتی ہیں ؛ وہ عوام و خواص میں زیادہ اوراعظم تواتر کیساتھ پائی جاتی ہیں۔اگر یہ بات جائز ہے کہ ان فضائل کے نقل کرنے کی وجہ سے جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کی جائے؛ تو پھر شیعہ کے اس تواتر پر تنقید کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔اور اگر اس تواتر پر تنقید ممکن نہیں ہے تو پھر پہلے قسم کی روایات پر بدرجہ اولی ممکن نہیں۔جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل ان نصوص کثیرہ متواترہ کی روشنی میں ثابت ہوتے ہیں ؛ تو پھران لوگوں کا اس نص کی مخالفت پر اجتماع و اتفاق محال ہے۔اس لیے کہ اگر مخالفت کو سچ تسلیم کرلیا جائے تو یہ سب سے بڑا گناہ اوراللہ کی نافرمانی وسرکشی ہوگی۔

دسواں جواب:...... شیعہ امامیہ میں سے کوئی ایک بھی متصل سند کیساتھ اس روایت کو ثابت نہیں کرسکتا' اسکے تواتر کا دعوی کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔یہ الفاظ تکرار کے محتاج ہیں۔جب ان الفاظ کے نقل کرنے والوں نے انہیں پڑھا سنا نہیں ہوگا تو وہ انہیں یاد بھی نہیں رکھ سکیں گے۔حالانکہ اس وقت میں قوی حافظہ والے لوگ موجود تھے جنھوں نے قرآن یاد کیا؛ [احادیث حفظ کیں] تشہد اوراذان کورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نسل درنسل نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔[تو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہوتے جیسا کہ شیعہ کا دعوی ہے تو صحابہ کرام اور تابعین انہیں ضرور نقل کرتے ؛ ان کا اس روایت کو نقل نہ کرنا اس کے جھوٹ اور من گھڑت ہونے کی ایک نشانی ہے]۔

---

[1] بارہ اماموں کی امامت کو نص کے ساتھ ثابت کرنے میں شیعہ کا دعویٰ کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:(۱) سیدنا علی کی امامت و ولایت کی نص۔امام ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں اس کے ابطال کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔باقی رہی یہ بات کہ سیدنا علی نے نص صریح کے مطابق اپنے بیٹے حسن کو امام مقرر کیا تھا ہم قبل ازیں اس کا بطلان ثابت کر چکے ہیں۔(۲) شیعہ کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا وصی ہونا نص سے ثابت ہے،مشہور شیعہ عالم الکشی نے اعتراف کیا ہے کہ اس عقیدہ کا موجد عبداللہ بن سباء تھا ہم قبل ازیں یہ حوالہ نقل کر چکے ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



جب ہم فضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں تواتر کا دعوی کرتے ہیں تو کبھی یہ دعوی تواتر معنوی کے لحاظ سے ہوتا ہے جیسے خلفاء اربعہ کی خلافت؛ جمل اور صفین کے واقعات ؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنا۔ اوراس طرح کے دیگر واقعات جن کے نقل کرنے کے لیے متعین الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ واقعہ کا مشہور ومعروف ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام کی مسابقت اوران کے اعمال کے بارے میں تواتر۔ اور کبھی یہ تواتر لفظی ہوتا ہے؛ یعنی راویانِ حدیث ایک ہی جیسے ایسے الفاظ میں روایت نقل کریں جن سے علم ضروری حاصل ہو۔

گیارھویں وجہ:...... اہل بیت [مثلاً امام جعفر صادق، ان کے والد اوران کے دادا امام زین العابدین علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ ] سے منقول تواتر خود اس روایت کو جھٹلا رہا ہے ؛ اس لیے کہ یہ لوگ اپنی امامت کو مبنی بر نص نہیں قرار دیتے تھے۔ بلکہ ایسا دعوی کرنے والوں کو جھٹلایا کرتے تھے۔ چہ جائے کہ وہ ایسی نصوص سے بارہ ائمہ کی امامت ثابت کریں۔

بارھویں وجہ:...... بارہ ائمہ کے متعلق جو صحیح حدیث وارد ہوئی ہے اسے امام بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا؛ میں نے سنا کہ آپ فرمایا رہے تھے:

''لوگ اس وقت تک امن وچین اور عزت سے زندگی بسر کرتے رہیں گے جب تک بارہ آدمی ان کے حاکم وامام رہیں گے۔ پھر آہستہ آواز سے ایک بات کہی جو مجھ سے پوشیدہ رہی۔ جب میں نے اپنے والد سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ بارہ اشخاص سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔'' [متفق علیه]۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اسلام اس وقت تک غالب رہے گا؛ یہاں تک کہ بارہ خلیفہ ہو گزریں۔''

اور ایک روایت میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہ دین اس وقت تک غالب رہے گا؛ یہاں تک کہ بارہ خلیفہ ہو گزریں۔ پھر آپ نے آہستہ آواز سے ایک بات کہی جو مجھ سے پوشیدہ رہی۔ جب میں نے اپنے والد سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ بارہ خلفاء سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔'' [1]

تورات کی عبارات اس کی تصدیق کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث سے اثناء عشریہ کے بارہ امام مراد نہیں لیے جا سکتے۔ اس لیے کہ حدیث کے واضح الفاظ ہیں کہ: ''اسلام اس وقت تک غالب رہے گا؛ یا فرمایا: ''یہ دین اس وقت تک غالب رہے گا۔'' یا فرمایا کہ: ''لوگ اس وقت تک خوشحال رہیں گے۔''

یہ تمام روایات دلالت کرتی ہیں کہ ان ائمہ کی ولایت کے عہد میں اسلام کو قائم اور غالب ہونا چاہیے۔ اور جب ان

[1] البخاری ۹/ ۸۱؛ مسلم ۳/ ۱۴۵۲ .

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کی مدت ولایت ختم ہو جائے گی تو اسلام کا بھی وہ غلبہ اور استحکام نہیں رہے گا۔

شیعہ خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک امام کے زمانہ میں بھی امت کا شیرازہ متحد نہ رہا بلکہ امت تفرق و انتشار کا شکار رہی، اور سرکش باغی ظالموں اور کافروں نے انھیں ظلم و ستم کا نشانہ بنائے رکھا؛ منافق اور کافران پر غالب رہے۔ اور اہل حق ان کے عہد امارت میں یہود سے بھی زیادہ ذلیل رہے۔ مزید براں امام منتظر کی امامت شیعہ کے نزدیک تا قیام قیامت باقی رہے گی۔ تو پھر اس صورت میں اثنا عشریہ کے نزدیک کوئی زمانہ بھی ان کے امام سے خالی نہیں رہے گا۔ اگر ایسا ہوا تو پھر زمانہ دو طرح کا نہیں رہے گا؛ ایک وہ زمانہ جس میں دین اسلام کا معاملہ غالب و قائم و دائم ہو اور دوسرا وہ زمانہ جب اسلام کو غلبہ و استحکام نصیب نہ ہو۔ بلکہ یہ ہر زمانہ میں ایک ہی جیسا رہے گا۔ یہ بات صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ نیز یہ اسلام مہدی کے قیام کے بعد راہ راست پر قائم ہوگا۔ یہ مہدی اہل سنت و الجماعت کا مہدی ہے۔ جب کہ رافضیوں کے مہدی کی مدت بہت قلیل ہے؛ اس میں اس امت کے معاملات کی شیرازہ بندی ممکن نہیں۔

نیز یہ کہ حدیث میں آتا ہے: ''یہ تمام ائمہ قریش میں سے ہوں گے۔''

اگر یہ صرف اولاد علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہوتے تو پھر حدیث میں ضرور کوئی ایسا ذکر بھی ہوتا جس سے ان میں باہم تمیز ممکن ہو جاتی۔ کیا آپ غور نہیں کر رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ ائمہ اولاد اسماعیل میں سے ہوں گے۔ اور نہ ہی عربوں کو خاص کیا ہے۔ اگرچہ یہ اولاد اسماعیل ہی میں سے ہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس قبیلہ کا بیان کیا جس کی وجہ سے یہ لوگ ممتاز ہوں گے۔ اگر یہ لوگ ہاشمی ہونے کی وجہ سے ممتاز ہوتے یا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے خاص ہوتے تو پھر اس کا ضرور ذکر بھی کیا جاتا۔ جب آپ نے اس خلافت و امامت کو مطلق طور پر قریش کے ساتھ رکھا ہے کسی ایک قبیلہ کے ساتھ خاص نہیں کیا تو پھر یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ بنو عدی؛ بنو تیم؛ بنو عبد شمس اور بنو ہاشم وغیرہ تمام ہی قریش میں سے ہیں اور خلفاء راشدین کا تعلق ان ہی قبائل سے ہے۔

## فصل:...... [خروج مہدی] ❀

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''آخری

❀ اہل سنت والجماعت اس مہدی کو منتظر نہیں کہتے۔ اس لیے کہ وہ کسی ایسے مہدی کا انتظار نہیں کر رہے جو آ کر ان کا دین مکمل کرے گا۔ بخلاف شیعہ کے؛ جو کہ اس کا انتظار کرنے والے کے لیے بہت بڑا اجر بتاتے ہیں؛ جو کہ شہدائے بدر و اُحد کے اجر سے بڑھ کر ہے۔ دیکھیں: بحار الأنوار از مجلسی ۵۲/ ۱۲۸۔

بیشک امام مہدی کے بارے میں شیعہ اثنا عشریہ کے ہاں بڑی ہی عجیب و غریب حکایات پائی جاتی ہیں۔ جن کی چادر کو خیال کی ڈوریوں سے بنا گیا ہے۔ اور اس کے لیے مختلف واقعات و احوال گھڑ لیے ہیں۔ جس بعد میں زمانے کی کہانیوں میں سے ایک کہانی کی شکل دے دی گئی۔ یہ ایک ایسی کہانی ہے کہ عقل سلیم اور فطرت اس کا انکار کرتی ہے۔ صرف یہی نہیں؛ بلکہ اثنا عشریہ فرقہ کے علاوہ باقی شیعہ فرقے بھی اس کہانی کا انکار کرتے ہیں۔ بس ہم اتنا ہی کہنا چاہتے ہیں کہ کسی عاقل کے لیے یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ: سو جاؤ' ابھی بہت لمبی ⇦⇦⇦

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



زمانہ میں میری اولاد میں سے ایک شخص نکلے گا، جس کا نام میرا نام اور جس کی کنیت میری کنیت ہوگی، وہ زمین کو اسی طرح عدل وانصاف سے بھر دیگا جیسے وہ ظلم واستبداد سے بھر چکی تھی ؛ یہ مہدی ہوگا۔'' ❶

**[جواب]** : ہم کہتے ہیں: ''وہ احادیث جن سے خروج مہدی پر استدلال کیا جاتا ہے وہ صحیح ہیں۔ ان کو احمد وابوداؤد وترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر دنیا میں ایک دن بھی باقی رہا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبا کردیں گے یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے- یا فرمایا: ہم میں سے- ایک شخص نکلے گا جس کا نام میرے نام پر اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام پر ہوگا ، وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا، جیسے وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔'' ❷

ترمذی وابوداؤد نے یہ روایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے، اس کے الفاظ ہیں: ''مہدی میری عترت میں سے اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا میں سے ہوگا۔'' ❸

---

⇦⇦⇦ رات ہے ...... [عاقل کے لیے اشارہ کافی ہے]۔ یہاں پر ایک چھوٹا سا حوالہ دیا جارہا ہے کہ شیعہ کے نزدیک مہدی کے اس کے علاوہ دیگر کیا نام ہیں۔ ان ناموں کی حقیقت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رافضی مہدی کون ہوگا؟ اور اس کے پس پردہ محرکات کا جائزہ ہم نے ایک دوسری کتاب ''طلوع آفتاب مہدی'' میں لیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی انہوں نے مہدی کے لیے مختلف نام بھی رکھے ہیں۔ امام غائب کے ناموں میں سے ۴۷ نمبر کا نام جیسا کہ نوری طبرسی نے شمار کیا ہے: خسرو مجوس...... [مجوسیوں کا صاحب زمان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟] آپ کے ناموں میں سے مزید نام: ......أقیذمو......ایزد شناس...... پرویز ...... بندہ یزدان...... خجستة ...... فیروز...... خدا شناس ...... سروش أیزد ...... زند أفریس...... شماطیل...... فرخندہ ...... کوکما اور ان کے علاوہ دوسرے نام بھی ہیں جن کا تذکرہ نوری الطبرسی نے اپنی کتاب النجم الثاقب میں کیا ہے۔ النجم الثاقب في أحوال الحجة الغائب ص ۲٦٦۔

ان اسماء کے پڑھنے والے قاری صاحب کو اس بات پر تعجب ضرور ہوگا اور وہ سوال کرے گا کہ کیا مہدی عربی نہیں ہوگا' اور اس کا تعلق ہاشمی نسل سے نہیں ہوگا۔ اگر ایسا ہے تو پھر یہ نام کیسے ہیں؟ گویا کہ اس میں باقی مذاہب وادیان کو ملا کر ایک جسم بنادیا گیا ہے۔ اور یہ اس سوچ کے تحت کہ مذکورہ مہدی پوری انسانیت کا نجات دھندہ ہوگا۔

❶ امام شوکانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''مہدی کے بارے میں وارد احادیث جن کے بارے ہم مطلع ہوسکے ہیں ان کی تعداد پچاس احادیث ہیں۔ ان میں صحیح بھی ہیں' حسن بھی اور ایسی ضعیف بھی جنہیں قبول کیا جاسکے۔ یہ احادیث بغیر شک وشبہ کے متواتر ہیں۔ بلکہ اس سے کم پر بھی تواتر کی اصطلاح صادق آتی ہے جیسا کہ اہل علم کے ہاں اصطلاحات اور اصول کی کتابوں میں تحریر شدہ ہے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مہدی کے بارے میں وارد آثار بہت زیادہ ہیں ۔ جن کا حکم مرفوع حدیث کا ہے؛ اس لیے کہ اس مسئلہ میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔[التوضیح في تواتر ما جاء في المنتظر والدجال و المسیح ' نقلاً عن الإذاعة لصدیق حسن خان ص ۱۱۳-۱۱٤۔] مسیح ومہدی کے مسئلہ پر علامہ انور شاہ کشمیری نے اپنی کتاب " التصریح فی تواتر نزول مسیحؑ" میں بھی عمدہ کلام کیا ہے۔

❷ سنن ابی داؤد، کتاب المهدی (ح:٤٢٨٢)۔ سنن ترمذی کتاب الفتن ، باب ما جاء فی المهدی (ح:٢٢٣٠)۔

❸ یہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ سنن ابی داؤد ، کتاب المهدی؛ الباب الأول (ح: ٤٢٨٤)، سنن ابن ماجة مختصراً، کتاب الفتن، باب خروج المهدی(ح:٤٠٨٦)؛ اس روایت کے الفاظ ہیں:"المهدي من ولد فاطمة۔" مہدی فاطمہ کی اولاد میں سے ہوگا۔ صححه الألباني في السلسلة الضعيفة ١/ ١٠٨۔ رضی اللہ عنہم عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ؛ سنن أبی داؤد، کتاب المهدی؛ الباب الأول (ح: ٤٢٨٥)۔وحسنه الألباني في صحيح الجامع الصغير٦/ ٢٢۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ابوداؤد نے یہ روایت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں ذکر کی ہے: ''وہ سات سال تک زمین میں بادشاہی کرے گا۔''❶

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا:

''بیشک میرا یہ بیٹا سردار ہے؛ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام رکھا ہے۔عنقریب اس کی نسل سے ایک شخص پیدا ہوگا، جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم نام ہوگا، وہ سیرت و کردار میں ان جیسا ہوگا۔مگر شکل و صورت مختلف ہوگی۔ وہ زمین کو عدل سے معمور کردے گا۔''❷

ان احادیث کے بارے میں کئی ایک گروہ غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔بعض لوگوں نے تو احادیث مہدی کا بالکل ہی انکار کر دیا۔اور وہ ابن ماجہ کی اس حدیث سے دلیل پیش کرتے ہیں:

''لَا مَهْدِیْ اِلَّا عِيْسٰی بن مريم۔'' ''عیسی بن مریم علیہ السلام کے علاوہ کوئی مہدی نہیں۔''❀

ایک تو یہ روایت ضعیف ہے۔محمد بن ولید بغدادی اور کچھ دوسرے ایسے لوگوں نے اس روایت پر اعتماد کیا جو خود قابل اعتماد نہیں ہیں۔ نیز اس روایت کو ابن ماجہ نے یونس سے؛ انہوں نے شافعی سے اور وہ اہل یمن کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں۔اس آدمی کا نام محمد بن خالد جندی تھا۔اس کی روایات سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔اور نہ ہی یہ روایت مسند امام شافعی میں موجود ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: امام شافعی کا جندی سے سماع ثابت نہیں۔اور یونس کا امام شافعی سے سماع ثابت نہیں۔

---

❶ محمد باقر الصدر نے امام مہدی کی مدت قیام کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے: اس کے بارے میں اخبار بہت زیادہ ہیں۔ لیکن ساری مضمون کے لحاظ سے بہت بڑی حد تک آپس میں ٹکراتی ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سارے مؤلفین حیرانگی اور پریشانی کا شکار ہوگئے ہیں۔''

[الغيبة للطوسي ص ٤٧٤۔ الغيبة للنعماني ص ٣٥٣۔ أعلام الورى للطبرسي ٢/ ٢٩١۔ الإرشاد للمفيد٢/ ٣٨١۔ بحار الأنوار ٥٢/ ٢٨٠؛ ٢٨٧؛ ٢٩١؛ ٢٩٨؛ ٢٩٩۔ تاريخ ما بعد الظهور ص٤٣٣]۔

❷ بعض روایات میں آیا ہے: ''ہمارے قائم کا ملک انیس سال تک رہے گا۔اور ایک روایت میں ہے: سات سال تک رہے گا؛ ان سات سالوں میں سے ایک سال کے دنوں اور راتوں کو اللہ تعالیٰ اتنا لمبا کردے گا یہاں تک کہ ایک سال دس سالوں کے برابر ہوگا۔ پھر اس لحاظ سے ان کی حکومت کی مدت تمہارے ان ستر سالوں کے برابر ہوگی۔'' ایک اور روایت کے مطابق امام صاحب اس دنیا میں اصحاب کہف کی مدت یعنی ۳۰۹ سال تک قیام کریں گے۔ایسے ہی امام صاحب کتنا عرصہ غار شریف میں روپوشی فرمائے رہیں یہ ایک علیحدہ طویل اور اختلافات سے بھرپور داستان ہے۔ یہ اتنے تناقضات ہیں جو ختم ہونے میں نہیں آتے۔ جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان لوں کے پاس اس مسئلہ میں کوئی ایک مضبوط' صحیح اور قابل اعتماد شرعی دلیل نہیں۔ سب لوگوں کی گھڑی داستانیں اور قصے کہانیاں ہیں۔حتی خود شیعہ علماء اب اپنی ہی روایات کو جھٹلا رہے ہیں۔﴿ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (النساء٨٢)

''اور اگر وہ اللہ کے سوا اور کہیں سے آیا ہوتا (جیسے کافر اور منافق سمجھتے تھے) تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔''

سنن ابی داؤد، کتاب المهدی (ح:٤٢٨٣، ٤٢٩٠) یہ حدیث الفاظ میں معمولی اختلاف کیساتھ شعیب بن خالد نے ابو اسحاق سے روایت کیا ہے؛ یہ حدیث منقطع ہے۔ابو اسحق سبیعی کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ثابت نہیں ہے۔

❀ ابن ماجة ٢/ ١٣٤٠ ۔ کتاب الفتن' باب شدة الزمان۔السلسلة الضعيفة برقم٧٧؛ ج١/ ص١٠٣۔ أبو داؤد ٤/ ١٥٣]۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



دوسری وجہ:...... شیعہ اثنا عشریہ جو اس مہدی کو اپنا امام کہتے ہیں ان کے نزدیک امام منتظر کا نام محمد بن حسن ہے۔ احادیث مبارکہ میں جس مہدی کی صفات وارد ہوئی ہیں ؛ ان کی رو سے اس کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک گروہ نے تو حدیث مبارک سے والد کے نام کا تذکرہ تک مٹا دیا تا کہ روایت ان کے جھوٹ سے متناقض نہ رہے۔ اور ایک گروہ نے اس میں تحریف کی۔ اور وہ کہنے لگے : اس کا دادا حسین ہوگا' اور اس کی کنیت ابوعبداللہ ہوگی۔ تو اس صورت میں معنی ہوگا: ''محمد بن ابوعبداللہ'' اس طرح سے کنیت کو اسم علم بنا دیا۔

گمراہی کی اس ڈگر پر چلنے والا ابن طلحہ بھی ہے جس نے اپنی کتاب '' غایۃ السول فی مناقب الرسول'' میں یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ جس انسان کو ان احادیث کی ادنیٰ سی بھی معرفت ہوگی تو وہ جان لے گا کہ یہ تحریف ہے اور رسول اللہ ﷺ پر کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ کیا ایسا بھی ہے کوئی انسان رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان : ''جس کا نام میرے نام پر اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام پر ہوگا'' سے آپ کے والد کا نام عبداللہ کے سوا کچھ اور سمجھتا ہو؟ کیا کوئی انسان اس سے یہ بھی سمجھتا ہے کہ آپ کے دادا کی کنیت ابوعبداللہ ہوگی؟ [ہرگز نہیں]۔

❀ پھر اس میں کونسی امتیازیت پائی جاتی ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کے بیٹوں کے نام محمد ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے دادا کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ : محمد بن ابوعبداللہ ؛ جس طرح اس مہدی کے دادا کے بارے میں دعوی کرتے ہیں۔ اور پھر جو کوئی لوگوں میں اس بات کو بیان کرنا چاہتا ہو تو وہ کیسے محمد بن حسن کو محمد بن عبداللہ بنائے گا اور کہے گا کہ : اس سے مراد آپ کے دادا ابوعبداللہ ہیں۔

یہ وصف ایسے بھی بیان ہوسکتا ہے : محمد بن الحسن' یا ابن ابی الحسن ؛ اس لیے کہ آپ کے جد اعلی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ یہ پہلے الفاظ سے زیادہ بہتر ہے اور ہدایت بیان چاہنے والوں کے لیے زیادہ واضح ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام مہدی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوگا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے نہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ گزر چکے ہیں۔ [1]

تیسری وجہ:...... بہت سارے طوائف میں سے ہر ایک نے یہ دعوی کیا ہے کہ وہی وہ مہدی ہے احادیث مبارکہ میں جس کی بشارت دی گئی ہے۔ مثلاً : قرامطہ باطنیہ کا دعویٰ ہے کہ ان کا امام ہی مہدویت کا بانی تھا۔ ان لوگوں کی دعوت مغرب میں پھیلی۔

❀ [حالانکہ اس کا دعویٰ مبنی بر کذب و دروغ ہے]۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ میمون القداح کی اولاد میں سے تھا۔ پھر باطنیہ نے یہ دعویٰ کیا کہ میمون محمد بن اسماعیل بن جعفر کا بیٹا ہے، جس کی طرف اسماعیلیہ منسوب ہیں۔ حقیقت میں یہ لوگ باطن میں ملحد اور تمام ملتوں سے خارج ہیں۔ اور غالیہ اور نصیریہ سے بڑے کافر ہیں۔ ان کا مذہب مجوسیت فلسفہ اور صابی مذہب کا معجون مرکب ہے۔ لیکن یہ لوگ اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور ان کا اصل دادا یہودی تھا جو کہ

[1] سنن ابی داؤد، کتاب المهدی، (حدیث:٤٢٩٠)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



ایک مجوسی کا لے پالک اور پروردہ تھا۔ان لوگوں نے اپنی حکومت قائم کرلی تھے'اور بہت سارے لوگ ان کے ماننے والے تھے۔مختلف علماء مثلاً ابوبکر باقلانی و قاضی عبدالجبار ہمدانی اور امام غزالی نے ان کے نقائص و معائب پر کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں ان کے اسراروں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔

ایسے ہی دعویداروں میں سے ایک محمد بن عبداللہ بن تومرت بربری تھا؛ اس نے مغرب سے خروج کیا تھا۔اس کے اصحاب کوموحدین کہا جاتا تھا۔خطبات میں اس کا نام یوں لیا جاتا تھا:

''امام معصوم اور مہدی معلوم۔'' وہ جو زمین کو عدل وانصاف سے ایسے بھر دے گا، جیسے وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔''

جس نے اپنے شجرہ نسب کو حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ملا لیا تھا۔یہ محض رافضی نہیں تھا؛ بلکہ اسے احادیث کے بارے میں بھی کچھ علم تھا جس کی بنیاد پر اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہونے کا دعوی کیا۔جو کہ حدیث میں واردمواصفات کے مطابق تھا۔لیکن یہ بات اضطراری طور پر معلوم ہے کہ یہ وہ مہدی نہیں تھا جس کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

جیسا کہ دوسرے بہت سارے لوگوں نے ایسے دعوے کیے ہیں۔ان میں سے بعض قتل کر دیے گئے۔اور بعض لوگوں کے چاہنے والوں نے ان کے متعلق ایسے دعوے کیے ہیں۔ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ انہیں صحیح معنوں میں اللہ ہی جانتا ہے۔اور بسا اوقات ان میں سے کسی ایک وجہ سے لوگوں کو فائدہ بھی حاصل ہوا ہوگا۔اگرچہ کچھ دوسرے لوگوں کو نقصان بھی پہنچا ہو۔جیسا کہ مغرب میں ظہور کرنے والے مہدی کی وجہ سے ہوا۔اس سے بہت سارے لوگوں کو فائدہ حاصل ہوا۔اور بہت سارے گروہوں کو نقصان پہنچا۔اس میں کئی قابل مذمت باتوں کے باوجود کئی ایک قابل مدح و توصیف باتیں بھی تھیں۔

بہر حال یہ اور اس جیسے دوسرے مہدی رافضیوں کے اس مہدی سے بہت بہتر تھے۔جسکی نہ ہی کوئی شخصیت اور نہ ہی نام ونشان کا کوئی پتہ ہے۔نہ ہی اس کا احساس ہے نہ ہی خبر۔نہ ہی اس سے کسی کو کوئی دنیا کا فائدہ ملا نہ ہی دین کا۔ بلکہ اس کے موجود ہونے کے اعتقاد کی وجہ سے اتنا بڑا شر و فساد پیدا ہوا جس کو صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

## فصل:......امام معصوم کا وجوب ]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''**دوم**: ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر زمانہ میں امام معصوم کا وجود ضروری [واجب] ہے۔ظاہر ہے کہ ان ائمہ کے بغیر اور کوئی معصوم نہیں ہوسکتا؛ اس پر اجماع ہے۔''[1]

---

[1] مجلسی نے کہا ہے: ''بیشک عقل حکم لگاتی ہے کہ لطف کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔اور امام کا وجود اللہ تعالیٰ کا لطف [مہربانی] ہے۔اور امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ معصوم ہو؛ اور معصوم ہونا صرف اس کی طرف سے ہی معلوم ہوسکتا ہے۔اور اس بات پر اجماع ہے کہ امام ⇦⇦⇦

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



## [جواب]: اس کے جواب میں کئی نکات ہیں:

⇦⇦⇦ زمان کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے عصمت ثابت نہیں ہے۔'' بحار الأنوار ٥١/ ٢١٤۔٢١٥۔

معصوم ہونے سے شیعہ کی مراد واضح کرتے ہوئے مجلسی کہتا ہے: ''جان لیجیے کہ امامیہ کا آئمہ کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہونے پر اتفاق ہے۔ ان سے اصل میں کوئی گناہ ہو ہی نہیں سکتا' نہ ہی صغیرہ نہ ہی کبیرہ؛ نہ ہی جان بوجھ کر اور نہ ہی بھولے سے؛ اور نہ ہی تأویل میں غلطی سے؛ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سہو ہو جانے سے۔'' بحار الأنوار ٢٥/ ٢٠٩۔ مرأة العقول ٤/ ٣٥٢۔

مجلسی آئمہ پر ہر لحاظ اور ہر طرف سے اور ہر گناہ سے عصمت کے ثابت کرنے کا قائل ہے۔ خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ' عمداً ہو یا سہواً' حتی کہ بھول سے بھی عصمت ثابت کرتا ہے۔ اور اس پر شیعہ کے اجماع کا دعوی بھی کیا ہے۔ جو کہ انبیاء و مرسلین کے لیے بھی ثابت نہیں۔ جیسا کہ قرآن کی و حدیث کی صریح نصوص اور اجماع امت اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اسلامی اصولوں کے مطابق یہ انتہائی غریب چیز ہے۔ بلکہ آئمہ سے مطلق طور پر سہو اور نسیان کی نفی کرنا اس ذات سے تشبیہ دینا ہے جسے نہ ہی کبھی نیند آتی ہے اور نہ ہی اونگھ۔ اسی لیے امام رضا ۔ جو کہ شیعہ کے ہاں آٹھویں امام معصوم ہیں ۔ سے کہا گیا: بیشک کوفہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو نماز میں بھول نہیں ہوئی۔''

تو انہوں نے کہا: ان پر اللہ کی لعنت ہو وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ بیشک جس سے بھول نہیں ہوتی وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ بحار الأنوار ٢٥/ ٣٥٠۔ شیعہ کی بعض کتابوں میں ایسی روایات بھی آئی ہیں جو شیعہ علماء کے مقرر کردہ اصولوں پر عصمت کے منافی ہیں۔ نہج البلاغة میں وہ روایات موجود ہیں جو عصمت آئمہ کے ان تمام دعوؤں کی عمارت کو گرا دیتی ہیں۔ امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں: ''مجھ سے مصنوعی طور پر میل جول نہ رکھو۔ اور نہ ہی مجھے میرے حق میں اس چیز میں بوجھ سمجھو جو حق کے ساتھ میرے متعلق کہی گئی ہے۔ اور نہ ہی میں اپنے نفس کے لیے کوئی بڑائی تلاش کرتا ہوں۔ بیشک جس آدمی پر حق بات کہنا گراں گزرے' یا اس پر عدل کا پیش کیا جانا گراں ہو' تو اس کے لیے ان دونوں چیزوں پر عمل کرنا زیادہ گراں ہوتا ہے تم مجھ سے حق بات پر؛ یا عدل کے مشورہ پر دفاع نہ کرو۔ اس لیے کہ میں اپنے نفس میں اس چیز سے بلند نہیں ہوں کہ مجھ سے کوئی خطأ نہ ہو' اور نہ ہی خطأ کے ہو جانے سے خود کو مأمون سمجھتا ہوں۔'' نهج البلاغة ٢/ ٢٠١۔

نہج البلاغہ میں ہی حضرت علی کا یہ فرمان بھی منقول ہے: ''لوگوں کے لیے ایک امیر کا ہونا ضروری ہے۔ خواہ وہ نیکوکار ہو یا بدکردار۔ مؤمن اس کی امارت میں کام کرے گا۔ اور کافر بھی اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی مدت بھی پوری کر دے گا۔ اور اسی سے اللہ تعالیٰ فئے جمع کریگا۔ اور دشمن سے قتال کیا جائے گا۔ اور اس کی وجہ سے راستے محفوظ ہوں گے۔ اور اسی امیر کے ذریعہ طاقتور سے مظلوم کو اس کا حق دلوایا جائے گا۔ نهج البلاغة ١/ ٩١۔

یہاں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو امام کے معصوم ہونے کے لیے کوئی شرط نہیں لگائی۔ اور نہ ہی کوئی قریب یا دور کا ایسا اشارہ ہی کیا ہے۔ شیعہ روایات کے مطابق ۔ ابو الحسن موسیٰ کاظم رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''اے میرے رب! میں نے اپنی زبان سے تیری نافرمانی کی۔ اگر تو چاہے تو تجھے تیری عزت کی قسم ہے مجھے گونگا کر دے۔ اور میں نے اپنی آنکھوں سے تیری نافرمانی کی' اگر تو چاہے تو مجھے اندھا کر دے۔ اور میں نے اپنے کانوں سے تیری نافرمانی کی؛ اگر تو چاہے تو مجھے بہرا کر دے۔ اور میں نے اپنے ہاتھوں سے تیری نافرمانی کی؛ اگر تو چاہے تو مجھے ٹنڈا کر دے۔ اور میں نے اپنی شرمگاہ سے تیری نافرمانی کی۔ اور اگر تو چاہے تو مجھے بانجھ کر دے۔ اور میں نے اپنے قدموں سے تیری نافرمانی کی۔ اگر تو چاہے تو تیری عزت کی قسم! تو مجھے جذامی کر دے۔ اور میں نے اپنے تمام جوارح سے تیری نافرمانی کی؛ جن کا تو نے مجھ پر انعام کیا ہے۔ یہ ہرگز میری طرف سے ان انعامات کا بدلہ نہ تھا۔'' بحار الأنوار ٢٥/ ٢٠٣؛ أصول مذهب الشيعة الإمامية ٢/ ٩٤١؛ ٩٤٣؛ ٩٦٢ وغیرہ۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



پہلا جواب:...... ہمارے نزدیک امام معصوم کا وجود ہر زمانہ میں ضروری نہیں۔

دوسرا جواب:...... خود شیعہ کے کئی گروہ ان پر ایمان نہیں رکھتے۔[یعنی بارہ اماموں کو نہیں مانتے]۔

تیسرا جواب:...... اگر شیعہ کے دعویٰ کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہمارے زمانہ میں شیعہ جس امام معصوم کے دعویٰ دار ہیں، وہ اپنی پیدائش کے وقت سے[آج تک] چار سو پچاس سال[آج کل ہمارے دور میں تقریباً گیارہ سو اسی سال] سے زائد عرصہ سے گم ہے،[اس کا کوئی نشان ظاہر نہیں ہے]۔ان کے نزدیک یہ امام دو سو ساٹھ ہجری میں سامراء کے غار میں گھس گیا تھا۔اس وقت اس کی عمر پانچ سال تھی۔اور بعض کے نزدیک اس سے بھی کم عمر تھی۔مزید برآں کہ امام غائب سے کوئی ایسا اثر ظاہر نہیں ہوا جو کسی ادنی انسان سے بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔اس سے بڑھ کر کہ کسی ایک دوسرے حاکم' والی یا قاضی کے آثار ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔چہ جائے کہ وہ امام معصوم والے کام کرے۔ بنا بریں ہم کہتے ہیں کہ ایسے امام کے وجود سے کون سا فائدہ حاصل ہوا؟ اس کا وجود اور عدم برابر ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ معدوم ہے۔جو لوگ اس معصوم پر ایمان لائے ہیں؛ انہیں ان کے دین یا دنیا میں کونسی مہربانی یا لطف اس امام کی وجہ سے حاصل ہوا۔[ہم شیعہ سے دریافت کرتے ہیں کہ ایسے امام سے انھیں قدیم و جدید زمانہ میں کیا مصلحت حاصل ہوئی؟]۔

❀ کیا یہ نظریہ[جہلاء] عوام الناس کے اس نظریہ سے بھی زیادہ فاسد نہیں ہے جس کے تحت و نام نہاد قطب و غوث وغیرہ فقط ناموں کی تعظیم کرتے ہیں۔اور ان ناموں کے متعلق ایسے دعوے کرتے ہیں جو کہ نبوت کے رتبہ سے بھی اعلی تر ہوتے ہیں۔جس میں کسی متعین شخص کو خاص نہیں کیا جاتا جس سے وہ فائدہ حاصل ہونا ممکن ہو جس کے متعلق ان ناموں کے تحت یہ لوگ دعوی کرتے ہیں۔اور جیسا کہ بہت سارے لوگ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کا دعوی کرتے ہیں' مگر اس دعوی کی وجہ سے انہیں دین یا دنیا میں کوئی بھی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ان کے دعوی کا منتہی یہ دوسرا دعوی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر بعض واقعات پیش آتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کے لیے مقدر ہوتے ہیں۔مگر اس کے باوجود انہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ انہ ہی ان کی معرفت کی کوئی ضرورت ہے۔اور اگر یہ سب باتیں حق بھی ہوں تب بھی انہیں اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔تو پھر اس وقت کیا عالم ہوگا جب کہ ان کا دعوی ہی باطل پر مبنی ہو۔

❀ ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے سامنے کوئی جنّ انسانی شکل میں آتا ہے اور کہتا ہے: میں خضر ہوں۔ حالانکہ وہ جھوٹا ہوتا ہے۔اور ایسے ہی بعض لوگ رجال غیب کے دیدار کا ذکر کرتے ہیں' حالانکہ انہوں نے جنات کو دیکھا ہوتا ہے۔

❀ جس امام کا دعوی رافضی کرتے ہیں؛ وہ یا تو ان کے نزدیک مفقود ہے یا پھر عقلاء کے نزدیک معدوم ہے۔ دونوں صورتوں میں اس سے کسی ایک انسان کو بھی دین یا دنیا کا کوئی بھی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔پھر جو کوئی اپنے دین کو ایسی مجہولات کیساتھ معلق کر دے جن کا کوئی ثبوت ہی نہ ہو' تو وہ دین کے معاملہ میں بڑا ہی گمراہ ہوگا۔اس لیے کہ جس

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



چیز کے ساتھ اس نے اپنے دین کو معلق کیا ہے اس کے درست ہونے کا کوئی علم ہی نہیں ۔اور نہ ہی اس سے کوئی منفعت حاصل ہوئی ۔تو کیا کسی بڑے جاہل کے علاوہ بھی کوئی انسان ایسے کرسکتا ہے؟

حالانکہ جو لوگ حیات خضر کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ لوگوں پر ان کی اطاعت کو واجب نہیں کرتے ۔حالانکہ خضر تو [ایک وقت میں] زندہ اور موجود بھی تھے۔

## فصل :......[فضائل سے امامت پر استدلال]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''**سوم**: وہ تمام فضائل جو آپ کی ذات میں پائے جاتے ہیں وہ آپ کی امامت کو واجب کرتے ہیں:

**[جواب]**: ''اس کا جواب کئی نکات پر مشتمل ہے:

پہلی بات :......ان فضائل کی انتہاء یہ ہوسکتی ہے کہ یہ انسان اس بات کا اہل ہے کہ اس کے لیے عقد امامت باندھا جائے ۔لیکن صرف اہلیت کی بنا پر کوئی امام نہیں بن جاتا۔جیسا کہ کوئی انسان اگر قاضی بننے کا اہل ہوتو وہ صرف اہل ہونے کی بنا پر قاضی نہیں بن جاتا۔

دوسری بات :......امامت کی اہلیت قریش کے دوسرے لوگوں کے لیے بھی ایسے ہی ثابت ہے جیسے ان حضرات کے لیے اور وہ اس بات کے اہل تھے کہ انہیں ولایت تفویض کی جائے ۔مگر ان کی تخصیص کا کوئی موجب نہیں پایا جاتا۔مگر اس اہلیت کی بنا پر وہ امام نہیں بن گئے۔

تیسری بات :......ان کا بارہواں امام عقلاء کے نزدیک معدوم ہے ۔تو پھر یہ بات ممتنع ہے کہ وہ امام بھی ہو۔

چوتھی بات :......عسکرین اور ان جیسے دوسرے ان کے طبقہ کے لوگوں میں علم اور دین کا کوئی ایسا نام ونشان نہیں جیسا کہ حضرت علی بن حسین ؛ابوجعفر؛ اور جعفر بن محمد کے پاس تھا۔

❀❀❀❀

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



فصل پنجم:

# اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور روافض

## اصحاب ثلاثہ کے بارے میں شیعہ کی دروغ گوئی:

**[اعتراض]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''متعدد وجوہ کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے کے خلفاء ائمہ [برحق] نہ تھے۔ اس پر بہت سارے دلائل موجود ہیں۔''

**[جواب]**: میں اس کے جواب میں کہتا ہوں: [شیعہ مصنف کا یہ بیان غلط ہے۔خلفاء ثلاثہ امام تھے]۔اگر مذکورہ کلام سے مراد یہ ہے کہ باقی تینوں خلفاء مسلمانوں کے امیر مقرر نہیں ہوئے' اور نہ ہی مسلمانوں نے ان کی بیعت کی ہے؛ اور نہ ہی انہیں ایسا اقتدار حاصل تھا جس کے ذریعہ وہ شرعی حدود کو قائم کرسکیں؛ اور لوگوں کے حقوق ادا کرسکیں؛ اور دشمن سے جہاد کرسکیں؛ اور مسلمانوں کو جمعہ اور عیدین کی نمازیں پڑھائیں۔اور نہ ہی وہ ان امور پر قدرت رکھتے تھے جو امامت وخلافت کے ذیل میں آتے ہیں؛ تو یہ سراسر جھوٹ اور حق سے روگردانی ہے۔کیونکہ یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے جسے روافض اور دوسرے لوگ بھی جانتے ہیں۔اگر وہ امامت کے مرتبہ پر فائز نہ ہوتے تو روافض ان پر یوں طعن و تشنیع بھی نہ کرتے۔

[حقیقت میں سابقہ خلفاء ثلاثہ ہر لحاظ سے منصب امامت کی اہلیت وصلاحیت سے بہرہ ور تھے۔ان کی وجہ سے اسلام اکناف ارضی میں پھیلا اور مسلمانوں نے بلاد واقالیم کو فتح کیا۔یہ صحیح معنی میں خلفائے راشدین تھے۔شیعہ کے سوا اس میں مسلمانوں کے سب فرقے متحد الخیال ہیں۔ وہ بہمہ وجوہ اس کے اہل اور حق دار تھے، ہمارا یہ حتمی وقطعی نقطہ نظر ہے،کوئی قطعی یا باطنی دلیل اس کی مخالف نہیں ہے جہاں تک قطعی دلائل ونصوص کا تعلق ہے ان میں تناقض کا احتمال نہیں ہے باقی رہے ظنی دلائل تو وہ قطعیات کا معارضہ نہیں کرسکتے]

لیکن روافض امامت کے اثبات ونفی مطلقاً ذکر کرتے ہیں' اور یہ تفصیل بیان نہیں کرتے کہ ان کی مراد امامت اور اس کے متعلقہ امور کا ثبوت ہے یا پھر امامت کے استحقاق کا ثبوت ۔ وہ لفظ''امام'' کا اطلاق دوسری صورت پر کرتے ہیں اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ یہ لفظ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔تو اگر ان کی مراد یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ امامت وخلافت کے لائق نہیں تھے' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی اس کے سب سے زیادہ حق دار تھے؛ یا پھر آپ ان سے بڑھ کر خلافت کے حق دار تھے تو تو یہ بات کھلا ہوا جھوٹ ہے۔اور یہی نکتہ مورد نزاع بھی ہے۔

ہم اس بارے میں اس ضابطہ بیان کرتے ہیں جو کہ قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر اسے تفصیل سے بیان کریں گے۔کلی جواب تو یہ ہے کہ یہ بات تو ہم بخوبی جانتے ہیں کہ خلفاء ثلاثہ خلافت وامامت کے لائق تھے۔ یہ بات ہمیں قطعی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



طور پر معلوم ہے۔ اس مسئلہ میں روافض کے علاوہ کوئی بھی دوسرا فرقہ مسلمانوں سے اختلاف نہیں کرتا۔ بلکہ امت کے ائمہ اور جمہور سے یہ منقول ہے کہ وہ لوگ امامت کے زیادہ حق دار تھے اور یہ بھی منقول ہے کہ وہ اس امت کے سب سے زیادہ افضل لوگ تھے۔ جو بات ہمیں قطعی طور پر معلوم ہوئی ہے۔ اسے کسی قطعی یا ظنی دلیل سے رد نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ادلہ قطعیہ کے مابین اختلاف نہیں ہوتا۔ اور ادلہ قطعیہ کو ادلہ ظنیہ سے رد نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی وہ اس کے معارض ہوسکتی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قادحین خلفائے ثلاثہ کے مخالف جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں ہیں۔

۱۔ یا تو وہ ایسے نقلی دلائل ہیں جن کی صحت کا کچھ پتہ نہیں۔

۲۔ یا وہ دلائل بجائے خود صحیح ہیں، مگر ان سے خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا ابطال نہیں ہوتا۔

دلیل کے دونوں مقدمات میں سے جو مقدمہ بھی معلوم نہ ہو وہ دلائل و مقدمات معلومہ قطعیہ کا معارض نہیں ہوسکتا۔

جب ہم اعتراض کے متعلق ثابت کردیں کہ واضح اور قطعی نہیں ہے تو پھر کسی گمراہ کرنے والے شبہ کا جواب دینا ہمارے لیے ضروری نہ ہوگا۔ جیسے کوئی شخص اگر بدیہی طور پر معلوم ہونے والے حقائق کا انکار کردے تو ہم پر اس کے احمقانہ فعل کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتی۔

اسی طرح ہم کسی کو اس بات کا پابند نہیں بنا سکتے کہ جو بات دلائل قطعیہ سے ثابت ہو؛ اسے دلائل ظنیہ سے رد کرے؛ خواہ وہ محقق ہو یا مناظر۔ بلکہ اگر اس پر اس شبہ کا فاسد ہونا ظاہر ہوجائے اور اسے دوسروں کے سامنے بیان کردے تو اس سے علم و معرفت اور حق کو تقویت ملے گی۔ تحقیق اور مناظرہ کے میدان میں اگر شبہ ظاہر نہ ہو تو یقین کو شک کی بنیاد پر رد نہیں کیا جاسکتا۔ [اگر ہم شیعہ کے شکوک و شبہات کی وجہ فساد و بطلان بھی واضح کردیں تو یہ علمی اضافہ کا موجب ہے اور مناظرہ کے دوران اس سے حق کی تائید بھی ہوجاتی ہے]۔

ہم ائمہ ثلاثہ کے استحقاق امامت کے متعلق بہت سے دلائل عنقریب ذکر کریں گے۔ اور یہ ثابت کریں گے وہ امامت کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔

## فصل:......[حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول سے باطل استدلال]

**[اعتراض]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: **اول**: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ: بسا اوقات میرا اور شیطان کا سامنا ہوتا ہے، اگر میں سیدھا رہوں تو میری مدد کیجیے؛ اور اگر ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کیجیے۔ خلیفہ و امام کا اصلی کام رعیت کی تکمیل ہے بنا بریں وہ ان سے اپنے کمال کا مطالبہ کیوں کر کرسکتا ہے؟''

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: اس کا جواب کئی طرح سے ہے:

[پہلا جواب]: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: ''مجھے ایک شیطان کا سامنا ہوتا ہے اور وہ غصہ ہے،

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جب میں اس میں گرفتار ہو جاؤں تو مجھ سے اجتناب کرنا۔کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تم سے خندہ پیشانی سے پیش نہ آسکوں ۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''جب تک میں اللہ کا مطیع رہوں ، میری اطاعت کرتے رہو، جب اللہ کی نافرمانی کرنے لگوں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں ۔'' ❶

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کا یہ قول لائق صد مدح وستائش ہے۔ہم آگے چل کر اس کی تفصیل بیان کریں گے۔

[دوسرا جواب]: آپ رضی اللہ عنہ نے جس شیطان کا ذکر کیا ہے کہ وہ مجھے مغلوب کر دیتا ہے؛ اس سے مراد وہ شیطان ہے جو غصہ کے وقت لاحق ہوتا ہے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں وہ غصہ کی حالت میں اپنی رعایا کیساتھ کوئی زیادتی نہ کر بیٹھیں۔پس آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ غصہ کی حالت میں ان سے دور رہیں ۔

آپ کا یہ فعل تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مطابق ہے۔احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب قاضی پر غصہ طاری ہو تو وہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ صادر نہ کرے۔'' ❷

سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کے وقت دو افراد کے مابین فیصلہ کرنے سے منع کیا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مراد بھی یہی تھی ۔اسی لیے اس حالت میں رعایا کو متنبہ رہنے کا حکم دیا۔اور سمجھایا کہ وہ غصہ کی حالت میں کسی فیصلہ کی طلب نہ کریں؛ اور نہ ہی اس حالت میں کوئی مقدمہ لے کر آئیں۔یہ بات سراسر اللہ تعالیٰ اور اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر مبنی ہے۔

[تیسرا جواب]: غصہ سب بنی نوع انسان کو لاحق ہوتا ہے۔حتی کہ خود سید البشر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یا اللہ! میں ایک بشر ہوں؛ اور مجھے بھی اسی طرح غصہ آتا ہے جیسے دوسرے انسانوں کو؛ اور میں آپ سے عہد لیتا ہوں جس کے خلاف آپ نہیں کریں گے ؛ میں جس مؤمن کو ایذا دوں' یا برا کہوں یا ماروں؛ تو آپ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنادیں' اور قیامت کے دن اسے اپنی نزدیک ہونے کا سبب بنادیں۔'' ❸

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

''دو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو ناراض کیا، جس کے نتیجہ میں آپ نے ان پر لعنت بھیجی اور سخت سست الفاظ کہے۔جب وہ باہر نکلے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان دونوں کو کوئی خیر نہ ملی۔آپ نے فرمایا:'' کیوں۔'' میں نے عرض کیا:''اس لیے کہ آپ نے ان پر لعنت کی اور انہیں برا بھلا کہا۔''تو آپ نے فرمایا : '' کیا تمہیں معلوم نہیں میں نے اپنے پروردگار سے جو شرط رکھی

---

❶ سیرۃ ابن ھشام(ص:٦٧١)۔

❷ البخاری ، کتاب الاحکام' باب ھل یقضی القاضی اویفتی و ھو غضبان (:٧١٥٨)، مسلم، کتاب الأقضیۃ۔باب کراھۃ قضاء القاضی و ھو غضبان(ح:١٧١٧)۔

❸ البخاری '٨/ ٧٧؛ کتاب الدعوات۔مسلم۔ کتاب البر والصلۃ" (ح:٩١/ ٢٦٠١، ٢٦٠٣)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



ہے۔میں نے یہ دعا کی ہے:''[اے اللہ!] میں بھی ایک آدمی ہوں' جس مسلمان پر بھی میں لعنت کروں یا اسے برا بھلا کہوں تو تو اسے پاک کر دے' اور اجر عطا فرما۔''❶

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''میں نے اپنے پروردگار سے شرط رکھی ہے کہ میں بھی ایک آدمی ہوں' ایسے خوش ہوتا ہوں' جیسے کوئی بھی آدمی خوش ہوتا ہے' اور غصہ بھی ہوتا ہوں' جیسے کوئی بھی انسان غصہ ہوتا ہے۔پس اپنی امت میں سے جس کسی پر میں بددعا کروں؛ اور وہ اس کا مستحق نہ ہو تو اس بددعا کو طہارت کو پاکیزگی اور قربت کا ذریعہ بنادے۔''❷

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول ہیں اور ان کے غصہ کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے۔

[اعراف: 154]

جب غصہ کا واقع ہونا انبیاء کرام علیہم السلام میں عیب نہیں سمجھا جاتا تو امامت میں کیسے عیب ہوسکتا ہے؟ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی نرمی اور بردباری میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشابہ قرار دیا تھا۔جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دینی امور میں ان کی سختی کے لحاظ سے حضرت موسیٰ اور حضرت نوح علیہما السلام کے مشابہ قرار دیا تھا۔جب یہ سختی امامت کے منافی نہیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سختی امامت کے منافی کیونکر ہوسکتی ہے۔

چوتھی بات:......اس اجتناب کے حکم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی غرض یہ تھی کہ ان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ تو اب بتائیں کہ کامل کون ہوا؟ وہ جو اپنی نافرمانی کرنے والے پر غیض و غضب کا اظہار کرے' اس سے برسر پیکار جنگ ہو اور قتال بالسیف کرے؟[یا پھر وہ انسان جو اپنی نافرمانی کرنے والے کو آرام سے سمجھا دے کہ مجھ سے دور رہو تاکہ غصہ میں کسی تکلیف کا ارتکاب نہ ہوجائے]۔

پس اگر کہا جائے کہ امام کی نافرمانی اور اس کو غصہ دلانے کے سبب وہ اس بات کے مستحق ہوگئے تھے کہ ان سے قتال کیا جائے تو ہم بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ: جو شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کرے یا آپ کو تکلیف دے تو آپ اس کی سرزنش کرسکتے ہیں جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مخالف کی تادیب و سرزنش کے مجاز ہیں۔[لیکن حضرت ابوبکر نے ایسا نہیں کیا]۔اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مستحق ہیں تو یہ کہنا درست نہیں کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کرے اور انہیں غصہ دلائے اس سے تو قتال جائز ہے' مگر جو شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کرے تو اس کی تأدیب و تربیت جائز نہیں۔''

پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فعل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل کی نسبت زیادہ کامل ہے۔مسند احمد میں حضرت ابوبرزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

❶ صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة، باب من لعنه النبی ﷺ (حدیث:٢٦٠٠)۔

❷ صحیح مسلم، کتاب البر و الصلة، باب من لعنه النبی ﷺ ۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا، آپ کسی شخص سے ناراض ہوئے، تو وہ شخص درشت کلامی پر اتر آیا۔ میں نے کہا: اے خلیفہ رسول! آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں؟ میرے ان الفاظ سے ان کا سارا غصہ جاتا رہا، وہ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے اور مجھے بلالیا؛ ...... اورفرمایا: ''اگر میں تمہیں اجازت دیتا تو تم یہ کرگزرتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ ضرور کرتا؛ آپ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے لیے نہیں۔ یعنی محض اپنی نافرمانی کی وجہ سے کسی مسلمان کو قتل کردیا جائے۔''❶

علماء کرام رحمہم اللہ کے اس حدیث کی شرح میں دو قول ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے انسان کو گالی دینے والے کو قتل کرنے کا اختیار کسی کو بھی نہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ''کسی انسان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے علم واجتہاد سے لوگوں کے خون کے فیصلے کرے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت نہ کی تو آپ نے اپنے ہاتھ سے تو درکنار؛ اپنی زبان سے بھی انہیں تکلیف ہیں دی۔ اور دوسرے لوگ جیسے حضرت علی وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی چھ ماہ تک آپ کی بیعت نہ کی تھی۔ مگر آپ نے ان میں سے کسی ایک کو بھی ذرا بھر بھی تکلیف نہیں دی۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی ایک کو اپنی بیعت پر مجبور کیا۔ یہ سب ان کے کمال عدل اور معراج تقوی کی وجہ سے تھا۔ اور کمال احتیاط تھی کہ کہیں پر امت کو کوئی ذرا بھر بھی تکلیف نہ پہنچے۔ بلکہ یہاں تک فرمادیا کہ جب مجھے غصہ لاحق ہو تو مجھ سے دور رہا کرو۔

پانچویں بات:......صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کے ساتھی جن [شیطان] کو مسلط کیا گیا ہے۔''

صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ بھی جن ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''ہاں! مگر میں بتوفیق الٰہی اس سے محفوظ رہتا ہوں، اور وہ مجھے اچھی بات ہی کا حکم دیتا ہے۔'' [مسلم ۲۱۶۷]

حدیث صحیح میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میرے ساتھ بھی شیطان ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر عرض کی: کیا وہ ہر انسان کے ساتھ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! تو انہیں نے پھر عرض کی: کیا وہ آپ کے ساتھ بھی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں! مگر میرے رب نے اسے میرے لیے مسخر کردیا ہے؛ اور وہ مسلمان ہوگیا ہے۔''❷

علماء کرام رحمہم اللہ کے دو اقوال میں سے صحیح ترین قول کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ وہ میرا مطیع وفرمانبردار ہوگیا

❶ الصارم المسلول ۲۰۵۔ ابوداؤد ۲/ ۲۵۲۔

❷ صحیح مسلم ' کتاب صفات المنافقین ' باب: تحریش الشیطان ٤/ ۲۱٦۸۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہے۔ بعض علماء کرام نے یہ لکھ دیا کہ: اس سے مراد یہ ہے کہ: یہاں تک کہ میں مسلمان ہوگیا۔ اس طرح انہوں نے معنی بدل دیا اور بعض علماء کرام نے لکھ دیا کہ: وہ شیطان مؤمن ہوگیا؛ تو انہیں نے لفظ کو بدل دیا۔

ایسے ہی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو قتل کر دیا تو آپ نے فرمایا:

﴿ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ [القصص ۱۵]

''یہ تو شیطانی کام ہے یقیناً شیطان دشمن اور کھلے طور پر بہکانے والا ہے۔''

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم نے کہا تھا:

﴿وَ مَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ [کھف ٦٣]

''اور مجھے تو شیطان نے ہی بھلا دیا کہ میں اسے یاد رکھتا۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حوا رضی اللہ عنہا کے قصہ میں فرمایا ہے:

﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ﴾ [البقرۃ ۳٦]

''شیطان نے آدم و حوا دونوں کو ورغلا دیا۔ اور جس حالت میں وہ تھے انہیں وہاں سے نکلوا کر ہی دم لیا۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا ﴾ [اعراف ۲۰]

''پھر شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کی شرمگاہیں جو ان سے چھپائی گئی تھی انہیں کھول دکھائے۔''

پس جب شیطان کا لاحق ہونا انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت میں عیب شمار نہیں ہوتا؛ تو خلفاء کرام کی خلافت میں کیسے عیب شمار ہوسکتا ہے؟

اور اگر کوئی انسان یہ دعوی کرے کہ مذکورہ نصوص میں تأویل کی گئی ہے [یعنی وہ اپنے ظاہر پر نہیں]؟ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ: '' پھر کسی دوسرے کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول میں تأویل کرنا بھی درست ہے۔ اس لیے کہ آپ کے ایمان و علم و عمل؛ تقوی و طہارت پر بہت سارے دلائل موجود ہیں۔ اور جب کوئی ایسا مجمل لفظ وارد ہو جو کہ معلوم شدہ حقیقت کے خلاف ہو تو اس کی تاویل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

رہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ: ''اگر میں راہ استقامت پر قائم رہوں تو میری مدد کرنا اور اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دینا۔'' آپ کے کمال عدل و انصاف اور تقویٰ کی دلیل ہے۔ اور ہر حاکم پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں آپ کی اقتداء کرے۔ اور رعایا پر بھی واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنے ائمہ و حکام کے ساتھ اسی کی روشنی میں سلوک کریں۔ یعنی اگر حاکم اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم ہو تو ان کی مدد کریں' اور اگر ان سے کوئی غلطی ہو رہی ہو اور وہ راہِ حق سے ڈگمگا رہے ہوں تو ان کی رہنمائی و اصلاح کا کام کریں۔ اگر وہ ظلم کا ارادہ کرے تو جہاں تک ہو سکے تو اسے روکیں۔ اگر

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حاکم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسا حق کا پیروکار ہوگا تو عوام پر ترکِ نصیحت کے لیے کوئی عذر نہ ہوگا۔ اور اگر ظلم کو روکنا کسی بڑے فساد کے بغیر ممکن نہ ہو تو پھر اس صورت میں چھوٹی برائی کو ختم کرنے کے لیے بڑی برائی کو اختیار نہ کیا جائے۔ پس چھوٹے اور کم شر کو بڑے شر سے ختم نہ کیا جائے۔

**[اشکال]**: رہا شیعہ کا یہ قول کہ ''امام کا کام رعیت کو کمال تک پہنچانا ہے۔ تو پھر امام رعایا سے طلب کمال کیسے کر سکتا ہے؟''

**[جواب]**: اس کے متعدد جواب ہیں:

پہلا جواب:......ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ امام کا کام رعایا کی تکمیل کرنا ہے' اور رعایا اس کی تکمیل نہیں کر سکتی۔ یہ درست نہیں اس لیے کہ امام و رعیت دونوں باہم ایک دوسرے کی تکمیل کرتے اور برّ و تقویٰ میں ایک دوسرے کے معاون ہوا کرتے ہیں۔ اور گناہ اور نافرمانی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؛ جیسے لشکر کا سالار؛ قافلہ کا امیر ؛ نماز کا امام؛ حج کا امیر۔ دین کی معرفت تو رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی گئی ہے۔ لہٰذا امام کا کوئی الگ دین نہیں ہوتا جو اس کے لیے خاص ہو۔ البتہ جزئیات میں اجتہاد کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ لیکن جب حق بالکل واضح ہو' تو پھر اسی کے مطابق کا حکم بھی کرے۔ اور اگر یہ حکم صرف امام کے لیے واضح ہو تو اسے چاہیے کہ لوگوں کے سامنے بھی اسے واضح اور بیان کرے۔ اور لوگوں پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت بھی کریں۔ اور اگر حکم مشتبہ ہو تو ان پر واجب ہوتا ہے کہ آپس میں مشاورت کریں یہاں تک کہ حق ان کے سامنے واضح ہو جائے۔ اور اگر اجتہادی فیصلہ رعایا میں سے کسی ایک کا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ امام و حاکم کو بتا دے۔ اور اگر سب کا اجتہاد مختلف ہو تو اس صورت میں امام کے اجتہاد کی اتباع کی جائے گی۔ کیونکہ امام کی رائے کو ترجیح دینا ضروری ہے' اور اس کے برعکس کرنا ممتنع ہے۔

یہ اسی طرح ہے جیسے روافض میں سے امامیہ کا قول امام معصوم کے نائبین کے بارے میں ہے کہ انہیں کلیات معلوم ہو چکے ہیں تو ان پر ضروری ہوتا ہے کہ وہ اجتہاد کے ذریعہ جزئیات معلوم کریں۔ اور اسی طرح ہر امام رسول اللہ ﷺ کا نائب ہوتا ہے جس کی عصمت و پاکدامنی پر کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ کسی اور کے نائب کی نسبت رسول اللہ ﷺ کے نائب اتباع کے زیادہ حق دار ہیں۔ اور آپ کے نائب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو نبھائیں جو ذمہ داری رسول اللہ ﷺ نے نبھائی تھی؛ یہاں پر خلیفہ بننا مراد نہیں۔ پس آپ ﷺ کی اطاعت ہر والی پر واجب ہوتی ہے۔ خواہ اس کو والی رسول اللہ ﷺ نے بنایا ہو یا کسی اور نے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ کی اطاعت اسی طرح واجب ہے جیسے آپ کی زندگی میں واجب تھی۔ پس جس کسی کو رسول اللہ ﷺ نے یا دیگر کسی نے والی بنایا ہو تو اس پر وہی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو دیگر حکام و امراء پر واجب ہوتی ہے۔

دوسرا جواب:......مخلوق کا ہر فرد اپنی تکمیل کے لیے دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ جیسے علمی بحث و مباحثہ کرنے والے؛ باہم مشورہ کرنے والے؛ اور دینی یا دنیاوی مصلحتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور مشورہ کرنے والے [ایک

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں]۔لیکن خالق سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں یہ بات ممتنع ہے۔اس لیے کہ ہر ممکن چیز اپنے وجود کے لیے کسی ایسے موجد کی محتاج ہوتی ہے جو اپنی ذات میں بے نیاز ہو اور اسے کسی دوسرے کی کوئی ضرورت نہ ہو۔ تاکہ اس سے دور اور تسلسل لازم نہ آئے۔ جب کہ مخلوق کے ہر دو افراد میں ہر ایک فرد اپنی قوت و طاقت اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتا ہے؛ نہ ہی وہ اپنی ذات سے قوت حاصل کرتا ہے اور نہ ہی اللہ کے سوا کسی دوسرے سے؛ پس اس میں کوئی دور و تسلسل والی بات نہیں۔

تیسرا جواب:...... یہ سلسلہ چلا آرہا ہے کہ ہمیشہ سے شاگرد بعض باتوں میں اساتذہ کو آگاہ کرتے ہیں۔اور اساتذہ ان کی معلومات سے استفادہ کرتے ہیں۔حالانکہ شاگرد جن اصولوں کے ذریعہ یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے؛ وہ اس نے اساتذہ سے ہی حاصل کیے تھے۔یہی حال صنعت کاروں اور دوسرے لوگوں کا بھی ہے۔

چوتھا جواب:......حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے افضل ہونے کے باوجود ان سے تین مسائل کا علم حاصل کیا۔ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿ اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ ﴾[نمل ۲۲]

''میں ایسی بات معلوم کرکے آیا ہوں جس کا علم آپ کو نہیں ہے۔''

اب کہاں [اللہ کے نبی] حضرت سلیمان علیہ السلام اور کہاں میاں ہدہد [ایک پرندہ]۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ کیا کرتے تھے۔اور بعض اوقات ان کی رائے کے مطابق رجوع کیا کرتے اور عمل بھی کیا کرتے تھے۔جیسا کہ غزوہ بدر کے موقع پر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا: یارسول اللہ! اس جگہ پڑاؤ ڈالنے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ تو پھر ہم یہاں سے تجاوز نہیں کرسکتے؛ یا پھر یہاں پر پڑاؤ ڈالنا محض جنگی تدبیر اور ایک چال ہے؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ محض رائے؛ جنگی تدبیر اور ایک چال ہے۔'' اس پر حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: تو پھر یہ جگہ جنگی پڑاؤ کے قابل نہیں ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کے مطابق رجوع کیا۔

اسی طرح غزوہ خندق کے موقع پر آپ کی رائے یہ تھی کہ قبیلہ غطفان سے مدینہ کی آدھی کھجوروں کے بدلہ میں صلح کرلیں؛ اور لڑائی سے پیچھے ہٹ جائیں۔تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو ہم نے سن لیا [اور مان لیا] ہم اطاعت کے لیے حاضر ہیں۔اور اگر آپ نے فقط ہماری مصلحت کی خاطر ایسا کیا ہے تو پھر وہ لوگ جاہلیت میں بھی ایک کھجور بھی خریدے یا اجرت پر لیے بغیر نہیں لے سکتے تھے؛ اور جس وقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام سے عزت بخشی تو پھر کیا ہم انہیں اپنی کھجوریں دیں گے؟ اللہ کی قسم ہم انہیں اپنی تلواروں کے علاوہ کچھ بھی نہیں دیں گے۔'' اور اس طرح کی دیگر باتیں بھی ہوئیں؛ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کرلیا۔''

غزوہ تبوک کے موقع پر [راستہ میں] جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری کے اونٹ ذبح کرنے کو کہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اس کے بجائے ایسا کیا جائے کہ: سب لوگوں کا توشہ جمع کیا جائے' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں برکت کے لیے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



دعا کر دیں تو آپ ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرما لیا۔

جب آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنی جوتی دیکر بھیجا کہ جو بھی اس دیوار کے پیچھے ملے اور وہ لا إلہ إلا اللہ کی گواہی بھی دیتا ہو' تو اسے جنت کی خوشخبری سنا دو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا اندیشہ ہوا کہ پھر لوگ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے [اور عمل نہیں کریں گے] تو آپ نے نبی کریم ﷺ کو مشورہ دیا کہ انہیں منع کریں کہ ایسا اعلان نہ کیا جائے' تو آپ نے یہ مشورہ بھی قبول فرما لیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر اس معاملہ میں ان کے رائے قبول نہیں کیا کرتے تھے جس میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی منصوص حکم نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جب ان پر حکم واضح ہو جاتا تھا تو پھر مخالفت کرنے والے کی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔

کیا آپ دیکھتے نہیں کہ جب آپ نے مرتدین سے قتال کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے کے خوف واندیشہ سے ایسا کرنے سے منع کیا؛ اور ان لوگوں سے قتال کرنے سے بھی منع کیا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد زکواۃ کی ادائیگی روک لی تھی۔ اور ایسے ہی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ کرنے سے بھی منع کیا تھا؛ مگر آپ نے کوئی بات نہیں مانی؛ اور دلائل سے اپنے فعل کو درست ثابت کیا۔

جزئی امور میں جن کا منصوص ہونا ضروری نہیں ہوتا' بلکہ اس سے محض علت یا مصلحت مراد ہوتی ہے؛ تو ان میں وہ بہر حال انبیاء کرام علیہم السلام کے درجہ سے بلند نہیں ہو سکتے۔

پانچویں بات: ......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس کلام نے امت کی نظروں میں آپ کی عزت اور مقام و مرتبہ کو بڑھایا ہے اور امت نے نبی کریم ﷺ کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی تعظیم کسی کی بھی نہیں کی۔ اور نہ ہی کسی کی اس طرح اطاعت کی جس طرح آپ کی اطاعت کی۔ اس میں انہیں نہ ہی کسی چیز میں کوئی رغبت تھی اور نہ ہی کسی بات کا کوئی خوف تھا۔ بلکہ جن لوگوں نے بیعت رضوان کے موقع پر درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی؛ انہوں نے خوشی خوشی بیعت کی تھی۔ وہ آپ کی فضیلت اور استحقاق کا اقرار کرتے تھے۔ پھر یہ کہ ہمیں کسی ایک بھی ایسے مسئلہ کا علم نہیں ہو سکا کہ آپ کے عہد میں لوگوں کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف ہوا ہو اور آپ کی وضاحت اور بیان سے؛ آپ کی طرف رجوع کرنے سے وہ مسئلہ حل نہ ہوا ہو۔ اس معاملہ میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں ہے؛ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں آپ کے قریب تر تھے؛ اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نمبر آتا ہے۔

جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی؛ نہ تو رعایا نے ان کو تقویت پہنچائی اور نہ ہی آپ رعایا کی اصلاح کر سکے۔ [اب انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجیے کہ] ان دونوں میں سے کس حاکم کے ذریعہ مقصود امامت و حاکمیت حاصل ہوا؟ اور دونوں میں سے کس نے دین کو زیادہ قائم کیا؛ مرتدوں کی راہ میں بند باندھا؛ کفار سے قتال کیا؛ اور تمام اہل ایمان لوگ بھی آپ کے عہد مسعود میں متفق اور یکجا ہی رہے۔ اب ان دونوں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



انسانوں کو برابر وہی کہہ سکتا ہے جو انتہائی درجہ کا احمق اور جاہل [ومتعصب ]اور بد دین ہو۔[ چہ جائے کہ مفضول کو افضل سمجھے ]۔

[جہاں تک کامل بنانے کا تعلق ہے تو وہ اللہ غنی کا کام ہے، جو کسی کا دست نگر نہیں۔ نبی کریم ﷺ بھی صحابہ سے مشورہ کرتے اور ان کی رائے پر عمل کیا کرتے تھے۔]

## فصل :......[بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اعتراض]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے:**دوم** : اور''عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ایک عاجلانہ اقدام تھا، جس کی برائی سے اللہ نے بچالیا۔ اگر کوئی شخص پھر ایسا کام کرے تو اسے قتل کردو۔اس کا عاجلانہ [جلد بازی میں ] ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بیعت کسی صحیح رائے سے وجود میں نہیں آئی۔ پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے شر سے پناہ مانگی۔اور پھر اس کا اعادہ کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ یہ قول ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر طعن کے مترادف ہے۔''

**[جواب ]** : ہم کہتے ہیں: بخاری و مسلم میں منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''مجھے پتہ چلا ہے کہ تم میں سے بعض لوگ کہتے ہیں، اگر عمر رضی اللہ عنہ فوت ہو چکے ہوتے تو میں فلاں شخص کی بیعت کرتا۔کوئی شخص دھوکہ میں آکر یوں نہ کہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ایک عاجلانہ اقدام تھا جو پایہ انجام کو پہنچا۔ بے شک بات یونہی تھی مگر اللہ نے اس کی برائی سے بچالیا۔تم میں سے ایک شخص بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا نہیں،جس کی خاطر گردنیں کٹوائی جائیں جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے کیا جاسکتا تھا۔جس شخص نے کسی کے ہاتھ پر مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر بیعت کرلی تو اس کی بیعت نہ کی جائے۔اس خوف سے کہ وہ قتل کردیے جائیں گے جس وقت اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو وفات دے دی تو اس وقت وہ ہم سب سے بہتر تھے۔''

پھر وہ روایت ذکر کی جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ تھے:

> ''میں تمہارے لیے ان دو آدمیوں میں سے ایک پر راضی ہوں ان دونوں میں کسی کی بیعت کرلو۔'' چنانچہ انہوں نے میرا اور ابوعبیدہ بن جراح کا ہاتھ پکڑا۔ آپ اس وقت ہم دونوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔

[عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:] مجھے اس کے علاوہ انکی کوئی بات ناگوار نہ ہوئی؛ اللہ کی قسم! میں اس جماعت کی سرداری پر جس میں ابوبکر ہوں اپنی گردن اڑائے جانے کو ترجیح دیتا تھا۔مگر یہ کہ میرا یہ نفس موت کے وقت مجھے اس چیز کو اچھا کر دکھائے جس کو میں اب نہیں پاتا ہوں۔[یہ مکمل حدیث پہلے گزر چکی ہے ][1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیعت اچانک ہوگئی تھی؛ اس کے لیے ہم نے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے لیے متعین تھے؛ اس لیے انہیں لوگ جمع کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی ۔ اس لیے کہ یہ سبھی لوگ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب رجم الحبلی فی الزنا اذا احصنت (ح:٦٨٣٠)مطولاً۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



جانتے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں تھا جس کی ترجیح اور استحقاق پر لوگوں کا ایسا اجماع ہو جیسا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تھا۔ پس جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو کر کسی کی بیعت کرنا چاہے تو اسے قتل کر دو۔ اور انہوں نے اس کے شر سے پناہ نہیں مانگی' بلکہ یہ بتایا ہے کہ اجماع کی بدولت اللہ تعالیٰ نے فتنہ کے شر سے بچا لیا۔

## فصل:......[ خلفاء ثلاثہ پر کم علمی کا بہتان ]

**[اشکال]**: رافضی کا کہنا ہے کہ: **سوم**: خلفاء ثلاثہ کا علم میں کم تر ہونا اور اکثر واقعات میں ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔''

**[جواب]**: یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے کبھی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ علم حاصل کیا ہو۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے روایات اخذ کیں؛ ان کی پیروی کی؛ اور ان کی سیرت کی اتباع کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ استفادہ کیا ہے؛ لیکن اس کی مقدار اس سے بہت کم ہے جو استفادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ علم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کم تھے؛ لیکن اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم کے محتاج نہ تھے۔ حتی کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زکواۃ وصول کرنے والے کارندوں کی شکایت بعض لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کی؛ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ [زکواۃ] اور صدقات کے مسائل پر مشتمل ایک کتاب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔''

انہوں نے سچ کہا تھا' اس لیے کہ زکواۃ کے نصابوں اور مقررہ مقدار مال جو زکواۃ میں ادا کیا جائے' یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے توقیفاً ثابت ہے۔ جس میں کسی رائے کو کوئی دخل نہیں۔ اور یہ چار مأخذ سے حاصل کیا گیا ہے۔ ان میں سے علماء مسلمین کی نظر میں سب سے زیادہ صحیح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کتاب ہے جسے انہوں نے انس بن مالک کے لیے لکھا تھا۔ اور اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت بھی کیا ہے۔ اور اکثر ائمہ کے ہاں اسی پر عمل ہے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کتاب کا نمبر آتا ہے۔

[تیسرا مأخذ] جو کتاب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھی تھی اس میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن پر علماء کرام رحمہم اللہ علیہم میں سے کسی ایک کا بھی عمل ثابت نہیں۔ مثلاً: ''ہر پچیس میں بکری کا پانچواں حصہ واجب ہے۔''

یہ قول آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی متواتر دلائل کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے' یا تو وہ منسوخ ہو گیا تھا یا پھر اس کے نقل کرنے میں غلطی ہو گئی ہے۔

چوتھا مأخذ: حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی کتاب ہے۔ جو انہوں نے اس وقت لکھی تھی جب انہیں نجران بھیجا گیا تھا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کتاب ان سب کے آخر میں لکھی گئی۔ تو کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ اکثر احکام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ جب کہ آپ کے دور کے قاضی بھی آپ کی طرف رجوع نہیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ قاضی شریح' عبیدہ سلیمانی رحمہما اللہ اور آپ کے عہد کے دوسرے قاضی اس علم کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے جو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام سے سیکھا تھا۔

قاضی شریح رحمہ اللہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے علم حاصل کیا تھا۔ اور عبیدہ سلیمانی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ سے علم حاصل کیا تھا۔ یہ حضرات اپنے عام قضایا میں آپ سے مشورہ تک بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ اس لیے کہ ان کے پاس موجود علم کی وجہ سے وہ اس چیز سے بے نیاز تھے۔ تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اپنے اکثر مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میری اور عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ام الولد کو نہ بیچا جائے؛ لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ ان کے بیچنے میں کوئی قباحت نہیں۔'' اس پر عبیدہ سلیمانی رحمہ اللہ نے کہا: ''آپ کی رائے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور باقی جماعت کے ساتھ ہو وہ ہمارے نزدیک آپ کی انفرادی رائے سے بہتر ہے۔''

یہ تو آپ کے قاضی ہیں جو اس مسئلہ میں آپ کی رائے کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ حالانکہ اکثر لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اتباع میں ام الولد کی فروخت سے منع کرتے ہیں' اس لیے کہ اس بارے میں کوئی صریح نص موجود نہیں۔ پس جب وہ اس جیسے مسئلہ میں آپ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے؛ پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان باقی امور میں آپ کی طرف رجوع کرتے ہوں گے جن میں کافی وشافی نصوص وارد ہوئی ہوں۔

آپ کے قاضی فیصلہ کرتے وقت بھی آپ سے مشورہ نہیں کیا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ یہ قضاۃ کوئی فیصلہ کرتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی تردید کر دیتے۔ کیونکہ وہ فیصلہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے قول کے مخالف ہوتا۔ جیسے: جب دو چچا زاد بھائی اور دو سگے بھائی؛ ان میں جب ایک دوسرے کا ماں شریک بھائی ہو تو انہوں نے اس کے لیے سارے مال کا فیصلہ دے دیا۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید کی اور فرمایا: ''اسے چھٹا حصہ ملے گا' اور باقی مال میں وہ دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔ حضرت زید وغیرہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی قول ہے۔ اس وقت میں لوگ کسی ایک کے قول کے مقلد نہیں ہوا کرتے تھے۔

دادا کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو فیصلہ ہے' حضرات علماء کرام رحمہم اللہ میں سے کوئی ایک بھی اس کا قائل نہیں ہے؛ سوائے ابن ابی لیلیٰ کے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ان کے کوفی شاگردوں نے لیا ہے۔ اسی طرح حضرت زید کا قول بھی علماء کرام کی ایک جماعت نے قبول کیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول جمہور صحابہ کرام نے لیا ہے۔ امام شافعی اور امام محمد بن نصر المروزی رحمہما اللہ نے ایک بڑی کتاب مرتب کی ہے جس میں انہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہ اقوال جمع کیے ہیں جنہیں مسلمانوں میں سے کسی ایک نے بھی اختیار نہیں کیا۔ اس لیے کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



قول اس مسئلہ میں کتاب و سنت کے زیادہ قریب تر ہوتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مرجوح اقوال کی تعداد حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کی نسبت زیادہ ہے؛ ان کے راجح اقوال زیادہ ہیں۔ تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یہ حضرات اکثر مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

## فصل:...... [اصحاب ثلاثہ کے واقعات]

**[اشکال]**: رافضی مصنف نے لکھا ہے: **''چہارم**: ''اصحاب ثلاثہ سے صادر ہونے والے واقعات ہیں؛ ان میں سے اکثر کی تفصیل گزر چکی ہے۔''

**[جواب]**: ہم ان واقعات کے متعلق اجمال اور تفصیل سے جواب دے چکے ہیں۔ نیز یہ کہ حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دینا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات کی نسبت بہت آسان ہے۔ کسی بھی عادل عالم کے لیے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ اصحاب ثلاثہ پر جرح کرے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صفائی پیش کرے۔ بلکہ اگر کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صفائی پیش کرتا ہے تو خلفاء ثلاثہ بطریق اولیٰ اس کے حق دار ہیں کہ ان کی صفائی بھی پیش کی جائے۔ اور اگر وہ حضرات خلفاء ثلاثہ پر جرح کرتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے نشتر سے محفوظ و مامون نہیں رہ سکتے۔

اگر رافضہ اپنے قول کی وضاحت کریں تو اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جرح اصحابہ ثلاثہ کی جرح سے زیادہ وارد ہوتی ہے' اور اگر واضح نہ کریں تو اس کا تناقض اور فساد ثابت ہوجاتا ہے؛ حقیقت میں یہی بات توصحیح بھی ہے۔ اور اسی طرح کی صورتحال یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ بھی پیش آتی ہے۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر تو عیب جوئی کرتے ہیں' مگر موسیٰ اور عیسی علیہما السلام کے بارے میں نہیں کرتے۔ تو وہ جب بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اشکال پیش کرتے ہیں اس سے بڑا اشکال حضرت موسیٰ اور حضرت عیسی علیہما السلام کی نبوت پر خود بخود وارد ہوجاتا ہے۔ یہی حال رافضی کا ہے۔ اس کا جو اشکال حضرات خلفاء ثلاثہ کی خلافت پر ہوتا ہے؛ تو اس سے بڑا اشکال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر وارد ہوجاتا ہے اور اسی طرح جب کوئی فلسفی اہل مذہب پر اعتراض کرتا ہے تو اس پر بذات خود اشکال وارد ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح ہر اس شخص کا معاملہ ہے جو حق بات سے دور ہو۔ جب وہ اس شخص پر اشکال وارد کرے جو حق سے قریب تر ہو تو خود اس پر اشکال وارد ہوجاتے ہیں۔

اس مناظرہ کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اہل باطل کی طرف سے اہل حق پر جس نوعیت کا اعتراض وارد کیا جائے تو جواب میں اسی نوعیت کا اعتراض اہل باطل پر کردیا جائے؛ یا اس سے بھی مضبوط تر اعتراض۔ کیونکہ معارضہ مفید ہوتا ہے اور اس طرح اگر ٹھیک جواب معلوم ہوجائے تو یہ جواب اس اشکال کا جواب بھی بن جائے گا جو اہل حق پر وارد کیا گیا ہے۔ اگر وہ گروہ حیرت اور پریشانی میں پڑ جائے تو اس کی برائی کو دور کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہوجائے گا؛ اور کہا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جائے گا جو اس بارے میں تمہارا جواب ہے' وہی ہمارا اس بارے میں جواب ہے۔

## فصل:...... [شیعہ کا یہ اعتراض: خلفائے ثلاثہ کا کفر......]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: **پنجم**:''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ (بقرة:۱۲٤) ''میرے عہد کو ظالم نہ پاسکیں گے۔'' اس آیت میں بتایا کہ امامت کا عہد ظالم تک نہیں پہنچ سکتا؛ اور ظالم کافر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا:﴿اَلْکٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (البقرة:۲٥٤)'' کافر ہی ظالم ہوتے ہیں۔'' آپ کی بعثت سے پہلے بلاشبہ اصحاب ثلاثہ بتوں کی پرستش کرنے والے اور کافر تھے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب ]**: اس کا جواب متعدد طرق سے دیا گیا ہے:

پہلا جواب:...... یہ ہے کہ کفر کے بعد جب کوئی شخص صحیح طور پر مشرف بہ اسلام ہو جائے تو وہ قابل مذمت نہیں ہوتا۔ یہ بات نہ صرف دین اسلام بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ادیان سے معلوم ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ [الانفال۳۸]

''ان سے کہہ دیجیے جنہوں نے کفر کیا' اگر وہ باز آجائیں تو ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اسلام لانے سے پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''

ایک اور روایت میں ہے: اسلام اپنے سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے' اور ہجرت اپنے سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔اور حج اپنے سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

دوسرا جواب:...... یہ ایک مسلمہ بات ہے یہ ضروری نہیں کہ ہر مسلم پیدا ہونے والا شخص کفر کے بعد اسلام قبول کرنے والے سے افضل ہو۔[ ورنہ اس کا صحابہ سے افضل ہونا لازم آئے گا]۔ یہ بات بہت سارے دلائل کی روشنی میں ثابت ہو چکی ہے کہ:''سب زمانوں سے بہتر قرن اوّل ہے۔[جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کیے گئے تھے] حالانکہ وہ سب بعد از کفر اسلام لائے تھے۔مگر اس کے باوجود قرن اول کے لوگ قرن ثانی کے [مسلم پیدا ہونے والے] لوگوں سے افضل تھے۔اسی لیے اکثر علماء کا مذہب ہے کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی پر ایمان لا چکا ہو، اسے [نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے] نبی بنایا جاسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ وَ قَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ﴾(العنکبوت:۲٦)

''لوط اس پر ایمان لائے اور کہا کہ: میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ&وَ لَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ [ابراهیم ۱۳۔۱٤]

''کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے یا تم پھر سے ہمارے مذہب میں لوٹ آ، تو

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ہی غارت کر دیں گے۔ اور ان کے بعد ہم خود تمھیں اس زمین میں بسائیں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ٥ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا وَ مَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا [ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ]﴾ (الاعراف: ۸۸-۸۹)

''ان قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم آپ کو اور آپ کے ہمراہ جو ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے الا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ شعیب علیہ السلام نے جواب دیا کہ کیا ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں گو ہم اس کو مکروہ ہی سمجھتے ہوں۔ ہم تو اللہ تعالیٰ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں گے اگر ہم تمہارے دین میں آ جائیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دی؛ اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آ جائیں، لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے مقدر کیا ہو ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔''

اس کی وضاحت اس طرح سے کی گئی ہے جس نے گناہ سے توبہ کر لی اور اس کی بخشش ہوگئی تو یہ گناہ اس کے بلند مرتبہ میں عیب کا باعث نہیں بنیں گے؛ خواہ وہ کتنے ہی بلند مرتبہ کو کیوں نہ پہنچ جائے۔ لیکن روافض کا یہ حال ہے کہ اس مسئلہ میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور دلائل عقلیہ کی مخالفت کرتے ہیں؛ اور پھر ایسے قول کو اپنے لیے لازم کر لیتے ہیں جس کا باطل ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر کے ایمان کا دعوی کرنا؛ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین اور چچا ابو طالب کے ایمان کا دعوی کرنا'

تیسرا جواب:...... جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے تو قریش میں سے چھوٹا بڑا کوئی بھی مومن نہ تھا، نہ ہی کوئی مرد، نہ ہی کوئی عورت اور بچہ؛ نہ ہی اصحاب ثلاثہ اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ جب بڑے مردوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے تو بچے بھی تو ویسے ہی کیا کرتے تھے' [یعنی ان کے بچے بھی بتوں کے پرستار ہوں گے] جن میں علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور دوسرے بچے بھی۔

اگر کہا جائے کہ بچے کا کفر ضرر رساں نہیں ہے، تو ہم کہیں گے کہ بچے کا ایمان بھی مرد بالغ کے ایمان جیسا نہیں ہے۔ اگر اصحاب ثلاثہ کے لیے ایمان اور کفر کا حکم بلوغت میں ثابت ہے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ایمان اور کفر کا حکم بھی بلوغت سے پہلے کا ثابت ہے۔ اور بچہ جب کافر ماں باپ کے ہاں پیدا ہو تو اس پر دنیا میں کفر کا حکم ہی لگتا ہے۔ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اگر وہ بلوغت سے پہلے اسلام قبول کر لے تو کیا اس کے لیے اسلام کا حکم ثابت ہو جائے گا؟ اس

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بارے میں علماء کرام رحمہم اللہ کے دو اقوال ہیں ۔ البتہ اگر بالغ انسان اسلام قبول کرلے تو امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ مسلمان ہوجائیگا۔

پس اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے اسلام پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ اسلام انہیں کفر سے نکالنے والا تھا ؛ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان کے بارے میں دو اقوال میں اختلاف ہے کہ کیا یہ اسلام انہیں کفر سے نکالنے والا تھا یا نہیں ؟ اس بارے میں دو قول مشہور ہیں ۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ: نابالغ بچے کا اسلام قبول کرنا اسے کفر سے نہیں نکال سکتا۔

البتہ کسی بچے کا نبوت سے پہلے کسی بت کو سجدہ کرنا یا نہ کرنا معلوم نہیں ۔ یہ بات تو قطعی طور پر نہیں کہہ جاسکتی کہ حضرت زبیر اور علی رضی اللہ عنہما نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ اور اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ انہوں نے کبھی بتوں کو سجدہ کیا۔ بلکہ ایسی کوئی روایت اصحاب ثلاثہ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی منقول نہیں کہ انہوں نے کبھی کسی بت کو سجدہ کیا ہو۔ ہاں صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ زمانہ جاہلیت میں قریش بتوں کو سجدہ کیا کرتے تھے ‘ تو ممکن ہے یہ بات بچوں میں بھی پائی جاتی ہو جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے ۔

چوتھا جواب:...... مذمت کے وہ القاب قرآن میں مذکور ہیں ‘ جیسے کفر ‘ ظلم ‘ فسق وغیرہ ؛ یہ اسی انسان پر صادق آتے ہیں ‘ جو ان پر قائم ہو ‘ البتہ جو شخص کفر کے بعد اسلام قبول کرلے ؛ اور ظلم کے بعد عدل و انصاف کرنا والا بن جائے ‘ فسق و فجور کے بعد نیک و صالح بن جائے تو باجماع امت اسلامیہ اس پر مذمت کے اسماء صادق نہیں آئیں گے ۔ [اسلام لانے کے بعد] ان پر مدح کے الفاظ صادق آئیں گے نہ کہ مذمت کے ۔

پس اللہ تعالیٰ کا فرمان:: ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ (البقرۃ:۱۲۴)

''میرے عہد کو ظالم نہ پاسکیں گے ۔'' کا مطلب یہ ہے کہ میرا عہد [امامت کا منصب] عادل کو ملے گا ظالم کو نہیں ملے گا۔

پس یہ معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص ظلم و تعدی کا مرتکب ہو اور پھر وہ توبہ کرلے اور عادل بن جائے تو اسے یہ عہد مل جائے گا [اور وہ امامت کا اہل ہوسکتا ہے ] ، جیسا کہ وہ آیات مدح و ستائش کا سزاوار ہوگا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ﴾ [مطففین ۲۲]

''نیک لوگ نعمتوں سے لذت اندوز ہوں گے ۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ﴾ (الدخان: ۵۱)

''اللہ سے ڈرنے والے پرامن جگہ میں ہوں گے ۔''

پانچواں جواب:...... جو شخص یہ کہے کہ: ایک شخص ایمان لانے کے بعد بھی کافر ہی رہتا ہے وہ باجماع مسلمین خود کافر ہے ۔ تو پھر مخلوق میں سب سے افضل ایمان رکھنے والوں کے بارے میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ کافر ہیں ۔ جیسا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



کہ گزر چکا۔

چھٹا جواب :...... یہ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

﴿ اِنِّی لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ &اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾

''بیشک ہمارے پاس پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔ لیکن جو لوگ ظلم کریں پھر اس کے عوض نیکی کریں تو اس برائی کے پیچھے تو میں بھی بخشنے والا مہربان ہوں۔''

ساتواں جواب :......اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا o لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِکِیْنَ وَ الْمُشْرِکٰتِ وَ یَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ [الأحزاب ۷۲۔۷۳]

''ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں اور زمین پر پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے (مگر) انسان نے اٹھا لیا وہ بڑا ہی ظالم جاہل ہے۔ (یہ اس لیے) کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں عورتوں اور مشرک مردوں عورتوں کو سزا دے اور مومن مردوں عورتوں کی توبہ قبول فرمائے۔''

پس انسان کی جنس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ ظالم اور جاہل ہے۔ اور اس میں سے توبہ کرنے والوں کا استثناء فرمادیا۔ اور کتاب اللہ کی صریح آیات بتاتی ہیں کہ تمام بنی آدم پر توبہ کرنا لازم ہے۔ اور یہ مسئلہ مسئلہ عصمت کی مانند ہے کہ کیا انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے اور انہیں توبہ کی ضرورت ہوتی ہے [یا نہیں] ؟ اس بارے میں کلام بہت طویل ہے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

## فصل :...... [قول ابوبکر رضی اللہ عنہ سے غلط استدلال]

**[اشکال ]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: چھٹا سبب: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: میری بیعت واپس کردو، میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں، اگر آپ سچے امام ہوتے [اور آپ میں امامت کی اہلیت ہوتی] تو یوں نہ کہتے۔''

**[جوابات]** : [پہلا جواب]: ہم اس روایت کی صحت ثابت کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جو بات نقل کی جائے وہ صحیح بھی ہو [ورنہ ہر قسم کی روایت کو صحیح ماننا پڑے گا]۔ بغیر صحت استدلال کے اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے۔''

دوسرا جواب :...... بالفرض اگر اس سند کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے کہ یہ واقعی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہی قول ہے؛ تب بھی اعتراض کرنے والے کے محض اس قول کی بنا پر کہ: ''امام کے لیے اپنے فیصلہ کو رد کرنے کا اختیار دینا درست نہیں'' اس کی مخالفت درست نہیں؛ اس لیے کہ یہ محض ایک ایسا قول ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے واقعی ہی ایسا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کہا تھا تو ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کا یہ کہنا کیونکر جائز نہیں؟ اگر آپ نے ایسا کہا بھی ہے تو اس کے خلاف نہ ہی کوئی نص پائی جاتی ہے اور نہ ہی کوئی اجماع ہے؛ لہٰذا یقین کیساتھ [دوٹوک طور پر] ہم اسے باطل نہیں کہہ سکتے۔ اور اگر آپ نے یہ کہا ہی نہیں تو پھر اس قول کے ممنوع ہونے کا کوئی نقصان بھی نہیں۔

رہا مسئلہ اس کو ثابت کرنے کا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے؛ اور پھر صرف محض اس دعوی کی بنیاد پر اس پر جرح کرنا؛ یہ ایسے لوگوں کا کلام ہے جسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ: کہ آپ کہ یہ قول حکومت سے آپ کی بے رغبتی اور آپ کے ورع وتقوی پر دلالت کرتا ہے۔ اور آپ کے خوف خدا کی علامت ہے کہ کہیں آپ سے رعیت کے حقوق میں کوتاہی نہ ہو جائے۔

یہ [قول] خود روافض کے قول کی نقیض ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حکومت کے طلب گار تھے؛ اور آپ کو ولایت کے حصول میں دلچسپی تھی۔

## فصل: ...... [خلافت میں انصار کا حصہ]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ساتواں سبب: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت کہا تھا: اے کاش کہ! میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا کہ انصار کا بھی خلافت میں حق ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بذات خود اپنی خلافت کو مشکوک تصور کرتے تھے۔ حالانکہ انھوں نے ثقیفہ بنی ساعدہ میں خود ہی انصار کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا تھا جب انہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ: ''ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر آپ میں سے ہوں گا'' اور آپ نے انہیں یہ حدیث بیان کی تھی: ''اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ۔'' خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔''

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں کہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ''اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ'' خلفاء قریش میں سے ہوں گے'' یہ برحق ہے۔ اور جس نے یہ کہا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس حدیث کو یا پھر اپنی خلافت کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے؛ یقیناً اس نے جھوٹ بولا۔ اور جس نے یہ کہا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ: اے کاش! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر لیتا کہ کیا انصار کا بھی خلافت میں کوئی حق ہے؟ یقیناً یہ روایت صریح کذب ہے۔ یہ بات صحابہ کے نزدیک واضح اور شک سے بری تھی کہ امامت قریش کے ساتھ مختص ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کثرت کے ساتھ روایات منقول ہیں۔

اگر فرض کرلیا جائے کہ یہ بات صحیح ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ گویا آپ کو حدیث نبوی ''اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ'' خلفاء قریش میں سے ہوں گے'' کا علم نہ تھا۔ آپ نے اجتہاد کیا اور آپ کا اجتہاد موافق نص ثابت ہوا۔ پھر اس کے باوجود آپ تمنا کرتے تھے کہ اس اجتہاد کے ساتھ نص بھی موجود ہوتی تو اس موقف کو مزید تقویت ملتی۔ یہ آپ کے کمال علم کی دلیل ہے کہ آپ کا اجتہاد نص کے بالکل موافق ٹھہرا۔ اور اس میں آپ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کے ورع کی دلیل ہے کہ آپ کو نصوص کی خلاف ورزی سے ڈرتے تھے' اسی لیے آپ کو یہ خوف تھا۔ پس اس میں قدح یا اعتراض کی کون سی بات ہے؟[ بلکہ اس قول سے یہ بھی واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس امامت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نص موجود نہ تھی]۔

## فصل:......[سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خانہ تلاشی کا واقعہ]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: آٹھواں سبب: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت حسرت بھرے الفاظ میں کہا تھا کہ اے کاش! میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی تلاشی نہ لیتا۔ اور اے کاش! میں ثقیفہ بنی ساعدہ میں دونوں میں سے ایک کی بیعت کر لیتا، وہ امیر ہوتا اور میں وزیر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی و زبیر رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی تلاشی لی تھی اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے۔''

**[جواب]**: ہم شیعہ مصنف سے کہتے ہیں: قدح اس وقت تک قبول نہیں کی جاتی جب تک اس کے الفاظ ایسی صحیح روایت سے ثابت نہ ہوں' جو کہ واضح طور پر موجب قدح ہوں۔ جب ان میں سے کوئی ایک چیز بھی منتفی ہوگی تو پھر قدح کا وارد ہونا خود بخود منتفی ہو جائے گا۔ تو اس وقت کیا کہہ سکتے ہیں کہ جب دونوں باتوں کا ہی کوئی بھی ثبوت ہی نہ ہو[ لہٰذا پہلے وہ اس روایت کی صحت ثابت کرے]۔

❀ ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ و زبیر کو کسی قسم کا الم و رنج نہیں پہنچایا تھا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے بھی کچھ تعرض نہیں کیا تھا جو آپ کی بیعت کیے بغیر فوت ہو گئے تھے۔ بفرض محال یہ کہہ سکتے ہیں کہ:'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ معلوم کرنے کے لیے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خانہ تلاشی لی تھی کہ اس میں بیت المال کی کوئی چیز موجود نہ ہو جس کی تقسیم کرنے کا حکم آپ کو دیا گیا تھا۔ وفات کے وقت یہ خیال آیا کہ اگر ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔ رہ گیا ایذاء رسانی کا معاملہ؛ تو اس پر تمام اہل دین و اہل علم کا اتفاق ہے کہ کوئی ایسا واقعہ سرے سے پیش ہی نہیں آیا۔ جہلاء بیان کرتے ہیں کہ:'' صحابہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر منہدم کر دیا اور آپ کو اس قدر پیٹا اور پیٹ پر مارا تھا کہ آپ کا حمل ساقط ہو گیا۔'' اور جہاں بھر کے حمقاء[ بیوقوف لوگ] اس کی تصدیق کرتے ہیں۔[ کیا کوئی سلیم العقل انسان باور کر سکتا ہے کہ امت کے چیدہ و برگزیدہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک معمولی بات کی وجہ سے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک کیا؟]۔ یہ دعوی جھوٹ گھڑنے والے کذابین کی کارروائیوں کا شاخسانہ ہے اور اس کے جھوٹ اور من گھڑت ہونے پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے۔ یہ قصہ ان لوگوں میں ہی پذیرائی اور مقبولیت پا سکتا ہے جو جانوروں کی جنس سے تعلق رکھتے ہوں۔[ اللہ اس واقعہ کو گھڑنے والے پر اور اس پر جس نے رفض کا عقیدہ ایجاد کیا لعنت بھیجے]۔

❀ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ قول کہ:'' ہائے افسوس کہ! میں ان دونوں میں سے ایک کی بیعت کر

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



لیتا، وہ امیر ہوتا اور میں وزیر۔''

ہم سب سے پہلے کہتے ہیں: مصنف نے اس قول کی کوئی سند ذکر نہیں کی اور نہ ہی اس کی صحت بیان کی ہے۔ بالفرض مان لیجیے کہ اگر آپ نے یہ کہا بھی ہے تو یہ آپ کے زہد و ورع اور خوف الٰہی کی نشانی ہے۔

## فصل: ...... [ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: نوواں سبب: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جیش اسامہ کو تیار کرنے کا حکم دیا تھا؛ اور بار بار اس لشکر کو روانہ کرنے کا حکم دیا۔ ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم اجمعین بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لشکر میں اس لیے روانہ نہ کیا تاکہ آپ کے بعد کوئی اور شخص خلافت پر قابض نہ ہو جائے؛ مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ بات قبول نہ کی۔''

**[جواب]**: اس کے جواب میں کئی پہلو ہیں:

پہلی بات: ...... ہم شیعہ مصنف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس کی صحت ثابت کرے، یہ روایت صاف جھوٹ ہے۔ یہ واقعہ نہ ہی کسی معروف سند سے روایت کیا گیا ہے' اور نہ ہی علماء کرام میں سے کسی ایک نے اسے صحیح کہا ہے۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ کسی نقلی دلیل سے احتجاج اسی صورت میں درست ہوتا ہے جب اس کی صحت معلوم ہو جائے، وگرنہ جس کی مرضی جو چاہے کہتا پھرے۔

دوسری بات: ......اس روایت کے جھوٹ ہونے پر تمام علماء کرام کا اجماع ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ یا عثمان رضی اللہ عنہ جیش اسامہ میں ہرگز شامل نہ تھے، البتہ ایک قول کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ س میں موجود تھے۔ روایات متواترہ سے ثابت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام صلوٰۃ مقرر کیا تھا؛ وقت انتقال تک آپ ہی امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ جس روز آپ کی وفات ہوئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو صبح کی نماز پڑھائی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو صحابہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ [1] پھر یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیش اسامہ میں شامل تھے؟

تیسری بات: ......اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تو صحابہ آپ کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔ صحابہ کرام اللہ ورسول کے سچے اطاعت کیش تھے اور وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے تھے کہ بصراحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ خلیفہ کی جگہ از خود کسی اور کو مقرر کر دیں، اور ان لوگوں کو چھوڑ دیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کریں۔ حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر دو تہائی مسلمانوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ لڑی؛ مگر ان میں سے کسی کو بھی یہ علم نہیں تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے خلیفہ ہونے کی نص موجود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو سارے صحابہ آپ کے ساتھ مل کر جنگ کرتے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان۔ باب اهل العلم والفضل احق بالامامة، (حدیث: ٦٨٠)، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر (حدیث: ٤١٩)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



چوتھی بات:......پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نمازیں پڑھانے کا حکم دیا؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم نہیں دیا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا مقصود ہوتا تو آپ مرض الموت میں ان کو امام صلوٰۃ مقرر فرماتے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کی اجازت نہ دیتے۔ اور ایسے ہو بھی کیسے سکتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر امیر مقرر نہیں کیا۔

❀ بلکہ صحیحین کی روایت میں ہے: جب رسول اللہ ﷺ بنی عمرو بن عوف کے مابین صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''جب نماز کا وقت ہو جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ اور ایسے ہی اپنی بیماری کے دن میں بھی اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا تب بھی۔ پھر ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ یہ تابع بن کر آئے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی امام تھے جو لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کو حکم دیتے اور وہ آپ کی اطاعت کرتے۔ سن نو ہجری کے حج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر امیر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا تھا۔ باقی لوگوں پر بھی امیر آپ ہی تھے۔ اور آپ ہی انہیں نمازیں بھی پڑھاتے تھے۔

## فصل:...... [حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ولایت منصب]

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: دسواں سبب: ''نبی کریم ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کوئی منصب عطا نہیں کیا تھا، اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ پر امیر مقرر کر کے بھیجا تھا۔''

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں کہ: شیعہ کا قول کئی وجوہات کی بنا پر باطل ہے:

پہلی وجہ:......معاملہ اس دعوی کے برعکس ہے۔ جو ولایت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تفویض کی گئی تھی؛ اس میں کوئی دوسرا آپ کا سہیم و شریک نہیں۔ یہ ولایت حج ہے۔ یہ منصب عالی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تفویض کیا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا بہت سے لوگوں کو مختلف علاقوں کی امارت عطا کی گئی تھی۔

دوسری وجہ:......اس بات پر شیعہ اور اہل سنت سب کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو بھی ولایت تفویض کی جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت بہت ہی فروتر تھے؛ مثلاً: عمرو بن عاص و ولید بن عقبہ اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہم اجمعین۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل تھے اور ولایت و امارت نہ ملنے کی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے فروتر درجہ کے تھے۔

تیسری وجہ:......امارت کا نہ ملنا نقص پر دلالت نہیں کرتا۔ اس لیے کہ کبھی ولایت اس لیے بھی ترک کر دی جاتی ہے کہ اس کے لیے جو دوسرا مقام ہے؛ وہ اس ولایت سے زیادہ نفع بخش و سود مند ہے۔ اور انہیں اپنے پاس رکھنے کی ضرورت بہت زیادہ تھی۔ اور مسلمان دوسرے لوگوں کی وجہ سے ان سے بے نیاز ہو سکتے تھے۔ ولایت نہ دینے کی وجہ وجیہ یہ تھی کہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما آپ کے وزیروں کے مقام پر تھے۔یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے: میں اور ابوبکر وعمر داخل ہوئے۔ میں اور ابوبکر وعمر باہر نکلے۔'' اکثر و بیشتر راتوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ بیٹھ مسلمانوں کے امور میں گفت وشنید کیا کرتے تھے۔[اور آپ مہمات امور میں ان سے بے نیاز نہیں ہوا کرتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بھی اس سے قریب قریب تھا]۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل شوری جیسے : حضرت عثمان، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین کو کوئی ولایت تفویض نہیں کرتے تھے۔ اور یہ آپ کے نزدیک ان لوگوں سے زیادہ افضل تھے جنہیں ولایت تفویض کی جاتی تھی؛ مثلاً حضرت عمرو بن العاص، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام۔اس لیے کہ ان لوگوں کو اپنے پاس رکھنے میں اس سے زیادہ فائدہ تھا کہ ان میں سے کسی ایک کو ولایت تفویض کردی جاتی ؛ جب کہ دوسرے ایسے لوگ موجود تھے جو ان کی جگہ کفایت کر سکتے تھے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی داخل ہوتے تھے۔اور پھر ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کیساتھ ملے ہوتے ۔رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا تھا:''اگر تم دونوں ایک بات پر متفق ہوجاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔''

جب کوئی وفد آتا تو رسول اللہ ﷺ ان دونوں سے مشورہ کرتے۔ان میں سے ایک کوئی مشورہ دیتا اور دوسرا کوئی مشورہ ۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ان سے بدر کے قیدیوں کے بارہ میں بھی مشورہ کیا تھا۔ اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مشورہ غالب رہا۔اور آپ ان کے ساتھ ہی اکثر بیٹھا کرتے تھے۔ یہ بات ہر اس انسان پر عیاں ہے جو صحیح احادیث میں تدبر کرے۔ان کی تفصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔

## حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت حج کا واقعہ:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: گیارھواں سبب:''نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سورۂ توبہ دے کر روانہ کیا۔ پھر ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو واپس مدینہ بھیج دیں،اور خود یہ ذمہ داری ادا کریں۔ جو شخص ایک سورت یا اس کا کچھ حصہ پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا وہ خلافت و امارت کا اہل کیسے ہوگا جس میں تمام احکام پوری امت تک پہنچانے کی ذمہ داری ہوتی ہے؟

**[جواب]**: شیعہ کا یہ قول بھی کئی وجوہات کی بنا پر باطل ہے:

پہلی وجہ: اس بات کے افتراء روایات متواترہ کے خلاف ہونے پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ۹ ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر مکہ بھیجا تھا۔[ یہ غلط ہے کہ آپ واپس بلا لیے گئے تھے ] نہ ہی آپ کو واپس بلایا گیا اور نہ ہی خود واپس آئے۔ بخلاف ازیں اس سال دورانِ حج آپ ہی امیر حج تھے،علی ان کی رعیت کے ایک فرد تھے اور انکی اقتداء میں نمازیں پڑھا کرتے تھے۔آپ جہاں جاتے وہ آپ کیساتھ جاتے اور جس بات کا حکم دیتے آپ اس کی تعمیل کرتے۔جیسا کہ آپ کیساتھ موجود باقی تمام لوگ کرتے تھے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہیں؛ اور نہ ہی اس میں کسی دو نے اختلاف کیا ہے کہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہی سن ۹ ھجری کا حج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کروایا۔ پھر شیعہ کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو واپس بلا لیا تھا؟ البتہ مشرکین سے کیے ہوئے معاہدوں کے اختتام کا اعلان کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا تھا۔ [1]

اس لیے کہ عربوں کے یہاں رسم تھی کہ عہد باندھنے یا توڑنے کا کام حاکم خود کرتا یا اس کے اہل بیت میں سے کوئی شخص یہ کام انجام دیتا۔ ہر ایک سے اس کی بات قبول نہیں کر لیتے تھے۔ [بنابریں اعلان براءت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تھا]۔

❀ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے امیر حج ہونے کے دن بزمرہ موذنین بھیجا تا کہ ہم منی میں یہ اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ (ہو کر) طواف کرے۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ وہ سورت برات کا اعلان کریں، علی رضی اللہ عنہ نے قربانی کے دن ہمارے ساتھ منی میں لوگوں میں اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوی برہنہ (ہوکر) کعبہ کا طواف کرے۔'' [صحیح بخاری: ح 362]

❀ آپ فرماتے ہیں: پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کا عہد اس سال واپس کر دیا۔ حجۃ الوداع کے سال جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا' تو اس سال کسی بھی مشرک نے حج نہیں کیا۔

ابومحمد ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حج میں جو کچھ ہوا اس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بہت بڑے فضائل ہیں۔ اس لیے کہ اس سال اس عظیم الشان اجتماع سے آپ نے ہی خطاب کیا۔ اور لوگ خاموشی سے آپ کا خطبہ سنتے رہے۔ آپ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کی جملہ رعیت میں سے ایک تھے۔ اس سورت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان اور غار کا ذکر ہے۔ سو یہ سورت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر لوگوں کو

---

[1] اس میں دوسری مصلحت یہ تھی کہ سورۂ توبہ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح وستائش پر متضمن ہے نبی کریم چاہتے تھے کہ اس ثناء کا اظہار حج کے موقع پر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زبان سے ہوتا کہ اللہ کے دشمن ہمیشہ کے لیے شرم سار ہوں اور جب بھی اس پر غور وفکر کریں ان کا مصنوعی دین دھڑام سے نیچے گر پڑے۔ متقدمین شیعہ میں سے اللہ کے دشمن اللہ شیطان الطاق نے بدحواسی کے عالم میں کہا کہ یہ الفاظ ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ اللہ کے فرمودہ نہیں ہیں۔ جیسا کہ مشہور ادیب جاحظ نے اپنے استاد ابراہیم نظام وبشر بن خالد سے سن کر بیان کیا۔ (دیکھیے الفصل امام ابن حزم: ٤ / ١٨١)۔ متاخرین شیعہ میں سے طاغوت الکاظمیہ نے حواس باختہ ہوکر کہا کہ آیت قرآنی ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہما کو شامل نہیں، بلکہ یہ خالص الایمان لوگوں کے لیے مختص ہے۔ (دیکھیے کاظمی کی کتاب احیاء الشریعة فی کتب الشیعة، ص:٦٣-٦٤) سیدنا علی کو سورۂ توبہ دے کر مکہ بھیجنے کے واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعلی ایک صف میں تھے اور اعداء صحابہ ان کے مدمقابل دوسری جانب، ان دونوں کا اتصال دین و دنیا میں کسی طرح ممکن نہیں۔ (علامہ خطیب) درحقیقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا تھا اس وقت ابھی سورہ توبہ کی یہ آیات نازل نہیں ہوئی تھیں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ابھی اثنائے سفر میں ہی تھے کہ سورہ توبہ کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں جس کا اعلان براءت حج میں ہونا ضروری تھا، اس لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے ہی روانہ کر دیا تا کہ اعلان بروقت ہو سکے، لیکن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت کو توڑا نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر کیا، بلکہ امارت حج بدستور سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہی اور سیدنا علی کو ان کے ماتحت رہنے دیا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



سنائی۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں انتہائی حد اور قطعی حجت ہے۔

❀ مزید ار بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر امیر بنانے کا واقعہ اس فرمان کے بعد کا ہے:

((أما ترضى اَنْ تكون مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى .))

''کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ میرے لیے بلحاظ منزلت ایسے ہی ہو جیسے ہارون حضرت موسیٰ کے ساتھ۔''

❀ مقام حیرت ہے کہ شیعہ مصنف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت و سوانح اور عصر و عہد کے واقعات سے نابلد محض ہونیکے باوجود علم و فضل کا دعوے دار ہے۔ اور یہ ان متواتر واقعات سے بھی جاہل اور لاعلم ہے جنہیں وہ لوگ بھی جانتے ہیں جنہیں علوم سیرت سے ادنیٰ سی شناسائی ہوتی ہے۔ مگر یہ ایسے واقعات تلاش کرتے ہیں اور پھر ان میں اپنی مرضی سے کمی بیشی کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو خاموش رہنا زبان سخن دراز کرنے سے بہتر ہوتا ہے۔ مگر کیا کریں اس رافضی مصنف نے بھی وہی کچھ کیا ہے جو کہ اس کے ان اسلاف نے کیا ہے جن کا یہ مقلد ہے۔ اس نے ان کے کلام کی کوئی تحقیق نہیں کی۔ اور نہ ہی ان چیزوں کا مراجعہ کیا ہے جو اہل علم کے ہاں صرف معلوم ہی نہیں بلکہ متواتر کی حد تک معروف ہیں۔ اور خاص و عام انہیں جانتے ہیں۔ [لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو اندھا کر دیا ہو اور اس کی نیت خراب ہو تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ وہ مصنف کٹر شیعہ ہے؛ اور اپنے اسلاف کی راہ پر گامزن ہے جو کہ تقیہ اور کذب و افتراء سے عبارت ہے]۔

## فصل:...... [حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا]

**[اعتراض]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: بارھواں سبب: ''عمر نے کہا تھا کہ محمد فوت نہیں ہوئے، یہ بات ان کے قلیل العلم ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک حاملہ عورت کو سنگ سار کرنے کا حکم دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا، تب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر علی نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا۔ ان کے علاوہ دیگر کئی احکام و مسائل ہیں جن میں آپ نے غلطی کی اور کئی رنگ بدلے۔''

**[جواب]**: پہلی بات: صحیحین میں ثابت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اُمَمِ سابقہ میں کچھ لوگ مُلہم ہوا کرتے تھے۔ میری امت میں اگر کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد نہیں فرمائی۔ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''حالت خواب میں مجھے دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا گیا میں نے خوب سیر ہو کر پیا یہاں تک کہ سیری کا اثر میرے ناخنوں میں ظاہر ہونے لگا جو دودھ بچ گیا وہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ صحابہ نے دریافت کیا: پھر آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر فرمائی؟ فرمایا: ''دودھ سے علم مراد ہے۔'' [البخاری (٣٦٨١) مسلم (٣٦٩١)

[قبل ازیں بھی دلائل و براہین کی روشنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علمی مقام واضح کر چکے ہیں کہ] حضرت عمر رضی اللہ عنہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد اعلم الناس تھے۔ باقی رہا یہ کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ گمان کیا کہ آپ فوت نہیں ہوئے، تو یہ ایک لمحہ کے لیے تھا۔ فوری طور پر ان پر منکشف ہوگیا تھا کہ آپ فوت ہو چکے ہیں۔ ایسے واقعات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی پیش آئے تھے کہ انھوں نے ایک رائے قائم کی اور وہ غلط نکلی؛ بلکہ آپ کے بہت سارے قصے ایسے ہیں جو خلاف واقعہ نکلے؛ اور آپ کا انتقال اسی حال میں ہوگیا۔ اس سے ان کی امامت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مثال کے طور پر مفوضہ کے مہر کے مسئلہ میں آپ کا فتوی کہ اگر مفوضہ مر جائے اور اس کا مہر مقرر نہ ہوا ہو۔ اور اس طرح کے دیگر مسائل جو کہ اہل علم کے ہاں معروف ہیں۔

جب کہ حامل کا مسئلہ بہت آسان ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا کہ وہ عورت حاملہ ہے۔ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کوئی غلطی نہیں، ہوسکتا ہے کہ جب آپ نے رجم کرنے کا حکم دیا ہو تو آپ کو اس کے حامل ہونے کا علم نہ ہو؛ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے آگاہ کردیا ہو۔ تو آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا؛ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو میں اس کو رجم کر دیتا اور اس کا جنین بھی قتل ہو جاتا۔ اس چیز کا آپ کو خوف محسوس ہوا۔

اگر یہ بات مان لی جائے کہ آپ حامل کو رجم کرنا جائز سمجھتے تھے؛ تو یہ ایسا حکم ہے جو مخفی بھی رہ سکتا۔ شریعت میں تو زانیہ کے قتل کرنے کا حکم ہے۔ حمل تو اس عورت کے تابع ہے۔ جیسا کہ اگر کفار کا محاصرہ کرلیا جائے [تو پھر اس میں بچے بھی قتل ہو جاتے ہیں] جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کرکے ان پر منجنیق سے پتھر برسائے تھے۔ جس میں عورتیں اور بچے بھی قتل ہوئے۔

صحیح حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: ''اگر کافروں کی بستی پر شبخون مارا جائے' اور ان کی عورتیں اور بچے قتل ہو جائیں تو؟ آپ نے فرمایا: ''وہ انہی میں سے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ خواتین اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

یہ بات علماء کرام کی ایک جماعت پر مشتبہ ہوگئی؛ اس لیے انہوں نے شبخون مارنے سے منع کر دیا؛ اس خوف سے کہ کہیں عورتیں اور بچے قتل نہ ہو جائیں۔

ایسے ہی یہ بات بعض ان لوگوں پر بھی مشتبہ رہتی ہے جو اسے جائز سمجھتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں: رجم ایسی حد ہے جسے فوراً نافذ کرنا چاہیے؛ اس میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔ لیکن سنت نے ان دونوں چیزوں میں تفریق کی ہے؛ جس میں تاخیر ممکن ہے جیسے حد؛ اور جسے فوری طور پر کر گزرنا چاہیے جیسے محاصرہ اور شبخون وغیرہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو عام لوگوں کی طرف بھی رجوع کرلیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مہر کے مسئلہ میں جب ایک عورت نے کہا: کیا ہم آپ کی بات سنیں یا اللہ تعالیٰ کی بات سنیں؟ آپ نے فرمایا نہیں: اللہ تعالیٰ کی بات سنو؛ تو اس عورت نے کہا: پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ﴾ [النساء ۲۰]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



''اوران میں کسی کوتم نے خزانے کا خزانہ دے رکھا ہوتو بھی اس میں سے کچھ نہ لو۔''

تو آپ نے فرمایا:''مرد سے خطأ ہوگئی اورعورت حق کو پہنچ گئی۔''

ایسے ہی آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف بھی رجوع کیا کرتے تھے؛ حالانکہ آپ خودان سب سے بڑے عالم تھے۔سو جب کوئی بڑا اور علم والا انسان اگر اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کی طرف کسی چیز میں رجوع کرے تو اس سے اس کی شان میں اور بڑا عالم ہونے میں قدح واقع نہیں ہوتی ۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر سے تین مسائل سیکھے تھے۔حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہدہد نے بلقیس کی خبر دی تھی۔

صحابہ میں کتنے ہی ایسے لوگ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سارے معاملات میں مشورہ دیا کرتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ میں سب سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوعکیا کرتے تھے۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ قرآن کریم کی متعدد آیات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید وموافقت میں نازل ہوئیں؛ جیسے پردہ' بدر کے قیدیوں کا مسئلہ؛ اور مقام ابراہیم کو مصلی بنانے کا ارادہ؛ اورعسى ربه إن طلقكن اوراس طرح کے دیگر مسائل میں موافقت ۔

یہ مقام وشرف نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا اور نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو۔

سنن ترمذی میں روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اگر میں تم لوگوں میں مبعوث نہ ہوتا تو عمر مبعوث ہوتا۔''

نیز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتے۔''[1]

[شہادت پانے کے بعد جب عمر رضی اللہ عنہ کو چار پائی پر رکھا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی تعریف فرمائی اوراس خواہش کا اظہار کیا کہ اے کاش! آخری وقت میں مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعمال کیساتھ بارگاہ ربانی میں پیش کیا جائے۔''][2]

## شیعہ کے نزدیک نمازتراویح بدعت ہے:

**[اعتــــراض]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: تیرھواں سبب:''عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی بدعت جاری کی۔حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، لوگو! رمضان کی راتوں میں نفل نماز باجماعت بدعت ہے۔ چاشت کی نماز بھی بدعت ہے۔سنت میں سے بہت تھوڑی سی چیز بہت بڑی بدعت سے بہت بہتر ہے۔آگاہ ہوجاؤ! ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا راستہ جہنم کو جاتا ہے۔عمر رضی اللہ عنہ رمضان میں رات کو نکلے تو مساجد میں چراغ جلتے دیکھ کر پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا ہم نفلی نماز کے لیے جمع ہوئے ہیں، فرمایا: یہ ہے تو بدعت مگر بہت اچھی بدعت ہے۔آپ نے اس کے بدعت ہونے کا اعتراف کیا۔''

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب (١٧/ ٥٢)، (ح:٣٦٨٦)۔

[2] بخاری، كتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (ح:٣٦٨٥) ، صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (ح:٢٣٨٩)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



**[جــــواب]** : ہم کہتے ہیں: تمام گمراہ اور بدعتی فرقوں میں شیعہ رسول اللہ ﷺ پر کذب بیانی اور افتراء پردازی کرتے ہوئے نہیں جھجکتے اور انتہائی جرأت کے ساتھ شرم و حیاء کے جذبات کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ اور ایسی ایسی باتیں گھڑ لاتے ہیں جو کہ آپ ﷺ نے ارشاد نہیں فرمائیں۔ اور انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر چہ ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں ان روایات کے جھوٹ ہونے کا علم ہوتا ہے۔ اور جس کو اتنا بھی علم نہ ہو' وہ انتہائی پرلے درجہ کا جاہل ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

((إن كنت لا تدرى فتلك مصيبة و إن كنت تدرى فالمصيبة أعظم .))

''اگر آپ نہیں جانتے تو یہ بھی ایک مصیبت ہے۔ اور اگر جانتے ہیں تو پھر مصیبت اس سے بھی بڑی ہے۔''

اس اعتراض کا جواب کئی زاویوں سے دیا جا سکتا ہے:

پہلا جواب:......ہم اس روایت کی صحیح سند پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل کیا ہے؟ اس کی سند کہاں ہے؟ اور مسلمانوں کی کتابوں میں سے کس کتاب میں اس کو روایت کیا گیا ہے؟ اور اہل علم میں سے کس نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے؟

دوسرا جواب:......تمام اہل علم محدثین کا اتفاق ہے' اور وہ علم ضروری کے طور پر جانتے ہیں کہ یہ روایت رسول اللہ ﷺ پر من گھڑت جھوٹ ہے۔ جس انسان کو حدیث کا ادنیٰ سا بھی علم ہو وہ اس حدیث کے جھوٹ ہونے کو جانتا ہے۔ مسلمانوں میں سے کسی ایک نے بھی اپنی کسی ایک کتاب میں بھی اس روایت کو نقل نہیں کیا۔ نہ ہی صحاح میں؛ نہ ہی سنن میں؛ نہ ہی مسانید اور معجمات میں اور نہ ہی اجزاء میں۔ اور نہ ہی اس کی کوئی سند معروف ہے۔ نہ ہی ضعیف سند نہ ہی صحیح۔ بلکہ یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

تیسرا جواب:......احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ عہد رسالت میں لوگ رمضان کی راتوں میں نماز تراویح ادا کیا کرتے تھے۔ [1] احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے دو یا تین راتوں میں لوگوں کو باجماعت تراویح کی نماز پڑھائی تھی۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

''رسول اللہ ﷺ (رمضان کی) ایک رات آدھے حصہ میں نکلے۔ آپ نے مسجد میں نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ صبح کو لوگوں نے اس کا ایک دوسرے پر چرچا کیا۔ دوسرے دن اس سے زیادہ لوگ جمع ہوئے۔ اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی پھر صبح ہوئی تو اس کو لوگوں نے ایک دوسرے سے بیان کیا۔ تیسری رات میں اس سے زیادہ آدمی جمع ہوئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ نے نماز پڑھی تو لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب چوتھی رات آئی تو مسجد میں لوگوں کا اس میں سمانا دشوار ہو گیا لیکن آپ صبح کی نماز کے لیے نکلے جب صبح کی نماز ادا کی تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور

[1] معرفة السنن والآثار للبیهقی (۲/ ۳۰۳، ح:۱۳۶۳)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



فرمایا:''امابعد! مجھ سے تم لوگوں کی موجودگی پوشیدہ نہیں تھی، لیکن مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے، اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز آ جاؤ۔''

رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور حالت یہی رہی۔'' ❶

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''ہم نے رسول ﷺ کے ساتھ رمضان بھر روزے رکھے۔ آپ ہمارے ساتھ ایک بھی تراویح میں کھڑے نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ رمضان کی سات راتیں باقی رہ گئیں۔ ساتوں شب کو آپ نے ہمارے ساتھ قیام فرمایا حتی کہ رات کا تہائی گزر گیا۔ اس کے بعد چھٹی رات قیام نہ فرمایا۔ پھر اسکے بعد پانچویں شب آدھی رات تک قیام کیا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! اگر آپ ہمارے ساتھ نفل پڑھیں (تو کیا خوب ہو)۔

آپ نے فرمایا:''جس نے فارغ ہونے تک امام کیساتھ قیام کیا تو اس کا یہ قیام رات بھر کے قیام کے برابر (موجب اجر وثواب) ہے۔ پھر اسکے بعد چوتھی قیام نہ فرمایا پھر اسکے بعد والی یعنی شب کو آپ نے ازواج اور گھر والوں کو جمع فرمایا اور لوگ بھی جمع ہو گئے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام فرمایا یہاں تک کہ ہمیں فلاح فوت ہو جانے کا اندیشہ ہونے لگا۔ عرض کیا فلاح کیا چیز ہے؟ فرمایا:''سحری کا کھانا۔ فرماتے ہیں پھر آپ نے باقی مہینہ ایک رات بھی قیام نہ فرمایا۔'' ❷

اسے امام احمد، ترمذی، نسائی اور ابوداؤد نے بھی نقل کیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں قیام کی ترغیب دیا کرتے تھے سوائے اس کے کہ اس میں آپ ﷺ بہت تاکیدی حکم فرماتے ہوں۔ اور فرماتے کہ جو آدمی رمضان میں ایمان اور ثواب سمجھ کر قیام کرے تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ وصال فرما گئے اور آپ ﷺ کا یہ حکم اسی طرح باقی رہا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں اسی طرح یہ حکم باقی رہا۔'' ❸

امام بخاری نے عبدالرحمن بن عبدالقاری سے روایت کیا ہے کہ میں رمضان کی ایک رات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

---

❶ البخاری، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان(ح:۲۰۱۲)، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الترغیب فی قیام رمضان (ح:۷۶۱)۔

❷ سنن أبی داؤد ۲/ ٦٨۔ کتاب تفریع أبواب شهر رمضان' باب في قیام في شهر رمضان۔ سنن الترمذي ۲/ ۱۵۰؛ کتاب الصوم' باب: ماجاء في قیام شهر رمضان۔ وقال الترمذي : حسن صحیح ۔ سنن النسائی ۳/ ۲۰۲؛ کتاب قیام اللیل' باب : قیام شهر رمضان۔[سنن ابن ماجه: ح1327

❸ صحیح مسلم: ح1774؛ کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها؛ باب: الترغیب في قیام رمضان هو التراویح]۔البخاری کتاب التراویح' باب: فضل من قام رمضان ۳/ ٤٤۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ساتھ مسجد گیا۔ تو دیکھا لوگ ادھر ادھر منتشر تھے۔ کچھ لوگ انفرادی طور پر نماز میں مشغول تھے۔ چند آدمی نماز با جماعت ادا کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میرا خیال ہے کہ میں ایک قاری کو مقرر کر دوں، جس کی اقتداء میں سب لوگ مل کر نماز ادا کیا کریں تو یہ بہتر ہوگا۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔ پھر میں ان کے ساتھ دوسری رات نکلا تو لوگ قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر فرمایا: ''یہ بڑی اچھی بدعت ہے، جس نماز سے تم سو رہتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جو تم ادا کرتے ہو، آپ کا مطلب یہ تھا کہ رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ ❶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجتماعی قیام رمضان کو بدعت قرار دیا؛ اس لیے کہ یہ اجتماع اس سے پہلے اس طرح سے نہیں ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ جو کام شروع میں کیا جائے لغت کے اعتبار سے اسے بدعت کہتے ہیں۔ یہ شرعی بدعت نہیں ہے۔ اس لیے کہ شرعی بدعت جو کہ گمراہی ہے؛ وہ بدعت ہے جس کی کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو۔ جیسا کہ کسی ایسی چیز کو مستحب قرار دیا جائے جسے اللہ تعالیٰ پسند نہ کرتے ہوں۔ اور ایسی چیز کو واجب کہنا جو اللہ تعالیٰ نے واجب نہ کی ہو۔ اور ایسی چیز کو حرام قرار دینا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام نہ ٹھہرایا ہو۔ اس لیے کہ ان افعال کے بجالانے کے لیے خلاف شریعت اعتقاد کا ہونا لازمی ہے۔ ورنہ اگر کوئی انسان کوئی حرام کام کر رہا ہو اور اس کے حرام ہونے کا اعتقاد بھی رکھتا ہو تو اس کے اس فعل کو بدعت نہیں کہا جا سکتا۔

چوتھا جواب:...... اگر قیام رمضان با جماعت کوئی مذموم اور قبیح فعل ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ جب امیر المؤمنین بن گئے تھے؛ اور کوفہ آپ کا دار الخلافہ تھا تو کم از کم آپ کوفہ میں اسے بند کر دیتے۔ جب کوفہ میں بھی یہ فعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی طرح ہی جاری رہا تو یہ اس کے مستحب ہونے کی دلیل ہے۔ بلکہ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر کو ایسے منور کرے جیسے آپ نے ہماری مسجدوں کو روشن کر دیا۔'' ❷

ابو عبد الرحمن السلمی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قاریوں کو بلا کر ان میں سے ایک قاری کو حکم دیا کہ وہ انھیں بیس رکعات پڑھائے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انھیں وتر پڑھایا کرتے تھے۔ ❸

عرفجہ ثقفی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قیام رمضان کا حکم دیا کرتے تھے، ایک امام آدمیوں کے لیے مقرر کرتے اور ایک عورتوں کے لیے، میں عورتوں کا امام ہوا کرتا تھا۔ ❹ امام بیہقی نے یہ دونوں روایتیں سنن میں نقل کی ہیں۔

---

❶ صحیح بخاری، حوالہ سابق (حدیث: ۲۰۱۰)۔

❷ اسد الغابة (۴/ ۱۸۳)۔

❸ سنن کبریٰ بیہقی (۲/ ۴۹۶)، وسندہ ضعیف۔ اس کی سند میں حماد بن شعیب راوی ضعیف ومنکر الحدیث ہے۔ دیکھئے: لسان المیزان (۲/ ۳۴۸)۔

❹ سنن کبری بیہقی (۲/ ۴۹۴)، مصنف عبد الرزاق (۵۱۲۵)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



قیام رمضان کے متعلق علماء کرام میں اختلاف ہے؛ کیا یہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کرنا افضل ہے؟ یہ اس کا گھر میں پڑھنا افضل ہے؟ اس میں دو قول مشہور ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ سے بھی یہی دو قول منقول ہیں۔ ایک گروہ مسجد میں باجماعت تراویح پڑھنے کو ترجیح دیتا ہے۔ ان میں امام لیث رحمہ اللہ بھی ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ اور فقہاء کا ایک گروہ گھر میں یہ نماز پڑھنے کو ترجیح دیتا ہے۔ ان کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک ہے:

''فرائض کے علاوہ مرد کی افضل ترین نماز وہ ہے جو گھر پر ادا کی جائے۔''[1]

امام احمد اور دیگر علماء کرام رحمہم اللہ کی دلیل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے فارغ ہونے تک امام کیساتھ قیام کیا تو اس کا یہ قیام رات بھر کے قیام کے برابر [موجب اجر و ثواب] ہے۔''

پہلی حدیث:......''فرائض کے علاوہ مرد کی افضل ترین نماز وہ ہے جو گھر پر ادا کی جائے''اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک اس نماز کے لیے جماعت مشروع نہ ہو' مگر جب جماعت مشروع ہو جائے جیسے: نماز کسوف' وغیرہ۔ تو پھر اس نماز کا مسجد میں ادا کرنا افضل ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

نیز ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس خوف کے تحت جمع نہ کیا تھا کہ کہیں یہ نماز باجماعت ادا کرنا فرض نہ ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب اس قسم کا کوئی احتمال باقی نہ رہا۔ تو اب یہ بھی ایسے ہی ہے جیسے قرآن کا جمع کرنا وغیرہ [اس طرح کے دیگر امور]۔

جب اس نماز میں جماعت اصل میں مشروعیت کا ثبوت رکھتی ہے تو پھر اسے باجماعت ادا کرنا ہی افضل ہے۔

رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ:''جو لوگ اس نماز سے سو جاتے ہیں وہ افضل ہیں'' اس سے مراد آخری رات ہے۔ کیونکہ لوگ پہلے وقت میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ یہ کلام بالکل درست اور صحیح ہے۔ اس لیے کہ اس نماز کے لیے رات کا آخری حصہ افضل ہے جیسے عشاء کی نماز کے لیے پہلا وقت افضل ہے۔ اور مفضول وقت کے ساتھ کبھی کوئی ایسا عمل خاص ہو سکتا ہے جس کا دوسرے وقت کی نسبت اسی وقت میں کرنا افضل ہو۔ جیسا کہ عرفات اور مزدلفہ میں دو دو نمازیں جمع کر کے پڑھنا ہی افضل ہے؛ کیونکہ اس کے سبب نے ایسا کرنا واجب کر دیا ہے۔ اگرچہ اصل یہ تھا کہ ظہر کو اس کے پہلے وقت میں ادا کرنا ہی افضل ہے لیکن گرمیوں کی شدت کی صورت میں اسے ٹھنڈا کر کے پڑھنا افضل ہے۔

جب کہ جمعہ کے دن زوال کے بعد نماز جمعہ پڑھ لینا افضل ہے۔ جمعہ کے دن ٹھنڈی ہونے تک کا انتظار کرنا افضل نہیں۔ اس لیے کہ ایسا کرنے میں لوگوں پر مشقت ہے۔ عشاء کی نماز میں ایک تہائی رات تک تأخیر کرنا افضل ہے۔ ہاں اگر لوگ جمع ہو جائیں اور ان پر انتظار کرنا شاق گزر رہا ہو تو پھر اس سے پہلے وقت میں ادا کر لینا افضل ہے۔ ایسے ہی اگر

---

[1] البخاری کتاب الأذان' باب صلاۃ اللیل۔ صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا؛ باب: استحباب صلاۃ النافلۃ في بیتہ و جوازھا في المسجد۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



رمضان کے نصف کے بعد لوگوں کے اجتماع کا مسئلہ بھی ہے۔

سنن میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دو آدمیوں کا مل کر نماز ادا کرنا اکیلے ادا کرنے کی نسبت زیادہ پاکیزہ ہے۔'' اور تین آدمیوں کا ملکر نماز پڑھنا اس سے زیادہ بہتر ہے۔ اور جتنا ہی یہ تعداد زیادہ ہوگی اللہ کے ہاں اتنی زیادہ محبوب ہے۔''❶

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جب صبح کی نماز پڑھاتے تو اسے خوب روشنی تک جاری رکھتے؛ تاکہ لوگوں کی زیادہ تعداد جمع ہوجائے؛ اگرچہ افضل اندھیرے میں ہی نماز پڑھا لینا تھا۔ یہ بات نص اور اجماع سے ثابت ہے کہ کبھی مفضول وقت کسی ایسے فعل کے ساتھ خاص ہوتا جس کا کرنا اسی وقت میں افضل ہوتا ہے۔

جب کہ نماز چاشت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ بلکہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ: آپ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی کہ میں ہر ماہ تین دن کے روزے رکھا کروں' اور چاشت کی دو رکعت نماز پڑھا کروں' اور سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کروں۔''❷

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسی روایت حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نیز حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہر صبح تم میں سے ہر ایک کے ہر جوڑ پر صدقہ ہوتا ہے۔ ہر تسبیح کہنا صدقہ ہے؛ اللہ کی حمد بیان کرنا صدقہ ہے؛ لا إلہ إلا اللہ کہنا صدقہ ہے؛ اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے؛ نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے؛ برائی سے منع کرنا صدقہ ہے۔ اور ان تمام کی جگہ چاشت کی دو رکعت نماز کفایت کر جاتی ہیں۔''❸

## فصل:......[حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراضات]

**[اعتراض]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: چودھواں سبب: ''عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت سے ناروا کام کیے تھے، ان کا کرنا ہرگز جائز نہ تھا۔ یہاں تک کہ سب مسلمان آپ پر اعتراض کرنے لگے اور آپ کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے۔ آپ کے قتل کرنے پر یہ اجماع آپ کی امامت اور صحابیت کے اجماع سے زیادہ تھا۔'' [انتہی کلام الرافضی]

---

❶ سنن أبي داؤد 'کتاب الصلاۃ' باب فضل صلاۃ الجماعۃ ۱/ ۱۵۱۔ وسنن النسائي کتاب الإمامۃ باب: الجماعۃ إذا کانوا اثنین ۲/ ۱۰۴۔ وصححہ الألبانی في صحیح الجامع الصغیر ۲/ ۲۵۴۔

❷ البخاری 'کتاب الصوم' باب صیام أیام البیض ۲/ ۵۷۔ ومسلم 'کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا' باب استحباب صلاۃ الضحی؛ ۱/ ۴۹۹۔ سنن أبي داؤد ۲/ ۸۹۔ کتاب الوتر' باب في الوتر قبل النوم۔

❸ مسلم 'کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا' باب استحباب صلاۃ الضحی؛ ۱/ ۴۹۹۔ سنن أبي داؤد ۲/ ۴۸۹۔ کتاب التطوع' باب في إماطۃ الأذي عن الطریق ۔ بروایۃ أبي ذر رضی اللہ عنہ۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



**[جواب]**:اس کے جواب میں کئی نکات ہیں:

**اول** : یہ دعوی ایک کھلا ہوا جھوٹ[ شیعہ کے جہل و افتراء کی کرشمہ سازی ] ہے۔اس لیے کہ تمام لوگوں نے مدینہ میں اور باقی شہروں میں کامل اتحاد اور یگانگت کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔آپ کی بیعت پر کسی نے کوئی اختلاف نہیں کیا؛ اور کوئی شخص بھی آپ کی بیعت سے پیچھے نہیں رہا تھا۔امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ آپ کی بیعت دوسروں کی نسبت زیادہ پختہ اور مؤکد تھی۔اس لیے کہ تمام لوگوں کا آپ پر اتفاق تھا۔[ بخلاف ازیں بہت سے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں شرکت نہیں کی تھی]۔

[ یہ جھوٹ ہے کہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے بارے میں متحد الخیال تھے ]،آپ کو قتل کرنے والے چند باغی اور ظالم لوگ تھے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر لعنت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہ چوروں کی طرح بستی کی پچھلی جانب سے داخل ہوئے۔اللہ ان کو ہر طرح سے غارت کرے۔ان میں سے وہی لوگ بھاگنے میں کامیاب ہوئے جو راتوں رات بھاگ گئے تھے[اور مسلمانوں کو خبر بھی نہ تھی]۔''

یہ بات تو تواتر کے ساتھ معلوم ہے کہ شہروں کے رہنے والے آپ کے قتل میں شریک نہ تھے۔اور جتنے لوگوں نے آپ کی بیعت کی تھی ؛ انہوں نے تو آپ کو قتل نہیں کیا تھا۔اور سابقین اوّلین صحابہ میں سے کوئی بھی قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں شریک نہ تھا۔حالانکہ یہ سبھی لوگ آپ کی بیعت میں شریک ہوئے تھے۔بلکہ آپ کو قتل کرنے والوں کی تعداد بیعت کرنے والوں کی تعداد کا سوواں حصہ بھی نہ تھی۔تو پھر یہ بات کیسے کہی جاسکتی ہے کہ آپ کو قتل کرنے پر بیعت سے زیادہ بڑا اجماع ہوا تھا۔یہ بات صرف وہی انسان کہہ سکتا ہے جو تاریخی حقیقت سے بالکل جاہل ہو اور سب سے بڑا جھوٹا اور مکار ہو۔

**دوم** : حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے والوں کی تعداد قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے کئی گنا زیادہ تھی اور جن لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگیں لڑیں' ان کی تعداد بھی قاتلین عثمان سے کئی گنا زیادہ تھی۔آپ کے لشکر کے ہزاروں آدمی ان ہی لوگوں میں سے تھے جنہوں نے آپ کو کافر قرار دیا اور آپ کے خلاف خروج کیا تھا۔اور کہنے لگے: آپ اسلام سے مرتد ہوچکے ہیں۔ہم اس وقت تک آپ کی اطاعت نہیں کریں گے جب تک آپ دوبارہ اسلام میں داخل نہ ہوں۔آخر کار ان ہی لوگوں میں سے آپ کو قتل کرنے کی حلت کا اعتقاد رکھتے ہوئے؛ اور اس قتل سے اللہ تعالیٰ کی قربت کے حصول کی امید پر آپ کو قتل کیا۔[چنانچہ آپ بھی اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح شہادت حاصل کی۔اللہ ان کے قاتل کو غارت کرے]۔آپ کے قاتل کا عقیدہ قاتلین عثمان کے عقیدہ سے بھی زیادہ برا تھا۔

جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا' وہ آپ کے کفر کا اظہار نہیں کرتے تھے۔بلکہ وہ ظلم کا دعوی [اور شکایت] کرتے تھے۔جب کہ خوارج علی الاعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر کہتے تھے۔ان کی تعداد بھی ان لوگوں کی نسبت بہت زیادہ تھی جن لوگوں نے آکر مدینہ کا محاصرہ کرلیا تھا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کردیا گیا۔

اگر یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر قدح کرنے میں حجت ہوسکتی ہے؛ تو خوارج کا دعوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل میں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



بطریق اولیٰ حجت ہوسکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں باطل دعوے ہیں۔ لیکن قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی حجت قاتلین علی رضی اللہ عنہ کی حجت سے زیادہ بودی اور بے کار ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین اور آپ سے لڑنے والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین و قاتلین سے کئی گنا زیادہ تھے۔ بلکہ جن لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ لڑی وہ باتفاق مسلمین قاتلین و محاصرین عثمان سے کئی درجہ افضل تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ لڑنے والوں میں عابد و زاہد لوگ بھی تھے۔ قاتلین عثمان میں نہ ہی دیندار لوگ تھے اور نہ ہی وہ مقاتلین علی رضی اللہ عنہ کی طرح تکفیر کا اظہار کرتے تھے۔ حالانکہ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت خلیفہ راشد ہیں' اور ان کے خون کو حلال جاننے والے ظالم و سرکش باغی تھی۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین ان سے بڑے ظالم و سرکش تھے۔

**سوم** : یہ کہ: یہ بات تواتر کیساتھ معلوم ہے کہ تمام مسلمانوں نے اتفاق کیساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی اور کوئی ایک بھی آپ کی بیعت سے پیچھے نہیں رہا۔ حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے تھے۔ انہوں نے نہ ہی آپ کی اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا تخلف آپ کی خلافت میں قادح نہیں ہوسکتا؛ اس لیے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے خود ان پر کوئی تنقید نہیں کی؛ اور نہ ہی آپ کے افضل المہاجرین ہونے کا انکار کیا ہے۔ بلکہ یہ ساری چیزیں وہ لوگ جانتے تھے؛ مگر ان کا مطالبہ تھا کہ ایک امیر انصار میں سے ہو۔ یہ بات نصوص متواترہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: "الأئمة من قریش ۔" ''ائمہ قریش میں سے ہوں گے۔'' [سبق تخریجه]

اس معلوم شدہ نص کی بنا پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا گمان غلط تھا۔ تو نص سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آپ کا بیعت سے پیچھے رہنا غلطی تھا۔ اور جب نص سے غلطی ثابت ہوجائے تو پھر اجماع میں اس سے حجت نہیں لی جاسکتی۔

جب کہ حضرت عثمان کے دور میں خلافت اسلامیہ کے افریقہ سے لیکر خراسان تک ؛ اور شام کے ساحلوں سے لیکر یمن کی آخری حدوں تک پھیلے ہوئے ہونے کے باوجود کوئی ایک بھی آپ کی بیعت سے پیچھے نہیں رہا۔ اس وقت مسلمان اپنے اہل کتاب و مشرکین پر غالب تھے اور ان سے جنگیں بھی لڑ رہے تھے۔ اس سے فتح و نصرت میں اضافہ ہوا۔ ملک کو دوام ملا۔ اور چھ سال یعنی خلافت کے نصف عرصہ تک مسلمان آپ کی بیعت پر قائم رہے؛ آپ کی مدح و ثناء کرتے اور تعظیم سے پیش آتے تھے۔ اس دوران کسی ایک نے بھی آپ کی شان میں کوئی ایک کلمہ تک بھی نہیں کہا۔

پھر اس کے بعد کچھ لوگ آپ پر باتیں کرنے لگے۔ جب کہ جمہور مسلمین خیر کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہتے تھے۔ آپ کی امارت کا عرصہ لوگوں پر طویل ہوگیا تھا۔ اس لیے کہ آپ بارہ سال تک امیر المؤمنین رہے۔ خلفاء اربعہ میں سے کسی ایک کو بھی اتنا عرصہ خلافت کرنے کا موقع نہیں ملا جتنا لمبا عرصہ آپ کو موقع ملا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال چار ماہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال اور کچھ ماہ رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چار سال اور کچھ عرصہ رہی۔ آپ کے عہد خلافت میں وہ لوگ بھی پروان چڑھے جو مجبوراً اسلام کا اظہار کر رہے تھے؛ مگر حقیقت میں وہ منافق تھے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



جیسا کہ عبداللہ بن سباء؛ اوراس کے امثال وہمنوا۔اوریہی وہ لوگ تھے جوآپ کےقتل کی سازش کے پیچھے بطورمحرک کام کررہے تھے۔ادھراہل ایمان میں ایسےلوگ بھی موجود تھے[ جوبغیرکسی تحقیق ] منافقین کی باتیں سن لیا کرتے تھے۔جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ﴾ [التوبۃ۴۷]

’’اگر وہ تم میں نکلتے تو خرابی کے سوا تم میں کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے اور ضرور تمھارے درمیان ( گھوڑے ) دوڑاتے، اس حال میں کہ تم میں فتنہ تلاش کرتے، اور تم میں کچھ ان کی باتیں کان لگا کر سننے والے ہیں۔‘‘

یعنی تم میں ایسےلوگ بھی ہیں جوان کی باتیں سنتے ہیں اورپھران کے مطابق عمل کرتے ہیں۔اوران کی باتیں مان لیتے ہیں۔حالانکہ وہ ان پرکلام کوملتبس کردیتے ہیں۔

یہ منافقین کا کرداررہاہے کہ انہوں نے محبین عثمان رضی اللہ عنہ پر معاملہ ملتبس کردیا۔اوربغض رکھنے والے بغض میں بڑھ گئے؛ یہاں تک کہ لوگ آپ کی نصرت کرنے کے لیے کما حقہ کھڑے نہ ہوسکے۔

جولوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کوقتل کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے' وہ بعض قبائل کے اوباش نوجوان تھے۔جن کا اسلام میں کوئی ذکرخیرتک نہیں تھا۔اگر یہ فتنہ پیش نہ آیا ہوتا تو شاید لوگ ان کے نام سے بھی واقف نہ ہوتے۔

جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب سے مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ کی بیعت سے آدھے سے زیادہ مسلمان سابقین اولین مہاجرین وانصاراوردوسرے لوگ پیچھے رہے۔جولوگ بالکل بیٹھ گئے تھے اورانہوں نے آپ سے جنگ نہیں اورنہ ہی آپ کے ساتھ مل کرجنگ کی' ان میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ؛ حضرت عبداللہ بن عمر؛ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔اوران میں سے بعض نے آپ سے جنگ لڑی۔

پھرآپ کی بیعت کرنے والے لوگوں میں سے بھی بہت سارے لوگوں نے اس بیعت سے رجوع کرلیا۔اوران میں سے بعض نے آپ کی تکفیرشروع کردی؛ اورآپ کوحلال الدم کہنے لگے۔اوران میں سے بعض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے جیسے آپ کے بھائی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اوراس طرح کے دوسرے لوگ ۔ اورشیعان عثمان ہمیشہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پرتنقید کرتے رہے۔اوراس سے وہ دلیل لیتے رہے کہ آپ خلیفہ راشد نہیں ہیں۔ان کی حجت بھی رافضیوں کی حجت سے بڑھ کرنہیں تھی۔اگران لوگوں کی دلیل بودی اوربیکار ہے اورحضرت علی رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے گئے ہیں توحضرت عثمان رضی اللہ عنہ بطریق اولی مظلوم شہید ہوئے ہیں۔

❀❀❀❀

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com



فصل ششم:

# حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت کے دلائل

**[اعتـــــراض]**: شیعہ مصنف رقم طراز ہے: ''چھٹی فصل: ابوبکر کی امامت کے دلائل فسخ ہونے کے بارے میں:

''انہوں [اہل سنت] نے [خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر] کئی طرح سے استدلال کیا ہے۔سب سے پہلی دلیل اجماع ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ: ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع منعقد ہوا تھا؛ اس لیے کہ بنو ہاشم کی ایک جماعت ان کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتی تھی۔ اکابر صحابہ میں سے حضرت سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، حذیفہ، سعد بن عبادہ، زید بن ارقم، اُسامہ، اور خالد بن سعید العاص رضی اللہ عنہم اجمعین ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہیں مانتے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا والد بھی آپ کی خلافت کا منکر تھا۔اس نے پوچھا: لوگوں نے کس کو خلیفہ منتخب کیا؟ لوگوں نے کہا: ''تیرے بیٹے کو۔'' اس نے پوچھا: ''ان دونوں کمزوروں کو کیا ہوا؟'' یہ حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ تھا۔لوگوں نے بتایا کہ: وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین میں مشغول ہو گئے تھے؛ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عمر میں بڑا سمجھ کر لوگوں نے امام بنا لیا۔تو اس نے کہا: ''میں عمر میں اس سے بھی بڑا ہوں ۔ بنو حنیفہ کا قبیلہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا منکر تھا۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے آپ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہاں تک ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو مرتد قرار دے کر ان کو قتل کیا اور قیدی بنایا۔عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی مخالفت کی اور اپنی خلافت کے زمانہ میں ان لونڈی غلاموں کو آزاد کر دیا تھا۔'' [شیعہ کا بیان ختم ہوا]

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: الحمد للہ؛ کہ اس ذات نے ان مرتدین کے بھائیوں کی حقیقت کو بھی آشکار کر دیا۔اب عوام وخواص میں یہ بات ظاہر ہوگئی ہے کہ یہ لوگ ان ہی مرتدین کے سچے بھائی ہیں۔اوران کی زبان سے ہی ان کے اسرار چاک کرکے انہیں رسوا کیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان خائنوں کے چھپے رازوں سے آگاہ ہے؛ اور اللہ اوراس کے رسول ؛ اور اللہ کے نیک بندوں ؛ اہل اللہ ؛متقین سے ان کی عداوت کو وہ آشکار کرتا رہتا ہے۔[فرمان الٰہی ہے]:

﴿ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتنته فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ﴾ [المائدۃ ۴۱]

''جس کا خراب کرنا اللہ کو منظور ہو تو آپ اس کے لیے خدائی ہدایت میں سے کسی چیز کے مختار نہیں۔''

ہم کہتے ہیں: سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جب ایسی بات سنے گا تو وہ کہے گا: اس کلام کا کہنے والا یا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے احوال سے جاہل مطلق ہے یا پھر لوگوں میں سب سے زیادہ بہتان طرازی کا مرتکب ہے۔

❀ میرا خیال ہے کہ: یہ مصنف اوراس کے امثال دیگر روافض جاہل اور اندھے ہیں، جو اپنے اسلاف کی کتابوں سے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بغیر کی تحقیق و اعتبار کے کلام نقل کر دیتے ہیں۔ان کی اسلامی تاریخ پر کوئی نظر نہیں ہوتی۔اور نہ ہی اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں کے متعلق انہیں صحیح معنوں میں کوئی آگاہی ہوتی ہے۔پس یہ مصنف اوراس کے امثال جاہل کے جاہل ہی ہیں۔نہ ہی انہیں معقول کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی منقول کا۔

❀ اس میں کوئی شک نہیں کہ روافض کے شیوخ بہت زیادہ ہیں۔ان میں سے اکثر لوگ خواہش پرست اور جاہل ہوتے ہیں۔پس ان کی خواہشات کے مطابق جو کوئی بھی بات کہے وہ اسے مان لیتے ہیں اوراس کی تصدیق کرنے لگ جاتے ہیں۔[ خواہ کہنے والا دجال ہی کیوں نہ ہو]۔اس کے سچ اور جھوٹ ہونے کی تحقیق نہیں کرتے۔ بخلاف ازیں جو ان کے افکار و معتقدات کے خلاف کوئی بات کہے وہ اس کی تکذیب کرتے ہیں خواہ وہ کتنا ہی حق گو کیوں نہ ہو،مگر انہیں سچ اور جھوٹ کی تحقیق سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔[ایسے لوگ کیوں کر فلاح پائیں گے اور جو اس مرض کا شکار ہو اس کی عافیت کی کیا امید کی جاسکتی ہے؟ ]۔شیعہ اس آیت کے مصداق ہیں:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ﴾ (العنکبوت:۶۸)

’’اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا جب اسکے پاس حق آئے تو اس کی تکذیب کرے۔‘‘

اہل علم و دین [اہل سنت ] بحمد اللہ اس آیت کے مصداق ہیں:

﴿وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (الزمر:۳۳)

’’جو شخص حق کو لایا اور اس کی تصدیق کی وہی لوگ حقیقی متقی ہیں۔‘‘

مصنف کی سب سے بڑی جہالت اور گمراہی یہ ہے کہ وہ کفر پر بنی حنیفہ اتفاق کو اجماع قرار دے رہا ہے۔اور کہتا ہے: بنو حنیفہ کو قتل کرنے اور قیدی بنانے اور مرتد قرار دینے کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔اس سے پہلے بھی مصنف کا اس قسم کا کلام گزر چکا ہے۔

ہر خاص و عام صاحب علم اس بات سے آگاہ ہے کہ بنو حنیفہ کافر تھے اور یمامہ سے نبوت کا دعوی کرنے والے مسیلمہ کذاب کی پیروی کرتے تھے۔اس مسیلمہ کذاب نے اپنے ایک خط میں دعوی کیا تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت میں برابر کا شریک ہے۔

اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے آخری ایام میں نبوت کا دعوی کیا تھا۔پس یہ مسیلمہ' اوریمن کے شہر صنعاء میں اسود عنسی ؛ جس کا اصل نام عبہلہ تھا؛ اور خلق کثیر نے اسود عنسی کی اتباع کر لی تھی؛ یہ لوگ قتل کیے گئے۔اسود عنسی کو اللہ تعالیٰ نے حضرت فیروز دیلمی کے ہاتھ پر قتل کیا۔اوراس کے اعوان و انصار بھی قتل ہوئے۔اس کے قتل کا واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایان میں پیش آیا۔اس قتل کی رات ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل ہونے کی خبر دیدی تھی اور فرمایا تھا:

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com



''اسے نیک گھر والوں میں سے ایک نیک انسان نے قتل کیا ہے۔''❶

❀ اسود عنسی نے علیحدہ سے نبی ہونے کا دعوی کیا تھا؛ اس نے صرف شراکت داری پر اکتفاء نہیں کیا تھا۔ اور یمن پر غلبہ پاکر وہاں سے رسول اللہ ﷺ کے عمال کو نکال دیا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قتل کیا' اور مسلمانوں کو کئی معرکوں کے بعد اس پر فتح عطا فرمائی۔ یہ واقعات اہل علم کے ہاں مشہور و معروف ہیں۔

جب کہ مسیلمہ کذاب نے نبوت میں شراکت کا دعوی کیا تھا۔ اور یہ انسان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایام تک زندہ رہا۔ صحیح بخاری میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: ''میں سو رہا تھا تو میں نے اپنے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن دیکھے تو مجھے فکر ہوئی اور خواب میں وحی آئی کہ آپ ان کو پھونک دیجئے، میں نے ان کو پھونک دیا تو وہ اڑ گئے میں نے اس کی تعبیر ان دو کذابوں سے لی جو میرے بعد ظاہر ہوں گے پس ان میں سے ایک صنعاء [کا اسود عنسی] اور دوسرا یمامہ کا [رہنے والا مسیلمہ کذاب] تھا۔'' [بخاری: ح841]

مسیلمہ کے واقعات؛ اس کا نبوت کا دعوی کرنا' بنی حنیفہ کا اس کا اتباع کرنا اتنی مشہور خبریں ہیں جو صرف ایسے انسان سے مخفی رہ سکتی ہیں جو علم و معرفت سے انتہائی دور اور بیگانہ ہو۔

مسیلمہ کذاب کی خبریں مسلمان تو مسلمان یہود و نصاری تک جانتے ہیں۔ اور اس نے اپنا جو قرآن پیش کیا تھا اس کی کئی سورتیں آج تک لوگوں کو یاد ہیں۔ مثال کے طور پر وہ کہتا ہے:

۱ ......(( یَا ضِفْدَعُ بِنْتُ ضِفْدَعَیْنِ نَقِّی کَمْ تَنَقِّیْنَ ، لَا الْمَاءَ تُکَدِّرِیْنَ وَ لَا الشَّارِبَ تَمْنَعِیْنَ ، رَاسُكِ فِی الْمَاءِ وَ ذَنْبُكِ فِی الطِّیْنِ . ))

''اے مینڈکی دو مینڈکوں کی بیٹی! تم چلاؤ کتنا چلاؤ گی۔ نہ ہی تم پانی کو گدلا کرتی ہو اور نہ ہی پینے والے کو روکتی ہو تمہارا سر پانی میں ہے اور دم مٹی میں ہے۔''

اس کی جھوٹی وحی میں سے یہ بھی تھا:

۲ ......(( اَلْفِیْلُ مَا الْفِیْلُ وَ مَا اَدْرَاكَ مَا الْفِیْلُ ، لَهٗ زَلُوْمٌ طَوِیْلٌ ، اِنَّ ذَالِكَ مِنْ خَلْقِ رَبِّنَا لقلیل . ))

''ہاتھی؛ ہاتھی کیا ہے اور تمہیں کیا پتہ ہاتھی کیا ہے' اس کی ایک لمبی سونڈ ہے۔ بیشک یہ ہمارے رب کی تخلیق میں بہت کم ہے۔''

---

❶ اس کا ذکر ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب '' الاستعیاب '' میں کیا ہے؛ علی هامش الاصابة ۳/ ۲۰۲ ۔ ابن عمر سے روایت ہے: جس رات اسود عنسی قتل ہوا' رسول اللہ ﷺ کے پاس آسمانوں سے خبر پہنچ گئی۔ آپ ہمیں بشارت سنانے کے لیے باہر نکلے ۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''آج رات اسود قتل ہوگیا اور اسے ایک مبارک گھرانے کے مبارک انسان نے قتل کیا ہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! اسے کس نے قتل کیا؟ آپ نے فرمایا: فیروز الدیلمی نے۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



۳...... (( إنا أعطیناك الجماھر فصل لربك و ھاجر و لا تطع کل ساحر وکافر . ))
’’بیشک ہم نے آپ کو جماہر عطا کیے ہیں۔ آپ اپنے رب کی نماز پڑھو اور ہجرت کرو؛ کسی بھی جادوگر اور کافر کی بات مت مانو۔‘‘

٤...... ((والطاحنات طحناً فالعاجنات عجناً فالخابزات خبزاً إھالة و سمناً إن الأرض بیننا و بین قریش نصفین ؛ ولکن قریشاً قوم لا یعدلون . ))
’’اور قسم ہے چکی پیسنے والیوں کی جب وہ چکی پیسیں ؛ اور آٹا گوندھنے والیوں کی جب وہ آٹا گوندھیں۔ اور روٹیاں پکانے والوں کی جب وہ روٹیاں پکائیں ؛ اور پراس پر گھی اور سالن ڈالیں۔ بیشک زمین ہمارے اور قریش کے مابین آدھی آدھی ہے؛ مگر قریش کے لوگ انصاف نہیں کرتے۔‘‘

مسیلمہ نے جو قرآن مرتب کیا تھا، وہ حد درجہ مضحکہ انگیز اور اس کی حماقت وسفاہت کا آئینہ دار تھا۔ جب مسیلمہ کے قتل کے بعد بنو حنیفہ کا وفد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے ان سے مسیلمہ کا کچھ کلام سنانے کو کہا۔ جس پر انہوں نے یہ کلام سنایا تو آپ نے فرمایا:

’’تمہارے لیے ہلاکت ہو! مسیلمہ تمہاری عقلوں کو کہاں لیے جا رہا ہے، یہ کلام اللہ کا نازل کردہ نہیں۔‘‘

اس مسیلمہ کذاب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زندگی میں یہ خط بھی لکھا تھا:

’’مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف؛ اما بعد !

’’بیشک میں اس امر [ نبوت و رسالت ] میں آپ کا شریک ہو چکا ہوں۔‘‘

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیتے ہوئے یہ خط تحریر فرمایا:

’’محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی جانب۔‘‘

جب مسیلمہ کذاب کا نمائندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: کیا تم بھی یہ گواہی دیتے ہو کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔

تو آپ نے فرمایا: اگر ایسا نہ ہوتا کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تمہاری گردن مار دیتا۔‘‘

پھر ان دوسفیروں میں سے ایک کوفہ میں ملا' جسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی بنیاد پر قتل کروادیا۔ [1]

مسیلمہ کذاب اس سے پہلے بنو حنیفہ کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام کا اظہار کر چکا تھا۔ پھر جب واپس اپنے علاقہ میں چلا گیا تو اپنی قوم کے لوگوں سے کہنے لگا: ’’مجھے محمد نے اپنے ساتھ نبوت میں

[1] اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں: سیرت نبوی از ابن کثیر ٤/ ٩٧۔ سیرت ابن ھشام ٤/ ٢٤٧۔ إمتاع الأسماع ٥٠٨۔ زاد المعاد ٣/ ٦١٠۔

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com



شریک کرلیا ہے۔'' اوراس پر دو آدمی گواہ بھی پیش کیے۔ ان میں سے ایک رحال بن عنفوۃ تھا۔اس نے اس بات کی گواہی دی۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین آدمیوں سے جن میں ایک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرا یہی رحال بن عنفوۃ تھا؛ فرمایا تھا: ''تم میں سے ایک آدمی داڑھیں جہنم میں فلاں اور فلاں سے بڑی ہیں۔''[1]

ان میں سے ایک کو اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہوگئی۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسی طرح لرزاں و ترساں رہے یہاں تک کہ مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعوی کیا تو اس رحال نے اس کے نبی ہونے کی گواہی دی اور اس کی اتباع اختیار کرلی۔ اب اس میں کوئی شک باقی نہ رہا ہے فرمان نبوت سے مراد یہی رحال بن عنفوہ تھا۔

مسیلمہ کا مؤذن جب اذان دیتا تو کہتا:

"أشهد أن محمدًا و مسيلمه رسولا الله۔"

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اور مسیلمہ دونوں اللہ کے رسول ہیں۔''

## بنو حنیفہ کا ارتداد اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:

امت کے اولین و آخرین کے نزدیک بنو حنیفہ کا قتل اور ان کا قیدی بنانا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا عظیم کارنامہ ہے۔اس لیے کہ لوگوں میں سب سے بڑے مرتد بنی حنیفہ تھے۔ آپ نے عدم ادائیگی زکوۃ کی بنا پر ان کو قتل نہیں کیا تھا، بلکہ اس لیے قتل کیا تھا کہ وہ مسیلمہ کذاب پر ایمان لائے تھے۔ ان کی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کی ماں بنو حنیفہ ہی میں سے آپ کی باندی تھی۔اس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہ مرتد خواتین کو قیدی بنانے کو جائز کہتے ہیں؛ جب کہ مرتدین اہل حرب میں سے ہوں۔ اگر یہ لوگ مسلمان اور معصوم الدم تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے کیسے یہ جائز ہوگیا کہ ان کی عورتوں کو قیدی بھی بنائیں اور پھر ان سے ہم بستری بھی کریں۔

جن قبائل کے خلاف حضرت صدیق عدم ادائیگی زکوۃ کی بنا پر نبرد آزما ہوئے تھے وہ بنو حنیفہ کے علاوہ دیگر قبائل تھے۔ انھوں نے بالکل ترک زکوۃ کو مباح قرار دیا تھا؛ اور کلیۃً زکواۃ کی ادائیگی کا انکار کردیا تھا؛ اس لیے ان کے خلاف اس بات پر جنگ آزمائی کی نوبت آئی۔ جنگ کی وجہ یہ نہیں تھی کہ زکواۃ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچائی جائے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اتباع کار جیسے حضرت امام ابوحنیفہ و احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ کا خیال ہے

[1] علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سیرت نبویہ ٤/ ٩٧ پر لکھا ہے: ''امام سہیلی اور دوسرے سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ: اس رحال بنوعنفوہ کا اصل نام نہار تھا۔ اس نے اسلام قبول کیا' اور کچھ قرآن بھی سیکھا؛ اور ایک مدت تک رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں بھی رہا۔ نبی کریم ﷺ کا ان پر گزر ہوا تو یہ تین افراد بیٹھے ہوئے تھے: فرات بن حیان' ابو ہریرہ اور رحال بن عنفوہ۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ایک آدمی داڑھیں جہنم میں فلاں اور فلاں سے بڑی ہیں۔'' پس یہ دونوں مخلص صحابی ڈرنے لگ گئے۔ یہاں تک کہ رحال بھی مسیلمہ کذاب کے ساتھ مرتد ہوگیا۔ اور نبی کریم ﷺ پر جھوٹی گواہی دی کہ آپ نے مسیلمہ کو اپنے ساتھ نبوت میں شریک کرلیا ہے۔ اور جو کچھ قرآن اسے یاد تھا اسے لوگوں میں سنا کر مسیلمہ کی طرف منسوب کرنے لگا۔ اس طرح بنی حنیفہ میں بہت بڑا فتنہ پیدا ہوا۔ جنگ یمامہ کے موقع پر زید بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کیا۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کہ جب کوئی قوم یہ کہے کہ ہم زکوٰۃ دینے کے لیے تیار ہیں، مگر ہم فلاں امام کو نہیں دیں گے، تو ان کے خلاف صف آرائی جائز نہیں۔ اور یہ بھی علم میں ہونا چاہیے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جنگ کرنے کی وجہ زکواۃ کی ادائیگی کا بالکل انکار تھا۔ یہ وجہ نہیں تھی کہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو زکواۃ ادا نہیں کر رہے۔

بلکہ اگر یہ شیعہ مصنف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنے والوں کو یہود و مجوس اور نصاری کے برابر کرتا؛ تو یہ بھی ایسا ہی ہوتا جیسے وہ بنو حنیفہ کو شمار کر رہا ہے۔ بلکہ بنو حنیفہ بعض وجوہات کی بنا پر یہود و نصاری اور مجوس سے بڑے کافر تھے۔ اس لیے کہ وہ پیدائشی کافر ہیں اور یہ مرتد کافر تھے۔ پیدائشی کافر کو جزیہ پر برقرار رکھا جا سکتا ہے؛ جب کہ انہیں جزیہ پر برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ اور ان لوگوں کے پاس کتاب یا شبہ کتاب موجود ہے' اور ان کے پاس کوئی کتاب نہیں۔ یہ لوگ ایک جھوٹے مفتری کے پیروکار تھے؛ لیکن ان کا مؤذن یہ نداء لگایا کرتا تھا:

" أشهد أن محمدًا و مسیلمه رسولا الله۔"

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اور مسیلمہ دونوں اللہ کے رسول ہیں۔''

اس طرح یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسیلمہ کذاب کو برابر کر دیتے تھے۔

مسیلمہ کذاب کا معاملہ تمام ان کتابوں میں مشہور و معروف ہے جن میں ایسے واقعات ذکر کیے جاتے ہیں؛ مثلاً کتب تفسیر؛ حدیث؛ مغازی؛ فتوح؛ فقہ اور اصول اور علم کلام وغیرہ۔ حتی کہ تاریخ اسلام میں یہ واقعہ اس قدر مشہور ہے کہ پردہ نشینان حرم بھی اس سے آگاہ ہیں۔ [پھر شیعہ مصنف کی اس واقعہ سے بے خبری بڑی حیرت کی موجب ہے]۔ تاریخی واقعات جمع کرنے والوں نے اس مسئلہ پر مستقل کتابیں لکھی ہیں: سیف بن عمر رضی اللہ عنہ کی کتاب الرِدّۃ اور الواقدی کی کتاب الردۃ؛ اور دوسرے مصنفین کی کتابیں جن سے سب لوگ واقف ہیں، جن میں اہل ارتداد کے ساتھ جنگوں اور ان واقعات کا ذکر ہے۔ ایسے واقعات مغازی رسول اور فتوح شام جیسی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ [مگر شیعہ ان کتب سے بھی نابلد ہے، ورنہ بنو حنیفہ کے ارتداد سے جاہل نہ رہتا]۔

ان میں سے بعض واقعات ایسے ہیں جو کہ خواص و عوام کے ہاں تواتر کے ساتھ مشہور ہیں؛ اور بعض واقعات ثقہ راویوں نے نقل کیے ہیں۔ اور بعض ایسی مراسیل اور منقطع اخبار ہیں جن کے سچ یا جھوٹ ہونے کا احتمال ہے؛ اور بعض روایات کے متعلق صاف واضح طور پر معلوم ہے کہ یہ جھوٹے اور من گھڑت واقعات ہیں۔

لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مسیلمہ کذاب سے قتال اور جنگیں ایسے مشہور ہیں جیسے ہرقل' قیصر اور کسری اور دیگر ان اقوام کے ساتھ جنگوں کے واقعات مشہور ہیں جن سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر فاروق یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم اجمعین نے جنگیں کیں۔ اور جیسے ان مشرکین و یہود لوگوں کے کفر کا تواتر کیساتھ مشہور ہے جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگیں لڑیں مثلاً: عتبہ؛ ابی بن خلف؛ حیی بن اخطب وغیرہ۔ اور جیسے عبداللہ بن ابی ابن سلول اور دیگر کے نفاق کا تواتر کے ساتھ مشہور ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



بلکہ مسیلمہ کے ارتداد اور حضرت صدیق اکبر کے اس کے ساتھ قتال کا تواتر لوگوں میں جمل اور صفین ؛ اور طلحہ و زبیر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتال ؛ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور دیگر لوگوں کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے پیچھے رہ جانے کے تواتر سے بڑھ کر مشہور ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسیلمہ کذاب نے آ کر عرض کیا کہ: ''اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد مجھے خلافت عطا کر دیں تو میں ان کا تابع ہو جاتا ہوں اور وہ اپنی قوم کے بہت لوگوں کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف چلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک لکڑی کا ٹکڑا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسیلمہ کذاب کے پاس معہ اصحاب جا کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

''اگر تو مجھ سے بقدر اس لکڑی کے ٹکڑے کے طلب کرے تو میں تجھ کو نہ دوں گا اور خدا تعالیٰ کا جو حکم تیرے بارے میں ہو چکا ہے تو اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اور اگر تو کچھ روز زندہ رہا تو خدا تجھ کو ہلاک کر دے اور یقیناً میں تجھ کو وہی شخص سمجھتا ہوں جس کی نسبت میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ اور یہ ثابت رضی اللہ عنہ ہے جو تمہیں میری طرف سے جواب دے گا۔''

پھر آپ وہاں سے پلٹ گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان: ''اور یقیناً میں تجھ کو وہی شخص سمجھتا ہوں جس کی نسبت میں نے خواب میں دیکھا ہے'' کے بارے میں پوچھا؛ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھے خبر دی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ:

''میں سو رہا تھا تو میں نے اپنے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن دیکھے تو مجھے فکر ہوئی اور خواب میں وحی آئی کہ آپ ان کو پھونک دیجیے، میں نے ان کو پھونک دیا تو وہ اڑ گئے میں نے اس کی تعبیر ان دو کذابوں سے لی جو میرے بعد ظاہر ہوں گے پس ان میں سے ایک عنسی اور دوسرا یمامہ کا رہنے والا مسیلمہ کذاب تھا۔''[1]

## [حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اہل ارتداد کا قتل]:

**[اشکال]**: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''عمر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے خلاف جنگ آزما ہونے پر اعتراض کیا تھا۔''

**[جواب]**: یہ بہت بڑا جھوٹ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر صریح بہتان ہے۔ بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا [مرتدین] مسیلمہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ جنگ پر اتفاق تھا۔ لیکن ایک دوسرا گروہ تھا جو اسلام کا اقرار کرتے تھے؛ مگر زکواۃ ادا کرنے کا انکار کرتے تھے' ان کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلاشبہ توقف کیا تھا۔ اس لیے کہ شروع میں آپ کے دل میں شبہ تھا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تبادلہ افکار کرنے پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے قتال کے واجب ہونے کو واضح کیا؛ تو بعد آپ نے اپنے زاویۂ نگاہ سے رجوع کر لیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق ہو گئے تھے۔ یہ قصہ بڑا

[1] صحیح بخاری:ح 841

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



مشہور ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا:

((کیف تقاتل الناس وقد قال رسول الله ﷺ :" أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله؛ فإذا قالوا عصموا منى دمائهم و أموالهم إلا بحقها وحسابهم على الله . )) قال أبوبكر رضی اللہ عنہ : ألم يقل بحقها؟ فإن الزكواة من حقها۔ والله لو منعوني عناقا كانوا يؤدونها إلى رسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعها ))۔ قال عمر رضی اللہ عنہ فوالله ما هو إلا أن رأيت الله قد شرح الله صدر أبي بكر رضی اللہ عنہ : فعرفت أنه الحق))[متفق عليه]

''آپ ان لوگوں سے کس طرح جنگ کریں گے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''میں حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ لا إلہ إلا اللہ کہیں؛ جب وہ یہ کلمہ کہہ دیں تو مجھ سے اپنا جان و مال بچالیں گے مگر اس کے حق کے عوض اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا:''مگر اس کلمہ کے حق کے ساتھ۔'' بیشک زکواۃ بھی اس کلمہ کا حق ہے۔ واللہ اگر انہوں نے ایک رسی بھی روکی جو وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دیتے تھے تو اس کے نہ دینے پر میں ان سے جنگ کروں گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تھا۔ تو میں نے جان لیا کہ یہی حق ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال کیا جو آپ تک پہنچی تھی یا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ واضح کر دیا ''کلمہ طیبہ کا حق'' زکواۃ کو بھی شامل ہے' کیونکہ یہ مالی حق ہے۔''

صحیحین میں حضرت ابن رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أمِرت أن أقاتِل الناس حتى يقولوا: ألا إله إلا الله وأني رسول اللهِ ، ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكاة ، فإذا فعلوا ذلكِ عصموا مِني دِمائهم وأموالهم إلا بحقِها ))

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں یہاں تک کہ وہ کہہ دیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں' اور بیشک میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور نماز قائم کریں اور زکواۃ ادا کریں۔ جب وہ ایسا کریں تو مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کرلیں گے مگر اسلام کے حق کے ساتھ۔'' [متفق علیہ]۔

یہ دوسرا لفظ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فقہ پر دلالت کرتا ہے۔ جو کہ مانعین زکواۃ سے قتل کے بارے میں صریح اور قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ﴾ [التوبة٥]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



''تم قتل کرو ان مشرکوں کو جہاں بھی انہیں پاؤ انہیں پکڑو، ان کا گھیرا کرو، اور ان (کی خبر لینے) کے لیے بیٹھ جا ہر گھات میں، پھر بھی اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور (اسلام لاکر) نماز قائم کریں، اور زکوادا کریں، تو تم خالی کر دو ان کا راستہ۔''

یہاں راستہ خالی کرنے کو ایمان؛ قیام نماز اور ادائیگی زکواۃ کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہے۔

ان لوگوں کے بارے میں کئی واقعات مشہور ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے تھے جنہوں نے زکواۃ وصول کر لی تھی؛ مگر جب انہیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر پہنچی تو انہوں نے لوگوں کو وصول کردہ زکواۃ واپس کر دی۔ اور بعض لوگ حالات کے منتظر تھے۔ پھر ان میں سے جن لوگوں کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنگ کی تو پھر سے نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک کے عاملین زکواۃ ویسے ہی زکواۃ وصول اور خرچ کرنے لگ گئے جیسے آپ کے عہد میں کیا کرتے تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عاملین زکواۃ کے نام ایک خط لکھا تھا؛ جس میں انہوں نے لکھا تھا:

''بسم الله الرحمن الرحيم

زکواۃ وہ فریضہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے فرض کیا ہے اور اس کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔''

یہ خط اور اس جیسی دوسری دستاویز سے تمام علماء اسلام مسائل اخذ کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی ذات کے لیے کچھ بھی نہیں لیا۔ اور نہ ہی اپنے کسی قریبی کو کوئی عہدہ تفویض کیا؛ اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسی کوئی بات کی؛ بخلاف حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما؛ ان دونوں حضرات نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو بڑے بڑے منصب تفویض کیے تھے۔

اگر یہ جائز ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے مال لینے کے لیے ان سے قتال کیا تھا تو پھر کسی بھی دوسرے پر اس کی بہ نسبت بہت آسانی سے اعتراضات کیے جا سکتے ہیں۔ اور اگر حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کا دفاع واجب ہے تو پھر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا دفاع اس سے بھی بڑا واجب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس لیے جنگ و قتال کیا کہ لوگ آپ کی اطاعت کریں' اور آپ ان کے جانوں اور اموال کے بارے میں فیصلے کر سکیں۔ پھر اس قتال کو کیسے دین پر قتال کہا جا سکتا ہے؟ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو ان لوگوں سے جنگیں لڑی تھیں جو اسلام چھوڑ کر مرتد ہو چکے تھے؛ اور اللہ تعالیٰ کا ایک فریضہ ترک کر رہے تھے۔ آپ کی جنگ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے لگ جائیں۔ تو پھر کیا یہ دین پر قتال نہیں ہو سکتا؟

شیعہ مصنف نے جن اکابر صحابہ کا نام لیکر بتایا ہے کہ انھوں نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت میں شرکت نہیں کی تھی؛ یہ ان لوگوں پر بہتان ہے؛ ان لوگوں کا بیعت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں شرکت کرنا اظہر من الشّمس ہے، البتہ سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ اس پر تمام سیرت نگاروں؛ مؤرخین؛ محدثین اور دیگر اہل علم کے سلف و خلف کا اتفاق ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ لشکر کے ساتھ اس وقت روانہ ہوئے تھے جب آپ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ اسی لیے آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر مخاطب کررہے تھے۔

باقی جن لوگوں کا ذکر رافضی مصنف نے کیا ہے؛ انہوں نے بیعت کر لی تھی سوائے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے۔آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب تھے۔ جب آپ نے وفات پائی تو خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں اور کسی کا نائب نہیں بننا چاہتا۔'' یہ کہہ کر آپ نے ولایت چھوڑ دی؛ ورنہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اقرار کرتے تھے۔ یہ بات تواتر کے ساتھ معلوم ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سوا سب صحابہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔

جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر بنو ہاشم کا تعلق ہے، ان میں سے کوئی بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کیے بغیر فوت نہیں ہوا تھا۔ البتہ ایک قول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ بعد آپ کی بیعت کی تھی۔ جبکہ دوسرے قول کے مطابق انھوں نے آپ کے انتخاب کے دوسرے دن بخوشی بغیر کسی سختی کے آپ کی بیعت کر لی تھی۔

پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سوا سب صحابہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بیعت میں شرکت کی تھی۔ بنو ہاشم یا کوئی دوسرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے پیچھے نہیں رہا۔ جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت پر تمام لوگوں کا اتفاق ہوگیا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ خلافت فاروقی میں فوت ہوئے تھے۔ اس لیے بیعت عثمانی کے دور کو نہیں پا سکے۔ اس کا سبب معروف ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ ایک امیر انصار میں سے ہو‘ [اور وہ امیر منتخب ہوجائیں] اور ایک امیر مہاجرین میں سے ہو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مطالبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص اور اجماع امت کی روشنی میں صحیح نہیں تھا۔

جب اجماع کے خلاف ان میں سے کسی ایک کی غلطی ثابت ہوگئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اجماع حق اور درست تھا۔ اور یہ فرد واحد جس کی غلطی کتاب وسنت کی روشنی میں معلوم ہوجائے اس کی غلطی شاذ ہوتی ہے؛ اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔ بخلاف اس شخص کے جو کتاب وسنت سے اپنی حجت کا اظہار کرے۔ اس انسان کا خلاف معتبر ہوتا ہے۔ کبھی حق اسی کے پاس ہوتا جس کی طرف دوسروں کو بھی رجوع کرنا پڑتا ہے۔

جیسا کہ جیش اسامہ کی تنفیذ؛ مانعین زکواۃ سے قتال اور اس طرح کے دیگر امور کے بارے میں حق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی رائے کا درست ہونا بعد میں واضح ہوگیا۔

شیعہ مصنف نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ بیان کیا ہے؛ اس کے باطل اور جھوٹ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں تھے۔ آپ ایک عمر رسیدہ انسان تھے۔ آپ نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا تھا۔ آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے‘ آپ کی داڑھی اور سر کے بال بالکل سفید ہوچکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر آپ اس بزرگ کو اپنی جگہ پر ہی چھوڑ دیتے تو ہم خود اس کے پاس چلے جاتے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اکرام کی وجہ سے فرمایا۔

صحابہ کرام میں کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے جس کی والدہ‘ والد اور اولاد سب نے اسلام قبول کرلیا ہو۔ ان سب نے نبی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کریم ﷺ کا زمانہ پایا۔ بلکہ آپ کے نواسوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا۔ آپ کے علاوہ مردوں اورعورتوں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کی چار نسلوں نے رسول اللہ ﷺ کا دور پایا ہو اور وہ سب اہل ایمان بھی ہو گئے ہوں۔ محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہم اجمعین ؛ اور عبداللہ بن زبیر [اسماء بنت ابی بکر کے بیٹے] یہ چار نسلیں سبھی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تھے۔ اور انہیں شرف صحابیت حاصل تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام خیر رضی اللہ عنہا بھی اسلام لے آئی تھیں۔ یہ ایمان والوں کا گھرانہ تھا۔ ان میں سے کوئی ایک بھی منافق نہیں تھا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں کسی اور کا گھر اس گھر جیسا نہیں تھا۔

ضرب المثل ہے کہ ایمان کے لیے کچھ گھر ہوتے ہیں اور نفاق کے لیے کچھ گھر ہوتے ہیں۔ مہاجرین میں سے ابوبکر کا گھر ایمان کا گھر تھا۔ اور انصار میں سے بنونجار کا گھرانہ ایمان کا گھر تھا۔

رافضی کا یہ کہنا کہ: ''لوگوں نے ابوقحافہ سے کہا: ''تیرا بیٹا ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر میں سب لوگوں سے بڑا تھا۔''

یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر میں سب صحابہ سے بڑے نہ تھے۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سارے لوگ عمر میں آپ سے بھی بڑے تھے۔ مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ۔ آپ نبی کریم ﷺ سے تین سال بڑے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی بڑے تھے۔

ابوعمر بن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وفات کے وقت تریسٹھ سال کے تھے۔ یہی عمر [بوقت وفات] رسول اللہ ﷺ کی بھی تھی۔ بعض آثار میں حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب سالار انبیاء ﷺ کا انتقال ہوا تو مکہ کے شہر پر لرزہ طاری ہوگیا۔ ابوقحافہ رضی اللہ عنہ جب یہ آواز سنی تو نے لوگوں سے دریافت کیا: کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ آنحضرت ﷺ فوت ہو گئے۔

ابوقحافہ رضی اللہ عنہ بولا: ''بہت بڑا واقعہ پیش آیا۔'' ان کے بعد کون شخص خلیفہ قرار پایا۔''

لوگوں نے کہا: ''تیرا بیٹا'' ابوقحافہ رضی اللہ عنہ بولا: کیا بنوعبد مناف اور بنومغیرہ اس پر راضی ہو گئے؟

لوگوں نے کہا: ''ہاں'' ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا، جس کو اللہ دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے؛ اور جس سے وہ روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں۔'' [طبقات ابن سعد(۳/ ۱۸٤)]

پس درایں صورت امتناع اجماع کا جواب کئی وجوہ سے دیا جاسکتا ہے:

پہلی وجہ: ......جن لوگوں کا رافضی مصنف نے ذکر کیا ہے' ان میں سے سوائے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کوئی بھی بیعت سے پیچھے نہیں رہا۔ ورنہ باتفاق اہل نقل تمام لوگوں نے بیعت کرلی تھی۔ بنو ہاشم کے ایک گروہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شروع میں یہ لوگ بیعت سے پیچھے رہ گئے تھے مگر چھ ماہ کے بعد ان لوگوں نے بھی بغیر کسی لالچ اور بغیر کسی خوف کے بیعت کرلی۔

❀ وہ خط جس کا ذکر بعض اہل نقل کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام لکھا تھا؛ اہل علم کے ہاں وہ سراسر من

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



گھڑت جھوٹ ہے۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھ کر انہیں اپنے پاس آنے کی دعوت دی تھی۔ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت سے پیچھے رہنے کے متعلق اپنا مؤقف پیش کیا' اور پھر بیعت کر لی۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بیعتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ:

بخاری و مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ مدینہ میں جو مال غنیمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا، نیز خیبر اور فدک کے خُمس میں سے جو مال باقی ہے وہ آپ کی میراث کے طور پر مجھے دے دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' یہ درست ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت بسر اوقات کے لیے اس میں سے کھا سکتے ہیں، اللہ کی قسم! میں صدقہ کی تقسیم میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا، بلکہ اسے اسی حالت پر رہنے دوں گا جس پر وہ عہد رسالت میں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس بات پر عمل کیا جاتا تھا میں اسے کسی قیمت پر ترک نہیں کروں گا، ورنہ اندیشہ ہے کہ میں راہ حق سے منحرف ہو جاؤں گا۔''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس بات سے حقیقت کو پا گئیں؛ اور اس مسئلہ میں گفتگو کرنا چھوڑ دی۔ اور تا وفات پھر دوبارہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں گفتگو نہ کی، آپ کی وفات کے بعد وہ چھ ماہ بقید حیات رہیں۔ جب فوت ہو گئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو راتوں رات دفن کر دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع نہ دی؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود ہی ان کا جنازہ پڑھایا۔

جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بقید حیات تھیں تو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا احترام کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد وہ بات نہ رہی۔ آخر کار آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مصالحت و مبایعت کی سلسلہ جنبانی شروع کی۔ ہنوز آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ آپ تنہا میرے گھر آئیں۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے ہم راہ نہ ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''آپ کا تنہا جانا مناسب نہیں۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرینگے اللہ کی قسم! میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں ضرور جاؤں گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھ کر کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ! ہم آپ کی اللہ داد صلاحیتوں سے آگاہ ہیں اور آپ کی امامت و خلافت پر شک نہیں کرتے۔ مگر آپ نے ہم پر زیادتی کی، ہم قرابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر اپنے آپ کو خلافت کا حق دار قرار دیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مصروف گفتگو رہے۔ یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قرابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھے اپنے رشتہ داروں کی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



نسبت زیادہ پاس ہے۔ جہاں تک ہمارے مابین مالی تنازعات کا تعلق ہے میں نے ان میں حق سے انحراف نہیں کیا، بلکہ نبی کریم ﷺ کو اس ضمن میں جو کچھ کرتے دیکھا وہی کیا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں آج بعد دوپہر آپ کی بیعت کروں گا۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ظہر کی نماز پڑھ کر منبر پر کھڑے ہوئے۔ مسنون خطبہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت و فضیلت اور بیعت نہ کرنے کی وجہ بیان کی۔ اور جو عذر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پیش کیے تھے وہ لوگوں کے سامنے پیش کیے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے استغفار کی' اور ان کے لیے عظمت وفضیلت کی گواہی دی۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ مسنونہ کے بعد تقریر کرتے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ رشک کی وجہ سے میں نے بیعت میں تاخیر نہیں کی تھی۔ نہ میں آپ کے خداداد فضائل کا منکر ہوں۔ بات یہ تھی کہ میں اپنے کو خلافت کا اہل خیال کرتا تھا؛ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت پر فائز ہو گئے تو ہم سمجھے کہ آپ نے ہمارا حق مارا ہے؛ یہ بات ہمارے دلوں میں تھی؛ اس لیے ہم آپ سے ناراض ہو گئے۔ مسلمان یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور انھوں نے کہا:'' آپ نے ٹھیک کیا'' جب آپ نے امر بالمعروف کی طرف رجوع کرلیا تو اس بات سے مسلمان حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قریب تر ہوتے چلے گئے۔ [1]

## ایک یا دو اشخاص کی مخالفت انعقاد خلافت کے لیے مضر نہیں:

اس میں شبہ نہیں کہ امامت کے لیے جو اجماع معتبر ہے اس میں ایک یا دو آدمیوں کا یا کسی چھوٹے گروہ کا تخلف ضرر رساں نہیں ہے اور اگر ایسا ہوتا تو کسی خلیفہ کی امامت وخلافت کبھی منعقد نہ ہوتی۔ امامت ایک امر معین ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی انسان ایسی کسی خواہش کی وجہ سے بھی پیچھے رہ سکتا ہے جس کے بارے میں کسی کو کوئی علم نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بیعت نہ کی تھی۔ اس لیے کہ آپ کی خواہش یہ تھی کہ انصار کے امیر آپ ہوں۔ مگر ایسا نہ ہوسکا؛ تو یہ بات آپ کے دل میں رہ گئی۔ پس جو انسان خواہش نفس کی وجہ سے کوئی چیز چھوڑ دے؛ تو اس کا یہ فعل کوئی مؤثر نہیں ہوتا۔[ بخلاف عام شرعی احکام پر اجماع عام کے؛ جیسے: واجب' حلال وحرام اور مباح وغیرہ کے بارے میں جو اجماع منعقد ہوتا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ آیا ایک یا دو اشخاص کی مخالفت معتبر ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے دو قول منقول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ایک یا دو آدمیوں کی مخالفت معتبر نہیں ہے، محمد بن جریر طبری وغیرہ کا قول بھی یہی ہے۔ امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ احکام میں ایک یا دو شخصوں کی مخالفت معتبر ہے۔ اکثر علماء اسی قول پر ہیں۔

عام شرعی احکام اور امامت کے مابین فرق یہ ہے کہ: شرعی حکم عام ہوتا ہے جو کہ سب کو شامل ہوتا ہے۔ اور شرعی حکم

---

[1] حیح بخاری ، کتاب المغازی۔ باب غزوۃ خیبر (حدیث: ۴۲۴۰ ، ۴۲۴۱)، صحیح مسلم ، کتاب الجهاد۔ باب قول النبی ﷺ " لا نورث ما ترکنا ......" (حدیث: ۱۷۵۹)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



میں کسی چیز کو واجب کہنے والا اسے اپنی ذات پر بھی واجب کرتا ہے اور دوسروں پر بھی۔ اور کسی چیز کو حرام کہنے والا بھی اس چیز کو اپنی ذات پر بھی اور دوسرے لوگوں پر بھی حرام کرتا ہے۔ اس میں تنازع کرنے والے پر کوئی تہمت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کسی واقعہ میں فریق مقابل کے خلاف بطور حجت اگر ایک انسان بھی نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث روایت کر رہا ہو تو اسے قبول کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ حدیث عام ہوتی ہے' جو اس روایت کرنے والے اور دوسرے تمام لوگوں کو شامل ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس حدیث کی بنا پر اگر آج کسی کے حق میں فیصلہ ہو رہا ہے تو کل اسی کی بنا پر اس کے خلاف بھی فیصلہ ہوسکتا ہے۔ بخلاف اس کے کوئی اپنی ذات کے متعلق گواہی دے۔ یہ گواہی قبول نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے کہ یہی فریق مخالف ہے۔ اور فریق مخالف کی گواہی اس کے حق میں قبول نہیں ہوتی۔

پس جب کوئی ایک شخص معلوم شدہ نص کی مخالفت کرے گا تو اس کے قول کو شاذ قرار دیا جائے گا، مثلاً سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا یہ قول کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں، جب وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے تو صرف نکاح کرنے ہی سے وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔''

یہاں پر اس قول کی کوئی اہمیت نہیں؛ اس لیے کہ صحیح احادیث میں رسول اللہ ﷺ سے وارد نصوص اس کے خلاف وارد ہوئی ہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی خواہش یہ تھی کہ انصار میں سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ سے بہت ساری ایسی نصوص منقول ہیں جن کی رو سے امامت قریش میں تسلیم کی گئی ہے۔ اگر اس موقع پر مخالف بھی قریشی ہوتا اور فیصلہ اس کے خلاف ہو جاتا تو پھر ایک شبہ سا باقی رہتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قریش میں سے تھے؛ اور یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے بخوشی و رضامندی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔

دوسری وجہ:...... جس قدر لوگوں کا اختلاف رافضی مصنف نے ذکر کیا ہے' اگر اس سے تین گنا زیادہ لوگوں کا اختلاف بھی اگر فرض کر لیا جائے تو بھی اس سے خلافت کے ثبوت میں قدح وارد نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ خلافت کے مسئلہ میں اہل شوکت اور ان جمہور کا اتفاق شرط ہے جن کی وجہ سے خلافت کا انعقاد ممکن ہوسکتا ہو [انعقاد خلافت کے لیے صرف ارباب حل و عقد اور جمہور کا اتفاق شرط ہے]؛ تاکہ امامت کے مقاصد پورے ہوسکیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جماعت

---

1. معجم کبیر طبرانی (۱۲/ ٤٤٧)، الترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی لزوم الجماعة (ح:۲۱٦٦)، لیکن اس میں ''جماعت سے وابستہ رہیے'' کے الفاظ نہیں ہیں، وہ دوسری روایت (ح:۲۱٦۵) میں ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: ''یہ حدیث غریب ہے۔ ابن عباس سے ہم تک یہ روایت صرف اس ایک سند سے پہنچی ہے۔ اسے البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے (صحیح الجامع الصغیر ٦/ ۳۳٦)۔ سنن نسائی میں کتاب تحریم الدم' باب: قتل من فارق الجماعة میں ہے: ''حضرت عرفجہ بن شریح الاشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میرے بعد بعض برے امور ہوں گے۔ پس جس کو دیکھو کہ وہ جماعت میں تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے؛ یا امت محمد ﷺ میں تفریق پیدا کرنا چاہتا ہے تو اسے قتل کر دو؛ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے؛ اور شیطان جماعت سے علیحدہ ہو کر چھلانگیں لگانے والے کے ساتھ ہوتا ہے۔'' [سنن الترمذی ۳/ ۳۱۵۔]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



سے وابستہ رہیے، اس لیے کہ جماعت پر اللہ کا فضل و احسان ہوتا ہے۔''

نیز ایک روایت میں ہے: ''شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے؛ اور دو سے وہ بہت دور رہنے والا ہوتا ہے۔''❶

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ''بیشک شیطان ایسے انسانوں کے لیے بھیڑیا ہے جیسے بکریوں کے لیے بھیڑیا ہوتا ہے۔ اور بھیڑیا ریوڑ سے بچھڑی ہوئی بکری کو ہی شکار بناتا ہے۔''❷

آپ نے فرمایا: ''سواد اعظم کا دامن نہ چھوڑیے، جو جماعت سے الگ ہوا وہ الگ ہو کر جہنم میں جائے گا۔''☆

تیسری وجہ:...... یہ بھی کہا جائے کہ: یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر امت کا جو اجماع ہوا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر نہیں ہو سکا تھا۔ ایک تہائی بلکہ اس سے کم وبیش لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں شرکت نہیں کی تھی۔ بلکہ انہوں نے آپ سے جنگ کی۔ [بہت سے اکابر نے علیحدگی اختیار کر لی تھی]۔ اور ایک تہائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں ساتھ نہیں دیا۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے آپ کی بیعت ہی نہیں کی۔ اور جن لوگوں نے آپ کی بیعت کی تھی؛ ان میں سے بھی بہت سارے ایسے لوگ تھے جنہوں میں جنگوں میں آپ کا ساتھ نہیں دیا۔ اگر امت کے چند افراد کی عدم شرکت سے کسی شخص کی خلافت میں قدح وارد ہوتی ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت جرح وقدح کی زیادہ مستحق ہوگی۔

اگر یہ کہا جائے کہ: جمہور امت نے آپ سے جنگ نہیں کی۔ یا یہ کہا جائے کہ: اہل شوکت اور جمہور نے آپ کی بیعت کر لی تھی؛ تو اس صورت میں بھی یہی دلیل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتی ہے۔

❀ اگر شیعہ کہیں کہ امامت علی رضی اللہ عنہ نص سے ثابت ہے، لہٰذا اجماع کی ضرورت نہ تھی۔'' تو ہم کہیں گے کہ: ''قبل ازیں ذکر کردہ نصوص سے صراحۃً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلالت کرتی ہیں نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر۔ جیسا کہ اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں اور آگے بھی اس کا ذکر آئے گا [کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اجماعاً آپ کی بیعت کی تھی اور آپ کو خلیفۂ رسول کا لقب بخشا تھا]۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں خلیفہ نہیں تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے اجماع کی ضرورت ہی نہ تھی؛ بلکہ صحیح اور صریح نصوص کی روشنی میں آپ کی خلافت کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ اور اس کے خلاف کا انتفاء ثابت ہوتا ہے۔

چوتھی وجہ:...... ان سے کہا جائے گا کہ: خلافت صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں دو طرح سے گفتگو کی جا سکتی ہے:

---

❶ یہ ایک طویل حدیث کا مختصر حصہ ہے۔ اس میں ہے: ''لوگو! تم پر جماعت کے ساتھ چلنا واجب ہے۔ بلاشبہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے بہت دور ہوتا ہے۔ تم میں سے جو کوئی جنت کی خوشبو پانا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ جماعت کا ساتھ دے۔ جسے بھلائی پر خوشی ہو اور برائی ناگوار گزرے تو وہ انسان مؤمن ہے۔'' سنن الترمذي ؛ كتاب الفتن ؛ باب لزوم الجماعة؛ ۳/ ۳۱۵۔

❷ یہ حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ المسند ۵/ ۲۳۲۔

❸ مستدرك حاكم (۱/ ۱۱۵۔۱۱۶)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



۱۔ پہلا موضوع کلام یہ ہے کہ فی الواقع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے تھے یا نہیں؟

۲۔ دوسرا یہ کہ آپ خلافت کی صلاحیت و اہلیت سے بہرہ ور تھے بھی یا نہیں؟

جہاں تک امر اوّل کا تعلق ہے آپ کا خلیفہ ہونا تواتر اور لوگوں کے اتفاق سے ثابت ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس امت میں نائب رسول تھے؛ آپ خلیفہ بنے۔ آپ نے شرعی حدیں قائم کیں۔ واجب الوصول حقوق وصول کیے۔ کفار و مرتدین کے خلاف جنگ آزما ہوئے، عمال مقرر کیے، مال تقسیم کیا اور امیر و خلیفہ سے متعلق جملہ امور انجام دیے، بلکہ وہ اوّلیں شخص تھے جو اس امت میں مرتبہء امامت پر فائز ہوئے۔

باقی رہا امر دوم یعنی آپ کا مستحق امامت ہونا تو اجماع کے سوا اور بھی کثیر دلائل موجود ہیں۔ شیعہ جس طریقہ سے بھی امامت علی رضی اللہ عنہ کا اثبات کرتے ہیں، ہم اسی طریقہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مستحق امامت ہونا ثابت کرتے ہیں۔ بلکہ یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں سے بڑھ کر خلافت کے حق دار تھے۔ بہرکیف اجماع کی حاجت امر اوّل میں ہے امر دوم میں نہیں۔ تاہم امر ثانی پر بھی اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

## فصل:......[ حجیت اجماع کی بحث ]

**[اعتراض]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''اجماع کسی مسئلہ پر دلالت کرنے میں اصل شرعی کی حیثیت نہیں رکھتا؛ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اجماع کرنے والے اس حکم پر کسی دلیل کو مستند مانیں تا کہ اس پر ان کا اجماع ہو سکے۔ وگرنہ یہ غلطی ہوگی۔ اور یہ دلیل یا تو عقلی ہوگی یا پھر نقلی۔ جہاں تک عقلی دلیل کا تعلق ہے کوئی عقلی دلیل امامت پر دلالت نہیں کرتی۔ باقی رہی نقلی دلیل تو اہل سنت کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی امام مقرر کیے بغیر وفات پائی تھی۔ اور امامت پر کوئی نص نہیں تھی۔ قرآن اس سے خالی ہے۔ بنا بریں اگر اجماع منعقد ہوا بھی ہے تو وہ غلط ہونے کی وجہ سے کسی مسئلہ پر دلالت نہیں کرتا۔''

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: اس کا جواب کئی طرح سے دیا جا سکتا ہے:

**پہلی بات**: شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''جماع کسی مسئلہ پر دلالت کرنے میں اصل شرعی کی حیثیت نہیں رکھتا۔''

**جواب**: ''اگر اس قول سے تمہاری مراد یہ ہے کہ ارباب اجماع کے امیر کی اطاعت بذات خود واجب نہیں ہے، بلکہ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ و رسول کا حکم معلوم ہوتا ہے تو یہ صحیح ہے۔ اس سے ہمارے نظریہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا، اس لیے کہ رسول بھی بذات خود مطاع نہیں، بلکہ آپ کی اطاعت اس لیے ضروری ہے کہ آپ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے، کیوں کہ اسلام میں مُطاع حقیقی صرف اللہ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (الاعراف: ۵۴) ''اور اللہ کے لیے ہی ہے پیدا کرنا اور حکم چلانا۔''

نیز فرمایا: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (الانعام: ۵۷)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''بیشک حکم صرف اللہ کے لیے ہے۔''

اللہ کے علاوہ کسی کا کوئی حکم نہیں چلتا۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اس لیے واجب ہوتی ہے کہ آپ کی اطاعت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے۔ اور کسی چیز پر اجماع کرنے والے اہل ایمان کی اطاعت اس لیے واجب ہوتی ہے کہ حقیقت میں ان کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے ۔ رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننا اس لیے واجب ہے کہ آپ کا حکم حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ ایسے ہی امت کے اجماع کا مسئلہ بھی ہے۔ ان کا حکم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ صحیحین میں نبی کریم ﷺ سے روایت ہے: آپ نے فرمایا:

''جس شخص نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی حکم عدولی کی، اور جس نے میرے امیر کے حکم سے سرتابی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''[1]

بہت ساری احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ امت کبھی بھی گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی ۔ بلکہ جس چیز کا حکم امت دے؛ وہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہوتا ہے۔

امت نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت میں ان کی اطاعت کا حکم دیا؛ تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول نے یہ حکم دیا تھا۔ پس جس نے آپ کی نافرمانی کی ؛ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والا ہے۔

اگر تمہارا (شیعہ کا) مقصد یہ ہے کہ اجماع کبھی حق کے موافق ہوتا ہے اور کبھی مخالف تو یہ حجیت اجماع پر طعن ہے۔ جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ پوری امت خطا پر جمع ہوسکتی ہے جیسا کہ نظام اور بعض روافض کا خیال ہے؛ تو یہ غلط ہے۔☆

اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا امام اور معصوم ہونا؛ اور اس کے علاوہ جو روافض کے اصول ہیں؛ امامیہ نے انہیں اجماع سے ثابت کیا ہے۔ اس لیے کہ ان کے قول کے مطابق ان کی مذہب کی بنیاد اجماع اور عقلیات پر اور ان کی منقولات پر ہے۔ یہی لوگ کہتے ہیں کہ:

''عقل سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے لیے امام معصوم اور منصوص علیہ کا ہونا ضروری ہے۔ اور بالا جماع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ نہ ہی کوئی دوسرا معصوم ہے اور نہ ہی منصوص علیہ ہے۔ تو پھر معصوم صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ہوئے؛ [لہٰذا وہی امام ہوں گے ]۔'' ان کے علاوہ بھی اس طرح کے ان کے مقدماتی دلائل ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری ، کتاب الجهاد، باب يقاتل من وراء الامام و يتقى به، (حدیث: ۲۹۵۷) ، صحیح مسلم۔ کتاب الامارة۔ باب وجوب طاعة الامراء فی غير معصية (حدیث: ۱۸۳۵) باختلاف۔

[2] ہم امامت صدیق رضی اللہ عنہ کے اثبات میں ایسے دعویٰ کے محتاج نہیں ہیں۔ اور ہمیں شرط لگانے کی بھی ضرورت نہیں، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ اجماع سے جو حکم ثابت ہوتا ہے، اس پر دلالت کرنے والی نص موجود ہوتی ہے، اجماع سے صرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ فلاں مسئلہ کے بارے میں نص موجود ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ان سے کہا جائے گا کہ: ''اگر اجماع حجت نہیں تو یہ تمام دلائل باطل ٹھہرے۔ پس ان کے اصول کی بنیاد جس عقیدہ پر کھڑی تھی وہ بھی باطل ٹھہری۔ اوران عقیدہ باطل ٹھہرا اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ثابت ہوگیا۔

اگر اجماع حق ہے؛ تو پھر بھی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ثابت ہوگیا۔ اور روافض کے عقیدہ کا بطلان ثابت ہوگیا بھلے وہ اجماع کو حجت مانیں یا نہ مانیں۔ جب ان کا مذہب باطل ٹھہرا تو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ثابت ہوگیا؛ یہی چیز اصل میں مطلوب ہے۔

اگر روافض یہ کہیں کہ: ''ہم اجماع کا دعوی نہیں کرتے؛ اور نہ ہی اپنے دین کے اصولوں پر اس سے استدلال کرتے ہیں۔ بلکہ ہماری بنیاد عقل اور ائمہ معصومین سے وارد نقل پر ہے۔''

تو ان سے کہا جائے گا کہ: ''اگر آپ لوگ اجماع سے استدلال نہیں کریں گے تو تمہارے پاس نبی کریم ﷺ سے منقول چند سمعی دلائل کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ اس لیے کہ جو چیز روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے ائمہ سے نقل کرتے ہیں وہ اس وقت تک حجت نہیں ہوسکتی جب تک ان ائمہ میں سے کسی ایک کا معصوم ہونا معلوم نہ ہوجائے۔ اور ان میں سے کسی ایک کا معصوم ہونا کسی معصوم کی نقل سے ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ اور یہ معصوم رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ سے ان کے عقیدہ کے مطابق کوئی نقل ثابت ہی نہیں تو پھر ان کے پاس سرے سے کوئی سمعی دلیل باقی ہی نہیں رہتی؛ نہ ہی اصول دین میں اور نہ ہی فروع میں۔ تو اس صورت میں معاملہ پھر اس دعوی کی طرف لوٹے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت نص سے ثابت ہے۔ اگر تم اس نص کو اجماع سے ثابت کروگے تو ایسا کرنا [تمہارے نزدیک] باطل ہے۔ اور اگر تم اسے صرف نقل خاص سے ہی ثابت کرو جیسا کہ تمہارے بعض لوگوں کا عقیدہ ہے؛ تو پھر بھی کئی وجوہات کی بنا پر اس کا باطل ہونا ظاہر ہوجاتا ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ جمہور اور اکثر شیعہ جو اس قول کے خلاف نقل کرتے ہیں وہ یقینی طور پر جھوٹ ہے۔

جو کوئی اس مسئلہ پر غور کرے گا تو اس پر واضح ہوجائے گا کہ امامیہ کے پاس جمہور سے ہٹ کر کوئی دلیل ہی نہیں؛ نہ ہی عقلی دلیل نہ ہی نقلی دلیل۔ اور نہ ہی نص اور اجماع۔ بس ان کی بنیاد ایسی جھوٹی منقولات پر ہے جن کا جھوٹ ہونا ہر ایک کے لیے بالکل واضح ہے۔ یا پھر ایسی نص اور قیاس کا دعوی کرتے ہیں جس کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ ان کے حق میں ایسی نصوص میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔

روافض اور دوسرے تمام اہل بدعت اگرچہ حقیقت میں کسی بھی ایسی صحیح عقلی یا نقلی دلیل کی طرف رجوع نہیں کرتے جس سے ان کی حجت ثابت ہوسکے؛ بلکہ ان لوگوں کے کچھ شبہات ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان لوگوں کے دلائل روافض کے عقلی و سمعی دلائل کی نسبت زیادہ قوی ہیں۔ اور صحیح نصوص میں ان کا شبہ روافض کے شبہ سے زیادہ قوی اور مضبوط ہے۔

مزید برآں تمام اہل بدعت روافض سے بڑھ کر حدیث و آثار کے عالم ہوتے ہیں۔ روافض احادیث و آثار اور احوال نبی کریم ﷺ سے سب سے بڑھ کر جاہل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابوں میں جو جہالت اور جھوٹ کی

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



بھر مار ہے؛ وہ دوسرے تمام اہل بدعت گروہوں کی کتابوں میں نہیں ہے۔ایسے ہی دیگر اہل بدعت کے قیاسات کمزور اور فاسد ہونے کے باوجود رافضہ کے قیاسات سے بہت زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔

مزید برآں ہم کئی مقامات پر تفصیلی دلائل کے ساتھ اجماع کے حجت ہونے کی جانب بھی اشارہ کر چکے ہیں۔اور ہر مقال کے لیے اس کے مناسب مقام ہوتا ہے۔

ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت کرنے کے لیے کسی اجماع کے محتاج نہیں' اور نہ ہی کسی دوسرے خلیفہ کی خلافت ثابت کرنے کے لیے اجماع کے محتاج ہیں۔اور نہ ہی کسی کی امامت کے لیے یہ شرط لگاتے ہیں۔مگر جب رافضی نے تذکرہ کیا ہے کہ اہل سنت والجماعت اجماع پر اعتماد کرتے ہیں تو ہم اس موضوع پر کلام کرنے پر مجبور ہوگئے۔یہاں پر ہم بعض ان امور کی طرف اشارہ کریں جو اجماع کے درست ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

سب سے پہلی بات : ہم کہتے ہیں: کوئی بھی حکم ایسا نہیں ہے جس پر امت جمع ہوئی ہو' مگر اس پر نص ضرور موجود ہوتی ہے۔پس یہ اجماع ائمہ کے ہاں معلوم شدہ نص کے موجود ہونے پر دلیل ہوتی ہے۔ان چیزوں میں سے نہیں ہوتا جن کا علم ختم ہو چکا ہو۔

اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ اجتہاد کی اساس پر اجماع منعقد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ہم اس بات کو جائز کہتے ہیں کہ اجماع کرنے والے بعض لوگ اپنے اجتہاد سے کوئی بات کہیں۔لیکن یہ نص اجماع کرنے والے مجتہدین پر مخفی نہیں رہ سکتی۔کوئی بھی حکم ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں اجماع کا علم ہو' مگر اس بات کا علم بھی ساتھ ہی ہوتا ہے کہ اس بارے میں نص بھی موجود ہے۔سو اس صورت میں اجماع نص کے وجود پر دلیل ہوتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ (النساء:۱۱۵)

''جو شخص بھی ظہور ہدایت کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا،اور مومنین کی راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ پر چلے گا تو جدھر کو وہ مڑے گا ہم اس کو اسی طرف موڑ دیں گے۔''

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے وعید کو رسول کی نافرمانی اور غیر سبیل المؤمنین کی اتباع کے ساتھ معلق کیا ہے۔حالانکہ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہی وعید کو واجب کر دیتی ہے۔لیکن یہ دونوں چیزیں متلازم ہیں۔اسی لیے وعید کو ان دونوں باتوں کے ساتھ معلق کیا گیا ہے۔جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول کی معصیت کو ایک دوسرے کے ساتھ معلق کیا جاتا ہے؛ اس لیے کہ یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کو متلازم ہیں۔

خلافت صدیقی بھی اسی قبیل سے ہے؟ اس کے بارے میں بہت ساری نصوص موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی امامت و خلافت مبنی برحق وصواب تھی۔اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں۔اختلاف کا مبنیٰ یہ ہے کہ آیا خلافت کا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



انعقاد نص خاص کی بنا پر ہوا ہے- جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت- یا اجماع واختیار کی اساس پر؟

جب کہ دلالۃ النص کی روشنی میں آپ کی خلافت حق اور صواب ہے۔ علماء اہل سنت میں سے کسی ایک نے بھی اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔ ہر ایک آپ کی خلافت کی صحت پر نصوص سے استدلال کرتا ہے۔ جب ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ جس چیز پر اجماع منعقد ہو وہ منصوص علیہ ہوتی ہے ۔تو یہی اجماع کا ذکر ہے۔ اس لیے کہ اجماع نص پر دلیل ہے۔ جو اس سے کبھی بھی جدا نہیں ہوسکتا۔ [ہمارا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ نص واجماع باہم لازم ملزوم ہے]۔

ہم یہاں پر کچھ دلائل ذکر کریں گے جن سے مطلق طور پر اجماع پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اور ان سے وہ لوگ بھی استدلال کرتے ہیں جو کہتے ہیں: ''بسا اوقات اجماع کے ساتھ نص نہیں ہوتی۔'' اسکی دلیل یہ آیت ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾(آل عمران: ۱۱۰)

''تم بہترین جماعت ہو، جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔''

اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ ہر معروف بات کا حکم دیتے ہوں' اور ہر منکر بات سے منع کرتے ہوں۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب کردہ کو واجب سمجھنا اور حرام کردہ کو حرام سمجھنا ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ امت پر واجب ہے کہ ہر اس حکم کو واجب سمجھیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے واجب ٹھہرایا ہو۔ اور ہر اس چیز کو حرام سمجھیں جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہو۔ اس صورت میں یہ بات ممتنع ہوجاتی ہے کہ وہ کسی حرام کو واجب قرار دیں یا پھر کسی واجب کو حرام ٹھہرائیں۔ اس لیے کہ ان لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ حق بات بیان کریں اور خاموش نہ رہیں۔ پھر حق کے بیان سے خاموش رہنا اور اس کی نقیض باطل کی تائید میں بولنا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگ برائی کا حکم دینے والے اور نیکی سے منع کرنے والے ہوتے جو کہ نص صریح کے خلاف ہے۔

نظر بر ایں اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت حرام و منکر ہوتی تو اس سے لوگوں کو باز رکھنا امت پر واجب اور اس سے خاموش رہنا ناروا ہوتا اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت واجب ہوتی تو یہ ایک بڑی نیکی تھی، جس کا حکم دینا نہایت ضروری تھا۔ جب ایسا ہوا نہیں تو معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت اس وقت نہ ہی معروف تھی؛ نہ ہی واجب اور نہ ہی مستحب۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں کوئی برائی نہیں تھی۔ یہی چیز ثابت کرنا یہاں پر مطلوب و مقصود ہے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (التوبہ: ۷۱)

''مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ہم درد ہیں وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔''

اس سے استدلال پہلے گزر چکا ہے۔

نیز فرمایا:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (البقرة:۱۴۳)

’’اسی طرح ہم نے تم کو ایک امت وسط بنایا تا کہ تم دوسروں پر نگاہ رکھو۔‘‘

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ [الحج۷۸]

’’اسی نے تمھارا نام مسلمین رکھا، اس سے پہلے اور اس (کتاب) میں بھی، تا کہ رسول تم پر شہادت دینے والا بنے اور تم لوگوں پر شہادت دینے والے بنو۔‘‘

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کو شاہد کا درجہ دیا گیا ہے تو ان کو یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کس بات کی شہادت دیں گے۔ اور وہ اپنی اس شہادت و گواہی میں عدل و انصاف سے کام لینے والے ہوں۔ اگر یہ امت اللہ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام اور محرمات کو حلال قرار دینے والی ہوتی؛ اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے معاف رکھا ہے' اسے واجب کرنے والی ہوتی؛ اور اس کے واجبات کو ساقط کرنے والی ہوتی تو اس کو شاہد نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ اسی طرح اگر اس امت کے افراد قابل مدح اشخاص کی مذمت کرتے اور مذموم اشخاص کی مدح میں رطب اللسان ہوتے تب بھی وہ اس منصب پر فائز نہیں کیے جا سکتے تھے۔ بنا بریں جب یہ امت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استحقاق خلافت کی گواہی دے تو اس کا اس گواہی میں صادق ہونا؛ اور جس چیز کی گواہی دے رہے ہیں اس کا عالم ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب یہ بالاتفاق کسی کے نیک یا بد ہونے کی شہادت دیں؛ یا کسی کے ایسے فعل کی گواہی دیں جس پر وہ ثواب کا مستحق ہو' اور دوسرے کسی کے متعلق ایسے فعل کی گواہی دینا جس پر وہ عقاب کا مستحق ہو' تو ان کی یہ گواہی قبول کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ لوگوں پر گواہی دینا ان کے ممدوح یا مذموم افعال کو شامل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کسی کے بارے میں یہ گواہی دینا کہ فلاں فرمانبردار ہے اور فلاں نافرمان ہے؛ یہ ان کے افعال اور افعال کے احکام اور ان کی صفات کو متضمن ہوتی ہے اور یہی مطلوب ہے۔

صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

’’بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس جنازے والے کی تعریف بیان کی گئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ پھر ایک اور جنازہ گزرا تو اس کی برائی بیان کی گئی، تو آپ نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ لوگوں نے پوچھا کہ: یارسول اللہ! کیا چیز واجب ہوگئی؟ تو آپ نے فرمایا: ’’جس جنازہ پر تم نے خیر کے الفاظ کہے؛ اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ اور جس جنازہ پر برے الفاظ کہے' اس کے لیے جہنم واجب ہوگئی۔ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔‘‘ [متفق علیه و رواه الترمذي و النسائی و ابن ماجة]۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com



مَا تَوَلّٰی﴾ (نساء:۱۱۵)

''جو شخص بھی ظہور ہدایت کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا، اور مومنین کی راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ پر چلے گا تو جدھر کو وہ مڑے گا ہم اس کو اسی طرف موڑ دیں گے۔''

اس آیت میں مخالفت رسول اور مومنین کی راہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں پر چلنے کی ممانعت کی گئی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں مذموم ہیں۔ اس لیے کہ صرف رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی بالاجماع مذموم ہے۔ جب اس امت کے لوگ کسی چیز کی حلت یا حرمت پر متفق ہوں اور کوئی شخص ان کی مخالفت کرے تو اس نے مومنین کے سوا دوسروں کی راہ اختیار کی۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ۝ یُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا﴾

''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ کرے گا وہ سخت گناہ کو ملے گا۔ اس کے لیے قیامت کے دن عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل کیا ہوا رہے گا۔'' [الفرقان ۶۸۔۶۹]

اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک خصلت از روئے شریعت مذموم ہے۔

پس دریں صورت جب مومنین کسی چیز کو واجب قرار دیں اور کچھ چیزوں کو حرام ٹھہرائیں اور کوئی مخالفت کرنے والا ان کی مخالفت کرے؛ اور کہے کہ: جس چیز کو انہوں نے واجب قرار دیا ہے وہ واجب نہیں ہے اور جس چیز کو حرام ٹھہرایا ہے وہ حرام نہیں ہے؛ تو یقیناً اس صورت میں وہ اہل ایمان کے راستے کو چھوڑ کر غیر کی راہ پر چلتا ہے۔ اس لیے کہ اہل ایمان کی راہ سے مراد ان کے اعتقادات اور افعال ہیں۔ جب یہی بات ہے تو ان کی مخالفت مذموم ٹھہری۔ اگر ان اہل ایمان کی راہ حق اور صواب نہ ہوتی تو ان کی مخالفت کرنے والے کی مذمت نہ کی جاتی۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ [النساء ۵۹]

''فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول اللہ ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز پر اختلاف کرو تو اسے لوٹا، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول ﷺ کی طرف۔''

یہاں پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنے کے حکم کو تنازع کے ساتھ معلق کیا گیا ہے۔ حکم شرط کے ساتھ معلق ہوتا ہے۔ جب شرط نہ پائی جائے تو حکم نہیں پایا جاتا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ عدم تنازع کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنا واجب نہیں ہوتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا اجماع حق اور صواب ہے۔ اس

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



لیے کہ اگر اجماع باطل اور خطاء ہوتا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رد کرنے کا وجوب ساقط نہ ہوتا' اس لیے کہ اہل اجماع کا حکم جو باطل اور غلط ٹھہرا۔اور اس لیے بھی کہ ان کے اجماع اور نزاع کسی بھی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم حق ہے۔ جب اجماع کی صورت میں واجب باقی نہ رہا تو معلوم ہوا کہ اجماع اس حق کے موافق تھا مخالف نہیں تھا۔ جب اجماع سے استدلال کرنے والا حقیقت میں نصوص شریعت کا پیروکار ہوتا ہے تو اسے کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔

مزید برآں کہ فرمان الٰہی ہے:﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران:۱۰۳)

''سب مل کر اللہ کی رسی کو تھام لو اور فرقے فرقے نہ بنو۔''

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اجتماعیت کا حکم دیا ہے اور فرقہ بندی سے منع کیا ہے۔ اگر اجتماع کی حالت میں بھی کبھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہوتے اور کبھی نافرمان ہوتے تو پھر اجتماعیت کا حکم دینا جائز نہ ہوتا۔سوائے اس صورت کے کہ جب اطاعت کے کاموں پر اجتماع ہوتا۔اللہ تعالیٰ نے یہاں پر مطلق طور پر حکم دیا ہے۔اگر حالتِ اجتماع میں بھی مسلمانوں کے درمیان کامل اتحاد و یگانگت موجود نہ ہو تو پھر اجتماع و انتشار میں کیا فرق ہوا؟اس لیے کہ اگر افتراق کی صورت میں اطاعت تو یہ مامور بہ ہوجاتا ہے۔مثال کے طور پر لوگوں کی دو اقسام ہوں۔ ایک قسم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزار ہو اور دوسری قسم نافرمان۔تو اس صورت میں واجب ہوتا ہے کہ اطاعت گزاروں کا ساتھ دیا جائے۔ اگرچہ اس میں افتراق ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔پس جب اللہ تعالیٰ نے اجتماعیت کا حکم دیا ہے تو دلیل ہے کہ اجتماعیت اطاعت الٰہی کو مستلزم ہے۔

مزید برآں قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (المائدۃ:۵۵)

''اللہ تعالیٰ، اس کا رسول اور اہل ایمان تمہارے دوست ہیں۔''

اس آیت میں مومنین کی دوستی کو اللہ ورسول کی دوستی کی طرح قرار دیا گیا ہے۔اللہ اور اس کے رسول کی دوستی ان کی اطاعت کیے بغیر ممکن نہیں رہتی۔ایسے ہی اہل ایمان کی دوستی اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک ان کی اطاعت نہ کرلی جائے۔اور ایسا کرنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ان کا آپس میں اتفاق و اتحاد ہو۔اس لیے کہ اگر ان میں سے بعض ایک چیز کا حکم دیں' اور بعض دوسرے اس کے خلاف دوسری چیز کا حکم دیں؛ تو اس صورت میں ایک گروہ کی اطاعت دوسرے گروہ کی اطاعت سے زیادہ اولیٰ نہیں ہوسکتی۔اس اختلاف کی صورت میں اطاعت گزاری یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔

مزید برآں یہ کہ نبی کریم ﷺ سے کئی احادیث مبارکہ میں جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے اور اجماعیت اختیار کرنے کا حکم ثابت ہے اور ایسا کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔اور ان سے جدا ہونے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اور یہ خبر وارد ہوئی ہے کہ: خیر و رحمت اور ہدایت جماعت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو ضلالت پر جمع نہیں ہونے دے گا؛ اور اس امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا؛ ان کی مخالفت کرنے اور انہیں ذلیل کرنے کی کوشش کرنے والا انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس دین میں ایسے لوگوں کو پیدا کرتا رہے گا جو اس کی اطاعت کے کام کرتے رہیں گے۔ اور یہ کہ اس امت کے بہترین لوگ قرن اول کے لوگ تھے۔ پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی بھی گمراہ پر جمع نہیں کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔''[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے مسلمانوں کی جماعت کی ایک بالشت بھر بھی مخالفت کی؛ اس نے اپنی گردن سے اسلام کا طوق اتار پھینکا۔''[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے مسلمانوں کی جماعت کی ایک بالشت بھر بھی مخالفت کی؛ اس نے اپنی گردن سے اسلام کا طوق اتار پھینکا؛ یہاں تک کہ وہ اس سے رجوع کرلے۔ اور جو انسان اس حالت میں مرا کہ اس پر کوئی امام نہ ہو' وہ جاہلیت کی موت مرا۔''[3]

حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھی تم لوگوں کو پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے: ۱۔ بات سننا۔ ۲۔ اطاعت کرنا۔ ۳۔ جہاد کرنا ۴۔ ہجرت کرنا۔ ۵۔ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ منسلک رہنا۔ اس لیے کہ جو جماعت سے ایک بالشت کے برابر بھی الگ ہوا اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی نکال دی مگر یہ کہ وہ دوبارہ جماعت سے مل جائے۔''[4]

---

[1] سنن الترمذي ۳/ ۳۱۵۔ ورواہ الهيثمي في مجمع الزوائد ۵/ ۲۱۸۔ اس روایت کے الفاظ یوں ہیں:''لن تجتمع أمتي على ضلالة ؛فعليكم بالجماعة فإن يدالله على الجماعة۔'' اس طبرانی نے دوسندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور کہا: ان میں سے ایک سند کے راوی ثقہ ہیں' اور سند صحیح ہے۔ امام حاکم نے مستدرک میں ۱/ ۱۱۶ میں دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دوسری سند میں ابراہیم بن میمون عدنی ہے۔ اسے امام عبدالرزاق صنعانی نے عادل کہتے ہوئے اس کی تعریف کی ہے۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں: ابراہیم بن میمون کو عبدالرزاق نے عادل ہے اور ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔

[2] مستدرك الحاكم ۱/ ۱۱۷۔ دوسندوں کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔ ایک سند صحیح اور بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔

[3] مستدرك الحاكم ۱/ ۱۱۷۔ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔

[4] سنن الترمذي ٤/ ۲۲۵؛ كتاب الأمثال 'باب ما جاء مثل الصلاة و الصيام والصدقة۔ قال الترمذي: حسن صحيح غريب۔ وصححه الألباني في ''صحيح الجامع الصغير ۲/ ۹۷۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو جماعت سے ایک بالشت کے لیے بھی علیحدہ ہوا وہ جہنم میں جائے گا۔'' ❶

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے امت سے علیحدگی اختیار کی؛ یا پھر وہ ہجرت کے بعد دوبارہ بادیہ نشین ہوگیا تو قیامت والے دن اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی۔'' ❷

حضرت ربعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں ان راتوں میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا جب لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔تو آپ نے فرمایا: میں نے سنا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

''جس انسان نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی' یا پھر امارت کو تبدیل کیا؛ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی۔'' ❸

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جائے گا: ایک وہ آدمی جس نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی اور اپنے امام کی نافرمانی کی؛ اور اسی نافرمانی کی حالت میں اس کی موت آئی......'' ❹

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک فرض نماز دوسری فرض نماز تک درمیانی عرصہ کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔جمعہ سے جمعہ تک درمیانی وقت کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔اور ایسے ہی ایک رمضان دوسرے رمضان تک ۔ درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔''......

اس کے بعد فرمایا......:''سوائے تین چیزوں کے۔''تو مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ کوئی نئی بات ہے۔''

تو آپ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا؛ اور خریداری کو توڑنا؛ سنت کو ترک کرنا۔اور یہ کہ کوئی آدمی قسم پر کسی کی بیعت کرے اور پھر اس کی مخالفت کرے اور اپنی تلوار سے اس سے لڑائی کرے۔سنت ترک کرنے سے مراد جماعت سے خارج ہونا ہے۔'' ❺

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا:

---

❶ مستدرك الحاكم ١/ ١١٨۔ ولم يعلق عليه الذهبي۔

❷ مستدرك الحاكم ١/ ١١٨۔ ولم يعلق عليه الذهبي۔

❸ مستدرك الحاكم ١/ ١١٩۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔اور ابن قطان سے دوسرے بھی بہت سارے لوگوں نے روایت کیا ہے۔نیز دیکھیں: مجمع الزوائد ٥/ ٢٢٢۔

❹ مستدرك الحاكم ١/ ١١٨۔قال الحاكم: صحيح على شرط الشيخين؛ ووافقه الذهبي۔

❺ مستدرك الحاكم ١/ ١١٩۔ صححه الحاكم وقال: على شرط الشيخين ۔و وافقه الذهبي۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



’’اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی اور سے یاد کیا یہاں تک کہ اسے آگے دوسروں تک پہنچایا۔ پس بہت سے فقہ کے حامل ایسے ہیں جو اس کو زیادہ فقیہ لوگوں تک پہنچا دیں گے۔‘‘اور تین باتیں ایسی ہیں جن پر مؤمن کا دل کبھی بھی بخل نہیں کرتا۔ ا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص عمل۔ ۲۔ حکام کی خیر خواہی۔ ۳۔ اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لزوم۔‘‘

یہ حدیث امام حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے؛ اور کہا ہے: شیخین کی شرائط پر صحیح ہے۔ [1]

ان [آیات و احادیث مبارکہ ] کا تقاضا ہے کہ امت کا اجماع صرف حق و صواب اور ہدایت پر ہی ہو۔ اس کے سب سے زیادہ حق دار صحابہ ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرنا ایک جائز اقدام تھا۔

مزید برآں سلف صالحین اس انسان پر بہت سخت انکار کرتے تھے جو اجماع کی مخالفت کرتا۔ اور ایسے انسان کو گمراہوں میں سے شمار کیا کرتے تھے۔ اگر یہ بات ان کے ہاں مشہور ہوتی تو وہ اس کا انکار نہ کرتے۔ اس لیے کہ وہ اسی چیز کا انکار کرتے تھے جس کے [غلط ہونے کے ] بارے میں انہیں دوٹوک طور پر معلومات ہوتی تھیں۔ اور کسی کو یہ اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اجماع کے خلاف کوئی بات کرے۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سلف صالحین کے ہاں اجماع کو قطعی حجت سمجھا جاتا تھا۔

عقول کے مدارک مختلف ہوتے ہیں۔ کسی چیز کے قطعی ہونے پر ان کا اتفاق تواطی اور شعور کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ وگرنہ قطعی ہونا واجب نہ ہوتا۔ اور اگر کوئی ایسی چیز نہ ہوتی جو قطعیت کا فائدہ دیتی ؛ یا ظنیت کا ہی فائدہ دیتی ؛ تو بہت سارے گروہ اپنی ہمتوں اور طبائع کے اختلاف و افتراق کے باوجود کسی ایسی چیز کو ہرگز قطعی نہ کہتے جو کہ قطعی نہ ہوتی۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں پاس ایسے قطعی دلائل موجود تھے جو کہ اجماع کی حجیت کو واجب کرتے تھے جس کی اتباع واجب ہو جاتی ہے اور مخالفت حرام ٹھہرتی ہے۔

مزید برآں کہ شیعہ اور اہل سنت والجماعت دونوں کا اتفاق ہے کہ: اگر علی رضی اللہ عنہ بھی ان تینوں کے ساتھ ہوں تو ان کا اجماع حجت ہو جاتا ہے۔ یہ جائز نہیں ہے کہ ایسا صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معصوم ہونے کی وجہ سے ہو۔ اس لیے کہ خود کسی کی عصمت اجماع کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس باب میں ان کی بنیاد ہی دوسروں سے عصمت کی نفی ہے۔ اس لیے کہ نص اور معقول میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے غیر کی عصمت کی نفی کی جا سکتی ہو۔

اس سے روافض کا تناقض واضح ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنے دین کی اصل بنیاد ہی اجماع پر رکھی تھی؛ اور پھر خود ہی اس کے خلاف کرنے لگے۔ اور یہ بات بھول گئے کہ اجماع پر قدح کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت پر قدح

---

[1] سنن ابوداؤد: کتاب العلم، باب: فضل نشر العلم؛ ح 268۔ سنن الترمذي کتاب العلم باب ماجاء في الحث علی التبلیغ والسماع ٤/ ١٤١۔ وقال: حدیث حسن صحیح۔ وصححه الألباني في صحیح الجامع الصغیر ٦/ ٣٠۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کرنے کے مترادف ہے۔ پھر ان کے پاس کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی جس کا سہارا لے سکیں۔ ان کا یہی حال ان کے ان اقوال وعقائد میں ہے جن میں یہ لوگ باقی امت سے منفرد ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ لوگ آخری سرے کو لے لیتے ہیں جس کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔'' یعنی اصول کو چھوڑ دیتے ہیں اور فروع کو لے لیتے ہیں۔

اگر ان لوگوں کے ہاں اجماع حجت نہیں ہے تو پھر عصمت ہی ثابت نہیں ہوتی۔ اور اگر اجماع حجت ہے تو پھر معصوم کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تو ثابت ہوا کہ ہر دو صورتوں میں یہ جائز نہیں ہے کہ ان لوگوں کا قول صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے حجت ہو۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اجماع حجت ہو۔ وگرنہ اس سے شیعہ اور سنہ ہر دو کے قول کا بطلان لازم آئے گا۔

## [اجماع پر شیعہ کے اعتراضات]:

**[اعتراض]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''اجماع میں سب لوگوں کا قول معتبر ہوتا ہے اور یہ بات موجود نہ تھی۔ بلکہ نہ ہی اہل مدینہ یا ان میں سے بعض لوگوں کا کوئی اجماع تھا۔ اور یقیناً اکثر لوگ قتل عثمان پر متفق تھے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]**: ہم قبل ازیں اس کا جواب دے چکے ہیں، ہم نے بیان کیا تھا کہ ارباب حل وعقد کے اجماع میں چند افراد کے شرکت نہ کرنے سے کچھ حرج واقع نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس میں اہل شوکت اور ارباب حل وعقد کی موافقت درکار ہوتی ہے۔ تاکہ امام مقاصد امامت کی تنفیذ پر قادر ہو سکے۔ بھلے سردار طبقہ کے اہل حل وعقد لوگ چند ایک ہی کیوں نہ ہوں؛ اور باقی لوگ ان کے موافق ہوں۔ ان کے بیعت کر لینے سے امامت منعقد ہو جائے گی۔ یہی وہ درست بات ہے جس پر اہل سنت والجماعت کاربند ہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ کا مذہب ہے۔ جب کہ اہل قدر میں سے ہر ایک نے اس کی تعداد متعین کی ہے؛ یہ سب باطل باتیں ہیں۔

اگر اس سے مراد اولویت کے استحقاق پر اجماع ہو تو اس وقت یا تو تمام لوگ معتبر ہوتے ہیں یا پھر ان میں سے جمہور کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ یہ تینوں باتیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پائی جاتی تھیں۔

❀ یہ بات غلط ہے کہ اکثر لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ بخلاف ازیں آپ کو قتل کرنے پر باغیوں کی ایک چھوٹی اور ظالم جماعت متفق تھی۔ جن کا تعداد کل امت کا ہزارواں حصہ بھی نہیں بنتی تھی۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اکثر لشکر' اور آپ سے جنگ کرنے والے' اور جنگ سے بیٹھ جانے والے لوگ قاتلین عثمان میں سے نہیں تھے۔ یہ چند ایک وہ لوگ تھے جو بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔

خلافت عثمان میں امت اسلامیہ کی تعداد کئی لاکھ تھی۔ جب کہ آپ کو قتل کرنے والوں کی تعداد ایک ہزار بھی نہیں پہنچتی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''خدا قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ پر لعنت کرے، وہ چوروں کی طرح بستی کی پچھلی جانب سے داخل ہوئے۔ اللہ ان کو

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہر طرح سے غارت کرے؛ ان میں سے وہی لوگ بھاگنے میں کامیاب ہوئے جو راتوں رات بھاگ گئے تھے۔''

## فصل :......[غلطی کا احتمال اور اجماع]

**[اعتراض]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''جب غلطی کا صدور امت کے ہر شخص سے ممکن ہے تو اجماع میں کذب کے احتمال سے کون سی چیز مانع ہے؟''

**[جواب]** : ہم کہتے ہیں کہ: جب اجماع منعقد ہو جائے تو اس سے وہ فوائد حاصل ہوتے ہیں جو [خبر] احاد سے نہیں ہوتے۔ بنابریں فرد واحد کو اجماع کا درجہ دینا بھی جائز نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اخبار احاد میں خبر دینے والے سے خطا و کذب کا صدور ممکن ہے، مگر جب وہ تواتر کی حد کو پہنچ جائیں تو یہ احتمال باقی نہیں رہتا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ جتنے لقمے کھائے جاتے ہیں یا گھونٹ پیے جاتے ہیں، ان میں سے کسی ایک لقمہ یا ایک گھونٹ سے کبھی سیری حاصل نہیں ہوتی۔ مگر ان کے مجموعہ سے آدمی سیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تنہا ایک آدمی دشمن کے مقابلہ سے قاصر ہوتا ہے، جب چند افراد جمع ہو جائیں تو وہ آسانی سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کثرت تعداد قوت و علم میں زیادتی کی موجب ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ایک یا دو تو بعض اوقات حساب میں غلطی کر سکتے ہیں؛ مگر جب یہی تعداد کثرت کو پہنچ جاتے ہی تو وہ احتمال ممتنع ہو جاتا ہے جو کہ انفرادی حالت میں ممکن تھا۔ ہم یہ بات اضطراری طور پر جانتے ہیں کہ دو کا علم ان میں سے کسی ایک کے انفرادی علم سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور دو کی قوت ایک کی انفرادی قوت سے زیادہ ہوتی ہے۔ انفرادی حالت سے یہ لازم نہیں آتا کہ خطاء کا وقوع ہو اور یہی حال کثرت عدد کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى﴾ (البقرۃ: ۲۸۲)

''اس لیے کہ اگر ایک عورت بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی۔''

حساب میں لوگوں میں سے کوئی ایک کبھی خطاء کر سکتا ہے؛ مگر جماعت سے خطاء نہیں۔ مثلاً چاند کو ہی لیجیے۔ ایک انسان یہ گمان کر سکتا ہے کہ یہ چاند ہے، مگر حقیقت میں وہ ایسا ہوتا نہیں۔ جب کہ کثیر تعداد لوگوں سے ایسی غلطی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ہم جانتے ہیں کہ جب مسلمان کسی چیز پر جمع ہو جائیں اور ان کی تعداد بھی بڑھ جائے تو اس صورت میں ظلم و فواحش کے اسباب و دواعی کم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اجتماع کی حالت میں یہ لوگ کبھی بھی خلاف شریعت اسلام امور پر جمع نہیں ہو سکتے؛ جیسا کہ ایک یا دو آدمی کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اجتماع اور تمدن کا عادلانہ قانون کے بغیر کوئی امکان نہیں ہوتا۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی شہر کے رہنے والوں کا مطلق طور پر ایک دوسرے پر ظلم کرنے پر اجتماع و اتفاق ہو جائے۔ ایسا کرنے میں تو ان کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ بلکہ حقیقت واقع میں ہم دیکھتے ہیں اگر کوئی امیر اپنی رعیت میں سے کسی پر

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ظلم کرتا ہے تو اس کے بعض ساتھی ایسے ہوتے ہیں جو کسی پر ظلم نہیں کرتے۔اور جس چیز پر وہ تمام برابر متفق ہیں؛ اس میں کسی پر کوئی ظلم نہیں ہے۔اور یہ بھی معلوم شدہ ہے کہ کبھی بعض افراد اجماع کے حکم کی مخالفت بھی کرتے ہیں ؛ بھلے یہ اجماع اعیان کا ہو یا اعراض کا۔

اس کی مثال یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ: یہ ایک بدیہی بات ہے کہ انسان ایک تیر کو بآسانی توڑ سکتا ہے، مگر بہت سے تیروں کو توڑنا مشکل ہے۔ایسے ہی ایک انسان پر دشمن غالب آ سکتا ہے' اور اسے پسپا کرسکتا ہے؛ مگر جب ان کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے تو پھر ایسا کرنا ممکن نہیں رہتا۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ:''اگر اجماع میں خطا کا امکان ہوتا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصمت ثابت نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے کہ [شیعہ کے نزدیک] عصمت علی رضی اللہ عنہ کا اثبات بھی اجماع کا رہین منت ہے۔اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے لوگ معصوم نہیں ہیں۔جب یہ جائز ہوگا کہ اجماع سے غلطی ہوسکتی ہے؛ تو پھر اس بات کا بھی امکان رہتا ہے کہ: اس امت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کچھ دوسرے لوگ بھی معصوم ہوں۔تو اس صورت میں یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ معصوم صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

اس سے واضح ہو گیا کہ: اگر شیعہ اجماع پر معترض ہوں گے تو امام کے معصوم ہونے کی جس بنیاد پر ان کا اعتماد ہے' وہ باطل ٹھہرے گی۔اور جب عصمت کے متعلق ان کا ایک مذہبی قاعدہ ہی سرے سے باطل ٹھہرے گا تو رافضی مذہب کی پوری عمارت ہی دھڑام سے گر پڑے گی۔[اور اگر اسے حجت قرار دیں گے تو اصحاب ثلاثہ کی خلافت پر منعقد شدہ اجماع کو تسلیم کرنا پڑے گا]۔تو واضح ہو گیا کہ اجماع پر قدح کرنے سے ان کے مذہب کے اصول ہی باطل ثابت ہوتے ہیں۔اور اگر اجماع کو حجت تسلیم کرتے ہیں تو پھر بھی ان کا مذہب باطل ثابت ہوتا ہے۔پس ہر دو صورتوں میں ان کے مذہب کا باطل ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

## فصل:...... [خلافِ علی رضی اللہ عنہ اجماع]

**[اعتراض]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے:''ہم وہ نصوص ذکر کر چکے ہیں جن سے امامت علی رضی اللہ عنہ کا اثبات ہوتا ہے، لہٰذا اس کے خلاف جو اجماع بھی انعقاد پذیر ہوگا وہ غلط ہوگا۔اس لیے کہ اہل سنت کے نزدیک بھی نص کے خلاف منعقد ہونے والا اجماع غلط ہوتا ہے۔'' [انتہیٰ کلام الرافضی]

**[جواب]**:اس کا جواب کئی نکات پر مشتمل ہے:

اول:...... یہ ہے کہ ہم قبل ازیں خلفاء ثلاثہ سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے اثبات میں شیعہ کے دلائل کا ابطال کر کے اس کے خلاف براہین و دلائل قائم کر چکے ہیں۔

دوم:......نصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے خلفاء ثلاثہ کی خلافت پر دلالت کرتی ہیں۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



سوم:......ان سے کہا جائے گا کہ: معلوم شدہ اجماع حجت قطعی ہے سمعی نہیں۔ خصوصاً جب کہ بہت ساری نصوص بھی اس کے موافق ہوں۔ بفرض محال اگر کوئی دلیل خلاف اجماع ہوگی تو وہ باطل ہوگی [یا اس سے مدّعا کا اثبات نہیں ہوگا]۔ اس لیے کہ ایسا یا تو رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا نہیں ہوگا؛ یا اس میں سرے سے کوئی دلیل نہیں ہوگی۔

چہارم:......نص معلوم اور اجماع معلوم کے مابین تعارض ممتنع ہے، اس لیے کہ یہ دونوں حجت قطعی ہیں اور قطعیات میں مدلولات کے وجود کے واجب ہونے کی وجہ سے تعارض جائز نہیں ہے؛ اور اگر ان میں تعارض ہوجائے تو اس سے اجتماع نقیضین لازم آئے گا۔ پس ہر وہ انسان جو ایسے اجماع کا دعوی کرے جو کہ نص شرعی کے خلاف ہو؛ تو اس صورت میں دو میں سے ایک چیز لازم آتی ہے: یا تو اجماع باطل ہوگا۔ یا پھر نص باطل ہوگی۔ اور ہر وہ نص جس کے خلاف امت کا اجماع ہو جائے تو اس کے خلاف ایک ناسخ نص کا علم ہوتا ہے۔

ایسا نہیں ہوسکتا کہ امت میں معلوم شدہ نص بھی موجود ہو اور اس کے خلاف نص بھی موجود ہو۔ یہ بات واقع کے خلاف ہے۔ [یعنی جس نص کی مخالفت پر پوری امت جمع ہو جائے وہ دوسری نص سے منسوخ ہوتی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ امت میں ایک نص معلوم باقی ہو، وہ منسوخ بھی نہ ہو اور اس کے خلاف اجماع منعقد ہو جائے۔] نص معلوم اور اجماع معلوم دونوں ہی خلافت صدیق رضی اللہ عنہ کے اثبات اور غیر کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں۔ جب کہ روافض کی نصوص کے جھوٹ ہونے کو ہم اضطراری طور پر جانتے ہیں؛ اور ان کے جھوٹ ہونے پر بہت سارے دلائل موجود ہیں۔

## شیعہ اور اقتداء شیخین رضی اللہ عنہما:

**[اعتراض]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ''اہل سنت یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرو۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ: ''ہم اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے۔ مزید برآں یہ ان کی امامت و خلافت پر روشنی نہیں ڈالتی۔ اس حدیث میں ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم فقہاء کی بھی اقتداء کرتے ہیں، اس سے ان کا خلیفہ ہونا لازم نہیں آتا۔ علاوہ ازیں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں بہت سارے مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس لیے ان دونوں کی پیروی ممکن ہی نہیں۔ نیز یہ روایت مشہور حدیث 'اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بأیھم اقتدیتم اھتدیتم' کے خلاف ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی امامت کے منتفی ہونے پر اہل سنت کا بھی اجماع ہے۔''

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: اس کا جواب کئی طرح سے دیا جانا ممکن ہے:

پہلی بات: اہل علم محدثین کے اجماع کے مطابق یہ روایت شیعہ کی امامت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق پیش کردہ نص سے بہرحال اقوی ہے۔ کیونکہ یہ روایت محدثین کی قابل اعتماد کتب میں معروف ہے۔ یہ روایت امام احمد نے مسند میں و ابوداؤد نے سنن میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں نقل کی ہے۔ [1]

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب(۱۶/ ۳۵)، (حدیث:۳۶۶۲، ۳۶۶۳)، سنن ابن ماجة۔ المقدمة۔ باب فضل ابیبکر الصدیق رضی اللہ عنہ (حدیث:۹۷)، مسند احمد (۵/ ۳۸۲، ۳۹۹)

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بخلاف ازیں امامت علی رضی اللہ عنہ کے اثبات میں پیش کردہ نصوص محدثین کی کسی بھی قابل اعتماد کتاب میں موجود نہیں ' بلکہ ان سب کا ان روایات کے باطل ہونے پر اجماع ہے۔حتی کہ محدث ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہم نے امامت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی نص نہیں پائی؛ سوائے ایک نص کے' جو کہ ایک مجہول راوی سے پائی ہے، جو دوسرے مجہول راوی سے نقل کرتا ہے، اس کی کنیت ابوالحمراء ہے ہمیں نہیں معلوم کہ اتنی مخلوق میں وہ کون ہے؟''

یہ بات ممتنع ہے کہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کی نص کو تو درست تسلیم کرلیا جائے مگر اس روایت پر قدح کی جائے۔ جہاں تک دلالت کا تعلق ہے تو حجت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں ہے: ''باللذین من بعدي '' جو میرے بعد ہوں گے۔اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آپ کے بعد ہیں؛ اور پھر ان کی اقتداء کرنے کا حکم دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ ظالم و مرتد نہ تھے کیونکہ؛ اگر یہ حضرات ظالم و مرتد ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اقتداء کا حکم نہ دیتے اس لیے کہ ظالم و مرتد دوسروں کا پیشوا نہیں بن سکتا۔اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ (بقرة:٢٤)

''میرے عہد کو ظالم نہ پاسکیں گے۔''

اس سے واضح ہوگیا کہ ظالم امام نہیں بن سکتا؛ اور اس کی اقتداء نہیں کی جاسکتی۔ جب آپ خود ہی اپنے بعد ان دونوں کی اقتداء کرنے کا حکم دے رہے ہیں؛ تو اقتداء کا تقاضا ہے کہ یہ دونوں امام ہوں۔اور اس کے ساتھ ہی یہ خبر بھی دی جارہی ہے کہ یہ دونوں آپ کے بعد ہوں گے۔تو واضح ہوا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ائمہ برحق ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔

❀❀❀❀

شیعہ مصنف کا یہ کہنا کہ: ''حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے مابین بہت سارے مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔''

**جواب**: معاملہ ہرگز ایسے نہیں ہے۔ بلکہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مابین اختلاف شاذ و نادر مسائل ہی میں پایا جاتا ہے۔اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ان میں سے کسی ایک کے پاس ایک مسئلہ میں دو روایتیں ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً اس مسئلہ میں کہ جب میت کا دادا زندہ ہو اور اس کے بھائی بھی بقید حیات ہوں تو ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دو روایتیں تھیں۔ان میں سے ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول کے موافق تھی۔

نیز یہ مسئلہ کہ مال فئے کی تقسیم مساوی طور پر کی جائے گی یا اس میں تفاوت درجات کو ملحوظ رکھا جائے گا [اور کسی ایک کو تفضیل دی جائے گی]۔اس میں کوئی شک نہیں کہ برابر تقسیم کرنا بالکل جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت اور مال فئے تقسیم کیا کرتے تھے۔آپ غنیمت حاصل کرنے والوں اور مستحقین فئے کو برابر دیا کرتے تھے۔اختلاف تفضیل کے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جواز میں ہے۔اس میں فقہاء کے بھی دو قول ہیں۔امام احمد رحمہ اللہ سے بھی دو روایات منقول ہیں۔اور صحیح قول مصلحت کے پیش نظر جواز کا ہے۔اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کبھی کبھار مال غنیمت اور مال فئے کی تقسیم میں ایسا کیا کرتے تھے۔اور شروع کرنے میں سریہ والوں کو فضیلت دیا کرتے تھے۔انہیں خمس کے ربع دیا کرتے۔اور واپسی پر خمس کے بعد ثلث دیا کرتے تھے۔پس اس سلسلہ میں جو کچھ ان دونوں خلفاء نے کیا؛ وہ بالکل جائز تھا۔حالانکہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی آخری عمر میں مساوات کا مسلک اختیار کرلیا تھا۔چنانچہ آپ نے فرمایا تھا:

''اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو میں تمام لوگوں کے لیے ایک ہی دروازہ بنا دوں گا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تفضیل کا مسلک روایت کیا گیا ہے۔جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تسویہ کے قائل تھے۔ایسی چیزوں میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ہاں اگر یہ کہا جائے کہ ایسے لوگوں کو فضیلت دی جو کہ فضیلت کے مستحق ن تھے۔جیسا کہ بعض مواقع کی تقسیم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر انکار کیا گیا ہے۔جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمیں کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی کہ فضیلت کے مسئلہ پر آپ پر کسی نے انکار کیا ہو۔

حضرت خالد بن ولید کے عزل ونصب میں بھی ان کے مابین اختلاف پیدا ہوا تھا۔ان میں سے ہر ایک نے وہی کیا جو اس وقت کے لحاظ سے مناسب تھا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے زیادہ مناسب یہی تھا کہ آپ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ذمہ داری تفویض کریں۔اس لیے کہ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت نرم طبیعت کے مالک تھے۔تو آپ کے نائب کے لیے مناسب تھا کہ وہ نائب عمر رضی اللہ عنہ کی نسب زیادہ طاقتور ہو۔

جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنایا اور ذمہ داری تفویض کرنا زیادہ مناسب تھا۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت خالد ہی زیادہ مناسب تھے۔اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

❀❀❀❀

وہ احکام جن کا تعلق کلیۃً شریعت سے ہے؛ ان میں ان حضرات کا اختلاف نادر بلکہ معدوم ہے۔یا پھر ان میں سے کسی ایک کے پاس ایک مسئلہ میں دو قول ہوتے ہیں۔

نیز ان کو جواب میں یہ بھی کہا جائے گا کہ: اس نص کی روشنی میں ان دونوں حضرات کی اقتداء واجب ہوتی ہے' بھلے وہ کسی چیز میں متفق ہوں یا مختلف۔تو ان دونوں کے مابین ان مسائل کو دیکھا جائے گا جس ان کا اتفاق ہو۔زیر تبصرہ حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جن مسائل میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما متحد الخیال ہوں؛ ان کی پیروی کرو۔

مزید برآں کہ جب ان دونوں کی اقتداء کا تقاضا ہے کہ انہیں امام بنایا جائے۔تو ان کے امام ہونے کی صورت میں ان میں سے ہر ایک کی اطاعت ہی مقصود ومطلوب ہے۔اور ان کی امامت ختم ہو جانے کے بعد ان کی اقتداء اس صورت میں ممکن ہے کہ جب ان کے مابین کسی مسئلہ میں نزاع ہو تو متنازعہ مسئلہ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹایا جائے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



❀❀❀❀

❀ باقی رہی حدیث "اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بأيهم اقتديتم اهتديتم " تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ائمہ حدیث نے اسے ضعیف کہا ہے، اس لیے قابل احتجاج نہیں۔ ❶

امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ۔ اور نہ ہی قابل اعتماد کتب احادیث میں اسے صحت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

نیز اس حدیث میں '' بعدي'' کے الفاظ بھی نہیں ہیں ۔ جب کہ اصل قوت تو اسی لفظ میں ہے۔

نیز یہ کہ اس حدیث میں صحابہ کرام کی اقتداء کا حکم نہیں ہے [ بلکہ ترغیب ہے ] جب کہ مذکورہ بالا حدیث میں اقتداء کا حکم وارد ہوا ہے۔

# فصل :...... [حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سلسلہ اعتراضات ]

## [اوران کے جوابات ]

رافضی مصنف کہتا ہے: تیسری بات : جو آیات قرآنیہ آپ کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں ؛ جیسے:

❀ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:﴿وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى﴾ [ اللیل ۱۷]

❀ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:﴿قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِي بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ [الفتح ۱۶] یہاں پر داعی سے مراد ابوبکر ہیں۔آپ بدر کے موقع پر چھپر میں رسول اللہ ﷺ کے پہرہ دار تھے۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ پر اپنا مال خرچ کیا اوران کی موجودگی میں نمازیں پڑھائیں ۔

❀ جواب میں ہم کہتے ہیں: '' غار کے واقعہ میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔ممکن ہے نبی ﷺ نے اس لیے رفیق سفر بنایا ہو کہ مبادا وہ آپ کے معاملہ کو ظاہر کردے۔

❀ مزید برآں یہ کہ آیت اس کے نقیض پر دلالت کرتی ہے: اس لیے کہ: ''لَا تَحْزَنْ'' کے الفاظ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بے صبری اور اللہ تعالیٰ پر عدم یقین ؛ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مساوات پر عدم رضامندی؛ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر عدم ایمان کو ظاہر کررہے ہیں۔''اس لیے کہ اگر یہ حزن وملال اطاعت گزاری میں تھا تو پھر اس سے رسول اللہ ﷺ کا منع کرنا محال ٹھہرا۔ اور اگر یہ حزن و ملال نافرمانی میں تھا تو پھر جس چیز کی فضیلت ہونے کا دعوی کرتے ہیں وہ رذیلت ٹھہری۔

❀ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ [﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں ''' پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مؤمنین پر اپنا سکون نازل فرمایا'']۔ میں سکینہ نازل کرنے کا ذکر فرمایا تو اس میں وہ

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھیے: سلسلة الاحاديث الضعيفة للشيخ الالبانی رحمه الله (رقم:۵۸)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



واضح طور پر اہل ایمان کو سکون و اطمینان کے مورد میں آپ کا شریک قرار دیا ہے، مگر آیت زیر تبصرہ میں یہ صراحت موجود نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی اور نقص نہیں ہو سکتا۔''

❀ نیز آیت قرآنی ﴿وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰی﴾ ۔ حضرت ابو الدحداح رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے۔ آپ نے اپنے ایک پڑوسی کے لیے ایک کھجور کا درخت خریدا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس انسان کو اس کھجور کے درخت کے بدلہ میں جنت میں ایک درخت کی بشارت سنائی تھی؛ مگر وہ نہ مانا۔ یہ بات حضرت ابودحداح رضی اللہ عنہ نے سن لی تو انہوں نے پورا باغ خرید کر اپنے پڑوسی کو ہبہ کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے عوض جنت میں ایک باغ کی خوشخبری سنائی۔

❀ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ [الفتح ۱۶] مراد یہ ہے کہ: ہم عنقریب ایک قوم کی طرف بلائیں گے۔ یہاں پر مقصود وہ لوگ ہیں جو صلح حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اور یہ لوگ چاہتے تھے کہ غزوہ خیبر کی غنیمت پانے کے لیے آپ کے ساتھ جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ: ﴿قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا﴾ ۔''فرما دیجیے: ''ہر گز ہمارے ساتھ نہ چلیے۔'' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خیبر کے غنائم کو ان لوگوں کے لیے خاص کر دیا تھا جو کہ صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔ پھر فرمایا: ﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ﴾ [الفتح ۱۶] یہاں مراد یہ ہے کہ: ہم تمہیں اس کے بعد ایک ایسی قوم کے ساتھ جنگ کے لیے بلائیں گے جو کہ بہت سخت لڑاکو ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بہت سارے غزوات کی دعوت دی جیسے غزوہ موتہ؛ حنین؛ تبوک وغیرہ۔ تو یہاں پر داعی رسول اللہ ﷺ تھے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ داعی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوں۔ اس لیے کہ آپ نے عہد و پیمان توڑنے والوں' وعدہ کی خلاف ورزی کرنے والوں اور دین اسلام سے نکل جانے والوں سے قتال کیا۔ اور وہ لوگ اسلام قبول کرتے ہوئے آپ کی اطاعت میں داخل ہوئے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''یَا عَلِیُّ حَرْبِیْ حَرْبُكَ''

''اے علی تیری جنگ میری جنگ ہے۔'' اور رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنا کفر ہے۔''

❀ نیز یہ کہ: بدر کے جھونپڑے میں آپ کا انیس و غمخوار ہونے میں فضیلت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے مانوس ہونے کی وجہ سے ہر انیس و غمخوار سے بے نیاز تھے۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ: اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جنگ کرنے کا حکم دیا تو خرابی پیدا ہوگی؛ اس لیے کہ وہ بھاگ جائے گا جیسا کہ اس سے پہلے کئی غزوات میں بھاگ چکا ہے [تو اسے اپنے پاس بلا لیا]۔ اب کون سا عمل افضل ہے؟ وہ جو جہاد کو ترک کر دے یا پھر اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔''

❀ یہ جھوٹ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ پر خرچ کیا کرتے تھے، اس لیے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مال دار نہ تھے۔ اس کا باپ انتہائی درجہ کا قلاش انسان تھا۔ جو کہ عبداللہ بن جدعان کے دستر خوان پر ایک مد یومیہ کے بدلہ آواز لگایا کرتا تھا؛ اور

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اس سے اپنی روزی حاصل کرتا۔ اگر ابو بکر غنی و مالدار ہوتا تو پہلے اپنے باپ کو کفایت کرتا۔لیکن ''ابو بکر رضی اللہ عنہ عہد جاہلیت میں ایک پیشہ ور معلم تھا۔'' اور اسلام میں درزی کا پیشہ اختیار کیا۔ جب آپ لوگوں کے ولی الامر بنے تو انہوں نے آپ کو درزی کا کام کرنے سے روک دیا' تو کہنے لگے: مجھے تو روزی کی ضرورت ہے۔اس پر لوگوں نے آپ کے لیے بیت المال سے تین درہم یومیہ وظیفہ مقرر کیا۔

❀ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کی وجہ سے غنی تھے۔اس وقت جنگ یا لشکر کی تیاری کی ضرورت نہ تھی۔ اور ہجرت کے بعد تو ابو بکر کے پاس بالکل کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوتے تو ان کے بارے میں اسی طرح قرآن نازل ہوتا جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیت ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ اتری تھی۔

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں سے افضل و اشرف ہستی ہیں جن پر امیر المؤمنین نے اپنا مال خرچ کیا۔اور جس مال کے خرچ کرنے کا یہ لوگ دعوی کرتے ہیں تو اس کے بارے میں کوئی قرآنی آیت نازل نہیں ہوئی؛ اس سے ان کے دعوی کا جھوٹ ہونا ثابت ہو گیا۔

❀ ''نماز میں آپ کو امامت کے لیے آگے بڑھانے کی بات غلط ہے۔اس لیے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے اذان دیدی؛ تو عائشہ نے حکم دیا کہ: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امام بنایا جائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ راحت ہوئی تو آپ نے تکبیر کی آواز سنی۔تو آپ نے پوچھا: لوگوں کو نماز کون پڑھا رہا ہے۔کہنے لگے: ابو بکر۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے باہر لے چلو۔'' حضرت عباس اور علی رضی اللہ عنہما کے درمیان چلتے ہوئے باہر نکلے۔'' آپ نے ابو بکر کو قبلہ سے ہٹا دیا۔اور انہیں امامت سے معزول کر کے خود نماز پڑھانے لگے۔''[1]

رافضی [سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے] کہتا ہے: ''ان لوگوں کے دلائل کا یہ حال ہے۔عقل مند کو چاہیے کہ وہ انصاف کی نظر سے دیکھے اور اتباع حق کا قصد کرے۔اتباع ہوی سے باز آئے۔اپنے آباء و اجداد کی تقلید کو ترک کر دے۔

[1] یہاں پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختصار سے کام لیا ہے۔جب کہ ابن مطہر نے اس کے بعد لکھا ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلکی سی نماز پڑھائی' اور پھر منبر پر چڑھے اور مختصر سا خطبہ دیا' اس لیے کہ آپ پر مرض کا غلبہ ہو گیا تھا۔اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قول و فعل میں معافی و تلافی چاہی۔انہیں الوداع کہا اور نصیحت کی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کیساتھ حسن سلوک کرنے کی وصیت کی؛ اور لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ پھر آپ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔اور اپنے بستر مرگ پر دراز ہو گئے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کے لیے ہر طرح کی وصیت کی۔ اور انہیں علوم کی رہنمائی کی۔ اور آپ کے بعد جو کچھ لوگ ان کے ساتھ کریں گے اس پر صبر کرنے کی وصیت کی۔ اور پھر شیوخ اور ان کی مخالفت کا ذکر کیا۔اور فرمایا: ''دیکھنا: جس قدر ہو سکے ان کے مابین ان کا خون بہانے کی کوشش نہ کرنا۔کیونکہ اس سے ان کے مابین فساد زیادہ پھیلے گا۔اور ان کے ساتھ جنگ کرنے سے جھگڑا بڑھے گا۔ اور دین اسلام تنزلی کا شکار ہو گا۔پس تم ان لوگوں کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے مضبوط پناہ گاہ اور فتنوں اور ان کے مابین جھگڑوں سے راہ نجات بن کر رہنا۔اور صرف مسلمانوں کی اصلاح' ایتام؛ بیواؤں کی کفالت اور فرائض و نوافل کی ادائیگی تک محدود ہو کر نہ رہ جانا۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔ پس دنیا انہیں حق کو مستحق تک پہنچانے سے غافل نہ کر دے۔ اور نہ ہی مستحق سے اس کا حق روکے۔ یہ آخری بات ہے جو ثابت کرنا اس مقدمہ میں ہمارا مقصود تھا۔'' [انتہی کلام الرافضی]

## [سلسلہ وار جوابات]

**جواب**: اس سے یہ کہا جائے گا کہ: ''اس کلام میں اتنا زیادہ جھوٹ اور افتراء پردازی ہے اور بہتان تراشی ہے کہ اتنا جھوٹ اسلامی فرقوں میں سے کسی ایک بھی دوسرے فرقہ کے ہاں نہیں پایا جاتا۔ اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ رافضی یہودیوں سے بہت زیادہ قوی مشابہت رکھتے ہیں۔ اور یہودی بہتان تراش قوم ہیں۔ جو چاہتے ہیں کہ اپنے مونہوں سے پھونکیں مار کر اللہ تعالیٰ کے نور کو گل کر دیں' مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اپنے نور کو پورا کرنے کا ہے بھلے یہ بات کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرتی ہو۔

❀ باقی صحابہ کرام پر ائمہ اسلام حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت و عظمت ہر ادنی عقل رکھنے والے انسان پر بھی ظاہر ہے۔ مگر رافضی حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنا چاہتے۔ یہ لوگ ان آیات کے مصداق ہیں:

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ﴾ [الزمر ۳۲]

''پھر اس سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ بولا اور سچ کو جھٹلایا جب وہ اس کے پاس آیا۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ [یونس ۱۷]

''پھر اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر کوئی جھوٹ باندھے، یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ مجرم لوگ فلاح نہیں پاتے۔''

ان کے علاوہ اس طرح کی دوسری آیات بھی ہیں۔

رافضی تمام فرقوں سے زیادہ حق بات کو جھٹلانے والے اور جھوٹ کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ اس باب میں پوری امت میں کوئی دوسرا ان کے برابر نہیں ہوسکتا۔

............[اب سلسلہ وار جوابات دیے جاتے ہیں]............

### [غار کی فضیلت]:

❀ رافضی کا کہنا ہے کہ: ''غار کے واقعہ میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔''

❀ ہم شیعہ مصنف کے اعتراض کے جواب میں کہتے ہیں کہ: ''غار کے واقعہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت نص قرآنی کی روشنی میں واضح ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [التوبة ۴۰]

''جب وہ اپنے ساتھی سے فرمار ہے تھے: گھبرائیے نہیں! بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



یہاں پر رسول اللہ ﷺ خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اور ان کے ساتھی کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا تھا:

﴿اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰی﴾ (طه ٤٦)

''بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔'' [یہ معیت خاصہ ہے]

بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب ہم غار میں تھے تو میں نے دیکھا کہ دشمنوں کے پاؤں ہمارے سر کے اوپر تھے۔ میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! اگر ان کفار میں سے کوئی اپنے پاؤں پر نظر ڈالے تو ہم کو دیکھ لے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ابوبکر! ان دو آدمیوں کے بارے میں آپ کو کیا خطرہ لاحق ہے جن کا تیسرا اللہ ہو۔''[1]

اس حدیث کے صحیح ہونے پر اہل علم محدثین کا اتفاق ہے' اور اسے قبول و تصدیق حاصل ہے۔ نیز اس میں کبھی بھی دو افراد نے اختلاف نہیں کیا۔ اور قرآن کریم اس کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ آیت مبارکہ میں ہے:

﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [التوبة ٤٠]

''جب وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے: گھبرائیے نہیں! بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

## [معیت الٰہی کی اقسام]:

کتاب اللہ لفظ ''معیت'' یعنی ساتھ؛ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ معیت عامہ: یعنی عام ساتھ؛ اور معیت خاصہ یعنی: خاص ساتھ۔

معیت عامہ؛ [معیت عامہ علم کے ساتھ ہوتی ہے جیسے کہ اس آیت میں] اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا وَهُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ﴾

''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا، وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے اور وہ تمھارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو۔'' [الحدید ٤]

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَکْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ۔ باب مناقب المهاجرین و فضلهم (ح: ٣٦٥٣، ٣٩٢٢)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (ح:٢٣٨١)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



﴿ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ [المجادلة ۷]

’’کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ کوئی تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ کوئی پانچ آدمیوں کی مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں بھی ہوں، پھر وہ انھیں قیامت کے دن بتائے گا جو کچھ انھوں نے کیا۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔‘‘

یہ معیت ہر سرگوشی کرنے والے کے لیے عام ہے۔ اور پہلی معیت تمام مخلوق کے لیے عام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ ہر تین سرگوشی کرنے والوں میں چوتھا' اور پانچ میں چھٹا ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’ابو بکر! ان دو آدمیوں کے بارے میں آپ کو کیا خطرہ لاحق ہے جن کا تیسرا اللہ ہو۔‘‘

اس لیے کہ جب اللہ ان کے ساتھ تھا تو وہی تیسرا تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم بھی اس حدیث کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ یہ معیت خاص ہے اور پہلی قسم کی معیت عام تھی۔

جب کہ معیت خاصہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا تھا:

﴿قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰی﴾ (طہ: ۴۶) یہ معیت خاصہ ہے۔

یہاں پر فرعون اور اس کی قوم کو چھوڑ کر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کیلیے یہ تخصیص کی گئی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تائید حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو حاصل تھی؛ فرعون کو نہیں۔

اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

’’اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! غم نہ کرنا؛ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔‘‘

تو اس کا معنی یہ ہوا کہ: اللہ ہمارے ساتھ ہے؛ ان مشرکین کے ساتھ نہیں جو آپ سے دشمنی رکھتے ہیں اور آپ کی طلب میں لگے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ وہ لوگ جو اس وقت غار کے اوپر پہنچ چکے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک نیچے اپنے قدموں کی طرف دیکھتا تو اسے سب کچھ نظر آ جاتا۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ [النحل ۱۲۸]

بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقوی اختیار کیا اور جو احسان کرنے والے ہیں۔‘‘

یہاں پر ظالموں اور فاجروں کو چھوڑ کر اہل احسان و تقوی کی تخصیص ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ [البقرة ۱۵۳]

’’بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘

یہاں پر گریہ وزاری کرنے والوں کو چھوڑ کر صبر کرنے والوں کی تخصیص ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com



﴿وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ﴾ [المائدة ۱۲]

''اور بلاشبہ یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے اور اللہ نے فرمایا بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور میرے رسولوں پر ایمان لائے۔''

اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ [الأنفال ۱۲]

''جب آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ۔''

جب اللہ تعالیٰ اس کا معیت کا ذکر کرتے ہیں تو کبھی اس سے معیت عامہ مراد ہوتی ہے اور کبھی معیت خاصہ۔ اس میں کہیں بھی یہ دلیل نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ پر موجود ہے' اور اس کا وجود عین مخلوقات کا وجود ہے۔ اور اس طرح کے دیگر عقائد جو کہ جہمیہ نے ایجاد کر لیے تھے۔ جو کہ حلول عام' وحدت الوجود؛ اور اتحاد کے قائل ہیں۔ اس لیے کہ اس قول کے مطابق کسی ایک قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم کی تخصیص نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ ہی کسی ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ کی تخصیص کی جا سکتی ہے۔ بلکہ اس عقیدہ کے مطابق تو اللہ تعالیٰ بکروں کے باڑوں اور گھوڑوں کے اصطبل میں اور چوپاؤں کے شکم کے اندر بھی ویسے ہی موجود ہوگا؛ جیسا کہ وہ عرش کے اوپر ہے [جبکہ یہ کسی بھی مسلمان کا عقیدہ نہیں]۔

جب اللہ تعالیٰ خود اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ وہ کسی ایک قوم کو چھوڑ کر دوسری کے ساتھ ہے تو یہ اس سابقہ بیان کردہ عقیدہ کے نقیض پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس عقیدہ کے مطابق کسی ایک قوم کو چھوڑ کر دوسری کی تخصیص ممکن نہیں رہتی۔ بلکہ اس عقیدہ کے مطابق وہ اصطبل میں بھی ایسے ہی ہے جیسے عرش پر۔

قرآن کریم کبھی معیت کے اختصاص پر اور کبھی عموم پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معیت سے مراد اختلاط نہیں۔

## [عقیدہ حلول پر ردّ]

مزید برآں اس آیت کریمہ میں ان لوگوں پر بھی رد ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ ظاہر قرآن عقیدہ حلول پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن کبھی ظاہر کے خلاف تاویل متعین ہو سکتی ہے۔ اور اسے اصل بنا کر تاویل کردہ نصوص کو اس پر قیاس کیا جاتا ہے۔

اس کے جواب میں انہیں کہا جائے گا کہ: قرآن اس غلطی پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ آپ کے ساتھ دوسرا شخص بھی اس مدلول کے غلط ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہیں:

❀ پہلی وجہ:...... عرب لغت میں لفظ ''مع'' یعنی (ساتھ) مصاحبت' موافقت اور اقتران پر دلالت کرتا ہے۔ جب کہ عام استعمال میں یہ لفظ کسی موقع پر بھی یہ دلالت نہیں کرتا کہ پہلا دوسرے کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



فرمان ہے: ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ﴾۔[الفتح: ۲۹]

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں۔''

اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ذوات رسول اللہ ﷺ کی ذات کے ساتھ مختلط ہوگئی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ [التوبۃ ۱۱۹]

''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ﴾ [الانفال ۷۵]

''اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمھارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ تم ہی سے ہیں۔''

ایسے ہی نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ مَآ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴾ [ھود ۴۰]

''اور آپ کے ساتھ بہت ہی تھوڑے لوگ ایمان لائے۔''

نیز نوح علیہ السلام کے بارے میں ہی فرمان الٰہی ہے:

﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ ﴾ [الاعراف ۶۴]

''ہم نے [نوح علیہ السلام] کو اور ان کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے بچا لیا۔''

ہود علیہ السلام کے بارے میں فرمان الٰہی ہے:

﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ﴾ [الاعراف ۷۲]

''غرض ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا۔''

حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں فرمان الٰہی ہے:

﴿ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ ﴾ [الاعراف ۸۸]

''اے شعیب! ہم آپ کو اور آپ کے ہمراہ جو ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔''

فرمان الٰہی ہے:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

[النساء ۱۴۶]

''ہاں جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لیے دینداری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [الأنعام ٦٨]

''اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں۔''

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ﴾ [المائدۃ ٥٣]

''اور ایماندار کہیں گے: '' کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔''

فرمان الٰہی ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ﴾ [الحشر ١١]

''کیا آپ نے منافقوں کو نہ دیکھا؟ کہ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں اگر تم جلا وطن کیے گئے تو ضرور بالضرور ہم تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے۔''

اور حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمان الٰہی ہے:

﴿اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَ عَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ﴾ [هود ٤٨]

''فرما دیا گیا کہ اے نوح! ہماری جانب سے سلامتی اور ان برکتوں کے ساتھ اتر، جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کی بہت سی جماعتوں پر اور بہت سی وہ امتیں ہونگی جنہیں ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے لیکن پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔''

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ اِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾

[الاعراف ٤٧]

''جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف پھیری جائیں گی تو کہیں گے اے ہمارے رب! ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر۔''

فرمان الٰہی ہے:

﴿قُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ﴾ [التوبہ ٨٣]

''تو آپ کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ ہرگز چل نہیں سکتے اور نہ میرے ساتھ تم دشمنوں سے لڑائی کر سکتے ہو۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تم نے پہلی مرتبہ ہی بیٹھ رہنے کو پسند کیا تھا؛ پس تم پیچھے رہ جانے والوں میں ہی بیٹھے رہو۔‘‘

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿رَضُوْا بِاَنْ یَّکُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ [التوبہ ۸۷]

’’یہ تو خانہ نشین عورتوں کا ساتھ دینے پر ریجھ گئے۔‘‘

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لٰکِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ﴾ [التوبہ۸۸]

’’لیکن خود رسول اللہ ﷺ اور ان کیساتھ کے ایمان والے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔‘‘

اس طرح کی چیزیں کلام اللہ میں اور عام کلام عرب میں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔

[عقیدہ وحدۃ الوجود پر رد]

جب لفظ ’’مع‘‘ کا استعمال مخلوق کے مخلوق کے ساتھ ہونے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو تب بھی یہ دو ذاتوں کے اختلاط پر دلالت نہیں کرتا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ زیادہ اولیٰ ہے کہ خالق کے مخلوق کے ساتھ اختلاط پر دلالت نہ کرے۔ اس کے ظاہر ہونے کا دعوی دو وجوہات کی بنا پر باطل ہے:

پہلی وجہ:......لغت عرب میں یہ اس معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی استعمال میں اس کے ساتھ کوئی اور ایسا قرینہ ملا ہوا ہے جو ظہور پر دلالت کرے۔ اس لیے ظہور کا دعوی ہر لحاظ سے ممنوع ہے۔

دوسری وجہ:......جب قریب کے معنی میں ظہور کی نفی ثابت ہو جاتی ہے تو دور کے معنی میں بطریق اولی ثابت ہوتی ہے۔

**امر دوم**: قرآن کریم میں معیت خاصہ کا ذکر معیت عامہ کی نسبت بہت زیادہ آیا ہے۔ اگر اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کا مخلوقات کے ساتھ اختلاط ہوتا تو پھر یہ معیت ہر ایک کے لیے عام اور برابر ہوتی؛ تخصیص کی کوئی وجہ باقی نہ رہتی۔

**امر سوم**: شروع سے آخر تک سیاق کلام معیت کے معانی پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَکْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ [المجادلة ۷]

’’کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ کوئی تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ کوئی پانچ آدمیوں کی مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں بھی ہوں، پھر وہ انھیں قیامت کے دن بتائے گا جو کچھ انھوں نے کیا۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔‘‘

آیت کریمہ کو اللہ تعالیٰ نے علم سے ہی شروع کیا اور علم پر ہی ختم کیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کے احوال

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com



کا جاننے والا ہے' اس پر کوئی مخفی سے مخفی چیز بھی مخفی نہیں رہتی ۔ سلف صالحین امام احمد رحمہ اللہ اور ان سے پہلے کے علماء کرام جیسے ابن عباس' ضحاک اور سفیان ثوری رحمہم اللہ نے اس کی تفسیر ایسے ہی کی ہے۔

سورت حدید کی آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ [الحدید۴]

''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا، وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے اور وہ تمھارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو؛ اور جو کچھ تم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔''

اس آیت کو بھی اللہ تعالیٰ نے علم پر ہی ختم کیا۔ اور اس بات کی خبر دی کہ اس کے عرش پر مستوی ہونے کے باوجود ان تمام چیزوں سے وہ آگاہ ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث اوعال میں فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر ہے' اور وہ تمہارے احوال کو جانتا ہے۔''❶

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر سرگوشی کرنے والے کے لیے اپنے عام علم کی خبر دی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ اس کے عرش پر مستوی ہونے کے باوجود وہ زمین میں داخل ہونے اور وہاں سے خراج ہونے والی ہر چیز

❶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں بطحاء میں ایک جماعت کیساتھ تھا؛ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے؛ کہ ایک بادل کا ایک ٹکڑا گذرا آپ نے اس کی طرف دیکھا پھر فرمایا کہ تم اسے کیا نام دیتے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ بادل آپ نے فرمایا کہ: مزن ۔ کہا جی ہاں ۔ آپ نے فرمایا کہ: عنان بھی کہتے ہو؟ کہا: جی ہاں عنان بھی ۔ امام ابوداد فرماتے ہیں کہ مجھے عنان کے بارے میں صحیح یقین نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ زمین و آسمان کے درمیان کتنی مسافت ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم نہیں جانتے آپ نے فرمایا کہ بیشک زمین و آسمان کے درمیان، اکہتر، یا بہتر، یا تہتر سال کی مسافت کا فاصلہ ہے پھر اس کے اوپر دوسرا آسمان بھی اتنے فاصلہ پر ہے یہاں تک کہ آپ نے ساتوں آسمان شمار فرمائے پھر ساتویں آسمان کے اوپر ایک دریا ہے جس کی تہہ اور سطح کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک فاصلہ ہے پھر اس کے اوپر آٹھ فرشتے (بصورت) بکروں ہیں جن کے کھروں اور پیٹھوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پھر ان کی پیٹھوں پر عرش الٰہی رکھا ہوا ہے جس کے اوپر اور نچلے کناروں کے درمیان ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ ہے پھر اللہ اس عرش پر مستوی ہیں۔'' سنن ابوداد: ح 1321۔

اس حدیث کو امام ترمذی [الجامع' کتاب التفسیر' سورة الحاقة' ۵/ ۹۶] اور ابن ماجہ نے [المقدمة؛ باب فیما أنكرت الجهمية ۱/ ۶۹ پر] بھی روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث غریب ہے؛ امام شریک نے سماک سے اس حدیث کا کچھ حصہ موقوفاً روایت کیا ہے۔ ولید بن ابی ثور کی روایت سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔'' اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کو جانتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے ساتھ ہوتا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

رہا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ [النحل ۱۲۸]

''بیشک اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو احسان کرنے والے ہیں۔''

اس آیت کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ یہاں پر مقصود محض علم و قدرت نہیں، بلکہ وہ اپنی تائید اور نصرت کے ساتھ ان کے ساتھ ہے۔ اور یہ کہ وہ متقین لوگوں کے لیے مخرج پیدا کرنے والا ہے۔ اور انہیں ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے ان کا وہم و گمان بھی نہ ہو۔ ایسی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے یہ فرمانا کہ:

﴿اِنَّنِيْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَ اَرٰى﴾ (طه: ۴۶)

''بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔''

مراد یہ ہے کہ وہ قوم فرعون کے خلاف ان کا حامی و ناصر اور مددگار و مؤید ہے۔ جیسا کہ جب کوئی کسی خوف زدہ انسان کو دیکھ کر کہے کہ: ''ہم تمہارے ساتھ ہیں'' تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمہارے دشمن کے خلاف تمہارے مددگار وحامی و ناصر ہیں۔

ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا: ''بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے'' اس سے مراد یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنی محبت اور رضامندی میں ان دونوں کے فعل پر خوش اور ان کے موافق ہے۔ اور ان کا حامی و ناصر مؤید مددگار ہے۔

اس معیت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشارکت میں یہ نص صریح ہے۔ جو صرف حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی خاص ہے، اس میں مخلوق میں سے کوئی دوسرا آپ کا سہیم و شریک نہیں ہے۔

## [مدح صدیقی کی منتہاء]:

یہاں پر مقصود یہ ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا کہ: ''بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے'' یہ خاص معیت ہے۔ جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمن پر ان کی مدد کرنے میں اور ان کی نصرت و اعانت اور تائید میں ان کے ساتھ ہے۔ پس اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خبر دے رہے ہیں کہ اے ابوبکر! بیشک اللہ تعالیٰ میری بھی مدد کرے گا اور تیری بھی مدد کرے گا اور دشمن کے خلاف ہماری نصرت کرے گا۔ اور ہماری معاونت میں رہے گا۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ [غافر ۵۱]

''بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے ضرور مدد کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں۔''

یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدح و تعریف کی انتہاء ہے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے ایمان کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، اور یہاں پر آیت کا تقاضا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ساتھ اللہ کی نصرت آپ کو بھی حاصل ہو۔ اور یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آپ کے لیے کمال ایمان کی گواہی کو بھی متضمن ہے جس کا تقاضا ہے کہ خصوصاً ایسے احوال میں جہاں پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے ان کی بے نیازی کا ذکر کیا ہے؛ وہاں پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی یہ نصرت الٰہی شامل ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾

''اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو بلاشبہ اللہ نے اس کی مدد کی، جب اسے ان لوگوں نے نکال دیا جنھوں نے کفر کیا، جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے۔''

محدث ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس آیت مبارکہ میں نبی ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا سب لوگوں کو معتوب کیا ہے۔''

نیز آپ فرماتے ہیں: ''جو کوئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ اس لیے کہ وہ قرآن کریم کو جھٹلا رہا ہے۔''

اہل علم کا ایک گروہ جیسا کہ امام ابوالقاسم سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ معیت خاصہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کے لیے ثابت نہیں ہوئی۔''

رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ کہنا کہ: ''ان دو کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔'' اس میں لفظی و معنوی طور پر ان دونوں ہستیوں کی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو ''محمد رسول اللہ'' کے الفاظ سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ کو ''خلیفہء رسول اللہ'' کے الفاظ سے مخاطب کیا جانے لگا۔ پس ''خلیفہ'' کی اضافت اس ''رسول'' کی طرف کرتے جن کی اضافت اللہ کی طرف ہے۔ یعنی مضاف اِلیہ اللہ کی طرف مضاف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف یہ اضافت اس قول کی صحیح تحقیق و تطبیق بن کر سامنے آتی جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' نیز یہ قول کہ: ''ان دو کے متعلق تیرا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔''

ان کے بعد جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہیں امیر المؤمنین کہا جانے لگا اور وہ مخصوص خطاب ختم ہو گیا جو کہ سارے صحابہ میں سے صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امتیازی شان تھی [یعنی خلیفہء رسول]۔

## [صحابی کی تعریف]:

مزید اس چیز سے یہ مؤقف واضح ہوتا ہے کہ اس صحبت میں عموم و خصوص پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ:

''فلاں کو ایک گھڑی کی صحبت نصیب ہوئی ہوئی؛ فلاں کو ایک دن کی صحبت نصیب ہوئی؛ ایک ہفتہ کی؛ ایک ماہ کی؛ اور سال کی صحبت نصیب ہوئی۔ اور فلاں نے تمام عمر صحبت میں گزار دی۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ﴾ [النساء۳۶]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''اور پہلو کے ساتھی سے۔''

اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے: ''اس سے مراد سفر کا ساتھی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اس سے مراد بیوی ہے۔ ان دو میں سے ہر ایک کو قلیل و کثیر صحبت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیوی کو صاحبہ کے الفاظ سے بھی پکارا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ﴾ [الأنعام ۱۰۱]

''اللہ تعالیٰ کے اولاد کہاں ہوسکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی بیوی تو ہے نہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی کتاب'' الرسالة '' جسے عبدوس بن مالک نے آپ سے روایت کیا ہے؛ میں فرماتے ہیں:

''جس انسان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف ایک سال کے لیے حاصل ہوا؛ یا ایک ماہ یا ایک دن یا ایک گھڑی کے لیے؛ یا پھر ایمان کی حالت چہرہ نبوت کا دیدار بھی کرلیا' وہ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوگا اور اس کے لیے صحبت کا اسی قدر اجر ہوگا جس قدر وقت اس نے آپ کی ہمراہی میں گزارا ہے۔''[1]

یہ جمہور اہل علم وفقہاء اور اہل کلام کا عقیدہ ہے۔ وہ ہر اس انسان کو صحابی شمار کرتے ہیں [جس نے ایمان کی حالت میں دیدار نبوت کی سعادت حاصل کی ہو] بھلے اسے کم وقت صحبت میں رہنے کے لیے ملا ہو یا زیادہ۔ اس میں اختلاف بہت ہی ضعیف ہے۔ جمہور کے قول پر دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يأتي على الناسِ زمان يغزو فِئام مِن الناسِ؛ فيقال لهم: هل فِيكم من رأى رسول الله ﷺ؟ فيقولون : نعم ؛فيفتح لهم۔ ثم يغزو فِئام مِن الناسِ فيقال لهم: هل فِيكم من رأى من صحِب رسول اللّٰهِ ﷺ؟ فيقولون: نعم ؛ فيفتح لهم۔ ثم يغزو فِئام مِن الناسِ فيقال لهم: هل فِيكم من رأى من صحِب من صحِب رسول الله ﷺ؟ فيقولون :نعم؛ فيفتح لهم))[2]

''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کچھ لوگوں کا گروہ جہاد کے لیے نکلیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو؟ وہ کہیں گے: جی ہاں! ہے؛ تو پھر ان کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں لوگ جہاد کریں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کو دیکھا ہو؟

تو وہ کہیں گے کہ: جی ہاں ہے؛ تو پھر انہیں فتح حاصل ہوگی۔ پھر کہیں گے: کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے

[1] یہ کتابچہ حافظ ابن ابی یعلی نے عبدوس بن مالک کے حالات زندگی تحریر کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔ دیکھیں: طبقات حنابلہ ۱/ ۲۴۱۔

[2] صحيح مسلم:ح:1968 .

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



رسول اللہ ﷺ کے صحابی کے ساتھی (تابعی) کو دیکھا ہو؟

تو وہ کہیں گے کہ: ''جی ہاں ہے! تو پھر انہیں فتح حاصل ہوگی۔''

یہ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں ایک جماعت جہاد پر بھیجی جائے گی تو لوگ کہیں گے کہ: ''دیکھو کیا تمہارے اندر نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی صحابی ہے؟

تو ایک صحابی پایا جائے گا؛ جس کی وجہ سے ان لوگوں کو فتح حاصل ہوگی۔ پھر ایک دوسری جماعت جہاد پر بھیجی جائے گی تو لوگ کہیں گے: ''کیا ان میں کوئی ہے کہ جس نے نبی ﷺ کے صحابہ کو دیکھا ہو؟

تو کہیں گے: ہاں؛ تو پھر اس کی وجہ سے ان کو فتح حاصل ہوگی۔'' پھر ایک تیسری جماعت جہاد پر بھیجی جائے گی؛ تو کہا جائے گا کہ: ''دیکھو کیا تمہارے اندر کوئی ایسا آدمی ہے کہ جس نے نبی ﷺ کے صحابہ کو دیکھنے والوں کو دیکھا ہے؟ اور ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں ایک چوتھی جماعت جہاد پر بھیجی جائے گی تو ان سے کہا جائے گا کہ: ''دیکھو کیا تمہارے اندر کوئی ایسا آدمی بھی ہے کہ جس نے نبی ﷺ کے صحابہ کو دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے؟ [یعنی تبع تابعین میں سے ہو] تو ان میں سے ایک ایسا آدمی بھی ہوگا جس کی وجہ سے ان کو فتح حاصل ہوگی۔'' [1]

صحیح بخاری کی روایت میں تین بار کا ذکر ہے؛ جیسا کہ پہلی روایت میں گزر چکا۔ لیکن اس کے الفاظ میں (یـأتـی علی الناسِ زمان یغزو فِئام مِن الناسِ) وارد ہوا ہے۔ دوسری اور تیسری بار بھی ایسے ہی کہا گیا ہے۔ اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ تمام صحابہ ہوں گے۔ تمام روایات کا صحابہ کرام' تابعین اور تبع تابعین کے ذکر پر اتفاق ہے۔ یہی وہ تین قرون ہیں [جن کے بہترین ہونے کی بشارت دی گئی ہے]۔ جب کہ بعض روایات میں چوتھے قرن کا ذکر بھی آیا ہے۔ لیکن تین قرون پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ اس کی کئی روایات ہیں۔

جیسا کہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد متصل ہوں گے۔ اس کے بعد کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو قسم سے پہلے گواہی دیں گے اور گواہی سے پہلے قسم کھائیں گے۔'' [صحیح بخاری: ح868]۔

صحیحین میں ہی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد متصل ہوں گے۔ پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد متصل ہوں گے۔''

---

[1] صحیح مسلم: ح 1969

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حضرت عمران بیان رضی اللہ عنہ کرتے ہیں کہ: ''مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن کے بعد دو مرتبہ قرن کا ذکر فرمایا تھا یا تین مرتبہ۔''

پھر ارشاد فرمایا: ''تمہارے بعد کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو بغیر طلب وخواہش کے گواہی دیں گے۔ وہ خیانت کریں گے اور امین نہ بنائے جائیں گے۔ وہ نذر مانیں گے اور اپنی نذر کو پورا نہ کریں گے۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''وہ قسم اُٹھائیں گے' حالانکہ ان سے قسم کا نہیں کہا جائے گا۔''❶

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو چوتھی بار [یعنی قرن چہارم] کے متعلق شک ہے۔''

حدیث مبارکہ کے یہ الفاظ: ''اور ان سے گواہی طلب کرنے سے پہلے وہ گواہی دیں گے۔'' بعض علماء کرام نے اسے مطلق گواہی پر محمول کیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض علماء کرام رحمہم اللہ نے یہ بھی مکروہ سمجھا ہے کہ کوئی انسان حق گواہی بھی حق دار کے طلب کرنے سے پہلے دے؛ جب کہ اسے صحیح گواہی کا علم بھی ہو۔ اس کی تطبیق اس دوسری حدیث کے ساتھ بھی کی جاسکتی ہے' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے:

(( ألا أخبركم بخير الشهداء ؟ الذي يأتي بالشهادة قبل أن يسألها ))❷

''کیا میں تمہیں بہترین گواہ کے بارے میں خبر نہ دوں۔ وہ جو کہ پوچھنے سے پہلے ہی گواہی ادا کرے۔''

ایک دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ: یہاں پر مراد جھوٹ کی مذمت بیان کرنا ہے۔ یعنی وہ لوگ جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔ جیسا کہ خیانت اور ترک وفاء پر بھی ان کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اس لیے کہ یہ امور منافقت کی نشانیاں ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں:

''جب بات کرے تو جھوٹ بولے؛ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔'' یہ صحیح بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔ [سبق تخريجه]

جب کہ حق بات کی گواہی کے لیے گواہ جب اس کی ضرورت محسوس کرے' اور اسے پتہ چلے کہ جس کے حق میں گواہی دی جاری ہے وہ اس کا ضرورت مند ہے' مگر اس نے گواہی دینے کے لیے سوال نہیں کیا؛ تب بھی اس نے گواہی دیدی تو یقیناً اس نے عدل وانصاف قائم کیا۔ اور پوچھنے سے پہلے ہی اپنا واجب ادا کر دیا۔ یہ اس انسان سے افضل ہے جو صرف کہنے پر ہی حق ادا کرتا ہے ورنہ نہیں۔ جیسا کہ وہ انسان جس کی امانت کسی دوسرے کے پاس ہو۔ اور وہ اس کے مانگنے سے قبل ہی اس کی امانت اس تک پہنچا دے۔ یہ اس انسان سے افضل ہے جو کہ اس کے مالک کو مانگنے کی نوبت تک

---

❶ صحيح البخاري ' كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ' الباب الأول؛ [مسلم ؛ كتاب فضائل الصحابة 'باب : فضل الصحابة ......ثم الذين يلونهم؛ ح: 215]۔

❷ مسلم كتاب الأقضية؛ باب بيان خير الشهود ' ٣/ ١٣٤٤۔ سنن أبي داؤد ' كتاب الأقضية ' باب في الشهادات ؛ سنن الترمذي ٣/ ٣٧٣؛ كتاب الشهادات الباب الأول۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



پہنچادے۔دونوں اقوال میں سے یہ قول زیادہ ظاہر ہے۔

یہ مسئلہ فقہاء کرام کے اس جھگڑے کے اختلاف سے مشابہت رکھتا ہے کہ جب کوئی انسان کسی چیز کا دعوی کرے' اور حاکم مدعی علیہ سے سوال نہ کرے؛ تو کیا وہ خود جواب کا پوچھے گا؟ تو صحیح بات یہ ہے کہ وہ اس سے جواب مانگے گا۔ یہاں پر مدعی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں؛ اس لیے کہ احوال کی دلالت سوال سے بے نیاز کرتی ہے۔

سو پہلی حدیث میں ہے: ((ھل فِیکم من رأی رسول اللہِ ﷺ .)) کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو؟ اور پھر کہا: ((ھل فِیکم من رأی من صحِب رسول اللہِ ﷺ؟)) کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابی کو دیکھا ہو؟ تو یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے والا صحابی ہے۔

ایسے ہی تمام طبقات میں سوال کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔یعنی اس کے بعد ہے: کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابی کے ساتھی کو دیکھا ہو؟ یہاں پر صاحب سے مراد دیکھنے والا ہے۔

جب کہ دوسری حدیث میں ہے: ''دیکھو کیا تمہارے اندر نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی صحابی ہے؟

پھر تیسری بار کہا جائے گا کہ: ''دیکھو کیا تمہارے اندر کوئی ایسا آدمی ہے کہ جس نے نبی ﷺ کے صحابہ کو دیکھنے والوں کو دیکھا ہے؟

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ اگر صحابی کے ساتھی کا حکم صرف دیدار کے ساتھ معلق ہے۔تو نبی کریم ﷺ کے دیدار پر یہ حکم بدرجہ اولی زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔

بخاری کے روایت میں ان تمام طبقات کے لیے ''صَحِب'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یہ تمام الفاظ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ ہیں جو کہ اس مسئلہ میں نص کا درجہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض الفاظ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے ہیں' اس لیے کہ آپ روایت کو بالمعنی نقل کرتے ہیں۔لیکن اس میں یہ دلیل پائی جاتی ہے کہ ان میں سے ایک لفظ کے معانی دوسرے لفظ میں پائے جاتے ہیں۔اور آپ رسول اللہ ﷺ سے سنے گئے کلام کے معانی کے زیادہ واقف و عالم ہیں۔

مزید برآں اگر نبی کریم ﷺ کے دہن مبارک سے نکلنے والا لفظ ''رأی۔'' ''دیکھا'' تھا؛ تو بھی یقیناً مقصود حاصل ہوگیا۔اور اگر کسی ایک طبقہ یا تمام طبقات میں یہ لفظ ''صَحِب'' تھا تو تب بھی مقصود حاصل ہوگیا۔اس لیے کہ اگر اس سے دیدار مراد نہ ہوتا؛ تو پھر آپ کا مقصود واضح نہ ہوتا۔اس لیے کہ صحبت اسم جنس ہے جس کی شرعی حد مقرر ہے؛ نہ کہ لغت میں۔جب کہ عرف میں یہ مختلف فیہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے صحبت کے لفظ کو کسی شرط کے ساتھ مقید نہیں کیا۔اور نہ ہی اس کی کوئی تقدیر مقرر کی ہے۔ بلکہ اس کے حکم کو مطلق طور پر معلق رکھا ہے۔اور دیدار سے بڑھ کر اس کا اطلاق کسی اور چیز پر نہیں ہوسکتا۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



مزید برآں جو کہا جاتا ہے: ''ایک گھڑی کی صحبت؛ سال کی صحبت اور مہینہ بھر کی صحبت'' تو یہ صحبت کے کم و زیادہ ہونے کی دلیل ہے۔ جب اسے بغیر کسی شرط کے مطلق طور پر بیان کیا گیا ہے تو اسے بغیر کسی شرعی دلیل کے مقید کرنا جائز نہیں۔ بلکہ اسے تمام موارد استعمال کے درمیان مشترکہ معانی پر محمول کیا جائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ صرف کسی کو دیکھ لینے سے یہ واجب نہیں کیا جاسکتا کوئی یوں کہے: فلاں اس کی صحبت میں رہا۔لیکن جب وہ باقی لوگوں کو چھوڑ کر صرف اس کی اتباع و اقتداء کے نظریہ سے دیکھے۔تو خصوصیت صرف آپ کے ساتھ خاص ہے۔اس لیے کہ کفار اور منافقین میں سے جس کسی نے بھی نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو ان کا یہ دیکھنا معتبر نہیں ہے۔اس لیے کہ ان دیکھنے کا مقصد آپ ﷺ پر ایمان لانا اور آپ کی اتباع کرنا نہیں تھا کہ وہ آپ کے اعوان و انصار اور تصدیق کرنے والوں میں شامل ہو؛ آپ کے احکام میں آپ کی اطاعت گزاری بجالائے؛ آپ سے دوستی رکھے اور آپ کے دشمنوں سے دشمنی رکھے اور آپ سے اپنی جان و مال اور ہر چیز سے بڑھ کر محبت کرے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تمام اہل ایمان میں یہ امتیازی خصوصیت حاصل ہے؛ آپ نے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کا یہ حال ہے۔اس لیے آپ صحابی تھے۔

اس کی دوسری دلیل صحیحین کی روایت ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے دینی بھائیوں کو دیکھوں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا: ہم آپ ﷺ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''تم تو میرے صحابہ ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے؛ اور مجھ پر ایمان لائیں گے اور انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔'' [سبق تخریجہ]

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان:''میرے بھائی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ: آپ کی مراد وہ بھائی ہیں جو آپ کے صحابہ نہیں ہیں۔ جب کہ ان لوگوں کے لیے صحبت کی خصوصیت ہے۔پھر آپ نے فرمایا:''وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے؛ اور مجھ پر ایمان لائیں گے اور انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔''اس جملہ کو آپ نے اپنے ان بھائیوں جن کو آپ دیکھنا چاہتے تھے ؛ اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین حد فاصل بنادیا۔یہ بھائی وہ لوگ ہیں جنہیں آپ نے نہیں دیکھا اور انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا۔

## [حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور امور دعوت]:

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اسم جنس قلیل و کثیر صحبت کے لیے عام ہے۔اس کی سب سے کم مقدار یہ ہے کہ ایک تھوڑا سا وقت ہی آپ کی صحبت میں گزارا ہو۔تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس صحبت کی سب سے بلند چوٹی اور اعلی ترین مقام پر فائز ہیں۔اس لیے کہ آپ کو شرف صحبت بعثت نبوی سے لیکر وقت وفات تک حاصل رہا۔لوگوں کا اجماع ہے کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے آپ ہی ایمان لائے تھے۔جیسا کہ اس بات پر بھی اجماع ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائی تھیں؛ اور بچوں میں سے حضرت علی اور غلاموں میں سے حضرت زید بن

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



حارثہ؛ رضی اللہ عنہم ۔لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے کلمہ کس نے پڑھا؟ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لائے تھے تو آپ کو صحبت میں سبقت حاصل ہوگئی۔ جیسا کہ آپ کو ایمان میں سبقت حاصل ہے۔اور اگر پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے تو پھر بھی اس بات میں کوئی شک نہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت زیادہ کامل اور نفع بخش تھی۔ اس لیے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دعوت کے کام میں شریک ہوگئے۔آپ کے ہاتھ پر اکابر اہل شوری اسلام لائے۔ جیسا کہ حضرت عثمان' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت سعد' حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ نیز آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایذاء رسانوں سے دفاع کرتے تھے اور آپ کے ساتھ قبائل کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے نکلتے ؛ اور امور دعوت میں آپ کے معین و مددگار ہوتے۔

آپ ان لوگوں کو خرید کر آزاد کرتے جنہیں ایمان لانے کی پاداش میں عذاب دیا جارہا ہوتا؛ جیسا کہ حضرت بلال ' حضرت عمار اور دیگر مظلوم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ آپ نے سات ایسے لوگوں کو خرید کر آزاد کیا جنہیں اللہ پر ایمان لانے کے جرم میں ستایا جاتا تھا۔آپ علی الاطلاق اپنی صحبت میں سب سے زیادہ نفع بخش انسان تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال جاننے والے اہل علم کے مابین اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحبت کئی وجوہات کی بنا پر باقی تمام صحابہ کرام کی صحبت سے اکمل تھی۔

❀ ان میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ آپ دن اور رات ؛ سفر اور حضر میں ہر وقت سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے والے تھے۔جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے؛ آپ فرماتی ہیں:

''جب میں نے ہوش سنبھالا اس وقت میرے والدین اسلام لا چکے تھے؛ ہم پر کوئی دن ایسا نہ گزرتا جب صبح و شام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف نہ لاتے ہوں۔''[1]

سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شروع شروع میں صبح و شام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر جایا کرتے تھے۔اس وقت اسلام بہت کمزور تھا' اور دشمنان دین بہت زیادہ تھے۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انتہاء درجہ کی فضیلت اور صحبت میں خصوصیت کی علامت ہے۔

### [ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مشاورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ]:

مزید برآں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کے بعد بیٹھ کر گفتگو کیا کرتے تھے؛ اور مسلمانوں کے مختلف امور میں مشاورت اور بات چیت ہوتی۔ یہ خصوصیت بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی حاصل ہے کسی دوسرے صحابی کو نہیں۔

مزید برآں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کرتے تو شوری میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کلام کرتے۔ بسا اوقات کوئی دوسرا پہلے بول پڑتا؛ اور بسا اوقات کوئی بھی آپ کے علاوہ نہیں بولتا۔تو پھر صرف

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب المسجد یکون فی الطریق......''(ح:٤٧٦)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



آپ کی رائے کے مطابق ہی عمل کیا جاتا۔اور جب کسی کی رائے آپ کی رائے کے خلاف ہوتی تو رسول اللہ ﷺ آپ کے مخالف کی رائے کو ترک کر دیتے اور صرف آپ کی رائے کے مطابق عمل کرتے۔

پہلے واقعہ کی مثال؛ جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا؛ تو سب سے پہلا مشورہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہی دیا۔امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''جب بدر کے دن قیدیوں کو گرفتار کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا:''تم ان قیدیوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:''اے اللہ کے نبی ﷺ! وہ ہمارے چچا زاد اور خاندان کے لوگ ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ ان سے فدیہ وصول کر لیں؛ اس سے ہمیں کفار کے خلاف طاقت حاصل ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے کہ اللہ انہیں اسلام لانے کی ہدایت عطا فرما دیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اے ابن خطاب آپ کی کیا رائے ہے؟

آپ نے عرض کیا:نہیں اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول! میری وہ رائے نہیں جو حضرت ابوبکر کی رائے ہے۔ بلکہ میری رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ انہیں ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔عقیل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کریں؛ وہ ان کی گردن مار دیں۔اور عباس کو حمزہ کے سپرد کر دیجیے وہ ان کی گردن اڑا دیں۔اور اپنے رشتہ داروں میں سے ایک کا نام لیا کہ اسے میرے سپرد کر دیں تاکہ میں اس کی گردن مار دوں۔[ کیونکہ یہ کفر کے پیشوا اور سردار ہیں ]۔

ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ: یا رسول اللہ ﷺ! ان سب کو آگ میں جلا دو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مابین اختلاف پیدا ہوا۔ان میں سے بعض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے رکھتے تھے اور بعض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے رکھتے تھے۔اور بعض کی رائے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ والی تھی۔

پس رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کی طرف مائل ہوئے اور میری رائے کی طرف مائل نہ ہوئے۔''اور پوری حدیث بیان کی۔ [1]

---

[1] اس روایت میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''جب آئندہ روز میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیں تو سہی کس چیز نے آپ ﷺ کو اور آپ کے دوست کو رلا دیا پس اگر میں رو سکا تو میں بھی روؤں گا اور اگر مجھے رونا نہ آیا تو میں آپ ﷺ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے کی صورت ہی اختیار کر لوں گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس وجہ سے رو رہا ہوں جو مجھے تمہارے ساتھیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے پیش آیا ہے تحقیق مجھ پر ان کا عذاب پیش کیا گیا جو اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا اللہ کے نبی ﷺ کے قریبی درخت سے بھی اور اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿ما كان لِنبيٍ أن يكون له اسرى حتى يثخن في الأرض﴾ یہ بات نبی کی شان کے مناسب نہیں ہے کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہائے۔ سے اللہ عزوجل کے قول پس کھا جو مال غنیمت تمہیں ملا ہے پس اللہ نے صحابہ کے لیے غنیمت حلال کر دی۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ: جب حدیبیہ کے موقع پر مشورہ کیا گیا کہ: کیا ان لوگوں کے اہل و عیال پر شبخون مارا جائے جنہوں نے قریش کی مدد کی یا پھر بیت اللہ کی طرف سفر جاری رکھا جائے۔ اور پھر جو کوئی اس راہ میں رکاوٹ بنے' اس سے لڑائی کی جائے۔ اہل علم: اصحاب تفسیر و حدیث' مغازی و سیر و فقہ کے ہاں یہ حدیث معروف ہے۔ اسے امام بخاری و احمد بن حنبل رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے۔

عبدالرزاق، معمر، زہری، عروہ بن زبیر، حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان سے روایت کرتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ حدیبیہ میں چودہ سو صحابہ کرام کی ہمراہی میں تشریف لے چلے۔ یہاں تک کہ جب ذوالحلیفہ پر پہنچے تو اپنے قربانی کو جانوروں کو ہار پہنائے اور انہیں نشانیاں لگائیں اور عمرہ کا احرام باندھا۔ اور اپنے آگے آگے بنوخزاعہ کے ایک آدمی کو بطور جاسوس روانہ کیا تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے احوال سے آگاہ کرے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی برابر چلتے رہے یہاں تک کہ جب مقام غدیر الاشطاط میں پہنچے تو جاسوس نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ: ''میں اپنے پیچھے قریش کو اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ کعب بن لوئی اور عامر بن لوئی نے بہت سے قبائل اور حبشیوں کو آپ سے لڑنے کے لیے اکٹھا کیا ہے۔''

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یحیٰ بن سعید نے ابن المبارک سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ: ''انہوں نے بہت ساری جماعتوں کو جمع کر رکھا ہے۔ وہ آپ سے لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ آپ کو روکیں گے اور بیت اللہ تک نہیں جانے دیں گے۔''

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا: لوگو! مجھے اس معاملہ میں بتاؤ کہ کیا کرنا چاہیے؟ کیا میں کافروں کے اہل و عیال پر ٹوٹ پڑوں اور ان کو تباہ کردوں [جو ہم کو کعبہ سے روکنے کی تدبیریں کر رہے ہیں اور اگر وہ مقابلہ کے لیے آئے تو اللہ تعالیٰ مددگار ہے اسی نے ہمارے جاسوس کو ان کے ہاتھ سے بچایا ہے] اگر وہ نہ آئے تو ہم ان کو سوئے ہوئے یا مفرور کی طرح چھوڑیں گے۔ اور اگر بچ گئے تو اللہ تعالیٰ ان کی گردنیں توڑ کر رکھ دیگا۔ یا پھر ہم بیت اللہ کی طرف سفر جاری رکھیں' اور جو ہماری راہ میں رکاوٹ بنیں اس سے لڑیں۔

اس موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! ہم تو صرف اللہ کے گھر کا ارادہ کر کے حاضر ہوئے ہیں کسی سے لڑنا اور مارنا یا اسے لوٹنا ہماری غرض نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے چلیں اگر کوئی ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان رکاوٹ بنے گا تو ہم اس سے جنگ کریں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر اٹھو اور اللہ کا نام لے کر چلو۔''

حضرت امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے کسی ایک کو ایسا نہیں دیکھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ مشورہ کرتے ہوں۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حضرت امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان بن الحکم کی روایت میں ہے:
''پس وہاں سے اٹھ کر چلے یہاں تک راستے میں کسی جگہ پہنچے۔''
یہاں تک یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے آپ کی سند سے کتاب الحج اور مغازی میں نقل کی ہے۔
حضرت امام زہری رحمہ اللہ کی روایت جو کہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے؛ اور جس پر امام بخاری اور امام احمد رحمہما اللہ کا اتفاق ہے۔ اس روایت میں ہے:

''اثنائے راہ میں بطور معجزہ کے خالد بن ولید (جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے) کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: مقام غمیم میں قریش کے ساتھ مقدمہ جیش پر ہیں۔ تم داہنی طرف چلنا اور ادھر خالد کو مسلمانوں کا آنا ذرا بھی معلوم نہ ہوا تھا جب لشکر کا غبار ان تک پہنچا تو انہیں معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے۔ اسی اثنا میں فوراً ایک شخص قریش کو خبر دینے کیلیے چل دیا۔ ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم برابر چلے جا رہے تھے، یہاں تک کہ جب آپ اس پہاڑی پر پہنچے جس کے اوپر سے ہو کر لوگ مکہ میں اترتے ہیں تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا: ''حل حل (اُٹھ اٹھ؛ اور اسے اٹھانے کی) بہت کوشش کی گئی؛ مگر اس نے جنبش نہ کی صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا: قصویٰ بیٹھ گئی، قصوا بیٹھ گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''قصوی خود سے نہیں بیٹھی نہ اس کی یہ عادت ہے بلکہ اسے اس نے روکا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا۔

پھر آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کفار قریش مجھ سے جس بات کا سوال کرینگے اور اس میں اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کی تعظیم کریں گے تو میں ان کی اس بات کو منظور کرلوں گا۔ اس کے بعد آپ نے قصویٰ کو ڈانٹا تو اس نے جست لگائی، اور روانہ ہوگئی۔ یہاں تک کہ حدیبیہ کے کنارے ایک گڑھے پر بیٹھ گئی، جس میں پانی بہت ہی تھوڑا سا تھا، لوگ اس سے تھوڑا تھوڑا پانی لیتے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں لوگوں نے اس کو پی لیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی، تو آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر دیا، اور حکم دیا کہ اس کو اس پانی میں ڈال دیں۔''

پس اللہ کی قسم! پانی فوراً ابلنے لگا، یہاں تک کہ سب لوگ اس سے سیراب ہو گئے۔ اتنے میں بدیل بن ورقا خزاعی نے اپنی قوم خزاعہ کے چند آدمیوں کو جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہ تھے اور تہامہ کے رہنے والے تھے،-امام احمد کے الفاظ کے مطابق ان میں مسلمان بھی تھے اور مشرک بھی- ساتھ لا کر کہا کہ: ''میں نے کعب بن لوی اور عامر بن لوی کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ حدیبیہ کے گہرے چشموں پر فروکش ہیں، ان کے ہمراہ دودھ والی اونٹنیاں ہیں، ہر طرح سے ان کا سامان درست ہے اور وہ لوگ آپ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں، اور آپ کو کعبہ سے روکنا چاہتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم کسی سے لڑنے کیلیے نہیں آئے ہم تو صرف عمرہ کرنے آئے ہیں، درحقیقت

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



قریش کو لڑائی ہی نے کمزور کر دیا، اس سے ان کو بہت کچھ نقصان پہنچا ہے، اگر وہ چاہیں تو میں ان سے کوئی مدت مقرر کر لوں، لیکن وہ میرے اور کفار عرب کے درمیان نہ پڑیں۔ نتیجہ میں اگر میں غالب آ جاؤں اور اس وقت قریش چاہیں کہ اس دین میں داخل ہوں جس میں اور لوگ داخل ہوئے ہیں تو وہ ایسا کریں۔ اور اگر میں غالب نہ آ ؤں تو پھر وہ آرام اٹھائیں۔ کیونکہ اس صورت میں ان کا مقصود پورا ہو جائے گا، اور اگر وہ اس کو منظور نہ کریں، تو قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اپنی اس حالت میں ان سے اس وقت تک جنگ کروں گا، تا آنکہ قتل کر دیا جاؤں، اور بے شک اللہ اپنے دین کو جاری رکھے گا۔''

بدیل نے کہا: ''جو کچھ آپ نے کہا میں قریش سے جا کر یہی کہہ دوں گا۔

چنانچہ وہ گیا اور قریش سے جا کر کہا کہ: ''ہم تمہارے پاس اسی شخص کے پاس سے آ رہے ہیں، اور ہم نے انہیں کچھ کہتے ہوئے سنا ہے، اگر تم چاہو تو ہم بیان کر دیں۔ تو ان کے بے وقوفوں نے کہا کہ ہمیں اس کی کچھ حاجت نہیں کہ کسی بات کی خبر دو۔ لیکن عقل مندوں نے کہا: ''تم نے ان سے جو کچھ سنا ہے بیان کرو۔ بدیل نے کہا: ''میں نے ان کو یہ یہ کہتے سنا ہے؛ پھر جو کچھ آپ نے فرمایا تھا بیان کر دیا۔

تو عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ لوگو! کیا میں تمہارا باپ نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں!

عروہ نے کہا: ''کیا تم میری اولاد کی طرح نہیں ہو؟ انہوں نے کہا ہاں!

عروہ نے کہا: کیا تم مجھ سے کسی قسم کی بدظنی رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں!

عروہ نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے عکاظ والوں کو تمہاری نصرت کے لیے بلایا مگر جب انہوں نے میرا کہنا نہ مانا، تو میں اپنے اعزہ اور اولاد کو جس نے میرا کہنا مانا، اس کو تمہارے پاس لے آیا۔

انہوں نے کہا ہاں! یہ سب کچھ ٹھیک ہے۔

عروہ نے کہا: ''اچھا، اب میری ایک بات مانو! اس شخص (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہارے سامنے ایک اچھی بات پیش کی ہے، اس کو منظور کر لو، اور مجھے اجازت دو کہ میں اس کے پاس جاؤں۔

سب نے کہا: اچھا آپ جائیے، چنانچہ عروہ آپ کے پاس آئے گفتگو کرنے لگے۔ آپ نے اس سے ویسی ہی گفتگو کی جیسی کہ بدیل سے کی تھی۔''

عروہ نے کہا: اے محمد! یہ بتاؤ کہ اگر تم اپنی قوم کی جڑ (بنیاد) بالکل کاٹ ڈالو گے؟ تو اس میں تمہارا کیا فائدہ ہوگا؟ کیا تم نے اپنے سے پہلے کسی عرب کے متعلق سنا ہے کہ اس نے اپنی قوم کا استحصال کیا ہو؟ اور اگر دوسری بات ہو جائے کہ تم مغلوب ہو جاؤ تو پھر کیا ہوگا؟ اور نتیجہ میں تو یہی آخری بات معلوم ہو رہی ہے، کیونکہ میں تمہارے ہمراہ ایسے لوگ اور ایسے مختلف آدمی دیکھ رہا ہوں جو بھاگ جانے کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ سنو! وہ تمہیں میدان جنگ میں تنہا چھوڑ دیں گے۔ - امام احمد رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں کہ: ''یہ ایسے لوگ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہیں جو بھاگ جائیں گے اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں گے۔۔ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے یہ سن کر عروہ سے کہا کہ:

''امصص ببظر اللات ''(تو لات بتنی کی شرمگاہ چوسے! کیا ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت سے بھاگ جائیں گے، اور انہیں تنہا چھوڑ دیں گے؟

عروہ نے کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

عروہ نے کہا: قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھ پر تمہارا ایک احسان نہ ہوتا جس کا میں نے ابھی تک بدلہ نہیں دیا تو میں ضرور تم کو جواب دیتا۔ [حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ] عروہ پھر آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرنے لگا اور جب وہ آپ سے بات کرتا تو از راہ خوشامد آپ کی داڑھی میں ہاتھ ڈال دیتا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے سرہانے کھڑے ہوئے تھے، جن کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور خود ان کے سر پر تھا۔ جب عروہ اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی کی طرف بڑھانے لگتا، تو مغیرہ نے اپنی تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارتے۔ اور کہتے کہ: عروہ اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی سے ہٹا لے۔

عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: مغیرہ بن شعبہ۔

عروہ نے کہا: اے بے وقوف کیا تو سمجھتا ہے کہ میں تیری بے وفائی کے انتقام کی فکر میں نہیں ہوں۔

مغیرہ نے جو زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگوں کے پاس نشست و برخاست کرتے تھے، انہوں نے کسی کو قتل کر ڈالا اور اس کا مال لے لیا تھا، اور اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''تمہارا اسلام قبول کرتا ہوں۔ جب کہ مال تمہارے لیے حلال نہیں ہے۔''

اس کے بعد عروہ گوشہ چشم سے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو دیکھنے لگا۔

راوی کہتا ہے کہ: ''اس نے یہ حال دیکھا کہ جب نبی ﷺ لعاب تھوکتے، تو وہ صحابہ میں کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا جس کو وہ اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا، اور جب آپ کوئی حکم دیتے تو وہ بہت جلد اس کی تعمیل کرتے۔ جب آپ وضو کرتے، تو وہ لوگ آپ کے وضوء سے گرنے والے پانی پر لڑتے تھے (ایک کہتا تھا ہم اس کو لیں گے، دوسرا کہتا تھا کہ ہم لیں گے)۔

جب وہ لوگ بات کرتے تھے تو آپ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے تھے۔ اور آپ کی طرف بوجہ تعظیم آنکھ بھر کر نہ دیکھتے تھے۔ پھر عروہ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ گیا اور کہا: ''اے لوگو اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے دربار میں گیا، قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے دربار میں گیا، مگر اللہ کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے مصاحب اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد کی یہ تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تھوکتے ہیں، تو وہ جس کسی کے ہاتھ پڑتا ہے، وہ اس کو اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے۔ اور جب وہ کسی بات کے کرنے کا حکم دیتے ہیں تو ان کے اصحاب بہت جلد اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ جب وضو کرتے ہیں، تو ان کے غسالہ وضوء کیلیے لڑتے مرتے ہیں۔ اپنی آوازیں ان کے سامنے پست رکھتے ہیں۔ نیز بغرض تعظیم ان کی طرف دیکھتے تک نہیں۔ بے شک انہوں نے تمہارے سامنے ایک عمدہ مسئلہ پیش کیا ہے، لہٰذا تم اس کو مان لو۔

چنانچہ بنی کنانہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ: مجھے بھی اجازت دو کہ میں بھی ان کے پاس جا کر ان کو دیکھوں۔ تو لوگوں نے کہا کہ: اچھا تم بھی ان کے پاس جاؤ۔

جب وہ آنحضرت اور آپ کے اصحاب کے سامنے آیا، تو آپ نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص ہے اور وہ اس قوم میں سے ہے، جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کیا کرتے ہیں، لہٰذا تم قربانی کے جانور اس کے سامنے کرو، جب قربانی کے جانور اس کے سامنے لائے گئے اور لوگوں نے لبیک کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا، اس نے یہ حال دیکھا، تو کہنے لگا، سبحان اللہ! ایسے اچھے لوگوں کو کعبہ سے روکنا زیبا نہیں ہے، پھر جب وہ اپنے لوگوں کے پاس لوٹا تو کہنے لگا کہ: ''میں نے قربانی کے جانوروں کو دیکھا کہ انہیں قلادے پہنائے گئے تھے اور ان کا اشعار کیا ہوا تھا (یعنی ان اونٹوں کے کوہان پر اس لیے زخم لگایا جاتا ہے تا کہ وہ حج کا ہدیہ متصور کیے جائیں)، لہٰذا میں تو یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ ان لوگوں کو کعبہ سے روکا جائے۔''

پھر ان میں سے ایک اور شخص کھڑا ہوا، جس کا نام مکرز بن حفص تھا؛ اس نے کہا کہ مجھے بھی اجازت دو کہ میں بھی محمد کے پاس جاؤں۔ لوگوں نے کہا کہ اچھا تم بھی جاؤ۔ چنانچہ جب وہ مسلمانوں کے پاس آیا، تو رسول اللہ نے فرمایا، یہ مکرز ہے، اور یہ ایک بدکار آدمی ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کر رہا تھا کہ سہیل بن عمرو نامی ایک شخص کافروں کی طرف سے آیا۔

معمر کہتے ہیں، مجھ سے ایوب نے عکرمہ سے روایت کر کے یہ بیان کیا کہ جب سہیل آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اب تمہارا کام آسان ہوگیا۔''

معمر کہتے ہیں کہ: زہری نے مجھ سے اپنی حدیث میں یہ بھی بیان کیا کہ جب سہیل بن عمرو آیا، تو اس نے کہا کہ آپ ہمارے اور اپنے درمیان میں صلح نامہ لکھ دیجئے۔

پس رسول اللہ ﷺ نے کاتب کو بلایا اور اس سے فرمایا کہ: لکھو: ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ''

سہیل نے کہا: ''اللہ کی قسم! ہم رحمٰن کو نہیں جانتے کہ وہ کون ہے؟، کفار نے یہ اس لیے کہا کہ وہ لفظ رحمٰن کو اللہ کا نام جانتے ہی نہ تھے۔ آپ یوں لکھوائیے: ''باسمك اللهم'' جیسا کہ آپ پہلے لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا: ہم تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی لکھوائیں گے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس پر اصرار نہ کرو، باسمك اللهم لکھ دو۔ پھر آپ نے فرمایا: لکھو: '' هذا ماقاضی علیه محمد رسول الله '' یہ وہ تحریر ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ فیصلہ کر رہے ہیں۔''

سہیل نے کہا اللہ کی قسم! اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، تو ہم آپ کو کعبہ سے نہ روکتے، اور نہ آپ سے جنگ کرتے، آپ من جانب محمد بن عبداللہ لکھیے۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کی قسم! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اور اگر تم لوگ میری تکذیب ہی کرتے ہو، تو محمد بن عبداللہ لکھ لو۔''

زہری کہتے ہیں کہ: '' یہ سب باتیں آپ نے اس لیے منظور کرلیں کہ آپ فرما چکے تھے کہ وہ جس بات کی مجھ سے درخواست کریں گے، بشرطیکہ اس میں وہ اللہ کی حرمت والی چیزوں کی عظمت کریں تو میں اسے قبول کر لونگا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''علی ان تخلوا بیننا وبین البیت فنطوف به۔''

''اس بات پر کہ اے کفار مکہ تم ہمارے اور کعبہ کے درمیان میں راہ صاف کردو، تاکہ ہم اس کا طواف کرلیں۔'' سہیل نے کہا کہ: اللہ کی قسم! ہم یہ بات اس سال منظور نہیں کریں گے، کیونکہ ڈر ہے کہ عرب یہ نہ کہیں کہ ہم مجبور کردیئے گئے، بلکہ اگلے برس یہ بات پوری ہوجائے گی۔ چنانچہ حضرت نے یہی لکھوادیا۔

پھر سہیل نے کہا: '' یہ بھی لکھوا دیجئے کہ: ''وعلی أنه لا یاتیك منا رجل وإن كان علی دینك إلا رددته ۔'' ''اس بات پر کہ اے محمد ہماری طرف سے جو شخص تمہارے پاس جائے اگرچہ وہ تمہارے دین پر ہو تب بھی تم اسے ہماری طرف واپس لوٹا دینا۔''

مسلمانوں نے کہا: '' سبحان اللہ! وہ مشرکوں کے پاس کیوں واپس کردیا جائے گا، حالانکہ وہ مسلمان ہو چکا ہے۔ اسی حالت میں ابوجندل بن سہیل رضی اللہ عنہ اپنی بیڑیوں کو کھڑ کھڑاتے ہوئے مکہ کے نشیب سے آئے تھے مسلمانوں کے درمیان آ گئے۔ تو انہوں نے کہا: محمد یہی سب سے پہلی بات ہے جس پر ہم آپ سے صلح کرتے ہیں کہ تم ابوجندل رضی اللہ عنہ کو مجھے واپس دے دو۔ جس پر رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے ابھی تحریر ختم نہیں کی۔ ابھی سے ان شرائط پر عمل کیونکر ضروری ہوسکتا ہے؟

سہیل نے کہا: '' اللہ کی قسم ہم تم سے کسی بات پر صلح کبھی نہ کریں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' اچھا اس ایک آدمی کی تم مجھے اجازت دے دو۔''

سہیل نے کہا: میں ہرگز اس کی اجازت نہ دونگا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس کی اجازت دے دو۔

اس نے کہا میں نہ دونگا۔ مکرز نے کہا میں اس کی اجازت آپ کو دیتا ہوں۔

ابوجندل رضی اللہ عنہ نے کہا: مسلمانو! کیا میں مشرکوں کے پاس واپس کردیا جاؤں گا؟ حالانکہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں نے اسلام کیلیے کیا کیا مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ درحقیقت ابوجندل کو اللہ کی راہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



میں بہت سخت تکلیفیں دی گئی تھیں۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا: ''کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ حضرت نے فرمایا کیوں نہیں میں ضرور سچا نبی ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ فرمایا: ''درست ہے''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم ذلت کو کیوں گوارا کر رہے ہیں؟

آپ نے فرمایا: ''میں اللہ کا فرستادہ ہوں، اوراس کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔ وہ میرا مددگار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ ہمیں بتایا نہیں کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ پہنچ کر اس کا طواف کریں گے؟

آپ نے فرمایا: ''یہ ٹھیک ہے۔ کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ امسال ہی طواف کعبہ کریں گے؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔

آپ نے فرمایا: ''تو آپ ضرور خانہ کعبہ جا کر اس کا طواف کریں گے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہاں آیا اور کہا: کیا محمد رسول اللہ سچے نبی نہیں ہیں؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم سچے اور ہمارے دشمن جھوٹے نہیں ہیں؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ درست ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر ہم ذلت کیوں گوارا کریں؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے انسان! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور حکم ربانی کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ اللہ ان کا ناصر ہے۔ لہٰذا ان کی رکاب تھام لیجیے، اللہ کی قسم! وہ حق پر ہیں۔''

میں نے کہا: ''کیا وہ ہم سے بیان نہ کرتے تھے کہ ہم کعبہ جائیں گے، اوراس کا طواف کریں گے۔

تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں کہا تھا؛ مگر کیا تم سے یہ بھی کہا تھا کہ تم اسی سال کعبہ جاؤ گے۔

میں نے کہا: یہ تو نہیں کہا تھا۔ ابوبکر نے کہا: پھر تم کعبہ ضرور جاؤ گے اوراس کا طواف کرو گے۔''

[زہری کہتے ہیں:] ''فاروق اعظم کہتے تھے: ''اس گستاخی کے کفارہ میں میں نے بہت سی عبادتیں کیں۔''

راوی کا بیان ہے: ''پھر جب صلح نامہ کی تحریر سے فراغت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا: ''اٹھو اور سر منڈ والو، اور قربانی پیش کرو۔''

راوی کہتا ہے: اللہ کی قسم! کوئی شخص بھی ان میں سے نہ اٹھا، یہاں تک کہ آپ نے تین مرتبہ یہی فرمایا۔ جب ان میں سے کوئی نہیں اٹھا، تو آپ خود ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ اوران سے یہ سب پورا واقعہ بیان کیا، جو لوگوں سے آپ کو پیش آیا تھا۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ یہ بات چاہتے ہیں، تو اچھا ذرا آپ باہر تشریف لیجائیے۔ اوران میں سے کسی کے ساتھ کلام نہ کیجئے۔ یہاں تک کہ آپ اپنے قربانی کے جانوروں کی قربانی کردیجئے اور سر مونڈنے والے کو بلائیے تاکہ وہ آپ کے سر کے بال صاف کردے۔

چنانچہ آپ باہر تشریف لائے اوران میں سے کسی سے کچھ گفتگو نہیں کی، یہاں تک کہ آپ نے سب کچھ پورا کرلیا، یعنی قربانی کے جانور قربان کردیئے اور اپنا سر بھی مونڈوالیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ دیکھا تو اٹھے اور انہوں نے قربانیاں کیں۔ ایک نے دوسرے کا سر مونڈ دیا۔ اژدہام کی وجہ سے عین ممکن تھا کہ ایک دوسرے کو مارڈالے، (اس کے بعد) آپ کے پاس کچھ مسلمان عورتیں آئیں تو اللہ نے آیت نازل فرمائی:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ......وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ [الممتحنة ۱۰]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کی جانچ پڑتال کرو، اللہ ان کے ایمان کو زیادہ جاننے والا ہے۔ پھر اگر تم جان لو کہ وہ مومن ہیں تو انھیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، ...........اور کافر عورتوں کی عصمتیں روک کر نہ رکھو۔'' تک نازل فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دن دو مشرک عورتوں کو جو ان کے نکاح میں تھیں طلاق دیدی۔ ان میں سے ایک کے ساتھ تو معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اور دوسری کے ساتھ صفوان بن امیہ نے نکاح کرلیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ لوٹ کر آئے تو ابوبصیر رضی اللہ عنہ جو قریشی نسل تھے؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے؛ وہ مسلمان تھے۔ کفار نے ان کے تعاقب میں دو آدمی بھیجے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوا بھیجا کہ ہم سے جو معاہدہ آپ نے کیا ہے اس کا خیال کریں۔ چنانچہ آپ نے ابوبصیر کو ان دونوں کے حوالہ کردیا۔

وہ دونوں ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو لے کر چلے جب ذوالحلیفہ میں پہنچے؛ تو وہ لوگ اتر کے اپنے چھوارے کھانے لگے ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا: ''اے فلاں اللہ کی قسم تیری تلوار بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ اس شخص نے نیام سے اپنی تلوار نکالی؛ اور کہا: ہاں اللہ کی قسم! یہ تلوار بہت عمدہ ہے میں نے اس کو کئی مرتبہ آزمایا ہے۔ ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے دکھلاؤ۔ میں بھی اسے دیکھوں۔

چنانچہ وہ تلوار اس نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو دیدی؛ ابوبصیر نے اسی سے اس کو مار ڈالا اور اس کو ٹھنڈا کردیا۔ لیکن دوسرا شخص بھاگ گیا اور مدینہ آکر ڈرتا ہوا مسجد میں گھس گیا؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے دیکھا تو فرمایا: ''یہ کچھ خوف زدہ ہے۔'' جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو اس نے کہا: ''اللہ کی قسم! میرا ساتھی قتل کردیا گیا؛ اور قریب تھا کہ میں بھی قتل کردیا جاتا۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



پھر حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ آئے ؛ اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ ! اللہ کی قسم ! اللہ نے آپ کو بری کر دیا آپ تو مجھے کفار کی طرف واپس کر چکے تھے ؛ لیکن اللہ نے مجھے ان کافروں سے نجات دی ۔''

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' یہ لڑائی کی آگ ہے اگر کوئی مقتول کا مددگار ہوتا 'تو یہ آگ بھڑک اٹھتی ۔'' جب یہ بات ابوبصیر نے سنی تو سمجھ گئے کہ رسول اللہ ﷺ پھر انہیں کفار کی طرف واپس کر دیں گے لہٰذا۔ وہ چلے گئے یہاں تک کہ سمندر کے کنارے پہنچ گئے ۔

اور اس طرف سے ابوجندل سہیل رضی اللہ عنہ بھی چھوٹ کر آ رہے تھے ؛ راستہ میں وہ بھی ابوبصیر سے مل گئے یہاں تک کہ جو قریشی مسلمان ہو کر آتا ابوبصیر سے مل جاتا۔ آخر کار ان سب کی ایک ٹولی ہوگئی۔ اللہ کی قسم ! جب وہ کسی قافلہ کی خبر سنتے تھے کہ وہ شام کی طرف سے آ رہا ہے تو وہ اس کی گھات میں لگ جاتے ؛ اور ان کے آدمیوں کو قتل کر دیتے اور ان کا مال لوٹ لیتے ۔

آخر کار قریش نے رسول اللہ ﷺ کے پاس دو آدمیوں کو بھیجا اور آپ کو اللہ کا اور اپنی قرابت کا واسطہ دیا کہ آپ ابوبصیر کو ان باتوں سے منع کریں آئندہ سے جو شخص آپ کے پاس مسلمان ہو کر آئے وہ بے خوف ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو منع کرا بھیجا اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ....إلى قوله تعالىٰ .....الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ [الفتح ۲۴۔۲۶]

'' وہی ہے جس نے کافروں کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے ......ضد رکھ لی ، جو جاہلیت کی ضد تھی ۔'' تک نازل فرما کر ان کے تعصب کے اس حال کو ظاہر کیا ۔

ان کی جاہلیت یہ تھی کہ انہوں نے نبی ﷺ کے نبی ہونے کا مضمون قائم رکھا اور نہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو قائم رکھا بلکہ مسلمانوں اور کعبہ کے درمیان حائل ہوگئے ۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن محمد المسندی سے وہ عبدالرزاق سے وہ أحمد سے وہ عبدالرزاق سے روایت کرتے ہیں ؛ آپ امام بخاری کے اساتذہ میں سے جلیل القدر شیخ ہیں۔ان کی روایت میں جو الفاظ زیادہ ہیں وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاں ثابت ہیں۔

صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ والوں سے صلح کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ لکھا اور لکھا: '' محمد رسول اللہ ﷺ ۔''

مشرکوں نے اعتراض کیا اور کہا: '' محمد رسول اللہ ﷺ نہ لکھو ؛ اگر تم اللہ کے رسول ہوتے تو ہم تم سے جنگ نہ کرتے ۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اس کو مٹا دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: '' میں تو اس کو نہیں مٹاؤں گا۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



چنانچہ نبی ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے اس کو مٹا ڈالا ۔ اور ان لوگوں سے اس بات پر صلح کی کہ آئندہ سال آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تین دن تک مکہ میں رہیں گے اور وہاں اس حال میں داخل ہوں گے کہ ہتھیار جلبان میں ہوں گے لوگوں نے آپ ﷺ سے پوچھا جلبان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نیام اور وہ چیز جو اس میں ہے۔'' ❶

صحیحین میں حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''ہم لوگ جنگ صفین میں شریک وموجود تھے کہ سہل بن حنیف نے کھڑے ہوکر کہا: لوگو! تم اپنی رائے کا قصور سمجھو۔ہم لوگ تو جنگ حدیبیہ میں رسالت مآب ﷺ کے ساتھ حاضر تھے۔اگر جنگ کی ضرورت دیکھتے تو ضرور لڑتے ۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین سے صلح کی تھی۔ جہاں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سرور عالم سے کہا تھا: یارسول اللہ! کیا ہم حق پر اور یہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟ ارشاد ہوا: ہاں!

پھر انہوں نے کہا: کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مرے ہوئے لوگ دوزخ میں نہیں ہیں؟

ارشاد ہوا: ہاں! تو اس کے بعد انہوں نے پھر پوچھا بتائیے: تو پھر ہم اپنے مذہب کے بارے میں ان لوگوں سے کمزوریوں کو قبول کیوں کریں اور دین میں ان سے کیوں دبیں اور قبل اس کے کہ اللہ تعالی ہمارا اور ان کا فیصلہ کرے؛ کیا ہم واپس ہو جائیں؟

تو سرور عالم ﷺ نے فرمایا: اے ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ تعالی مجھے کبھی رسوا و ذلیل نہیں کرے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صبر نہ ہوسکا اور غصہ ہی کی حالت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا:

اے ابوبکر! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔

کہنے لگے: ''کیا ہمارے شہداء جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''پھر ہم کس وجہ سے اپنے دین میں کمزوری قبول کریں حالانکہ اللہ تعالی نے ہمارا اور ان کے درمیان فیصلہ کا حکم نہیں دیا؟

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابن خطاب! آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں' اللہ انہیں کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا۔''

پس رسول اللہ ﷺ پر سور فتح نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور انہی سے وہ آیات پڑھوائیں؛ تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہ فتح ہے آپ نے فرمایا جی ہاں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ دلی طور پر خوش ہوکر لوٹ گئے۔'' ❷

---

❶ صحیح بخاری: کتاب الصلح ' باب : کیف یکتب هذا ما صالح فلان ابن فلان ......؛ ح 2538- مسلم کتاب الجهاد والسیر ' باب صلح الحدیبیة ٣/ ١٤٠٩- سنن أبي داؤد کتاب المناسك ' باب المحرم یحمل السلاح ٤/ ٢٨٩-

❷ صحیح مسلم: ح: 136- صحیح بخاری: ح: 427-

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



[رائے کی غلطی]:

مسلم کی ایک روایت میں ہے: [حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا]: اے لوگو! اپنی رائے کو غلط سمجھو؛ اللہ کی قسم! ابوجندل کے دن کا واقعہ میرے سامنے ہے اگر مجھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر سے لوٹا دینے کی طاقت ہوتی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوٹا دیتا۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''اللہ کی قسم ہم نے اپنی تلواریں کسی کام کے لیے اپنے کندھوں پر کبھی نہیں رکھیں مگر یہ کہ ان تلواروں نے ہمارے کام کو ہمارے لیے آسان بنا دیا البتہ یہ معاملہ (آسان) نہیں ہوتا۔'' [1]

اور ایک روایت میں آپ فرماتے ہیں:

''[(مگر اس جنگ صفین) کا عجیب حال ہے کہ] ہم ایک کام کو سنبھالتے ہیں تو دوسرا بگڑ جاتا ہے ہم حیران ہیں کہ اس کے انسداد کی کیا تدبیر کریں۔'' [2]

یہ جملے آپ نے صفین کے موقع پر اس وقت ارشاد فرمائے جب حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے اصحاب کے مابین صلح کی وجہ سے خوارج کا ظہور ہوا۔

عمرہ حدیبیہ کے موقع کی یہ تمام ایسی روایات ہیں جن کے صحیح ہونے پر اہل علم محدثین کا اتفاق ہے؛ اور ان سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے۔ اس خصوصیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی دوسرا آپ کا شریک و سہیم نہیں؛ نہ ہی حضرت عمر، نہ ہی علی اور نہ ہی ان دونوں کے علاوہ کوئی۔

ان میں اللہ اور اس کے رسول پر آپ سے بڑھ کر ایمان رکھنے والا اور اللہ اور اس کے رسول کا آپ سے بڑا اطاعت گزار کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اور نہ ہی شوریٰ میں آپ سے پہلے کوئی دوسرا بولتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف آپ کی رائے پر بہت بڑے بڑے کارناموں میں فیصلے کیا کرتے تھے۔ اور آپ ہی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کلام شروع کیا کرتے۔ اور آپ ہی تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فتویٰ کی تائید فرماتے اور اسے برقرار رکھتے تھے۔ یہ مقام و مرتبہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے کے حصہ میں نہیں آیا۔

جب بنوخزاعہ میں سے آپ کا جاسوس حاضر خدمت ہوا' اور یہ بتایا کہ: ''میں اپنے پیچھے قریش کو اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ کعب بن لوئی اور عامر بن لوئی نے بہت سے قبائل اور حبشیوں اور دیگر جماعتوں کو آپ سے لڑنے کے لیے اکٹھا کیا ہے؛ وہ آپ سے لڑیں گے اور بیت اللہ تک پہنچنے سے روکیں گے۔'' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا: لوگو! مجھے اس معاملہ میں بتاؤ کہ کیا کرنا چاہیے؟ کیا کافروں کے اہل و عیال پر ٹوٹ پڑیں اور ان کو تباہ کر دیں؛ یا پھر ہم بیت اللہ کی طرف سفر جاری رکھیں' اور جو ہماری راہ میں رکاوٹ بنیں اس سے لڑیں۔

[1] صحیح مسلم: ح: 137۔ [2] صحیح مسلم: ح: 139۔ صحیح بخاری: ح: 1370۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اس موقعہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! ہم تو صرف اللہ کے گھر کا ارادہ کر کے حاضر ہوئے ہیں کسی سے لڑنا اور مارنا یا اسے لوٹنا ہماری غرض نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے چلیں اگر کوئی ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان رکاوٹ بنے گا تو ہم اس سے جنگ کریں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر اٹھو اور اللہ کا نام لے کر چلو۔''

اور ایسے ہی جب عروہ بن مسعود ثقفی جو کہ قبیلہ بنو ثقیف کا سردار تھا؛ جو کہ قریش کا حلیف قبیلہ تھا؛ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات چیت کی اور کہا: یہ مختلف گروہوں سے ملے ہوئے لوگ ہیں' اور امام احمد کی روایت کے متعلق اوباش قسم کے لوگ ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو بھاگ جائیں گے اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں گے۔۔ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے یہ سن کر عروہ سے کہا کہ: ''امصص ببظر اللات'' (تو لات بتنی کی شرمگاہ چوسے)! [1] کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے بھاگ جائیں گے، اور انہیں تنہا چھوڑ دیں گے؟

عروہ نے کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

عروہ نے کہا: قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھ پر تمہارا ایک احسان نہ ہوتا جس کا میں نے ابھی تک بدلہ نہیں دیا تو میں ضرور تم کو جواب دیتا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس سے پہلے جناب عروہ بن مسعود کے ساتھ کوئی احسان کیا تھا۔ تو اس نے اس احسان کی حرمت کا احساس کرتے ہوئے اس بات پر کوئی جواب نہ دیا۔

اسی لیے علماء کرام رحمہم اللہ میں سے بعض نے کہا ہے کہ: ''یہ حدیث مصلحت اور ضرورت کے پیش نظر شرمگاہ کا صراحت کے ساتھ نام لینے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اس کا شمار ممنوعہ فحاشی کے امور میں نہیں ہوتا۔

اور جیسا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس انسان کو سنو کہ وہ جاہلیت کی طرح کی گریہ وزاری کر رہا ہے تو اسے برا بھلا کہو' اور اس کی رعایت نہ کرو۔'' [رواہ احمد]

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو ایسے ہی آہ و بکا کرتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا: ''اے فلاں! تمہارے باپ کی ایسی تیسی ......'' جب آپ سے کہا گیا کہ: آپ نے یہ کیا کہہ دیا؟ تو آپ نے جواب دیا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔'' [2]

---

[1] حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ''لات'' بتنی کا نام اس لیے لیا تھا کہ عروہ بن مسعود ثقفی کا تعلق بنو ثقیف سے تھا؛ اور یہ قبیلہ اسی بت کا پجاری تھا۔ لہٰذا حقیقت میں یہ اس معنی میں گالی نہیں ہے جیسے ظاہری الفاظ سے نظر آ رہا ہے' بلکہ یہ اس کے مشرک ہونے پر اسے عار دلائی جاری ہے کہ اگر تم لوگ مشرک ہو کر بھی یہ سمجھتے ہو کہ سب مل کر ہم سے لڑو گے تو کیا مسلمان موحد ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلے چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔'' تفکر و تدبر علی ھذا التاویل۔ [دراوی جی]

[2] مسند أحمد ٥/ ١٣٦۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



پھر جب نبی کریم ﷺ نے قریش کے ساتھ صلح کی تو ظاہری طور پر اس میں مسلمانوں کی ہزیمت اور پسپائی تھی۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری میں اور اس کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے ایسا ہی کیا؛ آپ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی مدد فرمائیں گے۔ حالانکہ باقی اکثر لوگوں کو اس بات پر غصہ آرہا تھا' اوران پر یہ بات بہت گراں گزر رہی تھی۔ حتی کہ حضرت عمر' حضرت علی' حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم اجمعین [اس بات کو برداشت نہیں کر رہے تھے]۔ یہی وجہ تھی کہ جب حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باقی لوگوں پر آپ کی فضیلت کا اظہار کرنے کے لیے تکبیر کہی۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: ''لفظ رسول اللہ مٹادو۔'' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے خود وہ تحریر لے کر اس سے یہ جملہ مٹا دیا۔

صحیح بخاری میں ہے: ''آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: ''لفظ رسول اللہ مٹادو۔''

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا بخدا میں تو اسے کبھی نہیں مٹا سکتا، تو رسول اللہ نے وہ صلح نامہ لے لیا، حالانکہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے پھر بھی آپ نے یہ لکھا، یہ محمد بن عبداللہ کا صلح نامہ ہے۔'' [1]

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اگر مجھ میں رسول اللہ ﷺ کو اس امر سے لوٹا دینے کی طاقت ہوتی تو میں آپ ﷺ کو لوٹا دیتا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے مناظرہ کررہے ہیں۔ آپ پوچھ رہے تھے: کیا ہم حق پر اور وہ ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ اور کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ اور آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ پھر ہم ذلت کو کیوں گوارہ کررہے ہیں؟ پھر آپ نے اپنی اس بات سے رجوع کرلیا؛ اور اس غلطی کے کفارہ میں بہت سارے نیک اعمال کیے۔

## [حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اطاعت گزاری]:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سب سے بڑے اطاعت گزار تھے۔ آپ سے کبھی بھی مخالفت نبوت میں کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی۔ بلکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے مناظرہ کرنے کے بعد آپ سے مناظرہ کیا تو آپ نے وہی جواب دیا جو اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا تھا۔ حالانکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ جواب نہیں سنا تھا۔

یہ رسول اللہ ﷺ کی موافقت اور مطابقت پر سب سے واضح دلالت ہے۔ اور یہ کہ آپ کا قول و عمل ؛ علم اور حال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھا۔ اس لیے کہ آپ وہی بات فرمایا کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی بات ہوتی۔ اور وہی کام کیا کرتے تھے جو آپ کا کام ہوتا۔ خصوصاً ان مواقع پر جب دوسرے لوگوں پر آپ کی فضیلت ظاہر ہوئی۔ تو کہاں

[1] صحیح بخاری: ح: 1423

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



آپ کا مقام و مرتبہ اور کہاں دوسرے لوگوں کا مقام و مرتبہ؟

ایک آپ سے مناظرہ کررہا ہے تاکہ آپ اپنا فیصلہ واپس لے لیں۔ دوسرے کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ کا نام مٹادے مگر وہ ایسا نہیں کررہا۔ دوسرا کہہ رہا ہے: اگر میں رسول اللہ ﷺ سے ان کا فیصلہ واپس کرواسکتا تو ضرور ایسا کروا دیتا۔ آپ لوگوں کو قربانیاں کرنے کا حکم دے رہے ہیں تو لوگ توقف میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس میں بھی کوئی شک وشبہ والی بات نہیں کہ جن لوگوں نے ایسے کیا اس کے پیچھے بھی اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور کفار سے بغض ونفرت کا عنصر شامل تھا۔ اور انہیں یہ بات محبوب تھی کہ ایمان کفر پر غالب اور سربلند رہے۔ اور یہ کہ اہل ایمان پر اہل کفر کی وجہ سے کوئی بزدلی' کمزوری یا رسوائی داخل نہ ہو۔ اور ان کا نظریہ یہ تھا کہ ان سے لڑ پڑیں تاکہ مسلمانوں کو اس دبی ہوئی صلح کی وجہ سے بزدلی اور دب جانے کی عار لاحق نہ ہو۔

یہ بات تو معلوم شدہ ہے کہ نص کو رائے پر تقدیم حاصل ہوتی ہے؛ اور شریعت کو خواہشات نفس پر۔ وہ بنیادی اصول جس میں انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے والے اور ان کا انکار کرنے والے متفرق ہوگئے؛ وہ اصول یہی تھا کہ نصوص کو آراء پر شریعت کو اَھواء پر تقدیم حاصل ہے۔ اور شر کی اصل بنیاد رائے کو نص؛ اور خواہشات کو شریعت پر مقدم کرنا ہے۔ پس جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے روشن کردیا ہو' تو اسے نصوص و شریعت میں موجود خیر و بھلائی نظر آنے لگ جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تب بھی نص رسول اللہ ﷺ اور حکم شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ اور ان کے ساتھ رائے یا خواہش نفس کی وجہ سے ٹکرایا نہیں جاسکتا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ: ''میں اللہ کا رسول ہوں' اور ہرگز اس کی نافرمانی کرنے والا نہیں۔ وہ میرا ناصر و مددگار ہے۔'' تو آپ نے بیان کردیا کہ: ''آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اور آپ وہی کام کریں گے جس کا حکم رسولوں کو دیا جاتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کرتے۔ اور آپ نے یہ بھی خبر دی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری کرتے ہیں؛ نافرمانی نہیں کرتے؛ جیسا کہ خواہش پرست اور اپنی رائے پر چلنے والوں کا حال ہوتا ہے۔ اور آپ نے یہ بھی خبر دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر اور مددگار ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی مدد پر پورا یقین تھا۔ پس اس موقع پر جو کچھ ہوا وہ ہرگز آپ کے حق میں ضرر رساں نہیں تھا۔ اس لیے کہ یہ دین کی سربلندی کی مصلحت کو متضمن تھا؛ جیسا کہ بعد میں یہ ظاہر ہوا۔ حقیقت میں یہ فتح مبین تھی۔ اگرچہ اس میں موجود حسن و خوبی کو بہت سارے لوگ سمجھ نہیں سکے تھے۔ اور بلکہ اسے بزدلی؛ عجز اور ذلالت اور دب جانے سے تعبیر کرتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے اس موقع پر اعتراضات کیے تھے؛ بعد میں انہوں نے توبہ کی؛ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ جیسا کہ حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رجوع کرنے کا واقعہ آتا ہے۔ اور ایسے ہی حدیث میں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے اپنی خطاء کے معترف ہونے کا بھی ذکر ہے۔ اس لیے کہ آپ نے آخر میں یہ کہا تھا: ''اللہ و رسولہ اعلم۔''

پھر ان کی رائے کو بعد میں آنے والوں کے لیے درس عبرت قرار دیا۔ اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی رائے کی غلطی کا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اعتراف کریں۔ اس لیے کہ رائے غلط بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیبیہ کے دن خود ان کی رائے کی غلطی سے ظاہر ہو گیا۔ اور ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی تعمیل حکم نہیں کی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب حکم دیا گیا کہ: وہ اپنے سر منڈوا دیں اور قربانیاں ذبح کر دیں؛ تو انہوں نے تعمیل حکم نہیں کی۔ یہاں تک کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے خود اپنے بال منڈوا دیے؛ اور پھر انہوں نے اپنی اس حرکت پر توبہ بھی کی؛ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا اور ان کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

یہ بہت ہی عظیم قصہ ہے۔ جو اس مقام تک پہنچا ہوا ہے کہ عام لوگ اس کے تحمل کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ وگرنہ یہی لوگ سب سے بہترین مخلوق تھے؛ اور لوگوں میں سب سے افضل لوگ تھے۔ علم و ایمان میں سب سے پختہ اور بڑھے ہوئے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے ببول کے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رضامندی کے سرٹیفکیٹ سے نوازا تھا۔ اور ان کے ثنائے خیر کی تھی۔ یہی لوگ مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین تھے۔

## [فضیلت کا اعتبار:]

فضیلت میں اعتبار کمال انتہاء کے لحاظ سے ہوتا ہے نقص ابتداء کے لحاظ سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمارے سامنے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی توبہ اور ان کے احسن انجام؛ اور خاتمہ بالخیر کے واقعات بیان کیے ہیں۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی کرامات کا احسان کیا تھا؛ اور انہیں بلند مقام و درجات سے نوازا تھا۔ حالانکہ ان کے مابین کئی واقعات بھی پیش آئے تھے۔ ان واقعات کی وجہ سے ان لوگوں سے بغض رکھنا ہرگز جائز نہیں۔ اس لیے کہ اعتبار تو کمالِ انتہاء کا ہے نقصِ ابتداء کا نہیں۔

یہی حال سابقین اولین کا ہے۔ جو کوئی ان کی ابتدائی زندگیوں کے اعتبار سے بغض رکھے؛ حالانکہ اعتبار تو انتہاء میں کمال کے لحاظ سے ہے؛ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا؛ تو ایسا انسان جاہل ہے۔ لیکن یہاں مطلوب یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام لوگوں سے زیادہ اکمل و افضل اور خیر و بھلائی کے کاموں میں سبقت لے جانے والے تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں کوئی دوسرا انسان آپ کا ہم پلہ اور مثیل نہیں تھا۔

یہ بات اتنی واضح ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے جاہل کے علاوہ کوئی دوسرا انسان شک نہیں کرسکتا۔ یا پھر کوئی ایسا خواہشات پرست انسان ہو جس کو اس کی خواہشات نے قبول حق سے روک رکھا ہو۔ وگرنہ جس انسان کے پاس علم اور عدل ہو؛ وہ کسی طرح بھی اس معاملہ میں شک کا شکار نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ اس مسئلہ میں اہل علم و ایمان شک نہیں کرسکتے۔ جیسا کہ اس دور کے تمام لوگ باقی صحابہ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور تقدیم پر متفق تھے؛ اور بعد میں آنے والے اہل اسلام اور بہترین لوگ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کا بھی اس پر اتفاق تھا۔ یہی امام مالک اور ان کے اصحاب، امام شافعی اور ان کے اصحاب، امام احمد اور ان کے اصحاب، امام داؤد اور ان کے اصحاب، امام ثوری اور ان

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



کے اصحاب' امام اوزاعی اور ان کے اصحاب' امام لیث اور ان کے اصحاب' رحمہ اللہ اور ان تمام علماء اسلام کا مذہب و مسلک رہا ہے جنہیں امت میں قبولیت حاصل ہے۔

جس کسی کا یہ خیال ہو کہ حدیبیہ کے موقع یا پھر دیگر مواقع پر مخالفین کی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت؛ ایسا گناہ ہے جو کہ توبہ سے کبھی معاف نہیں ہوسکتا' تو یقیناً ایسا انسان غلطی کا شکار ہے۔ جیسا کہ ان لوگوں کی بات بھی غلط ہے جو مخالفت حکم نبوی کے مرتکبین کی طرف سے عذر پیش کرتے ہوئے اور ان سے ملامت کو ختم کرتے ہوئے یہ کہنے لگے کہ: انہوں نے حلق اور قربانی میں تاخیر اس لیے کی کہ یہ لوگ انتظار کررہے تھے؛ کہ شاید اس کی منسوخی کا حکم آجائے' یا پھر اس کے خلاف وحی نازل ہوجائے۔

کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ: ''آپ کی اطاعت سے پیچھے رہ جانے والے اس وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے کہ یا تو آپ ﷺ کے مرتبہ کی تعظیم کا لحاظ تھا' اس لیے آپ کا نام نہیں مٹایا۔ یا پھر مشرکین سے صلح کے مسئلہ پر تکرار کرنے والوں کا مقصد کفر پر اسلام کا غلبہ اور اسلام کے ظہور و پذیرائی کا تھا۔ یہ اس طرح کی دیگر توجیہات تھیں۔

تو جواب میں یہ کہا جائے گا کہ: نبی کریم ﷺ کی طرف سے امر جازم سے مراد ایجاب تھا۔ جو کہ باتفاق اہل ایمان موجب اطاعت تھا۔ اس میں بعض ان لوگوں نے تنازعہ کیا جن کا یہ خیال تھا کہ یہ ایسا حکم جازم نہیں جس کا ماننا واجب ہو۔ اگر اس کا واجب اطاعت ہونا ظاہر ہوتا تو پھر کوئی ایک بھی اس کی تعمیل میں شک تک بھی نہ کرسکتا۔

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ: آپ ﷺ کی طرف سر منڈوانے اور قربانیاں کرنے کا حکم صادر ہونا حکم جازم تھا؛ جس کا تقاضا یہ تھا کہ فی الفور اس کی اطاعت کی جائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے تین بار ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ جب ان میں سے کوئی ایک بھی اس حکم کی تعمیل کے لیے نہیں اٹھا تو آپ ﷺ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے؛ اور ان کے سامنے لوگوں کے اس ردعمل کا ذکر کیا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ غصہ میں تھے؛ اور فرمایا: ''میں غصہ کیونکر نہ ہوں' جب میں کسی بات کا حکم دیتا ہوں تو اس کی اتباع نہیں کی جاتی۔'' [1]

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ یہ جملہ آپ ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمایا جب آپ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر لوگوں کو حلال ہونے کا حکم دیا تھا۔

یہ بات بھی سبھی جانتے ہیں کہ عمرہ محصورہ سے تحلل کا حکم حج کے موقع پر عمرہ کے بعد تحلل کے حکم سے زیادہ مؤکد تھا۔

مزید برآں یہ کہ آپ کو اس موقع پر تحریر نامہ سے اپنا نام مٹانے کی ضرورت تھی تاکہ صلح اپنی منطقی انجام کو پہنچ سکے۔ اسی لیے آپ نے اپنے دست مبارک سے اسے مٹادیا۔ اور یہ حکم ایک امر جازم تھا؛ اس حکم کی مخالفت کرنے والا اگرچہ متأول تھا؛ اور اس کا گمان یہ تھا یہ حکم ماننا واجب نہیں؛ اس لیے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے احترام میں کمی آتی ہے۔ یا پھر اس میں عمرہ کا انتظار اور صلح کا عدم اتمام تھا۔ متأول کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے اجتہاد میں غلطی پر تھا۔ اس لیے

[1] سنن ابن ماجة ۲/ ۹۹۳؛ کتاب المناسك' باب فسخ الحج۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا پختہ حکم دیا تھا؛ اور بات نہ ماننے والوں کی شکایت بھی کی تھی اور یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں غصہ نہ ہوں جب کہ میں ایک بات کا حکم دے رہا ہوں اور میری بات نہیں مانی جا رہی ۔'' تو ایسے موقع پر آپ کے حکم کی مخالفت کرنے کی گنجائش کسی ایک کے لیے بھی نہ تھی ۔لیکن یہ ایسی لغزش تھی جس سے صحابہ نے توبہ کرلی جیسا کہ دوسرے گناہوں سے توبہ کرلی تھی ۔

پس کسی ایک کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے کو معصوم ثابت کرے جو کہ حقیقت میں معصوم نہیں ہے ۔ پھر اس سے حقیقی معصوم ﷺ کی شان میں قدح وارد ہو۔ جیسا کہ ان توبہ کرنے والوں کے متعلق کیا گیا۔اس گناہ کی وجہ سے انہیں ایک قسم کی سزا ملی ؛ اوران لوگوں سے اس چیز کی نفی کرنے لگ گئے جس کی وجہ سے ان پر ملامت واجب ہوتی تھی ۔اللہ تعالیٰ نے گناہ گاروں کو ملامت کیا ہے [یعنی اس کے بعد پھر ان لوگوں نے توبہ کرلی ؛ اوران سے ملامت ختم ہوگئی ] مگر یہ بشریت کی تعظیم میں اتنا آگے نکل گئے کہ اللہ رب العالمین کی شان میں قدح کرنے لگے ۔[یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کا اعتبار نہ رہا' اور گنہگار کو غیر گنہگار شمار کرنے لگے ]۔

اب جس انسان کو یہ علم ہو کہ کمال کا اعتبار آخر کے لحاظ سے ہوتا ہے ۔اور یہ کہ توبہ انسان کو اس کے سابقہ مقام سے بہت آگے لے جاتی ہے ۔تو پھر اسے یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل ایمان بندوں کے ساتھ کیا' وہ ان لوگوں پر اس کی بہت بڑی نعمتوں میں سے ایک تھا۔

وہ مقامات جہاں پر نبی کریم ﷺ کیساتھ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف کوئی ایک ہی ہوتا تھا تو [اکثر وبیشتر] آپ [یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ] ہی ہوتے تھے ۔مثال کے طور پر ہجرت کا سفر۔اور بدر کے دن آپ کے چھپر پر پہرہ داری ۔ان مواقع پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی بھی آپ کے ساتھ نہیں تھا۔اور قبائل کو اسلام کی دعوت دیتے وقت آپ کے ساتھ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوا کرتے تھے ۔

یہ خصوصیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی اور کے نصیب میں نہیں آئی ۔اس پر ان تمام لوگوں کا اتفاق ہے جو رسول اللہ ﷺ کے احوال کو جانتے ہیں ۔لیکن رہا وہ انسان جو نبی کریم ﷺ کے احوال سے جاہل ہو' یا پھر جھوٹا ہو تو وہ اس شیعہ مصنف جیسی باتیں ہی کہے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ [التوبۃ ۴۰]

''جب وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے: گھبرائیے نہیں! بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے ۔''

یہ صحبت صرف غار کے واقعہ کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے؛ بلکہ آپ مطلق صحبت رکھتے تھے ۔جو صحبت اپنے کمال میں اس درجہ کو پہنچی ہوئی ہے کہ جس میں کوئی دوسرا آپ کا سہیم وشریک نہیں ۔تو آپ اس کمال صحبت میں وحید ومختص ہیں ۔[اس قسم کے واقعات کی بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کے لقب سے نوازا گیا]۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



بخاری میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''ارے لوگو! ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قدر پہچانو، اللہ کی قسم اس نے کبھی مجھے الم ورنج نہیں پہنچایا۔ ارے لوگو! میں عمرو عثمان اور علی اور فلاں فلاں سے رضی اللہ عنہم اجمعین سے راضی ہوں۔'' ❶

اس سے واضح ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بطور خاص ذکر کیا ہے' اگرچہ باقی لوگوں کو بھی اپنے صحابہ میں شمار کیا ہے' مگر کمال صحبت کی خصوصیت صرف آپ کا شرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کرام فرماتے ہیں:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وہ خصائص ہیں جن میں کوئی دوسرا آپ کا شریک وسہیم نہیں۔''

جو کوئی چاہتا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی منزلت وعظمت کی معرفت حاصل کرے تو اسے چاہیے کہ ان صحیح احادیث مبارکہ پر غور وفکر کرے جنہیں اہل علم محدثین نے صحیح کہا ہے۔ وہ محدثین جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کا مکمل علم تھا؛ اور ان کے دلوں میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل محبت موجود تھی۔ اور انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حق و سچ کی تبلیغ کا فریضہ ادا کیا۔ اور ان کی خواہشات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے پیغام کے تابع ہوکر رہ گئی تھیں۔ انہیں صرف اس بات سے غرض تھی کہ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے۔ اور اس میں جھوٹوں کے جھوٹ؛ غلط کاروں کے غلط کو پرکھنے اور علیحدہ علیحدہ کرنے کا فریضہ انجام دیا۔ جیسا کہ صحاح کے مؤلفین جیسے امام بخاری' مسلم' و اسماعیلی' برقانی؛ ابی نعیم؛ دارقطنی؛ اور جیسا کہ ابن خزیمہ؛ ابن مندہ ابوحاتم بستی؛ اور حاکم وغیرہ۔ جب ایک سلیم العقل شخص بنظر غائر احادیث نبویہ کو جانچتا پرکھتا ہے تو صدق وکذب اس پر روشن ہو جاتا ہے۔

وہ احادیث جن کو متقدمین ومتاخرین میں سے ان سے بھی جلیل القدر یا پھر ان کے ہم پلہ ائمہ کرام رحمہم اللہ نے صحیح قرار دیا ہے' جیسے: امام مالک' امام شعبہ؛ یحی بن سعید' عبدالرحمن بن مہدی؛ ابن المبارک؛ أحمد؛ ابن معین؛ اور ابن مدینی ابوحاتم' ابوزرعہ رازی؛ اور اتنی بڑی تعداد میں علماء ہیں جن کی صحیح تعداد کو اللہ ہی جانتا ہے۔

جب ایک سلیم العقل شخص بنظر غائر احادیث نبویہ کو جانچتا پرکھتا ہے تو صدق وکذب اس پر روشن ہو جاتا ہے، اسی طرح جو شخص حفاظ حدیث کی صف میں شامل ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ وہ کس اعزاز واکرام کے سزاوار ہیں۔ جو کوئی چاہتا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی منزلت وعظمت کی معرفت حاصل کرے تو اسے چاہیے کہ ان صحیح احادیث مبارکہ پر غور وفکر کرے جنہیں اہل علم محدثین نے صحیح کہا ہے۔ وہ محدثین جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کا مکمل

❶ یہ روایت بخاری میں تو نہیں ملی۔ مگر دوسری کتابوں میں سہل یوسف بن سہل کی سند سے روایت کی گئی ہے۔ اس روایت میں ہے:'' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس مدینہ تشریف لائے؛ تو آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے؛ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور فرمایا:'' ارے لوگو! ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قدر پہچانو، اللہ کی قسم اس نے کبھی مجھے الم ورنج نہیں پہنچایا۔ ارے لوگو! میں ابوبکر وعمر وعثمان اور علی طلحہ وزبیر اور عبدالرحمن بن عوف اور مہاجرین اولین سے رضی اللہ عنہم اجمعین سے راضی ہوں' ان کی قدر پہچانو۔'' معجم الصحابہ لابن قانع ؛ حدیث : 496۔ المعجم الکبیر للطبرانی؛ حدیث : 5506۔ معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم الأصبھانی؛ حدیث : 2933۔ سیرت نبویہ از ابن کثیر ٤/ ٤٢٦۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



علم تھا؛اور ان کے دلوں میں پیارے نبی ﷺ کی مکمل محبت موجود تھی۔ اور انہوں نے پیغمبر ﷺ کی طرف سے حق و سچ کی تبلیغ کا فریضہ ادا کیا۔ اوران کی خواہشات نبی کریم ﷺ کے لائے پیغام کے تابع ہو کر رہ گئی تھیں۔ انہیں صرف اس بات سے غرض تھی کہ پیارے حبیب ﷺ نے کیا فرمایا ہے۔ اور اس میں جھوٹوں کے جھوٹ؛ غلط کاروں کے غلط کو پرکھنے اور علیحدہ علیحدہ کرنے کا فریضہ انجام دیا۔ جیسا کہ صحاح کے مؤلفین جیسے امام بخاری' مسلم' واسماعیلی'

جب ایک سلیم العقل شخص بنظر غائر احادیث نبویہ کو جانچتا پرکھتا ہے تو صدق و کذب اس پر روشن ہو جاتا ہے، اسی طرح جو شخص حفاظ حدیث کی صف میں شامل ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ وہ کس اعزاز و اکرام کے سزاوار ہیں۔ جو شخص اس میدان میں اترنے کی جرأت نہیں کرسکتا، اسے چاہیے کہ علم حدیث میں دخل اندازی نہ کرے اور اس فن کو ان لوگوں کے لیے چھوڑ دے جو اس کے اہل ہیں۔ جس طرح علم طب ونحو اور نقد و جرح کا کام انہی لوگوں کو تفویض کیا جاتا ہے جو اس میں کامل بصیرت رکھتے ہیں۔ جو شخص اس میدان میں اترنے کی جرأت نہیں کرسکتا، اسے چاہیے کہ علم حدیث میں دخل اندازی نہ کرے اور اس فن کو ان لوگوں کے لیے چھوڑ دے جو اس کے اہل ہیں۔ جس طرح علم طب ونحو اور نقد و جرح کا کام انہی لوگوں کو تفویض کیا جاتا ہے جو اس میں کامل بصیرت رکھتے ہیں۔ حساب کا کام حساب دانوں پر چھوڑا جاتا ہے۔ اور فقہ کے مسائل فقہاء کے سپرد کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس بات کا امکان رہتا ہے کہ ان تمام لوگوں سے کسی غلطی پر اتفاق ہو جائے۔ سوائے فقہاء کے شرعی فتاوی کے اور محدثین کی نقل حدیث کے۔

یعنی سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ محدثین وفقہاء کے سوا جملہ ارباب فنون سے غلطی صادر ہوسکتی ہے۔ محدثین وفقہاء کسی باطل مسئلہ پر جمع ہو سکتے ہیں نہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ قرار دے سکتے ہیں۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی تکذیب وتصدیق کے سلسلہ میں ان کا اجماع معصوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی فعل کے بارے میں خبر دینے میں فقہاء کا اجماع معصوم ہوتا ہے۔ اس میں امر و نہی اور حلال وحرام سب شامل ہیں۔

## احادیث نبویہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اثبات:

اس سے بڑھ کر یہ کہ محدثین وفقہاء کے سوا جملہ ارباب فنون سے غلطی صادر ہوسکتی ہے۔ محدثین وفقہاء کسی باطل مسئلہ پر جمع ہو سکتے ہیں نہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ قرار دے سکتے ہیں۔

خلاصہ کلام! یہ کہ جو شخص بھی زحمت فکر وتامل گوارا کرتا ہے اس پر حضرت صدیق کے فضائل روز روشن کی طرح واضح ہوجاتے ہیں۔ یہ فضائل آپ کی ذات کے ساتھ مختص ہیں۔ مثلاً یہ آیات واحادیث نبویہ:

1. آیت قرآنی: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾[1]
2. حدیث نبوی: "اِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلُ اللّٰهِ"[2]

---

[1] صحیح بخاری (۳۶۵۲)، مسلم (الزهد: ۷۵/ ۲۰۰۹)

[2] صحیح مسلم (۷/ ۲۳۸۳)

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



(3) یہ حدیث کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب مردوں سے محبوب تر تھے۔❶

(4) وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو فرمایا کہ: ''اگر مجھے زندہ نہ پاؤ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونا۔''❷

(5) وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے عہد نامہ لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔❸

(6) وہ حدیث جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سب سے پہلے ایمان لانے اور اسراء کی تصدیق کرنے کی وجہ سے لقب صدیق کا ذکر کیا گیا ہے۔❹

(7) یہ حدیث ''فَهَلْ اَنْتُمْ تَارِكُوْا لِيْ صَاحِبِيْ''❺

(8) جس حدیث میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ جب عقبہ بن ابی معیط نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں چادر ڈالی تھی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو چھڑایا؛ آپ نے اس وقت فرمایا تھا: ﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ ﴾۔[غافر ۲۸]
''کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔''❻

(9) جس حدیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام صلوٰۃ ❼ اور امیر حج مقرر کرنے کا واقعہ مذکورہ ہے۔❽

(10) وہ حدیث جس میں وفات رسول کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صبر وثبات اور استقلال اور امت کی فرماں برداری کا ذکر کیا گیا ہے۔❾

(11) وہ حدیث جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ان اعمال صالحہ کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ نے ایک دن میں انجام دیے تھے؛ جس بھی انسان میں یہ تمام خصائل پائے جائیں' اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔❿

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کچھ فضائل ایسے بھی ہیں جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے سہیم و شریک ہیں، چنانچہ یہ احادیث نبویہ ملاحظہ ہوں:

◆ ① حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ یہ حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ''میں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آئے میں

❶ صحيح بخاری (۳٦٦۲)، صحيح مسلم(۲۳۸٤)
❷ البخاری (۳٦٥۹) مسلم (۲۳۸٦)
❸ صحيح بخاری(٥٦٦٦)، صحيح مسلم(۲۳۸۷)
❹ مستدرك (۳/ ٦۲)، مجمع الزوائد(۹/ ٤۱)
❺ صحيح بخاری (۳٦٦۱)
❻ صحيح بخاری(۳٦۷۸)
❼ صحيح بخاری(٦۷۸)، صحيح مسلم (٤۱۸)
❽ البخاری(٤۳٦۳)، صحيح مسلم(۱۳٤۱)
❾ صحيح بخاری(۳٦٦۷، ۳٦٦۸)
❿ صحيح مسلم (۱۰۲۸)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما گئے۔'' ❶

❷ وہ حدیث جس میں کنوئیں سے پانی کھینچنے کا ذکر ہے۔ ❷

❸ وہ گائے والی حدیث کہ: جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: '' میں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ❸ ان کی مثالیں اور بھی ہیں۔

صحاح ستہ میں فضائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مندرجہ ذیل حدیثیں صحیح ہیں:

۱۔ آپ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو کہ حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے بس یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۲۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ کل میں ایک شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوگا' اور جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہوں گے۔''

۲۔ مباہلہ میں آپ کا داخل کیا جانا۔

۳۔ ایسے ہی حدیث کساء [ چادر میں ڈھانکنے والی روایت ]۔

۴۔ ایسے ہی یہ روایت: فرمایا: '' اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْكَ ۔''تم مجھ سے ہو اور میں تجھ سے ہوں۔'' لیکن اس میں آپ کی فضیلت ہے خصوصیت نہیں۔ اور ایسے ہی یہ آنے والے حدیث:

۵۔ یہ صفت جو کہ ہر مؤمن و مسلمان کے لیے واجب اور باعث فضیلت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عہد ہے کہ:
''صرف مومن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کریں گے اور صرف منافق آپ سے بغض رکھیں گے۔''

۶۔ وہ روایت جس میں اراکین شوریٰ کا ذکر ہے۔

۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خبر دینا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو وہ حضرت عثمان' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم اجمعین سے راضی تھے۔[سبق تخریجه]

خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل کے متعلق صحاح ستہ میں وارد ہونے والی احادیث کی مجموعی تعداد دس تک پہنچتی ہے۔ ان کے علاوہ بھی دیگر روایات ہیں مگر وہ آپ کے ساتھ مختص نہیں۔ صحاح میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل سے متعلق بیس احادیث مذکور ہیں، ان میں سے اکثر میں آپ کے خصائص بیان کیے گئے ہیں۔

جو انسان یہ کہتا ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے صحیح سند کے ساتھ اتنے فضائل ثابت ہیں جو کسی دوسرے کے لیے نہیں؛ تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ بات امام احمد اور دوسرے ائمہ و محدثین نے نہیں کہی۔ آپ کے حق میں بھی وہی روایات وارد ہوئی ہیں جو کہ آپ جیسے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ہیں۔ لیکن ان میں اکثر روایات ایسی ہیں جن کا جھوٹ اور

---

❶ البخاری، باب مناقب علی رضی اللہ عنہ (ح:۳۷۰۶)، مسلم، باب من فضائل علی بن ابی طالب(ح۲۴۰۴)۔

❷ صحیح بخاری، حوالہ سابق، (ح:۳۷۰۱)، صحیح مسلم۔حوالہ سابق (حدیث:۲۴۰۹)۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الایمان باب الدلیل علی ان حب الانصار وعلی رضی اللہ عنہ (حدیث:۷۸)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



غلط ہونا سب کو معلوم ہے۔ ایک ایسی دلیل جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو؛ اور کسی بھی معارض سے خالی ہو' وہ ان بیس دلیلوں سے بہتر ہے جن کے مقدمات باطل پر اور اسناد کمزور ہوں۔ اور وہ ایسی صحیح احادیث سے ٹکراتی ہو جو کہ اس کے متناقض ہو۔

یہاں پر یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صحبت ایمانی میں وہ اختصاص حاصل ہے جس میں مخلوق میں سے کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ نہ ہی قدر کے اعتبار سے نہ ہی صفت کے اعتبار سے اور نہ ہی نفع مندی کے اعتبار سے۔ اس لیے کہ اگر وہ وقت جمع کیا جائے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل بیٹھا کرتے تھے؛ اور پھر حضرت عثمان و علی اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ اجتماع کا وقت جمع کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیا جانے والا وقت ان سب کے اوقات سے دوگنا ہی نہیں بلکہ کئی گنا زیادہ ہے۔

جب کہ ان سب کے مابین مشترکہ اوقات کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔

جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال محبت' معرفت؛ اور ہر معاملہ میں آپ کی تصدیق یہ سب پر ایسے غالب اور ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے احوال کی معرفت رکھنے والے کسی بھی انسان پر مخفی نہیں اور جس انسان کو اس قوم کے احوال کی معرفت نہیں ہے تو اس کی گواہی ناقابل قبول اور مردود ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینی امور میں حاصل ہونے والی معاونت اور نفع کا بھی یہی حال ہے۔

ان امور کا شمار صحبت کے ان مقاصد اور محامد میں سے ہوتا ہے جن کی وجہ سے کسی صحابی کو دوسروں پر فضیلت دی جاسکتی ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے ہر لحاظ سے وہ اقدار و صفات و خصوصیات ثابت ہیں جن میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں۔ اس کی دلیل: بخاری و مسلم میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> ''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، اسی دوران ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے کا کنارہ پکڑے ہوئے آئے اور اپنے دونوں زانو ننگے کر دیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! تمہارا ساتھی کسی سے جھگڑ پڑا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سلام کے بعد عرض کیا: میرے اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ تنازع تھا۔ میں نے جلد بازی سے کام لیا، پھر مجھے ندامت کا احساس ہوا تو میں نے کہا: ''معاف کر دیجیے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے لیے تیار نہ ہوئے، میں اس مقصد سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا: اے ابوبکر! اللہ تمھیں معاف فرمائے۔''
>
> پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نادم ہوئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کو آئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہ پاکر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ڈر کر دو بار کہا: اے اللہ کے رسول! مجھ سے زیادتی سرزد ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا تھا۔ تم نے مجھے جھٹلایا، مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



میری ہمدردی کی۔ اب کیا تم میرے رفیق کو میرے لیے رہنے دو گے یا نہیں؟''

آپ نے دو مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔ اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کسی نے رنج نہ پہنچایا۔''❶

ایک دوسری روایت میں ہے: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان لڑائی ہوئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر غصہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے چل دیئے مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی پیچھے ہولیے اور معافی چاہی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاف نہیں کیا اور دروازہ بند کرلیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اس حدیث کے آخر میں ہے: یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ڈر کر دو بار کہا: اے اللہ کے رسول! مجھ سے زیادتی سرزد ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا تھا۔ تم نے مجھے جھٹلایا، مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے میری تصدیق کی۔'' [بخاری]

یہ صحیح حدیث ہے؛ اس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صحبت کی تخصیص ہے۔ جیسا کہ خود فرمان نبوت سے ظاہر ہے:

''اے لوگو! کیا تم میرے لیے میری ساتھی کو نہیں چھوڑو گے۔'' اور پھر اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا تو میں نے نبوت کا اعلان کہ: ''اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔'' تم نے مجھے جھٹلایا۔ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ سچ فرماتے ہیں۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی بات کو نہیں جھٹلایا۔ اور جب تمام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا رہے تھے اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر رہے تھے۔''

یہ تو ایک کھلا ہوا معاملہ ہے۔ آپ نے ان تمام لوگوں سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی جن تک رسالت پہنچی تھی۔ یہ حق بات ہے کہ آپ پہلے انسان ہیں جن تک جب اللہ کا پیغام پہنچا تو فوراً ایمان لے آئے۔ یہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے موافق ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کے ساتھ اس معاملہ میں اور کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ایک غلام اور ایک آزاد۔ اس دن آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما تھے۔'' [مسلم ۱/ ۵۶۹؛ نسائی ۱/ ۲۸۳]

جہاں تک حضرت خدیجہ، حضرت زید اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کا تعلق اس حدیث کے حوالے سے ہے؛ تو ان حضرات کا شمار آپ کے کنبہ کے افراد میں ہوتا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تمام ماجرا سنایا۔ تو آپ نے تبلیغ کا حکم نازل ہونے سے قبل ہی آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ پر ایمان لانا ابھی واجب نہیں ہوا تھا۔ اس لیے کہ آپ پر ایمان لانا اس وقت سے واجب ہوا ہے جب سے تبلیغ رسالت کا حکم ملا۔ پس تبلیغ رسالت کا حکم ملنے کے بعد آزاد مردوں سب سے پہلے تصدیق کرنے والے

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''لو کنت متخذا خلیلاً (ح:۳۶۶۱)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں ۔ اس لیے کہ اس وقت ابھی یہ واجب نہیں ہوا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایمان لانے کی دعوت دی جائے ۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت بچے تھے ؛ اور بچے پر کوئی حساب و کتاب نہیں ہوتا ۔

کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تبلیغ رسالت اور ایمان کی دعوت سے پہلے کسی کو تبلیغ کی ہو یا پھر ایمان کی دعوت دی ہو ۔ لیکن یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پرورش پا رہے تھے ؛ جب آپ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے اس معاملہ کی خبر ملی ہوگی تو آپ بھی تبلیغ رسالت سے قبل ایمان لے آئے ہونگے ۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی ظاہر ہوتا ہے :

'' اے لوگو! میں تمہاری طرف مبعوث ہوا ؛ میں نے اعلان کیا : '' اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کی طرف سے رسول ہوں ۔ تو تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا ' ابوبکر صلی اللہ علیہ وسلم نے میری تصدیق کی ۔ ''

صحیحین میں بھی اس طرح کی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تبلیغ رسالت پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام لوگوں نے شروع میں آپ کی تکذیب کی تھی ۔ اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زید و علی رضی اللہ عنہما آپ کے گھر میں تھے ۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی تکذیب نہیں کی ؛ اس لیے آپ کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوتا جن کو تبلیغ کی گئی ہو ۔

یہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت کہ : یارسول اللہ ! آپ کے ساتھ اس معاملہ میں اور کون ہے ؟ تو آپ نے فرمایا : ایک غلام اور ایک آزاد ۔ ''

یہ مسلم شریف کی دوسری روایات کے موافق ہے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ : جن کو دعوت دی گئی اور جن تک تبلیغ رسالت کی گئی ان میں یہ دو حضرات شامل تھے ۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا : '' اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مال و جان سے میری غمخواری کی ۔ '' یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے ' جس میں کوئی دوسرا آپ کا شریک و سہیم نہیں ہے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی دیگر متواتر روایات بھی نقل کی گئی ہیں ۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ پڑھا ، تو فرمایا :

'' یقین سمجھو کہ اللہ سبحانہ نے ایک بندہ کو دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا ( چاہے جس کو پسند کرے ) اس نے اس چیز کو اختیار کرلیا ، جو اللہ کے ہاں ہے ، ابوبکر رضی اللہ عنہ ( یہ سن کر ) رونے لگے ۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ : ایسی کیا چیز ہے ، جو اس بوڑھے کو رلا رہی ہے ، اگر اللہ نے کسی بندہ کو دنیا کے اور اس عالم کے درمیان میں ، جو اللہ کے ہاں ہے ، اس نے اختیار دیا اور اس نے اس عالم کو اختیار کرلیا ، جو اللہ کے ہاں ہے ( تو اس میں رونے کی کیا بات ہے ، مگر آخر میں معلوم ہوا کہ ) ۔ وہ بندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے ۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب میں زیادہ علم رکھتے تھے ، پھر آپ نے فرمایا کہ اے ابوبکر تم نہ رو و کیونکہ یہ بات یقینی ہے سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا اپنی صحبت میں اور اپنے مال میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں ۔ میں اپنی امت میں اگر کسی کو

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



خلیل بناتا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوتے لیکن اسلام کی محبت (کافی ہے) مسجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازہ کے سوا کسی کے دروازہ کو بے بند نہ چھوڑا جائے۔'' [صحیح بخاری: ح 452]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض میں جس مرض میں آپ نے وفات پائی ہے، اپنا سر ایک پٹی سے باندھے ہوئے باہر نکلے اور منبر پر بیٹھ گئے، پھر اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ:

''لوگو! ابوبکر سے زیادہ اپنی جان اور اپنے مال سے مجھ پر احسان کرنے والا کوئی نہیں اور اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا، تو یقیناً ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن اسلام کی دوستی افضل ہے۔'' [صحیح بخاری: ج 1: ح 453]

دوسری روایت میں ہے: ''میں اپنی امت میں اگر کسی کو خلیل بناتا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوتے لیکن اسلامی بھائی چارہ ہی کافی ہے۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''لیکن آپ میرے بھائی اور میرے صحابی ہیں۔''

ان تمام روایات سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحبت کے فضائل و اختصاص آپ کے مناقب؛ دعوت میں کردار' اور ادائے حقوق میں آپ کی وہ خصوصیات واضح ہوتی ہیں جن میں کوئی دوسرا آپ کا سہیم و شریک نہیں ہے۔ حتی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گونا گوں اوصاف و محامد کی بنا پر خلیل رسول (آپ کے گہرے دوست) تھے۔ بشرطیکہ بنی نوع انسان میں آپ کا کوئی خلیل موجود ہو۔ یہ تمام نصوص صراحت کے ساتھ بیان کر رہی ہیں کہ: جناب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام مخلوق خدا میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب اور آپ کے نزدیک سب سے افضل تھے۔ جیسا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو غزوہ ذات السلاسل پر بھیجا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے کہا:

''یا رسول اللہ! ازواج مطہرات میں سے آپ کو کون عزیز تر ہے؟ آپ نے جواباً فرمایا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا۔'' میں نے عرض کیا اور مردوں میں سے آپ کس کے ساتھ زیادہ محبت رکھتے ہیں؟

فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔''

میں نے عرض کیا ان کے بعد اور کس سے؟ فرمایا: ''عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔''

اس کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ دریافت کرتے چلے گئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درجہ بدرجہ متعدد صحابہ کا ذکر کیا۔ [1]

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے: حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر میں اس اندیشہ کے تحت خاموش ہوگیا کہ کہیں آپ مجھے سب سے آخر میں نہ کر دیں۔'' [بخاری ٥/٥؛ مسلم ٤/١٨٥٦]

## زیر تبصرہ آیت کی مزید توضیح:

❀ اس کی مزید وضاحت اس آیت قرآنی میں غار کے واقعہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ اس وقت میں جب کہ باقی تمام مخلوق آپ کی مدد سے عاجز آ گئی؛ اس وقت اس شخصیت

[1] صحیح بخاری۔ باب غزوۃ ذات السلاسل، (ح:٤٣٥٨) صحیح مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة۔ باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (ح:٢٣٨٤)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



نے آپ ﷺ کی مدد کی جنہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید حاصل تھی۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے:

﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ [التوبة ۴۰]

''اس وقت جبکہ انہیں کافروں نے نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔''

یعنی اس حالت میں آپ کو نکالا گیا جب آپ کے ساتھ صرف ایک آدمی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اس لیے کہ ایک سب سے آخری کم عدد ہے جو کہ انتہائی قلت پر دلالت کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [التوبة ۴۰]

''جب آپ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

آیت کھل کر دلالت کر رہی ہے کہ آپ کے ساتھی کو آپ کے بارے میں خوف تھا؛ وہ آپ سے سچی محبت کرنے والے اور سچے مددگار تھے؛ اسی لیے آپ کے معاملہ میں غمگین ہو رہے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حالت خوف میں انسان اسی چیز پر غمگین ہوتا ہے جو اسے محبوب ہو۔ جب کہ اگر دشمن کی ہلاکت کے اسباب پیش ہو رہے ہوں تو پھر اس پر کوئی غمگین نہیں ہوتا۔

اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے دشمن ہوتے، جیسا کہ روافض کہتے ہیں، تو وہ دشمن کی آمد پر ہم و غم کی بجائے فرح و سرور کا اظہار کرتے اور رسول اللہ ﷺ بھی آپ سے یہ نہ فرماتے: ''غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اظہار غم کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نصرت ان کے شامل حال ہے۔''[1]

پس یہ خبر دی جاری ہے کہ: اللہ تعالیٰ ان دونوں کیساتھ ہے اور ان کی مدد کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ اور اہل ایمان کے لیے اس حالت میں نصرت الٰہی کی خبر دیں کہ وہ باطن میں منافق ہوں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی بھی خبر دینے میں معصوم ہیں۔ آپ حق کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ یہ بات اگرچہ جائز ہے کہ آپ پر بعض لوگوں کا حال مخفی رہ جائے؛ مگر اس سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ لوگ منافق ہی ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ [التوبة ۱۰۱]

''اور کچھ تمہارے گرد و پیش والوں میں اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، آپ ان کو نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں۔''

پس ان لوگوں کے متعلق ایسی خبر دینا جائز نہیں جو ان کے ایمان پر دلالت کرتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تبوک والے سال

[1] البخاری (۳۶۵۲)، مسلم (الزهد: ۲۰۰۹)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



جب پیچھے رہ جانے والے اپنے عذر پیش کرتے ہوئے قسمیں اٹھاتے ہوئے آئے؛ تو رسول اللہ ﷺ ان کی ظاہری باتوں کو قبول فرماتے رہے۔اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کرتے رہے۔لیکن آپ نے ان میں سے کسی ایک تصدیق نہیں فرمائی۔مگر جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ پیش خدمت ہوئے اور اپنا معاملہ سچائی کے ساتھ پیش کردیا تو آپ نے فرمایا:'' اس انسان نے سچ کہا۔''

یا یہ الفاظ ارشاد فرمائے:''ان نے تم سے سچی بات کہی۔''[بخاری ٦/٧؛ مسلم ٤/٢١٢٠]

ایسے ہی حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی:

''آپ نے فلاں اور فلاں کو تو دیا' مگر فلاں انسان کو چھوڑ دیا حالانکہ وہ مؤمن ہے۔''❶

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''[مؤمن ہے] یا مسلم ہے؟'' آپ نے دو یا تین بار یہ کلمات دھرائے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایمان کی خبر دینے کا انکار کیا اور ان کے بارے میں صرف ظاہری اسلام کے علم کا ہی اظہار کیا۔

تو پھر آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیسے یہ فرما سکتے تھے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے؛ اور اس کا کوئی علم آپ کو نہ ہوتا۔ بغیر علم کے بات کرنا جائز نہیں۔مزید برآں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کے کلام کو برقرار رکھا ہے؛ اس کا انکار نہیں کیا۔پس اس سے معلوم ہوا کہ: یہ فرمانا:﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ ''بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' وہ سچی خبر ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا اور اس پر راضی رہا۔ان اخبار میں سے نہیں جن کا انکار کیا ہو اور عیب لگایا ہو۔

مزید برآں یہ بھی معلوم ہے کہ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سوچ سکتا ہے کہ ایک شخص جو ہر طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں ہو، اور تمام لوگ اس کے دشمن ہو اور اسے قتل کرنا چاہتے ہوں؛ اس انسان کے عزیز و اقارب و رشتہ دار اس کی مدد ونصرت پر قادر نہ ہوں؛ ایسا شخص دوران سفر اپنی رفاقت کے لیے کسی ایسے شخص کا انتخاب کیسے کرسکتا ہے جو باقی لوگوں میں سے اکیلا محبت و دوستی اور غم و پریشانی کا اظہار کررہا ہو' لیکن باطن میں وہ پکا دشمن ہو۔اور ساتھ لے جانے والا یہ گمان کررہا ہو کہ وہ میرا دوست اور غمخوار ہے۔ایسا تو کوئی بیوقوف ترین انسان بھی نہیں کرسکتا۔ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو جو اپنے کامل و اکمل باعلم و خبردار و ہوشیار رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی جہالت وحماقت منسوب کرتے ہیں جس کا ارتکاب کوئی ادنی اور جاہل انسان بھی نہیں کرسکتا۔[یا پھر رسول کریم ﷺ کو جاہل و غبی تصور کرتے ہیں]۔

## مغل بادشاہ خدا بندہ کا عجیب قصہ:

مجھے مغل بادشاہ خدا بندہ؛ جس کے لیے رافضی مصنف نے یہ کتاب تألیف کی تھی؛ اس کے متعلق یہ اطلاع ملی ہے

❶ سنن أبي داؤد ' كتاب السنة ' باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه ٤/ ٣٠٤۔ سنن نسائی 'كتاب الإيمان وشرائعه باب تأويل قول الله: قالت الأعراب آمنا۔٨/ ١٠٣ ......

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کہ: جب اس کتاب کے رافضی مصنف نے اس کے سامنے اپنا جھوٹا کلام پیش کیا؛ اور ابو بکر پر زبان طعن دراز کی؛ اور کہا: ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور آپ سے بغض رکھتے تھے؛ مگر اس کے ساتھ رافضی یہ بھی کہتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سب سے عظیم سفر سفرِ ہجرت میں آپ کو خوف کی وجہ سے اپنے ساتھ ہمراہی بنایا۔ تو اس کے جواب میں اس بادشاہ نے ایسی بات کہی جس کے بعد ان روافض کو ایسے بیہودہ جھوٹ گھڑنے اور بولنے سے رک جانا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی باتوں سے مبراء و منزہ رکھا ہے۔ لیکن رافضیوں کے اس من گھڑت جھوٹ نے اسے یہ کلمہ کہنے پر مجبور کیا؛ اس نے کہا: ''پھر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم عقل تھے۔'' [معاذ اللہ]۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کوئی رافضیوں کی بتائی ہوئی باتوں پر چلتا ہے وہ قلیل العقل ہی ہوتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایسی باتوں سے بری رکھا ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ رافضیوں کے کلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قدح لازم آتی ہے۔

## صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عموم و خصوص:

یہ بات واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بھی عموم و خصوص ہے۔ جیسا کہ محبت اور ولایت میں اور ایمان میں اور ان دوسری صفات میں ہوتا ہے جن میں قدر، نوع اور صفات کے اعتبار سے لوگ آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اس کی دلیل صحیح بخاری کی روایت ہے؛ حضرت خالد بن ولید اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے مابین کچھ اختلاف ہو گیا' تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کو کچھ برا بھلا کہہ دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''میرے اصحاب کو برا نہ کہو اس لیے کہ اگر کوئی تم میں سے احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تو میرے اصحاب کے ایک مد (سیر بھر وزن) یا آدھے (کے ثواب) کے برابر بھی (ثواب کو) نہیں پہنچ سکتا۔'' [صحیح بخاری: ج2: ح887]

خالد و عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہما کا نام لینے میں امام مسلم منفرد ہیں۔ یہاں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دوسرے لوگوں سے فرما رہے ہیں میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو۔ یعنی عبد الرحمٰن بن عوف اور ان کے امثال کو۔ اس لیے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ان کے امثال سابقین اولین میں سے ہیں جو کہ فتح سے پہلے ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہ لوگ اہل بیعت رضوان ہیں۔ یہ حضرات ان لوگوں کی نسبت خاص ہیں اور افضل ہیں جو صلح حدیبیہ؛ یعنی اہل مکہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصالحت' کے بعد اسلام لائے۔ ان میں حضرت خالد بن ولید' عمرو بن العاص' اور عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے امثال صحابہ شامل ہیں۔ یہ ان لوگوں کی نسبت سبقت رکھتے ہیں جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے؛ اور انہیں طلقاء کا نام دیا گیا؛ جیسا کہ سہیل بن عمرو؛ حارث بن ہشام؛ ابوسفیان بن حرب؛ اور اس کے دونوں بیٹے یزید اور معاویہ؛ اور ابوسفیان بن الحارث؛ عکرمہ بن ابی جہل؛ اور صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر صحابہ کرام۔ حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی تو جو علم کے لحاظ سے ان لوگوں پر سبقت لے گئے جو ان سے پہلے ایمان لائے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



تھے۔جیسا کہ حارث بن ہشام؛ ابو سفیان بن حارث‘ اور سہیل بن عمرو۔ یہ حضرات ان بعض لوگوں پر سبقت لے گئے تھے جو فتح سے پہلے ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے سے پہلے ایمان لانے والے کئی لوگوں پر علمی لحاظ سے سبقت لے گئے تھے۔

یہاں پر مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں صحبت کا شرف پانے والوں کو روک دیا تھا کہ وہ پہلے ایمان لانے والوں کی دل آزاری کریں۔ اس لیے کہ یہ لوگ پرانی اور سابق صحبت کی وجہ سے ایسی خصوصیت و امتیازیت رکھتے ہیں جس میں دوسرے لوگوں کے لیے ان کا سہیم و شریک ہونا ممکن نہیں۔ حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمادیا: ’’اگر کوئی تم میں سے احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ تبارک و تعالی کی راہ میں خرچ کرے تو میرے اصحاب کے ایک مد (سیر بھر وزن) یا آدھے (کے ثواب) کے برابر بھی (ثواب کو) نہیں پہنچ سکتا۔‘‘

جب یہ حال ان لوگوں کا ہے جو فتح کے بعد اسلام لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہ لوگ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے اور جہاد کرنے والے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [اصحاب سابقین] کے تابعین میں سے ہیں۔ تو پھر اس انسان کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کیسے کیا جاسکتا ہے جس کا شمار کسی طرح سے بھی صحابہ میں نہ ہوتا ہو؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: ’’میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو‘‘ صحیحین میں کئی اسناد سے ثابت ہے۔ ان میں سے ایک یہی سابقہ سند ہے جو کہ گزر چکی۔ صحیح مسلم میں یہی روایت بعینہٖ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!، اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے تو ان کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔‘‘ [سبق تخریجہ]

## نبوت وصداقت کی رفاقت اور رافضی حسد:

**[اعتراض]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: ’’ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے رفیق سفر بنایا ہو کہ مبادا وہ آپ کے معاملہ کو ظاہر کردے۔‘‘

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں یہ چند وجوہ کی بنا پر باطل ہے۔

پہلی وجہ:......قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے الفت و محبت کا سلوک کرتے تھے۔ ان کے مابین کوئی دشمنی نہیں تھی۔ اس سے رافضی کا [دشمنی اور بغض کا] دعوی باطل ثابت ہوگیا۔

دوسری وجہ:......حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مومن و محبّ رسول ہونا تواتر معنوی کے ساتھ معلوم ہے۔ اور یہ کہ آپ کو تمام مخلوق میں خصوصیت حاصل تھی۔ یہ تواتر اور اس کی شہرت حاتم طائی کی سخاوت اور عنترہ کی شجاعت؛ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور موالات کے تواتر سے بھی زیادہ ہے۔ ان کے علاوہ دیگر بھی معنوی تواترات ہیں جن میں تمام اخبار و روایات کا ایک مقصود پر اتفاق ہے۔

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com



حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت میں شک کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی بھی دوسرے کی محبت میں شک کرنا' بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ مگر روافض کے تعصب وعناد کا کیا علاج؟ روافض کے عناد کا یہ عالم ہے کہ وہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما حجرہ نبویہ میں مدفون ہیں۔ اور بعض آپ کے ساتھ غار میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے موجود ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ مگر رافضی قوم سے اس طرح کی بہتان تراشی کو بعید نہیں ہے۔ اس لیے کہ روافض بہتان تراش قوم ہیں جو ایسی چیزوں کا انکار کرتے ہیں جن کا ثابت ہونا ضرورت کے تحت معلوم ہے' اور معقولات ومنقولات ایسی چیزوں کو ثابت کرنے کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جن کا منفی ہونا ضرورت کے تحت معلوم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کہنے والوں نے کہا ہے : اگر یہ کہا جائے: لوگوں میں سب سے بڑے جاہل کون ہوتے ہیں تو کہا جائے گا: رافضہ۔ یہاں تک کہ بعض فقہاء نے ایک فرضی مسئلہ لکھا ہے۔ اگر کوئی انسان دنیا کے سب سے جاہل انسان کے حق میں وصیت کر جائے تو یہ کس کے لیے ہوگا؛ تو کہا: روافض کے لیے۔ لیکن ایسی وصیت کرنا باطل ہے۔ اس لیے کہ وصیت اور وقف گناہ کے کاموں میں نہیں ہوسکتے۔ بلکہ یہ چیزیں ایسے امور میں صرف کی جائیں گی جن میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہ ہو۔ کسی جاہل ترین انسان کے حق میں وقف یا وصیت کرنے کا مطلب ہے کہ جاہلیت اور بدعت کو موجب استحقاق قرار دینا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی سب سے بڑے کافر کے لیے کوئی وصیت کرے' یا پھر مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کے حق میں وصیت کرے۔ یعنی اپنے مال کا مستحق ہونے کے لیے کفر کو شرط قرار دے۔ یہ بات کسی طور پر بھی صحیح نہیں ہے۔

## [مقام صحبت وابوبکر رضی اللہ عنہ ]:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باقی تمام لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موالات اور دوستی رکھنے والے تھے۔ یہ بات اتنی مشہور ہے کہ اسے مسلمان اور کافر نیک اور بد ہر کوئی جانتا ہے۔ حتی کہ میں زنادقہ کے ایک ایسے گروہ کو بھی جانتا ہوں جو کہتے ہیں: دین اسلام میں اندرون خانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اتفاق ہوگیا تھا؛ ان کے ساتھ تیسرے عمر رضی اللہ عنہ بھی مل گئے۔ لیکن انہیں ان دو حضرات کے راز کی پوری طرح خبر نہ تھی۔'' جیسا کہ یہ بات اسماعیلیہ باطنیہ اور قرامطہ کی دعوت کا حصہ ہے۔ پس ان میں سے جو کوئی اپنے امام کا جتنا مقرب ہوتا وہ امور دعوت کا اسی قدر آشنا و رازدان ہوتا۔ اور وہ دوسروں سے بڑھ کر راز کو چھپانے والا ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے مراتب مقرر کیے ہیں۔ زنادقہ منافقین یہ بات جانتے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے دوست اور خاص الخواص میں سے تھے؛ تو آپ کو ان لوگوں میں شمار کرنے لگے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی بات جانتے تھے اور اس کو دوسروں سے چھپاتے بھی تھے۔ اور دوسروں کے برعکس اس مقصد کے حصول کے لیے آپ کے مددگار بھی تھے۔

شیعہ مصنف نے اس ضمن میں جو کچھ کہا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ باطن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے، یہ اس کی جہالت کا بین ثبوت اور انتہائی بڑا بہتان ہے؛ اور خود یہ مصنف روئے زمین کا سب سے بڑا بہتان تراش ہے؛ خصوصاً واقعہ ہجرت کے بارے میں اس نے جو ہرزہ سرائی کی ہے وہ بھی اس کی جہالت کا آئینہ دار ہے۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



پھر اس بہتان تراش سے اگر یہی باتیں [الزامی جواب میں] حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہی جائیں کہ: رسول اللہ ﷺ کو باطن کا علم تھا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے دشمن رکھتے ہیں۔اور یہ کہ خلفاء ثلاثہ کے دور حکومت میں آپ اپنی ملت کو مبتلائے فساد کرنے سے عاجز تھے۔جب اکابر صحابہ اس دنیا سے چلے گئے تو انہوں نے ملت میں فساد پیدا کرنا شروع کر دیا ۔امت کو ہلاک کیا، مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کیا۔اور آپ چاہتے تھے کہ باقی لوگوں کو بھی ہلاک و برباد کر دیں مگر ایسا نہ کر سکے۔یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بغض رکھنے والے زندیق جیسے: قرامطہ؛ اسماعیلیہ؛ اور نصیریہ آپ کی صفوں میں شامل ہوگئے۔آپ کوئی بھی اسلام کا دشمن نہیں پائیں گے مگر وہ اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے محبت علی رضی اللہ عنہ کی آڑ کا سہارا لیتا ہے۔اس کے لیے ایسا کوئی کام حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی محبت و موالات کا اظہار کرتے ہوئے ممکن نہیں رہتا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موالات کا شبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دشمنی کے شبہ سے بڑھ کر ہے۔ اور یہ دونوں باتیں باطل ہیں۔ان کا فاسد ہونا اضطراری طور پر معلوم ہے۔لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قسم کے دعوی کو باطل کرنے والے دلائل موالات علی رضی اللہ عنہ کے دلائل سے زیادہ قوی اور صحیح ہیں۔اور آپ کی دشمنی کے دلائل بھی باطل ہیں۔ایسے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دشمنی کے دلائل باطل اور موالات و محبت کے دلائل درست اور صحیح ہیں۔

## سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت:

تیسری وجہ:......رافضی کا یہ احتمال کہ: ممکن ہے آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس خوف سے ساتھ لے لیا ہو کہ آپ کا معاملہ ظاہر نہ کر دے۔''

جواب:...... یہ حالات و واقعات سے بہت بڑے جاہل انسان کا کلام ہے۔رسول اللہ ﷺ کا مکہ سے ہجرت کا واقع صاف ظاہر اور واضح ہے۔ہر شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں چھپے ہوئے تھے۔اہل مکہ کو بھی اس کا پتہ چل گیا اور انھوں نے دونوں کو تلاش کرنے کے لیے ہر طرف آدمی بھیج دیے۔اس لیے کہ جس رات رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی اس کی صبح ہی لوگوں کو پتہ چل گیا کہ ابوبکر بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہیں۔لہٰذا قریش مکہ نے اعلان کیا تھا کہ جو شخص دونوں میں سے کسی کو پکڑ لائے گا اسے [دیت کے برابر] انعام دیا جائے گا۔پس انہیں کس چیز کا خوف تھا؟ مشرکین کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر لانے پر انعام کے اعلان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حب رسول سے آگاہ تھے۔اور یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ظاہری و باطنی طور پر مشرکین سے دشمنی رکھتے تھے۔اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باطن میں آپ مشرکین کے ساتھ اور آپ ﷺ کے دشمن ہوتے تو قریش مکہ آپ کی گرفتاری کے لیے انعام کا اعلان نہ کرتے۔

چوتھی وجہ:...... مزید براں آپ رات کے وقت نکلے تھے جب کہ کوئی شخص اس سے آگاہ نہ تھا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اگر شیعہ یہ کہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غالباً آپ کے گھر سے نکلنے کا علم ہوگیا تھا۔ تو ہم کہیں گے کہ: آپ کے لیے کسی ایسے وقت میں نکلنا ممکن تھا جب کسی کو علم نہ ہو پاتا۔ جس طرح مشرکین مکہ کو آپ کے گھر سے نکلنے کا علم نہ تھا اسی طرح آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی اس ارادہ کو پوشیدہ رکھ سکتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ممکن تھا کہ آپ سے کوئی مدد نہ لیتے۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ بخاری و مسلم میں ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت نہ دی؛ بلکہ فرمایا ذرا صبر کیجیے، آپ میرے ساتھ ہجرت کریں گے۔ پھر ان دونوں حضرات نے اکٹھے ہجرت کی۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خلوت کی حالت میں پہلے سے آپ کو ہجرت کی اطلاع دے دی تھی۔

## [سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت]:

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا ذرا صبر کیجیے، آپ میرے ساتھ ہجرت کریں گے۔ ❶

صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں:

''(ایک دن) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے والد کے پاس گھر تشریف لائے اور ان سے ایک کجاوہ خریدا پھر فرمایا:

اپنے بیٹے سے کہہ دو کہ وہ اس کو میرے ساتھ میرے گھر تک لے چلے۔ میں وہ کجاوہ اٹھا کر چلا؛ اور میرے والد اس کی قیمت وصول کرنے کے لیے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ پھر ان سے میرے والد نے کہا:

''مجھے بتلائیے جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہجرت کو چلے تھے تو اس وقت آپ دونوں پر کیا گزری۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ: (غار سے نکل کر) ہم ساری رات چلے اور دوسرے دن بھی آدھے دن تک سفر کرتے رہے۔ جب دوپہر ہوگئی اور راستہ بالکل خالی ہوگیا اس پر کوئی شخص چلنے والا نہ رہا تو ہم کو ایک بڑا پتھر نظر آیا جس کے نیچے سایہ تھا دھوپ نہ تھی ہم اس کے پاس اتر پڑے۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک جگہ اپنے ہاتھوں سے صاف و ہموار کر دی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سو رہیں۔ پھر اس پر ایک پوستین بچھا کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ تھوڑی دیر کے لیے آرام فرمائیے اور میں ڈھونڈ کر ادھر ادھر سے دودھ لاتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے اور میں دودھ لینے کے لیے ادھر ادھر چلا۔ ناگہاں میں نے ایک چرواہے کو دیکھا جو اپنی بکریاں لیے ہوئے اسی پتھر کی طرف آرہا تھا وہ بھی اس پتھر سے وہی بات چاہتا تھا جو

❶ البخاری، کتاب مناقب الانصار۔باب ھجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینۃ (ح:۳۹۰۵)

❷ صحیح بخاری، کتاب المناقب۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام (حدیث: ۳۶۱۵)، صحیح مسلم۔ کتاب الزھد، باب فی حدیث الھجرۃ(حدیث:۷۵/ ۲۰۰۹)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہم نے چاہی تھی۔

میں نے اس سے دریافت کیا تو کس کا غلام ہے؟ اس نے شہر مکہ والوں میں سے کسی شخص کا نام بتلایا میں نے اسے پہچان لیا۔ میں نے پوچھا کیا تیری بکریوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔

میں نے کہا تو دودھ دوہے گا؟ اس نے کہا: ہاں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک بکری کو پکڑ لیا میں نے کہا اس کے تھن سے مٹی ونجاست اور بال صاف کرلو۔ اس نے تھن جھاڑ کر صاف کیا اور ایک پیالہ میں دودھ دھو دیا۔ میرے پاس ایک چھاگل تھی میں اس کو نبی ﷺ کی خاطر اپنے ہمراہ رکھتا تھا تاکہ آپ ﷺ اس سے پانی پی سکیں اور وضو کرسکیں۔ میں آپ ﷺ کے پاس واپس آیا اور مجھے آپ کو بیدار کرنا اچھا نہ معلوم ہوا؛ لیکن میں نے آپ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ آپ بیدار ہو چکے تھے۔

پھر میں نے دودھ کے برتن پر تھوڑا سا پانی ڈالا حتی کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا؛ اور پھر عرض کیا: یارسول اللہ! پی لیجئے۔ آپ نے پی لیا میں بہت خوش ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ابھی کوچ کا وقت نہیں آیا؟

میں نے عرض کیا: ہاں! وقت آ گیا چنانچہ آفتاب ڈھل جانے کے بعد ہم نے کوچ کیا اور سراقہ بن مالک ہمارے پیچھے لگ گیا۔ ہم اس وقت صحرائی علاقہ میں چل رہے تھے۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا کوئی تعاقب کر رہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سراقہ پر بددعا کی تو اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ نے کہا میں جانتا ہوں کہ تم دونوں نے میرے لیے بددعا کی ہے تم میرے لیے دعا کرو تاکہ میں زمین سے نکل آؤں۔ اللہ کی قسم! میں تمہاری تلاش کرنے والوں کو واپس کردوں گا۔

چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا کی اور اس نے نجات پائی پھر سراقہ جس کسی سے ملتا تو کہتا میں تلاش کر چکا ہوں غرض جس سے ملتا اس کو واپس کر دیتا ابوبکر کہتے ہیں اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔'' [1]

سراقہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا: آپ میرے اس ترکش سے ایک تیر لے لیں اور آپ ﷺ کو فلاں فلاں مقام پر میرے اور میرے اونٹ اور غلام ملیں گے ان میں سے جتنی آپ کو ضرورت ہو آپ ﷺ لے لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تیرے اونٹوں کی کوئی ضرورت نہیں۔'' پھر جب ہم مدینہ منورہ پہنچ گئے تو لوگ اس بات میں جھگڑنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کس کے پاس اتریں؟ آپ نے فرمایا: ''میں قبیلہ بنی نجار کے پاس اتروں گا۔'' وہ عبدالمطلب کے ننھیال تھے آپ ﷺ نے ان کو عزت دی۔ پھر مرد اور عورتیں گھروں کے اوپر چڑھے اور لڑکے اور غلام راستوں میں پھیل گئے اور یہ پکارنے لگے اے محمد اے اللہ کے رسول

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام (حدیث: ٣٦١٥)، صحیح مسلم۔ کتاب الزهد، باب فی حدیث الهجرۃ (حدیث: ٧٥/ ٢٠٠٩)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



اے محمد اے اللہ کے رسول ﷺ۔ [1]

صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

’’میں نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دین حق پر ہی پایا۔‘‘ اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ صبح و شام رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس نہ آتے ہوں۔ جب مسلمان سخت آزمائش (تکلیف) میں تھے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کے لیے نکلے۔ جب برک غماد پہنچے تو ان سے علاقہ کے سردار ابن دغنہ کی ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا: ابوبکر کہاں کا ارادہ ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ: مجھ کو میری قوم نے نکال دیا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ زمین کی سیر کروں اور اپنے پروردگار کی عبادت کروں۔

ابن دغنہ نے کہا: ’’تم جیسا آدمی نہ تو نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے اس لیے کہ تم بے مال والوں کے لیے کماتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو اور عاجز و مجبور کا بوجھ اٹھاتے، مہمان کی ضیافت کرتے ہو اور حق (پر قائم رہنے) کی وجہ سے آنے والی مصیبت پر مدد کرتے ہو۔ میں تمہارا پڑوسی ہوں تم لوٹ چلو اور اپنے ملک میں اپنے رب کی عبادت کرو۔ چنانچہ ابن دغنہ روانہ ہوا تو ابوبکر کو ساتھ لے کر واپس ہوا اور کفار قریش کے سرداروں میں گھوما اور ان سے کہا کہ ابوبکر جیسا آدمی نہ تو نکل سکتا ہے نہ نکالا جا سکتا ہے جو تنگدستوں کے لیے کماتا ہے صلہ رحمی کرتا ہے، عاجزوں کا بوجھ اٹھاتا ہے، مہمان کی مہمان نوازی کرتا ہے، راہ حق میں پیش آنے والی مصیبت میں مدد کرتا ہے۔ چنانچہ قریش نے ابن دغنہ کی پناہ منظور کر لی۔

اور ابوبکر کو امان دے کر ابن دغنہ سے کہا کہ ابوبکر کو کہہ دو کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کریں، نماز پڑھیں، لیکن ہمیں تکلیف نہ دیں اور نہ اس کا اعلان کریں، اس لیے کہ ہمیں خطرہ ہے کہ ہمارے بچے اور عورتیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ ابن دغنہ نے ابوبکر سے یہ کہہ دیا۔ چنانچہ ابوبکر اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرنے لگے اور نہ تو نماز اعلانیہ پڑھتے اور نہ قرات اعلانیہ کرتے۔

پھر ابوبکر کے دل میں کچھ خیال پیدا ہوا، تو انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی اور باہر نکل کر وہاں نماز اور قرآن پڑھنے لگے، تو مشرکین کی عورتیں اور بچے ان کے پاس جمع ہو جاتے، ان لوگوں کو اچھا معلوم ہوتا، اور ابوبکر کو دیکھتے رہتے ابوبکر ایسے آدمی تھے کہ بہت روتے اور جب قرآن پڑھتے تو انہیں آنسوں پر اختیار نہیں رہتا تھا، مشرکین قریش کے سردار گھبرائے اور ابن دغنہ کو بلا بھیجا وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے ابن دغنہ سے کہا کہ ہم نے ابوبکر کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں اپنے پروردگار کی عبادت کریں، لیکن انہوں نے اس سے تجاوز کیا اور اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی۔ اعلانیہ نماز اور قرآن پڑھنے لگے اور

[1] براء ابن عازب کی روایت کے یہ الفاظ صحیح بخاری میں نہیں صرف مسلم میں ہیں۔ صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 3023۔

’’محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ‘‘

www.KitaboSunnat.com



ہمیں خطرہ ہے کہ ہمارے بچے اور ہماری عورتیں گمراہ نہ ہو جائیں اس لیے ان کے پاس جا کر کہو کہ اگر وہ اپنے گھر کے اندر اپنے رب کی عبادت پر اکتفا کرتے ہیں تو کریں اور اگر اس کو اعلانیہ کرنے سے انکار کریں تو ان سے کہو کہ تمہارا ذمہ واپس کر دیں۔ اس لیے کہ ہمیں پسند نہیں کہ ہم تمہاری امان کو توڑیں اور نہ ہم ابوبکر کو اعلانیہ عبادت کرنے پر قائم رہنے دے سکتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ: ''ابن دغنہ ابوبکر کے پاس آیا اور کہا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارا ذمہ ایک شرط پر لیا تھا، یا تو اسی پر اکتفا کرو یا میرا ذمہ مجھے واپس کر دو۔ اس لیے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ عرب اس بات کو سنیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے ذمہ میں لیا تھا، اور میرا ذمہ توڑا گیا۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ میں تیرا ذمہ تجھے واپس دیتا ہوں اور اللہ کی پناہ پر راضی ہوں۔''

اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے تمہاری ہجرت کا مقام دکھایا گیا ہے، میں نے ایک کھاری زمین دیکھی، جہاں کھجوروں کے درخت ہیں اور دو پتھر یلے کناروں کے درمیان ہے جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی، جس نے بھی ہجرت کی مدینہ ہی کی طرف کی اور جو لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے وہ بھی مدینہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی تیاری کی، تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم ٹھہرو مجھے امید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کا حکم ہوگا۔''

ابوبکر نے عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا! آپ کو امید ہے کہ اس کی اجازت ملے گی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ چلنے کے لیے رک گئے اور دو اونٹ جو ان کے پاس تھے ان کو چار مہینے تک سمر کے پتے کھلاتے رہے۔

ابن شہاب بواسطہ عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ:

ہم ایک دن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان میں ٹھیک دوپہر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کہنے والے نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا (دیکھو) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ پر چادر ڈالے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری ایسے وقت تھی جس میں آپ کبھی تشریف نہ لاتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان اللہ کی قسم! ضرور کوئی بات ہے جبھی تو آپ اس وقت تشریف لائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے اندر آنے کی اجازت مانگی آپ کو اجازت مل گئی آپ اندر تشریف لائے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اپنے پاس سے اوروں کو ہٹا دو۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میرے (ماں) باپ آپ پر فدا ہوں جائیں یہاں تو صرف آپ کی گھر والی ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے بھی رفاقت کا شرف عطا ہو؟ آپ نے فرمایا: ہاں (رفیق سفر تم ہو گے)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے (ماں) باپ آپ پر قربان! میری ایک اونٹنی آپ لے لیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم تو بقیمت لیں گے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر ہم نے ان دونوں کے لیے جلدی میں جو کچھ تیار ہو سکا تیار کر دیا اور ہم نے ان کے لیے چمڑے کی ایک تھیلی میں تھوڑا سا کھانا رکھ دیا۔ اسما بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنے ازار بند کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اس تھیلی کا منہ اس سے باندھ دیا اسی وجہ سے ان کا لقب (ذات النطاقین) دو ازار بند والی ہو گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ جبل ثور کے ایک غار میں پہنچ گئے۔ اور اس میں تین دن تک چھپے رہے۔ عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ جو نوجوان ہشیار اور ذکی لڑکے تھے آپ حضرات کے پاس رات گزارتے اور علی الصبح اندھیرے منہ ان کے پاس سے جا کر مکہ میں قریش کے ساتھ اس طرح صبح کرتے جیسے انہوں نے یہیں رات گزاری ہے۔ اور قریش کی ہر وہ بات جس میں ان دونوں حضرات کے متعلق کوئی مکر و تدبیر ہوتی یہ اسے یاد کر کے جب اندھیرا ہو جاتا تو ان دونوں حضرات کو آ کر بتا دیتے تھے۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ ان کے پاس ہی دن کے وقت بکریاں چراتے اور تھوڑی رات گئے۔ وہ ان دونوں کے پاس بکریاں لے جاتے اور یہ دونوں حضرت ان بکریوں کا دودھ پی کر اطمینان سے رات گزارتے۔ حتی کہ عامر بن فہیرہ صبح اندھیرے منہ ان بکریوں کو ہانک لے جاتے اور ان تین راتوں میں ایسا ہی کرتے رہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر نے (قبیلہ) بنو دیل کے ایک آدمی کو جو بنی عبد بن عدی میں سے تھا مزدور رکھا وہ بڑا واقف کار رہبر تھا اور آل عاص بن وائل سہمی کا حلیف تھا۔ اور قریش کے دین پر تھا ان دونوں نے اسے امین بنا کر اپنی دونوں سواریاں اس کے حوالہ کر دیں اور تین راتوں کے بعد صبح کو ان دونوں سواریوں کو غار ثور پر لانے کا وعدہ لے لیا (چنانچہ وہ حسب وعدہ آ گیا)۔ اور ان دونوں حضرات کے ساتھ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ اور رہبر ان کو ساحل کے راستہ پر ڈال کر لے چلا۔''

ابن شہاب نے فرمایا: ''سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہ کے بھتیجے عبدالرحمن بن مالک مدلجی نے بواسطہ اپنے والد کے سراقہ بن جعشم سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں: ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد آ پڑے (جو اعلان کر رہے تھے) کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے یا پکڑ لائے تو اسے ہر ایک کے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



عوض سو اونٹ ملیں گے۔ اسی حال میں میں اپنی قوم بنو مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان میں سے ایک آدمی آ کر ہمارے پاس کھڑا ہو گیا؛ ہم بیٹھے ہوئے تھے۔

اس نے کہا: اے سراقہ! میں نے ابھی چند لوگوں کو ساحل پر دیکھا ہے میرا خیال ہے کہ وہ محمد ﷺ اور آپ کے ساتھی ہیں۔ سراقہ کہتے ہیں: ''میں سمجھ تو گیا کہ یہ وہی لوگ ہیں (مگر میں نے) اسے دھوکہ دینے کے لیے تاکہ وہ میرے حاصل کردہ انعام میں شریک نہ ہو سکے؛ اس سے کہا یہ وہ لوگ نہیں بلکہ تو نے فلاں فلاں آدمی کو دیکھا ہے جو ابھی ہمارے سامنے سے گئے ہیں۔ پھر میں تھوڑی دیر مجلس میں ٹھہر کر کھڑا ہو گیا اور گھر آ کر اپنی باندی کو حکم دیا کہ وہ میرے گھوڑے کو لے جا کر (فلاں) ٹیلہ کے پیچھے میرے لیے پکڑ کر کھڑی رہے۔ اور میں اپنا نیزہ لے کر اس کی نوک سے زمین پر خط کھینچتا ہوا اور اوپر کے حصہ کو جھکائے ہوئے گھر کے پیچھے سے نکل آیا حتی کہ میں اپنے گھوڑے کے پاس آ گیا۔ بس میں نے اپنے گھوڑے کو اڑا دیا کہ وہاں جلد پہنچ سکوں جب میں ان حضرات کے قریب ہوا تو گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں گر پڑا فوراً میں نے کھڑے ہو کر اپنے ترکش میں ہاتھ ڈالا اور اس میں سے تیر نکالے؛ پھر میں نے ان تیروں سے یہ فال نکالی کہ آیا میں انہیں نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں؟ تو وہ بات نکلی جو مجھے پسند نہیں تھی۔

پھر میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور میں نے ان تیروں کی فال کی پرواہ نہ کی اور گھوڑا مجھے ان کے قریب لے گیا حتی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی تلاوت (کی آواز) سنی آپ ادھر ادھر نہیں دیکھ رہے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ادھر ادھر بہت دیکھ رہے تھے۔ میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور میں اس کے اوپر سے گر پڑا۔ میں نے اپنے گھوڑے کو للکارا جب وہ (بڑی مشکل سے) سیدھا کھڑا ہوا تو اس کے اگلے پاؤں کی وجہ سے ایک غبار اٹھ کر دھوئیں کی طرح آسمان تک چڑھنے لگا پھر میں نے تیروں سے فال نکالی تو اس میں میری ناپسندیدہ بات نکلی۔

پھر میں نے ان حضرات سے امان طلب کرتے ہوئے پکارا تو یہ ٹھہر گئے۔ میں سوار ہو کر ان کے پاس آیا تو ان تک پہنچنے میں مجھے جو موانع پیش آئے ان کے پیش نظر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ رسول اللہ ﷺ کا دین غالب ہو جائے گا۔''[1]

پانچویں وجہ:...... جب آپ غار میں تھے تو آپ کے بیٹے عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ تک مشرکین کی خبریں پہنچایا کرتے تھے۔ اور آپ کے ساتھ ایک غلام عامر بن فہیرہ بھی ہوا کرتا تھا۔ ان کے لیے ممکن تھا کہ قریش کو آپ کے بارے میں خبر دیدیں۔

چھٹی وجہ:......اگر معاملہ ایسے ہی تھا جیسے رافضی خبیث کا دعوی ہے؛ تو پھر ایسا ہو سکتا تھا کہ: جب دشمن غار تک پہنچ گیا

[1] صحیح بخاری: ج2: ح1108.

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اور غار کے منہ پر ٹہلنے لگا۔ تو اس وقت آپ کے لیے ممکن تھا کہ باہر نکل آتے اور دشمن کو آپ کی خبر کر دیتے۔ پس اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی دوسرا فرد و بشر نہیں تھا جو آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یا دشمن سے بچا سکتا۔ پس اس حالت میں غور کرنا چاہیے کہ اصل دشمن کون ہے وہ جو آپ کو ہلاک کرنا چاہتا ہو اور ایسے موقع کو غنیمت جانے جب کوئی بھی دشمن اپنے حریف پر قابو پا لیتا ہے تو پھر کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔ اس لیے کہ آپ ﷺ غار میں اکیلے تھے۔ اور دشمن غار کے دہانے تک پہنچ چکا تھا۔ اور غار والے کو بچانے والا یا ان کا دفاع کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ اور دشمن بھی معمولی نہ تھے ؛ ایسے لوگ تھے جو اس وقت مکہ میں غالب تھے۔ اور اگر وہ آپ کو پکڑ لیتے تو مکہ بھر میں کوئی انہیں آنکھ دکھانے والا بھی نہیں تھا۔ اور اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باطن میں مشرکین کے ساتھ ملے ہوئے تھے ؛ تو یہاں پر اسباب اور وسائل و حالات اس قدر بھر پور تھے کہ آپ کو پکڑ کر دشمن کے حوالے کر دیا جاتا۔ جب قدرت کامل ہو اور فعل کے دواعی موجود ہوں تو اس فعل کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ جب ایسا کچھ ہوا نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کے دواعی موجود نہیں تھے یا پھر اس پر قدرت حاصل نہیں تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قدرت تو موجود تھی ؛ تو معلوم ہوا کہ دواعی اور اسباب موجود نہیں تھے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس بات کو ہر انسان جانتا ہے۔ سو اللہ کی ذات پاک ہے جس نے روافض کو بصیرت و فراست سے محروم کر دیا۔

❀ ان بہتان تراشوں کا حال یہ ہے کہ: ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی انگلی سے دشمن کی طرف اشارہ کر رہے تھے تو سانپ نے آپ کو ڈس لیا۔ تو آپ نے انگلی پیچھے کھینچ لی۔ اور آپ سے درد ختم ہو گئی۔ تو نبی کریم ﷺ نے آپ سے فرمایا: ''اگر تم نے دوبارہ عہد توڑا تو وہ تمہارا ہاتھ توڑ دے گا۔''

اور آپ نے دوبارہ اس عہد کو توڑا ؛ پھر اسی سبب سے آپ کی موت واقع ہوئی۔

❀ اس بات کا جھوٹ ہونا کئی وجوہات کی بنا پر ظاہر ہے۔ ہم ان میں سے بعض کی تفصیل بیان کر چکے ہیں۔

❀ اور میں سے بعض کہتے ہیں کہ: آپ نے اپنا ٹخنہ ظاہر کیا تھا تاکہ دشمن کو پتہ چل سکے ؛ تو سانپ نے آپ کو ڈس لیا۔ یہ بھی پہلے جھوٹ کی طرح کا ایک دوسرا جھوٹ ہے۔

## [حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بے صبری کی تہمت ]:

**[اعتراض]** : شیعہ کا یہ قول کہ: یہ آیت آپ کے نقص پر دلالت کرتی ہے ؛ اس لیے کہ آیت میں: ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ کے الفاظ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بے صبری ؛ اللہ تعالیٰ پر عدمِ ایمان ؛ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مساوات اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قضاء و تقدیر پر عدمِ رضا مندی ؛ اور بے صبری کو ظاہر کر رہے ہیں۔''

**[جواب]** : پہلی بات :......ہم کہتے ہیں: شیعہ کے اقوال باہم متناقض ہیں، وہ پہلے کہہ چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غار میں اپنے ساتھ اس لیے رکھا تھا کہ اگر وہ مکہ میں رہا تو آپ کے راز کو واشگاف کر دے گا، اس لیے کہ ابوبکر آپ کے دشمن تھے' اور در پردہ ان لوگوں سے ملے ہوئے تھے جو آپ کو تلاش کر رہے تھے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اگر آپ رسول اللہ ﷺ سے بغض رکھتے تھے ؛ تو جب آپ کی تلاش میں وہاں پہنچ گیا تھا؛ تو آپ کو خوش و مسرور ہونا چاہیے تھا؛ اور آپ کو اطمینان ملتا۔ نیز یہ کہ دشمن غار کے دہانے تک پہنچا ' اور اوپر ادھر ادھر تلاش کرتے رہے ؛ تو یہ ایک بہترین موقعہ تھا کہ انہیں خبر کردی جاتی۔ نیز یہ کہ : آپ کا بیٹا عبداللہ قریش کی خبریں آپ تک پہنچایا کرتا تھا؛ آپ کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ اس کے ذریعہ سے دشمن کو خبر کردیتے۔

نیز آپ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے پاس آپ دونوں کی سواریاں تھیں۔ آپ کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ اپنے غلام سے ہی کہہ دیتے کہ دشمن کو خبر کردو۔

اب کہہ رہا ہے کہ وہ ضعیف القلب اور قلیل الصبر تھے۔ اس کا یہ قول اس قول سے متناقض ہے جس میں وہ کہتا ہے: کہ ابوبکر منافق تھے۔ اور اب ثابت کررہا ہے کہ آپ مؤمن تھے۔ [اللہ کی قسم! شیعہ کے کس وصف پر رشک کیا جائے وہ علم وفہم دونوں سے یک سر بے گانہ ہیں]

جان لینا چاہیے کہ مہاجرین صحابہ میں کوئی بھی منافق نہ تھا۔ [بلکہ یوں کہیے کہ نفاق کا وجود ان میں محال تھا۔ اس لیے کہ مشرکین مکہ قوت وشوکت سے بہرہ ور تھے اور جو شخص مشرف باسلام ہوتا اسے جی بھر کر سزا دیتے۔ اس لیے جو شخص بھی دین اسلام کو قبول کرتا تھا وہ رضائے الٰہی کے لیے یہ خطرہ مول لیتا تھا کسی کے ڈر سے نہیں]۔

نفاق [کا آغاز اسلام میں مدنی زندگی سے ہوا؛ اور مدینہ کے] بعض انصاری قبائل میں تھا۔

کسی بھی مہاجر نے اپنے اختیار کے بغیر ہجرت نہیں کی۔ مکہ کے کفار ہجرت کو اختیار نہیں کرتے تھے۔ نہ ہی وہ اپنا وطن اور اہل وعیال چھوڑ کر اپنے دشمن کی مدد کے لیے کہیں جاتے تھے۔ بلکہ ہجرت کو ان لوگوں نے اختیار کیا تھا جن کا وصف اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے؛ فرمایا:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ (الحشر: ۸)

''(فئے کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی راست باز لوگ ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا﴾ (الحج ۳۹۔۴۰)

''ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اجازت دے دی گئی ہے، اس لیے کہ یقیناً ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر یقیناً پوری طرح قادر ہے۔ وہ جنھیں ان کے گھروں سے کسی حق کے بغیر نکالا گیا،

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



صرف اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔‘‘

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بالاتفاق مہاجرین [وانصار] میں سب سے افضل تھے۔

جب اس کلام کی روشنی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا صاحب ایمان ہونا لازم آتا ہے۔تو پس یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتہائی اہم اور پرخوف وخطر سفر ہجرت؛ وہ سفر جس نے تاریخ کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا تھا؛ لوگوں کے دلوں میں آپ کا جلال وقدر گامزن ہوئے' اسلام کا پرچم بلند کیا؛ ایسے سفر کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایسی ہستی کا ہی انتخاب کرسکتے تھے جو آپ کے خاص الخواص میں سے ہو۔ اور جس پر آپ کو بھرپور اعتماد اور اطمینان و بھروسہ حاصل ہو۔ اس لیے کہ تاریخ اسی چیز کو عزت کے ساتھ جگہ دیتی ہے جو تمام لوگوں کے سامنے عزت کے ساتھ عیاں و بیان ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل اور دوسرے لوگوں سے امتیازیت کے لیے اتنا ہی کافی ہے ۔ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایسی خصوصیت ہے جس میں کوئی دوسرا آپ کا سہیم وشریک نہیں ۔ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے افضل واشرف تھے۔

❀❀❀❀

**[اعتراض]**: شیعہ مصنف کا یہ قول ہے کہ ’’غم زدہ ہونا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ناقص ہونے پر دلالت کرتا ہے۔‘‘

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں: پہلی بات: ناقص کی دو اقسام ہیں۔[اول]: وہ نقص جو ایمان کے منافی ہو۔

[دوم]: اور وہ نقص جو کامل کی نسبت کم ہو۔

اگر مصنف کی مراد پہلی قسم ہے؛ تو پھر یہ باطل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾ (النحل:١٦/١٢٧)

’’آپ غم نہ کریں اور جو تدبیریں وہ کررہے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہوں۔‘‘

عام اہل ایمان کے حق میں فرمایا:﴿وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ﴾(آل عمران:١٣٩)

’’سستی نہ کرو اور غم زدہ نہ ہو اور تم ہی غالب رہوگے۔‘‘

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۞ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الحجر:٨٧۔٨٨)

’’نیز ہم نے آپ کو سات ایسی آیات دی ہیں جو بار بار دھرائی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی دیا ہے۔لہٰذا ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو جو سامان حیات دے رکھا ہے ادھر نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں اور نہ ہی ان کے لیے غمزدہ ہوں اور ایمان لانے والوں سے تواضع سے پیش آئیے۔‘‘

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com



اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کریم ﷺ کئی ایک مواقع پر غمزدہ ہونے سے اورحزن و ملال کرنے سے منع کیا ہے۔
اہل ایمان کوبھی جملہ طور پرحزن و ملال سے منع کیا ہے۔تو معلوم ہوا کہ حزن ایمان کے منافی نہیں ہے۔
اگر رافضی مصنف کی مراد یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے سے اکمل کی نسبت ناقص ہیں ؛ تو پھراس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے کامل ہیں ؛ اس میں اہل سنت والجماعت میں سے کسی ایک کا بھی کوئی اختلاف نہیں۔لیکن اس میں کوئی ایسی چیز بھی نہیں ہے جو حضرت علی' یا حضرت عثمان یا حضرت عمر رضی اللہ عنہم اجمعین یا پھر کسی دوسرے صحابی کے آپ سے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہو۔اس لیے کہ یہ لوگ اس وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہیں تھے۔اگرآپ کے ساتھ ہوتے بھی ؛ تو پھر بھی یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان لوگوں کا حال حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حال سے زیادہ اکمل ہوتا۔اس لیے کہ صحابہ کرام کے احوال اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت کے متعلق معروف یہ ہے کہ : خوف و خطرہ کے وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باقی تمام لوگوں کی نسبت زیادہ کامل ایمان والے' یقین والے اورصبر و ثبات والے ہوا کرتے تھے۔اورشک وشبہ کے اسباب کے وقت آپ کا ایمان واطمینان سب سے بڑھ کر ہوا کرتا تھا۔اور جب کبھی اگر نبی کریم ﷺ کوکسی چیز سے کوئی تکلیف پہنچتی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی رضامندی وخوشنودی کے متلاشی ہوتے۔اورآپ کے لیے بھی تکلیف دہ چیز سے سب سے بڑھ کر دور رہنے والے ہوتے۔

یہ بات ہراس انسان کو معلوم ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک میں اور وفات کے بعد کے احوال صحابہ کرام سے جانکاری رکھتا ہے۔حتی کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی ؛ تو آپ کی وفات اہل ایمان کے لیے بہت بڑی مصیبت اورآزمائش تھی۔حتی کہ اکثر اعراب مرتد ہوگئے۔پیکر ایمان جناب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حواس پر قابو نہ رکھ سکے ؛ حالانکہ آپ قوی ایمان اور یقین محکم رکھنے والے انسان تھے۔مگران حالات میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ثابت قدم رکھا؛ جواس بات کی دلیل ہے کہ آپ ایمان میں دوسروں کی نسبت زیادہ کامل تھے۔آپ کے یقین میں اطمینان ہوا کرتا تھا۔اورآپ کا علم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام کی نسبت زیادہ کامل تھا۔اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا۔تو محمد ﷺ وفات پا گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے،نہیں مرے گا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْــٴًـا﴾ [آل عمران ۱۴۴]

''(حضرت) محمد (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو جائیں تو اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاگے اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی ﷺ فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مقام سنح پر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا۔ آپ فرماتی ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: ''اللہ کی قسم! میرے دل میں یہی بات آئی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو دوبارہ مبعوث فرمائے گا' اور آپ منافقین کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے۔ پس اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ اور نبی ﷺ کا قصد کیا۔ آپ کے چہرہ انور سے چادر اٹھائی پھر آپ پر جھکے اور آپ کے چہرے کو بوسہ دیا پھر روئے اور فرمایا اے اللہ کے نبی آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! آپ نے پاکیزہ زندگی گزاری' اور پاکیزہ موت پائی۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں کرے گا۔''

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر نکلے [اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے]، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ: اے قسم اٹھانے والے! جلدی نہ کرو۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی تو عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تشہد پڑھا؛ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی؛ اور فرمایا:

''تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا۔ تو محمد ﷺ وفات پا گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے، نہیں مرے گا، اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴾ [الزمر ۳۰]

''یقیناً خود آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴾

''(حضرت) محمد (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں آپ سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو جائیں تو اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو اللہ تعالی کا کچھ نہ بگاڑے گا عنقریب اللہ تعالی شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔''

سب لوگ (یہ سن کر) بے اختیار رونے لگے۔ [البخاری ۵/۶]

مزید برآں یوم بدر میں جھونپڑے کا قصہ؛ اور حدیبیہ کے دن آپ کا اطمینان و سکون معروف قصے ہیں؛ جن کی وجہ سے آپ کی خصوصیت تمام صحابہ سے نمایا ہوتی ہے۔ پھر آپ کی طرف بزدلی [یا ایمانی کمزوری] کو کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے۔

نیز آپ کا مرتدین اور مانعین زکواۃ سے جہاد کرنا؛ اہل ایمان کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کرنا؛ اور اس کے ساتھ ہی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ کرنا؛ ایسے امور ہیں جن سے آپ کا سب سے بڑا اہل ایمان و یقین ہونا واضح ہوتا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہے۔ اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ : آپ سے کہا گیا: ''آپ پر وہ مصائب آئے کہ اگر پہاڑ پر آتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا؛ اور سمندر پر آتے تو وہ خشک ہو جاتا؛ لیکن ہم نہیں دیکھتے کہ آپ کمزور ہوئے ہوں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا:'' غار والی رات کے بعد کبھی بھی میرے دل میں رعب داخل نہیں ہوا۔ بیشک جب نبی کریم ﷺ نے میرا حزن و ملال دیکھا تو ارشاد فرمایا: ''اے ابوبکر تم پر کوئی غم نہیں ہونا چاہیے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کو پورا کرنے کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے۔''

پھر ان سے یہ بھی کہا جائے گا کہ: جو کوئی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یقین و صبر کو دوسرے صحابہ کرام جیسے: حضرت عمر‘ حضرت عثمان یا حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین سے تشبیہ دے؛ یقیناً وہ بہت بڑا جاہل ہے۔ اہل سنت کے ہاں حضرت عمر و عثمان اور حضرت رضی اللہ عنہم اجمعین پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن رافضی نے جو یہ دعوی کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان صفات میں دوسرے تینوں صحابہ کرام سے اکمل و افضل ہیں؛ یہ محض بہتان‘ جھوٹ اور افتراء پردازی ہے۔ اس لیے کہ جو کوئی بھی حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کی سیرت پر غور کرے گا تو اسے پتہ چلے گا کہ مصائب و مشکلات میں یہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت زیادہ کامل صبر و ثبات اور استقلال و استقامت والے ہوا کرتے تھے۔

لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گھیراؤ کیا؛ آپ سے مطالبہ کیا کہ یا خلافت چھوڑ دیں یا پھر قتل ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اور وہ برابر آپ کا محاصرہ کیے رہے یہاں تک کہ آپ کو قتل کر دیا۔ اس حالت میں بھی آپ لوگوں کو اپنے دفاع میں لڑنے سے منع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ مظلومیت کی حالت میں شہید ہو گئے مگر اپنی ذات کا دفاع نہیں کیا۔ تو کیا مصیبت میں اس سے بڑھ کر صبر کی بھی کوئی مثال ہو سکتی ہے۔

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صبر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صبر کی طرح نہیں تھا۔ بلکہ آپ کے اہل لشکر اور آپ سے لڑنے والوں کو آپ کی وجہ سے بعض ایسی تکالیف بھی پہنچیں کہ ایسی تکالیف حضرت ابوبکر‘ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین سے نہیں پہنچی تھیں۔ حالانکہ جن لوگوں سے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لڑ رہے تھے وہ کافر تھے۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے؛ وہ دشمن کی تعداد کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی نسبت بہت کم تھے۔ اور ان کا دشمن کئی گنا بڑی تعداد کا تھا۔ جن کفار سے ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین نے جنگیں لڑیں وہ مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھے۔ جب کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی نسبت بہت کم تھا۔

یہ بھی سبھی جانتے ہیں کہ: امام کو درپیش خوف کہ کفار مسلمانوں پر غلبہ نہ حاصل کر لیں‘ اس خوف سے بڑھ کر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے گروہ آپس میں ایک دوسرے پر غالب آ جائیں۔ اس لحاظ سے ائمہ ثلاثہ کا دشمن سے خوف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خوف سے کئی گنا زیادہ تھا۔ اور اس خوف کا مقتضی بھی بہت بڑا تھا۔ مگر اس کے باوجود یہ لوگ اپنے دشمن اور پیش جنگ لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں یقین و صبر استقامت اور ثابت قدمی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے دشمن کے ساتھ برتاؤ میں نہ صرف کامل بلکہ اکمل تھے۔ تو پھر کیسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ یقین و ثبات اور صبر و استقامت میں

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اور کامل تھے۔ کیا یہ صرف حماقت و تکبر اور اخبار متواتر سے معلوم حقائق کے علاوہ بھی کوئی چیز ہو سکتی ہے۔

نبی کریم کے مقابلہ میں سب اہل اسلام ناقص ہیں۔ مزید یہ کہ ہم عصمت ابی بکر کے قائل نہیں ہیں۔

## حزن ایمان کے منافی نہیں:

**[اعتراض]**: رافضی مصنف نے کہا ہے: ''یہ آیت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بے صبری؛ اللہ تعالیٰ پر عدمِ ایمان؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مساوات اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قضاء و تقدیر پر عدمِ رضامندی کو ظاہر کر رہی ہے۔''

**[جواب]**: رافضی کی یہ تمام باتیں ایک کھلا ہوا جھوٹ ہیں۔ آیت میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس دعوی پر دلالت کرتی ہو۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

پہلی وجہ:...... کسی چیز سے روکنا اس کے وقوع پذیر ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ [یعنی ''لَا تَحْزَنْ'' سے وقوع حزن لازم نہیں آتا]۔ بلکہ نہی کے الفاظ جہاں کہیں بھی وارد ہوئے ہیں ان سے مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ فعل ممنوع ہے تاکہ کہیں بعد میں اس فعل کا وقوع نہ ہو جائے۔ اس کی مثال سمجھنے کے لیے یہ آیات ملاحظہ ہوں:

۱ ...... ﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ﴾ (الاحزاب: ۱)

''اے نبی! اللہ تعالیٰ کا تقوی اختیار کرو؛ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرو۔''

یہاں پر یہ دلیل کہیں بھی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کی اطاعت کرتے تھے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۲ ...... ﴿وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (القصص: ۸۸)

''اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہ پکارنا۔''

۳ ...... ﴿وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (القصص: ۸۸)

''اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنانا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی بھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا۔ خصوصاً نبوت کے بعد تو شرک سے معصوم ہونے پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ اس لیے کہ آپ کو شرکیہ اعمال سے منع کر دیا گیا تھا۔ اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿لَا تَحْزَنْ﴾؛ کہیں بھی اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ آپ واقعی غمگین ہوئے بھی تھے۔ لیکن عقلی طور پر یہ ممکن ہے کہ آپ غمگین بھی ہوئے ہونگے۔ لیکن اس قسم کی نہی اس لیے وارد ہوتی ہے کہ اس فعل کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

دوسری بات:...... اگر فرض کیجیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غم زدہ ہوئے بھی تھے تو محض اس لیے کہ کفار کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل نہ کر دیں۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان نثار کرنے کے لیے تیار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ: جب آپ ہجرت کے اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو دوران سفر ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلنے لگتے کبھی آگے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ پوچھی تو عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جب مجھے احساس ہوتا ہے کہ دشمن عقب سے آپ پر حملہ آور

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہوگا تو پیچھے چلتا ہوں اور جب اگلی جانب سے خطرہ محسوس کرتا ہوں تو آپ کے آگے ہو جاتا ہوں۔''، جب غار کے قریب پہنچے تو عرض کیا کہ ٹھہریے! تاکہ میں غار میں داخل ہو کر اس کو صاف کرلوں۔ ❶

امام احمد رحمہ اللہ نے ''مناقب الصحابہ'' میں ذکر کیا ہے: فرماتے ہیں: ہم سے وکیع نے حدیث بیان کی؛ وہ نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے؛ وہ ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں؛ آپ فرماتے ہیں:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو غار ثور کے راستہ پر چل پڑے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت کے اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ دوران سفر ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلنے لگتے کبھی آگے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ پوچھی تو عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جب مجھے احساس ہوتا ہے کہ دشمن عقب سے آپ پر حملہ آور ہوگا تو پیچھے چلتا ہوں اور جب اگلی جانب سے خطرہ محسوس کرتا ہوں تو آپ کے آگے ہو جاتا ہوں۔'' جب غار کے قریب پہنچے تو عرض کیا کہ ٹھہریے! تاکہ میں غار میں داخل ہو کر اس کو صاف کرلوں۔''

امام نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھ سے ایک آدمی نے بیان کیا کہ: ابن ابی ملیکہ نے یہ بھی کہا ہے: اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار میں ایک سوراخ دیکھا، اس کے آگے اپنا پاؤں رکھ کر اسے بند کر دیا؛ اور عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ! اس میں اگر سانپ یا بچھو وغیرہ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے مجھ کو کاٹے۔'' ❷

اس صورت میں واقعی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مساوات پر راضی نہ تھے۔ نہ ہی ان معنوں میں جیسا کہ رافضی خبیث افتراء پرداز نے ذکر کیا ہے؛ اس لیے کہ آپ ہرگز اس بات پر راضی نہ تھے کہ وہ زندہ رہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے۔ اور نہ ہی اس بات پر راضی تھے کہ ان دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ بلکہ آپ چاہتے تھے کہ اپنی جان و مال اور اہل عیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیں مگر آپ پر آنچ نہ آئے۔ ایسا کرنا ہر مؤمن پر واجب ہے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام مؤمنین میں سے پختہ ایمان والے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ [الأحزاب۶]

''پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں۔''

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے والدین و اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر مجھے عزیز تر نہ سمجھے۔'' ❸

❶ سيرة النبى لابن كثير(١/ ٤٥٢) مستدرك حاكم(٣/ ٦) دلائل النبوة(٢/ ٤٧٦)۔

❷ سيرة النبى لابن كثير(١/ ٤٥٢)، مستدرك حاكم(٣/ ٦) دلائل النبوة(٢/ ٤٧٦)[فضائل الصحابة ١/ ٦٢]۔

❸ البخاری، كتاب الايمان، باب حب الرسول ﷺ من الايمان (ح:١٤)، صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب وجوب محبة رسول الله ﷺ (ح:٤٤)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تو ابوبکر رضی اللہ عنہ غم زدہ ہونا آپ کے کمال ایمان و محبت اور موالات و خیر خواہی؛ آپ کی حفاظت پر حرص، آپ کے دفاع؛ اور آپ سے ہر قسم کی تکلیف و پریشانی دور کرنے پر مستعد ہونے کی دلیل ہے۔ اگرچہ اس صورت میں غم کی وجہ سے انسان پر ایک گونہ کمزوری آجاتی ہے۔ پس یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ عدم حزن کے ساتھ ان صفات سے موصوف ہونا ہی آپ کے حق میں مامور بہ تھا۔ ورنہ صرف غم وحزن سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ اور اس میں کوئی ایسی دلالت نہیں جس سے اس فعل کا گناہ ہونا لازم آتا ہو جس پر ملامت کی جاسکتی ہو۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر غمگین ہونا انسان کی اپنی اولاد پر غمگین ہونے سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ کسی بھی انسان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی محبت اس کی اولاد کے لیے محبت سے بڑا واجب ہے۔

❀ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں خبر دی ہے کہ آپ اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام پر غمگین ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ وَ ابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ كَظِیۡمٌ ‎﴿٨٤﴾‏ قَالُوۡا تَاللّٰهِ تَفۡتَؤُا تَذۡكُرُ یُوۡسُفَ حَتّٰی تَكُوۡنَ حَرَضًا اَوۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡهٰلِكِیۡنَ ‎﴿٨٥﴾‏ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشۡكُوۡا بَثِّیۡ وَ حُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ....﴾

[یوسف ۸۴۔۸۶]

''ہائے میرا غم یوسف پر! اور اس کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں، پس وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! تو ہمیشہ یوسف کو یاد کرتا رہے گا، یہاں تک کہ گھل کر مرنے کے قریب ہوجائے، یا ہلاک ہونے والوں سے ہوجائے۔ اس نے کہا میں تو اپنی ظاہر ہوجانے والی بے قراری اور اپنے غم کی شکایت صرف اللہ کی جناب میں کرتا ہوں۔''

یہ اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں؛ وہ اپنے بیٹے پر اس قدر غمگین ہیں۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے آپ پر طعن و تشنیع کی جائے۔ تو پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اگر رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر قتل کے خوف سے غمگین ہوں؛ تو آپ کو کیسے گالی وطعن تشنیع کی جاسکتی ہے؛ حالانکہ آپ ﷺ کے ساتھ دنیا و آخرت کی سعادت معلق ہے۔

پھر شیعہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد محترم ﷺ کی وفات پر انتہائی غم وہم کا اظہار کیا تھا اور ایک غم خانہ بنایا؛ شب و روز اس ''بیت الاحزان'' (غم خانہ) میں گزارا کرتی تھیں۔ لیکن اس چیز کو قابل مذمت نہیں سمجھتے۔ حالانکہ یہ غم ایک ایسی چیز پر ہے جو گزر چکی ہے؛ اور پھر کبھی واپس آنے والی نہیں۔ جب کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس بات پر خوف زدہ اور غمگین تھے کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کو قتل نہ کر دیا جائے۔ یہ ایسا غم وحزن ہے جو آپ کی حفاظت و چوکیداری کو متضمن ہے۔ اسی لیے جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو آپ اس طرح سے غمگین نہیں ہوئے؛ جیسے پہلے ہوئے تھے؛ اس لیے کہ اب غمگین ہونے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ پس یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غم و ملال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غم و ملال سے زیادہ اکمل تھا۔ اگر آپ کا غم زدہ ہونا مذموم فعل تھا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تو غمگین ہوئی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تھیں۔ وگرنہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات پر غم واندوہ کا اظہار کیا ان کی نسبت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس بات کے سب سے بڑے حق دار ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی حفاظت کے معاملہ میں غم واندوہ میں مبتلا ہونے پر آپ پر کوئی ملامت نہ کی جائے۔ [حقیقت یہ ہے کہ جاہل اپنے طور پر کسی کی مدح کرتا ہے دراصل وہ مذمت ہوتی ہے]۔

اگر شیعہ یہ کہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے قتل کیے جانے کا غم تھا۔''

تو ہم کہیں گے: یہ تمہارے اس قول کے متناقض ہے کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے دشمن تھے؛ اور آپ ﷺ نے اس لیے انہیں ساتھ لے لیا تھا کہ کہیں آپ کا معاملہ ظاہر نہ کر دیں۔''

یہ بھی کہا جائے گا کہ: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر واجب کیا ہے؛ اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جو برتاؤ تواتر کے ساتھ معلوم ہے؛ اس کی روشنی میں تمہارا یہ دعوی باطل ہے۔

پھر یہ بھی کہا جائے گا: مان لیجیے! آپ اپنی جان پر اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق غمگین ہوئے تھے؛ تو کیا اس وجہ سے اس بات کے مستحق ہو گئے کہ آپ پر گالم گلوچ کی جائے۔ بالفرض یہ مان بھی لیں کہ آپ کو اپنے قتل کیے جانے کے خوف کی وجہ سے غم وملال تھا تو پھر بھی یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وجہ سے آپ پر سب وشتم کیا جائے۔

❀ پھر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ غمگین ہونا گناہ کا کام تھا؛ تو تب بھی آپ اس پر مصر نہیں رہے؛ جب اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا تو آپ رک گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو بہت ساری چیزوں سے منع کیا تھا اور وہ ان باتوں سے رک گئے تھے۔ اور اس نہی سے پہلے جو کام انہوں نے کیے ان پر کوئی مذمت نہیں کی گئی۔

❀ مزید برآں روافض کہتے ہیں: حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما جاگیر فدک اور دوسری میراث کے چھوٹ جانے پر غم سے نڈھال ہو گئے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ لوگ دنیاوی فوائد کے چھوٹ جانے پر غمگین ہوئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ﴾ [الحدید ۲۳]

''تا کہ تم نہ اس پر غم کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس پر پھول جاؤ جو وہ تمہیں عطا فرمائے۔''

اللہ تعالیٰ تو لوگوں کو اس طرف بلا رہے ہیں کہ دنیا کے چھوٹ جانے پر انہیں کوئی افسوس نہیں ہونا چاہیے۔ اور یہ سبھی جانتے ہیں کہ دنیا کے چھوٹ جانے پر غم کرنے سے منع کرنا اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ کسی کو دین کے چھوٹ جانے پر غم کرنے سے منع کیا جائے۔

اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ آپ دنیا کے چھوٹ جانے پر غمگین ہوئے تھے؛ تو کسی انسان کا اپنے جان پر قتل کیے جانے کے خوف سے غمگین ہونا اس بات کا زیادہ حق دار ہے بہ نسبت اس کے کہ کوئی انسان ایسی دنیا کے چھوٹ جانے پر غمگین ہو جو اسے ملی بھی نہیں۔

❀ حقیقت یہ ہے کہ رافضی سب سے بڑے جاہل لوگ ہوتے ہیں؛ جن سے محبت کرتے ہیں' ان کی مدح میں اور جن

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



سے بغض رکھتے ہیں ان کی مذمت میں ایسی روایات نقل کرتے ہیں جو حقیقت میں اس کے عکس پر ہوتی ہیں ۔ پس آپ نہیں دیکھیں گے جب بھی یہ لوگ کسی معاملہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مذمت کرتے ہیں ' اگر وہ معاملہ واقعی مذموم ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر زیادہ صادق آتا ہے ۔ اور مدح کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہوتا جس سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح کرنا چاہتے ہوں ؛ اور وہ حقیقت میں بھی مدح کا پہلو ہو تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں ۔ اس لیے کہ آپ تمام ممدوح امور میں زیادہ کامل ہیں اور تمام مذموم امور میں سب سے زیادہ بری ہیں ' خواہ یہ امور حقیقی ہوں یا خیالی ۔

## [حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بے صبری اور بے یقینی کی تہمت ]:

**[اعتراض]**: رافضی مصنف نے کہا ہے: '' یہ آیت آپ کی بے صبری پر دلالت کرتی ہے ۔ ''

**[جواب]**: رافضی کا یہ قول باطل ہے ۔ آیت صبر کے معدوم [ یا ناقص ] ہونے پر دلالت نہیں کرتی ۔ اس لیے کہ مصائب پر صبر کرنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں واجب ہے ۔ اور دل کا غمگین ہونا اس کے منافی ہر گز نہیں ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

'' بیشک اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسو پر نہیں پکڑتا ؛ اور نہ ہی دل کی غمگینی اور حزن و ملال پر پکڑتا ہے ؛ لیکن وہ زبان [ سے نکلنے والی آہ و بکا ] پر پکڑتا ہے ؛ یا پھر رحم فرمادیتا ہے ۔ '' [البخاري ٢/ ٨٤؛ ومسلم ٢/ ٦٣٦]

**[اعتراض]**: رافضی مصنف نے کہا ہے: '' یہ آیت عدم یقین باللہ پر دلالت کرتی ہے ۔ ''

**[جواب]**: یہ بات جھوٹ اور بہتان ہے ۔ انبیاء کرام علیہم السلام بھی غمگین ہوتے رہے ہیں ۔ یہ ان کے عدم یقین باللہ کی دلیل ہر گز نہیں ہوا ۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں ذکر کیا گیا ہے ۔ اور صحیحین میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لخت جگر ابراہیم کی وفات پر فرمایا تھا:

'' بیشک آنکھیں بہہ رہی ہیں ؛ اور دل غمگین ہے ؛ اور ہم صرف وہی بات کہتے ہیں جو رب کو راضی کردے ۔ اے ابراہیم ! ہمیں تیری جدائی کا صدمہ ہے ۔ ''[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غم کھانے سے منع کیا ہے ' ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ﴾ ۔ [النحل ١٢٧] '' اور ان پر غم نہ کھائیے ۔ ''

**[اعتراض]**: رافضی نے کہا ہے: '' اللہ تعالیٰ کی طرف سے قضاء و تقدیر پر عدمِ رضامندی ؛ ظاہر کر رہے ہیں ۔ ''

**[جواب]**: سابقہ کلام کی طرح یہ بھی جھوٹ اور باطل کلام ہے ۔

---

[1] البخاری ، کتاب الجنائز ، باب قول النبی ﷺ " انا بك لمحزونون " ( حدیث:١٣٠٣ ) ، صحیح مسلم ، کتاب الفضائل ۔ باب رحمته ﷺ الصبیان والعیال ( حدیث:٢٣١٥ ) ۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



# فصل:......[غم کا محال ہونا؟]

**[اعتراض]**: رافضی نے کہا ہے: ''یہ غم و حزن اگر اطاعت کا کام تھا تو پھر یہ بات محال ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس سے منع کر دیں۔ اور اگر یہ معصیت کا کام تھا تو پھر جس چیز کو یہ لوگ فضیلت ظاہر کر رہے ہیں؛ حقیقت میں وہ ذلت و رسوائی ہے۔''

**[جواب]**: پہلی بات: کسی ایک نے بھی یہ دعوی نہیں کیا کہ محض غمگین ہونا کوئی فضیلت کا کام تھا۔ بلکہ اصل فضیلت تو اس چیز میں ہے جس پر قرآنی آیت دلالت کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [التوبۃ ۴۰]

''اگر تم ان (نبی ﷺ) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جبکہ انہیں کافروں نے نکال دیا تھا دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب آپ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

سو فضیلت اس بات میں ہے کہ آپ اس حالت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر پر نکلے۔ اور آپ کی خصوصی صحبت میں رہے۔ آپ کو مطلق طور پر صحبت نبوت میں کمال حاصل تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ مبارک: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کمال موافقت کو متضمن ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی محبت' اطمینان' نبی کریم ﷺ کے ساتھ کمال معاونت و موالات؛ اور اس حالت میں کمال ایمان اور تقوی آپ کی فضیلت کے دلائل میں سے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی کمال محبت و نصرت آپ کے لیے حزن و ملال کا موجب تھی؛ اگر آپ نے حزن و ملال کا اظہار کیا ہو۔ حالانکہ قرآن میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ آپ غمگین ہوئے بھی تھے۔ جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا۔

❀ دوسری بات: قرآن مجید میں بعینہ یہ بات نبی کریم ﷺ کے لیے بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾ (النحل ۱۲۷)

''اور ان پر غم نہ کر اور نہ کسی تنگی میں مبتلا ہو، اس سے جو وہ تدبیریں کرتے ہیں۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ [وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ]﴾ (الحجر ۸۸)

''اپنی آنکھیں اس چیز کی طرف ہرگز نہ اٹھائیں جس کے ساتھ ہم نے ان کے مختلف قسم کے لوگوں کو فائدہ دیا ہے [اور نہ ان پر غم کریں]۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ﴾ (طه ۲۱)

''اسے پکڑ واور ڈرو نہیں، عنقریب ہم اسے اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے۔''

اس شیعہ سے کہا جائے گا: اگر یہ خوف اطاعت کا کام تھا؛ تو یقیناً اس سے منع کیا گیا ہے۔اور اگر [تم شیعہ کے بقول] نافرمانی کا کام تھا تو پھر [پیغمبر کی طرف سے ] نافرمانی کی گئی۔

نیز یہ بھی کہا جائے گا کہ: آپ کو حکم دیا گیا تھا کہ مطمئن اور ثابت قدم رہیں۔اس لیے کہ خوف تو انسان کے اختیار کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔اس لیے کہ جب امن کے اسباب و موجبات نہیں تھے تو خوف لاحق ہوا۔ اور جب امن کے اسباب پیدا ہوگئے تو خوف زائل ہوگیا۔ پس اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ فرمانا کہ:

﴿وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ﴾ (طه ۲۱)

''اور ڈرو نہیں، عنقریب ہم اسے اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے۔''

اس حکم میں ساتھ ہی اس چیز کی خبر بھی دی گئی ہے جس سے خوف زائل ہوجائے گا۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ﴾ (طه ۶۷۔۶۸)

''تو موسیٰ نے اپنے دل میں ایک خوف محسوس کیا۔ہم نے کہا خوف نہ کر، یقیناً تو ہی غالب ہے۔''

یہاں پر خوف کھانے سے منع کیا گیا اس کے ساتھ ہی خوف ختم ہونے کے موجبات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

یہی حال اس آیت میں وارد رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا بھی ہے: ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ ''غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' یہاں پر غمگین ہونے سے منع کیا گیا ہے' اور اس کے ساتھ ہی غم نہ کرنے کا سبب بھی بیان کیا گیا ہے۔اور وہ سبب ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ ''بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' جب ایسی بشارت مل جائے جس سے غم و حزن ختم ہوں تو یہ امور ختم ہوجاتے ہیں۔ورنہ انسان کو غم وحزن بغیر اختیار کے لاحق ہوتے ہیں۔

تیسری بات:......حزن وملال سے منع کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعی غم وحزن پائے بھی جاتے ہیں؛ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ بلکہ یہ ممانعت اس لیے بھی وارد ہوسکتی ہے تا کہ جب غم وحزن کے اسباب پیدا ہوجائیں تو اس وقت غم وحزن نہ کیا جائے۔اس صورت میں غم اگر معصیت اور گناہ کا کام بھی ہوتو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا اور اگر غم ہو بھی تو پھر بھی ہم کہتے ہیں:''اگر منہی عنہ گناہ اور نافرمانی کا کام نہ ہوتو کبھی نہی تسلی وتعزیت اور ثابت قدمی کے لیے آتی ہے؛اس لیے کہ بیشتر اوقات بعض چیزیں غیر اختیاری طور پر ظاہر ہوجاتی ہیں۔یہ غم وحزن بھی اسی باب سے تعلق رکھتے ہیں۔

پس اس صورت میں ممانعت ایک مستحق ازالہ چیز سے ممانعت ہوگی؛ اگر چہ وہ گناہ کا کام نہ بھی ہو۔جیسا کہ انسان کو

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



حکم دیا جاتا ہے کہ وہ دشمن سے اپنا دفاع کرے؛ یا نجاست کا ازالہ کرے۔اور اس طرح کی دیگر چیزیں اگر چہ گناہ کا کام نہ بھی ہو مگر ان کے تکلیف دہ ہونے کی وجہ سے ان سے منع کیا جاتا ہے۔غم و ملال سے انسان کے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔پس اس لیے ایسی چیز کا حکم دیا گیا جس سے غم کا ازالہ ہو سکے؛ جیسا کہ گندگی دور کرنے کے لیے ایسی چیز کا حکم دیا جاتا ہے جس سے یہ کام ممکن ہو۔ یہ غم بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ملا تھا؛ یہ اطاعت تھی رسول اللہ ﷺ کی محبت اور خیر خواہی۔اس میں کوئی گناہ کا کام نہیں جو کہ قابل مذمت ہو۔ بلکہ اس غم کا سبب اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور دل کی کمزوری تھی جس پر کسی انسان کی مذمت نہیں کی جاسکتی۔اور اس چیز کا حکم دیا گیا جس سے دل میں استقامت و استقلال پیدا ہو؛ اور اس پر ثواب مل سکے۔

چوتھی بات:......اگر مان لیا جائے کہ: غمگین ہونا گناہ کا کام ہے؛ تو پھر بھی آپ اس کی ممانعت کا حکم آنے سے پہلے غمگین ہوئے تھے۔اور جب اس سے منع کر دیا گیا تو دوبارہ آپ سے ایسی حرکت کا ارتکاب نہیں ہوا۔اور جو کام حرام ہونے سے پہلے ہو گیا' اس پر کوئی گناہ نہیں۔جیسا کہ لوگ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے شراب پیا کرتے تھے؛ اور جوا بھی کھیلتے تھے؛ مگر جب ان کاموں کی ممانعت کا حکم نازل ہو گیا تو لوگ ان سے رک گئے؛ اور سچی توبہ کر لی۔ جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غمگین ہونا رسول اللہ ﷺ کے منع کرنے سے پہلے تھا۔اور اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول تھا؛ اس لیے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں غمگین تھے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ بھی ان کے ساتھ تھا۔اللہ تعالیٰ کبھی بھی گناہ گاروں کے ساتھ نہیں ہوتا ؛ بلکہ ان کے خلاف ہوتا ہے۔جب سے رسول اللہ ﷺ نے آپ کو منع کیا تو اس کے بعد کبھی بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ غمگین نہیں ہوئے۔اگر اعتراض کرنے والے ان کمینوں کو کوئی ذرا بھر بھی حیاء ہوتی؛ تو اس قسم کے اعتراض نہ کرتے۔اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غمگین ہونا عیب ہے تو یہی عیب محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر بھی لازم آتا ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتے ہیں:

﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَآ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ﴾ (قصص ۳۵)

''کہا ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو ضرور مضبوط کریں گے اور تم دونوں کے لیے غلبہ رکھیں گے، سو وہ تم تک نہیں پہنچیں گے، ہماری نشانیوں کے ساتھ تم دونوں اور جنھوں نے تمھاری پیروی کی، غالب آنے والے ہو۔''

پھر جادوگروں کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿ اَنۡ تُلۡقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنۡ نَّکُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَلۡقٰی﴾ (......آگے تک......) ﴿ فَاَوۡجَسَ فِیۡ نَفۡسِہٖ خِیۡفَۃً مُّوۡسٰی&قُلۡنَا لَا تَخَفۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰی﴾ (طه ٦٥-٦٨)

انھوں نے کہا اے موسیٰ! یا تو یہ کہ تو پھینکے اور یا یہ کہ ہم پہلے ہوں جو پھینکے۔......''تو موسیٰ نے اپنے دل میں ایک خوف محسوس کیا۔ہم نے کہا خوف نہ کر، یقیناً تو ہی غالب ہے۔''

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول اور اس کے کلیم ہیں ؛ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر بھی دی تھی کہ فرعون اور اس کے لشکری آپ تک نہیں پہنچ پائیں گے۔اور آپ ہی غالب رہیں گے۔ پھر اس کے بعد بھی آپ کے دل میں خوف محسوس ہوا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ خوف محسوس کرنا صرف اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے جو وعدہ کیا تھا کہ آپ ہی غالب رہیں گے؛ اس وقت یہ بات آپ کے ذہن سے اوجھل ہوگئی تھی۔اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غم کرنا اس کی ممانعت کا حکم آنے سے پہلے تھا۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ مَنۡ کَفَرَ فَلَا یَحۡزُنۡکَ کُفۡرُہٗ ﴾ (لقمان ٢٣)

''اور جو کوئی کفر کرے پس اس کا کفر آپ کو غمگین نہ کرے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ لَا تَحۡزَنۡ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا تَکُ فِیۡ ضَیۡقٍ مِّمَّا یَمۡکُرُوۡنَ﴾ (النحل ١٢٧)

''اور ان پر غم نہ کر اور نہ کسی تنگی میں مبتلا ہو، اس سے جو وہ تدبیریں کرتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا یَحۡزُنۡکَ قَوۡلُہُمۡ ﴾ (یس ٧٦)

''ان کی باتیں آپ کو غمگین نہ کریں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تَذۡہَبۡ نَفۡسُکَ عَلَیۡہِمۡ حَسَرٰتٍ ﴾ (فاطر ٨)

''سو آپ کی جان ان پر حسرتوں کی وجہ سے نہ جاتی رہے۔''

اور ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے:

﴿قَدۡ نَعۡلَمُ اِنَّہٗ لَیَحۡزُنُکَ الَّذِیۡ یَقُوۡلُوۡنَ﴾ (الأنعام ٣٣)

''ہم جانتے ہیں بیشک آپ کو وہ بات غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ آپ کو کفار و مشرکین کا کلام غمگین کرتا ہے۔اور اس سے منع بھی کیا گیا۔ اگر شیعہ قول کے مطابق دیکھا جائے تو جیسے وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غمگین ہونے پر اعتراض اٹھاتے ہیں؛ [یہی اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی وارد ہوتا ہے؛ مگر ہم کہتے ہیں ]: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں کے کفر یہ کلام پر غمگین ہونا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا کام تھے ؛ اور یہ حزن و ملال کی ممانعت آنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ایسے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس ممانعت کا حکم آنے سے پہلے غمگین ہونا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا کام تھا۔اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کر دیا تو اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی بھی غمگین نہیں ہوئے۔پس یہ کیفیت بھی ممکن ہے کہ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ غمگین نہ ہوئے ہوں۔مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس لیے منع کیا ہو کہ کہیں آپ غمگین نہ ہو جائیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا اَوْ كَفُوْرًا﴾ (الإنسان ۲۴)

''اوران میں سے کسی گناہ گار یا بہت ناشکرے کا کہنا مت مان۔''

## فصل:......[روافض کی کج فہمی]

[کج فہمی]: شیخ الاسلام مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض روافض کہتے ہیں: کہ ﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾۔[التوبۃ ۴۰] ''جب آپ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' کے الفاظ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان ثابت نہیں ہوتا۔وہ کہتے ہیں کہ ''صاحب'' رفیق اور ساتھی کو کہتے ہیں۔ساتھی کبھی ایماندار بھی ہوسکتا ہے'اور کبھی کافر بھی۔[یہ ضروری نہیں کہ وہ ایماندار ہو]۔جیسا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَیْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَیْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّ حَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَیْنَهُمَا زَرْعًا o كِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَ لَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَیْـًٔا وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا o وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَ هُوَ یُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا&وَ دَخَلَ جَنَّتَهٗ وَ هُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِیْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا﴾۔.... آگے تک....﴿قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَ هُوَ یُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ [ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا]﴾ (کهف ۳۲۔۳۷)

''اوران کے لیے ایک مثال بیان کیجیے، دو آدمی ہیں، جن میں سے ایک کے لیے ہم نے انگوروں کے دو باغ بنائے اور ہم نے ان دونوں کو کھجور کے درختوں سے گھیر دیا اور دونوں کے درمیان کچھ کھیتی رکھی۔دونوں باغوں نے اپنا پھل دیا اور اس سے کچھ کمی نہ کی اور ہم نے دونوں کے درمیان ایک نہر جاری کر دی۔اور اس کے لیے بہت سا پھل تھا تو اس نے اپنے ساتھی سے، جب اس سے باتیں کر رہا تھا، کہا میں تجھ سے مال میں زیادہ اور نفری کے لحاظ سے زیادہ باعزت ہوں۔اور وہ اپنے باغ میں اس حال میں داخل ہوا کہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا، کہا میں گمان نہیں کرتا کہ یہ کبھی برباد ہوگا۔'' ............''اس کے ساتھی نے، جب کہ وہ اس سے باتیں کر رہا تھا، اس سے کہا کیا تو نے اس کے ساتھ کفر کیا جس نے تجھے حقیر مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ کے ایک قطرے سے،[پھر تجھے ٹھیک ٹھاک آدمی کر دیا]۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



**[جواب]** : ان سے کہا جائے گا: یہ بات معلوم شدہ ہے کہ: ''صاحب کا لفظ ساتھی اور دوسروں سب کو شامل ہے۔ [اس آیت میں صاحب کا لفظ مطلق ساتھی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے ]۔محض اس لفظ کے استعمال میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ کوئی دوست ہو یا دشمن ؛ یا پھر کافر ہو یا مؤمن ۔ یہ صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے جب اس کے ساتھ وصف کو بھی ملا کر بیان کیا جائے۔فرمان الٰہی ہے:﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وابن السبیل﴾ یہاں پر صاحب کا لفظ بیوی اور رفیق سفر دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے؛اس میں کافر اور مؤمن کی کوئی تمیز نہیں کی گئی ۔اور نہ ہی اس فرق کی کوئی دلیل موجود ہے۔ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى &مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى﴾ [النجم ۱۔۲]

''قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے! تمھارا ساتھی نہ راہ بھولا ہے اور نہ غلط راستے پر چلا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ﴾ [التکویر ۲۲]

''اور تمھارا ساتھی ہرگز کوئی دیوانہ نہیں ہے۔''

یہاں پر ساتھی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔اس لیے کہ آپ نے بشر کی مصاحبت کی تھی ۔ بیشک جب آپ لوگوں کے ساتھی تھے؛ اور آپ کے اور لوگوں کی مابین مشارکت تھی ؛ تو جو وحی آپ لیکر آتے اس کا نقل کرنا ممکن ہوا۔اور ایسے ہی آپ کی جو بات سنتے اس کے معانی سمجھ سکتے۔بخلاف فرشتہ کے جو کہ ان کے ساتھ نہیں رہا؛ اس لیے کہ لوگوں کے لیے ممکن نہیں تھا کہ براہ راست اس سے تعلیمات اخذ کریں۔

نیز یہ آیت اس بیان کو بھی متضمن ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کی جنس سے ایک بشر ہیں۔اور اس سے بھی خاص بات یہ ہے کہ آپ عربی ہیں' اور اسی قوم کی زبان میں مبعوث ہوئے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ﴾ [التوبۃ ۱۲۸]

''(لوگو) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔تمہاری تکلیف انکو گراں معلوم ہوتی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ [ابراھیم ۴]

''ہم نے ہر نبی کو اس کی قومی زبان میں ہی بھیجا ہے تا کہ ان کے لیے بیان کر دے۔''

جب آپ ان کی صحبت میں رہے تھے تو ان لوگوں کی زبان بھی سیکھی تھی۔اور آپ کے لیے یہ ممکن تھا کہ ان لوگوں کی زبان میں ان سے بات کرسکیں۔تو اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کی طرف ان کی زبان میں ہی رسول بنا کر بھیجا تا کہ لوگ آپ کی بات سمجھ سکیں۔پس اس لحاظ سے یہاں پر صحبت کا ذکر کرنا ان پر مہربانی اور احسان کے باب سے تھا۔بخلاف اس کے کہ صحبت کی جو اضافت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾۔ ''گھبرائیے نہیں! بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

صحیح مسلم میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!، اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے تو ان کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔'' [سبق تخریجه]

جیسا کہ اس حدیث مبارک میں ہے: ''اے لوگو! کیا تم میرے لیے میری ساتھی کو نہیں چھوڑو گے۔'' اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ کے خطاب میں یا مسلمانوں کے خطاب میں صحبت کو رسول اللہ ﷺ کی طرف مضاف کرنا آپ ﷺ سے موالات اور دوستی کی صحبت کو متضمن ہے۔ یہ دوستی اور موالات آپ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں۔ پس صحابی کے لفظ کا اطلاق اس انسان پر نہیں ہوسکتا جو سفر میں آپ کا ساتھی بنا ہو اور وہ حالت کفر پر ہو [جیسا کہ عبداللہ بن اریقط]۔

قرآن آپ کے بارے میں کہتا ہے: ﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾۔

''جب وہ اپنے ساتھی سے فرمارہے تھے: گھبرائیے نہیں! بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

پس رسول اللہ ﷺ خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اور آپ کے ساتھی کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ساتھ نصرت اور تائید کو متضمن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دشمن پر اور ان حضرات کے دشمن ہر کافر پر کامیابی عطا فرمائیں گے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ نبی کے ساتھ بھی ہو اور اس کے دشمن کے ساتھ بھی۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کے دشمن کے ساتھ ہوتا تو یہ بات موجب حزن و ملال تھی جس کی وجہ سے اطمینان و سکون ختم ہوجاتا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ ''صَاحِبِهِ'' کا لفظ محبت اور دوستی کی صحبت کو متضمن ہے جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ پر آپ کا ایمان لازم آتا ہے۔

- ایسے ہی یہ لفظ: ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ دلالت کرتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے سچے دوست تھے؛ اس لیے کہ آپ ان کے دشمن سے خوف زدہ تھے۔ اسی لیے آپ سے کہا گیا:

﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾۔ ''گھبرائیے نہیں! بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اگر آپ رسول اللہ ﷺ کے دشمن ہوتے تو پھر صرف اسی صورت میں غمگین ہوتے جب رسول اللہ ﷺ کے قہر و جلال کے سامنے مغلوب ہوجاتے؛ ورنہ نہیں۔ تو پھر ہرگز یہ بھی نہ کہا جاتا:

﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾۔ ''گھبرائیے نہیں! بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی کے ساتھ ہونا ایسی بات ہے جس سے نبی کریم ﷺ کو خوشی پہنچتی ہے۔ اور آپ کے دشمن کے ساتھ ہونا ایسا معاملہ ہے جس سے آپ کو تکلیف متوقع ہوسکتی تھی۔ پس یہ بات ممتنع ہے کہ اللہ ایک ہی وقت میں آپ کے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ساتھ بھی اور آپ کے دشمن کے ساتھ بھی۔خصوصاً جب کہ یہ کہا جا رہا ہے: ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ پھر یہ فرمان:

﴿إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ [التوبة ۴۰]

''اس وقت جبکہ انہیں کافروں نے نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔''

اللہ تعالیٰ کی مدد اس صورت میں نہیں ہوسکتی تھی کہ آپ کے دشمن کو آپ کے ساتھ ملا دیا جائے۔نصرت و مدد تو اسی صورت میں تھی کہ آپ کے دوست کو آپ کے ساتھ ملایا جائے اور دشمن سے نجات عطا کی جائے۔دشمن پر آپ کی مدد و نصرت اس صورت میں کیسے ممکن ہے کہ دشمن مسلسل آپ کے ساتھ لگا رہے۔دن اور رات میں کسی وقت بھی آپ سے جدا نہ ہوتا ہے؛ خصوصاً جب کہ آپ اتنے اہم ترین اور خطرناک سفر میں تھے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان میں یہ الفاظ: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾: دو میں سے دوسرا۔﴿أَخْرَجَهُ﴾ کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے۔اس کا معنی یہ ہوا کہ لوگوں نے آپ کو نکالا اس حال میں کہ نبی کریم ﷺ دو میں سے ایک تھے۔آپ کو دو میں سے ایک کی صفت سے موصوف کیا گیا ہے۔پس ثابت ہوا کہ یہ دونوں اکٹھے نکالے گئے تھے۔اس لیے کہ یہ ممکن نہ ہوسکتا کہ دو میں سے دوسرا نکلے؛ مگر ان کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہو۔اس لیے کہ صرف اگر آپ کو نکالا گیا ہوتا تو پھر دو میں سے دوسرے کی بات کرنا مناسب نہ ہوتی۔پس ان دونوں ہستیوں کو اکٹھے ہی نکالا گیا تھا۔یہاں پر لفظ مع کا قرینہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔پس اس سے لازم آتا ہے کہ دونوں اکٹھے نکلے ہوں۔

یہی حقیقت واقع ہے۔اس لیے کہ کفار نے تمام مہاجرین کو نکالا تھا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا﴾ (الحشر: ۸)

''(فئے کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ﴾ [الحج ۳۹۔ ۴۰]

''جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں بیشک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے۔یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔''

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ﴾ [الممتحنة ٩]

''اللہ تعالیٰ تمھیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمھیں دیس سے نکال دیا اور دیس سے نکال دینے والوں کی مدد کی۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ: مشرکین مکہ نے اہل ایمان کو مکہ میں ایمان کے ساتھ قیام کرنے سے روک دیا تھا۔اوران لوگوں کے لیے ایمان کو ترک کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔پس ان لوگوں کوان کے ایمان کی وجہ سے دیس سے نکالا گیا۔ پس یہ دلیل ہے کہ کفار نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھی کو بھی ایسے ہی نکالا تھا جیسے آپ کو نکالا تھا۔کفار نے صرف ان ہی لوگوں کو نکالا تھا جن کے ساتھ ان کی دشمنی تھی؛ اپنے کافروں میں سے کسی ایک کو بھی انہوں نے نہیں نکالا۔ پس اس سے بھی ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحبت صحبتِ محبت و ایمان موالات و دوستی تھی۔کفر کی صحبت نہیں تھی۔

❀ اگر اعتراض کرنے والا کہے کہ: یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ آپ ظاہری طور پر رسول اللہ ﷺ سے موافقت رکھتے تھے۔اوراس موافقت کا اظہار وہ انسان بھی کرسکتا ہے جو باطن میں منافق ہو؛ مگر وہ بھی اصحاب کے لفظ میں داخل ہوتا ہے۔جیسا کہ جب رسول اللہ ﷺ سے بعض منافقین کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی گئی تو آپ نے فرمایا:'' نہیں ؛ لوگ یہ کہتے پھریں گے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے۔''

پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لفظ اصحاب میں بعض وہ لوگ بھی داخل تھے جو اصل میں منافق تھے۔

❀ اس سے کہا جائے گا کہ: ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مہاجرین میں کوئی ایک بھی منافق نہیں تھا۔اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ سچے اہل ایمان کی نسبت منافقین بہت کم تعداد میں تھے۔اوران میں سے بھی اکثر کا حال اس وقت آشکار ہو گیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں قرآن نازل کیا۔اگرچہ نبی کریم ﷺ ان میں سے ہر ایک کو شخصی طور پر نہیں جانتے تھے؛ مگر جن لوگوں کا ان کے ساتھ میل جول تھا وہ جانتے تھے۔

کسی انسان کے باطن میں اہل ایمان' یا کافر' یا یہودی اور عیسائی یا پھر مشرک ہونے کا علم طویل صحبت کی صورت میں کسی پر مخفی نہیں رہتا۔اس لیے کہ کبھی بھی کوئی انسان اپنی اندر کی بات نہیں چھپاتا مگر اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کے آثار اور زبان کی بول چال سے اسے ظاہر کر دیتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَاَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ [محمد ٣٠]

''اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو وہ لوگ دکھا دیں،سو یقیناً آپ انھیں ان کی نشانی سے پہچان لیں گے: اور آپ انھیں بات کے انداز سے ضرور ہی پہچان لیں گے۔''

❀ اس میں کوئی شک نہیں کہ کفر چھپانے والا اپنے ٹیڑھے اور کمزور قول کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔جب کہ چہرہ کے آثار سے کبھی کوئی پہچان سکتا ہے اور کبھی نہیں ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيمَانِهِنَّ اللّٰهُ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَی الْكُفَّارِ﴾ [الممتحنة ۱۰]

''اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان لو؛ دراصل ان کے ایمان کو بخوبی جاننے والا تو اللہ ہی ہے لیکن اگر وہ تمہیں ایماندار معلوم ہوں تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو۔''

❀ نبی کریم ﷺ سے روایت میں جو صحابہ معروف و مذکور ہیں' اور جن کی دینداری کی وجہ سے مسلمان ان کی تعظیم کرتے ہیں؛ یہ تمام رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھنے والے سچے مومن تھے۔الحمد للہ کہ مسلمانوں نے کبھی بھی کسی منافق کی تعظیم نہیں کی۔کسی انسان کے ایمان کا بھی ایسے ہی پتہ چل جاتا ہے جیسے اس باقی تمام احوال قلب دشمنی اور دوستی ؛غم و خوشی ؛ بھوک و پیاس اور دوسرے امور کا پتہ چل جاتا ہے۔اس لیے کہ ان امور کے کچھ ظاہری لوازم ہیں۔اور ظاہری امور باطنی امور کو مستلزم ہوتے ہیں۔یہ بات وہ تمام لوگ جانتے ہیں جنھوں نے اس کا تجربہ کیا ہو اور اسے آزمایا ہو۔

❀ [اولاً]:ہم اضطراری طور پر جانتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر' ابن عباس' انس بن مالک' ابوسعید خدری ؛ اور جابر رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے امثال دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ پر سچا ایمان رکھنے والے:آپ کی تعظیم کرنے والے اور آپ سے سچی محبت کرنے والے تھے۔ان میں کوئی بھی منافق نہیں تھا۔تو پھر ان خلفاء راشدین کے یہ احوال کیونکر معلوم نہیں ہوسکتے تھے جن کے ایمان بالرسول اور آپ ﷺ سے محبت اور نصرت کی خبریں زمین کے مشرق و مغرب میں معروف ہیں۔

❀ ایسی باتوں کو تو معروف ہونا چاہیے۔منافقین کا وجود ان پاکباز لوگوں کے ایمان میں شک و شبہ کا موجب و سبب نہیں بن سکتا جنہیں امت میں صداقت و امانت کے ساتھ قبولیت اور شہرت حاصل ہے۔بلکہ ہم ضروری طور پر سعید ابن مسیّب' حسن بصری' علقمہ' اسود' مالک' شافعی' احمد بن حنبل' فضیل اور جنید رحمہم اللہ اور جو لوگ ان سے بھی کم مرتبہ کے ہیں' ان کا مسلمان اور صاحب ایمان ہونا جانتے ہیں۔تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اہل ایمان ہونا کیونکر معلوم نہیں ہوسکتا۔اور ان بہت سارے لوگوں کا صاحب ایمان ہونا بھی جانتے ہیں جو ہمارے اصحاب میں سے ہیں اور ان کے ساتھ ہمارا اٹھنا بیٹھنا رہا ہے۔

❀ اس موضوع پر کئی جگہ ہم مفصل بات کر چکے ہیں۔اور ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ خبر دینے میں سچے کی سچائی اور جھوٹے کا جھوٹ جیسا کہ کسی کا جھوٹی نبوت کا دعوی وغیرہ ؛ ایسے امور ہیں جو کئی اسباب کی بنا پر اضطراری طور پر معلوم ہوجاتے ہیں۔اسلام کے اظہار کا تعلق بھی اسی باب سے ہے؛ کوئی انسان سچا ہوتا ہے اور کوئی جھوٹا۔

❀ ثانیاً: نیز ان سے یہ بھی کہا جائے گا کہ: امام احمد رحمہ اللہ اور دوسرے علماء کرام نے لکھا ہے :ہمیں اس بارے میں کسی اختلاف کا کوئی علم نہیں ہوسکا کہ مہاجرین میں ایک بھی منافق نہیں تھا۔اس لیے کہ مہاجرین نے اس وقت اپنے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اختیار سے ہجرت کی تھی جب مکہ میں ان پر ایمان لانے کی پاداش میں تکالیف ڈھائی گئیں۔اس وقت مکہ میں کوئی اپنے اختیار کے بغیر اسلام قبول نہیں کرتا تھا۔ بلکہ وہاں مشکلات اور تکلیف کے احتمال کے باوجود کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جو ایمان کا اظہار کرتا ہو اور اس کے دل میں کفر پوشیدہ ہو۔خصوصاً جب کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی ہجرت تک کرنا پڑی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت کی تو وہاں پر آپ کو قوت وطاقت حاصل ہوگئی۔ جب اسلام کو غلبہ حاصل ہوا؛ اور انصاری قبائل میں اسلام پھیل گیا تو بعض وہ لوگ جو کہ صدق دل سے ایمان نہیں لائے تھے وہ اپنی قوم کے ساتھ موافقت کے لیے اسلام کا اظہار کرنے لگے۔اس لیے کہ اہل ایمان وقوت وسطوت حاصل ہوگئی تھی۔اوران کے ہاتھ میں اب تلوار بھی آ گئی تھی؛اور یہ کفر کی وجہ سے لوگوں سے جہاد بھی کرتے تھے۔

❀ ثالثاً: عام طور پر بنی آدم کے اہل خرد و دانش اور اصحاب عقل لوگ جب کچھ عرصہ تک دوسروں کے ساتھ رہتے ہیں تو انہیں دوسرے انسان کی محبت اور دوستی یا نفرت اور دشمنی کا پتہ چل جاتا ہے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تیرہ برس تک ان کی صحبت میں رہے۔تو کیا رسول اللہ ﷺ کو یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے دوست ہیں یا دشمن؟اور پھر رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک دارخوف میں اکٹھے بھی ہیں۔کیا یہ بات رسول اللہ ﷺ کی شان میں قدح نہیں ہے؟

❀ پھران سے یہ بھی کہا جائے گا کہ: تمام لوگ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے سے لیکر وقت وفات تک آپ کا سب سے بڑا دوست اور آزاد مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق ہیں۔آپ نے دوسرے لوگوں کو بھی یہ دعوت پیش کی حتی کہ وہ بھی ایمان لے آئے۔آپ نے کمزور مسلمانوں کو مظالم سے نجات دلانے کے لیے اپنا مال خرچ کیا۔جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ نیز آپ موسم حج میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلتے اور مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت پیش کرتے۔اور رسول اللہ ﷺ روزانہ صبح یا شام کو آپ کے گھر تشریف لاتے۔آپ کو کفار نے ایمان لانے پر مشق ستم بھی بنایا۔حتی کہ آپ ہجرت کی غرض سے نکلے تو راستہ میں عرب امراء میں سے ایک امیر ابن دغنہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ اپنے علاقہ کا بڑا انسان تھا۔اس نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟............ یہ پوری روایت پہلے گزر چکی ہے۔

تو کیا پھر جس انسان کے پاس ادنیٰ سی عقل بھی ہو؛ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دوستی ومحبت جانثاری اور فدائیت میں معمولی سا شک بھی کرسکتا ہے؟ حالانکہ آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت اور دوستی کی وجہ سے آپ نے اپنی قوم اور خاندانی سے دشمنی مول لے رکھی تھی۔اوران کی طرف سے ملنے والی تکلیفوں پر صبر کیا کرتے اوراہل ایمان بھائیوں میں سے ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اپنا مال خرچ کرتے۔

❀ بہت سارے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی دوسرے سے دوستی تو رکھتے ہیں' مگر مشکلات اور امتحان کے وقت میں؛ لوگوں کی دشمنی مول لیکر ان کا ساتھ نہیں دیتے۔اور نہ ہی کسی ایسی چیز کا اظہار کرسکتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ دشمن

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



بن جائیں۔اس کے برعکس جب اس طرح سے موافقت اور اتباع کا اظہار بھی کرے جس کی وجہ سے لوگ دشمن بن جائیں اور ان کی دشمنی پر صبر بھی کرے؛ اور پھر اپنی اس موافقت پر اپنا مال بھی خرچ کرے؛ اور اس مال خرچ کرنے کا کوئی دنیاوی سبب بھی موجود نہ ہو۔اس لیے کہ آپ کے مال خرچ کرنے سے مکہ میں آپ کو کوئی دنیاوی فائدہ حاصل نہیں ہوا؛ نہ ہی مال ملا نہ ہی مقام و مرتبہ؛ نہ ہی کوئی دوسری چیز۔ بلکہ دنیاوی چیزوں میں سے آپ کو آزمائش و امتحان اور تکلیف و شدائد کے علاوہ کچھ بھی نہیں ملا۔

ایسا ہوسکتا ہے کہ کبھی کوئی انسان کسی دوسرے کے ساتھ اپنی موافقت کا اظہار کسی دنیاوی یا دوسری غرض کے حصول کے لیے کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی اس لیے بھی موافقت کا اظہار کرسکتا ہے تاکہ حیلہ کرکے اور چال چل کر اسے قتل کردے۔[یا پھر کوئی تکلیف پہنچائے]۔مکہ مکرمہ میں ان جملہ امور میں سے کوئی ایک بھی بات نہیں ہوئی۔اس لیے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دیا کرتے تھے وہ ایمان لانے کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی سب سے بڑھ کر دشمنی رکھنے والے تھے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ان لوگوں سے کوئی ایسا تعلق بھی ہرگز نہیں تھا جس کی وجہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دیتے۔اور نہ ہی اہل مکہ کو ایسے کام کرنے کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کوئی ضرورت تھی۔ بلکہ وہ خود اس بد بختی پر پوری طرح سے قدرت رکھتے تھے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو رات یا دن میں یا خلوت یا جلوت میں اجتماعی یا انفرادی حالت میں کبھی بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔حالانکہ -معاذ اللہ؛[جیسے رافضی خباثت بکتے ہیں]- اگر آپ چاہتے تو زہر دینا یا قتل کرنا یا کوئی اور چال چل کر آپ ﷺ کو تکلیف دینا حضرت کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔

❀ مزید برآں آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت اور تائید حاصل تھی؛ اس کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی برائی کا ارادہ کرنے والے انسان سے آپ کو مطلع کردیتے؛ اگر کسی کا کوئی برا ارادہ ہوتا۔جیسا کہ:

۱۔اللہ تعالیٰ نے ابی عزہ کے ارادہ سے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کردیا تھا جب وہ ایمان کا اظہار کرتے ہوئے برے ارادہ سے رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گیا تھا۔اتنا تو ایک ہی مجلس میں ہوگیا۔

۲۔ایسے ہی حنین کے موقع پر جب مسلمان پسپا ہوگئے تو جمحی برے ارادہ سے آگے بڑھا؛ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں خبر دیدی۔

۳۔فتح مکہ کے موقع پر عمیر بن وہب جب آپ ﷺ پر اچانک حملہ کرنا چاہتا تھا اور وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی طرف آگے بڑھ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس سے آگاہ کردیا۔

۴۔غزوہ تبوک سے واپسی پر جب منافقین نے چاہا کہ آپ کی اونٹنی کی مہار کاٹ کر آپ پر حملہ کردیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے ارادہ سے آگاہ کردیا'[اور ان لوگوں کے نام بھی بتادیے]۔

❀ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سفر و حضرت میں دن و رات ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔خلوت و جلوت میں آپ کے

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ساتھی تھے۔ بدر کے دن آپ اکیلے ہی جھونپڑے میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے۔ اگر آپ کے دل میں ذرا بھر بھی کوئی میل ہوتی تو پھر کیسے ممکن تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس بارے میں خبر نہ ہوتی۔ جس انسان کو ادنی ذہانت بھی حاصل ہو وہ اس سے بہت کم وقت کی ہمراہی میں ایسی باتوں کا ادراک کر لیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایسا گمان صرف وہی انسان کرسکتا ہے جو لوگوں میں سب سے بڑا جاہل اور سب سے بڑا بیوقوف ہو اور نبی کریم ﷺ کی شان میں سب سے بڑا گستاخی کرنے والا اور عیب لگانے والا ہو۔ اس سے بڑا کوئی طعن رسول اللہ ﷺ کی شان میں نہیں ہوسکتا۔ بھلے ایسا کہنے والا جاہل اور بیوقوف انسان محبت رسول اللہ ﷺ کا دعویدار ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے: ''عقلمند دشمن جاہل و بیوقوف دوست سے بہتر ہوتا ہے۔''

❀ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سارے محبین رسول اللہ ﷺ جن کا تعلق بنی ہاشم اور دوسرے قبائل سے تھا شیعہ ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے پھر خود دیکھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں سب سے بڑی گستاخی کرنے والے رافضی ہی ہیں۔ اس لیے کہ رافضیت کی اساس زنادقہ نے رکھی ہے جو کہ دین اسلام کو ختم کرنا اور رسول محترم ﷺ کی شان میں جرح وقدح کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ بہت سارے علماء کرام نے ذکر کیا ہے۔

❀ رافضیت کی ابتداء عبداللہ بن سباء زندیق سے ہوئی۔ سو اس نے اسلام کا اظہار کیا۔ اور یہودیت کو چھپائے رکھا۔ اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کی۔ جس طرح پولس عیسائی نے [جو کہ یہودی تھا] عیسائی مذہب کو مٹانے کی کوشش کی۔''❶

---

❶ مجموع الفتاوی میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رافضیت کی اصل -جڑ- منافقین اور زندیقوں سے نکلتی ہے۔ بیشک اسے ابن سباء زندیق نے ایجاد کیا؛ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں، ان کی امامت اور اس کے بارے میں واضح نصوص ہونے کے دعوی سے غلو کا اظہار کرنے لگا، اور ان کے معصوم ہونے کا دعوی کیا۔ اس لیے جب اس کی بنیاد ہی نفاق پر تھی تو بعض سلف رحمہ اللہ نے فرمایا: ''حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی محبت ایمان ہے، اور ان سے عداوت نفاق ہے،،۔ اور بنی ہاشم سے محبت ایمان ہے، اور ان سے بغض نفاق ہے۔'' مجموع الفتاوی: ۲۸/ ۴۸۳۔

ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ شرح عقیدہ طحاویہ میں فرماتے ہیں: ''بیشک رافضیت کی بنیادیں ایک منافق زندیق نے رکھی ہیں۔ جس کا مقصد دین اسلام کو ختم کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر تنقید کرنا تھا۔ جیسا کہ علماء کرام نے بیان کیا ہے۔ اس لیے کہ جب عبداللہ بن سباء نے اسلام کا اظہار کیا؛ تو اپنی خباثت اور مکر کی بنا پر اس کا ارادہ دین اسلام ختم کرنے کا تھا۔ جیسے کہ پولس - یہودی - نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ اس نے اپنا عبادت گزار ہونا ظاہر کیا۔ پھر لوگوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے لگا، حتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی سازش کی، جس کے نتیجہ میں آپ قتل ہوئے ......''۔ شرح العقیدۃ الطحاویۃ (ص ۵۷۸)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے طلب کیا تھا تا کہ اسے بہت سخت سزا دیں۔ لیکن یہ - بد بخت - کوے سے زیادہ چوکنا رہتا تھا۔ وہ وہاں سے بھاگ گیا اور وہ علاقہ ہی چھوڑ دیا۔ اس کا بھاگنا اس خطرناک سازش کو ترک کرنا اور شکست تسلیم کرنا نہیں تھا، بلکہ وہ اپنے ان افکار کو مسلمانوں کو گمراہ کرنے، اور فتنہ پیدا کرنے، اور اپنے پلان کو انجام تک پہنچانے کے لیے تھا تا کہ وہ اس کے لیے یہ ملامت و عار اور عذاب نار قیامت تک باقی رہے۔'' رافضیت کی بنیاد عبداللہ بن سباء یہودی کے ہاتھوں رکھے جانے کا بڑے شیعہ علماء اور مؤرخین نے ⇦⇦⇦

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اس نے اپنے آپ کو ایک عابد و زاہد کے طور پر ظاہر کیا۔ لوگوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اظہار کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ بپا کرنے اور آپ کو قتل کروانے میں کردار ادا کیا۔ پھر اس کے بعد کوفہ چلا آیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کا اظہار کرنے لگا۔ اور آپ کے امام منصوص ہونے کا دعوی کیا۔ تا کہ اس طرح سے وہ اپنی غرض تک پہنچ جائے۔ یہ باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچیں۔ آپ نے اسے بلایا تھا تا کہ اسے قتل کیا جا سکے مگر وہ قرقیسیا کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے قصے بڑے معروف ہیں جنہیں کئی علماء نے ذکر کیا ہے۔

❀ جس انسان کو دین اسلام کے متعلق ادنیٰ سا علم بھی حاصل ہو وہ جانتا ہے کہ رافضی مذہب دین اسلام کے متناقض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زندیق لوگ جو دین اسلام میں فساد پیدا کرنا چاہتے تھے وہ اپنے پیروکاروں کو شیعیت کے اظہار کا حکم دیتے تھے۔ اور وہ اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے شیعیت کا راستہ ہی استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ ''بلاغ اکبر'' اور ناموس اعظم کے مصنف نے ذکر کیا ہے۔

## [باطنیہ کا شیعہ مذہب کے ذریعہ پھیلاؤ]:

❀ علامہ قاضی ابوبکر بن طیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تمام باطنیہ ان کے ہر مصنف اور قلم نگار کا اس گمراہ کن دعوت کی نشر و اشاعت کے اسلوب و ترتیب پر اتفاق

⇦⇦⇦ اعتراف کیا ہے۔ الکشی ایک مشہور شیعہ مؤرخ اور حالاتِ زندگی کے ماہر ہیں، جس کا شمار چوتھی صدی کے علماء میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے مذہب کے بعض علماء سے یہ نص نقل کرتا ہے؛ وہ کہتا ہے: ''بعض اہل علم نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ: بیشک عبداللہ بن سباء یہودی تھا؛ اس نے اسلام کا اظہار کیا، اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعوی کرنے لگا اور جب وہ یہودی تھا تو یوشع بن نون کے متعلق غلو کرتے ہوئے کہا کرتا تھا: ''وہ موسیٰ علیہ السلام کے وصی ہیں'' اور اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہنے لگا۔ یہی وہ پہلا انسان ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے فرض ہونے کا قول ایجاد کیا۔ اور ان کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کیا۔ اور ان کے مخالفین کا پردہ چاک کیا، اور انہیں کافر قرار دیا۔ سو اس بنیاد پر شیعہ کے مخالفین کہتے ہیں کہ: ''شیعیت اور رافضیت کی اصل یہودیت سے مأخوذ ہے۔'' (رجال الکشی ص: ۷۱)

یہ عبارت رافضی علماء کے ہاں مشہور ہے، جسے ان کے علماء نقل کرتے چلے آئے ہیں۔ ان کی معتمد اور ثقہ کتابوں میں سے کئی ایک میں اس کا ذکر آیا ہے۔ -شیعہ عالم- اشعری قمی نے ''المقالات و الفرق (ص ۲۱-۲۲) میں سے ذکر کیا ہے، اور نوبختی نے ''فرق الشیعۃ (ص ۲۲) میں ذکر کیا ہے، اور مامقانی نے ''تنقیح المقال (۲/ ۱۸۴)'' میں اس کا ذکر کیا ہے''۔

یہ رافضیوں کے بڑے علماء اور مؤرخین ابن سباء کا یہودی ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ بات مانتے ہیں کہ جب تک وہ یہودی تھا حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے وصیِ موسیٰ علیہ السلام ہونے کا کہا کرتا تھا۔ اور اپنے اسلام کے اظہار کر دور میں یہی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہنے لگا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ اور یہ کہ یہی وہ پہلا انسان ہے جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امام ہونے کا نعرہ بلند کیا اور ان کے مخالفین سے برأت کا اظہار کیا۔ پھر اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ: ''اسی وجہ سے رافضیت کو یہودیت کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔'' رافضیوں کے ان بڑے علماء نے جس بات کا اعتراف کیا ہے، ہم اسے یہاں پر درج کر رہے ہیں۔ [دراوی جی]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہے کہ ان کے داعی کا اپنے مذہب کی نجاست؛ جو کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ادیان اور شرائع مطہرہ کے برعکس ایک دین ہے؛ کی طرف دعوت دینے کا طریق کار یہ ہے کہ: داعی کو چاہیے کہ لوگوں کو دعوت دیتے وقت ان کے احوال اور مذہب کا استعمال کریں۔ان کی اپنے ہر داعی کو جو نصیحت ہوتی ہے وہ میں ان کے ہی الفاظ میں بغیر کسی کمی وبیشی کے نقل کرتا ہوں؛ تا کہ ان کے کفر اور تمام انبیاء ومرسلین کے دین اور تمام ملتوں سے ان کی نفرت اور حسد کا اندازہ ہو سکے۔ یہ لوگ اپنے داعی سے کہتے ہیں:

''تم پر واجب ہوتا ہے کہ اگر جس کو دعوت دے رہے ہو؛ اسے مسلمان پاؤ تو اس کے سامنے اپنا دین وشعار شیعیت ظاہر کرو۔اور اس کی شکار کرنے کا پہلا حربہ سلف کے ظلم کی صورت میں استعمال کرو؛ کہ انہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ان کی خواتین اور بچوں کو قیدی بنایا؛ اور اس کے ساتھ ہی بنی عدی، بنی تیم، بنی امیہ اور بنی عباس سے برأت کا اظہار کرو۔اور تشبیہ وتجسیم ؛ بداء و تناسخ اور رجعت کا عقیدہ ظاہر کرو۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کرو کہ وہ علم الغیب جانتے ہیں؛ اور کائنات کی تخلیق کا کام آپ کے سپرد ہے۔اور اس طرح کے دیگر شیعہ کے عجیب وغریب عقائد اور جہالتوں کا اظہار کرو۔اس طریقہ سے لوگ بہت جلد آپ کی دعوت قبول کریں گے۔ یہاں تک کہ جب اپنے مقصد میں اور اپنے بعد آنے والے اپنے ثقہ لوگوں کے لیے راہ ہموار کرنے میں کامیاب ہو جاؤ؛ تو پھر انہیں تدریجاً چیزوں کے حقائق کی طرف لیکر جاؤ۔اور ایسا نہ کرنا جیسے مسیح نے اپنی ناموس میں تورات اور یوم السبت کے عقیدہ کو جھٹلانے میں جلدی کی۔پھر اسی جلد بازی میں وہ حد سے نکل گیا تو وہ حادثہ پیش آیا جو سب کے سامنے ہے۔یعنی کہ بنی اسرائیل نے آپ کو جھٹلانے کے بعد قتل کر دیا۔اور اس کے دین ومذہب کو رد کر دیا۔اور وہ لوگ متفرق ہو کر بٹ گئے۔جب آپ محسوس کریں کہ بعض شیعہ آپ کی دعوت پر کان دھرنے لگے ہیں؛ اور اسے ماننے لگے ہیں ؛ تو پھر اسے مثالب علی اور اولاد علی کی راہ پر لا کھڑا کرو۔اور اسے بتاؤ کہ حق کیا ہے؟ اور حق کس کے لیے ہے؟ اور اہل ملت محمدیہ اور دوسرے انبیاء کے تمام امور کو باطل بتاؤ۔اور جس کسی کو صابیء پاؤ تو اس کو پھنسانے کے لیے ستاروں کی تعظیم کے راستے سے داخل ہو جاؤ۔بیشک یہ ہمارا دین ہے؛ اور ہمارے مذہب کے اکثر معاملات پہلے وار پر منحصر ہوتے ہیں۔اور اسے کواکب کی تعظیم کی راستہ سے بہت زیادہ قریب لانے میں مدد ملے گی۔اور جس کسی کو مجوسی پاؤ تو آپ اس کے ساتھ اصل میں متفق ہیں۔چوتھے درجہ میں آگ اور نور؛ اور شمس وقمر کی تعظیم آتی ہے۔پھر اسے وہی پرانی کہانی سناؤ۔اور اسے بتاؤ کو یہ نہر اسی کی طرف سے ہے جسے وہ جانتے ہیں۔اور ان کے یقین کے مطابق ثالث مکنون اور ظلمت مکتوب وہی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ صابی تمام امتوں سے بڑھ کر ہمارے قریب؛ اور ہمارے محبوب ہیں۔اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر اس کی جہالت کی وجہ سے اس پر تنقید کرو۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اور کہتے ہیں: اگر آپ کو کوئی یہودی مل جائے تو پھر اس کے سامنے انتظار مسیح کا راستہ اختیار کرو۔ اور کہو کہ یہی وہ مہدی بھی ہے جس کا انتظار مسلمان لوگ کر رہے ہیں۔ اور اس کے سامنے یوم السبت کی تعظیم کرو؛ اور اس طرح کے حیلوں سے اسے اپنے قریب لاؤ۔ اور اسے یہ بتاؤ کو وہ ممثول کے متعلق ان کی رہنمائی کرے گا اور ممثول ساتویں منتظر کے متعلق ان کی رہنمائی کرے گا۔ اس سے ان کی مراد محمد بن اسماعیل بن جعفر ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں: یہ دور اسی کا دور ہے' اور وہی مسیح منتظر ہے۔ وہی مہدی بھی ہے؛ اس کی معرفت حاصل ہو جانے پر تمام اعمال سے راحت مل جاتی ہے۔ اور تکلیفات ترک کر دی جاتی ہیں۔ جیسا کہ ہفتہ کے دن انہیں آرام کرنے کا موقع دیا گیا تھا۔ اور یوم سبت میں راحت و آرام ساتویں منتظر کے دور میں تکلیفات اور عبادات سے راحت پر دلالت کرتی ہے۔ اور ان کے سامنے نصاری اور جاہل مسلمانوں پر تنقید کر کے ان کی قربت حاصل کریں؛ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ عیسی علیہ السلام پیدا نہیں ہوئے؛ اور ان کا کوئی باپ نہیں۔ اور ان کے دل میں یہ عقیدہ مضبوط کرو کہ یوسف نجار ہی آپ کا والد ہے۔ اور مریم ان کی ماں ہیں۔ اور یوسف نجار ان کے ساتھ ویسے ہی کرتا تھا جیسے مرد خواتین کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور اس طرح کی دیگر باتیں بھی کریں؛ زیادہ دیر نہیں گزرے گی کہ یہ لوگ تمہاری اتباع کرنے لگ جائیں گے۔"

اور کہتے ہیں: اگر آپ کو کوئی نصرانی مل جائے؛ تو اس کے سامنے یہودیوں اور مسلمانوں دونوں پر طعن و تشنیع کرو۔ اور ثالوث کے متعلق ان کے عقیدہ کو صحیح بتاؤ۔ اور کہو کہ: باپ؛ بیٹا؛ اور روح القدس یہ تینوں ٹھیک ہیں۔ اور ان کے سامنے صلیب کی تعظیم کرو' اور اسے تأویل سکھاؤ۔

اور اگر کوئی دو خداؤں کا ماننے والا مل جائے تو ان کے سامنے ایسی باتیں کرو جنہیں وہ جانتے ہیں۔ اس کے سامنے امتزاج و اختلاط اور درجہ سادسہ میں اور اس کے بعد بلاغ کی باتیں کرو۔ اور بتاؤ کہ روشنی اور اندھیرا کیسے آپس میں ملے۔ اس طرح آپ اس پر قابو پالیں گے۔ جب آپ اس میں کچھ مانوسی محسوس کریں تو پھر تمام پردے ختم کر دیں۔

اور جب کبھی آپ کا کسی فلسفی سے واسطہ پڑ جائے تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فلاسفہ ہی ہمارے لیے بنیاد اور اہم کردار ہیں۔ ہم اور فلاسفہ نوامیس انبیاء کے ابطال اور قدم العالم کے عقیدہ پر یک زبان ہیں۔ اگر ان کی بعض باتیں ہمارے خلاف نہ ہوتیں' جیسا کہ وہ کہتے ہیں: اس عالم کا کوئی مدبر ہے' جسے وہ نہیں جانتے۔ [ہمارے مابین کوئی بڑا اختلاف تو نہیں تھا]۔ اگر وہ مدبر عالم کی نفی پر آپ کے ساتھ اتفاق کر لیں' تو ہمارے اور ان کے مابین موجود شبہ بھی زائل ہو جاتا ہے۔

اور اگر آپ کو کوئی ثنوی (دو معبودوں کا ماننے والا) مل جائے تو پھر آپ کو مبارک ہو؛ یقیناً آپ کامیاب ہو گئے اور اب اس کے ساتھ آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ آپ اس کے ساتھ توحید کے ابطال پر

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



گفتگو کا آغاز کریں۔اور سابق و تالی کا عقیدہ بیان کریں۔اور یہ تمام چیزیں اس ترتیب کے ساتھ بیان کریں جو کہ بلاغ کے درجہ ثانیہ وثالثہ میں تمہارے لیے درج کی گئی ہیں۔

''اس کا طریقہ ہم بیان کرتے ہیں: آپ ان سے انتہائی پختہ عہد و پیمان لیں؛ اور پکی قسمیں اٹھوائیں۔ پختہ عہد تمہارے لیے جنت اور مضبوط قلعہ ہے۔اور اپنے ماننے والوں پر ان اشیاء سے حملہ نہ کردیں جنہیں وہ برا سمجھتے ہوں؛ تاکہ آپ انہیں اعلی مراتب تک لے جائیں۔ بلکہ دھیرے دھیرے اور درجہ بدرجہ انہیں ایسے آگے لیکر چلیں جیسے ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ ہر فریق کے ساتھ اس کے احتمالات کے مطابق پیش آؤ۔ اگر کسی ایک انسان کے ساتھ اس سے آگے نہ بڑھیں کہ وہ محمد بن اسماعیل کو اپنا امام ماننے لگ جائے؛ اوراس کے شیعہ میں سے ہوجائے۔اور یہ کہ امام زندہ موجود ہے۔بس اس حد سے آگے نہ بڑھیں۔ خصوصاً ایسے لوگوں کے سامنے کثرت کے ساتھ امام کا تذکرہ کیا جائے؛ اور درہم و دینار سے اپنی پاکدامنی ظاہر کی جائے۔اوراس کے پاس اپنا آنا جانا کم کردیں۔بس ایک بار ''صلاۃ سبعین'' کے موقع پر کافی ہے۔ اسے جھوٹ ؛ زنا' لواط' اور شراب نوشی سے بچ کر رہنے کی تلقین کریں۔اور نرمی' پیار و محبت اور صبر و تحمل کا حکم دیں۔اوراس خود بھی اس کے ساتھ صبر سے پیش آئیں۔اگر وہ آپ کا متبع ہوگا تو آپ اس کے پاس سعادت پائیں گے۔اور وہ ہمیشہ کے لیے آپ کا مددگار رہے گا۔اور ایسا ہوسکتا ہے کہ بعض دوسرے ادیان کے پیروکار تمہارے ساتھ دشمنی رکھیں' یا پھر اسے تمہاری دشمنی پر ابھاریں۔اس لیے آپ اسے ایک الہ کی عبادت اور محمد ﷺ کی شریعت کے اظہار' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹوں کی امامت کے عقیدہ سے باہر نہ نکالیں۔اوراس پر سات ائمہ کے حق میں دلیل قائم کریں۔اوراسے انتہائی دقت کے ساتھ نماز و روزہ اور شدت اجتہاد پر لگائیں۔ایسے انسان پر وہ وقت بھی آئے گا کہ اس کا مال تو کیا اگر آپ اس سے اس کی بیوی بھی مانگیں گے تو وہ انکار نہیں کرے گا۔اور اگر اس کی موت کا وقت آجائے گا تو وہ اپنا مال تمہارے نام کرجائے گا۔آپ اس کے وارث بن جاؤ گے۔اس لیے کہ اس کے نزدیک آپ سے زیادہ قابل اعتماد کوئی دوسرا نہیں۔اور پھر آہستہ آہستہ اسے شریعت محمدی ﷺ کے منسوخ ہونے کے عقیدہ کی طرف لے کر جائیں۔اور یہ کہ ساتواں امام ہی آخری رسول ہے۔اور یہ بھی ایسے ہی بولتا ہے جیسے اس سے پہلے کے ائمہ بولا کرتے تھے۔اور یہ امام نئے احکام لے کرآیا ہے۔اور یہ کہ محمد کا دور چھٹا ہے۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ امام نہیں تھے بلکہ محمد ﷺ کے سیاسی امور کے ذمہ دار تھے۔

ان کے متعلق ابتدائی طور پر سیاسی اوراچھی اچھی باتیں کہو۔اس میں کوئی شک نہ کہ یہ بہت بڑا دروازہ ہے' اور اس میں کام بہت بڑا ہے۔یہاں سے انسان اس سے بڑے اور عظیم امور کی طرف نکل سکتا ہے۔اور یہی بات ان چیزوں کوختم کرنے کے لیے مددگار ثابت ہوسکتی ہے جو آپ سے پہلے کے لوگ بتا گئے ہیں۔جیسا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



کہ نبوات کا زوال وغیرہ؛ جس منہج پر وہ قائم ہے۔
خبردار! اس دروازے سے آگے نہیں بڑھنا۔ ہاں صرف ان لوگوں کے لیے جن میں آپ کوئی صلاحیت پاتے ہوں۔ اور اس کی آخری منزلت قرآن اور اس کے مؤلف اور سبب تألیف کی معرفت ہے۔
خبردار! ان بہت سارے لوگوں سے بھی بچ کر رہنا جو آپ کے ساتھ اس منزلت تک پہنچے ہوں؛ کہ انہیں اس سے اگلے درجہ تک لے کر چلو اور ان کے ساتھ موانست و مدارست اور ان پر اعتماد کرنے میں غلطی کر جاؤ۔ ایسا کرنا امور نبوت اور ان کے دعوی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتب کو باطل ثابت کرنے کے لیے آپ کے لیے مددگار ثابت نہیں ہوگا۔ اور اس کی آخری منزلت یہ ہے کہ امام مر چکا ہے؛ اور یہ کہ وہ روحانی طور پر قائم ہوگا؛ اور یہ کہ تمام مخلوق روحانی طور پر اس کی طرف رجوع کرے گی۔ اور وہ اللہ کے حکم سے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اور پھر روحانی صورت میں کافر اور مؤمن میں فرق کرے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عقیدہ تمہارے لیے معاد اور آخرت کے عقیدہ اور قبر سے دوبارہ اٹھائے جانے کا عقیدہ باطل ثابت کرنے کے لیے مددگار رہو گا۔
اس سے اگلی منزل آسمانوں میں ملائکہ اور زمین میں جنات کے وجود کو باطل ثابت کرنا ہے؛ اور یہ کہ آدم سے پہلے بہت ساری بشریت تھی۔ اور اس پر وہ دلائل قائم کریں جو کہ ہماری کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ یہ امور وحی اور ملائکہ کے بشریت کی طرف آنے کے عقیدہ کو معطل ثابت کرنے کے لیے آپ کے مددگار ثابت ہوں گے۔ جس سے عالم کے قدیم ہونے کا عقیدہ ثابت کرنے میں مدد ملے گی۔
اس کا اگلا درجہ اوائل توحید کا ہے۔ اس عقیدہ کو باطل ثابت کرنے کے لیے وہ کچھ بیان کر کے سہارا لیں جو ان کی مترجمہ کتب جیسے: ''الدرس الشافی للنفس'' میں بیان ہوا ہے۔ یعنی نہ ہی کوئی معبود ہے نہ ہی کوئی صفت ہے اور نہ ہی کوئی موصوف۔ یہ بیان ''البلاغ'' میں بیان کردہ عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے تمہارا مددگار ثابت ہوگا۔
اس کے علاوہ دیگر امور میں بھی یہ اپنے داعی کے لیے لازمی ٹھہراتے ہیں کہ وہ درجہ بدرجہ منزلیں طے کرتا جائے۔ یہاں تک کہ وہ امام ناطق کے درجہ تک پہنچ جائے۔ اور پھر روحانی الہ بن جائے۔ اس کی وضاحت ہم بعد میں کریں گے۔
اور کہتے ہیں: '' جس کو تم اس مقام تک لے جاؤ' تو اس کے سامنے امامت کی وہ حقیقت بیان کرو جو ہم نے تمہارے سامنے بیان کی ہے۔ اور یہ بتاؤ کہ اسماعیل اور اس کا والد محمد یہ دونوں اس کے نواب تھے۔ ''البلاغ '' کے مطابق یہ عقیدہ اولاد علی سے امامت کا ابطال ثابت کرنے میں آپ کا مددگار رہو گا۔ پھر ایسے ہی درجہ بدرجہ اسے لیکر آگے بڑھتے رہیں یہاں تک کہ اس آخری درجہ تک پہنچ جائیں جیسا کہ آنے والے صفحات میں

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ہم بیان کریں گے۔'' [انتہی کلام الباطنیہ]

قاضی ابو طیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''باطنیہ کی یہ وصیت ان کے مذہب کے تمام داعیوں کے لیے ہے۔اس میں ہر عاقل کے لیے ان لوگوں کے کافر اور ملحد ہونے کی کھلی دلیل موجود ہے۔جس میں یہ لوگ صراحت کے اس عالم کے مخلوق ہونے اور اس کے پیدا کرنے والے کی نفی کرتے ہیں۔اور ملائکہ و مرسلین کا انکار کرتے ہیں۔آخرت اور ثواب و عقاب کے منکر ہیں۔یہ ان تمام لوگوں کا اصول ہے جسے وہ اول و ثانی اور ناطق و اساس اور دوسرے رموز سے تعبیر کرتے ہیں۔جس کے ذریعہ سے کمزور لوگوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔حتی کہ جب کوئی ایک ان کی بات مان لیتا ہے تو یہ لوگ اسے دھریت اور تعطیل کی منزلت تک پہنچا کر دم لیتے ہیں۔''

اس کے بعد میں ان کا تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر سب و شتم کرنا بھی ذکر کروں گا۔اور یہ کہ ان لوگوں کی دعوت کا منتہاء اللہ تعالیٰ کی وحدانیت [اور اس کے وجود] کا انکار ہے۔جیسا کہ دین سے ان کی بیزاری و کفر اور عناد کو ہر وہ انسان جانتا ہے جسے علم سے واسطہ ہے۔''

## [باطنیہ کے عقیدہ پر ابن تیمیہ کا رد]:

میں کہتا ہوں: ''یہ تمام امور واضح ہیں۔باطنیہ اسماعیلیہ اور دوسرے ملحدین جیسے غالیہ' نصیریہ؛ اور دوسرے لوگ جو کہ شیعیت کا اظہار کرتے ہیں؛ درحقیقت باطن میں وہ یہود و نصاری سے بڑے کافر ہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعیت کفر و نفاق کی دھلیز ہے۔

## [منقبت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ]:

❀ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مرتدین کے ساتھ قتال کے امام تھے۔پس یہ لوگ مرتدین ہیں۔اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے دشمن ہیں۔

❀ یہاں پر یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ: اس آیت میں مذکور صحبت:

﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [التوبة ۴۰]

''جب وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے: گھبرائیے نہیں! بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اپنے ساتھی کے ساتھ محبت و الفت اور موالات اور اس کی سچی اتباع کی صحبت ہے۔جس کا نفاق سے یا محض سفر کے ساتھی کی صحبت سے کوئی تعلق نہیں۔یہ وہی صحبت ہے جو کوئی بھی انسان کسی کو اپنا دوست بناتے ہوئے پیش نظر رکھتا ہے۔جیسا کہ علم ضروری کے طور پر تمام خلائق کے ہاں مشہور و معروف ہے۔اور کئی امور کی بنا پر اسے تواتر کی حیثیت حاصل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و موالات اور آپ پر صدق ایمان [کمال کی معراج پر تھے]؛ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم کی محبت و الفت سے بہت بڑھ کر تھے۔

❀ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾۔''بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' یہ محض ایسی ظاہری صحبت

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نہیں تھی جس میں متابعت نہ پائی جاتی ہو۔ایسی صحبت تو کافر کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے جب وہ کسی مؤمن کے ساتھ چلے۔مگر اللہ اس کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ معیت باطنی معیت تو جس میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع واقتداء اور محبت پائے جاتے تھے۔

پس اسی لیے جو کوئی رسول کا سچا متبع ہوتا ہے؛ تو اللہ تعالیٰ اس کی اتباع کے حساب سے اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ [الأنفال ٦٤]

''اے نبی! بے شک آپ کو اللہ ہی کافی ہے۔اوران مومنوں کو بھی جنہوں نے آپ کی اتباع کی۔''

یعنی اللہ آپ کو بھی کافی ہے' اور آپ کے ماننے والے اہل ایمان کو بھی کافی ہے۔ پس اہل ایمان میں سے جو کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی سچی اتباع کریگا اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہوجائے گا یہ معنی ہے اللہ تعالی کی معیت کا۔

پس یہ کفایت مطلقہ اتباع مطلق کے ساتھ معلق ہے۔اور ناقص ناقص کیساتھ۔ پس جب آپ کے بعض اتباع کاروں کو اس اتباع کی وجہ سے لوگوں کی دشمنی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کفایت کرجاتا ہے اور وہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔اوراس کے لیے اس آیت کی معنویت میں حصہ ہوتا ہے:

﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [التوبة ٤٠]

''جب وہ اپنے ساتھی سے فرمارہے تھے: گھبرایئے نہیں! بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اس لیے کہ اس آدمی کا دل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موافقت کرتا ہے۔اگرچہ وہ جسمانی طور پر آپ کے ساتھ نہیں ہوتا؛ مگر دل کا تعلق ہی اصل اور مقصود ہوتا ہے۔

جیسا کہ صحیحین میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بیشک مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ نہ ہی تم کوئی منزل طے کرتے ہو اور نہ ہی کوئی وادی پار کرتے ہو' مگر وہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اور وہ مدینہ میں رہ کر بھی ہمارے ساتھ ہیں''؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں وہ مدینہ میں رہ کر بھی؛ انہیں عذر نے روک رکھا ہے۔''[1]

یہ لوگ اپنے دلوں سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے ساتھ غزوہ میں شریک تھے۔ ان لوگوں کو غزواة

---

[1] عن أنس بن مالك رضي الله عنه في: البخاري 4\26 كتاب الجهاد، باب من حبسه العذر عن الغزو۔سنن أبي داؤد 3\18-17 كتاب الجهاد، باب في الرخصة في القعود من العذر۔سنن ابن ماجه 2\923 ۔كتاب الجهاد، باب من حبسه العذر عن الجهاد۔ وحديث آخر بألفاظ مقارب عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه في: مسلم 3\518۔ كتاب الإمارة، باب ثواب من حبسه عن الغزو مرض و عذر آخر۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



میں معنوی صحبت حاصل تھی۔ پس اس معنوی صحبت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھا۔

اگر کوئی انسان بعض شہروں میں یا بعض اوقات میں اکیلا ہو؛ اور وہ اس حق پر قائم ہو جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں؛ اور لوگ اس پر اس کی مدد نہ کریں۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس کا اس آیت میں معنوی طور پر حصہ ہوتا ہے:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [التوبة ٤٠]

''اگر تم ان (نبی ﷺ) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی اس وقت جبکہ انہیں کافروں نے (دیس سے) نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔'' ''جب وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے: گھبرایئے نہیں! بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی نصرت سے مراد حقیقت میں آپ کے دین کی نصرت ہے جو دین آپ لیکر آئے ہیں؛ خواہ کوئی جہاں کہیں بھی اور کسی بھی زمانہ میں ہو۔ پس جو کوئی اس نصرت دین میں آپ ﷺ کا موافق ہو؛ اسے معنوی صحبت حاصل ہوتی ہے۔ جب کوئی انسان اس دین کو ایسے قائم کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے؛ تو بیشک اللہ تعالیٰ اس دین کے ساتھ ہوتا ہے جو رسول اللہ ﷺ لیکر آئے ہیں' اور جو انسان اس دین کو قائم کرتا ہے۔

اس سچے متبع رسول کے لیے اللہ تعالیٰ ایسے ہی کافی ہو جاتا ہے جیسے اپنے رسول کے لیے کافی تھا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ [الأنفال ٦٤]

## فصل:...... [حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یقین وثبات]

**[اعتراض]**: شیعہ مصنف کا یہ اعتراض کہ آیت کریمہ [﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾] ''پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مؤمنین پر اپنا سکون نازل فرمایا'']۔ میں سکینہ نازل کرنے کا ذکر فرمایا تو اس میں واضح طور پر اہل ایمان کو سکون واطمینان کے مورد میں آپ کا شریک قرار دیا ہے، مگر آیت زیر تبصرہ میں یہ صراحت موجود نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی اور نقص نہیں ہوسکتا۔''

**[جواب]**: پہلی بات: رافضی مصنف اپنے تئیں یہ تصور کروانا چاہتا ہے کہ سکون نازل ہونے کا ذکر متعدد بار ہوا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ تذکرہ صرف حنین کے موقعہ پر ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ٥ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾۔ [التوبہ ٢٥۔ ٢٦]

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



''اور حنین کی لڑائی والے دن بھی جب کہ تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ زمین باوجود اپنی کشادگی کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر مڑ گئے۔ پھر اللہ نے اپنی طرف کی تسکین اپنے نبی پر اور مومنوں پر اتاری اور اپنے لشکر بھیجے جنہیں تم دیکھ نہیں رہے تھے۔''

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان کے پیٹھ پھیر کر چلے جانے کے بعد اہل ایمان اور اپنے نبی پر سکینہ نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر دوسرے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ اہل ایمان پر سکینہ نازل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا .....هُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ....﴾ [الفتح ۱۔۴]

''(اے نبی) بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے...... وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون اور اطمینان ڈال دیا۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدۡ رَضِىَ اللّٰهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ يُبَايِعُوۡنَكَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ عَلَيۡهِمۡ﴾ [الفتح ۱۸]

''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوگیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کرلیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا۔''

دوسری بات: علماء کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے کہ اس آیت: ﴿فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلَيۡهِ﴾ میں ضمیر کس کی طرف راجح ہے۔ بعض کہتے ہیں: ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ اور بعض کہتے ہیں: نہیں، بلکہ ضمیر کا مرجع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس لیے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اقرب المذکورین ہیں، اور آپ کو اطمینان و سکون کی ضرورت زیادہ تھی۔ تو آپ پر بھی ایسے ہی سکون نازل ہوا جیسا کہ بیعت رضوان کے موقع پر درخت کے نیچے اہل ایمان پر سکون و اطمینان نازل ہوا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں اس سے مستغنی تھے؛ اس لیے کہ آپ کو کمال اطمینان حاصل تھا۔ بخلاف یوم حنین کے؛ اس لیے کہ اس دن آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ کیونکہ جمہور صحابہ پسپا ہو چکے تھے؛ اور دشمن آپ کی طرف بڑھ رہا تھا، اور آپ اپنی خچر کو دشمن کی طرف ہانک رہے تھے۔

پہلے قول کی بنیاد پر ضمیر کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی ہے:

﴿وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا﴾ ''اور ایسے لشکر سے ان کی مدد کی جسے تم نے نہیں دیکھا۔''

اس لیے کہ سیاق کلام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر تھا؛ اس لیے جداگانہ طور پر نزول سکینہ کے اظہار کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع و مطیع اور رفیق و مصاحب تھے۔ لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ: جب آپ نے اپنے ساتھی سے کہا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ ''بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے'': تو [اللہ تعالیٰ کی معیت دونوں کو حاصل تھی]۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



متبوع و مطاع تھے اور ابو بکر تابع و مطیع' اور یہی آپ کے ساتھی بھی تھے۔ بنابریں جب متبوع کو سکون و اطمینان اور ملائکہ کی تائید و نصرت حاصل ہوگی تو لازماً تابع بھی اس میں شریک ہوگا۔ اس لیے یہاں جداگانہ طور پر نزول سکینہ کے اظہار کی ضرورت نہیں تھی؛ کیونکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کمال مصاحبت و ملازمت حاصل تھے' جو کہ اس تائید و سکون میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی مشارکت کو واجب کرتے تھے۔

بخلاف حنین کے دن پسپا ہونے والوں کے احوال کے۔ اس لیے کہ اس موقع پر اگر اللہ تعالیٰ اتنا ہی فرماتے کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنا سکون اپنے پیغمبر پر نازل کیا' اور اس سے آگے کچھ نہ فرماتے تو یہاں پر کوئی ایسا قرینہ نہیں تھا جس کی وجہ سے ہم کہہ سکتے کہ یہ سکون اہل ایمان پر بھی نازل ہوا ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ جب پسپا ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اور ان کے لیے ایسی مطلق صحابیت بھی ثابت نہیں تھی جو ابو بکر جیسے کمال صحبت و ملازمت پر دلالت کرتی ہو۔

چونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مطلقاً صاحب کامل کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ جس سے عیاں ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ اور ہر حال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وابستہ رہا کرتے تھے۔ خصوصاً ایسے نازک وقت اور انتہائی خوف کے حالات میں جب کہ دوستی نباہنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ تو اس سے بطریق دلالۃ النص واضح ہوتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نصرت و تائید ربانی کے وقت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک و سہیم ہوں گے۔ اس لیے کہ جو کوئی بھی انتہائی سختی اور خوف و شدت کے حالات میں دوستی نبھائے؛ وہ ضروری طور پر نصرت اور تائید و مدد کے احوال میں بھی ساتھ نبھاتا ہے۔ تو پھر اس کے ساتھ کا ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی؛ اس لیے کہ احوال کلام خود اس پر دلالت کرتے ہیں۔

جب اس بات کا علم ہوگیا کہ آپ اس حال میں بھی آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور مؤید تھے' تو یہ بات بھی بدیہی طور پر معلوم ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سکینہ نازل ہوا' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا لشکر اتار کر آپ کی تائید کی گئی؛ جس کو آپ کے مذکورہ ساتھی و دوست نہیں دیکھ سکے؛ اس میں باقی لوگوں کی نسبت بہت بڑی فضیلت ہے؛ اور یہ قرآن کی بلاغت اور حسن بیان کی دلیل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ﴾ [التوبة ٦٢]

''اللہ اور اس کا رسول رضا مند کرنے کے زیادہ مستحق تھے۔''

یہاں پر اس جملہ: ﴿اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ﴾ میں اگر ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کے حصول کے بغیر ممکن نہیں۔ اور اگر اس کی ضمیر کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اللہ تعالیٰ راضی نہ ہو جائے۔ جب ان دونوں میں سے کسی ایک کی رضامندی دوسرے کی رضامندی کے حصول کے بغیر ممکن نہیں؛ تو ان دونوں کی رضامندی ایک ہی چیز سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ جب پہلا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی اس کی اتباع میں ہو جائے گی۔ جیسے یہاں پر ﴿اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ﴾ میں اللہ تعالیٰ واحد کی ضمیر لائے ہیں۔ ایسے ہی یہاں پر:

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



﴿فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَ اَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا﴾ میں واحد کی ضمیر لائے ہیں۔اس لیے کہ یہاں پر کسی ایک پر اطمینان وسکون کا نزول دوسرے کی مشارکت کو مستلزم ہے۔ یہ محال ہے کہ ایک ساتھی پر اطمینان نازل ہو اور ساتھ دینے والے پر نہ ہو یا ساتھ دینے والے پر نازل ہو اور اس ساتھی پر نازل نہ ہو جو کہ ہمیشہ سے جزء لاینفک اور ملازم ہے۔ جب اس سکینہ کا حصول ان دونوں کے ساتھ ہی ممکن تھا تو ضمیر کو واحد لایا گیا۔ اور اس ضمیر کا اصل مرجع رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے' اور آپ کا صاحب وساتھی آپ کے اتباع میں اس میں شریک ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر سکون نازل کیا اور ان کی تائید کی ؛ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی شریک نبوت ہوں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا﴾ [القصص ۳۵]

''ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کر دیں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهَارُوْنَ o وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ o وَ نَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغَالِبِيْنَ o وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ o وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ [الصافات ۱۱۴۔۱۱۸]

''اور بلا شبہ یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا۔ اور ہم نے ان دونوں کو اور دونوں کی قوم کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی۔ اور ہم نے ان کی مدد کی تو وہی غالب ہوئے۔ اور ہم نے ان دونوں کو نہایت واضح کتاب دی۔ اور ہم نے ان دونوں کو سیدھے راستے پر چلایا۔''

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے پہلے ان دو انبیاء کرام علیہما السلام کا ذکر کیا؛ پھر اس چیز کا ذکر کیا جس میں ان کی قوم بھی ان کے ساتھ شریک تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْمُؤْمِنِیْنَ﴾ [فتح ۲۶]

''پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مؤمنین پر اپنا سکون نازل فرمایا۔''

اس لیے کہ یہاں پر اس کلام میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کا تقاضا یہ ہو کہ جب یہ دونوں نصرت سے سرفراز ہو کر نجات پا گئے تھے تو یہ نجات نصرت ان کی قوم کو بھی حاصل ہوگئی تھی۔ پھر جو چیز ان دونوں کیساتھ خاص تھی ؛ اسے تثنیہ کے لفظ سے ذکر کیا اس لیے کہ یہ دونوں حضرات نبوت میں شریک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے مفرد ذکر نہیں کیا جیسا کہ یہاں پر اس فرمان میں ہے:﴿وَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ﴾ ''اللہ اور اس کا رسول رضامند کرنے کے زیادہ مستحق تھے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ جِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ﴾[توبہ ۲۴]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



''اگر یہ تمھیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔''

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر سکون نازل فرمایا اور ان کی تائید کی تو اس سے شراکت کا وہم پیدا ہوتا ہے۔[تو اس کا جواب یہ ہے]: بلکہ یہاں پر ضمیر کا مرجع رسول متبوع ہے۔اور آپ کی تائید و نصرت آپ کے ساتھی کی تائید و نصرت بطور لازم ضرورت کے تحت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جس موقع پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تائید و نصرت سے نوازا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی قسم کے حالات میں تائید ربانی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے شامل حال ہوئی، اسی بنا پر خوف و شدت کے مقامات پر تمام صحابہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یقین و ثبات میں سب سے آگے تھے۔اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

''اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کو کرۂ ارضی پر بسنے والے سب انسانوں کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان بڑھ جائے گا۔''❶

سنن میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا:

''کیا تم میں سے کسی نے آج خواب دیکھا ہے؟'' ایک صحابی نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ آسمان سے ایک ترازو اترا جس میں آپ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تولا گیا تو آپ بڑھ گئے، پھر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو تولا گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ والا پلڑا جھک گیا۔پھر عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کو تولا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ والا پلڑا جھک گیا۔پھر ترازو کو آسمانوں میں اٹھا لیا گیا۔پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:''یہ خلافت نبوت ہے۔پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنا ملک عطا کر دے گا۔''❷

ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر روزہ اور نماز کی وجہ سے سبقت نہیں لے گئے تھے' بلکہ آپ کی سبقت کا سبب دل میں موجود ایمان تھا۔

---

❶ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اسے حدیث نبوی نہیں، بلکہ بصیغہ تمریض ''قیل'' ذکر کیا ہے۔ نیز احادیث القصاص (ح:۱۸)، میں ان الفاظ کو موضوع قرار دیتے ہوئے معناً درست قرار دیا ہے جیسا کہ اگلی حدیث ہے۔تاہم یہ روایت مرفوعاً الکامل لابن عدی (۴/ ۱۵۱۸)، میں بسند ضعیف مروی ہے۔تاہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہے۔دیکھیے: فضائل الصحابة للامام احمد(٦٥٣)، السنة لعبد الله بن احمد(٨٢١)، شعب الایمان(٣٦)، اس معنی کی مرفوعاً روایت مسند احمد (٢/ ٧٦)، الشریعة للآجری (١٣٣٣)، میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے۔

❷ سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی الخلفاء(حدیث:٤٦٣٤)، سنن ترمذی، کتاب الرؤیا۔ باب ما جاء فی رؤیا النبی صلی اللہ علیہ وسلم، المیزان والدلو (حدیث: ٢٢٨٧)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



# فصل:......آیت ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى﴾ اور شیعہ کا استدلال

**[اعتراض]**: شیعہ مصنف کہتا ہے: آیت قرآنی ﴿وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى﴾ حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے۔آپ نے اپنے ایک پڑوسی کے لیے ایک کھجور کا درخت خریدا تھا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انسان کو اس کھجور کے درخت کے بدلہ میں جنت میں ایک درخت کی بشارت سنائی۔ جسے ابودحداح نے سن لیا۔اور ایک پورا باغ خرید کر اپنے پڑوسی کے لیے ہبہ کر دیا۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدلہ میں جنت میں ایک باغ کی خوشخبری سنائی۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]**: ایسا کہنا جائز نہیں کہ یہ آیت حضرت ابودحداح رضی اللہ عنہ [1] کے ساتھ مختص ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مفسرین، قرآنی علوم کے ماہرین اور اسباب نزول جاننے والے تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ: مذکورہ سورت مکی ہے۔اور ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کا واقعہ بالاتفاق مدینہ منورہ میں پیش آیا۔کیونکہ آپ انصار میں سے ہیں۔اور انصار کو شرف صحابیت مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حاصل ہوا تھا۔اور باغ وبستان وغیرہ مدینہ میں ہی تھے۔پھر یہ بات ممتنع ہو جاتی ہے کہ یہ آیت حضرت ابودحداح رضی اللہ عنہ کے قصہ کے بعد نازل ہوئی ہو۔

اگر کسی مفسر نے یہ کہا بھی ہے کہ یہ آیت ابودحداح رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ آیت ابودحداح کے واقعہ کو بھی شامل ہے۔بعض صحابہ و تابعین جب کہتے ہیں کہ یہ آیت فلاں واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی تو اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ آیت اس واقعہ کو شامل ہے اور اس کے حکم پر دلالت کرتی ہے، یا یہ واقعہ بھی اس کے عموم حکم میں شامل ہے۔بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ آیت دو مختلف اسباب کی بنا پر دو مرتبہ نازل ہوئی ہے۔ایک مرتبہ اس سبب کی بنا پر اور دوسری بار اس سبب کی بنیاد پر۔

اس قول کی بنیاد پر کہہ سکتے ہیں کہ آیت دوبار نازل ہوئی ہو۔ان میں سے ایک بار حضرت ابودحداح رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہو۔وگرنہ اہل علم میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت ابودحداح کے مسلمان ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابۃ ٤/ ٥٩ میں حضرت ابودحداح انصاری کے حالات زندگی تحریر کیے ہیں۔امام احمد بن حنبل، امام بغوی اور حاکم نے حماد بن سلمہ کی سند سے حضرت انس سے یوں روایت کیا ہے: ''ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کی: یارسول اللہ! فلاں انسان کے پاس کھجور کا ایک درخت ہے، اور میں اپنی دیوار بنانا چاہتا ہوں۔آپ اسے حکم دیں کے وہ درخت مجھے دیدے۔تاکہ میں دیوار بنا سکوں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ درخت اسے جنت میں ایک درخت کے بدلہ میں دے دو۔مگر اس آدمی نے انکار کر دیا۔پھر حضرت ابودحداح رضی اللہ عنہ اس کے پاس چلے گئے اور فرمانے لگے: یہ درخت مجھ پر میری چار دیواری کے بدلہ میں بیچ دو۔تو وہ اس پر راضی ہو گیا۔حضرت ابودحداح واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! میں نے وہ کھجور اپنی چار دیواری کے بدلہ خرید لی ہے، اور وہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نے فرمایا: ''اوہ! ابودحداح کے لیے جنت میں کتنی زیادہ اور میٹھی کھجوریں ہیں۔'' آپ نے یہ کلمہ کئی بار ارشاد فرمایا۔ المستدرك على الصحيحين للحاكم ؛ كتاب البيوع؛ح 2137۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بہت سارے علماء کرام رحمہم اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ: یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایسے ہی ابن ابی حاتم اور ثعلبی رحمہما اللہ نے بھی حضرت عبداللہ اور سعید بن مسیّب رحمہما اللہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ: ہم سے ہمارے والد نے حدیث بیان کی؛ ان سے محمد بن ابی عمر عدنی نے' وہ محدث ابن عیینہ سے؛ وہ حضرت عروہ رحمہ اللہ کے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سات ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جن کو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے جرم میں ستایا جاتا تھا۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

بلال۔ عامر بن فہیرہ۔ نہدیہ۔ بنت نہدیہ۔ زنیرہ۔ ام عمیس رضی اللہ عنہن۔ بنی مؤمّل کی ایک لونڈی۔ [1]

محدث سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''زنیرہ رومی الاصل اور بنی عبدالدار کی مملوکہ تھی۔ جب اسلام لائیں تو ان کی بصارت جاتی رہی۔ لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ لات و منات نے اسے اندھا کردیا۔ زنیرہ نے کہا میں لات و منات کو معبود نہیں تصور کرتی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ قوت بینائی عطا فرمائی۔ [2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا تو وہ پتھروں میں دبے ہوئے تھے۔ ان کے مالک نے کہا اگر کوئی شخص مجھے ایک اوقیہ بھی دے تو میں بلال رضی اللہ عنہ کو فروخت کردوں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر آپ ایک سو اوقیہ بھی طلب کریں تو میں دے کر انھیں خرید لوں گا۔ فرماتے ہیں اسی ضمن میں مذکورہ صدر آیت: ﴿وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰی﴾ آخر سورت تک نازل ہوئی۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو اس وقت آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، وہ سب آپ نے راہِ الٰہی میں صرف کردیے۔ کئی اور وجوہات بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے:

پہلی وجہ:......فرمان الٰہی ہے: ﴿وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰی﴾؛ اور یہ بھی فرمایا ہے: ﴿إِن أَكرمكم عِندَ اللهِ أَتقاكم﴾ بیشک تم میں سے اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔'' تو یہ ضروری ہے کہ امت کا سب سے بڑا متقی اس آیت کے ضمن میں داخل ہو؛ اور وہی اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا بھی ہوگا۔ کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں کہ حضرت ابودحداح رضی اللہ عنہ سابقین اولین مہاجرین؛ حضرت ابوبکر و عمر' عثمان وعلی رضی اللہ عنہم اجمعین سے زیادہ افضل اور عزت والے تھے۔ بلکہ تمام امت کیا اہل سنت اور کیا غیر اہل سنت سب کا اتفاق ہے کہ مذکورہ بالا صحابہ کرام اور ان کے امثال مہاجرین حضرت ابودحداح رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ تو پھر یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ بڑا متقی جس نے زکواۃ ادا کر کے تزکیہ نفس کیا ہے' وہ ان ہی میں سے ایک ہو۔

❀ اس بات کا دعویدار کہتا ہے کہ: یہ آیت حضرت ابودحداح رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ جب کسی مسئلہ میں دو قول

---

[1] مستدرك حاكم (۳/ ۲۸٤) سيرة ابن هشام (ص:۱٤٦۔۱٤۷)۔

[2] سيرة ابن هشام (ص:۱٤۷)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ہوں۔ایک کہنے والا کہہ رہا ہو کہ یہ ابودحداح رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔اور دوسرا کہہ رہا ہو: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔تو یہ دوسرے قول والے کی تائید قرآن سے ہوتی ہے۔اور اگر اس آیت کو ان دونوں حضرات کے لیے عام سمجھا جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس آیت کی فضیلت میں داخل ہونے کے حضرت ابودحداح رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق دار ہیں ۔[لہٰذا ان مفسرین کا قول زیادہ قرین صحت وصواب ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔اس لیے آپ امت بھر میں اتقیٰ واکرم تھے۔[دلدار]]

اور یہ کیونکر نہیں ہوسکتا جب کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کسی شخص کے مال سے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچا، جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے ہوا۔''[1]

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امت کے مال سے ایسا فائدہ حاصل ہونے کی نفی کی ہے جیسا فائدہ آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے حاصل ہوا تھا۔تو پھر اصلی اور فائدہ بخش اموال کو چھوڑ کر فاضل اموال کو اس آیت کے عموم میں کیسے داخل کیا جاسکتا ہے؟

دوسری وجہ:...... جب سب سے بڑا متقی وہی تھا جس نے اپنا مال دیا اور تزکیہ نفس کیا؛ وہ مخلوق میں سب سے بڑا باعزت اور متقی تھا؛ تو وہی لوگوں میں سب سے افضل بھی ہوا۔اس آیت میں دو قول مشہور ہیں۔اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد] مخلوق میں سب سے زیادہ عزت والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں ۔اور شیعہ کا یہی عقیدہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے۔پس پھر یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ کی مخلوق میں ان دو حضرت سے بڑھ کر کوئی متقی اور عزت والا ہو۔ان دونوں میں سے کوئی ایک ایسا نہیں جو اس آیت کے موجب میں داخل ہو۔جب یہ ثابت ہوگیا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ضرور ایسا ہونا چاہیے جو اتقی کے معنی ومفہوم میں داخل ہو تو واجب ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس آیت کے موجب میں داخل ہوں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت آپ اس تعریف وتفسیر کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس کے کئی ایک اسباب ہیں :

پہلا سبب:......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴾۔[اللیل ۱۸] ''جو اپنا مال (اس لیے) دیتا ہے کہ پاک ہو جائے۔''صحاح ستہ اور دوسری کتابوں میں تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔اور اس باب میں آپ سب صحابہ سے بڑھ کر پیش پیش رہتے تھے۔جیسا کہ بخاری شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں اپنے سر پر ایک کپڑا باندھے ہوئے گھر سے نکلے؛ مسجد میں آئے اور منبر پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور پھر فرمایا:

''کسی شخص نے اپنی جان و مال سے مجھ پر اتنا احسان نہیں کیا جتنا ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما نے کیا ہے۔'' اگر

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب ، باب(۱۵/ ۳٤)، (حدیث:۳٦٦۱)، سنن ابن ماجة۔ المقدمة۔ باب فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (حدیث:۹۷)، من طریق آخر۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



میں کسی کو گہرا دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا، مگر دین اسلام کی بنا پر جو دوستی استوار کی جائے وہی اچھی ہے۔ مسجد کی جانب کھلنے والی سب کھڑکیاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کے سوا بند کردی جائیں۔''❶

بخاری و مسلم میں روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''صحبت ورفاقت اور انفاق مال کے اعتبار سے ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے سب سے بڑے محسن ہیں۔''

اور بخاری میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا:

''جب اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا تو میں نے نبوت کا اعلان کہ: ''اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔'' تم نے مجھے جھٹلایا۔ اور انہوں نے اپنے مال و جان سے میری خدمت کی۔ پس کیا تم میرے لیے میرے دوست کو چھوڑ دو گے یا نہیں۔'' دو مرتبہ (یہی فرمایا)۔ اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کسی نے نہیں ستایا۔'' [البخاری ٥/ ٥]

اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کسی شخص کے مال سے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچا، جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے ہوا۔''

تو اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے' اور عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اور میرا مال تو صرف آپ کے لیے ہی تو ہیں۔'' [سبق تخریجہ]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بروایت صحیحہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صدقہ کا حکم دیا۔ اتفاق سے میرے پاس مال موجود تھا۔ میں نے کہا اگر میں کبھی صدقہ دینے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ سکا تو وہ آج ہی کا دن ہوگا۔ چنانچہ میں نے آدھا مال لاکر آپ کی خدمت میں پیش کردیا۔ نبی کریم نے پوچھا ''گھر میں کیا چھوڑا؟'' عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کے برابر۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سب مال لاکر بارگاہِ نبوی میں حاضر کردیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''ابوبکر رضی اللہ عنہ! گھر میں کیا باقی رکھا؟'' عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: ''آئندہ میں کبھی آپ کا مقابلہ نہیں کروں گا۔''❷

یہ نصوص صحیح' متواتر اور صریح ہیں' اور اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی میں اپنا مال خرچ کرنے میں سب لوگوں سے پیش پیش رہتے تھے۔

جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ایسا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ پر احسانات تھے؛ جب مکہ میں بھوک کی وجہ

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم " سدوا الابواب الا باب ابی بکر"(ح:٣٦٥٤)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (ح:٢٣٨٢)۔

❷ سنن ابی داؤد، کتاب الزکاة، باب الرخصة فی ذلك(حدیث:١٦٧٨)، سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب(١٦/ ٤٣)، (حدیث:٣٦٧٥)۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



سے رسول اللہ ﷺ نے آپ کو حضرت ابو طالب سے لیکر اپنی کفالت میں تربیت کی ۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی تک حضرت علی رضی اللہ عنہ فقیر ہی رہے۔ یہ بات اہل سنت اور شیعہ کے ہاں معروف ہے۔ آپ نبی کریم ﷺ کے عیال میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے پاس اخراجات کے لیے کچھ بھی نہیں ہوا کرتا تھا۔ اگر آپ کے پاس مال ہوتا تو آپ ضرور خرچ کرتے ؛ مگر آپ پر مال خرچ کیا جاتا تھا ؛ آپ [ ابھی تک ] انفاق والوں میں سے نہیں تھے۔

دوسرا سبب:......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى﴾۔[اللیل ۱۹] ''حالانکہ اس کے ہاں کسی کا کوئی احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جائے۔'' یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان ہے ؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نہیں۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر یہ احسان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بدولت انہیں ایمان کی دولت سے نوازا۔ یہ ایسی نعمت ہے جس پر مخلوق میں سے کوئی ایک بھی بدلہ نہیں دے سکتا۔ بلکہ اس نعمت کے لیے رسول اللہ ﷺ کا اجر صرف اللہ تعالیٰ پر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ مَآ اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (ص ۸٦)

''کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔''

اور ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ﴾ (سباء ۴۷)

''فرما دیجئے: جو بدلہ تم سے مانگوں وہ تمہارے لیے ہے میرا بدلہ تو اللہ ہی کے ذمے ہے۔''

❀ پس رہی وہ نعمت جس پر کوئی بدلہ دے سکتا ہے وہ دنیا کی نعمت و احسان ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رسول اللہ ﷺ کا کوئی دنیاوی احسان نہیں تھا۔ بلکہ دینی احسان تھا۔ بخلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ؛ آپ پر [ دینی احسان کے ساتھ ساتھ ] دنیاوی احسان بھی تھا ؛ جس پر بدلہ دیا جانا ممکن تھا۔

تیسرا سبب:......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کے مابین کوئی ایسا سبب نہیں تھا جس کی وجہ سے دوستی رکھتے اور پھر اپنا مال خرچ کرتے [ جان و مال سے نثار ہوتے ] سوائے ایمانی سبب کے۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی ایسے نصرت نہیں کی جیسے ابو طالب نے قرابت کی وجہ سے نصرت کی تھی۔ بلکہ آپ کا عمل کامل اخلاص کے ساتھ صرف اور صرف اللہ کی رضامندی کے حصول کے لیے ہوا کرتا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى o وَلَسَوْفَ يَرْضٰى﴾ [اللیل ۱۷۔۲۱]

''وہ تو صرف اپنے رب بلند و برتر کی رضامندی کے لیے دیتا ہے۔ اور یقیناً عنقریب وہ راضی ہو جائے گا۔''

ایسا ہی معاملہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھی ہے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی بیوی تھیں۔ اور کبھی بیوی کو اپنے شوہر پر خرچ کرنا پڑتا ہے ؛ بھلے وہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی دوسرا بھی ہو۔

بالفرض اگر مان بھی لیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ خرچ کیا کرتے تھے ؛ کبھی ان اسباب کی طرف فعل کو

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



مضاف کیا جاتا ہے۔ بخلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے؛ اس لیے کہ آپ کے لیے ایمان باللہ کے سواء کوئی دوسرا سبب نہ تھا۔ تو آپ اس فرمانِ الٰہی کی روشنی میں سب سے بڑے اور سچے متقی تھے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى﴾ [اللیل]

''وہ تو صرف اپنے رب بلند و برتر کی رضا مندی کے لیے دیتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى o الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى o وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى o اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى o﴾ [اللیل ۱۷۔۲۰]

''اور عنقریب اس سے وہ بڑا پرہیز گار دور رکھا جائے گا۔ جو اپنا مال (اس لیے) دیتا ہے کہ پاک ہو جائے۔ حالانکہ اس کے ہاں کسی کا کوئی احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جائے۔ مگر وہ تو اپنے بزرگ و برتر رب کی رضا مندی طلب کرنے کے لیے دیتا ہے۔''

یہاں پر استثناء منقطع ہے۔ اس کا معنی یہ ہے: اس کی عطاء صرف اس انسان تک نہیں جس کا اس پر کوئی احسان ہے کہ اسے کوئی بدلہ دے۔ سو بیشک آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ایسا کرنا تو لوگوں پر عدل واجب میں سے ہے جو کہ ایجار یا خرید و فروخت میں معاوضہ کی منزلت پر ہے۔ ایسا کرنا ہر ایک کے حق میں دوسرے پر واجب ہے۔ اور جب کسی ایک پر کسی کا کوئی احسان نہ ہو جس کا وہ بدلہ دے رہا ہو؛ تو اس وقت یہ معاوضہ کی صورت باقی نہیں رہتی۔ پس اس صورت میں دینے والے کی عطاء صرف اللہ رب العالمین کی رضا مندی کے حصول کے لیے ہوتی ہے۔ بخلاف اس انسان کے جس پر کسی کا احسان ہو تو اسے اس احسان کا بدلہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ باہم بدلہ دینا ضروریات میں سے ہے۔

یہ انسان جس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے کہ وہ اس کا بدلہ دیا جائے۔ اور جب وہ مال دیتا ہے تو اس کی طہارت کے لیے دیتا ہے۔ اس کا معاملہ ہمیشہ لوگوں کے ساتھ اچھا رہتا ہے' وہ انہیں اچھا بدلہ دیتا ہے' ان کا احسان چکاتا ہے؛ اور ان کو مال دیتے وقت ان کی بھلائی کا معاوضہ دیتا ہے۔ لیکن کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ جائے۔

نیز اس میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ: صدقہ کرنے میں فضیلت اس وقت ہے جب انسان واجب معاوضات ادا کر دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ [البقرۃ ۲۱۹]

''اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا چیز خرچ کریں، فرما دیجیے جو زیادہ ہو۔''

پس جس انسان پر قرض یا ادھار یا دیگر کوئی واجبات یا دیگر ادائیگیاں ہوں؛ تو وہ صدقہ کو ان واجبات کی ادائیگی پر مقدم نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی انسان ایسا کر گزرے تو کیا اس کا صدقہ اسے واپس کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں علماء کرام رحمہم اللہ کے مابین دو قول مشہور ہیں۔ اس آیت سے وہ لوگ استدلال کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ایسے آدمی کے صدقات اسے واپس

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کر دیے جائیں گے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنا مال اس حالت میں صدقہ کرتے ہیں کہ ان پر کسی قسم کا کوئی واجب نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی احسان ہوتا ہے۔ اور اگر اس پر کسی کا کوئی احسان ہو تو واجب ہوتا ہے کہ پہلے احسان کا بدلہ چکائے پھر اپنا مال طہارت حاصل کرنے کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ اگر اس نے احسان کا بدلہ چکانے سے پہلے اپنا مال حصول طہارت کی نیت سے خرچ کر دیا تو اس آیت کی رو سے قابل تعریف لوگوں کی صف میں اس کا شمار نہیں ہوگا۔ بلکہ ایسے انسان کا یہ عمل مردود ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

(( من عمِل عملا ليس عليهِ أمرنا فهو رد)) .

''جس انسان نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں وہ کام مردود ہے۔''[1]

چوتھا سبب: ...... اگر مان لیا جائے کہ اس آیت کے مصداق میں کئی ایک صحابہ داخل ہیں؛ تو یہ بھی حق ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پوری امت میں سے اس آیت کے مصداق میں داخل ہونے کے سب سے پہلے حق دار ہیں۔ آپ ہی اس امت کے سب سے بڑی متقی ہیں۔ پس اس بنا پر آپ ان سب میں سے افضل ہوں گے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ''الأتقی'' سب سے بڑے متقی کی جو صفات بیان کی ہیں؛ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان میں پوری امت میں سب سے بڑے کامل ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰیo وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰیo اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰیo﴾

[اللیل ۱۸۔۲۰]

''جو اپنا مال (اس لیے) دیتا ہے کہ پاک ہو جائے۔ حالانکہ اس کے ہاں کسی کا کوئی احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جائے۔ مگر وہ تو اپنے بزرگ و برتر رب کی رضامندی طلب کرنے کے لیے دیتا ہے۔''

جہاں تک مال خرچ کرنے کا تعلق ہے؛ تو صحاح ستہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انفاق فی سبیل اللہ دوسروں کے انفاق سے افضل تھا۔ اور یہ کہ اپنی جان و مال کیساتھ آپ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاونت فرمائی دوسروں کی معاونت سے اکمل و افضل تھی۔

رہا ایسے احسان کی تلاش میں رہنا جس پر بدلہ دیا جائے؛ سو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کا کوئی دنیاوی مال طلب نہیں کیا۔ اور نہ ہی کسی دنیاوی حاجب کی چاہ میں رہے۔ بلکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرنے کی تلاش میں رہتے تھے؛ جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ

---

[1] عن عائشة رضی اللہ عنہا فِی: البخارِی3\184۔کتاب الصلحِ، باب ذا اصطلحوا على صلحِ جور۔مسلِم 3\1343 کتاب الأقضِيةِ، باب نقضِ الأحكامِ الباطِلةِ وردِ محدثاتِ الأمور۔سننِ بِی داود2 \280 کتاب السنةِ، باب فِی لزومِ السنةِ۔سننِ ابنِ ماجه؛ المقدِمة، باب تعظِيمِ حديثِ رسولِ اللهِ A، والتغلِيظ عل من عارضه، المسندِ۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



عِنْدِكَ وَ ارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ))[1]

''اے اللہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا بہت زیادہ ظلم ؛اور تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں ؛ تو مجھے بخش دے بخشش تیرے پاس سے؛ اور مجھ پر رحم فرمایا بے شک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔''

ساری زندگی رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کوئی ایسا مال نہیں دیا جو صرف آپ کے ساتھ خاص ہو۔ بلکہ جب آپ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت حاضر ہوتے تو آپ کی بھی وہی حیثیت ہوتی جو کسی بھی غنیمت پانے والے مجاہد کی حیثیت ہوا کرتی تھی۔ جب نبی کریم ﷺ نے آپ سے سارا مال لے لیا تھا۔ جب کہ آپ کے علاوہ جو دوسرے لوگ خرچ کرنے والے ہوا کرتے تھے- خواہ انصار میں سے ہوں یا بنی ہاشم میں سے- رسول اللہ ﷺ ان کو کچھ ایسے عطیات بھی دیا کرتے تھے جو دوسروں کو نہیں دیتے تھے۔ آپ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو خمس کے مال میں سے وہ مال دیا جو دوسروں کو نہیں دیا گیا۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری لگائی اور اس پر انہیں وظیفہ دیا۔ جب کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کبھی بھی کچھ بھی نہیں دیا۔ سو ابوبکر رضی اللہ عنہ بدلے والے احسان سے لوگوں میں سب سے زیادہ دور تھے اور ایسی چیز سے سب سے زیادہ قریب تھے جس پر کوئی بدلہ نہیں دیا جاتا۔

جہاں تک اللہ کی رضامندی کے حصول کے لیے آپ کے اخلاص کا تعلق ہے؛ تو آپ کا اخلاص پوری امت میں سب سے زیادہ کامل و اکمل تھا۔ پس معلوم ہوا کہ آپ ان لوگوں میں سب سے زیادہ کامل ہیں جو ان آیات میں مذکور اوصاف کے مصداق میں شامل ہیں۔ جیسا کہ آپ اس آیت میں شامل ہونے والوں میں سب سے کامل ہیں:

﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (الزمر۳۳)

''اور وہ شخص جو سچ لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ پکے متقی ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ [الحدید۱۰]

''تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں بلکہ ان کے بہت بڑے درجے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے، ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ کا ان سب سے ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ﴾ (توبة۱۰۰)

''اور جو مہاجرین اور انصار میں سے سابق اور مقدم ہیں......۔''

---

[1] بخاری:834، مسلم2705۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ان کی امثال دیگروہ آیات جن میں اس امت کے اہل ایمان کی تعریف کی گئی ہے؛ سو ابوبکر رضی اللہ عنہ ان صفات میں سب سے زیادہ کامل واکمل ہیں جن کی وجہ سے اہل ایمان کی تعریف کی گئی۔ اور آپ ان آیات کے مصداق میں داخل ہونے کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ اور جو لوگ ان آیات کے مصداق میں داخل ہیں' ان میں سب سے اکمل ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

## فصل:......آیت ﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ﴾ سے شیعہ کا استدلال

**[اعتراض]**: رافضی مصنف نے کہا ہے:''رہی یہ آیت: ﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ﴾؛ مراد یہ ہے کہ: ہم تمہیں ایک قوم کی طرف بلائیں گے۔ یہاں پر مقصود وہ لوگ ہیں جو صلح حدیبیہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اور یہ لوگ چاہتے تھے کہ خیبر کا مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا؛ اور فرمایا: ﴿قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا﴾ آپ فرمادیجیے: تم ہرگز ہماری اتباع نہ کرو گے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خیبر کے اموال غنیمت کو ان لوگوں کے لیے خاص کردیا تھا جو صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔ پھر فرمایا: ﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بہت سارے غزوات کی طرف بلایا تھا؛ جن میں غزوہ موتہ؛ غزوہ حنین؛ تبوک اور دوسرے غزوات۔ پس یہ داعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ: یہ داعی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوں۔ اس لیے کہ آپ نے عہد توڑنے والوں اور نافرمانوں اور دین سے خروج کرنے والوں سے جہاد کیا۔ ان لوگوں کا آپ کی اطاعت کی طرف رجوع کرنا ہی اصل اسلام تھا۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:''اے علی! تیرے ساتھ جنگ کرنا میرے ساتھ جنگ کرنا ہے۔'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنا کفر ہے۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]**: اس آیت سے بعض علماء کرام رحمہم اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اور آپ کی اطاعت کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ ان علماء میں امام شافعی، امام اشعری اور ابن حزم وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے:

﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا﴾ (التوبۃ:۸۳)

''پھر اگر اللہ آپ کو ان منافقوں کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے اور وہ آپ سے جہاد پر نکلنے کی اجازت مانگیں تو ان سے کہیئے کہ: تم میرے ساتھ کبھی نہ نکلو گے اور نہ میرے ہمراہ دشمن سے جنگ کرو گے۔''

ان حضرات کا کہنا ہے:''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ آپ فرمادیں:

''تم میرے ساتھ کبھی نہ نکلو گے اور نہ کبھی میرے ہمراہ دشمن سے جنگ کرو گے۔''

اس آیت کے مضمون پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ قتال کے داعی و محرک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں، بلکہ آپ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



کے بعد آنے والے خلیفہ و نائب ہیں جو ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین ہی ہو سکتے ہیں، جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فارس و روم اور دوسرے لوگوں کے خلاف جنگیں لڑیں، یا ان کے ساتھ معاہدے کیے؛ جیسا کہ آیت میں ہے:
﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾۔ ''تمھیں ان سے لڑنا ہوگا یا وہ مطیع ہوجائیں گے۔''

ان کے نزدیک سورۂ الفتح میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ توبہ میں بھی انہی سے خطاب کیا گیا ہے، اسی بنا پر یہ دلیل محل نظر و تامّل ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں کا ذکر سورت فتح میں ہے' انہی لوگوں کو حدیبیہ کے زمانہ میں دعوت دی گئی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف نکلیں' اور پھر قریش نے انہیں روک لیا تھا۔ اور پھر حدیبیہ کے مقام پر صلح کا واقعہ پیش آیا۔ اور مسلمانوں نے اس درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ مسلمہ بات ہے کہ سورۂ الفتح بالاتفاق صلح حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بالاتفاق سن چھ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ [البقرة ۱۹۶]
''اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو، پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو قربانی میں سے جو میسر ہو (کرو)۔''

اور اسی موقع پر حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی تکلیف کی وجہ سے یہ حکم بھی نازل ہوا:
﴿فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾ [البقرة ۱۹۶]
''تو روزے یا صدقے یا قربانی میں سے کوئی ایک فدیہ ہے۔''

پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ واپس آئے تو خیبر کی طرف نکلے۔ سن سات ہجری کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں پر خیبر فتح کیا۔ اسی سال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے؛ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مہاجرین حبشہ سے واپس تشریف لائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے اموال غنیمت میں سے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں کو کوئی حصہ نہیں دیا؛ سوائے ان لوگوں کے جو کشتی میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ سے تشریف لائے تھے۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا﴾..... آگے تک .....﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ [الفتح ۱۵۔۱۶]

''جب تم **غنیمتیں** لینے جانے لگو گے تو جھٹ سے یہ پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ کہنے لگیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیجیے، وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیں؛ آپ کہہ دیجیے: اللہ تعالیٰ ہی فرما چکا ہے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے' وہ اس کا جواب دیں گے (نہیں نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو۔ .....آگے تک ...... ''تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوجائیں گے۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سن آٹھ ہجری میں فتح مکہ کی طرف بلایا؛ اس سے پہلے سن سات ہجری میں غزوہ خیبر ہو چکا تھا۔ فتح مکہ کے بعد حنین کے مقام پر ہوازن سے جنگ کے لیے بلایا۔ پھر اسی سن آٹھ ہجری میں طائف کا محاصرہ کیا۔ یہ آخری غزوہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ نے قتال کیا۔ پھر سن نو ہجری میں غزوہ تبوک پیش آیا۔ لیکن اس میں جنگ و قتال نہیں ہوا۔ یہ غزوہ شام کے عیسائیوں کے خلاف تھا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورت برأت نازل فرمائی؛ اس میں پیچھے رہ جانے والوں کا ذکر کیا گیا: جن کے متعلق فرمایا گیا ہے:

﴿فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا﴾ [التوبة ۸۳]

''تو آپ فرما دیجئے: تم میرے ساتھ ہرگز چل نہیں سکتے اور نہ میرے ساتھ تم دشمنوں سے لڑائی کر سکتے ہو۔''

جب کہ موتہ سریہ تھا۔ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''تمہارا امیر زید رضی اللہ عنہ ہے؛ اگر وہ قتل ہو جائے تو پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ؛ اور اگر وہ بھی قتل ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ۔ [سبق تخریجه]

اس سے پہلے فتح مکہ سے قبل اور صلح حدیبیہ کے بعد عمرہ قضاء کا واقعہ بھی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بلاشبہ عمرہ قضاء میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کا حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بچی کی کفالت کے متعلق اختلاف بھی ہوا تھا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے حق میں فیصلہ دیا جو کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ آپ اس بچی کی خالہ تھیں۔ آپ نے فرمایا: ''خالہ ماں کی جگہ پر ہے۔'' [سبق تخریجه]

حضرت زید؛ حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کوئی ایک بھی فتح مکہ میں نہیں تھا۔ اس لیے کہ یہ تینوں حضرات اس سے قبل شہید سریہ مؤتہ میں ہو چکے تھے۔

جب یہ معلوم ہو گیا تو اس آیت سے وجہ استدلال صاف ظاہر ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾

''عنقریب تمہیں ایک سخت جنگجو قوم سے مقابلہ کے لیے بلایا جائے گا۔ تمہیں ان سے لڑنا ہوگا یا وہ مطیع ہو جائیں گے۔''

یہ دلیل ہے کہ وہ لوگ سخت لڑاکے ہوں گے۔ اور یہ کہ وہ جنگ لڑیں گے یا تابع فرماں ہو جائیں گے۔ ان علماء کرام کا کہنا ہے: یہ ممکن نہیں کہ آپ نے عام فتح کے فوراً بعد اہل مکہ یا ہوازن کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بلایا ہو۔ اس لیے کہ ان لوگوں کی طرف ہی تو صلح حدیبیہ والے سال بلایا گیا تھا۔ پس جو کوئی ان میں سے نہ تھا' وہ ان ہی کی جنس میں سے تھا۔ وہ ان سے زیادہ سخت جنگجو نہیں ہو سکتا۔ یہ تمام عرب اہل حجاز تھے۔ ان سے جنگ ایک ہی جنس کی جنگ تھی۔ اہل مکہ اور اس کے گرد و نواح والے بدر و احد اور خندق' اور دیگر مواقع پر نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے اس سے بڑھ کر جنگ و قتال کرنے والے تھے۔

پس یہ ضروری ہے کہ جن لوگوں سے جنگ کرنے کے لیے بلایا جا رہا ہو؛ وہ حدیبیہ والے سال جن لوگوں سے پالا پڑا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تھا؛ ان سے بڑھ کر جنگجو اور قتال کرنے والے ہوں؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

﴿ اُولِی بَاْسٍ شَدِیْدٍ﴾ ''سخت جنگجو قوم سے مقابلہ کے لیے۔''

یہ دو گروہ ہی ہو سکتے ہیں:

پہلا گروہ:...... بنی اصفر: جن سے جنگ کے لیے سن نو ہجری میں تبوک والے سال لوگوں کو بلایا گیا تھا۔ بلاشبہ یہ لوگ سخت جنگجو تھے۔ یہ لوگ اس صفت کے دوسروں سے زیادہ حق دار تھے۔ ان لوگوں سے جنگ کا پہلا واقعہ مؤتہ والے سال پیش آیا۔ یہ تبوک سے پہلے سن آٹھ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس معرکہ میں مسلمان امراء: حضرت زید بن حارثہ' حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہم اجمعین شہید ہو گئے تھے۔ اور مسلمان پسپا ہو کر واپس پلٹے تھے۔

پس ان لوگوں نے واپس آنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی: ''ہم میدان جنگ سے بھاگنے والے ہیں۔'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں بلکہ تم پلٹ کر آنے والے ہو؛ میں تمہاری جماعت ہوں؛ اور ہر مسلمان کی جماعت ہوں۔''

لیکن بعض علماء نے ان الفاظ: ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ﴾ ''تم ان سے جنگ کرتے ہو یا پھر صلح کرتے ہو'' پر اعتراض کیا ہے؛ ان کا کہنا ہے کہ: اہل کتاب سے تو اس وقت تک لڑا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ جزیہ ادا کر دیں۔ لیکن دوسرے گروہ نے اس کی تأویل یہ کی ہے کہ یہ آیت مرتدین کے متعلق ہے۔ جن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جنگیں لڑیں۔ یہ مرتدین مسیلمہ کذاب کے ساتھی تھے۔ بلا شک و شبہ یہ لوگ انتہائی سخت جنگجو تھے۔ اور ان کے ساتھ معرکوں میں مسلمانوں کو بہت زیادہ سختیاں اور پریشانیاں اٹھانا پڑیں۔ سخت خونریز جنگیں ہوئیں؛ قراء کی ایک جماعت شہید ہو گئی۔ یہ مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کے مابین بہت بڑی جنگیں تھیں۔ مرتدین کو یا تو قتل کیا جاتا ہے یا پھر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا۔ اور ان سے سب سے پہلے جنگ لڑنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی تھے۔ پس دلیل سے اس قتال کی طرف بلانے پر آپ کی اطاعت کا وجوب ثابت ہوا۔

قرآن بتا رہا ہے کہ ان لوگوں کو ایسی قوم سے جنگ کرنے کے لیے بلایا جائے گا جس میں دو میں سے ایک صفت پائی جائے گی۔ یا تو وہ لوگ ان سے جنگ کریں گے۔ یا پھر مسلمان ہو جائیں گے۔ ان دو میں سے ایک کام ہونا لازمی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ قوم سخت جنگجو بھی ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جو کچھ حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا۔ اس میں نہ ہی قتال ہوا؛ اور نہ ہی وہ لوگ مسلمان ہوئے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر جنگ کے اور بغیر ان کے اسلام کے ان لوگوں سے صلح کر لی اور واضح کر دیا کہ جن لوگوں سے لڑنے کے لیے انہیں بلایا جائے گا وہ ان کے بعد ہوں گے۔

پھر اگر ان لوگوں کو جب سخت قوم سے لڑائی کے لیے بلایا جائے' اور ان پر اس دعوت کی اجابت اور اطاعت کو فرض کر دیا جائے تو اس صورت میں جس وقت انہیں ایسی قوم سے لڑائی کے لیے بلایا جائے جو سخت جنگجو نہیں ہیں' تو پھر بھی ان پر اطاعت بالاولی فرض ہو گی۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قتال کے وقت ان پر اطاعت واجب و فرض ہو گی جب آپ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نے اہل مکہ اور اہل ھوازن اور اہل ثقیف سے قتال کے لیے بلایا تھا۔

پھر جب ان کے بعد بنی اصفر سے قتال کے لیے بلایا تو یہ لوگ سخت جنگجو اور لڑاکے تھے۔ قرآن نے عام تبوک والے سال کی بڑی تاکید آئی ہے۔ اور اس موقع پر جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کی بہت سخت مذمت کی ہے۔ جیسا کہ سورت برأت میں اس کے دلائل موجود ہیں۔ ان لوگوں میں یقیناً دو میں سے ایک بات پائی جاتی تھی: یا تو اسلام قبول کرنا یا پھر قتال کرنا۔ اس موقع کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے:

﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ ''تم ان سے جنگ کرتے ہو یا پھر صلح کرتے ہو۔''

یہ نہیں فرمایا کہ تم ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ اور نہ ہی یہ فرمایا کہ: ان سے اسلام قبول کروانے کے لیے جنگ کرو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ صفت بیان کی ہے کہ یا تو وہ لوگ بہت سخت جنگ کریں گے یا پھر اسلام قبول کرلیں گے۔ اور اگر ان سے قتال کیا جائے تو اس وقت تک قتال ہوگا یہاں تک کہ یہ لوگ ذلت کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے جزیہ ادا کریں۔

پس اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ﴾۔ ''تمہیں ان سے لڑنا ہوگا'' میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ان کو اسلام پر لانے یا جزیہ ادا کرنے کے لیے لڑنے کے معانی میں مانع ہو۔ لیکن ان سے کہا جائے گا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾

''عنقریب تمہیں ایک سخت جنگجو قوم سے مقابلہ کے لیے بلایا جائے گا۔''

اس کلام سے فاعل حذف کردیا گیا ہے۔ پس یہاں پر فاعل یعنی جہاد و قتال کی طرف بلانے والے کو متعین نہیں کیا گیا۔ پس قرآنی دلالت کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ جو بھی [امام و حاکم] کسی سخت قوم سے لڑنے کے لیے بلائے کہ یا تو ان سے قتال کیا جائے یا پھر وہ اسلام قبول کرلیں' تو اس کی اطاعت کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مرتدین کے ساتھ جنگ و قتال کی طرف بلایا؛ پھر روم اور فارس سے جنگ کی دعوت دی۔ ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روم و فارس سے قتال کرنے کی دعوت دی۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بربر اور دوسری قوموں سے جہاد کی طرف بلایا۔ یہ آیت ان تمام لوگوں کو شامل ہے۔

لیکن اس دعوت کو صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص کرنا' جیسا کہ آپ کی خلافت استدلال کرنے والے ایک گروہ کا کہنا ہے؛ یہ غلط ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ آیت ان تمام حضرات کو شامل ہے تو یہ بات بہت مناسب ہے۔ اور ممکن ہے کہ آیت سے یہی مراد ہو' اور اس پر استدلال کیا جاسکتا ہو۔ پس اس لیے ہر امیر کے ساتھ جہاد کرنا واجب ہوجاتا ہے جو کفار سے جنگ وقتال کے لیے لوگوں کو بلائے۔ پس اس سے مراد یہ ہوگی کہ آپ کو ایسی قوم سے جنگ کے لیے بلایا جائے گا جو عربوں سے زیادہ سخت جنگجو ہوں گے۔ پس اس وقت دو باتوں میں سے ایک کا ہونا لازمی ہے؛ یا تو وہ اسلام قبول کرلیں یا پھر جنگ کریں [اور قتل کردیے جائیں]۔ یہ حدیبیہ کے واقعہ کے برعکس ہے۔ اس لیے کہ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اہل حدیبیہ کا جنگی زوران جیسا نہیں تھا۔ اور اس موقع پر نہ ہی قتال ہوا اور نہ ہی کافروں نے اسلام قبول کیا؛ [بلکہ ان کے ساتھ صلح کر لی گئی]۔

فتح مکہ والے سال بھی ایسے ہی ہوا۔ شروع میں ان لوگوں نے نہ ہی اسلام قبول کیا اور نہ ہی جنگ کی۔ مگر آخر کار انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

یہ لوگ اہل روم و فارس ہیں۔ اگر یہ لوگ اسلام قبول نہ کریں تو ان سے قتال کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ قتال کی پہلی دعوت سریہ مؤتہ وغزوہ تبوک کے موقع پر دی گئی۔ تبوک والے سال ان لوگوں نے نہ ہی جنگ کی اور نہ ہی اسلام قبول کیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے مبارک زمانے میں دو میں سے ایک کام کا ہونا ضروری تھا؛ یا تو اسلام قبول کریں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ ان لوگوں نے قتال کے بعد جزیہ ادا کیا۔ انہوں نے شروع میں ایسے صلح نہیں کی جیسے حدیبیہ کے موقع پر مشرکین نے صلح کر لی تھی۔ پس حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا لوگوں کو ان لوگوں کے خلاف جنگ و قتال کے لیے بلانا اس آیت میں شامل ہے۔ اور یہی ثابت کرنا مقصود ہے۔

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اس کا معنی و مفہوم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتال کو شامل نہیں۔ اس لیے کہ جن لوگوں سے آپ نے جنگ لڑی؛ وہ آپ کے ساتھیوں سے زیادہ سخت جنگجو نہیں تھے۔ بلکہ وہ ان کی جنس کے ہی لوگ تھے۔ اور آپ کے ساتھ ان سے زیادہ سخت جنگ لڑنے والے تھے۔ نیز ان پر قتال یا اسلام قبول کرنے کا اطلاق بھی نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہ سبھی مسلمان تھے۔

پس رافضی مصنف نے جو لکھا ہے کہ: ''حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیری جنگ میری جنگ ہے'' اس کی سند اس نے ذکر نہیں کی۔ پس اسے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ حقیقت میں یہ روایت من گھڑت ہے۔ اور اس کے موضوع ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے۔''

اس کی مزید وضاحت اس امر سے ہوتی ہے کہ سورت برائت اور آیت جزیہ کے نازل ہونے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو مشرکین اور اہل کتاب کفار کے ساتھ جنگ کرتے اور کبھی ان کے ساتھ معاہدہ کرتے۔ ان کے ساتھ قتال یا ان کے اسلام قبول کرنے کی نوبت نہ آتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے سورت برائت نازل فرمائی؛ اور اس میں حکم دیا کہ کفار کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے انہیں واپس کیے جائیں۔ اور اس کی جگہ یہ حکم دیا کہ کفار سے اس وقت تک جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ ذلت قبول کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے جزیہ ادا کریں۔ اس وقت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر پر مامور ہو گئے کہ لوگوں کو ان اقوام کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دیں جن کا اسلام قبول کرنا یا ان سے جنگ کرنا ضروری ہے اور جب ان سے جنگ کی جائے تو اس وقت تک جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ لوگ یا تو اسلام قبول کر لیں یا پھر اپنے ہاتھوں سے جزیہ ادا کریں۔ اب یہ اختیار باقی نہیں رہا کہ جزیہ ادا کیے بغیر ان سے کوئی معاہدہ کیا جائے۔ جیسا کہ اس سے پہلے کفار اور مشرکین سے معاہدے کیے جاتے تھے۔ جیسا کہ حدیبیہ والے سال اہل مکہ سے صلح کا معاہدہ کیا تھا۔ اس

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



سورت میں اعراب کو ان لوگوں سے قتال کرنے دعوت ہے۔ صلح حدیبیہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورت فتح نازل فرمائی۔ اور مسلمانوں کو بھی یہی دعوت دی گئی؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾

یہ آیت ان لوگوں کے برعکس پر دلالت کرتی ہے جنہیں عام حدیبیہ میں بلایا گیا تھا۔ اس میں فرق دو وجوہات کی بنا پر ہے:

پہلی وجہ:...... مستقبل میں جن لوگوں سے جنگ کے لیے بلایا جائے گا وہ بہت سخت جنگجو ہوں گے؛ بخلاف اہل مکہ دیگر عرب کے۔

دوسری وجہ:...... یہ کہ تم ان لوگوں سے جنگ کرو گے یا پھر وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ تمہیں یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ ان کے صلح کرو؛ یا پھر ان کے اپنے ہاتھوں سے ذلت کے ساتھ جزیہ دیے بغیر کوئی معاہدہ کرو؛ جیسا کہ اہل مکہ سے قتال کیا گیا تھا۔ بلکہ ان لوگوں سے جزیہ لینے تک جنگ ہوگی۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ سخت جنگجو قوم وہ لوگ نہ تھے جن کے ساتھ جزیہ کے بغیر معاہدہ کیا گیا۔ بلکہ ان لوگوں سے یا تو جنگ ہوگی یا پھر اسلام لے آئیں گے۔ اور جن کے ساتھ بلا جزیہ کے معاہدہ کیا جائے گا وہ ایک تیسری حالت میں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن سے نہ ہی جنگ ہوگی اور نہ ہی وہ مسلمان ہونگے۔ لیکن یہ لوگ جنس عرب میں سے وہ لوگ بھی نہیں جن سے اس سے پہلے جنگ کی گئی۔

پس اس سے واضح ہوگیا کہ یہ وصف ان لوگوں کو شامل نہیں ہے جن کے ساتھ حنین میں یا دوسرے مواقع پر جنگ لڑی گئی۔ اس لیے کہ یہ لوگ جنس عرب سے ہی تھے؛ ان سے بڑھ کر لڑاکے نہیں تھے؛ اور ان کی جنگیں بھی اسی جنس سے تعلق رکھتی تھیں جیسا کہ اس سے پہلے اہل عرب سے جنگیں ہو چکی۔

پس یہ واضح ہوگیا کہ آیت مذکورہ میں بیان کردہ اوصاف اہل فارس و روم کے ہیں؛ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یا تو ان لوگوں سے جنگ کی جائے گی یا پھر وہ اسلام قبول کرلیں۔ اور جب جنگ ہوگی تو پھر اس وقت تک جنگ رہے گی جب تک وہ ذلت کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے جزیہ نہ ادا کردیں۔

اگر یہ کہا جائے: مرتدین کے ساتھ جنگ و قتال بھی اس میں داخل ہے؟ اس لیے کہ ان سے بھی یا تو جنگ ہوگی یا پھر وہ اسلام قبول کرلیں گے۔ تو پھر یہ کہنا بھی مناسب ہوگا کہ اس میں اہل مکہ اور اہل حنین کے ساتھ جنگ بھی شامل ہے، جن کے ساتھ فوری جنگیں ہوئیں؛ اس وقت ان کے ساتھ جنگ بندی کرنا بھی جائز تھا۔ نہ ہی وہ اسلام لاتے اور نہ ہی جنگ کرتے۔ فتح مکہ اور حنین والے سال رسول اللہ ﷺ اور بہت سارے کفار کے مابین بلا جزیہ معاہدے موجود تھے۔ جنہیں آپ ﷺ نے پورا فرمایا۔ لیکن سن نو ہجری غزوہ تبوک والے سال کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے سورت برأت نازل

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



فرمائی' تو تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا۔ اور آپ کو یہ حکم دیا کہ یہ اعلان کریں کہ: اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہ کرے۔ اور نہ ہی کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔ اور جس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو تو وہ اپنی مدت کو پورا کرے گا۔ پھر ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ اور آپ کو حکم دیا کہ جو مطلق معاہدے ہیں [جن میں مدت کا کوئی تعین نہیں] انہیں ختم کرنے کا اعلان کیا جائے۔ اور جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تھا ان کو چار ماہ کی مدت دی گئی۔ اس کی آخری مدت سن دس ہجری ماہ ربیع الثانی کا آخر تھا۔ یہ ان مہینوں کی حرمت کتاب اللہ میں مذکور ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ [التوبة ۵]

''پس جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو۔''

یہ وہ حرمت والے نہیں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ [التوبة ۳۶]

''اور ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔''

جس نے یہ کہا ہے؛ اس سے اہل علم کے ہاں معروف تفسیر کے برعکس غلطی ہوگئی ہے۔ جیسا کہ یہ بات اپنی جگہ پر تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم دیا ہے حتی کہ وہ اپنے ہاتھوں سے ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرنا قبول کرلیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے مجوس سے بھی جزیہ لیا۔ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اہل کتاب اور مجوس سب سے جزیہ لیا جاسکتا ہے۔

مسلمانوں کا تمام کفار کے متعلق تین اقوال میں اختلاف ہے۔:

- پہلا قول: تمام کفار سے اس وقت تک جنگ کی جائے گی یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرلیں' یا پھر اپنے ہاتھوں سے ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کردیں۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے۔
- دوسرا قول: یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ان سے مشرکین عرب کو استثنیٰ حاصل ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔
- تیسرا قول: اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکم اہل کتاب؛ اور ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کے اہل کتاب ہونے کا شبہ ہو۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ اور دوسری روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے۔

پہلا اور دوسرا قول معنوی لحاظ سے آپ میں متفق ہیں۔ اس لیے کہ آیت جزیہ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مشرکین عرب سے جنگ کرکے فارغ ہو چکے تھے۔ اہل عرب کے ساتھ آپ کا آخری معرکہ غزوہ طائف تھا جو کہ حنین کے بعد پیش آیا۔ حنین کا واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ یہ تمام غزوات سن آٹھ ہجری کے ہیں۔ سن نو ہجری میں تبوک

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



والے سال آپ نے عیسائیوں سے جنگ کا آغاز کیا۔اس موقع پر سورت برأت کا نزول ہوا۔جس میں اس وقت تک لڑنے کا حکم دیا جب تک کہ وہ لوگ اپنے ہاتھوں سے ذلیل ہوکر جزیہ ادا کریں۔

پس نبی کریم ﷺ جب کسی لشکر یہ فوجی دستہ کو روانہ فرماتے تو آپ انہیں حکم دیتے کہ اس وقت تک لڑائی لڑی جائے یہاں تک کہ وہ ذلت کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے جزیہ ادا کردیں۔جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے۔[1]

ایسے ہی نبی کریم ﷺ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ جزیہ پر صلح کی۔یہ سب سے پہلے لوگ تھے جنھوں نے جزیہ ادا کیا۔سورت آل عمران کی شروع کی آیات اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کے متعلق نازل کی ہیں۔سن نو ہجری میں مشرکین کو حرم سے نکال دیا گیا۔اوران کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان انہیں واپس کردیے گئے۔اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ ان لوگوں سے جنگ کی جائے؛ چنانچہ تمام عرب کے مشرک اسلام لے آئے۔کوئی بھی مشرک معاہد یا غیر معاہد کسی بھی صورت میں باقی نہ رہا۔اس سے پہلے ان سے بغیر کسی جزیہ کے معاہدے کیے جاتے تھے۔پس مشرکین سے جزیہ نہ لینے کی کیا وجوہات ہوسکتی ہیں؟

کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ: ان میں سے کوئی بھی ایسا باقی نہیں بچا تھا جس سے جزیہ لینے تک جنگ کی جاتی۔بلکہ تمام لوگوں نے جب اسلام کے محاسن اور روز افزوں ترقی دیکھی تو وہ اسلام لے آئے۔اور خود ہی اپنے سابقہ شرکیہ عقیدہ کو برا سمجھنے لگے۔اس وجہ سے ان سے پستی و ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرنے کا حکم منفی ہوگیا؟

یا پھر اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین سے جزیہ لینا جائز نہیں۔بلکہ ان سے اس وقت تک جنگ کرنا واجب ہے جب تک کہ یہ لوگ اسلام قبول کرلیں۔

❀ پہلے قول کے مطابق تمام کفار سے جزیہ لیا جاسکتا ہے۔جیسا کہ اکثر فقہاء کا کہنا ہے۔ان کا کہنا یہ ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ اہل کتاب سے اس وقت تک لڑنے کا حکم دیا ہے جب کہ یہ لوگ ذلت کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے جزیہ نہ ادا کردیں۔ان کیساتھ جزیہ کے بغیر کسی قسم کا معاہدہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔جیسا کہ معاملہ پہلے پہل تھا۔تو یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ مشرکین جو کہ ان سے بھی برے کافر ہیں؛ ان کے ساتھ بغیر جزیہ کے کوئی معاہدہ نہ کیا جائے۔ بلکہ ان سے اس وقت تک قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے ذلت قبول کرتے ہوئے جزیہ ادا کردیں۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

''ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا برتاؤ کرو۔''

---

[1] الحدیث عن سلیمان بن بريد عن أبيه رضي الله عنه في مسلم 3\ 1357-1358؛كتاب الجهادِ والسِيرِ ، باب تأمِيرِ الإمامِ الأمراء على البعوثِ؛ ونصه: إن رسول اللهِ صلى الله عليهِ وسلم إذا أمر أمِيراً على جيش أو سرية أوصاه في خاصتِهِ . ثم قال:(( اغزوا باسمِ اللهِ فِي سبِيلِ...... وإذا لقِيت عدوك مِن المشرِكين فادعهم إلى ثلاثِ خِصال(أو خِلال)فأيتهن ما أجابوا فاقبل مِنهم وكف عنهم ، ثم ادعهم إلى الإسلامِ...... فإن هم أبوا فسلهم الجزية ، فإن هم أجابوا؛ فاقبل مِنهم وكف عنهم...... الحديث۔ وهو في: سننِ ابنِ ماجه2\ 953؛ كتاب الجهادِ ، باب وصِيةِ الإمامِ۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ایسے ہی اہل بحرین کے ساتھ جزیہ پر صلح کی۔ ان میں مجوس بھی تھے۔ اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اور دیگر تمام مسلمان علماء کا بھی اس پر اتفاق رہا ہے۔ [1] یہ معاملہ اسلام کے شروع میں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کیساتھ جنگیں بھی لڑا کرتے تھے اور بغیر کسی جزیہ کے ان کے ساتھ معاہدے بھی کرتے تھے۔ جیسا کہ سورت برأت کے نزول سے قبل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے ظاہر ہے۔ سورت برأت میں حکم دیا گیا کہ جو مطلق عہد ہیں، انہیں ختم کیا جائے۔ اور یہ حکم بھی دیا گیا کہ اہل کتاب سے اس وقت تک قتال کیا جائے یہاں تک کہ وہ جزیہ ادا کردیں۔ پس اس بنا پر دوسرے کفار اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ ان کے ساتھ جنگ لڑی جائے اور کوئی معاہدہ [بلا جزیہ] نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا﴾ [التوبة۵]

''پھر حرمت والے مہینوں کے گزرتے ہی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو انہیں گرفتار کرو ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھاٹی میں جا بیٹھو؛ ہاں اگر وہ توبہ کرلیں۔''

یہاں پر فرمایا: ''ہاں اگر وہ توبہ کرلیں۔'' یہ نہیں فرمایا کہ ان سے اس وقت تک کے لیے قتال کرو یہاں تک کہ وہ توبہ کرلیں۔

❀ رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ: ''مجھے اس وقت تک کے لیے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا إلہ إلا اللہ کا اقرار کرلیں'' یہ اپنی جگہ پر حق ہے۔ جو بھی انسان اس کلمہ کا اقرار کرلے تو اس سے فوری طور پر کوئی جنگ نہیں کی جائے گی۔ اور جو کوئی اس کا اقرار نہ کرے اس سے قتال کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ ادا کردے۔ اس باب میں امام احمد رحمہ اللہ سے صریح نصوص وارد ہوئی ہیں۔ اور دوسرا قول جو امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے؛ اور جس کا ذکر علامہ خرقی رحمہ اللہ نے ''المختصر'' میں کیا ہے: اس پر امام احمد رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے ایک گروہ نے موافقت ظاہر کی ہے۔

❀ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آیت سورت برأت کے الفاظ نصاری کے ساتھ خاص ہیں۔ اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ حکم یہود اور مجوس کو بھی شامل ہے۔

---

[1] في الموطأ 1/278 (كتاب الزكاة، باب جزية أهل الكتاب والمجوس) حدیث نمبر 41 میں ہے: ابن شہاب سے روایت ہے کہ پہنچا مجھ کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ لیا بحرین کے مجوس سے اور عمر بن خطاب نے جزیہ لیا فارس کے مجوس سے اور عثمان بن عفان نے جزیہ لیا بربر سے۔ اور اس سے اگلی روایت میں ہے: امام محمد بن باقر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے ذکر کیا مجوس کا اور کہا کہ میں نہیں جانتا کہ ان کے بارے میں کیا کروں؟ تو عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "سنوا بهم سنة أهل الكتاب۔" ''ان سے وہ طریقہ برتو جو اہل کتاب سے برتتے ہو۔'' نیز دیکھیں: صحيح البخاري كتاب الجزية، باب الجزية و الموادعة مع أهل الحرب۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



❀ یہاں پر یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ شروع اسلام میں معاملہ اس بات پر منحصر نہیں تھا کہ مسلمان ان سے جنگ کریں یا وہ اسلام لائیں۔ اس لیے کہ اس وقت ایک تیسری حالت تھی یعنی کہ ان سے معاہدے کرنا۔ جب آیت جزیہ نازل ہوئی تو اس وقت سے ان کیساتھ جنگ کرنا یا پھر ان کا اسلام لانا ضروری ہوگیا۔ پس اس وقت یہ لوگ یا تو برسکار پیکار ہوگئے یا پھر مسلمان ہوگئے۔ یہ نہیں کہا: تم ان سے جنگ کرو گے یا پھر وہ اسلام لائینگے۔ اگر ایسا فرمایا گیا ہوتا تو پھر ان کے مسلمان ہونے تک ان سے جنگ کرنا واجب ہوجاتا۔ جب کہ اب معاملہ ایسے نہیں۔ بلکہ جب بھی وہ لوگ جزیہ ادا کردیں تو ان سے کوئی جنگ نہیں کی جائے گی۔ جن لوگوں کے متعلق زیر بحث آیت میں بیان ہوا ہے؛ وہ یا تو جنگ کریں گے یا پھر اسلام لائیں گے۔ اور بغیر جنگ کے وہ جزیہ بھی ادا نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ وہ طاقتور لڑاکے ہیں۔ اور ان کے ساتھ بغیر جزیہ کے جنگ بندی کرنا بھی جائز نہیں۔

❀ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی اپنی خلافت کے دور میں ان لوگوں کے ساتھ جہاد کیا اور اہل شام و عراق اور اہل مغرب پر جزیہ نافذ کیا گیا۔ ان لوگوں سے سب سے زیادہ سخت جنگیں اور معرکے ان حضرات کے دور خلافت میں پیش آئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر ان لوگوں سے جنگ نہیں کی۔ غزوہ مؤتہ کے موقعہ پر اہل شام غالب رہے، اس موقعہ پر حضرت زید، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم اجمعین شہید ہوگئے۔ ان کے بعد اسلامی پرچم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سنبھال لیا۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس موقعہ پر باقی مسلمان بچ کر نکل گئے۔

جب کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ہم ان سے قتال کریں گے یا پھر وہ اسلام قبول کرلیں گے۔ یہ تینوں خلفاء راشدین کی صفت ہے۔ پس اس آیت کا غزوہ مؤتہ کے ساتھ خاص ہونا اور اہل عراق و شام، مصر و مغرب اور خراسان کا اس سے خارج ہونا ممتنع ہے؛ یہی تو وہ معرکے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطاء فرمایا؛ ہدایت غالب آئی اور زمین کے مشرق و مغرب میں اسلام کو سربلندی و عظمت نصیب ہوئی۔

لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ: اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ جہاد پر بلانے والے ہر امیر کے ساتھ جہاد کیا جائے گا خواہ وہ امیر نیک ہو یا بدکردار و فاجر۔ اس لیے کہ اس حدیث میں کہیں بھی یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ امام عادل ہی ہوگا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: ''یہ چیز اہل سنت والجماعت کے لیے فائدہ مند ہے۔ اس لیے کہ رافضی صرف امام معصوم کے ساتھ مل کر ہی جہاد کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی دوسرا معصوم نہیں۔ جب کہ یہ آیت رافضیوں پر حجت ہے کہ تمام امراء کے ساتھ مل کر دشمن سے جہاد کرنا واجب ہے۔ جب یہ مسئلہ ثابت ہوگیا تو حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان لوگوں میں سب سے افضل تھے جنہوں نے کفار سے جہاد کیا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



پھر یہ بات بھی محال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن لوگوں کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے وہ سبھی ظالم و سرکش اور باغی قسم کے لوگ ہوں۔ اور ان کی اطاعت کسی بھی چیز میں واجب نہ ہوتی ہو۔ یہ بات قرآن کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت پر اچھے اجر کا وعدہ کیا ہے۔ اور اپنی اطاعت سے روگردانی کرنے والوں کو دردناک عذاب سے ڈرایا ہے۔

اس آیت سے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے عادل ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے صرف دعوت جہاد دینے پر اطاعت کرنے والوں کے لیے بہترین اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ اور ان کے حکم سے روگردانی کرنے والے کو بھی پہلے والوں کی طرح دردناک عذاب کا مستحق ٹھہرایا ہے۔

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ جہاد کرنے والا امیر جب فاسق و فاجر ہو تو پھر اس کی اطاعت مطلق طور پر واجب نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کے احکام میں کی جائے گی۔ اور اس کے احکام سے روگردانی کرنے والا ایسے نہیں ہوسکتا جیسے اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے روگردانی کرنے والا۔ بخلاف ان لوگوں کے جو خلفاء راشدین کی اطاعت سے روگردانی کرنے والے ہیں۔ ان کے احکام سے منہ موڑنے والا ایسے ہی ہے جیسے اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے منہ موڑنے والا۔ اس لیے کہ خلفاء راشدین کے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق ہی ہوا کرتے تھے۔

خلاصہ کلام! اس موقعہ پر اس جملہ سے استدلال کرنا انتہائی دقیق امر ہے۔ اس کی یہاں پر ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ اس کے علاوہ دیگر اتنے دلائل ہیں جو ہمارے موقف کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

## [زیر تبصرہ آیت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ]:

**[اشکال]**: رافضی مصنف نے کہا ہے: اور یہ بھی جائز ہوسکتا ہے کہ: یہ داعی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوں۔ اس لیے کہ آپ نے عہد توڑنے والوں اور نافرمانوں اور دین سے خروج کرنے والوں سے جہاد کیا۔ یعنی اہل جمل و صفین و حروریہ اور خوارج۔ [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]**: رافضی کا یہ دعوی کئی وجوہات کی بنا پر باطل ہے:

پہلی وجہ:...... یہ لوگ کسی بھی طرح اپنی ہی جنس کے لوگوں سے زیادہ سخت جنگجو ہرگز نہیں تھے۔ بلکہ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ جن لوگوں سے جمل کے دن واسطہ پڑا وہ آپ کے لشکر کی نسبت بہت کم تھے۔ اور آپ کا لشکر ان کے کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ ایسے ہی خوارج کی نسبت آپ کا لشکر کئی گنا زیادہ تھا۔ ایسے ہی اہل صفین سے بھی آپ کا لشکر بڑھ کر تھا۔ اور ان لوگوں کا تعلق ان ہی کی ایک ہی جنس سے تھا۔ سخت جنگجو ہونا ان کا وصف ہرگز نہیں ہوسکتا؛ جس کی بنا پر انہیں دوسروں سے جدا کیا جاسکتا ہو۔

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ بنوحنیفہ اور اہل فارس و روم ان لوگوں سے کئی درجہ زیادہ سخت جنگجو اور لڑاکے تھے اور اصحاب

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خوارج کی طرف سے وہ مشکلات اور تکلیف نہیں اٹھانی پڑی جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اصحاب کو مسیلمہ کذاب کے لشکر کی طرف اٹھانا پڑی تھیں۔ روم اور فارس کے متعلق تو کوئی عاقل شک کر ہی نہیں سکتا کہ ان سے جنگ کرنا عرب مسلمانوں کے برسر پیکار ہونے کی نسبت بہت زیادہ سخت تھا۔ اگرچہ شروع میں عرب مسلمانوں نے جو عرب کفار سے جہاد کیا وہ بہت ہی افضل اور عظیم الشان تھا۔ اس لیے کہ اس وقت مسلمان تھوڑی تعداد میں اور کمزور تھے؛ اس لیے نہیں کہ ان کا دشمن اہل فارس و روم کی نسبت بہت سخت جنگجو تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ [آل عمران ۱۲۳]

''اور بلاشبہ یقیناً اللہ نے بدر میں تمھاری مدد کی، جب کہ تم نہایت کمزور تھے۔''

ان لوگوں کو باہم جمع کرنے والی چیز دعوت اسلام اور مجانست تھی۔ پس ان کے مابین جنگ کی وجہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جیسے اہل فارس و روم اور مجوس عرب اور نصاریٰ کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ کی وجہ تھی۔ یہ لوگ عرب مسلمانوں کو اپنے سب سے کمزور پڑوسی اور رعایا گمان کرتے تھے۔ اور انہیں انتہائی حقیر سمجھتے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ان لوگوں کے سامنے ایسے ثابت قدم نہ رکھتے اور تائید سے نہ نوازتے جیسا کہ اس سے پہلے انبیاء اور اہل ایمان کی نصرت کی جاتی رہی ہے؛ تو یہ عرب مسلمان ان اہل فارس و روم کے سامنے ٹک نہ پاتے' اور نہ ہی ان کے ملک اور شہر فتح کر سکتے۔ ان کے پاس فوجی تعداد بہت زیادہ تھی' اور بے پناہ اسلحہ اور قوت بھی حاصل تھی۔ لیکن اہل ایمان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے قوت ایمانی سے نوازا ہوا تھا جو صرف ان لوگوں کے ساتھ ہی خاص تھی۔

دوسری وجہ:...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دور دراز کے لوگوں کو اہل جمل اور خوارج کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نہیں بلایا تھا۔ جب آپ بصرہ تشریف لائے تو آپ کے دل میں کسی سے جنگ کرنے کا کوئی خیال نہیں تھا۔ بلکہ جنگ جمل حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے مابین غیر اختیار اور غیر ارادی طور پر پیش آئی۔ جب کہ خوارج کے لیے آپ کے لشکر کا کچھ حصہ ہی کافی تھا۔ آپ نے حجاز کے اعراب میں سے کسی ایک کو ان جنگوں میں شرکت کرنے کے لیے نہیں بلایا۔

تیسری وجہ:...... اگر اس بات کو مان لیا جائے کہ ان لوگوں سے جنگیں لڑنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت واجب تھی؛ تو یہ بات ممتنع ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے کی اطاعت واجب کر دے جو نمازیوں کو صرف اس بنا پر قتل کر رہا ہو کہ وہ اس کی اطاعت میں داخل ہو جائیں؛ اور ایسے لوگوں کی اطاعت کا حکم نہ دے جو کفار سے اس لیے جنگ لڑ رہے ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں۔

یہ بات معلوم شدہ ہے کہ: جو انسان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے نکل جائے وہ اس انسان کی نسبت اللہ اور اس کے رسول پر ایمان سے دور نہیں ہو سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن حکیم کی تکذیب کرتا ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات میں سے کسی بھی چیز کا اقرار نہ کرتا ہو۔ بلکہ ان لوگوں کا گناہ بہت بڑا ہے' اور انہیں اسلام کی دعوت پیش کرنا

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اوران سے قتال کرنا افضل ہے۔ اگر فرض کرلیا جائے کہ جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی وہ کافر تھے؛ تو اگر یہ کہا جائے کہ: وہ مرتد تھے؛ جیسا کہ روافض کا عقیدہ ہے۔

❀ تو یہ سبھی جانتے ہیں کہ جو مرتد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو رسول مانتا ہوں جیسے مسیلمہ کذاب اور اس کے ہمنوا؛ تو یہ لوگ ان کی نسبت بڑے مرتد تھے جو امام کی اطاعت کا اقرار نہیں کرتے تھے؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے۔ بہر حال کچھ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والوں کا کوئی بھی گناہ ذکر نہیں کیا جا سکتا مگر جن لوگوں نے اس سے قبل خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے قتال کیا ان کا گناہ اس سے بڑھ کر تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر لڑنے والوں کے لیے کوئی فضیلت اور ثواب بھی ذکر کیا جائے تو وہی اجر و ثواب اس سے بڑھ کر ان لوگوں کے لیے ہوگا جنہوں نے حضرات خلفاء ثلاثہ کے ساتھ مل کر جنگیں لڑیں۔

❀ یہ اس صورت میں ہوگا جب یہ فرض کرلیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ لڑنے والے کافر تھے۔ لیکن سبھی لوگ جانتے ہیں کہ یہ قول باطل ہے۔ یہ بات صرف ردی قسم کے شیعہ ہی کہہ سکتے ہیں [کوئی دوسرا نہیں]؛ ان کے اہل عقل لوگ ایسی بات نہیں کہتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے تواتر کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ آپ ان لوگوں کو کافر نہیں کہتے تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگیں لڑیں۔ یہ تمام باتیں اس وقت ہوسکتی ہیں جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ قتال مامور بہ تھا۔ اور یہ تسلیم کیا جانا کیسے ممکن ہوسکتا ہے جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد علماء کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف مشہور و معروف ہے کہ کیا یہ جنگیں اہل بغاوت کے ساتھ جنگیں تھیں کہ جب ان کی شرائط پائی جائیں تو جنگ لڑنا واجب ہوجاتا ہے۔ یا پھر موجب قتال شروط کے انتفاء کی وجہ سے بغاوت کی جنگیں نہیں تھیں۔ اور یہ کہ ان جنگوں میں داخل ہونے سے بہتر و افضل یہ تھا کہ انسان ان سے بچ کر اور دور رہے۔ اور بعض علماء کرام نے انہیں فتنہ کی جنگیں شمار کیا ہے۔ جمہور محدثین اور جمہور ائمہ وفقہاء رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ: باغیوں سے جنگ کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک وہ خود جنگ نہ چھیڑ دیں۔ قدوری میں ایسے ہی ذکر کیا گیا ہے۔ اہل صفین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ نہیں چھیڑی تھی۔

ایسے ہی مدینہ؛ شام؛ بصرہ؛ کے بڑے بڑے فقہاء اور بڑے بڑے فقہاء حدیث جیسے امام مالک ' ایوب ' اوزاعی ' اور امام احمد رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے کہ یہ جنگیں مامور بہ نہیں تھیں۔ اور ان سے ہاتھ کھینچ لینا جنگ لڑنے سے بہتر تھا۔ جمہور ائمہ اہل سنت والجماعت کا یہی قول ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ بخلاف حروریہ اور خوارج اور اہل نہروان کے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشہور سنت و احادیث کی روشنی میں ان لوگوں سے جنگ کرنا واجب تھا۔ اس پر صحابہ کرام اور ائمہ اہل سنت کا اتفاق ہے۔

❀ صحیحین میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے قلعوں میں سے ایک قلعہ پر چڑھے اور پھر ارشاد فرمایا: ''کیا تم وہ دیکھ رہے ہو جو

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں کی جگہوں میں فتنے ایسے گر رہے ہیں جیسے بارش کے قطرات گرتے ہیں۔'' ❶

❀ سنن میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عنقریب ایک فتنہ ہوگا جو عرب کو گھیر لے گا، اس کے مقتولین جہنم میں جائیں گے اور اس میں زبان کا استعمال تلوار کے استعمال سے زیادہ سخت ہوگا۔'' ❷

❀ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عنقریب ایک اندھا، بہرا، گونگا فتنہ ہوگا پس جو اس کی طرف توجہ کرے گا وہ اس کے نزدیک ہوجائے گا اور زبان کو اس کی طرف متوجہ کرنا ایسا ہے جیسے تلوار سے اس میں شریک ہونا۔'' ❸

❀ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''ایک رات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ:'' سبحان اللہ! آج رات کس قدر فتنے نازل کیے گئے ہیں اور کس قدر خزانے کھولے گئے ہیں۔'' ❹

❀ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

''عنقریب فتنے ہوں گے ان میں بیٹھنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے افضل ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا اور جو آدمی گردن اٹھا کر انہیں دیکھے گا تو وہ اسے ہلاک کردیں گے اور جسے ان میں کوئی پناہ کی جگہ مل جائے تو چاہیے کہ وہ پناہ لے لے۔'' ❺

❀ صحیحین میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت موجود ہے؛ اس میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''[عنقریب فتنے برپا ہوں گے۔ آگاہ رہو پھر فتنے ہوں گے۔ ان میں بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا ان کی طرف دوڑنے والے سے بہتر ہوگا آگاہ رہو] جب یہ فتنے نازل ہوں یا واقع ہوں تو جس کے پاس اونٹ ہوں وہ اپنے اونٹوں کے ساتھ ہی لگا رہے اور جس کی زمین ہو وہ اپنی زمین سے ہی چمٹا رہے۔''

ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں جس کے پاس نہ اونٹ ہوں اور نہ بکریاں نہ ہی زمین۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ اپنی تلوار لے کر اس کی دھار پتھر کے ساتھ رگڑ کر کند اور ناکارہ کردے۔ پھر اگر وہ نجات حاصل کرنے کی

---

❶ صحیح بخاری:ج1:ح1773 ❷ سنن ابوداؤد:ج3:ح873۔
❸ سنن ابوداؤد:ج3:ح872۔ ❹ صحیح بخاری:ج1:ح116
❺ صحیح بخاری:ج3:ح1974۔صحیح مسلم:ج3:ح2748۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



طاقت رکھتا ہو تو نجات حاصل کرے۔ اے اللہ میں نے تیرا حکم پہنچا دیا؛ اے اللہ میں نے تیرا حکم پہنچا دیا۔''

ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں: ''اگر مجھے ناپسندیدگی اور ناگواری کے باوجود ان دونوں صفوں میں سے ایک صف یا ایک گروپ میں کھڑا کر دیا جائے پھر کوئی آدمی اپنی تلوار سے مجھے مار دے یا کوئی تیری میری طرف آ جائے؛ جو مجھے قتل کر ڈالے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ آدمی اپنے گناہ اور تیرے گناہ کے ساتھ لوٹے گا اور دوزخ والوں میں سے ہوگا۔''❶

❀ ان احادیث کی طرح دیگر روایات بھی حضرت سعد بن ابی وقاص اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے معروف ہیں اور صحابہ کرام میں رضی اللہ عنہم میں سے جن لوگوں نے یہ احادیث روایت کی ہیں ان میں سعد بن ابی وقاص' حضرت ابوبکرہ؛ اسامہ بن زید؛ محمد بن مسلمہ؛ ابو ہریرہ؛ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ یہ حضرات جنگ جمل اور صفین کو فتنہ کی جنگیں قرار دیتے ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے: اسلام میں فتنہ کی یہ پہلی جنگیں تھیں۔ یہ لوگ ان لڑائیوں میں شریک نہیں ہوئے۔ اور اپنے ماننے والے دوسرے لوگوں کو بھی جنگ میں شرکت سے منع کرتے رہے۔ یہ روایات مشہور و معروف ہیں۔

❀ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جن لوگوں نے جنگیں لڑیں وہ اپنے حق میں کتاب و سنت سے کوئی ایسی مضبوط دلیل پیش نہیں کر سکے جس کی روشنی میں ان جنگوں میں لڑنا واجب ہو۔ بلکہ انہوں نے اقرار کیا تھا کہ یہ لڑائیاں ان کی رائے تھی۔ جیسا کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی خبر دی ہے۔ ان دونوں لشکروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اس لحاظ سے جو لوگ آپ سے فروتر مرتبہ کے تھے؛ وہ اتباع کے زیادہ حقدار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی کبھار ان جنگوں پر اپنی ناپسندیدگی اور نفرت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ خوارج کے ساتھ جنگوں کے برعکس آپ کے پاس ان لڑائیوں کے حق میں کوئی شرعی دلیل موجود نہیں تھی جس کی بنا پر آپ خوشی و سرور کا اظہار کر سکیں۔ جب کہ خوارج کی جنگوں پر آپ اپنی خوشی و سرور اور رضامندی کا اظہار کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگیں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی جنگیں تھیں جن سے وہ اللہ تعالیٰ کا قربت حاصل کرتے تھے۔ اس لیے کہ ایسی نصوص نبویہ اور ادلہ شرعیہ موجود ہیں جن کی روشنی میں ان لوگوں سے لڑنا واجب تھا۔

صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

''مسلمانوں کی تفرقہ بندی کے وقت ایک فرقہ کا ظہور ہوگا' اور ان دو گروہوں میں سے ان کو وہ لوگ قتل کریں گے جو حق کے زیادہ قریب ہوں گے۔''❷

---

❶ صحیح مسلم:ج3:ح2751

❷ مسلم ۲/ ۷۴۵؛ سنن ابو داؤد ٤/ ۳۰۰.

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''آپ نے ایک قوم کا ذکر کیا جو لوگ آپ کی امت میں سے نکلیں گے ؛اورانہیں وہ گروہ قتل کرے گا جو حق کے زیادہ قریب ہوگا۔ان کی نشانی سر منڈوانا ہوگا۔یہ سب سے بری مخلوق ہوں گے۔ یا سب سے بری مخلوق میں سے ہوں گے۔'' حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''اے اہل عراق! وہ تم لوگ ہو۔''

بخاری کے الفاظ ہیں: ''مشرق کی طرف سے کچھ لوگ نکلیں گے؛ وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے تجاوز نہیں کرے گا۔ وہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔ وہ اس وقت تک اسلام میں واپس نہیں پلٹیں گے جب تک تیر کمان میں واپس نہ آجائے۔''[1]

صحیحین میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے: ''ایک قوم میری امت سے نکلے گی وہ قرآن اس طرح پڑھیں گے کہ تم ان کی قرات سے مقابلہ نہ کرسکو گے اور نہ تمہاری نماز ان کی نماز کا مقابلہ کر سکے گی اور نہ تمہارے روزے ان کے روزوں جیسے ہوں گے وہ قرآن پڑھتے ہوئے گمان کریں گے کہ وہ ان کے لیے مفید ہے حالانکہ وہ ان کے خلاف ہوگا اوران کی نماز ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گی وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے ان سے قتال کرنے والے لشکر کو اگر یہ معلوم ہو جائے جو ان کے لیے نبی کریم کی زبانی ان کے لیے فیصلہ کیا گیا ہے اسی عمل پر بھروسہ کرلیں اور نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک آدمی کے بازو کی بانہہ نہ ہوگی اور اس کے بازو کی نوک عورت کے پستان کی طرح لوتھڑا ہوگی اس پر سفید بال ہوں گے۔''[2]

---

[1] صحیح بخاری: ح:832

[2] بقیہ حدیث اس طرح سے ہے: [پھر اس کے بعد] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام سے مقابلہ کے لیے جاتے ہوئے ان کو چھوڑ جاتے ہو کہ یہ تمہارے پیچھے تمہاری اولادوں اور تمہارے اموال کو نقصان پہنچائیں۔ اللہ کی قسم میں امید کرتا ہوں کہ یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے حرام خون بہایا اوران کے مویشی وغیرہ لوٹ لیے تم اور لوگوں کو چھوڑ دو اور ان کی طرف اللہ کے نام پر چلو۔ سلمہ بن کہیل کہتے ہیں پھر مجھے زید بن وہب نے ایک منزل کے متعلق بیان کیا۔ یہاں تک کہ ہم ایک پل سے گزرے اور جب ہمارا خوارج سے مقابلہ ہوتو عبداللہ بن وہب راسبی انکا سردار تھا۔ اس نے اپنے لشکر سے کہا تیر پھینک دو اور اپنی تلواریں میانوں سے کھینچ لو میں خوف کرتا ہوں کہ تمہارے ساتھ وہی معاملہ نہ ہو جو تمھارے ساتھ حرورا کے دن ہوا تھا تو وہ لوٹے اور انہوں نے نیزوں کو دور پھینک دیا اور تلواروں کو میان سے نکالا۔ لوگوں نے ان سے نیزوں کے ساتھ مقابلہ کیا اور یہ ایک دوسرے پر قتل کیے گئے ہم میں صرف دو آدمی کام آئے علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان میں سے ناقص ہاتھ والے کو تلاش کرو۔ تلاش کرنے پر نہ ملا تو علی رضی اللہ عنہ خود کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ان لوگوں پر آئے جو قتل ہو چکے تھے آپ نے فرمایا ان کو ہٹایا؛ پھر اس کو زمین کے ساتھ ملا ہوا پایا آپ نے اللہ کبر کہہ کر فرمایا اللہ نے سچ فرمایا اور اس کے رسول نے پہنچایا تو پھر عبیدہ سلمانی نے کھڑے ہوکر کہا اے امیر المومنین اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ آپ نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی۔ تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم جس کے سوا کوء معبود نہیں مگر وہی یہاں تک عبیدہ نے تین بار قسم کا مطالبہ کیا اور آپ نے تین بار ہی اس کے لیے قسم کھائی۔ [صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 2460]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



چوتھی وجہ:...... یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ لڑنے کو شامل نہیں۔اس کہ آیت میں فرمایا گیا ہے:

﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ ''تم ان سے جنگ کرتے ہو یا پھر صلح کرتے ہو۔''

یہاں پر دو وصف بیان کیے گئے ہیں جن میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ جن لوگوں کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتال کے لیے بلایا تھا؛ ان میں سے خلقت کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی تھی جنہوں نے آپ سے کوئی جنگ نہیں کی۔ بلکہ یہ لوگ جنگ سے دستبردار رہے۔ نہ ہی انہوں نے آپ سے جنگ کی اور نہ ہی آپ کے ساتھ مل کر جنگ کی۔ یہ لوگ ایک تیسرا گروہ تھے۔جنہوں نے نہ ہی آپ کے ساتھ جنگ کی اور نہ ہی آپ سے سے مل کر۔اور نہ ہی آپ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہوئے۔ یہ سبھی لوگ مسلمان تھے۔ان کے مسلمان ہونے پر کتاب وسنت اوراجماع صحابہ بشمول حضرت علی رضی اللہ عنہ اور باقی لوگوں کے؛ دلائل موجود ہیں۔فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (الحجرات: ۹)

''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا وصف لڑائی و جنگ وجدال کے باوجود مؤمن ہونا بیان کیا ہے۔اور یہ بھی خبر دی ہے کہ یہ سبھی آپس میں بھائی بھائی ہیں۔یہ بھائی چارہ اہل ایمان کے مابین ہی ہوسکتا ہے؛ مؤمن وکافر کے مابین نہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کے متعلق فرمایا:''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔''

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ اور لشکر علی رضی اللہ عنہ کے مابین صلح کروائی۔پس یہ حدیث ان سبھی لوگوں کے اہل ایمان ہونے کی دلیل ہے۔اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے مابین صلح وصفائی کو پسند فرماتے ہیں۔اور یہ کام کرنے والوں کی ثنائے خیر کرتے ہیں۔پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کام حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کیا؛ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مندی کا کام تھا۔

مزید برآں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے نقل متواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے دونوں گروہوں کے متعلق اسلامی احکام کے مطابق فیصلہ کیا تھا۔یہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث بھی بنے تھے؛ اوران کے بچوں کو قیدی بھی نہیں بنایا گیا تھا؛ اور نہ ہی ان کے وہ اموال مال غنیمت بنائے گئے جو وہ معرکہ میں لیکر نہیں آئے تھے۔اور یہ آپس میں ایک دوسرے کی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نماز جنازہ بھی پڑھتے اور ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے۔

یہ بات بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خوارج کے طعن میں سے ایک تھی۔ اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے منادی کرنے والا یوم جمل کے موقع پر یہ نداء لگا رہا تھا: ''آگاہ رہو! کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے۔ اور نہ ہی کسی زخمی کو مارا جائے۔ اور نہ ہی ان کے اموال کو غنیمت بنایا جائے۔ اور نہ ہی ان کے بچوں کو قیدی بنایا جائے۔ نیز آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے بھی بھیجا۔

امام ابونعیم نے صحیح اسناد کے ساتھ سلیمان بن طبرانی سے روایت کیا ہے وہ محمد بن اسحاق بن راہویہ اور علی بن عبد العزیز سے وہ ابوحذیفہ اور عبدالرزاق سے روایت کرتے ہیں؛ یہ دونوں کہتے ہیں: ہم سے عکرمہ بن عمار نے حدیث بیان کی؛ وہ کہتے ہیں: ہم سے ابوزمیل حنفی نے حدیث بیان کی؛ وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں: آپ فرماتے ہیں:

''جب حروریہ ہم سے علیحدہ ہوگئے تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! نماز کو تھوڑا ٹھنڈا کر کے پڑھئے؛ میں ان لوگوں کے پاس جا کر ان سے بات کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: مجھے آپ کے بارے میں ان سے خوف محسوس ہوتا ہے۔ تو میں نے کہا: ان شاء اللہ؛ ہرگز کوئی ایسی بات نہیں ہوگی۔ پھر میں نے بہترین قسم کا یمنی لباس پہنا۔ پھر میں ان کے پاس چلا گیا تو وہ دوپہر کی گرمی میں قیلولہ کر رہے تھے۔ جب میں ان کے پاس گیا تو میں نے کوئی قوم ان سے بڑھ کر عبادت گزار نہیں دیکھی۔ ان کے ہاتھ ایسے تھے جیسے اونٹ کے گھٹنے۔ اور ان کے چہروں پر سجدوں کے آثار نمایاں تھے۔ جب میں ان کے پاس گیا تو کہنے لگے:

اے ابن عباس! خوش آمدید؛ بتایئے کیسے تشریف لائے ہیں؟ میں نے کہا: میں آپ لوگوں سے بات چیت کرنے کے لیے آیا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے سامنے وحی نازل ہوئی؛ وہ تفسیر کے سب سے ماہر لوگ ہیں۔'' ان میں سے بعض لوگ کہنے لگے: اس سے کوئی بات نہ کیجیے؛ اور بعض نے کہا: ہم ضرور آپ سے بات چیت کریں گے۔

آپ فرماتے ہیں: میں نے کہا: ''آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد اور آپ کے داماد سے کس بات کا انتقام لے رہے ہیں؛ حالانکہ آپ سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ اور آپ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی موجود ہیں۔

حروریہ کہنے لگے: ہم آپ سے تین باتوں کی وجہ سے ناراض ہیں۔ میں نے کہا: وہ کون سی تین باتیں ہیں؟

کہنے لگے: پہلی بات: آپ نے اللہ کے دین میں لوگوں کو حکم [فیصلہ کرنے والے] بنایا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إن الحكم إلا لله﴾ [الانعام ۵۷] ''بیشک حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے؟

میں نے کہا: اس کے علاوہ کوئی بات؟:

کہنے لگے: آپ نے قتال کیا؛ مگر نہ ہی قیدی بنائے اور نہ ہی مال غنیمت حاصل کیا۔ اگر وہ لوگ کافر تھے تو پھر

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ان کا مال حلال تھا۔ اور اگر اہل ایمان تھے تو پھر ان کا خون حرام تھا۔

میں نے کہا: اس کے علاوہ کوئی بات؟:

کہنے لگے: آپ نے اپنے نام سے امیر المؤمنین کا لقب مٹا دیا۔ اگر آپ امیر المؤمنین نہیں ہیں تو پھر امیر الکافرین ہوئے۔

میں نے کہا: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اگر میں تمہیں کتاب اللہ کی محکم آیات پڑھ کر سناؤں اور نبی کریم ﷺ کی ایسی سنت تمہارے سامنے بیان کروں تو کیا تم اپنے موقف سے رجوع کر لو گے؟ کہنے لگے: ہاں۔

میں نے کہا: تمہارا یہ اعتراض کہ: آپ نے افراد کو اللہ کے دین میں حکم بنایا ہے؛ تو بیشک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ [المائدہ ۹۵]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شکار کو مت قتل کرو، اس حال میں کہ تم احرام والے ہو اور تم میں سے جو اسے جان بوجھ کر قتل کرے تو چوپاؤں میں سے اس کی مثل بدلہ ہے جو اس نے قتل کیا، جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے کریں۔''

اور بیوی اور شوہر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ [النساء ۳۵]

''اور اگر ان دونوں کے درمیان مخالفت سے ڈرو تو ایک منصف مرد کے گھر والوں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں سے مقرر کرو۔''

پس میں تمہیں اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں: کیا لوگوں کے خون محفوظ کرنے اور ان کے مابین صلح کروانے کے لیے انسانوں کو حاکم و فیصل بنانا یہ زیادہ مناسب ہے یا خرگوش کے شکار میں جس کی قیمت ایک چوتھائی درہم ہی ہو سکتی ہے؟ تو کہنے لگے: لوگوں کے خون محفوظ کرنے اور ان کے مابین اصلاح کرانے میں۔

تو آپ نے فرمایا: پس کیا ایک مسئلہ سے نکل گئے؟ تو کہنے لگے: ہاں۔

رہا تمہارا یہ کہنا کہ: آپ نے جنگ لڑی؛ نہ ہی کسی کو قیدی بنایا اور نہ ہی کوئی مال غنیمت جمع کیا۔ تو کیا تم اپنی ماں کو قیدی بناتے اور پھر ان کے ساتھ وہی کچھ حلال سمجھتے جو ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے حلال سمجھتے ہو تو پھر تم اس سے کافر ہو جاتے۔ اور اگر تم یہ کہو کہ: وہ تمہاری ماں نہیں ہیں' تو تم کتاب اللہ کا انکار کرتے ہوئے اسلام سے نکل جاؤ گے۔'' بیشک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ [الأحزاب ٦]

''پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور آپ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔''

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اب تم لوگ دو گمراہیوں کے درمیان متردد ہو۔ ان میں سے جس کو چاہو تم اختیار کر لو۔ کیا ہم اس مسئلہ سے بھی نکل گئے؟ کہنے لگے: اللہ گواہ! ہاں درست ہے۔

پھر فرمایا: ''تمہارا یہ کہنا کہ اپنے نام سے امیر المؤمنین کا لقب مٹا دیا۔ بیشک رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر قریش کو دعوت دی کہ ان کے مابین صلح نامہ لکھا جائے۔ تو آپ نے فرمایا: ''لکھو: یہ وہ تحریر ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا۔'' تو قریش کہنے لگے: اللہ کی قسم! اگر ہم یہ جانتے ہوتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ جانے سے نہ روکتے اور نہ ہی آپ کیساتھ جنگ کرتے۔ لیکن یوں لکھو: محمد بن عبداللہ۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں' اگرچہ تم مجھے جھٹلاتے ہی رہو۔ اے علی! لکھو: محمد بن عبداللہ۔'' اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔'' کیا ہم اس مسئلہ سے بھی نکل گئے؟ کہنے لگے: اللہ قسم! ضرور۔ پس ان میں سے بیس ہزار لوگ واپس آگئے اور چار ہزار اپنی ضد پر قائم رہے جو کہ قتل کر دیے گئے۔''

رافضی مصنف اور اس جیسے دوسرے شیعہ کا ان لوگوں کو کافر کہنا؛ اور ان حضرات کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی طرف رجوع کرنے کو اسلام قرار دینا؛ اس لیے کہ ان کے گمان کے مطابق رسول للہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے: ''اے علی! تیرے ساتھ جنگ میرے ساتھ جنگ ہے۔''

اس کے جواب میں کہا جائے گا: ''بڑی ہی عجیب بات ہے۔ اور ان پر بہت بڑی مصیبت یہ ہے کہ رافضی مصنف اور جیسے دیگر خسیس لوگ اس عظیم اصول کو ثابت کر سکیں۔ اس لیے کہ رافضی کی پیش کردہ حدیث ایک من گھڑت روایت ہے جس کا حدیث کی معتمد کتابوں میں کہیں نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ نہ ہی صحاح میں' نہ ہی سنن میں اور نہ ہی مسانید و فوائد میں۔ اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی دوسری ایسی کتاب میں جن سے محدثین روایات نقل کرتے ہیں۔ اور ان کے مابین وہ کتب رائج ہیں۔ اور محدثین کے ہاں یہ روایت نہ ہی صحیح نہ ہی حسن اور نہ ہی ضعیف۔ بلکہ یہ ایک گروی ہوئی روایت ہے [جسے رافضی ٹولہ نے گھڑ لیا ہے]۔ اور اس کا من گھڑت ہونا صاف واضح ہے۔ اس لیے کہ یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے منقول اس مشہور و متواتر سنت کے خلاف ہے جس میں آپ نے دونوں گروہوں کو مسلمان قرار دیا تھا۔ اور یہ کہ اس فتنہ کے دور میں جنگوں میں شرکت کرنے سے دستبرداری اختیار کرنے کو آپ نے بہتر بتایا تھا۔ اور اس صورتحال میں دو گروہوں کے مابین صلح کروانے والے کی تعریف کی تھی۔ اگر ان دو گروہوں میں سے کوئی ایک دین اسلام سے مرتد ہوتا تو یقیناً وہ گروہ یہود و نصاری سے بڑے کافر ہوتے جو کہ کسی قدر اپنے دین پر باقی ہیں۔ اور وہ قتل کیے جانے کے سب سے بڑے مستحق ہوتے۔ جیسا کہ مسیلمہ کذاب کے مرتد ساتھی قتل کیے جانے کے مستحق تھے؛ جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر سبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قتال کیا' اور ان کے ساتھ جنگیں لڑنے پر ان کا اتفاق تھا۔ بلکہ انہوں نے ان لوگوں کے بچے اور خواتین قیدی بنائے۔ ان ہی میں سے ایک لونڈی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی جس سے آپ کا مشہور نیکو کار

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بیٹا حضرت محمد بن حنفیہ پیدا ہوا۔

## جہاد سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فرار؟:

**[اعتراض]**: رافضی مصنف نے کہا ہے: ''بدر کے موقع پر جھونپڑے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے میں کوئی فضیلت نہیں۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس نے آپ کو دیگر ہر مونس و غمخوار سے بے نیاز کر دیا تھا۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اگر آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جنگ لڑنے کا حکم دیں گے تو اس سے فساد پیدا ہوگا؛ اس لیے کہ آپ اس سے پہلے کئی بار غزوات میں بھاگ چکے تھے۔ پس یہ دیکھنا چاہیے کہ کون سا انسان افضل ہے جو جہاد سے بیٹھا رہے یا پھر وہ شخص جو اپنے مال و جان سے جہاد فی سبیل اللہ کرے۔'' [انتہیٰ کلام الرافضی]

**[جواب]**: اس رافضی کا بیان کھلا ہوا جھوٹ اور کئی وجوہات کی بنا پر محض باطل ہے:

## غزوۂ بدر سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرار کا واقعہ؟:

شیعہ مصنف کا یہ بیان: ''کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ متعدد مرتبہ غزوات سے بھاگ گئے تھے۔''

ہم کہتے ہیں: [رافضی کا یہ دعویٰ محض کذب، دروغ اور فریب دہی پر مبنی ہے]۔ اور ایسی بات وہی انسان کہہ سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و احوال سے سب سے بڑا جاہل ہو۔ روافض کی جہالت کوئی اچھوتی چیز نہیں۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے سب سے بڑے جاہل؛ جھوٹ کی تصدیق کرنے والے اور حق بات کی تکذیب کرنے والے روافض ہی تو ہوتے ہیں۔

غزوۂ بدر اسلام کا سب سے پہلا معرکہ ہے؛ اس سے پہلے کفار کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوئی لڑائی نہیں لڑی۔ جن غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کیا؛ ان کی تعداد نو ہے: بدر، اُحد، خندق؛ بنی مصطلق؛ غزوہ ذی قرد ؛ خیبر، فتح مکہ؛ حنین اور طائف۔ جب کہ وہ غزوات جن میں قتال کی نوبت نہیں آئی ان کی تعداد پندرہ بنتی ہے۔ جب کہ سرایا میں سے بعض ایسے تھے جن میں قتال ہوا اور بعض میں کوئی قتال نہیں ہوا۔

بہر حال جو بھی ہو؛ غزوہ بدر پہلا معرکہ تھا جس میں قتال کی نوبت پیش آئی؛ اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ یہ ایسا عام علمی پہلو ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے باخبر ہر انسان: محدث و مفسر، سیرت نگار و فقیہ؛ مغازی نگار و مؤرخ ہر ایک جانتا ہے کہ غزوہ بدر وہ پہلا معرکہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کیا۔ اس سے پہلے قتال کی نوبت پیش نہیں آئی۔ اس سے پہلے کسی غزوہ یا سریہ میں قتال کی نوبت نہیں آئی؛ سوائے ابن حضرمی کے قصہ کے۔ اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شریک نہیں تھے۔ تو پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ: آپ اس سے پہلے کئی بار غزوات سے بھاگ چکے تھے؟

دوسری وجہ:...... یہ حقیقت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی لڑائی سے نہیں بھاگے تھے۔ غزوۂ احد میں بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ان لوگوں میں تھے جو ثابت قدم رہے تھے۔ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جو لغزش ہوئی تھی؛ اسے اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ [یہ بات بدلیل نص بیان کی جا چکی ہے]۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کسی ایک نے بھی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نہیں کہا کہ آپ پسپا ہونے والوں کے ساتھ پسپا ہوگئے تھے۔ بلکہ آپ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں تھے جو غزوۂ حنین میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے۔ سیرت نگار حضرات نے ایسے ہی بیان کیا ہے۔ لیکن کذابین نے یہ جھوٹ گھڑ لیا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے غزوہ حنین کے موقع پر پرچم اسلام لیا تھا؛ مگر پھر ان کے ہاتھوں پر فتح نہ ہوسکی؛ اس لیے کہ حضرات واپس آگئے۔ اور بعض نے اس میں اس جھوٹ کا بھی اضافہ کردیا ہے کہ اس موقع پر یہ دونوں حضرات بھی پسپا ہونے والوں کے ساتھ پسپا ہوگئے تھے۔ یہ تمام باتیں من گھڑت جھوٹ ہیں۔

اس سے قبل کہ انسان اس دعوی کا جھوٹ ہونا جان لے' یہ جاننا چاہیے کہ جس نے ان حضرات کے خلاف اس قسم کا دعوی کیا ہے وہ اس کا مدعی ہے' اسے چاہیے صحیح اور سچی روایات کی روشنی میں اپنا دعوی ثابت کرے۔ مگر رافضی اس کی راہ ہرگز نہیں پائے گا۔ کوئی ایک بھی ایسی صحیح اور سچی روایت ثابت کردیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی ایک غزوہ میں بھی بھاگے تھے؛ کئی ایک غزوات میں بھاگنا تو بہت دور کی بات ہے۔

تیسری وجہ: ......اگر واقعی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بزدل ہوتے تو نبی کریم ﷺ غزوۂ بدر کے سائبان میں باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو چھوڑ کر آپ کو خصوصی شرف رفاقت سے مشرف نہ کرتے۔ بلکہ ایسے لوگوں کو معرکوں میں لیکر جانا ہی جائز نہیں۔ اس لیے کہ امام کے لیے جائز نہیں کہ وہ معرکہ میں ایسے لوگوں کو ساتھ لیکر جائے جو رسوائی کا سبب بننے والے یا پھر جھوٹی خبریں اڑانے والے ہوں۔ چہ جائے کہ انہیں باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر تقدیم بخشی جائے اور اپنے ساتھ سائبان میں بطور خاص رکھا جائے۔ [1]

چوتھی وجہ:...... بخاری و مسلم میں ثابت شدہ صحیح روایات اس بہتان تراش رافضی کے کذب و دجل کو واضح کرتی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان و یقین اور ثبات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس، حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر کے دن مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور آپ ﷺ کے صحابہ تین سو سترہ تھے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ فرما کر اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور اپنے رب سے پکار پکار کر دعا مانگنا شروع کردی:

''اے اللہ! میرے لیے اپنے کیے ہوئے وعدہ کو پورا فرمایا۔ اے اللہ! اپنے وعدہ کے مطابق عطا فرما۔

---

[1] امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر رافضی مصنف یہ کہتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بزدل تھے اور لڑائیوں سے بھاگ جایا کرتے تھے۔ نیز وہ مفلس و قلاش تھے؛ درزی تھے، ان کی پشت پناہی کے لیے کوئی قبیلہ نہ تھا' ان کا خاندان بنی عبد مناف اور بنو مخزوم کی طرح معزز نہ تھا' اور ان کے خدم و حشم نہ تھے۔'' ہم پوچھتے ہیں کہ سابقین اوّلین نے کس کے سامنے گردن تسلیم خم کی اور اسے خلیفہ رسول کہہ کر پکارا؟ آخر نص شرعی کے سوا کون سی چیز ان کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے جھکنے پر مجبور کرسکتی تھی۔ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ سب امت میں افضل نہ ہوتے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یوں نہ فرماتے: ''اللہ کی قسم! جس قوم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا شخص موجود ہو، مجھے اس کا امیر مقرر کرنے سے بہتر ہے کہ مجھے تہ تیغ کردیا جائے۔ [صحیح بخاری]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اے اللہ! اگر اہل اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے گی۔''

آپ ﷺ برابر اپنے رب سے ہاتھ دراز کیے قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر مبارک آپ کے شانہ سے گر پڑی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے؛ آپ ﷺ کی چادر کو اٹھایا اور اسے آپ کے کندھے پر ڈالا پھر آپ ﷺ کے پیچھے سے آپ سے لپٹ گئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی آپ کی اپنے رب سے دعا کافی ہوچکی عنقریب وہ آپ ﷺ سے اپنے کیے ہوئے وعدے کو پورا کرے گا۔'' تب اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ﴾ [الأنفال ۹]

''جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کی۔''[1] [اور پوری حدیث بیان کی]

پانچویں وجہ:...... یہ کہا جائے گا: جو انسان بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیرت سے آگاہ ہے' وہ جانتا ہے کہ آپ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے مضبوط دل کے مالک تھے۔ان میں سے کوئی ایک بھی آپ کے قریب بھی نہیں پہنچتا تھا۔ کیونکہ جب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا اس وقت سے لیکر دم وفات تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ثابت قدم بہادر مجاہد اور پیش پیش رہے۔کبھی بھی آپ کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ دشمن کے مقابلہ میں آپ نے کوئی بزدلی یا کمزوری دیکھائی ہو۔ بلکہ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو اس وقت اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل کمزور ہوگئے تھے۔ان حالات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے جو لوگوں کو ثابت قدم رہنے کی تلقین فرما رہے تھے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔یہ حقیقت ہے کہ ہم لومڑی کی طرح بزدل ہوگئے تھے آپ کی حوصلہ افزائی نے ہمیں شیر بنا دیا۔''

یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا تھا: ''اے نائب رسول اللہ! لوگوں پر رحم کیجیے۔''

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی داڑھی پکڑ لی اور کہا: اے ابن خطاب! جاہلیت میں تو بڑے سخت اور اسلام میں یہ خواری دیکھا رہے ہو۔اور میں ''کس بات پر رحم کروں آیا کسی جھوٹی بات پر یا کسی خود ساختہ شعر پر۔''

چھٹی وجہ:...... رافضی کا یہ کہنا کہ: ''کون سا انسان افضل ہے جو جہاد سے بیٹھا رہے یا پھر وہ شخص جو اپنے مال و جان سے جہاد فی سبیل اللہ کرے۔''

تو اس کا جواب یہ ہے: بلکہ اس حال میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور رہنا افضل ترین جہاد ہے۔اس لیے کہ دشمن کا اصل ہدف آپ ﷺ کی ذات گرامی تھی۔لشکر کا ایک تہائی حصہ رسول اللہ ﷺ کے گرد آپ کی حفاظت پر مامور تھا اور ایک تہائی حصہ بھاگنے والے دشمنان کا پیچھا کر رہا تھا۔اور ایک تہائی حصہ کے لوگ مال غنیمت جمع کر رہے

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الجهاد۔ باب الامداد بالملائكة فی غزوة بدر (حدیث: ۱۷۶۳)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ اموال ان تمام لوگوں کے مابین تقسیم کیے گئے۔

ساتویں وجہ:...... رافضی مصنف کا یہ دعوی کہ: ''اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس نے آپ کو دیگر ہر مونس و غمخوار سے بے نیاز کر دیا تھا۔''

اس کا جواب یہ ہے: کہنے والے کا یہ کہنا: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سائبان میں آپ کے مؤنس و غمخوار تھے'' یہ قرآن و حدیث کا کلام نہیں ہے۔ اور جس نے یہ کہا ہے وہ جانتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ آپ اس لحاظ سے مؤنس نہیں تھے کہ آپ کو کوئی وحشت نہ ہو۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ قتال میں آپ کے معاون تھے۔ جیسا کہ آپ سے فروتر مرتبہ کے لوگ بھی جہاد میں آپ کی مدد کر رہے تھے۔ دیکھیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِيٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الأنفال ٦٢]۔

''اسی نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے تیری تائید کی ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان تمام اہل ایمان میں سے افضل تھے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [النساء ٨٤]

''اللہ کی راہ میں جہاد کیجئے۔ آپ پر صرف اپنی ہی ذمہ داری ہے اور مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلایئے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جہاد اور اپنی مدد کی ترغیب تمام امکانیات کی انتہاء تک پہنچی ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری تھی کہ لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیں تاکہ ان کے ساتھ مل کر دشمن سے لڑنا ممکن ہو۔ اور ان کی دعاء، رائے، افعال سے اور دیگر جس طرح بھی ممکن ہو سکے دشمن کے خلاف ان سے مدد حاصل کی جائے۔

آٹھویں وجہ:...... یہ بات کہی جائے گی کہ: تمام اہل عقل کے ہاں یہ بات معلوم ہے کہ جنگ میں اصل مطلوب سربراہ ہوتا ہے جو کہ دشمن کو قتل کرنا اور ان سے لڑنا چاہتا ہے۔ جب یہ قائد سائبان میں؛ یا قبہ میں یہ کسی بھی پناہ کی جگہ پڑاؤ ڈالے اور اپنے ساتھ تمام ساتھیوں میں سے صرف فرد واحد کو ہی اختیار کرے اور باقی تمام لوگ اس سائباں سے باہر ہوں۔ تو یہ انسان تمام لوگوں میں سے خاص الخاص ہی ہو سکتا ہے۔ اور اس کی دوستی سب سے گہری دوستی اور اس سے حاصل ہونے والا فائدہ بہت بڑا ہو سکتا۔ جہاد میں یہ نفع اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کے ساتھ قوت قلب اور ثابت قدمی بھی ہو۔ کمزوری اور پسپائی کے ساتھ یہ ممکن نہیں۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان تمام لوگوں میں سب سے بڑے مؤمن و مجاہد تھے۔ تمام مخلوق میں افضل ترین لوگ اہل ایمان اور اہل جہاد ہوتے ہیں۔ پس جو اس میدان میں افضل ہو، تو اس کی فضیلت مطلق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾..... آگے تک ..... ﴿وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾۔[التوبة ۱۹۔۲۰]

''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر بنا دیا جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرے؟ اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں ہو سکتے ...... اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔''

ان اہل جہاد کا مقام و مرتبہ اللہ کے ہاں اہل حج و صدقہ و خیرات سے بڑھ کر تھا۔ اور ان میں سب سے اکمل و کامل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جہاد ہاتھ کا جہاد تھا؛ اس میں وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی آپ کے ساتھ شریک تھے جو بدر کے دن جہاد میں مصروف تھے۔ اور یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بدر یا احد کے موقع پر یا دیگر کسی موقع پر باقی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی نسبت زیادہ لڑائی لڑی ہو۔

پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ان کے ساتھ خاص ہے' اس میں کوئی دوسرا آپ کا سہیم و شریک نہیں؛ جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل آپ کے اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مابین مشترک ہیں۔

نوویں وجہ:...... بلا شبہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس سائبان سے باہر نکلے اور مٹھی بھر کر مٹی پھینکی جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی﴾ [الأنفال ۱۷]

''اور جب آپ نے مٹھی پھینکی تھی تو وہ آپ نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے قتال کیا تھا؛ یہاں تک کہ آپ کے بیٹے عبدالرحمن نے کہا: میں نے آپ کو بدر کے دن دیکھا تھا؛ مگر میں آپ سے منہ موڑ کر چلا گیا۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لیکن اگر میں تمہیں دیکھ لیتا تو ضرور قتل کر دیتا۔'' [1]

## فصل:...... [احوال ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق جھوٹا دعوی]

**[اعتراض]**: شیعہ مصنف لکھتا ہے: یہ جھوٹ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کیا کرتے تھے، اس لیے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مال دار نہ تھے۔ آپ کا باپ انتہائی درجہ کا فقیر انسان تھا جو کہ ہر دن چند ٹکڑوں کے عوض عبداللہ بن جدعان کے دستر خوان پر منادی کیا کرتا تھا۔ اگر ابوبکر واقعی مال دار ہوتا تو وہ اپنے باپ کی ضرورت پوری کرتا۔

---

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ عزم و ثبات وقوت ایمان و ایقان کا زندہ پیکر تھے، نیز یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اصحاب بدر میں سب سے افضل تھے، حالانکہ دونوں نے لڑائی میں عملی حصہ نہیں لیا تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ لڑائی میں عملی حصہ لینے والا نہ لڑنے والے سے افضل ہو۔ [آغا دلدار]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



❀ اور یہ کہ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ عہد جاہلیت میں بچوں کو تعلیم دینے کے لیے ایک پیشہ ور معلم تھے۔ اور اسلام لانے کے بعد درزی کا کام کیا کرتے تھے۔ جب آپ مسلمانوں کے ولی الامر بن گئے تو لوگوں نے آپ کو درزی کا کام کرنے سے روک دیا۔ تو آپ کہنے لگے: مجھے تو اپنی روزی کے لیے ضرورت ہے۔ تو اس پر آپ کے لیے بیت المال سے یومیہ تین دراہم وظیفہ مقرر کر دیا۔ [انتہیٰ کلام الرافضی]

**[جواب]**: ہم کہتے ہیں کہ: کسی انسان کا قطعی و متواتر روایات جو کہ خاص و عام کے درمیان مشہور ہوں؛ اور ان سے کتابیں، جیسے: کتب صحاح، مسانید؛ تفاسیر؛ فقہ اور فضائل و سیرت کی کتب بھری پڑی ہوں؛ کا انکار کرنا ایک عظیم مصیبت ہے۔ اور پھر ایسی روایات کا دعوی کیا جائے جن کا علم محض رافضی دعوی کی بنیاد پر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی اسے کسی معروف سند سے نقل کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی اسے کسی معروف اور ثقہ کتاب کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی اسے یہ سمجھ آ رہی ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ یہ انسان مخلوق میں سے کسی جاہل ترین انسان سے بھی مناظرہ کرے تو اس کے لیے یہ کہنا بہت آسانی سے ممکن ہوگا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ [ہم شیعہ مصنف سے پوچھتے ہیں کہ] آخر کس ثقہ یا ضعیف راوی نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مفلس آدمی تھے؟

پھر اس سے یہ بھی کہا جائے گا کہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اپنا مال خرچ کرنے کے قصے تواتر کے صحیح احادیث میں کئی کئی اسناد سے منقول ہیں۔ حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے کسی شخص کے مال سے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا فائدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے۔'' [سبق تخریجہ]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

''ہم پر اپنی جان و مال سے لوگوں میں سب سے زیادہ احسان کرنے والے حضرت ابوبکر ہیں۔'' [سبق تخریجہ]

صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ اسی مال سے آپ نے حضرت بلال؛ عامر بن فہیرہ اور دیگر سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خرید کر آزاد کیا۔

رافضی کا یہ قول کہ: آپ کا باپ ہر دن چند ٹکڑوں کے عوض عبداللہ بن جدعان کے دستر خوان پر منادی کیا کرتا تھا''

**[جواب]**: رافضی نے اس کی کوئی سند ذکر نہیں کی جس سے اس کی صحت کی معرفت حاصل ہو سکے۔ اور اگر ایسا ثابت بھی ہو جائے تو اس میں کوئی ضرر والی بات نہیں۔ اس لیے کہ ایسا کیا جانا جاہلیت میں تھا اسلام میں نہیں۔ اس لیے کہ ابن جدعان کا انتقال اسلام سے پہلے ہوا ہے۔ جب کہ عہد اسلام میں ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے پاس اتنا مال تھا جو ان کی ضرورت پوری کرتا تھا۔ یہ بات ہرگز معلوم نہیں ہوسکی کہ حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے دست نگر رہتے ہوں۔ اور حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے لمبی زندگی پائی؛ یہاں تک کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو آپ کو ان کی میراث میں سے چھٹا حصہ ملا۔ جو کہ آپ نے اولاد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا' اس لیے کہ آپ کے پاس بقدر کفایت مال ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ بات معلوم شدہ ہے کہ اگر انہیں کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ضرور آپ کی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



مدد کرتے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دور کی قرابت کی وجہ سے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی مالی امداد کیا کرتے تھے۔ مسطح بھی ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے واقعہ افک میں کلام کیا تھا۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھالی کہ وہ آئندہ ان کی مالی امداد نہ کریں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ [وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ] وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

(النور: ۲۲)

''تم میں سے فارغ البال اشخاص اس بات کی قسم نہ کھالیں کہ وہ اپنے اقارب اور مساکین [ومہاجرین پر خرچ نہیں کریں گے۔ چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں بخش دے] اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے، چنانچہ پھر مسطح کی مالی امداد شروع کردی۔''[1]

سات اشخاص جو غلام تھے، اسلام کے جرم میں ان کو پیٹا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کردیا۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت کی تو [حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس] جتنا مال تھا سب ساتھ لے لیا۔[3]

حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ آئے اور پوچھنے لگے: ابوبکر خود تو چلا گیا' کیا اس نے اپنا مال تمہارے لیے چھوڑا ہے یا اسے بھی ساتھ لے گیا؟ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: نہیں آپ مال چھوڑ گئے ہیں۔ اور میں نے ایک کونے میں کوئی چیز رکھ کر ان سے کہا: ان کا مال یہ پڑا ہوا ہے۔'' تاکہ آپ کا دل مطمئن ہوجائے کہ آپ اپنے عیال کے لیے کچھ چھوڑ کر گئے ہیں۔ ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے اس میں سے کسی بھی چیز کا مطالبہ نہیں کیا۔ یہ تمام باتیں دلالت کرتی ہیں کہ آپ مالدار انسان تھے۔

## حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پیشہء معلّمی؟:

شیعہ مصنف کا یہ قول کہ: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عہد جاہلیت میں بچوں کو تعلیم دینے کے لیے ایک پیشہ ور معلم تھے۔''

[صاف جھوٹ ہے] اگر فی الواقع ایسا ہوتا بھی تو اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافک(ح:٤١٤١) صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فی حدیث الافک(ح:٢٧٧٠)۔

[2] مستدرك حاکم(٣/ ٢٨٤)، سیرة ابن هشام(ص:١٤٧)

[3] سیرة ابن هشام(ص:٢٢٥) ایک قول کے مطابق آپ کے پاس اس وقت چھ ہزار درہم تھے۔ آپ اس مال سے تجارت کیا کرتے تھے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ علم و معرفت رکھنے والے انسان تھے۔ مسلمان علماء کرام رحمہم اللہ کی ایک جماعت تھی جو لوگوں کو آداب سکھایا کرتے تھے۔ ان میں : ابو صالح‘ جو کلبی کے ساتھی تھے؛ بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ ابوعبدالرحمٰن السلمی ان کا شمار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خواص میں سے ہوتا ہے۔ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’ضحاک بن مزاحم اور عبداللہ بن الحارث بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ مگر اس پر کوئی اجرت نہیں لیتے تھے۔‘‘

ان ہی لوگوں میں سے ایک حضرت قیس بن سعد بھی تھے۔ اور عطاء بن ابی رباح؛ عبد الکریم ابو امیہ‘ حسین المعلم ابوذکوان‘ قاسم بن عمیر ہمدانی؛ حبیب المعلم مولی معقل بن یسار بھی تھے۔ نیز حضرت علقمہ بن ابی علقمہ؛ ان سے حضرت مالک بن انس بھی روایت کرتے ہیں‘ آپ کا ایک مکتب تھا جہاں پر لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان میں سے ابو عبید القاسم بن سلام بھی ہیں۔ جن کی فضلیت و امامت پر اجماع ہے۔

تو پھر جب یہ بات ہی خود ساختہ جھوٹ ہے تو ہم اس کے متعلق کیا کہہ سکتے ہیں۔ [ابوبکر رضی اللہ عنہ اگر پیشہ ور معلم ہوتے تو قریش کے بہت سے لوگ لکھے پڑھے ہوتے۔ حالانکہ لکھنے والوں کی قریش میں بڑی قلت تھی]۔

بلکہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل نچلے درجہ کے لوگوں میں سے بھی ہوتے تو پھر بھی یہ بات آپ کی شان میں قدح کا موجب نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لیے کہ حضرت سعد‘ عبداللہ بن مسعود‘ صہیب؛ بلال‘ رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے علاوہ دیگر کمزور لوگ بھی تھے جن کے متعلق قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا تھا کہ انہیں اپنی مجلس سے نکال دیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کر دیا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾..... آگے تک.....﴿اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ﴾

[الانعام ۵۲۔۵۳]

’’اور ان لوگوں کو نہ نکالیے جو صبح شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، خاص اس کی رضامندی کا قصد رکھتے ہیں۔ ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں ...... آگے تک ...... کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو خوب جانتا ہے۔‘‘

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ [الکھف ۲۸]

’’تو ان لوگوں کی صحبت میں رہ جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اسی کی رضامندی چاہتے ہیں اور تو اپنی آنکھوں کو ان سے نہ ہٹا کہ دنیا کی زندگی کی زینت تلاش کرنے لگ جائے اور اس شخص کا کہنا نہ مان

”محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ“

www.KitaboSunnat.com



جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور اپنی خواہش کے تابع ہو گیا ہے اور اسکا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے۔''

نیز کمزور اہل ایمان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ o وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ o وَإِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انقَلَبُوا فَكِهِينَ &وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ o وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ o فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ o عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ﴾

[المطففين ۲۹ – ۳۴]

''مجرم لوگ دنیا میں ایمان لانے والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھ سے اشارے کرتے تھے۔اور جب اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جاتے تو ہنستے ہوئے جاتے تھے۔اور جب ان کو دیکھتے تو کہتے بیشک یہی گمراہ ہیں۔حالانکہ وہ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔پس آج وہ لوگ جو ایمان لائے کفار سے ہنس رہے ہوں گے۔مسندوں پر بیٹھے ہوئے اِن کا حال دیکھ رہے ہوں گے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [البقرة ۲۱۲]

''کافروں کو دنیا کی زندگی بھلی لگتی ہے اور وہ ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو ایمان لائے حالانکہ جو لوگ پرہیزگار ہیں وہ قیامت کے دن ان سے بالاتر ہوں گے اور اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُم بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ o أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَ﴾ [الأعراف ۴۸۔۴۹]

''اور اعراف والے پکاریں گے جنہیں وہ ان کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے کہیں گے تمہاری جماعت تمہارے کسی کام نہ آئی اور نہ وہ جو تم تکبر کیا کرتے تھے۔یہ وہی ہیں جن کے متعلق تم قسم کھاتے تھے کہ انہیں اللہ کی رحمت نہیں پہنچے گی (انہیں کہا گیا ہے) جنت میں چلے جاؤ تم پر نہ ڈر ہے اور نہ تم غمگین ہو گے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُم مِّنَ الْأَشْرَارِ o أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



عَنۡهُمُ الۡاَبۡصَارُ﴾ [ص ۶۲۔۶۳]

''نیز وہ کہیں گے: کیا بات ہے کہ ہمیں وہ آدمی نظر نہیں آرہے جنہیں ہم بروں میں شمار کرتے تھے۔کیا ہم یونہی ان کا مذاق اڑاتے رہے؟ یا اب ہماری نگاہیں ہی ان سے پھر گئی ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الۡاَرۡذَلُوۡنَ﴾ [الشعراء ۱۱۱]

''وہ بولے: کیا ہم تم کو مان لیں حالانکہ تمہاری پیروی رذیل لوگوں نے اختیار کی ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَقَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ مَا نَرٰٮكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثۡلَنَا وَ مَا نَرٰٮكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيۡنَ هُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاۡىِ﴾ [ھود ۲۷]

''تو اس کی قوم کے کافر سرداروں نے جواب دیا: ہم تو تجھے اپنے ہی جیسا آدمی خیال کرتے ہیں اور جو تیرے پیروکار ہیں وہ بادی النظر میں ہمیں کمینے معلوم ہوتے ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لِلَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِمَنۡ اٰمَنَ مِنۡهُمۡ اَتَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرۡسَلٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلَ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ۝ قَالَ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا بِالَّذِىۡۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ﴾ [الأعراف ۷۵۔۷۶]

''اس قوم کے متکبر سرداروں نے غریبوں سے کہا جو ایمان لا چکے تھے کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح کو اس کے رب نے بھیجا ہے انہوں نے کہا جو وہ لے کر آیا ہے ہم اس پر ایمان لانے والے ہیں۔متکبروں نے کہا جس پر تمہیں یقین ہے ہم اسے نہیں مانتے۔''

صحیحین میں ہے: ھرقل نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا تھا؛ اور سوال کیا تھا: کیا آپ کی پیروی کرنے والے قوم کے بڑے لوگ ہیں یا پھر کمزور لوگ۔ تو ابوسفیان نے کہا: ''کمزور لوگ۔'' اس پر ھرقل نے کہا: یہی لوگ رسولوں کی اتباع کرنے والے ہوتے ہیں۔

اگر اس بات کو مان لیا جائے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کمزور لوگوں میں سے تھے؛ جیسا کہ حضرت عمار؛ حضرت بلال اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہم اجمعین؛ تو پھر بھی یہ چیز آپ کے کمال ایمان اور تقوی میں قدح کا موجب نہیں ہوسکتی۔جیسا کہ ان دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ایمان وتقوی اور اللہ کے ہاں کامل الخلق اور سب سے متقی ہونے میں کوئی چیز موجب قدح نہیں ہے۔

لیکن رافضیوں کا کلام عہد جاہلیت کے مشرکین کے کلام کی جنس سے ہوتا ہے۔یہ اپنے باپ دادا اور نسب کی وجہ سے تعصب برتتے ہیں دین کی وجہ سے نہیں۔اور انسان پر کسی ایسی وجہ سے عیب لگاتے ہیں جس سے اس کے ایمان وتقوی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ یہ تمام جاہلیت کے افعال ہیں۔یہی وجہ ہے کہ روافض پر جاہلیت غالب ہوتی ہے۔اورخود کئی ایک ان وجوہات کی بنا پر کفار سے مشابہت رکھتے ہیں؛ جن میں انہوں نے اہل ایمان و اسلام کی مخالفت کی ہے۔

## حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور پیشہ سلائی ؟:

**[اعتراض]**: رافضی کا یہ کہنا ہے کہ:''حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد درزی کا کام کیا کرتے تھے۔ جب آپ مسلمانوں کے ولی الامر بن گئے تو لوگوں نے آپ کو درزی کا کام کرنے سے روک دیا۔'' [انتہی کلام الرافضی]

**[جواب]**: یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ درزی تھے۔اس دعوی کا جھوٹ ہونا ہر معرفت رکھنے والے انسان پر عیاں ہے۔اور اگر حقیقت میں ایسا ہوتا بھی تو اس میں کوئی عیب والی بات نہیں تھی۔حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تاجر تھے درزی نہ تھے۔آپ کبھی اپنا مال تجارت لیکر خود سفر کرتے' اور کبھی خود نہ بھی جاتے۔آپ نے عہد اسلام میں تجارت کی غرض سے شام کا سفر کیا۔تجارت قریش کے ہاں افضل ترین ذریعہ آمدن تھا۔ان کے مالداروں میں سے بہترین لوگ تجارت کے پیشہ سے وابستہ تھے۔اور عرب انہیں تاجروں کی حیثیت سے ہی جانتے تھے۔حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب منصب خلافت پر فائز ہوئے تو اس وقت بھی تجارتی مشاغل جاری رکھنا چاہتے تھے' مگر مسلمانوں نے اس سے روک دیا؛ اور عرض گزار ہوئے کہ: یہ کام آپ کو مسلمانوں کی مصلحت کے کاموں سے روک دے گا۔''

درزی کا یہ پیشہ قریش میں بڑا کم یاب تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش عام طور سے تہ بند باندھتے اور اوپر چادر اوڑھ لیا کرتے تھے۔[اس لیے کپڑے سینے کی ضرورت ہی لاحق نہیں ہوا کرتی تھی]۔

مدینہ طیبہ میں ایک درزی ہوا کرتا تھا۔اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر پر بھی بلایا تھا۔[1]

جب کہ مہاجرین میں سے کسی ایک کے متعلق ہمیں یہ بات معلوم نہیں ہوسکی کہ وہ درزی کا کام کرتا ہو۔حالانکہ درزی کا پیشہ بڑا ہی اچھا اور باعزت پیشہ ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی راہ میں خرچ کرنا تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اسے ہر خاص و عام جانتا ہے۔اسلام سے قبل آپ بڑے مال دار تھے۔قریش آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے آپ کی تعظیم کرتے اور آپ سے محبت کرتے تھے۔آپ کو عربوں کے نسب اور ان کی لڑائیوں کے بارے میں بہت علم حاصل تھا۔لوگ آپ کے علم و احسان اور تجارتی مقاصد کی وجہ سے آپ کے پاس آتے رہتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ جب آپ مکہ سے نکلے تو ابن دغنہ نے کہا:''آپ جیسا آدمی نہ نکل سکتا اور نہ نکالا جاسکتا ہے۔''

---

[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مدینہ میں ایک درزی تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی۔میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا گیا۔ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پلیٹ سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے کھا رہے تھے۔تو اس وقت سے مجھے کدو سے محبت ہوگئی۔[بخاری' کتاب الاطعمہ 'باب من تتبع حوالی القصعہ ۔وکتاب البیوع' باب ذکر الخیاط۔نیز دیکھیں صحیح مسلم' ۳/ ۱۶۱۵-]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ قریش یا کسی دوسرے نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کسی قسم کا کوئی عیب لگایا ہو۔ نہ ہی کسی نے آپ میں کوئی نقص نکالا اور نہ ہی آپ کو حقیر سمجھا؛ جیسا کہ کمزور مسلمانوں کے ساتھ ان لوگوں کا رویہ رہتا تھا۔ ان لوگوں کے نزدیک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے علاوہ کوئی قابل عیب بات نہیں تھی۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے متعلق قریش کے ہاں کسی قسم کی کوئی عیب یا نقص والی بات یا مذموم چیز نہیں پائی جاتی تھی۔ بلکہ آپ خاندان اور گھر بار کے لحاظ سے قابل صد تکریم و تعظیم تھے۔ آپ کے مکارم اخلاق صدق و وفاء اور امانت داری مشہور تھے۔ ایسے ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق ان کے ہاں کوئی عیب والی بات نہیں تھی۔

ابن دغنہ علاقہ کا سردار اور اپنے قبیلہ کا رئیس تھا۔ اسے قریش میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا؛ اس کی عزت و احترام کی وجہ قریش اس کو پناہ دیدیتے تھے جس کو یہ پناہ دے دیتا۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ:

''جب قریش مکہ نے مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کے لیے نکلے۔ جب برک غماد پہنچے تو ان سے علاقہ کے سردار ابن دغنہ کی ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ:'' مجھ کو میری قوم نے نکال دیا ہے؛ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ زمین کی سیر کروں اور اپنے پروردگار کی عبادت کروں۔''

ابن دغنہ نے کہا کہ:'' تم جیسا آدمی نہ تو نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے؛ اس لیے کہ تم فقراء کے لیے کماتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو اور عاجز و مجبور کا بوجھ اٹھاتے ، مہمان کی ضیافت کرتے ہو اور حق (پر قائم رہنے) کی وجہ سے آنے والی مصیبت پر مدد کرتے ہو؛ میں تمہیں پناہ دیتا ہوں تم لوٹ چلو؛ اور اپنے ملک میں اپنے رب کی عبادت کرو۔''

چنانچہ ابن دغنہ روانہ ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر واپس ہوا؛ اور کفار قریش کے سرداروں میں گھوما اور ان سے کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا آدمی نہ تو نکل سکتا ہے نہ نکالا جا سکتا ہے جو تنگدستوں کے لیے کماتا ہے صلہ رحمی کرتا ہے، عاجزوں کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ مہمان کی مہمان نوازی کرتا ہے۔ راہ حق میں پیش آنے والی مصیبت میں مدد کرتا ہے۔ چنانچہ قریش نے ابن دغنہ کی پناہ منظور کرلی ۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امان دے کر ابن دغنہ سے کہا: ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہہ دو کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کریں، نماز پڑھیں، لیکن ہمیں تکلیف نہ دیں اور نہ اس کا اعلان کریں، اس لیے کہ ہمیں خطرہ ہے کہ ہمارے بچے اور عورتیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔''

ابن دغنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ کہہ دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ تک اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرنے لگے اور نہ تو نماز اعلانیہ پڑھتے اور نہ قرأت اعلانیہ کرتے۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں کچھ خیال پیدا ہوا، تو انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی اور باہر نکل کر وہاں نماز اور قرآن پڑھنے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



لگے، تو مشرکین کی عورتیں اور بچے ان کے پاس جمع ہو جاتے، ان لوگوں کو اچھا معلوم ہوتا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھتے رہتے ۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے آدمی تھے کہ بہت روتے اور جب قرآن پڑھتے تو انہیں آنسوں پر اختیار نہیں رہتا تھا۔ مشرکین قریش کے سردار گھبرائے اور ابن دغنہ کو بلا بھیجا وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے ابن دغنہ سے کہا کہ ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں اپنے پروردگار کی عبادت کریں، لیکن انہوں نے اس سے تجاوز کیا اور اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی۔ اعلانیہ نماز اور قرآن پڑھنے لگے اور ہمیں خطرہ ہے کہ ہمارے بچے اور ہماری عورتیں گمراہ نہ ہو جائیں ۔ اس لیے ان کے پاس جا کر کہو کہ اگر وہ اپنے گھر کے اندر اپنے رب کی عبادت پر اکتفا کرتے ہیں تو کریں اور اگر اس کو اعلانیہ کرنے سے انکار کریں تو ان سے کہو کہ تمہارا ذمہ واپس کر دیں، اس لیے کہ ہمیں پسند نہیں کہ ہم تمہاری امان کو توڑیں اور نہ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اعلانیہ عبادت کرنے پر قائم رہنے دے سکتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ابن دغنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارا ذمہ ایک شرط پر لیا تھا، یا تو اسی پر اکتفا کرو یا میرا ذمہ مجھے واپس کر دو، اس لیے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ عرب اس بات کو سنیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے ذمہ میں لیا تھا، اور میرا ذمہ توڑا گیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں تیرا ذمہ تجھے واپس دیتا ہوں اور اللہ کی پناہ پر راضی ہوں۔''

اس روایت میں ابن دغنہ قبائل قریش کے سرداروں کی موجودگی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وہ اوصاف بیان کرتے ہیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اس وقت بیان کیے تھے کہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: '' مجھے اپنی جان کا خوف محسوس ہونے لگا۔'' تو آپ فرمانے لگیں:

'' اللہ کی قسم ! اللہ تعالیٰ ہرگز آپ کو پریشان نہیں کرے گا ؛ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں؛ کمزور کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ مہمان کی میزبانی کرتے ہیں؛ بے آسرا کا سہارا بنتے ہیں۔ اور حق کے کاموں پر مدد کرتے ہیں۔''

یہ صفات اس نبی کی صفات ہیں جو افضل الانبیاء ہیں اور اس صدیق کی صفات ہیں جو افضل صدیقین ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے اور فرمایا:

'' بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو دنیا اور اس چیز کے درمیان جو اللہ کے پاس ہے اختیار دیا ہے تو بندہ نے اس چیز کو پسند کیا جو اللہ کے پاس ہے۔''

پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے؛ اور فرمانے لگے: '' ہمارے ماں باپ آپ پر قربان جائیں۔''

بعد میں معلوم ہوا وہ اختیار دیا ہوا بندہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب میں زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' اے ابوبکر رضی اللہ عنہ رونا نہیں۔'' اور فرمایا:

'' سب لوگوں سے زیادہ اپنی صحبت اور اپنے مال سے مجھ پر احسان کرنے والے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگر میں کسی

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



کو اللہ تعالیٰ کے سوا خلیل بناتا تو بے شک ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔ لیکن اخوت اسلامی اور مودت (مساوی درجہ کی برقرار) ہے آئندہ مسجد میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دروازہ کے علاوہ کوئی دروازہ ایسا نہ رہے جو بند نہ کیا جائے۔''[1]

صحیحین میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: آپ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنا کپڑا اٹھائے ہوئے تشریف لائے...... پھر پوری حدیث بیان کی؛ اس میں ہے:

''تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا؛ تو تم لوگوں نے کہا جھوٹا ہے۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ سچ فرماتے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے مال و جان سے میری خدمت کی۔ پس کیا تم میرے لیے میرے دوست کو چھوڑ دو گے یا نہیں دو مرتبہ (یہی فرمایا)۔'' [سبق تخریجه]

جیسا کہ بخاری شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں اپنے سر پر ایک کپڑا باندھے ہوئے گھر سے نکلے؛ مسجد میں آئے اور منبر پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور پھر فرمایا:

''کسی شخص نے اپنی جان و مال سے مجھ پر اتنا احسان نہیں کیا جتنا ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما نے کیا ہے۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے ابومعاویہ سے روایت کیا ہے' انہوں نے اعمش سے' وہ ابوصالح سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کسی شخص کے مال سے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچا، جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے ہوا۔''

تو اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے' اور عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اور میرا مال تو صرف آپ کے لیے ہی تو ہیں۔'' [سبق تخریجه]

حضرت زہری نے سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسلمانوں میں سے کسی شخص کے مال سے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچا، جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے ہوا۔''

اسی مال سے آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال کے متعلق ایسے فیصلہ کرتے تھے جیسے کوئی انسان اپنے ذاتی مال کے متعلق فیصلہ کرتا ہے۔''

## فصل:...... [ابوبکر رضی اللہ عنہ پر عدم انفاق کا الزام]

رافضی کا کہنا ہے کہ:''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کی وجہ سے غنی تھے۔ اس وقت جنگ یا لشکر کی تیاری کی ضرورت نہ تھی۔''

**[جواب]**: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے نہیں خرچ کرتے تھے کہ آپ کو کھانے پینے کے لیے یا کپڑا

[1] صحیح بخاری:ج:ح871

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



پہننے کے لیے دیتے ہوں۔ اس لیے کہ اللہ عزوجل نے اپنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق کے مال سے بے نیاز و غنی رکھا ہوا تھا۔ بلکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ امداد اور تعاون دین و ایمان کے قائم کرنے کے سلسلہ میں تھا۔ آپ اپنا مال ان امور میں خرچ کیا کرتے تھے جو اللہ اور اس کے رسول کے پسندیدہ تھے؛ نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر خرچہ کرتے تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو خرید کر آزاد کیا جنہیں ایمان لانے کی پاداش میں عذاب دیا جاتا تھا جیسے: حضرت بلال؛ عامر بن فہیرہ؛ زنیرہ؛ اور ان کے علاوہ ایک جماعت کو خرید کر آزاد کیا؛ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

## فصل:...... [ابوبکر رضی اللہ عنہ کا افلاس؟]

رافضی کا کہنا ہے کہ: ''اور ہجرت کے بعد تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بالکل کچھ بھی نہیں تھا۔''

**[جواب]** : یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ بلکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو آپ اپنے گھر کا سارا مال لیکر آ گئے۔ ایسے ہی اصحاب صفہ فقراء لوگ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کھانا کھلانے کی ترغیب دی تو آپ اپنے ساتھ تین صحابہ کو لیکر چلے گئے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر، روایت کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ غریب لوگ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو اس میں سے لے جائے اور اگر چار کا ہو تو پانچواں یا چھٹا ان میں سے لے جائے ابوبکر تین آدمی لے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس لے گئے۔''[1]

حضرت زید بن اسلم، اپنے والد سے وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: آپ فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا۔ اتفاق سے ان دنوں میرے پاس مال بھی تھا۔ میں سوچنے لگا کہ آج میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سبقت لے گیا تو لے گیا۔ چنانچہ میں اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کیا اتنا ہی جتنا ساتھ لایا ہوں۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو سب کچھ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کیا ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اس پر میں نے کہا میں کبھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سبقت حاصل نہیں کر سکتا۔''[2]

## فصل:...... [صدقاتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ]

**[اعتــراض]** : شیعہ مصنف لکھتا ہے کہ: ''اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوتے تو ان کے بارے میں اسی طرح قرآن نازل ہوتا جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیت ﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ﴾ اتری تھی۔

[1] صحیح بخاری: جلد 1: ح: 575

[2] جامع ترمذی: ج 2: ح 1641۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



**[جواب]**: اس کا جواب یہ ہے کہ: جس حدیث میں مذکورہ آیت: ﴿هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ﴾ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہونے کا ذکر ہے؛ اس کے موضوع [من گھڑت] ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے۔اس کا تذکرہ وہی مفسرین کرتے ہیں جن کی عادت ہے کہ وہ موضوع روایات کو بھی [بغیر کی تحقیق و بیان] کے جمع کر دیتے ہیں۔اس کے جھوٹ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ: ﴿هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ﴾ کے مکی سورۃ ہونے پر لوگوں کا اتفاق ہے؛ جو کہ ہجرت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔اس وقت ابھی تک حسن و حسین رضی اللہ عنہما پیدا نہیں ہوئے تھے۔اس مسئلہ پر ہم کئی ایک مقامات پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کر چکے ہیں۔قرآن کی کوئی ایک آیت بھی خصوصی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔اس لیے کہ اس وقت میں آپ کے پاس کوئی مال نہیں تھا۔بلکہ ہجرت سے پہلے آپ کا شمار بھی عیال نبوت کے ساتھ ہوتا تھا۔اور ہجرت کے بعد کبھی کبھار آپ مزدوری بھی کیا کرتے تھے۔ ایک کھجول کے بدلے ایک ڈول پانی نکالا کرتے تھے۔جب آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو آپ کے پاس مہر دینے کے لیے سوائے ایک درع کے کچھ بھی نہیں تھا۔آپ نے اپنی شادی پر وہ مال خرچ کیا جو آپ کو غزوہ بدر میں مال غنیمت سے آپ کو ملا تھا۔

صحیحین میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: آپ فرماتے ہیں:

> ''مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر کے دن غنیمت میں ایک اونٹنی ملی، اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹنی اور دی۔ جب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنا چاہی تو بنی قینقاع کے ایک سنار کے ساتھ وعدہ طے کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے گا؛ تاکہ ہم اذخر لاکر سناروں پر بیچیں گے اور اس پیسہ سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کی دعوت میں مدد لوں گا۔ جب میں اپنی اونٹنیوں کے لیے ساز و سامان تیار کر رہا تھا اور ان دونوں اونٹنیوں کو میں نے ایک انصاری کے دروازے پر بٹھایا تھا۔اور فرمایا: حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اسی گھر میں شراب پی رہے تھے' ان کیساتھ ایک گانے والی تھی جو گا رہی تھی ''اَلا یا حمز لِلشرفِ النِواءِ۔'' اے حمزہ! آگاہ ہو؛ دو فربہ اونٹیناں لے لو۔'' حمزہ ان دونوں اونٹنیوں کی طرف تلوار لے کر جھپٹ پڑے ان کی کوہان کاٹ ڈالے اور کولہے کاٹ دیئے......'' پھر پوری حدیث بیان کی۔یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔''[1]

جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا معاملہ مختلف ہے' ہر وہ آیت جو انفاق فی سبیل کرنے والوں کی مدح میں نازل ہوئی ہے' تو اس امت میں اس آیت کے سب سے پہلے مقصود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا﴾ [الحدید ۱۰]

''تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر

---

[1] صحیح بخاری: ح 2237

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نہیں بلکہ ان کے بہت بڑے درجے ہیں جنھوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کیے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ﴾ [التوبة ۲۰]

''جولوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى o الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴾ [اللیل ۱۷۔۱۸]

''اور عنقریب اس سے وہ بڑا پرہیز گار دور رکھا جائے گا۔ جو اپنا مال (اس لیے) دیتا ہے کہ پاک ہو جائے۔''

مشہور مفسرین جیسے ابن جریر الطبری' عبدالرحمن بن ابی حاتم ؛ اور دوسروں نے اسناد کیساتھ حضرت عبداللہ بن زبیر' عروہ بن زبیر اور سعید بن مسیّب رحمہ اللہ علیہم سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ [طبری ۳۰/ ۲۲۸]

## فصل:......[حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام کا جواب]

شیعہ کا یہ قول ہے کہ:''نماز میں آپ کو امامت کے لیے آگے بڑھانے کی بات غلط ہے۔ اس لیے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے اذان دیدی؛ تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنایا جائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ راحت ہوئی تو آپ نے تکبیر کی آواز سنی۔ تو آپ نے پوچھا: لوگوں کو نماز کون پڑھا رہا ہے۔ کہنے لگے: ابوبکر۔ آپ نے فرمایا:''مجھے باہر لے چلو۔'' حضرت عباس اور علی رضی اللہ عنہما کے درمیان چلتے ہوئے باہر نکلے۔'' آپ نے ابوبکر کو قبلہ سے ہٹا دیا۔ اور انہیں امامت سے معزول کر کے خود نماز پڑھانے لگے۔''[شیعہ کا بیان ختم ہوا]۔

**[جواب اوّل]**:......حد درجہ کی افتراء پردازی پر مبنی ہے۔ تمام محدثین کے ہاں اس روایت کا جھوٹ ہونا معلوم ہے۔ [علاوہ ازیں یہ مکابرہ اور انکار متواتر کی بدترین قسم ہے]۔ ہم شیعہ مصنف سے اس کی صحت ثابت کرنے اور اس کی اسناد ثابت کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ روایت مرسلاً صرف روافض کی کتابوں میں نقل کی گئی ہے جو کہ سب سے بڑے جھوٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے جاہل ترین لوگ ہیں۔ یہ واقعہ [ابن المطہر رافضی کے اساتذہ] مثلاً شیخ المفید وکراجکی اور ان کے نظائر و امثال نے بیان کیا ہے جن کی تصانیف جھوٹ کا پلندہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال واقوال اور اعمال کی معرفت سے سب سے بیگانے وبعید ہیں۔

**جواب دوم**:......یہ ایسے جاہل انسان کا کلام ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت صرف ایک نماز سے تعلق رکھتی تھی [جس کے بارے میں ایسا دعویٰ کیا جا سکے]۔ اہل علم اس حقیقت سے کلیۃً آگاہ ہیں کہ حضرت

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبوی کریم ﷺ [ کی بیماری کے شروع سے ] وفات تک نمازیں پڑھائی تھیں۔رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق آپ کے حکم سے آپ کی نیابت میں لوگوں کو نمازیں پڑھا رہے تھے۔اس بارے میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے آپ سے بات بھی کی تھی۔آپ نے کئی دن تک نمازیں پڑھائیں۔اس سے پہلے بھی رسول اللہ ﷺ آپ کو نماز پڑھانے کے لیے اپنا نائب مقرر کر چکے تھے۔جب آپ ﷺ بنی عمرو بن عوف کے ساتھ صلح کرنے کے لیے گئے تھے تو حضرت ابوبکر کو ہی نماز پڑھانے کے لیے امام مقرر کیا تھا۔اور نبی کریم ﷺ سے کہیں بھی یہ منقول نہیں ہے کہ سفر کے علاوہ اپنی عدم موجودگی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو امامت سونپی ہو۔ہاں غزوہ تبوک والے سال ایک بار قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے تھے اور آپ کو دیر ہوگئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے لوگوں کو فجر کی نماز پڑھا دی۔جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو آپ کے ساتھ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔آپ ﷺ نے ایک رکعت نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ؛اور ایک رکعت جو فوت ہوچکی تھی ؛ اسے پورا کیا۔نماز کے بارے میں لوگوں کا یہ اہتمام آپ کو بہت پسند آیا ؛ اور آپ نے اسے برقرار رکھا۔یہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی تقدیم پر بھی آپ کا اقرار ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ سے باہر کا سفر کرتے تو مدینہ میں کسی کو اپنا جانشین مقرر فرماتے جو لوگوں کو نمازیں پڑھاتا۔تو کبھی آپ نے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا تو کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور کبھی ان دونوں کے علاوہ کسی تیسرے کو اپنا نائب بنایا۔

جب کہ مدینہ میں موجود ہوتے ہوئے اپنی عدم موجودگی میں اور بیماری کی حالت میں صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی نماز پڑھانے پر مامور فرمایا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کسی اور کو نہیں۔اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بات تواتر سے ثابت ہوچکی ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کی اجازت سے نماز پڑھایا کرتے تھے۔اس کے اثبات میں صحاح وسنن اور مسانید وغیرہ متعدد نصوص موجود ہیں۔امام بخاری و مسلم اور ابن خزیمہ و ابن حبان نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے:

(( مرض النبی ﷺ فاشتد مرضه فقال: مروا أبا بكر فليصل بالناس۔" قالت عائشة:"يارسول الله! أن أبا بكر رجل رقيق متى يقم مقامك لا يستطيع أن يصلى بالناس۔" قال: مري أبا بكر فليصل بالناس۔ فإنكن صواحب يوسف . ))

''جب نبی ﷺ بیمار ہوئے اور آپ کا مرض بڑھ گیا تو آپ نے فرمایا:''ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا : یارسول اللہ ﷺ! بیشک حضرت ابوبکر نرم دل آدمی ہیں جب

---

[1] الحديث عن المغيرة بن شعبة رواه مسلم كتاب الصلاة باب تقديم الجماعة من يصلي بهم إذا تأخر الإمام۔ اس روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا: تم نے بہت اچھا کیا۔ یا یہ فرمایا کہ: تم نے حق کو پالیا۔

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com



آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔'' لیکن پھر بھی آپ نے فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں'' اور تم تو وہ عورتیں معلوم ہوتی ہو جنہوں نے یوسف کو گھیر رکھا تھا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے تین بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رسول اللہ ﷺ سے تکرار کا ذکر کیا ہے۔[1]

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی بیماری کا پورا عرصہ نمازیں پڑھاتے رہے؛ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ اس لیے کہ وفات سے قبل رسول اللہ ﷺ کئی دن بیمار رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلالیا۔ ان ایام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی ایک نے بھی نمازیں نہیں پڑھائیں۔ رسول اللہ ﷺ کا حجرہ شریفہ مسجد کے پہلو میں تھا۔ جب احوال یہ ہیں تو پھر یہ بات ممتنع ہوجاتی ہے کہ اس عرصہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور نمازیں پڑھانے کا حکم دیا ہو؛ یا کسی نے آپ سے اس بارے میں بات کی ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے گھر میں داخل ہوا کرتے تھے۔ اور ان دنوں میں سے کسی ایک دن میں ان کے ساتھ باہر نکلے بھی تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بیماری کے ابتدائی دنوں میں جمعرات کے دن کی بات ہے۔ اور آپ ﷺ کا انتقال بلا خلاف دوسرے ہفتہ میں پیر کے دن ہوا تھا۔ اس طرح آپ کی بیماری کے کل بارہ دن بنتے ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کے مرض کے بارے میں نہیں بتائیں گی؟ فرمایا کیوں نہیں:

''نبی کریم ﷺ کو بیماری سے افاقہ ہوا تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز ادا کرلی ہے؟ ہم نے عرض کیا: نہیں اے اللہ کے رسول! وہ تو آپ کا انتظار کررہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے لیے برتن میں پانی رکھ دو۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے غسل فرمایا؛ پھر آپ چلنے لگے تو بے ہوشی طاری ہوگئی۔ پھر افاقہ ہوا تو فرمایا: کیا لوگوں نے نماز ادا کرلی ہے؟

ہم نے عرض کیا: نہیں؛ بلکہ یا رسول اللہ ﷺ وہ تو آپ کا انتظار کررہے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرماتی ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین مسجد میں بیٹھے رسول اللہ ﷺ کا عشاء کی نماز کے لیے انتظار کررہے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ تو اس نے جا کر کہا: رسول اللہ ﷺ آپ کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نرم دل آدمی تھے اس لیے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: ''آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں۔

[1] صحیح بخاری: ح 645۔ مسلم 'کتاب الصلاۃ 'باب تقدیم الجماعۃ من یصلی بھم إذا تأخر الإمام ۱/ ۳۱۷۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''پھر ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دنوں میں نماز پڑھائی۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں کچھ کمی محسوس کی تو دو آدمیوں کے سہارے ظہر کی نماز کے لیے نکلے: ان میں ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے؛ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ کیا کہ وہ پیچھے نہ ہوں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو فرمایا: ''مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھا دو؛ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھا دیا گیا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کرتے رہے ؛اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کر رہے تھے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔

عبیداللہ نے کہا میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا: ''کیا میں آپ کی خدمت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کے بارے میں حدیث پیش نہ کروں جو آپ نے مجھ سے بیان کی ہے؟ تو انہوں نے کہا: لے آؤ۔ تو میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ان پر پیش کی؛ تو انہوں نے اس میں سے کسی چیز کا انکار نہیں کیا؛ سوائے اس کے کہ انہوں نے فرمایا: ''کیا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تجھے عباس رضی اللہ عنہ کیساتھ جو آدمی تھا اسکا نام بتایا ہے؟ میں نے کہا: نہیں؛ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔''❶

یہ حدیث جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اتفاق ہے؛ اس میں یہ دونوں حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے بارے میں خبر دے رہے ہیں ؛ اور امامتِ نماز میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کو بیان کر رہے ہیں۔ اور یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر نکلنے سے کئی دن پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے تو آپ کو حکم دیا کہ پیچھے نہ ہٹیں؛ بلکہ اپنی جگہ پر قائم رہیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پہلو میں بیٹھ گئے ؛ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء۔

تمام علماء کرام کا اس حدیث کی صحت اور قبولیت پر اتفاق ہے۔ اور اس حدیث سے کئی فقہی مسائل اخذ کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ: ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور باقی لوگ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے؛ تو کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے؟ یا یہ عمل آپ کی اس مشہور حدیث کے لیے ناسخ ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے:

((وإِذا صلَّی جالِساً فصلوا جلوساً أجمعون ))

---

❶ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری میں مروی ہے۔ ۱/ ۱۳۸۔ کتاب الأذان، باب إِنما جعل الإِمام لِیؤتم بِہ۔ مسلِم ۱/ ۳۱۳۔ کتاب الصلاۃ، باب استِخلافِ الإِمامِ إِذا عرض لہ عذر. [ مسلم: ح 931.

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



''جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔''

یا پھر دونوں باتوں کو جمع کیا جائے گا۔اور دوسری حدیث کو نماز کو بیٹھ کر شروع کرنے پر محمول کیا جائے گا۔ جب کہ اس حدیث میں یہ ہے کہ جب نماز کے دوران بیٹھنے کی ضرورت پیش آجائے۔ اس مسئلہ میں علماء کرام کے تین اقوال ہیں۔

پہلا قول امام مالک اور محمد بن الحسن رحمہما اللہ کا ہے۔ جب دوسرا قول امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا ہے۔اور تیسرا قول امام احمد بن حنبل، حماد بن زید، اوزاعی اور دوسرے علماء کرام رحمہم اللہ کا ہے ؛ جو کہ مقتدیوں کو اس وقت بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں جب امام کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو۔اور اس مسئلہ میں بھی علماء کرام نے کلام کیا ہے کہ جب متعین امام نماز پڑھانے کے لیے کسی کو اپنا جانشین مقرر کرے؛ پھر وہ نماز کے دوران خود بھی حاضر ہو جائے؛ تو کیا یہ امام ان کی نماز کو پورا کرے گا ؛ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کی حالت میں اور ایک دوسرے موقع پر بھی کیا تھا: جس کا ذکر عنقریب آرہا ہے۔ یا پھر ایسا کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب میں دو قول ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس چیز کی خبر دی ہے؛ انہوں نے بالکل سچی خبر دی ہے۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے معمولی سی ناراضگی بھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی نہیں لیا۔ جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف مائل تھے ؛ اور آپ پر کسی قسم کی کوئی تہمت نہیں رکھتے تھے۔مگر آپ نے اس کے باوجود جو کچھ ارشاد فرمایا بالکل سچ ارشاد فرمایا۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لینے کے بجائے ایک دوسرا آدمی کہہ دیا۔مگر جو کچھ آپ نے بیان کیا اس میں نہ ہی کوئی جھوٹ بولا اور نہ ہی کوئی غلطی کی۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے امام نہ بنانے پر) اصرار کیا۔اور اس بار بار اصرار کی وجہ یہ تھی کہ مجھے اس بات کا خیال نہ تھا کہ آپ کے بعد لوگ اس سے محبت کریں گے جو آپ کے بعد آپ کی جگہ پر کھڑا ہوگا۔لیکن میرے دل میں یہ تھا کہ جو شخص آپ کی جگہ کھڑا ہوگا لوگ اس کو منحوس تصور کریں گے۔تو اسی لیے میں نے ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امام بنانے سے معاف رکھیں تو مناسب ہوگا۔''[1]

صحیحین میں ہے آپ فرماتی ہے:''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیماری میں سے کچھ افاقہ ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کو نماز کے لیے بلانے کے لیے آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: میں نے عرض کی: ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے،تو لوگ ان کے

---

[1] یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری میں مروی ہے۔٦/ ١٢۔کتاب المغازِي، مرضِ النبِي صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتِہِ۔ مسلِم ١/ ٣١٣۔ کتاب الصلاۃ، باب استِخلافِ الإمامِ إذا عرض له عذر . [ صحيح مسلم:ح 934.

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



رونے کے سبب سے ان کی آواز نہ سن سکیں گے، اس لیے اگر آپ چاہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیں کہ نماز پڑھائیں۔ آپ نے فرمایا: ''ابوبکر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ: میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو کہ حضرت ابوبکر بہت نرم دل ہیں؛ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو ان کے رونے کے سبب سے لوگ ان کی آواز سن نہ سکیں گے۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیجئے کہ وہ نماز پڑھائیں۔'' چنانچہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیشک تم تو یوسف کی ساتھی عورتیں ہوں۔'' ابوبکر کو حکم دو کہ تم لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ بخاری کی روایت میں ہے: چنانچہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ٹھہر جاؤ؛ یقیناً تم یوسف کی ساتھی عورتیں ہوں۔'' ابوبکر کو حکم دو کہ تم لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کہا کہ میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں پائی۔'' [1]

اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کرنے کو کہا۔ اسی تکرار پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ملامت کیا' اور ان کے تکرار کو ایسے باطل ٹھہرایا جیسے یوسف علیہ السلام کی ساتھی عورتوں نے باطل کی کوشش کی تھی۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے کو نماز پڑھانے کے لیے آگے کرنا ایسا باطل ہے جو ملامت کا مستحق ہے۔ جس طرح کہ باطل کی کوشش پر یوسف علیہ السلام کی ساتھی عورتوں کی مذمت و ملامت کی گئی ہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: نماز پڑھائیے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے نہیں بڑھے؛ بلکہ فرمانے لگے: آپ ہی اس کے زیادہ حق دار ہیں۔

جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مدینہ طیبہ میں خطبہ-اس کا تذکرہ پہلے بھی گزر چکا ہے- کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

''سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ: ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے ہو۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر بن خطاب اور ابوعبیدہ بن جراح حضرت سعد رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کرنی چاہی لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو روک دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اللہ کی قسم! میں نے یہ ارادہ اس لیے کیا تھا کہ میں نے ایک ایسا کلام سوچا تھا جو میرے نزدیک بہت اچھا تھا مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ وہاں تک ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں پہنچیں گے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسا کلام کیا جیسے بہت بڑا فصیح و بلیغ آدمی گفتگو کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ ہم لوگ امیر بنیں گے تم وزیر رہو۔ اس پر حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں؛ اللہ کی قسم! ہم یہ نہ کریں گے بلکہ ایک امیر ہم میں سے بنا ایک امیر تم میں سے مقرر کیا جائیگا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ ہم امیر و

[1] صحیح بخاری: ح 2178.

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



صدر بنیں گے اور تم وزیر اس لیے کہ قریش باعتبار مکان کے تمام عرب میں عمدہ برتر اور فضائل کے لحاظ سے بڑے اور بزرگ تر ہیں۔ لہذا تم عمر رضی اللہ عنہ یا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: ''جی نہیں ہم تو آپ سے بیعت کریں گے۔ آپ ہمارے سردار اور ہم سب میں بہتر اور ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان سے بیعت کر لی اور لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔ جس پر ایک کہنے والے نے کہا تم نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے ہی اسے قتل کر دیا ہے۔''

اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کے سامنے اس بات کا اظہار کیا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے سردار؛ ان سب سے بہتر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ لہٰذا اس علت کی بنا پر آپ کی بیعت کی جائے۔ اور پھر اعلان کرتے ہوئے فرمایا: ''بلکہ ہم آپ کی ہی بیعت کریں گے اس لیے کہ آپ ہمارے سردار اور ہم سب میں بہتر اور ہم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔'' تاکہ لوگوں کے سامنے واضح ہو جائے کہ مامور بہ افضل کو ولایت تفویض کرنا ہے۔ اور آپ ہی ہم سب سے افضل ہیں' اس لیے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔

صحیحین میں یہ بھی ثابت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''ابوبکر۔'' [البخاري ٥/ ١٦٥ـ مسلم ٤/ ١٨٥٦]۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو گہرا دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔''

محدثین کرام اس حدیث کے بارے میں قطعی طور پر کہتے ہیں: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمان ہے۔ بھلے کوئی ایسا انسان بھی ہو جس کا علم ان کے علم جیسا نہ ہو اور اس نے یہ حدیث نہ سنی ہو' یہ حدیث میں سچ اور جھوٹ کی پہچان سے عاری ہو۔ تو اس میں کوئی ایسی بات بھی نہیں' اس لیے کہ علم کے لیے مخصوص لوگ ہوتے ہیں جو علمی واجبات ادا کرتے ہیں۔ اور جنگوں کے لیے کچھ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی جنگی صلاحیتوں کی وجہ سے جانے جاتے ہیں۔ اور دیوان اور حساب کے لیے محاسب اور منشی ہوتے ہیں جو ان چیزوں کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔

یہی تین وہ لوگ ہیں جو صحیح مسلم میں ابن ابی ملیکہ کی سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مقصود ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: ''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو خلیفہ متعین کرتے تو کس کو کرتے؟ فرمانے لگیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو۔ پھر پوچھا گیا: آپ کے بعد کسے بنایا جاتا؟ فرمایا: ''عمر رضی اللہ عنہ کو۔'' پھر پوچھا گیا: اس کے بعد کسے خلیفہ بناتے؟ فرمایا: ''حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو رضی اللہ عنہ'' اس کے بعد خاموش ہو گئیں۔

یہاں پر مقصود یہ بتانا ہے کہ نماز میں جانشینی کئی دن تک رہی۔ جیسا کہ اس روایت پر صحابہ کرام کا اتفاق ہے؛ اور یہ روایت صحاح ستہ کے مؤلفین نے حضرت ابوموسیٰ ' حضرت ابن عباس' حضرت عائشہ' حضرت ابن عمر؛ حضرت

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



أنس رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت میں ہے: ''رسول اللہ کا فرمان کہ: ''ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ سے دو بار تکرار۔ اور اسی قصہ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے: ''یقیناً تم یوسف کی ساتھی عورتیں ہو۔ ابوبکر کو حکم دو کہ تم لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' اس پر لوگوں کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے تمام دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی لوگوں کو نمازیں پڑھاتے رہے۔ اور آخری بار رسول اللہ ﷺ نے انہیں ابوبکر کے پیچھے پیر کے دن فجر کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا؛ اور آپ کو یہ منظر بہت اچھا لگا اور اس پر بہت خوش ہوئے۔ ❶

اور صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ [جو رسول اللہ ﷺ کے خادم اور صحابی تھے] سے روایت ہے:

((نبی ﷺ کے مرض وفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب دوشنبہ کا دن ہوا اور لوگ نماز میں صف بستہ تھے تو نبی ﷺ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور ہم لوگوں کی طرف کھڑے ہو کر دیکھنے لگے اس وقت آپ کا چہرہ مبارک گویا مصحف کا صفحہ تھا پھر آپ بشاشت سے مسکرائے ہم لوگوں نے خوشی کی وجہ سے چاہا کہ نبی ﷺ کے دیکھنے میں مشغول ہو جائیں اور ابوبکر اپنے پچھلے پیروں پیچھے ہٹ آئے تاکہ صف میں مل جائیں۔ وہ سمجھے کہ نبی ﷺ نماز کے لیے آنے والے ہیں لیکن آپ نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کرلو؛ اور آپ نے حجرہ میں داخل ہو کر پردہ ڈال دیا اسی دن آپ نے وفات پائی (ﷺ) ❷

بخاری شریف کی بعض روایات میں ہے: مسلمانوں نے خوشی کے باعث یہ قصد کیا کہ اپنی نمازوں کو توڑ دیں۔'' [مگر آپ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ تم اپنی نمازوں کو پورا کرلو اور آپ نے پردہ ڈال دیا]۔ یہ نماز فجر کا واقعہ ہے۔ ❸

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: میں نے آخری نظر رسول اللہ ﷺ کو پیر کے روز اس وقت دیکھا جب آپ نے پردہ ہٹایا۔'' [اس کی تخریج گزر چکی ہے]

صحیحین میں حضرت انس سے روایت ہے کہ مرض وفات میں نبی ﷺ تین دن باہر نہیں نکلے۔ ایک دن نماز کی اقامت ہوئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھنے لگے اتنے میں نبی ﷺ نے پردہ کو پکڑا اور اس کو اٹھایا۔ پس نبی ﷺ کا چہرہ نظر آتے ہی ہمارے سامنے ایسا خوش کن منظر آ گیا کہ اس سے زیادہ خوش کن منظر کبھی میسر نہ آیا تھا۔ پھر نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ابوبکر کو اشارہ کیا کہ آگے بڑھ جائیں اور نبی ﷺ نے پردہ گرا دیا پھر آپ کو قدرت نہ ہوئی یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔'' ❹

---

❶ البخاري ١/ ١٣٢؛ کتاب الاذان؛ باب أهل العلم و الفضل - مسلم ١/ ٣١٣؛ کتاب الصلاة؛ باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر.

❷ صحیح بخاری: ح 647 ❸ صحیح بخاری: ح 720

❹ صحیح بخاری: ح 648 - مسلم ح 98

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اس روایت میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے تین روزہ وقفہ کے بعد دوسری بار حجرہ شریفہ سے باہر تشریف لانے کی خبر دے رہے ہیں۔ان تین دنوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ان لوگوں کو نمازیں پڑھاتے رہے۔جیسا کہ پہلی بار حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ باہر نکلنے سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نمازیں پڑھایا کرتے تھے۔ یعنی اس سے پہلے بھی کئی دن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نمازیں پڑھایا کرتے تھے۔ یہ تمام روایات صحیح ہیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے اشارہ سے انہیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ یہ آخری نماز تھی جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں مسلمانوں نے ادا کی ۔اس موقع پر آپ ﷺ نے نماز کے دوران یا اس سے پہلے ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔

یہی رسول اللہ ﷺ کا پہلا حکم بھی تھا جس کا پیغام لیکر آپ کا قاصد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حکم نہیں پہنچایا تھا اور نہ ہی اپنے والد سے کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے۔ جیسا کہ یہ رافضی جھوٹے اپنی طرف سے افتراء پردازی کرتے ہیں۔

ان جھوٹوں کا یہ کہنا کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو حکم دیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز کے لیے آگے بڑھائیں؛ ایک کھلا ہوا اور واضح ترین جھوٹ ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا کوئی حکم نہیں کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آگے کیا جائے۔ اور نہ ہی آپ حکم دیا کرتی تھیں؛ اور نہ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ سے احکامات وصول کیا کرتے تھے۔ بلکہ آپ نے خود رسول اللہ ﷺ کو نماز کے وقت کی اطلاع دی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے تمام حاضرین بشمول حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ یہ خطاب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص نہیں تھا۔ اور نہ ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ سے کوئی ایسی بات سنی تھی۔

رافضی کا یہ کہنا: ''جب آپ ﷺ کو ہوش آیا تو آپ نے تکبیر سنی' آپ نے پوچھا: ''نماز کون پڑھا رہا ہے؟ تو جواب دیا گیا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''مجھے باہر لے چلو۔''

**[جواب]**: یہ ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ وہ مشہور روایات جن کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے' ان سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے باہر تشریف لانے سے کئی روز قبل بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی لوگوں کو نمازیں پڑھایا کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ کے باہر تشریف لانے کے بعد بھی آپ ہی نمازیں پڑھاتے رہے۔ آپ کی بیماری کے دوران کسی ایک دوسرے نے کوئی نماز نہیں پڑھائی۔

❀ پھر ان سے یہ بھی کہا جائے گا کہ: یہ تواتر کے ساتھ معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ کئی دن تک بیمار رہے؛ اور کئی دن تک آپ لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکے۔ تو پھر اس دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کون تھا جو لوگوں کو نمازیں پڑھاتا رہا؟ کسی بھی سچے یا جھوٹے نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے نے نمازیں پڑھائی ہیں' نہ ہی عمر نہ ہی علی اور نہ ہی کوئی دوسرا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور یہ لوگ باجماعت نماز ادا کیا کرتے تھے' پس معلوم

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"

www.KitaboSunnat.com



ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی لوگوں کو نمازیں پڑھایا کرتے تھے۔

❀ یہ بات ممتنع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم نہ ہوا ہو۔اور نہ ہی مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی ہو۔ بلکہ یہ بات عادتاً ممتنع ہے۔تو پتہ چلا کہ آپ کی اجازت سے ہی لوگوں کو نماز پڑھائی جارہی تھی۔جیسا کہ صحیح احادیث میں یہ بات ثابت ہے'اور یہ بھی ثابت ہے کہ اس بات پر آپ سے تکرار بھی کیا گیا تھا۔ اور کہا گیا: اگر آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو نماز پڑھانے کا حکم دیں؟ تو آپ نے اس تکرار کرنے والے کو ملامت کی۔اور اس بات کو ایک برائی شمار کیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے استحقاق کا علم ہونے کے باوجود اس مسئلہ میں تکرار کیا جارہا ہے ۔ جب کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اس کا مستحق نہیں۔

## امامت ابی بکر رضی اللہ عنہ اور بشارتِ نبوت:

بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''اپنے والد اور بھائی کو بلاؤ تاکہ میں انھیں ایک تحریر لکھ دوں، مجھے ڈر ہے کہ مبادا کوئی خواہش کنندہ اپنی خواہش کا اظہار کرے اور کہنے والا کہے کہ میں خلافت کے لیے موزوں تر ہوں۔مگر واقعہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اور اہل ایمان ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو خلیفہ تسلیم نہیں کر سکتے۔'' [البخاری ۷/ ۱۱۹؛ مسلم ٤/ ۱۸۵۷]۔

بخاری میں حضرت قاسم بن محمد سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا:''ہائے میرا سر۔'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اگر تو اسی درد میں مبتلا رہ کر مرگئی تو تیرے لیے دعائے مغفرت کروں گا اور دعا کروں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:''افسوس! اللہ کی قسم! میرا تو خیال ہے کہ آپ میرا مرنا پسند کرتے ہیں۔اگر ایسا ہوا تو اسکے دوسرے ہی دن آپ اپنے دوسری بیویوں کے ساتھ رات گزاریں گے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''نہیں بلکہ میں خود بھی دردسر میں مبتلا ہوں۔اور میں نے چاہا کہ ابوبکر اور ان کے بیٹے کو بلا بھیجوں اور ان کو وصیت کروں تاکہ کوئی کہنے والا کچھ کہہ نہ سکے اور نہ کوئی آرزو کرنے والا اس کی آرزو کر سکے۔پھر میں نے سوچا کہ اللہ تعالی دوسرے کی خلافت کو ناپسند کرتا ہے اور مومن ہی اس کو نامنظور نہ کریں گے یا یہ فرمایا کہ اللہ تعالی دفع کرے گا اور مسلمان بھی پسند نہ کریں گے۔'' [1]

یہ صحیح حدیث ہے۔اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے ایک تحریر لکھوا دیں۔تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں ان سے زیادہ حق دار ہوں۔پھر فرمایا:''اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان اس کا انکار کرتے ہیں۔''

اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب (بنا بر وحی) معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اس کام کے لیے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہی اختیار کریں گے؛اور اہل ایمان آپ کو بالاتفاق خلیفہ تسلیم کرلیں گے اور آپ کی بیعت پر راضی ہو جائیں گے،تو آپ نے دستاویز لکھنے کی ضرورت نہ سمجھی۔سو ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوری ہوئی جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کے اختیار پر راضی نہیں۔[آپ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔]

[1] صحیح بخاری:ح 632

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com



نبی کریم ﷺ نے اپنی بیماری میں دوبار اس بات کا ارادہ کیا تھا۔اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا بھی تھا کہ اپنے والد اور بھائی کو بلا لو۔یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شکایت سے پہلے کا معاملہ ہے۔اس وقت تو آپ نے فرمایا تھا: میرا ارادہ تھا کہ میں ابوبکر کے لیے ایک تحریر لکھوا دوں۔'' پھر آپ نے جمعرات کے دن اس چیز کا دوبارہ ارادہ کیا تھا۔صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: آپ فرماتے ہیں:''جمعرات کا دن؛ اور آہ! جمعرات کا دن بھی کیسا تھا؟[اور پھر اتنا روئے کہ ان کے آنسوں سے سنگریزے تک بھیگ گئے اور پھر کہنے لگے کہ جمعرات کے دن] رسالت مآب ﷺ کے مرض میں شدت ہوئی تو آپ نے فرمایا:''لکھنے کے لیے کوئی چیز لاؤ کہ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہی میں کبھی نہ پڑسکو گے۔پھر لوگوں نے اختلاف کیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اختلاف نہ کرنا چاہیے۔لوگ بولے کہ آپ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔لہٰذا آپ ﷺ سے دوبارہ پوچھو لوگوں نے پوچھنا شروع کردیا۔[اور رسول اللہ ﷺ کی بات کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے]۔آپ ﷺ نے فرمایا:''مجھے چھوڑ دو میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم لوگ مجھے بلا رہے ہو۔'' اور آپ نے بوقت وفات تین وصیتیں کیں مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نکال دینا قاصدوں کو اسی طرح انعام دینا جس طرح میں انعام دیا کرتا تھا اور تیسری وصیت میں خود بھول گیا۔''[1]

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ [جب آنحضرت ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا] تو گھر میں بہت سارے افراد موجود تھے' ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا: آؤ میں تمہارے لیے ایک وصیت لکھ دوں تاکہ تم گمراہ نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:''اس وقت آنحضرت ﷺ کو بہت تکلیف ہے وصیت لکھنے کی ضرورت نہیں۔تمہارے پاس قرآن ہے اور ہمارے لیے کتاب اللہ ہی کافی ہے۔اس کے بعد گھر میں موجود لوگ جھگڑنے لگے کوئی کہتا تھا: ہاں لکھوا لو اچھا ہے تم گمراہ نہ ہوں گے۔کوئی عمر رضی اللہ عنہ والی بات ہی کہتا۔کسی نے کچھ اور کہا۔اور باتیں بہت ہی زیادہ ہونے لگیں۔تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس سے چلے جاؤ۔''

عبیداللہ بن عبداللہ زہری سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے بعد افسوس سے کہا:''یہ کیسی مصیبت ہے کہ جو لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے درمیان اور آپ کی وصیت لکھوانے کے درمیان حائل کردی۔''[صحیح بخاری : ح1586]

یہاں سے شک پیدا ہوا ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ کا فرمان:''میں تمہارے لیے کتاب لکھوا دوں جس کے تم گمراہ نہ ہوگے۔'' یہ مرض میں تکلیف کی وجہ سے کہہ رہے تھے' یا یہ وہ حق تھا جس کی اتباع ضروری تھی؟ جب شک واقعہ ہوگیا تو مقصود حاصل نہ ہوسکا۔اور آپ بھی اس تحریر کے لکھوانے سے رک گئے۔اور یہ امت پر آپ کی شفقت و رحمت تھی کہ آپ ان سے اختلاف کو ختم کرنا چاہتے تھے۔اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا بھی کیا کرتے تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ

[1] صحیح بخاری:ح306

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اختلاف ہوکر رہنا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے تین چیزیں مانگیں ؛ پس دو چیزیں مجھ کو عطا کردیں گئیں اور ایک چیز سے مجھے روک دیا۔ میں نے اپنے رب سے مانگا کہ: ''میری امت کو قحط سالی کے ذریعہ ہلاک نہ کرے۔'' پس یہ مجھے عطاء کردیا گیا اور میں نے اللہ عزوجل سے مانگا کہ: ''میری امت کو غرق کرکے ہلاک نہ کرے۔'' پس اللہ عزوجل نے یہ چیز بھی مجھے عطا کردی۔ میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ: ''ان کی آپس میں ایک دوسرے سے لڑائی نہ ہو۔'' تو مجھے اس سوال سے منع کردیا گیا۔'' [صحیح مسلم: ح 2761]

یہی وجہ ہے کہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہر طرح کی بدبختی اس انسان کے لیے ہے جو رسول اللہ ﷺ کی تحریر میں حائل ہوا؛ اس سے اختلاف ختم ہوجاتا۔ ہاں یہ بدبختی اس انسان کے حق میں ہے جو کوئی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شک اور قدح کرے۔ اگر رسول اللہ ﷺ وہ تحریر لکھوا دیتے تو اس کی وجہ سے شک کرنے والوں کا یہ شبہ بھی ختم ہوجاتا۔ اور یہ قول حق کیساتھ کہا جاسکتا کہ: آپ کی خلافت صریح نص جلی سے ثابت ہے۔ جب یہ نص موجود نہیں ہے تو پھر یہ بدبختی بغیر کسی افراط و تفریط کے شک کرنے والے انسان کے حق میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات کھل کر پہنچادی تھی۔ اور بہت ساری ادلہ کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے حق دار اور دوسروں سے افضل تھے۔ یہ بدبختی ان اہل تقوی کے حق میں نہیں ہے جو کتاب و سنت سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ بلکہ اس کے لیے بدبختی ہے جس کے دل میں مرض پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کے وہ احکام جو اللہ تعالیٰ نے منسوخ کیے اور قرآن نازل کیا' احد کے دن مسلمانوں کو پسپائی ہوئی۔ اور اس طرح کے دیگر واقعات اور دنیاوی مصائب ان لوگوں کے حق میں مصیبت ہیں جن کے دل مرض سے بھرے پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ﴾

''پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لیے۔'' [آل عمران ۷]

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امور ان لوگوں کے حق میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہو' ان کے علم و ایمان میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہیں جیسے انسانوں اور جنات کے ساتھ شیاطین کا وجود؛ اللہ تعالیٰ ان کی مخالفت کرنے اور ان کے ساتھ مجاہدہ کرنے کی وجہ سے اہل ایمان کے درجات بلند کرتے ہیں؛ حالانکہ ان شیاطین کا وجود بھی ایک فتنہ اور آزمائش ہوتی۔ بہت سارے لوگوں کو یہ بہکاتے اور گمراہ کرتے ہیں۔ یہ بالکل اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

﴿جَعَلْنَا عِدَّتَھُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَیَزْدَادَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِیْمَانًا﴾

''اور ہم نے ان کی تعداد صرف کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے تاکہ اہل کتاب یقین کرلیں اور ایماندار ایمان میں اور بڑھ جائیں۔'' [المدثر ۳۱]

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾ ''جس قبلہ پر تم پہلے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے۔'' [البقرۃ ۱۴۲]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ﴾ [الأعراف ۱۵۵]

''یہ واقعہ محض تیری طرف سے امتحان ہے، ایسے امتحانات سے جس کو تو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت پر قائم رکھے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ﴾ [القمر ۲۷] ''بیشک ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجیں گے۔'' ...... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝ وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ [الحج ۵۲۔۵۴]

''ہم نے آپ سے پہلے جس رسول اور نبی کو بھیجا اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب وہ اپنے دل میں کوئی آرزو کرنے لگا شیطان نے اس کی آرزو میں کچھ ملا دیا، پس شیطان کی ملاوٹ کو اللہ تعالی دور کر دیتا ہے پھر اپنی باتیں پکی کر دیتا ہے اللہ تعالی دانا اور با حکمت ہے۔ یہ اس لیے کہ شیطانی ملاوٹ کو اللہ تعالی ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں بیشک ظالم لوگ گہری مخالفت میں ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ جنہیں علم عطا فرمایا گیا ہے وہ یقین کر لیں کہ یہ آپ کے رب ہی کی طرف سے سراسر حق ہی ہے پھر اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کی طرف جھک جائیں یقیناً اللہ تعالی ایمان والوں کو راہ راست پر رہبری کرنے والا ہے۔''

## فصل: ...... [خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ارشاد نبوت]

اس سے پہلے یہ تنبیہ گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف رہنمائی کی تھی۔ اور یہ واضح کر دیا تھا کہ آپ دوسروں سے زیادہ اس کے حق دار ہیں۔ مثال کے طور پر صحیحین کی روایت میں ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ایک عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی؛ اور اس نے کسی چیز کا سوال کیا۔ آپ

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



نے اسے دوبارہ حاضر ہونے کے لیے مامور فرمایا۔ وہ بولی: ''اگر میں آؤں اور آپ کو موجود نہ پاؤں [تو]۔'' (یعنی آپ وفات پا جائیں) آپ نے فرمایا: ''اگر تو مجھے نہ پائے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری دیجیے۔'' [اس کی تخریج گزر چکی ہے]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب (بنا بر وحی) معلوم ہوگیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کام کے لیے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہی اختیار کریں گے؛ اور اہل ایمان آپ کو بالاتفاق خلیفہ تسلیم کر لیں گے [کسی دوسرے کو نہیں]؛ اسی لیے آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان اس کا انکار کرتے ہیں۔''

آپ کی اس رہنمائی و دلالت میں شرعی ادلہ موجود ہیں۔ اور آپ کو جو علم ہوگیا تھا کہ اللہ تعالیٰ خیر کو آپ کی رضا اور چاہت کے مطابق مقدر کر دے گا۔ جس سے خلق و امر میں اس کی حکمت قدراً و شرعاً پوری ہو جائے گی۔

اس سے پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار اس امت کے حق میں کئی وجوہات کی بنا پر بہت بہتر تھا۔ اس لیے کہ جب امت نے اپنے علم اور اختیار سے آپ کو یہ منصب تفویض کیا؛ اور ان کو علم تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک آپ ہی اس منصب کے اہل ہیں۔ تو اس میں اتنی شرعی مصلحتیں تھیں جو اس کے بغیر کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔ اس سے پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار اس امت کے حق میں کئی وجوہات کی بنا پر بہت بہتر تھا۔ اس لیے کہ جب امت نے اپنے علم اور اختیار سے آپ کو یہ منصب تفویض کیا؛ اور ان کو علم تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک آپ ہی اس منصب کے اہل ہیں۔ تو اس میں اتنی شرعی مصلحتیں تھیں جو اس کے بغیر کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔

احکام کا بیان کبھی تو مؤکد نص جلی سے ممکن ہوتا ہے۔ اور کبھی سادہ نص جلی سے۔ اور کبھی ایسی نص سے ممکن ہوتا ہے جس کی وجہ سے بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مشیئت و حکمت کے مطابق شک بھی ہو جاتا ہے۔ مگر یہ ساری چیزیں بلاغ مبین میں داخل ہیں۔ اس لیے کہ بلاغ مبین کی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ کسی ایک کو اس میں کوئی اشکال پیش نہ آئے۔ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ اس لیے کہ لوگوں کے اذہان و عقول میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض علم کو سمجھ لیتے ہیں؛ اور بعض کو علم کی سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی؛ ایسا یا تو انسان کی سمجھ میں تفریط کی وجہ سے ہوتا ہے یا پھر کمزوری اور عجز کی وجہ سے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری واضح طور پر پہنچا دینا تھا۔ یعنی بلاغ المبین۔ جتنی وضاحت و بیان ممکن تھا وہ ہوگیا۔ وللہ الحمد۔ آپ نے یہ فریضہ انجام دے دیا۔ آپ نے کھول کھول کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا؛ اور امت کو ایسے راستے پر چھوڑ دیا جس کی رات بھی اسکے دن کی طرح روشن تھی۔ اس کے بعد کوئی ہلاک ہونے والا ہی گمراہ ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی چیز ایسی نہیں تھی جس کی وجہ سے جنت کی قربت حاصل ہو سکتی ہو مگر آپ نے اس امت کو اس کا حکم دے دیا۔ اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں تھی جو جہنم کے قریب کرنے والی ہو، مگر آپ نے اس سے منع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی امت کی طرف سے اس سے بہترین و افضل جزاء عطا فرمائے جو کسی بھی امت کی طرف سے اس کے نبی کو ملی ہو۔

مزید برآں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عدم موجودگی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ لوگوں کو نماز

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



پڑھائیں۔اور آپ کی موجودگی اور بحالت صحت بھی جب آپ نے نماز پڑھائی تو آپ ﷺ نے اسے برقرار رکھا۔

صحیحین میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنو عمرو بن عوف کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت ہو گیا تو مؤذن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے تو میں اقامت کہوں؟ فرمایا: ہاں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ رسول اللہ ﷺ آئے تو لوگ نماز میں تھے۔ آپ ﷺ لوگوں میں سے گزرتے ہوئے صف میں جا کر کھڑے ہو گئے لوگوں نے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ جب لوگوں کی تالیاں بہت زیادہ ہو گئیں تو وہ متوجہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا کہ تم اپنی جگہ کھڑے رہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور نبی ﷺ کے حکم کے مطابق اللہ کی حمد کی پھر ابوبکر پیچھے ہو کر صف میں برابر آ گئے اور نبی کریم ﷺ آگے تشریف لے گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: اے ابوبکر! جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو تم اپنی جگہ پر کیوں نہ کھڑے رہے؟ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ''ابن قحافہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کے سامنے لوگوں کو نماز پڑھانا مناسب نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تم کو کثرت کیساتھ ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے دیکھا۔ جب تمہیں نماز میں کوئی چیز پیش آ جائے تو تم سبحان اللہِ کہو جب سبحان اللہِ کہا جائے گا تو امام متوجہ ہو جائے گا تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے۔'' [صحیح مسلم: ح 944]

ایک روایت میں ہے کہ: ''آپ ﷺ صفوں سے نکلتے ہوئے پہلی صف میں آ کر کھڑے ہو گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں پیچھے آ گئے۔''

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے: [جب نماز کا وقت ہو گیا] تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: اے ابوبکر! رسول اللہ ﷺ کو تاخیر ہو گئی ہے اور نماز کا وقت ہو گیا ہے؛ کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے تو میں اقامت کہوں؟ فرمایا: ہاں! اگر آپ چاہتے ہیں تو۔''

ایک روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے جب نماز میں کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو تم تالیاں بجاتے ہو؛ بیشک تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے۔ جب تمہیں نماز میں کوئی چیز پیش آ جائے تو تم سبحان اللہِ کہو؛ اس لیے کہ جب بھی کوئی سبحان اللہِ سنے گا تو اس طرف متوجہ ہو جائے گا۔''

پھر فرمایا: اے ابوبکر! جب میں نے تجھ کو اشارہ کر دیا تھا تو تم لوگوں کی امامت کراؤ؟

ایک روایت میں ہے: یہ عصر کی نماز تھی۔ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز پڑھانے کے بعد بنی عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ نماز کو جاری رکھو۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔ تو حضرت ابوبکر کچھ دیر کھڑے رسول اللہ ﷺ کی اس نوازش پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرتے رہے؛ پھر الٹے پاؤں پیچھے ہٹ گئے۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



ایک روایت میں ہے کہ اہل قباء کا آپس میں جھگڑا ہوگیا اور انہوں نے ایک دوسرے پر سنگ باری کی۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: ''ہمیں لے چلو ان کے مابین صلح کراتے ہیں۔''

ایک روایت میں ہے: نماز کا وقت آگیا اور رسول اللہ ﷺ واپس تشریف نہیں لائے۔ یہ حدیث سب سے صحیح ترین حدیث ہے۔ اس کی صحت پر محدثین اور اہل علم کا اتفاق ہے اور علماء میں اسے مقبولیت حاصل ہے۔ [1]

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی عدم موجودگی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھائی؛ یہی وہ درمیانی نماز ہے جس کی حفاظت کا حکم قرآن میں بطور خاص دیا گیا ہے۔ جب صحابہ کرام کو علم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مصروف ہیں۔ آپ اہل قباء میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو آپ ﷺ کی اس سنت کا بھی علم تھا کہ آپ ایسے احوال میں کسی ایک کو امام بنا لینے کا حکم دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ غزوہ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی عدم موجودگی میں نماز فجر کے لیے صحابہ کرام نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو آگے بڑھا دیا تھا۔ یہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ ﷺ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے اور واپسی میں تأخیر ہوگئی۔ اس وقت آپ پر اون کا ایک جبہ تھا۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہی مؤذن تھے جو دوسروں سے زیادہ ان امور کے جاننے والے تھے۔ آپ نے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نماز پڑھانے کے لیے کہا تھا۔ تو آپ نے نماز پڑھا دی تھی۔ اور خصوصاً جب کہ نبی کریم ﷺ ان کے بارے میں فرما کر گئے تھے۔

صحیحین میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بنوعمرو بن عوف کے مابین جھگڑے کی خبر پہنچی تو آپ ظہر کے بعد ان کے درمیان صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ: اگر نماز کا وقت ہوگیا اور میں نہ آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دینا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں......''

پھر جب رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ وہ نماز کو پورا کریں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ادب کے راستے پر گامزن ہوتے ہوئے واپس پیچھے ہٹ گئے۔ اس لیے کہ آپ جانتے تھے آپ کا یہ حکم حکمِ عزت واحترام واکرام ہے؛ اس کا ماننا لازمی یا واجب نہیں۔ اور نہ ہی اس کے نہ ماننے میں نافرمانی کا کوئی پہلو ہے۔ پس جب رسول اللہ ﷺ اپنی موجودگی میں اور بحالت صحت آپ کو اس نماز کے پورا کرنے کے لیے امام برقرار رکھا جو آپ شروع کر چکے تھے، اور خود رسول اللہ ﷺ نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی؛ جیسا کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر فجر کی ایک رکعت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑی؛ اور دوسری رکعت کو پورا کرلیا۔ تو پھر یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیماری کی حالت میں خود آپ کو امامت پر مامور کر کے پھر باہر نکلیں کہ آپ کو لوگوں کی امامت سے منع کریں۔ اس سے واضح ہوگیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حال اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کے نزدیک اس سے یکسر

[1] الحدیث بِرِوایاتِہِ المختلفۃِ عن سہلِ بنِ سعد الساعِدِیِ رضِی اللہ عنہ فِی البخارِی ۱/ ۱۳۸۔کتاب الأذانِ، باب من دخل لِیؤم الناس فجاء الِإمام الأول۔مسلِم ۱/ ۳۱۶؛ کتاب الصلاۃِ، باب تقدِیمِ الجماعۃِ من یصلِی بِہِم۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



مختلف ہے جو ان جھوٹے اور کذاب روافض منافقین و مرتدین اور کفار کے بھائیوں نے گھڑ لیے ہیں جو اللہ کے دشمنوں سے تو دوستی رکھتے ہیں؛ مگر اس کے دوستوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے اعوان و انصار اس میں سب سے زیادہ کفار و منافقین و مرتدین سے جہاد کرنے میں سب سے زیادہ سخت تھے۔ ان ہی کی شان بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [المائدة ۵۴]

''تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی وہ نرم دل ہونگے مسلمانوں پر سخت اور تیز ہونگے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دیدے۔''

آپ کے اعوان و انصار اس امت کے سب سے بہترین اور افضل ترین لوگ تھے۔ یہ بات سلف و خلف سب میں معلوم ہے۔ مہاجرین و انصار کے بہترین لوگ آپ کو محبت میں دوسروں پر مقدم رکھتے تھے۔ اور آپ کے حق کا خیال رکھا کرتے تھے۔ اور آپ کو اذیت دینے والوں سے آپ کا دفاع کرتے تھے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ: انصار کے امراء دو لوگ ہیں: حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما۔ ان دو میں سے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زیادہ افضل ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سعد کی موت پر اللہ تعالیٰ کا آپ کی روح آنے کی خوشی میں کانپ اٹھا تھا۔'' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آپ کے جنازہ کو اپنے کندھوں پر اٹھایا تھا۔

جب آپ نے بنی قریظہ کے بارے میں فیصلہ کیا تو اللہ کے دین میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً آپ نے وہ فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا ہے۔'' [تخریج گزر چکی]

یہ بات معروف ہے کہ افک کے معاملہ میں آپ اور آپ کے چچا زاد حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آپ کی بیٹی کے زبردست حمایتی تھے۔ فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو مہاجرین کے سردار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں تھے۔ اور انصار کے سردار حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ آپ کی بائیں جانب تھے۔ اس لیے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس سے پہلے غزوہ خندق اور بنو قریظہ کا فیصلہ کرنے کے بعد وفات پا چکے تھے۔

جب آیت تیمّم نازل ہوئی تو حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے آل ابی بکر! یہ آپ کی پہلی برکت نہیں ہے۔ جب بھی آپ کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جسے آپ ناپسند کرتی تھیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہارے لیے کشادگی پیدا کردی؛ اور اسے مسلمانوں کے لیے باعث برکت بنا دیا۔''

حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما اور ان کے امثال بہترین مہاجرین صحابہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بڑے اعوان و انصار میں سے تھے۔ یہ لوگ تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے افضل تھے جو کہ آپ کی بیعت سے پیچھے رہے۔ افک کے

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



موقع پر آپ نے ویسا دفاع بھی نہیں کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ کو معزول کر دیا گیا۔اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ جنات نے آپ کو قتل کر دیا تھا۔ اگرچہ آپ سابقین اولین اور اہل جنت میں سے تھے ۔ ایسے ہی حضرت عمرو عثمان رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔مگر انہوں نے افک کے موقعہ پر حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی کوئی خاص نصرت نہیں کی۔ جب کہ خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں انہوں نے اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معاونت میں وہ کردار ادا کیا جو کہ دوسروں کو نصیب نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہی سچا اور مبنی بر عدل فیصلہ کرنے والا ہے۔ وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تو انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بھی بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اور رسولوں کو باقی لوگوں پر فضیلت دی ہے۔اور اولوالعزم رسولوں کو باقی تمام رسولوں پر فضیلت دی ہے۔ ایسے ہی مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین کو باقی صحابہ پر فضیلت دی ہے۔ اور یہ سب اللہ کے سچے ولی ہیں۔اور تمام کے تمام جنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کے درجات بعض سے بلند کیے ہیں۔ ان مہاجرین و انصار میں سے جو کوئی بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جتنا ہی قریب تھا وہ اتنا ہی افضل تھا۔ قدیم و جدید میں ہمیشہ سے خیار المسلمین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا ایمان بھی کامل تھا اور آپ کی ذات بھی کامل تھی۔ اور آپ رسول اللہ ﷺ کی قرابت داری اور اہل بیت کا سب سے زیادہ خیال کرنے والے تھے۔اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کمال محبت نے آپ کے دل میں اہل بیت کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ اور اس کی یہ وجہ بھی تھی کہ اہل بیت کی رعایت اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مامور بہ تھی۔ آپ [ لوگوں کو اہل بیت اور آل رسول ﷺ سے محبت رکھنے کی وصیت کیا کرتے اور ] فرمایا کرتے تھے: ((اِرْقَبُوْا مُحَمَّداً فِيْ أَهْلِ بَيْتِهٖ)) ❶

''حضرت محمد [ﷺ] کو آپ کے اہلِ بیت میں تلاش کرو۔''

[یعنی آپ ﷺ کے اہلِ بیت کا ادب و احترام مدِّ نظر رکھا کرو۔]

امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ آپ قسم اٹھا کر فرمایا کرتے تھے: ''اللہ کی قسم! اہل بیت کی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرنا مجھے میرے اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔''

[اللہ کرے ہمارا خاتمہ اصحاب اربعہ اور اہل بیت کی الفت و محبت پر ہو۔اس لیے کہ ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔''] ❷

''انسان اسی کیساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہوگا۔''

''وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى الْاِسْلَامِ وَالسُّنَّةِ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ صَحَابَتِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنَ۔

❶ صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب ما رخص للمریض ان یقول انی وجع، (ح: ٥٦٦٦)، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ (ح:٢٣٨٧)

❷ صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب علامة الحب فی اللہ(حدیث:٦١٦٨، ٦١٦٩)، صحیح مسلم ۔ کتاب البر والصلة، باب المرء مع من احب(حدیث: ٢٦٤٠)۔

''محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ''

www.KitaboSunnat.com



**مصنف**

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

(٦٦١-٧٢٨ھ)

انتهى كتاب الإمام الهمام شيخ الإسلام مجدد أهل السنة والجماعة إمام ابن تيمية الدمشقى الحراني الحنبلي-[(٦٦١-٧٢٨هجرى)]

**یلوح الخط فی القرطاس دھراً و کاتبه رمیم فی التراب**

**خاکسار مترجم**

ابو شرحبیل پیرزادہ شفیق الرحمن شاہ الدراوی

آل عبدالکبیر الکشمیری

........................................................................................

## تیرا شکر ہے یا رب!

آج مؤرخہ ۱۸ ستمبر ۲۰۱۲ کو بوقت ۰۸-۳ قبل از عصر مختصر منہاج السنۃ النبویہ فی الرد علی الشیعہ والقدریہ؛ تالیف الامام الہمام القدوۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی تالیف کا ترجمہ اور مراجعہ کے ساتھ فہرست سازی کا کام مکمل ہو گیا۔

یہ ایسی کتاب ہے کہ سات سو سال سے شیعہ اس پر معقول علمی رد کرنے سے عاجز آ گئے ہیں۔

''مجھے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب منہاج السنہ ایک سنہری ہار کی شکل میں ملی؛ جس پر میں نے اہل سنت کی معتبر کتب سے حواشی کی شکل میں ہیرے جڑ دیے۔ اب یہ نوجوان نسل کی نذر کر رہا ہوں۔ نوجوان اسے اپنی زینت بنالیں۔ جو انسان حقیقی معنوں میں اس کتاب کا مطالعہ کرلے گا وہ کبھی بھی رافضیت کے جال میں نہیں پھنس سکے گا؛ ان شاء اللہ۔ بھائیوں سے گزارش ہے کہ اس کتاب کی خریداری میں تعاون کی یقین دہانی کرائیں اور ساتھیوں کو اس کی ترغیب دیں تاکہ اس کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں قدم اٹھایا جا سکے۔''

پیرزادہ شفیق الرحمٰن الدراوی

حال وارد مکہ مکرمہ

"محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ"